بسم الله الرحمن الرحيم

حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

کے

حالاتِ زندگی

ملقب بہ

حیاتِ اسعد

مؤلفہ

فخر الاماثل زبدۃ الافاضل حضرت مولانا نسیم احمد صاحب غازی مظاہری

مکتبہ نسیمیہ سرائے کھنہ مراد آباد۔ یوپی۔

حیات اسعد

تذکرہ: مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ قدس اللہ سرہ

سابق ناظم اعلی جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

خلیفہ مجاز

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

از قلم: مولانا نسیم احمد غازی مظاہری بجنوری مدظلہ

نوٹ: فہرست کتاب کے آخر میں دی گئی ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا

اور اہل سعادت تو ہمیشہ جنت میں رہیں گے

حجۃ الاسلام، امام الاعلام، شیخ الانام، رأس المحدثین، رئیس المتکلمین

سراج الفقہاء، تاج الادباء، اسعد الملۃ، مصلح الامۃ العلامۃ الفہامۃ، آیۃ من آیات اللہ

سیدنا و مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ قدس اللہ سرہ

خلیفۃ الاجل و تلمیذ الارجل

مجدد الملۃ، حکیم الامۃ، امام العلماء، مقدام الکملاء، مولانا الشاہ

محمد اشرف علی التھانوی نور اللہ مرقدہ کا تذکرہ

حیات اسعد

مؤلفہ

حضرت مولانا نسیم احمد صاحب غازی مظاہری بجنوری دامت برکاتہم

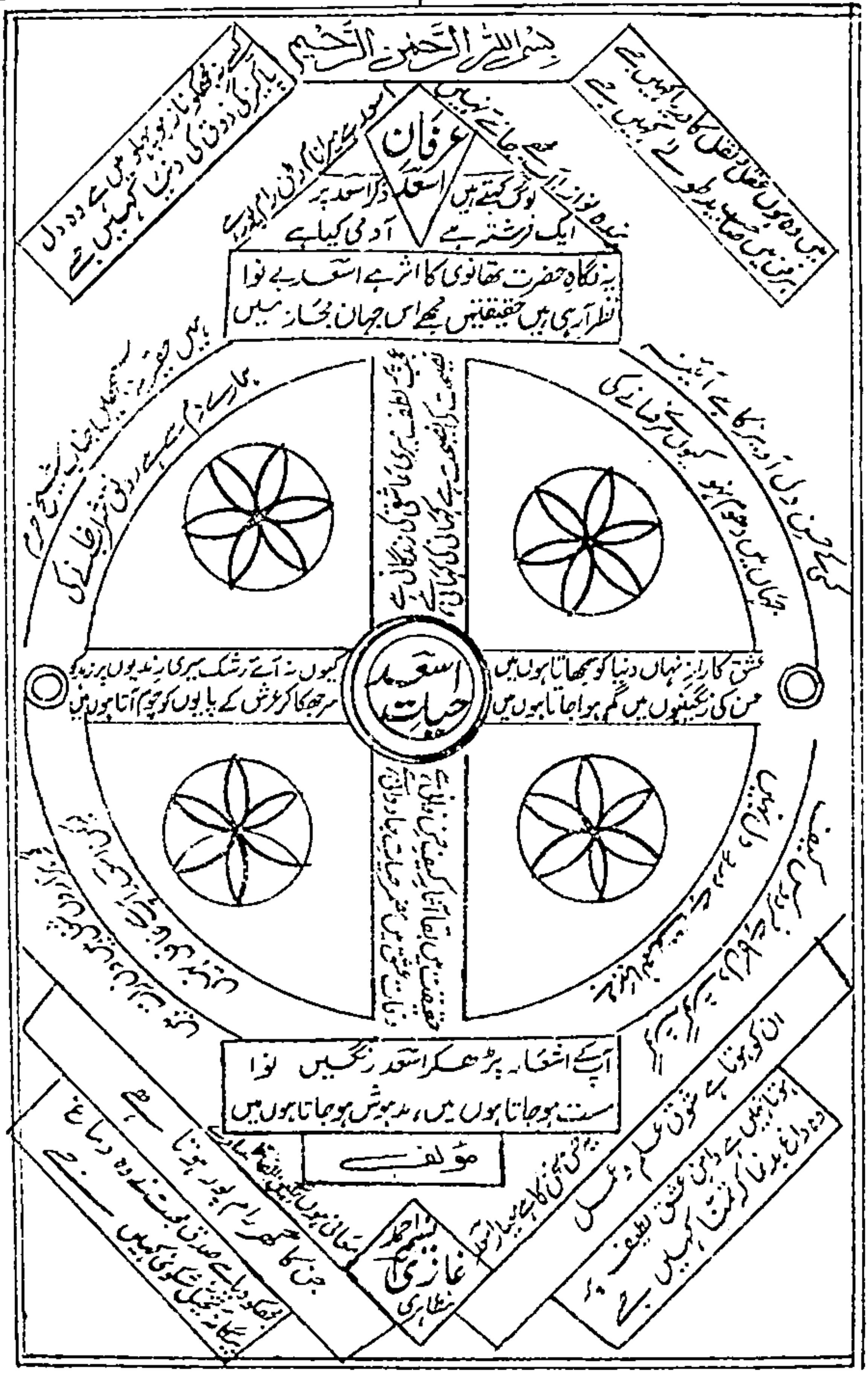
ناشر

مکتبہ نسیمیہ سکرا بجنور مراد آباد ۔ یوپی

نام کتاب ــــــــ "حیات اسعد"
مؤلف ــــــــ حضرت مولانا نسیم احمد صاحب غازی مظاہری مدظلہ العالی
ناشر ــــــــ مکتبہ نسیمیہ سرائے پختہ مراد آباد
صفحات ــــــــ ۸۱۶ ــــــــ سائز ۲۰×۲۶/۸
طبع اول ــــــــ ایک ہزار (۱۰۰۰)
سن طباعت ــــــــ ۱۴۰۷ھ مطابق ۱۹۸۶ء
مطبع ــــــــ نفیس برقی پریس مراد آباد
کاتب ــــــــ (مولوی) حسیم الدین قاسمی مدرسہ عربیہ حبیبیہ اصالت پورہ مراد آباد
قیمت ــــــــ R 96/-

ملنے کے پتے

۱ ۔ مکتبہ نسیمیہ سرائے پختہ مراد آباد ــــ یوپی
۲ ۔ حضرت مولانا محمد اللہ صاحب استاذ مظاہر علوم سہارنپور
۳ ۔ مکتبہ اشاعت اسلام دار العلوم شاہ بہلول سہارنپور
۴ ۔ مکتبہ صدیقیہ جامعہ عربیہ ہتھورا ضلع باندہ ۔ یوپی
علاوہ ازیں دیوبند، دہلی، سہارنپور وغیرہ کے ہر اچھے کتب خانہ سے طلب فرمائیے


بسم اللہ الرحمن الرحیم
عرفان اسعد
لوگ کہتے ہیں ذرا اسعد پر
ایک فرشتہ ہے آدمی کیا ہے
یہ نگاہ حضرت تھانوی کا اثر ہے اسعد بے نوا
نظر آرہی ہیں حقیقتیں مجھے اس جہان مجاز میں
اسعد حیات
عشق کا راز نہاں دنیا کو سمجھاتا ہوں میں
حسن کی رنگینیوں میں گم ہوا جاتا ہوں میں
آپ کے اشعار پڑھ کر اسعد رنگیں نوا
مست ہو جاتا ہوں میں مدہوش ہو جاتا ہوں میں
مؤلف
نسیم احمد غازی مظاہری

تصویرِ اسعد

خالق نے بنایا ہے مجھے علم مجسم — قرآن ہے مرا دل تو مرا سینہ ہے تفسیر
"والشمس" کا نور ہر اک حرف سے روشن — ہر نقطہ میں آیۂ "والنجم" کی تنویر
کلکِ دو زباں ہاتھ میں تیغ دو زباں ہے — آسان مجھے ملکِ معانی کی ہے تسخیر
کھولیں گے زباں خاکِ سخنداں مرے آگے — ہے "بلبلِ شیراز" یہاں بلبلِ تصویر
گر بحث کرے مجھ سے کبھی طوطیِ آملی — موجِ عرقِ شرم کا حلقہ ہو گلوگیر
ہے نقش مرے صفحۂ خاطر پہ ازل سے — جو خامۂ قدرت نے کیا لوح پہ تحریر
ہوں قیدِ تعلق ہیں تعلق سے بری ہیں — سدِ رہِ آواز کوئی ہوتی ہے زنجیر؟
باطل نہیں حق ہے جو کردں دعوائے عرفاں
دو شاہدِ عادل ہیں زبان و تحریر

(از اخبار الصنادید ج ۲ ص ۱۲۶)

تنویرِ اسعد

دو سنگِ آستانہ گنبدِ خضرا و عنبرا ہیں — مثالِ دانۂ بریاں ہے جانِ ناتواں میری
غریقِ تلاطمِ زخارِ طوفاں خیز عصیاں ہیں — متاعِ زہد و تقوی کی شکستہ کشتیاں میری
وہ رندِ پاک طینت، قبائے صافی دردناں ہوں — کہ برسوں جوتیاں سیدھی کرے پیرِ مغاں میری
وہ سر بر سایہ افگن ہے قدم بوسی ہیں یہ مصروف — کمربستہ ہیں خدمت میں زمین و آسماں میری
مرے کلکِ فصاحت پر مضامیں ناز کرتے ہیں — سر برآرائے اقلیمِ بلاغت ہے زباں میری
مفاتیحِ عقول عشرۂ عالم پہ ہیں فائض — علومِ عقلی و نقلی سے مملو داستاں میری
اگر شیخ المشائخ ہوں تو اب پیرِ فضیلت ہیں — تو شوخی و شرارت میں طبیعت ہے جواں میری
بہ فیضِ حضرتِ اسعد ثمر الحمات کے لائق
خزاں آباد عالم ہیں بہارِ بے خزاں میری

(حضرت دانا رح)

مقدمہ

از قلم فیض رقم

حضرت مولانا محمد اللہ صاحب دامت برکاتہم ابن (صاحب سوانح) حضرت حجۃ الاسلام نور اللہ مرقدہ
استاذ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

حامداً و مصلیاً و مسلماً ابابعد کسی کتاب کا مقدمہ یا پیش لفظ اور تعارف عام طور پر ایسے صاحب قلم اور انشاء پرداز حضرات سے لکھوایا جاتا ہے۔ جو نہ صرف پختہ قلم اور نگارش پر قادر ہوں بلکہ قارئین کے حلقوں میں متعارف بھی ہوں مگر "حیات اسعد" کے مؤلف نے میرے ہر خصوصیت سے عاری ہونے کے باوجود "مقدمہ نگاری" کیلئے مجھے منتخب فرمایا ہے۔ جہاں میرے لئے یہ بات باعث افتخار و عزت ہے وہیں مجھے اس بات کا بھی ڈر ہے کہ کتاب کے ساتھ یہ مقدمہ کہیں مخمل میں ٹاٹ کا پیوند بنکر کتاب کو بے زیب کر دے لیکن جناب مؤلف سلمہٗ کے مجھ پر احسانات ہیں اسلئے تعمیل حکم کے سوا چارہ کار نہیں۔
انسان اپنی زندگی میں حوادث میں اتنا گھرا رہتا ہے کہ حوادث و سوانح سے گذر جانا عام طور پر انسان کا مزاج بن جاتا ہے۔ مگر اسکے بالکل برخلاف میرا حال یہ رہا ہے کہ کافی عمر طویل تک مجھے کسی ایسے حادثہ سے دوچار نہیں ہونا پڑا جو مجھ پر براہ راست اثر انداز ہوتا۔ اسی لئے فطری جسمانی کمزوریوں کے باوجود میری فطری و طبعی جولانیوں میں کوئی اضمحلال نہ تھا۔ گو عمر کا تقاضا تھا کہ انتہائی وقار و سنجیدگی کا اظہار ہر حرکت و سکون سے ہو لیکن ایسے ٹھنڈے اور گھنے سایہ میں زندگی بسر کرنے کی وجہ سے جس نے حوادث کی ہر آنچ کو مجھ سے بہت دور رکھا تھا میں اپنے آپ کو ایک جوان و کم عمر اور ذرا کم ذمہ دار سمجھتا تھا اور اسی نسبت سے میری زندگی میں اس معیار کی سنجیدگی نہ تھی جتنی ہونا چاہیئے تھی ——— کہ اچانک ——— "اچانک" اسلئے کہہ رہا ہوں کہ گو سالہا سال سے ایک

عظیم خطرہ سر پر منڈلا رہا تھا۔ مگر بفضلِ خداوندی وہ ٹلتا رہا۔ اسی لئے ہم اور سب وابستگانِ عقیدت شاید مطمئن تھے کہ اب تا دیر وہ حادثہ جانکاہ پیش نہ آئے گا جس سے ہماری طبعیتیں گھبراتی اور کتراتی ہیں لیکن اچانک اور بالکل اچانک ہماری طبعی آرزوؤں کے خلاف وہ روح فرسا حادثہ پیش آگیا جس نے ہماری زندگی کو زیر و زبر کر دیا، روح پر ایک سکتہ اور سناٹا طاری ہو گیا۔ اور بہت جلد جوانی بڑھاپے میں تبدیل ہو گئی۔ یعنی ۱۱ جون ۱۹۷۹ء دوشنبہ کو میرے والد ماجد حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا الحاج الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے وصال فرمایا یہ میری زندگی کا وہ پہلا حادثہ اور سانحہ تھا جس نے براہِ راست مجھے ایسا متاثر کیا کہ بعض حضرات نے تعزیت فرماتے ہوئے کہا کہ "آپ پر بڑھاپا دیر میں آیا مگر ایک دم آگیا"، بہرحال فطرت کے قوانین کے مطابق اس حادثہ جانکاہ کے نتیجہ میں ہم پر جو گذرنا تھی گذر گئی۔

سوانح کی تحریکات:۔ حضرت والاؒ کی وفات کے بعد ہی مریدین، متوسلین، اور وابستگان نے مجھ پر تقاضا شروع فرمایا کہ میں حضرت کی سوانح قلم بند کروں لیکن اپنی بے بضاعتی و کم علمی کے ساتھ ساتھ اپنی فطری کمزوری، سہل انگاری اور ذمہ داریوں سے گریزاں طبیعت کی بنا پر اور اس وجہ سے کہ حادثہ کے تاثرات نے میرے قویٰ کو مضمحل اور دل و دماغ کو معطل و مفلوج کر دیا تھا میں اس اہم کام سے معذرت ہی کرتا رہا، ایک مرتبہ حضرت کی زندگی ہی میں تعارف کے طور پر ایک مختصر اور کافی جامع مضمون لکھا تھا (جو زیرِ نظر کتاب "حیاتِ اسعد" کے اخیر میں بھی درج کر دیا گیا ہے) لیکن مجھے اسکی تفصیلات، وجزئیات کا علم نہیں تھا اور اس سلسلہ میں حضرت کی طرف سے ہماری کوئی حوصلہ افزائی نہیں ہوئی تھی اسلئے میں سوچتا تھا کہ اگر کام شروع بھی کر دیا جائے تو اسکی تفصیلات اور جزئیات کہاں سے لائی جائیں گی جس سے سوانح وجود میں آسکے نیز میرا خیال تھا کہ حضرت کے متوسلین میں حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی مدظلہ العالی جو حضرت کے خلیفہ اجل ہیں وہ اس کام کو جتنا بہتر طور پر انجام دے سکتے ہیں کوئی دوسرا انجام نہیں دے سکتا۔ انہوں نے کچھ لکھنا بھی شروع کیا تھا لیکن وہ لکھا ہوا مسودہ ان کے کسی سفر میں گم ہو گیا۔ پھر وہ سلسلۂ اسفار، مشاغل کی کثرت اور گوناگوں ذمہ داریوں کیوجہ سے

اس کام کو شروع نہ کر سکے کچھ حضرات کا انداز مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے وہ اس کام کی ذمہ داری مجھ پر ڈال کر سبکدوش ہوجانا چاہتے ہوں اور یہ سمجھ رہے ہوں کہ بحمداللہ ہم نے کہہ کر تعلق وعقیدت کے حقوق ادا کر دیئے ادھر مجھے یہ بات معلوم تھی کہ کتاب کے لکھدینے سے زیادہ مشکل مرحلہ اسکی طباعت کا ہوتا ہے تو جب حضرت سے عقیدت و تعلق کا اظہار کرنے والوں میں قلمی تعاون تک کی آمادگی بھی محسوس نہیں کی گئی تو طباعت کے مرحلہ میں وہ کس طرح تعاون کر سکتے ہیں۔ ان سب وجوہ کی بنا پر میری طبیعت ایسی مرجھائی ہوئی تھی کہ نہ میں خود لکھ سکتا تھا اور نہ کسی صاحب علم وقلم سے گذارش کی جاسکتی تھی۔ اسی تذبذب اور کشمکش و پیچ میں گرفتار تھا کہ خیال پیدا ہوا کہ حضرت کے متعلقین میں سے فلاں صاحب ہیں جو عالم بھی ہیں اور تاجر بھی۔ شاید وہ تسوید وتبییض اور طباعت وغیرہ کے تمام مرحلوں سے بآسانی گذر سکیں گے۔ چنانچہ ان سے عرض کیا گیا۔ بات تقریباً طے ہوگئی اور میرے پاس جو تعزیتی خطوط اور منظوم کلام یا مضامین موجود تھے وہ تمام متعلقہ کاغذات ان کے حوالہ کر دیئے گئے انہوں نے کام شروع بھی کیا لیکن انہوں نے جلد ہی کام بند کر دیا اور مایوسی کے سوا کوئی نتیجہ نہ نکل سکا۔

۲۹ر جنوری ۱۹۸۵ء کو جناب محترم افتخار صاحب فریدی سہارنپور میرے پاس پہنچے اور ملاقات کے بعد یہ سوال کیا کہ "حضرت کی سوانح کا کیا رہا" میں نے جواب دیا کہ "اس کا تو کوئی انتظام نہ ہوسکا" انھوں نے فرمایا کہ مولانا نسیم احمد صاحب غازی مظاہری استاذ دارالعلوم جامع الہدیٰ مراد آباد کو حکم دیں، وہ آپکے حکم کو ٹالیں گے نہیں اور وہ اس کام کو بخوبی انجام دے سکتے ہیں تے اگلے ہی دن فریدی صاحب کی اس گفتگو کا حوالہ دیتے ہوئے مولانا نسیم احمد صاحب غازی مظاہری کو ایک عریضہ لکھا جو عنوان "وجہ تالیف" کے تحت آئندہ اوراق میں بعینہ درج ہے، کہ اگر آپ حضرت کی سوانح لکھدیں گے تو مجھ پر اور حضرت کے سب متوسلین پر آپ کا بڑا احسان ہوگا۔ میرے عریضہ کا جواب مولانا نسیم احمد صاحب نے اطمینان بخش اور امید افزا دیا۔ مجھے پہلے ہی سے توقع تھی کہ وہ یہ کام کریں گے اور اب تو یقین ہوگیا۔ چنانچہ خطوط اور تعزیتی مراسلات وغیرہ ان صاحب واپس لیے جنہوں نے سوانح کا کام شروع فرما کر بند کر دیا تھا اور مولانا موصوف کے پاس وہ تمام کاغذات کا پلندہ بھیج دیا گیا لیکن افسوس ہے کہ ان میں سے کئی اہم خطوط اور مضامین گم ہوجانے

کس طرح ضائع ہو گئے واللہ اعلم۔
خیر مختصر یہ ہے کہ مولانا نسیم احمد صاحب غازی مظاہری نے محض اللہ کے بھروسہ پر کم سے کم مواد پر انحصار کرتے ہوئے ایسے حالات میں کام شروع کیا کہ ان کو کسی سے کسی نوع کے تعاون کی قطعاً امید نہ تھی۔ انھوں نے معلومات حاصل کرنے اور مواد فراہم کرنے کے سلسلہ میں متعدد سفر رام پور، سہارنپور وغیرہ کے کیے اور دیگر مختلف مقامات کے اسفار بھی تحقیق واقعات اور فراہمی معلومات کیلئے کیے اور تلاش وجستجو کے بعد ایسا مواد اور وہ مستور معلومات فراہم کرلیں جن کے جمع ہونے کی بظاہر توقع نہیں تھی فجزاہ اللہ خیر الجزا اور انہوں نے بہت جلد اطلاع کردی کہ سوانح کے لکھنے کا کام شروع ہو کر اسکی معتدبہ مقدار ہو چکی ہے اور عنقریب اسکی تکمیل کم از کم پانچ سو صفحات پر ہو جائیگی ان کے عزم کی بلندی معلوم ہو کر کہ وہ بے سروسامانی کی حالت میں پانچسو صفحات پر طویل کتاب لکھنا چاہتے ہیں۔ اس بلندیٔ عزم سے میں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اور نہاں خانۂ دماغ میں پوشیدہ جزئیات وتفصیلات سطح ذہن پر ظاہر ہونے لگیں اور دل چاہا کہ جتنا یاد آتا چلا جائے وہ قلم بند کرادوں۔ چنانچہ مولوی رئیس الدین صاحب سے کہا کہ میں خود تو لکھنے پر قادر نہیں ہوں اگر آپ میری مدد کریں تو میں بولتا رہوں اور آپ لکھتے جائیں تو کچھ باتیں قلم بند ہو کر محفوظ ہو سکتی ہیں اور شاید مولف رحمیات اسعد مولانا نسیم احمد صاحب غازی مظاہری کیلئے کچھ چیزیں معاون بھی بن جائیں۔ ان کے مدرسہ گنگوہ میں جمعہ کے بجائے سنیچر کے دن ہفتہ وار تعطیل ہوتی ہے اسلئے یہ طے ہوا کہ وہ ہر جمعہ کی شام کو گنگوہ سے سہارنپور آیا کریں گے اور دونوں کی رات میں یہ کام کرلیا کریں گے اور سنیچر کو وہ واپس چلے جایا کریں گے۔ چنانچہ مختلف عنوانات مقرر کرکے ان کے تحت یادداشتوں کو قلم بند کیا گیا۔ کافی دنوں یہ سلسلہ چلا اور جو مواد فراہم ہوا وہ مراد آباد مولف سوانح کے پاس بھیجدیا گیا کہ وہ اس سے اپنے مطلب کی باتیں اخذ کرلیں اس کے علاوہ میں نے حضرت والا کے متوسلین میں سے بعض دوسرے حضرات سے بھی حضرت کے متعلق معلومات قلم بند کرکے بھیجنے کی درخواست کی جن میں سے صرف مولانا عبد القیوم صاحب شاکر القاسمی بستوی نے میرا عریضہ پہنچنے کے دو چار روز بعد ہی اپنے خیالات لکھکر بذریعہ رجسٹری میرے پاس بھیجدیئے۔ جو جناب مولف سوانح کو پہنچا دیئے گئے

اور دیگر گوناگوں مصروفیات کے ساتھ ساتھ ایک سال میں مولانا نسیم احمد صاحب غازی مظاہری نے "حیات اسعد" کے مسودہ کو معین کردہ نشانہ دیا پانچ سو صفحات تک پہنچا دیا تھا پھر ان کی طبیعت ایسی خراب ہوگئی کہ ناسازی طبع میں تسلسل قائم ہوگیا مگر انہوں نے پھر بھی ہمت نہ ہاری اور ہمارے کاغذات میں سے مضامین مفیدہ کا انتخاب کیا اور ان کو کتاب میں شامل کرنے کیلئے از سر نو مسودہ کی ترتیب کا کام الحمد للہ جلد مکمل کر لیا۔ اور ان کا خط میرے پاس پہنچ گیا کہ "حیات اسعد" تقریباً مکمل ہوگئی ہے مسودات کو آکر دیکھ لیں اور مقدمۂ کتاب بھی لکھ دیں۔ چنانچہ میں نے مرادآباد کا سفر کیا مسودات کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی اور اطمینان حاصل ہوا اور یہ اندازہ کر کے کہ کتاب مقررہ نشانہ سے کافی بڑھ گئی ہے کہ اب پانچ سو صفحات کے بجائے کم و بیش سات سو صفحات کا تخمینہ ہے، اور ابھی مؤلف کا خیال ہے کہ اسمیں اضافہ کی کافی گنجائش ہے لیکن مشورہ کے بعد جو مقدار ہو چکی ہے اسی پر اکتفا کرتے ہوئے اسکی طباعت کے مرحلہ کیطرف توجہ کرنا طے ہوگیا۔

ذکر مؤلفِ حیات اسعد

اس مقام پر بس عزیز فاضل مؤلف حیات اسعد کے متعلق چند ایسے تعارفی کلمات لکھ دینا بھی ضروری خیال کرتا ہوں (اگرچہ ان کے تعارف کی حاجت نہیں)، جو حقیقت پر مبنی ہوں۔

"مؤلف حیاتِ اسعد" مولانا نسیم احمد صاحب غازی مظاہری سلّمہٗ جواں عمر، جواں ہمت بلند حوصلہ، جید الاستعداد عالم باعمل، بہترین قادر الکلام مقرر، تحریر دانشا میں بہت عمدہ باسلیقہ انشاء پرداز و مضمون نگار کثیر التصانیف مصنف، خصوصاً تفسیر و حدیث اور اسکے علاوہ دیگر کئی علوم کے کامیاب و مقبول مؤلف، حق گو، حق پژدہ، حق شنو، بیباک و شجاع ہونے کے علاوہ وہ ایک خوش فکر و بلند خیال اسلامی شاعر بھی ہیں۔ محامد و نعوت کے گلدستوں کا نذرانہ پیش کرنے میں بڑا صاف ستھرا ذوق و سلیقہ رکھتے ہیں۔ اُن کا یہ ذی شان حال شاندار ماضی کی عمدہ بنیادوں پر تعمیر ہوا ہے۔ انہوں نے مادر علمی دینی جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں تقریباً پانچ سال (از ۱۳۷۲ھ تا ۱۳۷۷ھ) نہایت سعادت مندی و ناموری سے گذارے ہیں۔ وہ اپنی محنتوں، کاوشوں اور روزافزوں علمی و عملی ترقیات و خصوصیات کیوجہ سے اپنے اصحاب نسبت و ارباب فضیلت اساتذۂ کرام

کے منظور نظر بن کر ان کی نورانی توجہات سے مالا مال رہے ہیں خصوصًا جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے آفتاب و مہتاب قطب عالم حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحب نور شیخ الحدیث و مبلغ دوراں، حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کی نورانی شعاعوں سے خوب کسب فیض کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ الحدیثؒ ان کو "یار جی" یعنی دوست کہہ کر پکارتے اور حضرت ناظم صاحبؒ اکثر ملاقاتوں کے وقت کثّر اللہ امثالکم (اللہ تعالیٰ آپ جیسے افراد بہت پیدا فرمائیے) فرماتے تھے۔ مولانائے موصوف جامعہ مظاہر علوم سے ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء میں فارغ التحصیل ہوئے ہیں اور اس آخری سال میں انہوں نے امتحانات میں اپنی جماعت (دورۂ حدیث) اور جامعہ مظاہر علوم کے تمام طلبہ پر فوقیت و سبقت حاصل کی یعنی وہ سب سے اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوئے اور دونوں قسم کے (اپنی جماعت میں اور تمام طلبہ میں اول نمبر آنے کے) انعامات حاصل کئے جیسا کہ مظاہر علوم کی روداد ۱۳۷۷ھ میں مذکور ہے۔ ماشاء اللہ وہ اپنے اساتذۂ کرام کی نظروں میں ممتاز و منفرد رہے ہیں اور انہوں نے اپنی مسلسل مساعی اور انتھک کوششوں سے نہ یہ کہ ان کے اعتماد کو بحال رکھا بلکہ اسمیں ترقی کی ان کے اساتذہ کرام نے ان کے مستقبل سے بھی اچھی توقعات وابستہ کیں اور مولانا نے ان کا عملی ثبوت پیش کیا چنانچہ آج وہ درس و تدریس، دعوت و تبلیغ، تصنیف و تالیف اور خطابت و فصاحت میں اپنا ایک خاص امتیازی مقام رکھتے ہیں۔

وہ ذاتی اور خاندانی اعتبار سے بھی بہت شریف و بلند حوصلہ انسان ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ دوسروں کی نیک توقعات کو ٹھکراتے نہیں اس سلسلہ میں خواہ انکو کتنا ہی مجاہدہ کرنا پڑے چنانچہ انہوں نے میری درخواست کو اپنے اس قابل فخر رشتہ تلمذ کا لحاظ رکھتے ہوئے جو صاحب سوانح حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ سے ہے قبول فرمایا حالانکہ ان کی زندگی گوناگوں ذمہ داریوں کی حامل اور مختلف امور دینیہ و خدمات اسلام میں مصروف زندگی ہے تاہم میری درخواست کو انہوں نے رد نہیں کیا بلکہ پیشگی یہ مژدہ سنادیا کہ انشاء اللہ تقریبًا پانچ سو صفحات پر مشتمل عنقریب حضرت کی سوانح پیش کردونگا اور ایک سال کے اندر اندر انہوں نے اس کا ثبوت کامل پیش فرمادیا

بلکہ مفرز شانہ سے بڑھکر ایسی طویل و بسیط سوانح ہمارے سامنے پیش کر دی کہ جس کے مضامین شگفتہ و بے تکلف اور واقعات و حقائق پر مشتمل ہیں۔ طعن و طنز اور کسی کی تردید و دل آزاری یا توہین آمیز تقابل سے پاک و صاف ہے۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ انکی اس کاوش و محنت کو قبول و مقبول فرماکر دارین میں اسکو انکی بلندیوں کا ذریعہ بنائے اور امت مسلمہ کو ان زریں معلومات اور بے بہا جواہرات سے فائدہ اٹھانے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین

صاحب سوانح سے مؤلف کا روحانی تعلق

سابقہ سطور میں مؤلف سلمہ کی صاحب سوانح سے نسبت وخصوصیت معلوم ہو چکی ہے اسی مضبوط روحانی ربط و تعلق کی وضاحت کیلئے چند سطریں اور بھی سپرد قلم کرتا ہوں۔ تاکہ فاضل مؤلف کی حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح سے بے مثالی دلچسپی اور گہری لگن پر مزید روشنی پڑ جائے۔ گو جناب مولانا نسیم احمد صاحب غازی مظاہری نے اس پر تحریر کی ہے کیوں کہ ان کا خیال یہ ہے اور ہم بھی اس خیال سے پورے طور پر متفق ہیں کہ ۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم ۔۔ چوں غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

لیکن رؤیائے صادقہ اور اچھے خوابوں کی اہمیت قرآن مقدس و احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور ہمارا۔ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ اولیاء اللہ کی کرامتیں برحق ہوتی ہیں۔ اور کرامتوں کا تعلق صرف حیات ظاہری تک ہی محدود نہیں ہوتا۔ بلکہ وفات کے بعد بھی اولیاء اللہ کی کرامتیں مشاہدات کا تواتر حاصل کر چکی ہیں اور نصوص بھی اس پر دلالت کرتی ہیں۔ نیز ہمارے مخاطب وہ لوگ نہیں ہیں جو ان حقائق کے منکر ہیں، اور وہ ان چیزوں کو ایک افسانہ،، سے زائد حیثیت نہیں دیتے۔

بہر حال حضرت علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد مولانا نسیم احمد صاحب سے بعض علماء نے۔ ایسے مرثیہ،، کا مطالبہ کیا جو حضرت کے اوصاف وخصوصیات پر مشتمل ہو تو موصوف کو اسکی فکر ہوئی کہ اس بحر شریعت و معرفت کے کن کن موتیوں کو نظم کی لڑی میں پرو دیا جائے اور ان کے اوصاف کا احاطہ یا انتخاب کیسے کیا جائے اسی تردد و حیرانی کے عالم میں۔ رمضان ۱۳۹۹ھ میں کسی دن روزہ کی حالت میں انہوں نے حضرت والاؒ کو خواب میں دیکھا

اور حضرت والاؒ نے مولانائے موصوف کو تین بڑے بڑے سادے کاغذات عطا فرمائے اور تشریف لے گئے آنکھ کھلی تو طبیعت پر غیر معمولی نشاط پایا اور برجستہ اشعار کی آمد شروع ہوگئی اور بڑے تین کاغذوں یعنی پورے چھ صفحات پر وہ اشعار پھیل گئے اسطرح انہوں نے یہ طویل نظم بہت تھوڑے وقت میں (گویا فی البدیہہ) سپرد قلم کردی اسکے بعد خیال آیا کہ حضرت نے خواب میں تین کاغذ ہی مرحمت فرمائے تھے اور یہ مکمل نظم بھی تین کاغذوں (۶ صفحات) پر جاکر تمام ہوگئی۔ اسطرح اس خواب حقیقت مآب کی تعبیر بھی فوراً ظاہر ہوگئی۔ اس کو حضرت والاؒ کی کرامت اور روحانی توجہ کے سوا کیا کہا جائے گویا حضرتؒ کی روحانیت نے اپنے چہیتے شاگرد کے تردد کو اسطرح رفع فرمایا کہ ہم یہ تین سادے کاغذات دے رہے ہیں ان پر اپنے خیالات کا اظہار کردو اور ہمارے دنیا سے چلے آنے کے بعد بھی آپ ہماری روحانی توجہات سے فیضیاب ہیں۔

یہ نظم "ذکر اسعد" کے نام سے علیحدہ بھی شائع ہوچکی ہے اور زیر نظر کتاب "حیات اسعد" کے اخیر میں بھی وہ ایک سو چوالیس اشعار پر مشتمل طویل نظم درج کردی گئی ہے۔

اسکے بعد جب وہ موقع آیا کہ سوانح کے مسئلہ میں ہر طرف سے مایوسی ہوئی اور مولانائے موصوف کے پاس عریضہ لکھکر سوانح کی ترتیب کی درخواست کی گئی اور مولانائے موصوف نے اسکو کھلے دل سے جذبۂ کامل کے ساتھ شرف قبولیت سے نوازا اور پوری آمادگی کے ساتھ ترتیب سوانح اور جلد تکمیل کی توقع دلائی اسوقت بھی اسی نوع کا واقعہ پیش آیا۔ مولانائے موصوف فرماتے ہیں کہ میں نے ذمہ داری تو قبول کرلی تھی لیکن مواد کے مہیا نہ ہونے اور تعاونِ متوسلین سے مایوسی کے علاوہ عدیم الفرصتی کیوجہ سے میں سخت تردد اور اس مسئلہ میں ذہنی پریشانی کا شکار تھا کہ حضرت والاؒ کی خواب میں زیارت ہوئی۔ اور پھر طبیعت میں ایسا نشاط پیدا ہوا کہ قلم رواں دواں ہوگیا۔ اور اس بات کو میں نے برملا سب سے کہنا شروع کردیا کہ حضرت والاؒ کی سوانح (حیات اسعد) بہت جلد پانچسو صفحات پر پیش کررہا ہوں۔ اور میری طبیعت ایسی کھل گئی کہ تردد اور ذہنی پریشانی دور تک بھی نہ رہی اور میں "حیات اسعد" کو تیزی کے ساتھ ترتیب دینے لگا۔

بظاہر اس کا مطلب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ "محمد اللہ" کی درخواست کے ساتھ ساتھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا حکم و منشا بھی یہی ہے کہ سوانح کی ترتیب و تالیف کا کام ان کے محبوب شاگرد و خادم مولانا نسیم احمد صاحب غازی مظاہری ہی انجام دیں گویا یہ سعادت انہیں کے نصیب میں لکھی ہوئی تھی۔ اسی لئے انہوں نے اسی نشاط و شوق سے "حیات اسعد" کی ترتیب کا اہم اور بڑا کام بہت تھوڑے دنوں میں انجام دے لیا جسطرح نظم مذکور — (ذکر اسعد) کو بے تکلف (فی البدیہہ) کہہ دیا تھا اور شاید مؤلف "حیات اسعد" کی ملاقات کے وقت جو بار بار حضرت والاؒ کی زبان فیض ترجمان پر جملہ کثر اللہ امثالکم جاری ہوتا تھا۔ وہ ان کے کشف کی ترجمانی تھی جسکی سربستہ حقیقت ہیں ان کی سوانح (حیات اسعد) کی تالیف و ترتیب بھی مضمر تھی واللہ اعلم

الحمد للہ اس طرح فریدی صاحب کی ترکیب، مقدمہ نگار (محمد اللہ) کی درخواست اور حضرت والاؒ کا اشارہ مناسخ و منشا اور ان کی روحانی توجہات مل کر ایک خاص ہونہار اور لائق صاحب سلمہ فاضل پر متحد و متفق ہوگئیں۔ اور سب سے بڑھکر فاضل مؤلف مولانا نسیم احمد صاحب غازی مظاہری سلمہٗ کی توفیق خداوندی نے انتخاب کے ساتھ ہی دستگیری و مدد فرمائی۔ اسپر ہمیں سب کو حق تعالیٰ شانہٗ کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست ٭ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تشکر و امتنان

لیکن من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ (جس نے انسانوں کا شکر ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کیا) پر نظر رکھتے ہوئے۔ میرا فرض ہے کہ میں اپنے محترم مولانا نسیم احمد صاحب غازی مظاہری سلمہٗ اللہ کا بصمیم قلب شکریہ ادا کروں کہ انہوں نے میری درخواست کو شرف قبول سے نواز کر مجھے عزت بخشی اور اپنی ہمہ نوع مشغولیتوں کے باوجود اس اہم اور مفید کام کو انجام دیا۔ اور حضرت والاؒ کے جملہ متوسلین و متعلقین کو بھی ان کا ممنون ہونا چاہیئے کہ انہوں نے ایسے ایک فریضہ کو ادا کر دیا جسکی ذمہ داری ان سب پر عائد ہوتی تھی فجزاہ اللہ فی الدنیا والآخرہ میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں مزید سعادتوں سے بہرہ اندوز فرمائے اور دین و دنیا کی صلاح و فلاح سے نوازے۔

اور محض اپنے فضل و کرم سے اپنے حبیب پاک حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور نیک بندوں

کے صدقہ و طفیل میں میری بھی مغفرت فرمائے آمین یارب العٰلمین ۔
وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ وصحبہ و اولیائہ اجمعین
برحمتک یا ارحم الراحمین فقط فقیر ۔ محمد اللہ
برمکان برادر عزیز مولوی حکیم محمد فاروق آفاق صاحب محلہ بارہ دری
محمد علی روڈ مراد آباد
بقلم یکے از خدام حضرت والا ۔ رئیس الدین مدرس مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ
ضلع سہارنپور ۱۹ ارزح ۲ ۱۴۰۶ھ یوم پنجم مارچ ۱۹۸۶ء بروز شنبہ

نگارش شیخ الحدیث

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَلَّامِ ذِی الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ وَالْعِزَّۃِ الَّتِیْ لَا تُرَامُ وَالصَّلٰوۃُ الدَّآئِمَۃُ وَالسَّلَامُ التَّامُّ عَلٰی اِمَامِ النَّبِیِّیْنَ وَسَیِّدِ الْاَنَامِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ الْبَرَرَۃِ الْکِرَامِ وَعَلٰی مَنْ تَبِعَہُمْ بِالْاِحْسَانِ وَالْاِسْلَامِ وَعَلٰی سَآئِرِ الصَّالِحِیْنَ وَعُلَمَآءِ الْاَعْلَامِ وَاٰلِ کُلٍّ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ نِہَایَۃَ مَا یَنْبَغِیْ اَنْ یَّسْاَلَہُ السَّآئِلُوْنَ اِلٰی اٰخِرِ الْاَیَّامِ اَمَّا بَعْدُ: مرکز علوم و فنون مادرِ علمی جامعہ مظاہر علوم سہارن پور قائم شدہ یکم رجب المرجب ١٢٨٣ھ مطابق ١٩ر نومبر ١٨٦٦ء علوم نبویہ (علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ) کی وہ ممتاز دمایۂ ناز بلند درگاہ، منقول و معقول علوم و فنون کی وہ یکتا و بے مثل درسگاہ اور صلاح و تقویٰ، تربیت و تزکیہ، اور ایقان و عرفان کی ایسی پُرکیف و پُرکشش عظیم الشان جلوہ گاہ ہے کہ بلا مبالغہ وہ اپنی گوناگوں خصوصیات و امتیازات میں بے مثل و بے مثیل ہے۔

اس درسگاہ نے سورج کی طرح نہایت خاموشی کے ساتھ اپنی جادو اثر کرنوں سے پورے عالم کو جگمگا دیا، بغیر کسی طمطراق و تزک و احتشام کے اس بحر علم و فن نے پوری ملت اسلامیہ کو سیراب کیا، اس گلستان محمدی کی پرکیف خوشبوؤں کو رحمتِ ربّانی کے جھونکوں نے چہار دانگ عالم میں پھیلا کر پرستاران توحید کے دماغوں کو معطر کیا، اسی شراب کہنہ کی مستیوں سے ارباب علم و فن کی دنیا نشاط و سرور کے آغوش میں پہنچ گئی اس خاموش بحر فیض سے اہل سعادت کی ایک بڑی جماعت نے علوم و فنون، اخلاص و للہیت، شریعت و طریقت اور معرفت و حقیقت کا آبِ حیات پی کر اس عالم رنگ و بو کو سیراب و فیضیاب کیا۔ اور الحمد للہ یہ ایک صدی کا قدیم و عالمگیر ادارہ آج بھی ابر رحمت کی طرح پورے عالم پر اپنے فیوض و برکات برسا رہا ہے۔

ادام اللہ فیوضہا و برکاتہا۔

جامعہ مظاہر علوم و دیگر مدارس کا قیام

تاریخ ہند سے واقفین حضرات کو بخوبی معلوم ہے کہ ۱۲۷۴ھ م ۱۸۵۷ء میں مغلیہ سلطنت کے زوال پذیر ہو جانے کے بعد جب انگریزی اقتدار و حکومت کا تسلط ہندوستان پر ہوا تو مسلمانوں کی قوت و شوکت پامال ہو گئی، اہل اسلام بیکس اور بے سہارا یتیموں کیطرح مضطرب و پریشان ہو کر رہ گئے، مذہب اسلام خطرہ میں پڑ گیا کا ہر طرف سے گمراہی و جہالت کے بادل اُمنڈ آئے، عیسائی مشنریاں تبلیغی علم لے کر میدان میں اُتر آئیں اور باشندگانِ ہند کے سروں پر زبردستی عیسائیت کو تھوپا جانے لگا۔

ایسے تاریک ماحول اور سیاہ حالات میں علمائے حق کی ولی اللہی جماعت سے کفن باندھ کر اللہ کے بھروسہ پر آگے بڑھی، اور عیسائیت کے بڑھتے ہوئے خطرناک طوفان کا پوری ہمت و جرأت کے ساتھ مقابلہ کیا مسلسل تقریر و تحریر، مناظروں اور مباحثوں کے ذریعہ عیسائیت پر پیاپے حملے کئے، ایسی کاری ضربیں اور بھرپور چوٹیں لگائیں کہ عیسائیت کو میدان چھوڑنا پڑا۔

حضرت اقدس مولانا قاضی محمد اسمٰعیل صاحب منگلوری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے مطابق اس دور کے اکابر و مشائخ اور علمائے حقانی کے قلوب میں بالہام ربّانی یہ تقاضا پیدا ہوا کہ ہندوستان میں ایسے مردم ساز کارخانے قائم کئے جائیں جن میں حق آگاہ و حق کوش مردان حق پیدا ہوں، ہر قسم کی گمراہی و بے دینی اور ضلالت و جہالت کے مقابلہ کیلئے اور اسلام و مسلمین کی حفاظت کے لئے ایسے رجال مجاہدین وجود میں آئیں جن کا مقصد حیات اِنَّ صَلوٰتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہو وہ کارخانے یہی مدارس دینیہ و مراکز اسلامیہ ہیں جو درحقیقت ایسی اسلامی چھاؤنیاں ہیں جہاں وہ خدائی فوج ہر وقت ہر باطل پرستی و ضلالت کے مقابلہ کیلئے تیار رہتی اور تیار ہوتی ہے جو شعائر اسلام و دینی احکام کی حیات کیلئے اپنا سب کچھ قربان کر دینا اپنا فرض منصبی سمجھتی ہے۔

اس الہام ربّانی کے موافق علمائے عارفین و مشائخ مسلمین نے اللہ کے توکل پر قدم

بڑھا دیت اور اسلام و مسلمین کی بقاء و ارتقاء کیلئے مدارس اسلامیہ بفضل خداوندی وجود میں آنا شروع ہو گئے۔ اس سلسلۃ الذہب کی اولین کڑیاں دارالعلوم دیوبند و جامعہ مظاہر علوم سہارنپور و جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد ہیں جن سے ارباب فضل و کمال و اصحاب علم و عرفان، علمائے راسخین و مشائخ کاملین اور مجاہدین اسلام و دین کی ایک بڑی جماعت وجود میں آئی جس نے پورے عالم رنگ و بو کو علم و عرفان کی خوشبوؤں سے معطر اور نور حق سے منور کر دیا۔ فالحمد للہ علی احسانہ

جامعہ مظاہر علوم سہارنپور اور اسکی امتیازی شان

جامعہ مظاہر علوم سہارنپور، علوم دینیہ کا ایک مدرسہ، علوم اسلامیہ کا ایک ادارہ، نقلی و عقلی علوم کا ایک عظیم مرکز، مسلک حق کا ایک عمدہ ترجمان، ایک خاص مکتب فکر کا سچا محافظ، گلشن حق کو سرسبز رکھنے کیلئے ایک بہترین چشمۂ فیض، امت مسلمہ کے بقاء و ارتقاء کیلئے ایک دریائے آب حیات، عالم انس و جن کیلئے ایک منبع رشد و ہدایت، تاریک ماحول میں ایک شمع علم و یقین، ضلالت و گمراہی کی اندھیریوں میں ایک آفتاب عالم تاب اور اس دور پُرفتن میں حق تعالیٰ کی عظیم نعمت و عنوان خیر و برکت ہے۔

جامعہ مظاہر علوم سیاسی جھگڑوں، رواجی ہنگاموں، آرائشوں، مروّج تابشوں، نمائشوں اور صوفیانہ جوش و خروش سے ہٹ کر ایک نہایت مخلصانہ، پُرسکون، باوقار، پُرمتانت اور ایسی خاموش تحریک ہے جو اسلاف کے نشانات قدم پر پیہم رواں دواں ہے۔

جسمیں سنّت کی پیروی، صحابہ کی جاں نثاری، اکابر کی سادگی، ذکر و فکر کی ہم آہنگی تصوّف و سلوک کی رنگ آمیزی، محبّت و ایثار کا حسن، صبر و قناعت کے انوار، توکل و اعتماد کی برکات موجود ہیں۔

جامعہ مظاہر علوم کی بنا اور اسکے بانی

حضرت سید احمد بریلوی کے رفیق خاص سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی اور حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا نانوتوی کے استاذ الاساتذہ امام العلماء تاج الفقہاء، مجاہد دوراں ملقب بہ فقیہہ سہارنپور حضرت مولانا سعادت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نور اللہ مرقدہ نے ۱۲۸۳ھ میں یہ پودا لگایا اور علمائے ربانیین فقہائے راسخین، عرفائے صالحین، اولیائے کاملین اور جلیل القدر و باعظمت و شوکت ہستیوں نے سرپرستی و نگرانی اور آبیاری فرماکر اس ننھے منّے پودے کو پروان چڑھایا اور اسکو ایک ایسا ہمہ گیر و عظیم البرکت شجرۂ طوبیٰ بنادیا کہ پورے عالم میں اسکی بابرکت شاخیں پھیل گئیں۔

علم و فضل کے آفتاب و مہتاب، مجددین و اغواث و اقطاب نے اپنے اخلاص وللہیت، ایمان و یقین، علوم و معارف، معرفت و خشیت، رسوخ فی العلم اور اپنی خداداد عبقری صلاحیتوں سے آبیاری فرماکر محبوبیت و مقبولیت کی راہوں سے اسکو عروج و ارتقاء کی بلند منزلوں تک پہنچا دیا ہے۔

اگر اس ہدایت و معرفت اور علوم نبوت کے لہلہاتے ہوئے شاداب گلستاں کے باغبان (ارباب انتظام و انصرام) علوم و معرفت، فقاہت و ثقاہت اور فطانت و ذکاوت کے امام اور شریعت و طریقت کے رہنمائے عالی مقام رہے ہیں تو اس معطر بارگاہ محمدی کے خدمت گار و اساتذہ باوقار بھی اخلاص وللہیت، تقویٰ و طہارت، زہد و قناعت، صبر و عبادت، اور اخلاق و مروّت میں یکتا، آسمان ولایت کے مہر و ماہ درخشاں و نجوم تاباں رہے ہیں۔ فالحمد للہ تعالیٰ

اساطین جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

اساطین سے ہماری مراد جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے حضراتِ سرپرستان، ارباب انتظام اور اساتذۂ عالیمقام ہیں۔ یہ اُن حضرات کرام کے تفصیلی تذکرہ و تعارف کا مقام نہیں۔ البتہ ان محسنین کا اجمالی تذکرہ ہم اسلئے ضروری سمجھتے ہیں کہ ان حضرات کی مساعی جمیلہ و توجہات جلیلہ کی برکت سے ہم کو ایسے اساتذہ و مربیین نصیب ہوئے جنکی تعلیم و تربیت نے ہم پر منزل مقصود کی راہیں روشن کیں۔ دوسرے اسلئے بھی ان کا تعارفی تذکرہ اہمیت کا حامل ہے کہ ہماری سابقہ تحریر کو ناواقفین محض عقیدتمند مبالغہ آرائی پر محمول نہ کریں۔ بلکہ حقائق کو حقیقت بین نگاہوں سے دیکھیں۔

ع آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

(۱) حضرت مولانا مفتی سعادت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ مظاہر علوم سہارنپور رفیق خاص حضرت سید احمد شہید بریلوی نوراللہ مرقدہٗ مسلم الثبوت۔ فقیہہ، ملقب بہ فقیہہ سہارنپور تھے۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ، سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند، محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب، مفتی اعظم حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحب حضرت مولانا قمرالدین صاحب اور حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب انبہٹوی رحمہم اللہ و دیگر اکابر کو آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ (متوفی سنہ ۱۲۸۶ھ)

(۲) حضرت قاضی فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت فقیہہ سہارنپورؒ کے رفیق خاص بانی و مہتمم ثانی جامعہ مظاہر علوم سہارنپور، مجاز بیعت حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہیدؒ و مجاز بیعت اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ، مہتمم جامع مسجد سہارنپور، قاضی شہر سہارنپور۔ اور رئیس اعظم سہارنپور ہونے کے باوجود نہایت عابد و زاہد منکسر المزاج اور اپنے دور کے اولیائے کاملین میں سے تھے آپ حضرت فقیہہ سہارنپورؒ کی وفات کے بعد سنہ ۱۲۸۶ھ سے سنہ ۱۲۹۰ھ تک جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے مہتمم رہے

اس سے قبل نائب مہتمم تھے۔ سنہ ۱۲۹۱ھ میں حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری کلکتہ سے سہارنپور تشریف لے آئے تو اُن کو شریکِ اہتمام کر دیا گیا سنہ ۱۲۹۷ھ میں حضرت محدث سہارنپوری کا وصال ہوگیا تو پھر عہدۂ اہتمام پر تنہا قاضی صاحب رہ گئے اسلئے مندرجہ ذیل حضرات کی ایک کمیٹی ان کی معاونت کیلئے تشکیل دی گئی۔

(۱) حضرت شیخ الہند کے والد محترم حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبندی م سنہ ۱۳۲۲ھ (۲) حضرت مولانا فیض الحسن صاحب ادیب سہارنپوری مجاز بیعت حضرت حاجی صاحب م سنہ ۱۳۰۴ھ (۳) حضرت مولانا نجف علی صاحب سہارنپوری م سنہ ۱۳۱۳ھ (۴) حضرت مولانا محمد احسن صاحب نانوتوی م سنہ ۱۳۱۲ھ (۵) حضرت مولانا خلیل الرحمٰن صاحب ابن محدث سہارنپوری م سنہ ۱۳۵۵ھ حضرت قاضی صاحب نے ۱۵ ر شوال سنہ ۱۳۲۶ھ سہ شنبہ کو بعارضہ بخار وفات پائی رحمہ اللہ تعالیٰ

---

(۴) حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری علوم سے فراغت کے بعد دہلی میں مطبع احمدی قائم فرما کر کتب حدیث کی طباعت واشاعت کی اور انکی تصحیح وحواشی میں بڑی محنت وکاوش فرمائی سنہ ۱۸۵۷ء میں مطبع احمدی کو سخت نقصان پہنچا تو مطبع کو میرٹھ منتقل فرمایا، پھر کلکتہ جاکر تجارت کی۔

جامعہ مظاہر علوم میں سنہ ۱۲۹۱ھ سے ۱۲۹۷ھ تک قیام رہا لیکن آپ روزِ اول ہی سے مدرسہ کیلئے پوری جدوجہد کرتے رہے۔ بہت سی کتب مدرسہ کو عنایت فرمائیں۔ مدرسہ قدیم کی مسجد ومدرسہ کی تعمیر وغیرہ میں کثیر رقم عنایت فرمائی۔ آپکے ممتاز اساتذہ حضرت مولانا مفتی سعادت علی صاحب بانی اول جامعہ مظاہر علوم سہارنپور، حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب محدث دہلوی اور حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی رفیق خاص حضرت سید احمد شہید بریلوی وغیرہم ہیں۔ اور مشہور تلامذہ میں سے (۱) اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی وسید الطائفہ اکابر دیوبند (۲) حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند (۳) حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی اولین شیخ الحدیث وصدر مدرس دارالعلوم دیوبند (۴) حضرت مولانا محمد علی مونگیری بانی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (۵) حضرت مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواری مؤید ومعین خاص ندوۃ العلماء لکھنؤ (۶) حضرت مولانا محمد احسن صاحب نانوتوی برادر خورد

حضرت مولانا احمد مظہر صاحبؒ بانی جامعہ مظاہر علوم (۷) حضرت مولانا مفتی عبد اللہ صاحب ٹونکیؒ (۸) حضرت مولانا سراج الحق بن مولانا عبد الحق صاحب دیوبندی مجاز بیعت حضرت گنگوہیؒ (۹) حضرت مولانا شاہ ابوالحسن صاحب سہارنپوری علیہ حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب رائپوریؒ و خطیب و مہتمم جامع مسجد سہارنپور و استاذ مظاہر علوم سہارنپور حضرت تھانویؒ آپ کے بہت معتقد تھے (۱۰) حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب سلطانپوریؒ مجاز بیعت حضرت گنگوہیؒ صاحب تصانیف (۱۱) حضرت مولانا حافظ سید تجمل حسین صاحب بہاریؒ وغیرہم رحمہم اللہ

دارالعلوم دیوبند کی مشہور عمارت نودرہ کا سنگِ بنیاد بھی حضرت محدث سہارنپوریؒ نے رکھا تھا۔ چنانچہ روداد دارالعلوم دیوبند بابتہ ۱۲۹۲ھ میں ہے کہ:

"اوّل پتھر بنیاد کا جناب مولانا احمد علی صاحب نے اپنے دست مبارک سے رکھا اور بعدہٗ جناب مولانا مولوی محمد قاسم صاحب و مولانا رشید احمد صاحب اور مولانا مولوی محمد مظہر صاحب نے ایک ایک اینٹ رکھی (ماہنامہ برہان دہلی ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ)

حضرت محدث سہارنپوریؒ کا وصال ۶ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ م ۱۷ اپریل ۱۸۸۰ء شنبہ کو ہوا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(۱۴)۔ حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ محمد مظہر آپکا تاریخی نام ہے ولادت ۱۲۴۷ھ م ۱۸۳۱ء میں ہوئی آپکے اساتذہ میں آپکے والد محترم حافظ لطف علی صاحبؒ، حضرت مولانا مملوک العلی صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی صدرالدین خانصاحبؒ، حضرت مولانا رشید الدین خاں صاحب محدث دہلویؒ حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحبؒ اور حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ محدث سہارنپوریؒ ہیں۔ آپکا مجاہدین جنگ آزادی میں شمار ہے شاملی کے مشہور جہاد میں اکابر کے ساتھ آپ بھی شریک تھے اسی جہاد میں آپکے پیر میں گولی لگی تھی۔ اور بیہوش ہوگئے تھے اسی بے ہوشی کے عالم میں جنت کی حور نے آپکے منہ کو جنتی شربت کا گلاس لگایا جسکی لذت زندگی بھر محسوس فرماتے رہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے مرید اور خلیفہ تھے اور حضرت گنگوہیؒ سے گو عمر میں بڑے تھے۔ مگر حضرت گنگوہیؒ سے بھی آپ کو اجازت بیعت حاصل تھی۔

آپکا جامعہ مظاہر علوم کے بانیوں میں شمار ہے آپ جامعہ مظاہر علوم کے صدر الصدور و مدرس اوّل

اور محدث اعظم تھے ۱۲۸۳ھ سے وفات تک جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں تشریف فرما رہے۔ ۲۴ر ذی الحجہ ۱۳۰۲ھ م ۴ر اکتوبر ۱۸۸۵ء بروز چہار شنبہ کو وفات پائی۔ آپ کے مشہور تلامذہ میں چند یہ ہیں۔

(۱) حضرت مولانا امیر باز خاں صاحب سہارنپوری (۲) حضرت مولانا راغب اللہ صاحب پانی پتی (۳) حضرت مولانا مفتی شاہ دین لدھیانوی (۴) حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بانی دارالعلوم دیوبند (۵) حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی اول صدر مدرس دارالعلوم دیوبند (۶) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری (۷) حضرت مولانا فخر الدین صاحب گنگوہی وغیرہم رحمہم اللہ۔ آپ نے بھی دارالعلوم دیوبند کے نودرہ کی بنیاد رکھی تھی جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

(۵) حضرت حاجی حافظ شیخ محمد فضل حق صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ امانت و تقویٰ میں مشہور علمائے حق کے عاشق زار حضرت مولانا محمد مظہر صاحب و حضرت مولانا مفتی عنایت الٰہی صاحب مہتمم مدرسہ کے معین و دست راست و جامعہ مظاہر علوم کے امین و خازن تھے۔ مدرسہ محلہ قاضی سے موجودہ مقام پر انہیں کی مساعی سے منتقل ہوا۔ اپنی معتد بہ جائداد اپنا کثیر سرمایہ بھی مدرسہ پر خرچ کیا اور فراہمی بھی کی۔ آخر ماہ صفر ۱۳۰۲ھ میں وصال ہوا رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(۶) حضرت مولانا فیض الحسن صاحب ادیب رحمۃ اللہ علیہ آپ رکن منتظمہ و ممتحن جامعہ مظاہر علوم سہارنپور تھے آپ عالم عجیب، ادیب اریب، فقیہ لبیب محدث اجل، مفسر اجل، فاضل افضل، صاحب تصانیف کثیرہ اور مجاز بیعت حضرت اقدس حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی تھے (م ۲ رجب ۱۳۰۴ھ)

(۷) حضرت مولانا محمد احسن صاحب نانوتوی برادر خورد حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی و مجاز بیعت حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب مجددی نقشبندی مہاجر مدنی و رکن منتظمہ مدرسہ و تلمیذ رشید محدث سہارنپوری و حضرت مولانا مملوک العلی صاحب و شاہ عبد الغنی صاحب محدث مذکور و صاحب تصانیف کثیرہ آخر رمضان ۱۳۱۲ھ مدفون قبرستان قاسمی دیوبند۔

(۸) حضرت مولانا ابو الحسن صاحب سہارنپوری مجاز بیعت حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم صاحب

دلا بنی سہارنپوری خطیب و مہتمم جامع مسجد سہارنپور و استاذ و رکن مدرسہ ہٰذا
(۹) امام ربانی قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ خلیفۂ اجل حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکیؒ سرپرست و نگران مدرسہ ہٰذا تا مدت حیات۔
(۱۰) حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحبؒ رائے پوری مجاز بیعت حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب دلا بنی سہارنپوریؒ و حضرت گنگوہیؒ سرپرست مدرسہ ہٰذا از ۱۳۲۲ھ تا ۱۳۳۷ھ (۱۱) مجدد الملت، حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ سرپرست مدرسہ ہٰذا از ۱۳۲۰ھ تا ۱۳۶۲ھ (۱۲) شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ سرپرست مدرسہ ہٰذا از ۱۳۲۲ھ تا ۱۳۳۹ھ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری مجاز بیعت حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکیؒ و قطب عالم محدث گنگوہیؒ سرپرست مدرسہ ہٰذا از ۱۳۳۶ھ تا ۱۳۴۶ھ
(۱۴) حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری مجاز بیعت حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحبؒ رائے پوریؒ سرپرست مدرسہ ہٰذا از ۱۳۴۴ھ تا ۱۳۸۲ھ۔
(۱۵) حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھیؒ مجاز بیعت حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری سرپرست مدرسہ ہٰذا از ۱۳۴۴ھ تا ۱۳۶۰ھ (۱۶) حضرت اقدس مولانا شاہ محمد الیاس صاحب دہلوی مجاز بیعت حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری مہاجر مدنیؒ سرپرست مدرسہ ہٰذا: ۱۳۵۰ھ تا ۱۳۶۳ھ
(۱۷) حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کمتھلوی مدظلہٗ مجاز بیعت حضرت رائے پوریؒ سرپرست مدرسہ ہٰذا از ۱۳۵۹ھ تا ۱۳۶۱ھ (۱۸) عالیجناب میر آل علی صاحبؒ مجاز بیعت حضرت رائے پوری سرپرست مدرسہ ہٰذا از ۱۳۶۰ھ تا ۱۳۸۴ھ۔
(۱۹) حضرت مولانا حکیم محمد ایوب صاحب مدظلہٗ مجاز بیعت حضرت اقدس مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب رحمہ اللہ سرپرست مدرسہ ہٰذا از ۱۳۷۱ھ تا ۱۴۰۲ھ (۲۰) حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث جامعہ مظاہر العلوم مجاز بیعت حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری مہاجر مدنیؒ و سرپرست مدرسہ ہٰذا از ۱۳۷۴ھ تا ۱۴۰۲ھ (۲۱) امیر تبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی مجاز بیعت حضرت اقدس مولانا شاہ محمد الیاس صاحبؒ استاذ و سرپرست مدرسہ ہٰذا

از سنہ ۱۳۸۲ھ تا سنہ ۱۳۸۴ھ (۲۲) حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ مجاز بیعت حضرت
مولانا شاہ محمد الیاس صاحبؒ سرپرست مدرسہ ہٰذا از سنہ ۱۳۸۶ھ تا حال
(۲۳) مفتی اعظم حضرت مولانا محمود الحسن صاحب گنگوہی مجاز بیعت حضرت شیخ سہارنپوری
استاذ و مفتی سابق و سرپرست مدرسہ ہٰذا از سنہ ۱۳۸۶ھ تا حال (۲۴) عالیجناب
حاجی عبدالقیوم صاحب مراد آبادیؒ مجاز بیعت حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ سرپرست مدرسہ ہٰذا
از سنہ ۱۳۹۰ھ تا وصال سنہ ۱۳۸۸ھ (۲۵) حضرت مولانا سخاوت اللہ صاحب انبہٹوی مجاز
بیعت حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ اولیں استاذ مدرسہ ہٰذا (۲۶) حضرت
مولانا احمد حسن صاحب کانپوریؒ مجاز بیعت حضرت حاجی صاحب مہاجر مکیؒ استاذ
حدیث مدرسہ ہٰذا (۲۷) حضرت مولانا حافظ قاری قمر الدین صاحبؒ مجاز بیعت حضرت
اقدس سہارنپوریؒ استاذ شعبہ حفظ و تجوید (۲۸) حضرت مولانا امیر باز خاں صاحب
سہارنپوریؒ مجاز بیعت حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب سہارنپوریؒ استاذ مدرسہ ہٰذا
(۲۹) حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحبؒ استاذ و شیخ الحدیث و ناظم اعلیٰ جامعہ
مظاہر علوم و مجاز بیعت قطب عالم حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیثؒ (۳۰)
حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ والد ماجد حضرت شیخ الحدیث و مجاز بیعت
حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ محدث سہارنپوریؒ استاذ مدرسہ ہٰذا (۳۱)
حضرت مولانا ظفر احمد صاحب شیخ الاسلام پاکستان مجاز بیعت حضرت تھانویؒ و حضرت
سہارنپوریؒ استاذ مدرسہ ہٰذا (۳۲) حضرت مولانا مفتی اشفاق الرحمٰن صاحب
کاندھلویؒ مجاز صحبت حضرت اقدس تھانویؒ استاذ و مفتی جامعہ ہٰذا (۳۳) حضرت العلامہ
مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری مجاز بیعت حضرت تھانویؒ صدر مدرس مدرسہ ہٰذا
(۳۴) حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب بارہ بنکویؒ مجاز بیعت حضرت اقدس شاہ
محمد یاسین صاحب نگینویؒ و مجاز صحبت حضرت تھانویؒ استاذ مدرسہ ہٰذا (۳۵)
حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنیؒ مجاز حضرت مولانا قاری شاہ محمد اسحٰق
صاحبؒ استاذ جامعہ ہٰذا (۳۶) حضرت مولانا شاہ سید ابرار الحق صاحب مدظلہ العالی
مجاز بیعت حضرت اقدس مولانا تھانویؒ استاذ سابق جامعہ ہٰذا (۳۷) حضرت مولانا
عبدالحلیم صاحب جونپوری مجاز بیعت حضرت شاہ وصی اللہ صاحب و حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ

استاذ و رکن مدرسہ ہٰذا (۳۸) حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب کسولوی مجاز صحبت حضرت تھانوی و مجاز بیعت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب استاذ مدرسہ ہٰذا (۳۹) حضرت مولانا عبد الجبار صاحب مجاز بیعت حضرت شیخ الحدیث صاحب استاذ سابق مدرسہ ۔ و حال شیخ الحدیث مدرسہ شاہی مراد آباد (۴۰) اسعد الملت حضرت اقدس مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب رام پوری خلیفہ ارشد حضرت اقدس مولانا تھانوی استاذ حدیث و ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور (۴۱) حضرت مولانا جمیل الرحمٰن صاحب امروہوی مجاز بیعت حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب استاذ و ناظم مدرسہ خلیلیہ شاخ مظاہر علوم سہارنپور۔ (۴۲) حضرت اقدس مولانا شاہ مفتی مظفر حسین صاحب مدظلہ العالی مجاز بیعت حضرت اقدس مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب استاذ حدیث و مفتی اعظم و ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور (۴۳) حضرت مولانا محمد یونس صاحب مجاز بیعت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب و حضرت اقدس مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب محدث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور (۴۴) حضرت مولانا محمد عاقل صاحب مجاز بیعت حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب صدر مدرس جامعہ مظاہر علوم سہارنپور وغیرہم رضی اللہ عنہم و عنا بوسیلتہم و ارضانا وارضاہم (مختصر از علمائے مظاہر علوم) ۔

اُولٰئک اٰبائی فجئنی بمثلھم ۔۔ اذا جمعتنا یا جریر المجامع

اس مذکورہ فہرست میں جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے وہ خاص خاص حضرات بانیین و سرپرستان، مشائخ اور اساتذ کرام ہیں جو سبکے سب صاحب نسبت و ارباب فیض حضرات ہیں۔ اور علوم و فنون میں ماہر و اہل فضل و کمال ہیں یوں تو اگر اصحاب نسبت و ارباب کمال کا احاطہ کیا جائے اور ان کے متعلق تفصیلات لکھی جائیں تو اسکے لئے ایک طویل دفتر کی ضرورت ہوگی اگر اس باب کی ایک جھلک دیکھنی ہو تو تاریخ مظاہر، اور علمائے مظاہر علوم اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات کا مطالعہ کیا جائے۔ ہم نے یہاں چند مشاہیر کے اسمائے گرامی بطور استبراک و استدلال ذکر کر دیئے ہیں۔ تاکہ ہماری سابقہ تحریر کو کوئی ناواقف کورانہ عقیدت و

مبالغہ آرائی پر محمول نہ کرے۔
انہی پُرانوار و باعظمت بانیین، صاحب صلاح و تقوی منتظمین اور علمائے تابعین

و اساتذہ کاملین کے فیض صحبت، مخلصانہ محنت اور انوار و برکات سے نہایت سے یہ منظہر علوم نبوت و مطلع انوار ولایت جامعہ مظاہر علوم سہارنپور الحمدللہ اپنے یوم تاسیس سے آج تک تعلیم و تربیت کا بے مثال گہوارہ، یکتا بقعۂ نور اور تجلیات ربانی کا طور بنا ہوا ہے۔ اس زہد و اتقاء، صبر و رضا، تعمیل و تسلیم اور اخلاص و للٰہیت کے تابناک ماحول میں آسمان علم و عرفان کے نورانی بادل اس سدابہار گلستاں پر مسلسل برستے اور علوم نبویہ کے بیکراں سمندر اپنے آب حیات سے ہمیشہ اس کو سیراب و شاداب کرتے رہے ہیں اسی لئے اس گلشن محمدی کی پُرکیف و خوش آیند بہاروں نے عالم رنگ و بو کے ہر ایک گوشہ کو معطر و خوشبو دار بنا دیا ہے اس نورانی و عالیشان درسگاہ سے ہزارہا ایسے پُرانوار و نادر روزگار افراد وجود میں آئے ہیں جو درس و تدریس، تعلیم و تلقین، اصلاح و تربیت، تصنیف و تالیف، دعوت و تبلیغ، امامت و خطابت، تصوف و طریقت، مناظرہ و مجاہدہ، تردید کفر و ضلالت اور اشاعت حق و صداقت وغیرہ کے تمام اہم میدانوں میں عمدہ شاہکار و لائق شہسوار ثابت ہوئے، اور الحمدللہ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کی آغوش تربیت کے پروردہ فائق و لائق فرزند کسی بھی میدان میں ہرگز کبھی ناکام و نامراد نہیں رہے بلکہ ہمیشہ کامرانی و کامیابی کا تاج ان کے مبارک سروں پر رکھا گیا۔

ذلک فضل اللہ الخ

خورشید برج رشد و ہدایت ہے ان کی ذات
اخلاق احمدی کا نمونہ ہیں سب صفات

روشن ہیں ان کے نام سے عالم میں شش جہات
صحبت ہے انکی باعث رحمت و نجات

رشک استعد یکتا کی ہے سعادت کا یہ بیاں
قاصر ہے ان کی مدح سے منہ میں مری زباں

پیشانی ان کی مطلع انوار جاوداں
اور علم تھا کمال تبحر سے ہم عناں

حضرت والا کی ایک تحریر پر تنویر

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں وہ مبارک مضمون درج کر دیا جائے جو حجۃ الاسلام حضرت اقدس ناظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جامعہ مظاہر علوم اور اسکی خدمات کے تعارف کے سلسلہ میں اپنے دست مبارک سے اسوقت تحریر فرمایا تھا جب کہ آپ انتظام و اہتمام کے جلیل القدر عہدہ پر فائز تھے۔ حضرت والا نے جامعہ مظاہر علوم سہارنپور اور اسکی گوناگوں خدمات کو بہت ہی مختصر اور جامع انداز میں پیش فرمایا ہے۔

نسیم احمد غازی مظاہری

دنیائے علم و اسلام کا ایک مرکزی ادارہ
جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

از قلم فیض رقم حجۃ الاسلام حضرت مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

آغاز سخن بارہویں صدی ہجری کے اواخر میں جب سلطنت مغلیہ کا چراغ گل ہو چکا تھا انگریز کی سیاست ہندوستان پر پوری طرح حاوی ہو چکی تھی اسلامی روایات ایک ایک کرکے رخصت ہو رہی تھیں اسلامی تہذیب اور علوم و فنون کے زوال کی صورتیں نمودار ہو چکی تھیں قریب تھا کہ اسلامی تعلیمات خود مسلمانوں کے لئے لاشئی، بنکر رہ جائیں۔ حکومت انتہائی شدت سے زندگی کے اس ,,لطیف جوہر،، کو اہل اسلام سے

ذہن و دماغ سے محو کرنے کی سعی و کوشش میں مصروف تھی وقت کے تعلیمی ادارے ختم ہو چکے تھے اور مسلمانوں کی تعلیمی واجتماعی حیات ملی کا شیرازہ منتشر ہو چکا تھا، انقلاب کے بعد جس کشمکش سے عام طور سے مفتوح قومیں دوچار ہوتی ہیں اور جو ذہنی اضمحلال و پراگندگی ایسے وقت میں رونما ہوتی ہے ان عام مشکلات سے صدہا سال حکومت کرنے والی قوم کے افراد بھی مامون نہ تھے۔

بزرگانِ دین کی سعی وجہد

ایسے ظلمت آگیں دور میں چند مردان حق کیش و حق کوش اٹھے اور انہوں نے جہل و لاعلمی کے اس ماحول کو علوم وفنون کی روشنی سے تابناک و تابدار بنا یا ان بزرگانِ ملت میں حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے احسانات علمی دنیا پر ہمیشہ قائم رہیں گے جن کے فیوض و برکات نے ہندوستان میں سیکڑوں مدارس و مکاتب کی بنیادیں قائم فرمائیں اسلامی تہذیب کے ان مقدس علمبرداروں کو اس پرفتن دور میں کس قدر مصائب سے دوچار ہونا پڑا ہوگا، آج جبکہ ہمارے سامنے یہ علمی ماحول اور مختلف دینی ادارے موجود ہیں تو اس کا صحیح اندازہ بھی مشکل ہے تاہم انھیں کی انتھک کوششوں اور جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ اب ہندوستان میں اسلامی علوم وفنون کی روشنی اہل اسلام کے دماغوں کو منور کر رہی ہے۔

مظاہر علوم سہارنپور کا قیام

انھیں حق آگاہ اور حق شناس بزرگوں میں سے حضرت مولانا سعادت علی صاحب کی جلیل القدر اور مقدس ہستی تھی جو فقیہ سہارنپور کے لقب سے معروف تھی۔ حضرت ممدوح کے متبرک ہاتھوں نے یکم رجب ۱۲۸۳ھ مطابق نومبر ۱۸۶۶ء کو مظاہر علوم سہارنپور کی بنیاد رکھی اور حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحب سابق مہتمم مظاہر علوم اور حضرت حافظ قمر الدین صاحب خطیب جامع مسجد سہارنپور خلیفہ حضرت سہارنپوری وغیرہ طلبہ جو پہلے سے حضرت مولانا مرحوم سے ان کے مکان پر پڑھتے تھے اب مدرسہ کے طالب علم بن گئے، قیام مدرسہ کے بعد سب سے پہلے مدرس مولانا سخاوت علی صاحب انبہٹوی مقرر ہوئے تو ان سب طلباء کے کچھ اسباق ان کے سپرد ہوئے،

اور مولانا نے ان کو تجوید شروع کرائی اور حضرت مولانا سعادت علی صاحبؒ کچھ اسباق ان کو پڑھاتے اور بقیہ وقت مدرسہ کی وسیع و ترقی میں خرچ کرتے، لوگوں کو اسکی مالی اعانت کی طرف توجہ دلاتے اور خود بھی فراہمی چندہ کیلئے تکلیف فرماتے قیام مدرسہ کے چوتھے ہی سال ۱۲۸۲ھ میں حضرت مولانا سعادت علیؒ کے سایہ سے مدرسہ کو محروم ہونا پڑا۔ لیکن حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نوراللہ مرقدہ خلیفہ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہٗ کے وجود کی وجہ سے مدرسہ اس حادثہ سے متزلزل نہ ہوا اس لئے قیام مدرسہ کے تین ماہ بعد شوال ۱۲۸۳ھ میں حضرت موصوف صدر مدرس اور مولانا سخاوت علی صاحب مدرس دوم مقرر ہوگئے ابتداءً یہ مدرسہ ایک مکتب کی حیثیت سے محلہ تاجی میں تھا بعد میں موجودہ جگہ پر "مدرسہ قدیمہ" کی عمارت میں منتقل ہوا، تو حضرت مولانا محمد مظہر صاحبؒ کے اس عمارت میں قیام کے اعتبار سے مظاہر علوم تاریخی نام رکھا گیا اس سے قبل "مدرسہ سہارنپور" کے نام سے معروف تھا، آج اپنے تعلیمی اور انتظامی امور کی وسعت کے باعث مختلف احاطوں میں پھیلا ہوا ہے اسی سال ۱۲۸۳ھ میں مرکز العلوم دیوبند کا قیام ہوا۔ گویا یہ ادارہ دارالعلوم کا مسلک سنت و حنفیت اور نصاب تعلیم کے توافق کے علاوہ ہم عمر بھی ہے۔ فخر المحدثین حضرت اقدس مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری کا قیام اس زمانہ میں کلکتہ میں زیادہ رہتا تھا لیکن جب وطن تشریف لاتے تھے تو مدرسہ آپ کی ہر نوع کی سرپرستی میں نشونما پاتا رہا، حضرت کے بعد مدرسہ کیلئے ضلع کے ممبران کی ایک کمیٹی بنادی گئی۔

تعلیمی وانتظامی ارتقاء

مدرسہ کے تعلیمی اور انتظامی امور میں برابر ترقی ہوتی رہی، حضرت اقدس مولانا محمد مظہر صاحبؒ کے فیوض و برکات سے یہ مدرسہ چند ہی سال میں ایک مکتب کے بجائے مشہور و معروف مدرسہ بن گیا ۱۳۰۲ھ کے ختم پر مدرسہ حضرت مرحوم کے سایہ سے بھی محروم ہوگیا جس سے مدرسہ کی روز افزوں ترقیاں ایک دم رک گئیں، بالآخر حضرت گنگوہیؒ کے ارشاد پر ۱۳۱۴ھ میں شیخ المحدثین حضرت اقدس الحاج مولانا خلیل احمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ جو ۱۲۸۸ھ میں مظاہر علوم ہی سے فارغ التحصیل ہوئے تھے اور اس وقت دارالعلوم

دیوبند میں مدرس دوم تھے، مظاہر علوم کی صدر مدرسی پر تشریف لے آئے اور تینتیس ۳۳ سال تک مدرسہ میں قیام فرمایا، یہ دور اپنی گوناگوں علمی و عرفانی نعمتوں کیلئے مایۂ افتخار اور تاریخ مدرسہ کا زریں باب ہے، دارالطلبہ قدیم، دارالحدیث، مسجد کلثومیہ وغیرہ حضرت ہی کی مساعی جمیلہ کے ثمرات ہیں، فخر المحدثین حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری، خاتم المحدثین حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی، رئیس الاتقیاء حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی جیسی شہرۂ عالم بابرکت ہستیاں اپنے اپنے دور میں مظاہر علوم کی سرپرست رہیں اور مدرسہ کی جانب گہری دلچسپی اور خصوصی توجہات مبذول فرماتی رہیں، مدرسہ کے سالانہ جلسوں میں یہ جلالت مآب بزرگ جس طور پر شرکت فرماکر نشر فیوض و برکات کا موجب بنتے تھے ابھی اسکے روح نواز مناظر کو دیکھنے والے کثیر تعداد میں موجود ہیں اسکی پوری کیفیت مدرسہ کی قدیم رودادوں سے معلوم ہوسکتی ہے، حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہ نے شوال ۱۳۴۴ھ میں اپنے سفر حجاز کے وقت حضرت الحاج الحافظ مولانا سید عبداللطیف صاحب کو ناظم مدرسہ مقرر کیا، انھوں نے نہایت بہتر اس منصب کی جملہ ذمہ داریوں کو انتہائی کامیابیوں سے انجام کو پہونچایا، بلکہ مختلف علمی اور تعمیری ترقیات فرمائیں اور اکابر کی روایات کو پوری طرح باقی رکھا طلبہ کی کثرت کیوجہ سے قدیم دارالطلبہ کے ناکافی ہونے پر جدید دارالطلبہ کی بنیاد ڈالی اسکی وسیع مسجد اور کئی حجرے تعمیر کرائے، کتب خانہ کے ناکافی ہونے پر اسکی عمارت میں توسیع فرمائی ۲ ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ مطابق ۲ اگست ۱۹۵۴ء کو حضرت موصوف نے انتقال فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون ط اور مدرسہ ایک قدیم محسن اور جاں نثار مربی سے محروم ہوگیا بحمداللہ تعالیٰ آج بھی مدرسہ شاہراہ

ع حضرت مرحوم کے بعد حضرات سرپرستان مدرسہ نے نظامت رئیس المناظرین عالیجناب حضرت الحاج مولانا اسعد اللہ صاحب کو تفویض فرمائی جو کئی سال سے نائب ناظم تھے اور حضرت ناظم صاحب کے طویل سفر حج کے دوران میں نظامت کے امور بھی انجام دیتے رہے تھے مولانا موصوف حکیم الامت حضرت تھانوی کے اجل خلفاء میں سے ہیں اور علمی و عملی طور پر جلیل القدر حیثیت کے مالک ہونے کی وجہ سے مستغنی عن التعارف ہیں آج کے دور میں مدرسہ کے جملہ امور میں حضرت موصوف ہی سے مراجعت ہوتی ہے۔ منظور احمد

ترقی پر گامزن ہے حقیقت یہ ہے کہ اس دور الحاد و زندقہ میں بھی دین کے احیاء و ارتقاء کیلئے اسکی اعلیٰ تبلیغی و تعلیمی خدمات ٹھوس طریقہ پر جاری ہیں اور اس وقت اطراف عالم میں دینداری کے جو مبارک اثرات جلوہ گر ہیں انہیں منجملہ دوسرے اداروں کے اس جامعہ کی دینی جدوجہد کو بھی ایک نمایاں اور ممتاز مقام حاصل ہے، یہ ادارہ عالم اسلامی کے ان گنے چنے اداروں میں سے ایک ہے جس کے ساتھ اسلامی علوم وفنون کے بقاء تعلیم قرآن وسنت کی اشاعت اور دین کے تحفظ وارتقاء کی شاندار روایات وابستہ ہیں، جامعہ کی اعلیٰ تعلیم کی نوعیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہمیشہ کی طرح اب بھی بیرونی طلباء کا ایک بڑا مجمع اپنے ملکی دارالعلوم سے فراغت حاصل کرکے تکمیل کیلئے یہاں آیا ہوا ہے۔

تقسیم ملک کے بعد اگرچہ حالات بہت بدل چکے ہیں تاہم اب بھی ہندوستان، پاکستان وبرما کے طلبہ کی ایک کثیر تعداد تعلیم میں مشغول ہے، ان طلبہ میں سے اکثر کے قیام، طعام، پوشش، علاج اور روشنی وغیرہ کے جملہ اخراجات کا مدرسہ ہی متکفل ہوتا ہے تقریباً ۶۰ مدرسین و ملازمین تعلیمی وانتظامی امور کی بجاآوری میں سرگرم عمل ہیں، مدرسہ کے کئی دارالطلبہ اور اقامت گاہیں ہیں، جن میں سے ہر ایک میں مسجد ہے، مدرسہ کے کتب خانہ میں تقریباً اکتیس ۳۱ ہزار کتابیں ہیں، غرض کہ مدرسہ کا تعلیمی نظام ایک وسیع پیمانہ پر مشتمل ہے۔

ایک اسلامی، دینی خدمت کا اجتماعی نظام اور اسکے موسس و داعی اول

بہت سے افراد کے علم میں ہوگا کہ اس وقت تبلیغ و دعوت دین کا ایک مہتم بالشان کام نظام الدین دہلی سے ہند و پاکستان اور دوسرے ممالک میں ہو رہا ہے۔ - - - - - - - - - جسکی وجہ سے مسلمانوں کی عام حالت میں زبردست دینی انقلاب ظہور پذیر ہے اس دینی دعوت کے موسس اول مبلغ اعظم حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے بیشتر تعلیم اپنے برادر بزرگ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ قائم مقام صدر مدرس مظاہر علوم سے حاصل فرمائی پھر کئی سال تک اسی ادارہ میں تدریس کے منصب پر فائز رہے بعد میں دہلی منتقل ہوئے اور اصلاح امت کی یہ

ہمہ گیر کوشش شروع فرمائی جس کے ثمرات آپ کے سامنے ہیں۔

خدمت حدیث

اشاعت حدیث کے سلسلہ میں مظاہر علوم کا جتنا نمایاں اور وقیع حصہ ہے وہ بجا طور پر اس ادارہ کے لئے مایۂ ناز اور قابل افتخار ہے، درحقیقت یہ عنوان اتنی تفصیل کا متقاضی ہے جس پر ایک مستقل رسالہ لکھا جاسکے، لیکن ہم اختصار سے کام لے رہے ہیں۔

سب سے اوّل حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ سرپرست مدرسہ نے بخاری شریف اور دوسری کتب احادیث کے حواشی تحریر فرمائے اور انتہائی محنت و مشقت برداشت فرماکر نہایت صحت کے ساتھ کتب حدیث کی طباعت کا سلسلہ شروع فرمایا، حضرت ممدوح سے قبل ہندوستان اس نعمت عظمیٰ سے محروم تھا اب جتنی بھی کتب حدیث ہندوستان یا پاکستان میں طبع ہورہی ہیں وہ حضرت ہی کا صدقہ جاریہ ہے۔

قدوۃ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے ابوداؤد شریف کی مشہور آفاق شرح بذل المجہود تصنیف فرمائی جو اپنی گوناگوں خصوصیات اور شہرت کی بنا پر مستغنی عن التوصیف ہے، حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ نے اپنے حضرت گنگوہیؒ کی تقاریر کتب حدیث منضبط فرمائیں جن میں سے الکوکب الدری کے نام سے ترمذی شریف کی تقریر عرصہ ہوا شائع ہوچکی، بقیہ تقاریر مسودات کی شکل میں موجود ہیں حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن صاحبؒ کاندھلوی نے جو اسی مدرسہ کے فارغ التحصیل اور کئی سال تک مفتی مدرسہ رہے ہیں نسائی شریف کا حاشیہ موطا امام مالکؒ کے اسماء الرجال اور ترمذی کے ابتدائی حصہ کی شرح کی ہے۔

حضرت الحاج الحافظ مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم نے مؤطا امام مالک کی شرح اوجز المسالک کے نام سے تصنیف فرمائی جو چھ جلدوں میں زیور طبع سے آراستہ ہوکر اہل علم سے خراج تحسین وصول کرچکی ہے، اور شمائل ترمذی کی اردو شرح اور عربی حاشیہ، نیز کوکب الدری پر ایک نہایت بہتر محققانہ حاشیہ تحریر فرمایا، حدیث شریف کا ایک بہت بڑا ذخیرہ آپ نے اردو میں منتقل فرمایا ہے جو مختلف موضوعات پر مستقل کتابوں کی شکل میں شائع ہوچکا

اور عام طور پر مقبول ہے۔

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ جو اسی مدرسہ کے فارغ التحصیل ہیں مشکوٰۃ شریف کی شرح "التعلیق الصبیح" تالیف فرما کر شائع فرمائی۔

حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی نے جو اسی مدرسہ کے فارغ التحصیل ہیں حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ کی تقریر بخاری کی جو فیض الباری کے نام سے شائع ہو چکی ہے تحریر فرمائی اور اب ترجمان السنۃ کا مستقل سلسلہ زیر تالیف ہے

خاتمہ کلام

الحاصل یہ ادارہ اپنے مختلف شعبوں میں بہمہ نوع ترقی پذیر ہے، قرآن و سنت کی تعلیم میں ایک مرکزی نوعیت کا حامل ہے اس دور ظلمت میں ایک روشنی کا ستارہ ہے جس سے مخلوقِ خدا کی رہنمائی ہوتی ہے اور جسکی زریں خدمات اور شاندار تاریخ کا تبلیغ دین اور اسلامی علوم وفنون کی اشاعت میں ایک ممتاز و نمایاں اور رفیع مقام ہے۔

(ماہنامہ نظام کانپور بابتہ مئی ۱۹۶۲ء)

اک فرشتہ صفت نورانی انسان

اسی بحرِ علم و عرفان کا ایک درشاہوار، اسی چشمۂ فیض سے سیراب ہونے والا ایک نادر روزگار، اسی گہوارۂ علم و فضل میں پروان چڑھنے والا ایک فرزند باوقار، دعاۃ و مصلحین و علماے ربانیین کا آفتاب درخشاں، خانقاہِ امدادیہ سے طلوع ہونے والا نیر تاباں، خلیل احمد و اشرف علی کا وارثِ ذیشاں اور گلستانِ مظاہر کا تاجدار عالیشان وہ امام روزگار بھی ہے جسکی ذاتِ گرامی کا تذکرہ پیشِ نظر اوراق میں کیا جا رہا ہے۔

اور وہ ہے جامع معقول و منقول، حاوی اصول و فروع امام العلماء تاج الادباء سراج الفقہاء، راس الاتقیاء، فخر الاماثل صدر الافاضل شیخ طریقت مصلح امت حجۃ الاسلام، مناظر اسلام حضرت علامہ مولانا شاہ محمد اسعد اللہ رضی اللہ عنہ وارضاہ وجعل الجنۃ مثواہ کی ذاتِ والا صفات ؎

مضت الدھور وما اتین بمثلہ ۔ ولقد اتیٰ فعجزن عن نظرائہ

زمانے گذرے مگران جیسا کوئی پیش نہ کرسکے ـــ اور جو ہستیاں پیش کیں وہ ان جیسی نہ تھیں

اس تابناک ماحول اور نورانی اساتیذ و مشائخ کی پُرنور گودوں میں پرورش پانے والے حضرتِ موصوف اپنے تنورات و نورانی کیفیات کا اظہار خود ہی بطور تحدیثِ نعمت اسطرح فرماتے ہیں کہ:

گم ہوا ہوں حسن کے انوار میں — محو رہتا ہوں خیالِ یار میں
جلوہ گر ہیں حسن کی رنگینیاں — تیرے ہر طرزِ نشاط آثار میں
روح چمکی دِل تجلیٰ ہوگیا — جانے کیا دیکھا جمالِ یار میں
دیکھئے فطرت کا حسنِ انتظام — بجلیاں بھر دیں نگاہِ یار میں

حسنِ جاناں چشمِ اسعد کیلئے
جلوہ گر ہے ہر در و دیوار میں

اور ان انوار کی بدولت آپ کی دائمی کیفیت یہ رہتی تھی ؎

رہتی ہے تیرے اسعدِ بے خود کے سامنے — وہ بزمِ خاص عالمِ بالا کہیں جسے

بلکہ دنیا کے لوگ بھی آپ کی نورانیت کے قائل ہیں ؎

لوگ کہتے ہیں ذکرِ اسعد پر — اک فرشتہ ہے آدمی کیا ہے

فیوض و برکات کے تین اتھاہ سمندر

مذکورہ بالا فہرست میں ہر ایک شخصیت شریعت و طریقت کی عالم محقق، اہلِ فضل و کمال اور صاحبِ فیوض و برکات ہے۔ تاہم جسطرح حق تعالیٰ شانہٗ نے انبیاء و مرسلین علیہم السّلام میں ایک کو دوسرے پر فضیلت و فوقیت عطا فرمائی ہے۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ اسی طرح علماء و اولیاء میں بھی ایک کو دوسرے پر علم و فضل اور افادۂ فیض میں متفاوت اور درجات کے اعتبار سے مختلف بنا کر بعض کو دوسرے بعض کے مقابلہ میں فضیلت و فوقیت عطا فرمائی ہے۔ مثلاً استاذ الاساتذہ، شیخ المشائخ، سید العلماء، امام الصوفیہ حضرت مولانا سعادت علی صاحبؒ، فقیہ سہارنپور، بانی جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

کو حق تعالیٰ نے صاحب فضل و کمال بنانے کے ساتھ ساتھ ایسا صاحبِ فیض بنایا ہے کہ
دیوبند، سہارنپور، مراد آباد، اور لکھنؤ، وغیرہ پورے ہندوستان بلکہ عرب و عجم
اور ممالک یورپ میں ان کے فیوض کے سمندر آج بھی تمام عالم دنیا کو فیضیاب و
سیراب کر رہے ہیں۔ کیونکہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی نسبت روحانی
اور حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتویؒ و قطب عالم محدث گنگوہیؒ
وغیرہ کے ظاہری و باطنی اور علمی و عرفانی فیوض پورے عالم میں مدارس و مراکز خانقاہ
اور دعوت و تبلیغ کے سلسلوں کی شکل میں پھیلے ہوئے ہیں اور "فقیہ سہارنپور"
حضرت مولانا سعادت علی صاحبؒ، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ و
حجۃ الاسلام حضرت مولانا نانوتویؒ و محدث دیوبند حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب
نانوتوی اور حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ بانی ندوۃ العلماء لکھنؤ وغیرہ جملہ اکابر
کے استاذ الاساتذہ اور شیخ الشیوخ ہیں۔ جیسا کہ سابق میں معلوم ہو چکا ہے
لیکن اکابر مذکورین میں بھی چند ہستیاں ایسی جامع الصفات و اصحاب کمالات
ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کا ظاہری و باطنی فیض اور نسبت روحانی عالم گیر ہے۔
خصوصاً مشائخ مظاہر علوم سہارنپور میں تین ہستیاں اس روحانی سلسلہ
کی تقویت و اشاعت میں یکتا و بے مثال ہیں۔ (۱) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب
محدث مظاہر علوم و مہاجر مدنیؒ (۲) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب
مہاجر مدنیؒ (۳) اسعد العلماء حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحبؒ ناظم اعلیٰ مظاہر علوم
سہارنپور۔ چنانچہ "علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات"
میں لکھا ہے کہ!
مظاہر علوم میں اس بابرکت روحانی سلسلہ (شریعت و طریقت کی ہم آہنگی کے
ساتھ نسبت باطنی) کو سب سے زیادہ ترقی دینے والی ہستیاں یہ تین ہیں۔ حضرت مولانا
خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب
زاد مجدہ۔ حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب زاد مجدہ۔ یہ ایک ہی مثلث کے
تین زاویئے۔ جامعہ عربیہ مظاہر علوم میں بوئے گل، نالۂ دل۔ دودِ چراغ محفل
بن کر رہے ان حضرات نے اپنی تمام عمر مدرسہ کی چہار دیواری میں گزار دی

اور بیک وقت درس و تدریس، تزکیہ و تربیت، فقہ و فتاویٰ، علم و مطالعہ، سلوک و احسان اور تصنیف و تالیف کا بازار گرم کئے رکھا حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرات بِاللَّيْلِ رُهْبَانٌ وَبِالنَّهَارِ فُرْسَانٌ کی زندہ حقیقت اور مجسم شہادتیں

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ حضرت اقدس قطب عالم گنگوہیؒ کے تربیت یافتہ اور ان کے خلیفہ و مجاز تھے دسویں پشت پر حضرت کا سلسلۂ نسب اپنے روحانی باپ حضرت گنگوہیؒ کے ننہیالی نسب سے مل جاتا ہے۔ حق یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے قطب عالم کو مجموعۂ حسنات اور مجموعۂ کمالات بنایا تھا۔ اور آپ کی ذات میں مختلف الانواع خوبیاں ودیعت فرمائی تھیں بعینہٖ یہی چیز آپ کے تمام خلفاء مجازین میں سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے حصہ میں آئی تھی کہ آپ بیک وقت محدث بھی تھے، فقیہ بھی تھے عارف کامل بھی تھے اور شیخ طریقت تھی غیرتِ اسلامی اور حمیتِ اسلامی آپ کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ تمام عمر آپ اعلاء کلمۃ الحق کیلئے کمربستہ رہے مناظرے، مباحثے، تقاریر و وعظ اور اہلِ بدعت و ضلالت کے خلاف آپکے دینی و اصلاحی کارنامے یہ سب اسی غیرت و حمیت کے اثرات و نتائج تھے۔ روحانیت کے جس بلند مقام پر آپ فائز تھے اس کا اندازہ محدث گنگوہی علیہ الرحمہ کے اس فرمان سے ہوگا کہ!

"اللہ تعالیٰ شانہ نے میرے قرۃ العین سعید ازلی خلیل احمد کو نسبتِ صحابہؓ سے نوازا ہے اور یہ کہ تمہاری نسبت کو میری نسبت سے زیادہ قرب و مناسبت ہے،، (تذکرۃ الرشید ص ۳۹۰)

حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحب زاد مجدہٗ جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی جانب سے خلیفہ و مجاز (بلکہ ان کے سچے جانشیں) ہیں ہمارے اس زمانہ میں اخلاص و تقویٰ اور اتباعِ سنت میں اپنی نظیر آپ ہیں ان کے یہاں ذکر و فکر کا اتنا اہتمام ہے کہ ان کے نزدیک مدارس میں رونما ہونے والے نت نئے تمام فتنوں کا واحد علاج ذکر ہی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ذکر کے اہتمام اور اسکی عظمت و پابندی کو دوبارہ ان مدارس میں شدت کے ساتھ فروغ دیا جائے اور مدارس علمیہ

کو زمانے کی رفتار و مقتضیات سے بچا کر صرف اپنے اسلاف و اکابر کے اسوہ و طریقہ پر چلایا جائے۔ حضرت شیخ اپنے ایک مکتوب میں (جو پاکستان و ہندوستان میں متعدد جگہوں سے طبع بھی ہو چکا ہے) تحریر فرماتے ہیں۔

"مدارس کے روز افزوں فتن، طلبہ کی دین سے بے رغبتی و بے توجہی اور لغویات میں اشتغال کے متعلق کئی سال سے میرے ذہن میں یہ ہے کہ مدارس میں ذکر اللہ کی بہت کمی ہوتی جا رہی ہے بلکہ قریبا یہ سلسلہ معدوم ہی ہو چکا ہے اور اس سے بڑھکر یہ کہ بعض میں تو اس لائن سے تنفر کی صورت دیکھتا ہوں جو میرے نزدیک بہت خطرناک ہے ہندوستان کے مشہور مدارس دار العلوم، مظاہر علوم، شاہی مسجد مراد آباد وغیرہ کی ابتدا جن اکابر نے کی تھی وہ سلوک کے بھی امام الائمہ تھے ان ہی کی برکات سے یہ مدارس ساری مخالف ہواؤں کے باوجود ابتک چل رہے ہیں اس مضمون کو کئی سال سے اہل مدارس، منتظمین اور اکابرین کی خدمت میں تقریرا وتحریرا کہتا اور لکھتا رہا ہوں میرا خیال یہ ہے کہ آپ جیسے حضرات اسکی طرف توجہ فرما دیں تو زیادہ مؤثر اور مفید ہوگا۔ مظاہر علوم میں تو میں کسی درجہ میں اپنے ارادہ میں کامیاب ہوں اور دار العلوم کے متعلق جناب الحاج قاری محمد طیب صاحب سے عرض کر چکا ہوں اور بھی اپنے سے تعلق رکھنے والے اہل مدارس سے عرض کرتا رہتا ہوں۔ روز افزوں فتنوں سے مدارس کی بچاؤ کیلئے ضروری ہے کہ مدارس میں ذکر اللہ کی فضا قائم کی جائے شر ور و فتن اور تباہی و بربادی سے حفاظت کی تدبیر ذکر اللہ کی کثرت ہے جب اللہ تعالی کے پاک نام میں اتنی قوت ہے کہ ساری دنیا کا وجود اس سے قائم ہے تو مدارس کا وجود تو ساری دنیا کے مقابل میں دریا کے مقابلہ میں ایک قطرہ بھی نہیں اللہ تعالی کے پاک نام کو ان کی بقاؤ تحفظ میں جتنا دخل ہوگا ظاہر ہے۔ اکابر کے زمانہ میں ہمارے ان جملہ مدارس میں اصحاب نسبت اور ذاکرین کی جتنی کثرت رہی ہے وہ آپ سے بھی مخفی نہیں اور اب اسمیں جتنی کمی ہو گئی ہے وہ بھی ظاہر ہے بلکہ اگر یوں کہوں کہ اس پاک نام کے مخالف حیلوں اور بہانوں سے

مدارس میں داخل ہوتے جارہے ہیں تو میرے تجربے میں تو غلط نہیں اسلئے میری تمنا ہے کہ ہر مدرسہ میں کچھ ذاکرین کی تعداد ضرور ہوا کرے۔
طلبہ کے ذکر کرنے کے تو ہمارے اکابر بھی خلاف رہے ہیں اور میں بھی موافق نہیں لیکن منتہی طلبہ یا فارغ التحصیل یا اپنے سے یا اپنے اکابر سے تعلق رکھنے والے ذاکرین کی کچھ مقدار مدارس میں رہا کرے اور مدرسہ ان کے قیام کا کوئی انتظام کر دیا کرے مدرسہ پر طعام کا بار ڈالنا تو مجھے بھی گوارا نہیں طعام کا انتظام تو مدرسہ کے اکابر میں سے کوئی شخص ایک یا دو اپنے ذمہ لے یا باہر سے مخلص دوستوں میں سے کسی کو متوجہ کر کے ایک ایک ذکر کرنے والے کا کھانا کسی کے حوالہ کر دیا جائے جیسا کہ ابتداء میں مدارس کے طلبہ کا انتظام اسی طرح ہوتا تھا البتہ اہل مدارس ان کے قیام کی کوئی صورت اپنے ذمے لے لیں جو مدرسہ میں ہی ہو اور ذکر کیلئے کوئی ایسی مناسب جگہ تشکیل کریں کہ درسہ طلبہ کا کوئی حرج نہ ہو نہ سونے والوں کا نہ مطالعہ کرنے والوں کا دارالعلوم، مظاہر علوم اور شاہی مسجد کے ابتدائی حالات آپ کو مجھ سے زیادہ معلوم ہیں کہ کن صاحب نسبت، اصحابِ ذکر کے ہاتھوں انکی ابتداء ہوئی ہے ان ہی کی برکات سے یہ مدارس ابتک چل رہے ہیں فقط (مختصراً)
ایسا ہرگز نہیں کہ طریقت و تصوف میں مشغولیت کیوجہ سے انکی علمی خدمات دوسروں سے کچھ کم رہی ہوں بلکہ انہی حضرات نے درحقیقت علمی خدمات کا حق ادا کیا ہے حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے تن تنہا حدیث کی وہ عظیم خدمت انجام دی ہے کہ بلا مبالغہ ایک بڑی جماعت اس خدمت کو انجام دے سکتی تھی۔ چودھویں صدی میں حدیث پاک کا اتنا عظیم شارح و مصنف اور خادم کم از کم میری کوتاہ نظر میں کوئی دوسرا نہیں ہے ؎

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

نسیم احمد غازی مظاہری

حضرت مولانا الحاج شاہ محمد اسعد اللہ صاحب زاد مجدہٗ ناظم مدرسہ

حضرت اقدس مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے جلیل القدر خلیفہ ہونے کے باوصف اسلاف واکابر کا زمانہ دیکھے ہوئے ہیں اور اُن کی روایات اور تابناک تاریخ کے وارث وامین ہیں۔ عشق نبوی اور حُبِّ محمدی آپ کی ذات میں رچا ہوا ہے جس کی مبارک شرات سے مظاہر علوم اب بھی معنوی طور پر مالا مال ہے آپ کے مریدین ومسترشدین کا حلقہ بھی بہت وسیع ہے جو مسلسل آپ سے مستفید ہوتے رہتے ہیں آپ کے خلفاء ومجازین کی ایک بڑی جماعت آپ ہی کے فیض کو تقسیم کر رہی ہے۔ ان میں متعدد حضرات بلند مرتبہ اور صاحب احوال ہو کر بدعت وظلمت کے عمیق غاروں میں پہنچ کر توحید وسنّت اور نورِ ایمانی کے پھیلانے میں مشغول ہیں اور ان کی ذات بلاشک وشبہ ان علاقوں کے لئے قامع بدعت اور قاطع ظلمت بنی ہوئی ہے۔

ان اکابر ثلثہ نے اپنی گرمیٔ نفس اور نابشر وروں سے ایسی بڑی جماعت پیدا کر دی ہے جو انہی کے نقشِ قدم پر چلکر تزکیۂ نفوس اور تربیتِ مخلوق میں مشغول ہے اور خوش قسمتی ہے کہ یہ سب حضرات مظاہر علوم کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں اور اپنی عنایات وتوجہات اسکی طرف مبذول کیئے ہوئے ہیں۔

(از علمائے مظاہر علوم ج ۱)

؎ لوگ کیوں محبّت کی زندگی سے جلتے ہیں۔ یہ وہ آگ ہے جسمیں ہم خوشی سے جلتے ہیں

جامع کمالات شخصیت

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی جامع کمالات شخصیت ہشت پہلو انمول ہیرے کے مثل عجائبات عالم میں سے ایک تھی۔ ایک طرف آپ متبحر عالم، بہترین متکلم، بے نظیر مناظر قلوب کو پگھلا دینے والے مقرر وواعظ، دلوں کو روشن کر دینے والے ناصح ومرشد تھے تو دوسری طرف آپ خوش طبع وخوش گو، قادر الکلام اور یکتائے روزگار شاعر بھی تھے جسطرح نظم میں آپکا جواب نہ تھا نثر میں بھی اپنی مثال آپ خود ہی تھے آپ ایک روشن ضمیر ومحقق شیخ طریقت تھے تو فلسفہ ومنطق میں ید طولیٰ اور اجتہادی شان رکھتے تھے

کر ارسطو و افلاطون جیسے بڑے بڑے فلسفیوں اور مناطقہ کے اصولوں کی چٹکیوں میں دھجیاں بکھیر دیتے تھے۔ بایں ہمہ اتباعِ سنت آپ کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ آپ کی ذاتِ گرامی بلاشبہ نمونۂ اسلاف تھی اس انداز کے متبحر علماء محقق صوفیاء متصلب صلحاء، جو رضاء و تسلیم کے پیکر، بے پناہ مجاہدات کے خوگر، اتباعِ سنت کے عاشق ہوتے ہوئے علوم قدیمہ و فنون جدیدہ میں بھی مہارت تامہ اور نظم و نثر میں یکساں قدرت کاملہ رکھتے ہوں، جو قدامت پسند حضرات کو مطمئن کرنے کے ساتھ ساتھ جدت پرستوں کیلئے بھی سامان تسکین و تسلی فراہم کرتے ہوں اور ہر دو طبقوں کی اصلاح و تربیت ایسے لطیف اصولوں اور نامعلوم طریقوں سے کر دیتے ہوں کہ مصلحینِ زمانہ بھی حیران رہ جاتے ہوں ایسے حضرات امت میں سلفاً و خلفاً اگر نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں کم از کم ایسی جامع الصفات و مجمع الکمالات شخصیت ہماری نظروں میں دور دور تک نہیں ہے ؎

نہ تھا آئینہ کے سوا مثل ان کا ۔ کوئی تھا تو مدِ مقابل یہی تھا ۔

یہ آفتاب علم و عمل نصف صدی سے زائد طویل مدت تک دنیائے علوم و فنون کو برابر چمکاتا رہا اور اپنی نورانی شعاعوں سے عوام و خواص، واردین و صادرین اور طالبین و سالکین کے قلوب کو مسلسل فیضیاب و منور کرتا رہا۔ یہ رحمتِ باری کا حسین و پُر انوار بادل کشت زارِ امت پر خصوصاً گلستانِ مظاہر کی خوشگوار و شاداب بہاروں پر لگاتار برستا اور ان کو شاداب سے شاداب تر کرتا رہا۔ یہ علم و عرفان کا بحرِ ذخار تشنگانِ علوم و معرفت کو اپنے آبِ حیات سے بے دریغ سیراب کرتا رہا۔

غروبِ آفتابِ علم و عرفاں

آہ وہ علم و فضل کا آفتاب عالمتاب ۱۵ ؍ رجب المرجب ۱۳۹۹؁ھ م ۱۰ ؍ ۱۱ ؍ جون ۱۹۷۹؁ء کی درمیانی شب (شب دوشنبہ) میں اس عالم رنگ و بو کو تیرہ و تار و سوگوار چھوڑ کر ہمیشہ کیلئے غروب ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ اِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ ۔ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ اپنا کام پورا کرکے آغوشِ رحمت میں آرام فرما ہو گئے انہوں نے اپنی عمر عزیز کے قیمتی اوقات بے بہا لمحات کو صحیح

مصارف میں صرف فرمایا۔ حق تعالیٰ نے ان کو انشاء اللہ بہتر مقام پر پہونچایا ہے
ہوں نے جس ربِّ محبوب کے امر پر زندگی گذاری، جس محبوب حقیقی کے عشق میں
ندگی بھر وہ تڑپتے رہے۔ جسکی رضا جوئی ہر آن ان کے پیشِ نظر رہی اس مالک
محبوب کی جُدائی کا غم ختم ہوا۔ لذتِ وصل سے وہ ہم کنار د لطف اندوز ہوئے
یک قطرہ سمندر میں چلا گیا تو زندگی پا گیا۔ ہمیں اس کا غم نہیں مشقت کے
ر راحت اور کام کے بعد آرام حق تعالیٰ کا بڑا انعام ہے اللہ نے اپنے چہیتے بندے
وہ انعامِ عظیم عطا فرما دیا۔ پسماندگان کو اس کا غم ہے کہ وہ یتیم ہوگئے ایک
شفق باپ، ایک مہربان استاذ اور ایک بہترین مُربی کا سایۂ عاطفت، ظلِ رحمت
ا دستِ شفقت ان کے سروں سے اُٹھ گیا۔ گلستانِ علم وعرفان کا ہر برگ
ں اسلئے سوگوار ہے کہ بہاروں کا نگراں، گلستاں کا باغباں اور ملکِ علم ومعرفت
ایک تاجدارِ ذی شان رخصت ہوگیا۔ جدائی کا غم ہے، اپنی محرومی کا افسوس ہے
ستہ میں کارواں بے رہنما جاتا رہا :: اُف سفینہ ہے بھنور میں ناخدا جاتا رہا
جدارِ ملکِ عرفاں، بادشاہِ علم وفضل :: باغبانِ گلستانِ پرضیا جاتا رہا

تسلی وتسکین

زدوں کی تسلی کیلئے، یتیموں کی تسکین کے لئے، تڑپتے ہوئے خدام کو صبر کی تلقین
لئے، غم سے پژمردہ چہروں کو شگفتہ بنا دینے کیلئے کیا اس حقیقت کا اظہار
ں نہیں کہ حضرت کو اس قیدِ حیاتِ دنیوی سے آزاد کر دیا گیا۔
لتوں سے چھڑا کر راحتوں میں پہنچا دیا گیا، محنت و مصیبت کے عالم سے بُلا کر
غوش رحمت میں سُلا دیا گیا ہے۔ ادھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے صدقاتِ
ریات، باقیاتِ صالحات اور فیوض و برکات کے پائدار چشمے رواں
ں ہیں۔ انشاء اللہ تشنگانِ علم وعرفان تاقیامت ان سے سیراب ہوتے رہیں گے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْہُ عَمَلُہٗ اِلَّا مِنْ ثَلٰثَۃٍ اِلَّا مِنْ صَدَقَۃٍ جَارِیَۃٍ اَوْ عِلْمٍ یُنْتَفَعُ بِہٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ یَدْعُوْلَہٗ رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف ص۳۲)	حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اسکے عمل کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے مگر تین چیزوں کے ثواب جاری رہتے ہیں صدقۂ جاریہ کا ثواب اور علمِ نافع کا ثواب اور نیک اولاد کا ثواب کہ وہ اسکے لئے دعاگو (بھی) رہتی ہے ۔

حضرت والا نے الحمدللہ اپنے بعد صدقات جاریہ بھی بہت سے چھوڑے ہیں خصوصًا جامعہ مظاہر علوم کی تعمیر و ترقی جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں بے مثل آپ کی علمی اور روحانی اولاد بھی ہند و بیرون ہند میں بکثرت پھیلی ہوئی ہے اور عرب و عجم میں آپ سے حاصل کیے ہوئے علوم و فنون اور عرفانی فیوض کی اشاعت کر رہی ہے آپنے جسمانی اولاد بھی چھوڑی ہے ۔ جن میں خاص طور پر مولانا احمداللہ صاحب اور مولانا محمداللہ صاحب حضرت والا کے ہر طرح جانشین لائق ہیں حضرت مولانا محمداللہ صاحب مدظلہٗ استاذ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور ہیں اور الحمدللہ تشنگانِ علوم کو سیراب و فیضیاب فرمارہے ہیں حق تعالیٰ ان کو ہر نوع کی برکات سے نواز کر ان کے ظاہری و باطنی فیوض سے امت مسلمہ و طالبان علومِ دینیہ کو تادیر مالامال فرمائے ۔ آمین ؎

کریں خسروی کامرانی کے ساتھ — رہیں عمر بھر شادمانی کے ساتھ
مجاہد ہوں ہر وقت مثلِ سلف — سدا کاہلی سے رہیں برطرف
دل اُن کا رہے مائلِ کارِ خیر — رہے جَور و بے اعتدالی سے بَیر
رہیں رہبرِ اہلِ اسلام وہ — کریں حسب شرعِ نبیؐ کام وہ
شریعت، طریقت میں وہ طاق ہوں — ”اُولوالامر مِنْکم،، کا مصداق ہوں

رہیں حامیِ دینِ حق، صبح و شام
بحقِ محمد علیہ السلام

(ماخوذ)

وَجہِ تالیف

شکرِ منتہا ئے ادا یمانِ خود دانستہ ام ذکرِ او تا بودہ ام بو دست حرزِ جانِ من

(ان کے احسانات کا شکر اپنے ایمان کا تقاضا جانتا ہوں جبتک میں زندہ رہونگا انکا ذکر مرا تعویذ بنا رہے گا)

سوانح کا تقاضا اور تحریک اوّل

صاحب سوانح (احیائے اسعد)

حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات کے بعد ہی سے تلامذہ ومتعلقین، متوسلین ومسترشدین بلکہ بعض اکابر کو بھی حضرت والاؒ کی سوانح حیات، کی تالیف کا شدید تقاضا تھا۔ بہت سے حضرات اسکے متمنی تھے کہ حضرت کے تفصیلی حالاتِ زندگی کتابی شکل میں محفوظ ہو جائیں تاکہ بعد والوں کیلئے وہ مشعلِ راہ اور پسماندگان ومتعلقین کے غمزدہ اور زخمی دلوں کے لئے مرہم شفا ثابت ہوں ے مرہم زخم دلی ذکرِ جمیل ،، نسخۂ پُر شفا ہست بہرِ علیل۔

بندہ نے بھی حضرت کے مرثیہ (ذکرِ اسعد) کے شروع میں تمہیدی مضمون منثور (ملقب بہ ذکرِ اسعد اسلامیاں) میں اس امر کا اظہار کیا تھا کہ واقعات وحالات کا تجسس جاری ہے انشاء اللہ دیر سویر حضرت کی سوانح ترتیب دیدی جائیگی۔ میرے علم میں تھا کہ حضرت کے حالات مخفی ومستور ہیں۔ لیکن قطعاً یہ امید نہ تھی کہ آپ کے حالاتِ زندگی مخصوص خدام و بے تکلف احباب کے ذریعہ بھی معلوم نہ ہو سکیں گے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں جسقدر کوشش و کاوش اور گفتگو وجستجو کی گئی اتنا ہی ناکامی و مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ جن صاحب سے بھی آپ کے متعلق سوال کیا گیا اور زندگی کا کوئی پہلو اجاگر کرنے کی درخواست کیگئی تو جواب ما المسئول عنہا باعلم من السائل (مسئول سائل سے زائد علم نہیں رکھتا) کے علاوہ دوسرا جواب نہ مل سکا۔ بلکہ صاحب تذکرہ حضرت والاؒ کا بھی حال یہی تھا وہ فرماتے ہیں ے

اے پوچھنے والو! تمہیں کیا خاک بتائیں ہم خود ہی نہیں جانتے کیا دیکھ رہے ہیں

اس فانی فی اللہ و باقی باللہ ہستی کا حال تو یہ تھا کہ ؎

ہماری زندگی کا لمحہ لمحہ کیف آگیں ہے ہمیشہ محور ہتے ہیں خیالِ روئے رنگیں میں

عشق و شوق کی وسیع وادیوں میں گمشدگی و نفاست و حیرت اور سبقت کا یہ عالم تھا کہ ؎

عشق کی دشواریوں نے کر دیا کامل مجھے اب کوئی مشکل نظر آتی نہیں مشکل مجھے
شوق کی وسعت مجھے منزل سے آگے لے گئی میری ہمت نے کیا گم کردہ منزل مجھے
کیں تجلی ریزیاں تھیں التفاتِ خاص ہیں آپ نے دنیا و دیں سے کر دیا غافل مجھے
تابشوں نے حسن کی نظروں کو خیرہ کر دیا
روح کی بیداریوں نے کر دیا غافل مجھے

آخر کار مایوس ہو کر بندہ نے حضرت کی سوانح لکھنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ لیکن اس سلسلہ میں قلبی تقاضے اور جذبہ میں کمی نہ آئی۔ دوسرے بہت سے حضرات بھی مصر رہے کہ حضرت کی سوانح کا آنا انتہائی ضروری ہے اسلئے بندہ یہ کوشش کرتا رہا کہ کوئی صاحب سوانح نگار اور صاحب علم و اہل قلم خصوصاً حضرت اقدس رحمہ اللہ سے خاص نسبت رکھنے والے مزاج داں بزرگ اس طرف متوجہ ہوں جتنے حالات بھی مہیا ہو سکیں ان کو ترتیب دیدیں اس سلسلہ میں ہمارا نظر زیادہ تر حضرت والا علیہ الرحمہ کے مجاز خاص، خادم مخصوص اور مزاج داں تلمیذ رشید حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی مدظلہ پر تھی۔ اپنی خصوصیات کی بناء پر ہماری نظر میں اس کے اہل وہی تھے۔ اور ہمارا حال تو یہ ہے کہ:

ع ہمارا کیا ہے اے بھائی نہ صوفی ہیں نہ ملا ہیں

سوانح کی تحریک ثانی

حسن اتفاق کہ حضرت موصوف مولانا باندوی مدظلہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے چند روز بعد مراد آباد تشریف لائے ملاقات ہوئی تو میں نے عرض مدعا کرکے باصرار بار بار درخواست کی مگر جواباً بار بار تاکید کے ساتھ انہوں نے بندہ ہی کو حکم دیا اور فرمایا کہ "آپ ہی اس کام کو بہتر طریقہ پر انجام دے سکتے ہیں"۔ حالانکہ مجھے اس بات

یقین ہے کہ مجھ جیسے رند مشرب آدمی کے لئے یہ کام زیبا نہیں۔ گو الحمد للہ اس راہ کی دشواریاں میرے لئے خوشگواریاں ہیں بقول حضرت علیہ الرحمہ ؎
شوخی ہے میرا مشرب، رندی ہے میرا مذہب :: میں جانتا ہوں واعظ حسن عمل کی راہیں
اسعدؔ کو عاشقی میں حاصل ہیں دستگاہیں :: پہچانتا ہے ظالم ہر طرز کی نگاہیں
میں نے حضرت باندوی مدظلہ سے عرض کیا کہ ٹھیک ہے میں ان شاء اللہ اس کام کو انجام دوں گا لیکن حضرت کے احوال چونکہ مستور و مخفی ہیں اسلئے ان کی تحقیق و تفتیش میں آپ جیسے حضرات میرا تعاون فرمائیں گے تو انکو ترتیب دیدینا میرا کام ہوگا۔ حضرت موصوف نے تعاون کا وعدہ فرمایا اور یہ فرمایا کہ جو معلومات مجھے ہیں میں وہ سب لکھ کر آپکے پاس بھیجدونگا۔ اس کے بعد مولانا محترم دو بار مرادآباد تشریف لائے اور ہر مرتبہ اس کام کی تاکید فرما گئے اور ہر بار بندہ نے بھی وعدہ کی یاد دہانی کرکے وعدہ کی تجدید کرالی۔ اسکے بعد متعدد خطوط بھی لکھے، کئی برس گزر گئے مگر انتظار آخر انتظار ہی رہا ؎
کیا وعدۂ دلفریب کیا اس دلفریب نے :: مجھے میرے مکان کا دربان بنادیا
وعدہ خلافی تو وہ نہیں فرماتے حاشا وکلّا یہ الزام اُن پر ہرگز نہیں۔ البتہ ان پر کارہائے متعلقہ کے بار، مسلسل اسفار اور پیش آنیوالے گوناگوں حوادث و حالات نے ان کو اسطرف متوجہ نہ ہونے دیا اور اب تو وہ ایک عرصہ سے خود بھی کافی علیل ہیں حق تعالیٰ شانہ اپنی رحمت کاملہ سے ان کو شفائے کلیہ عطا فرمائے اور ان کے فیوض و برکات سے امت کو مالا مال رکھے آمین۔
میں نے حضرت کے دوسرے تلامذہ، متعلقین و متوسلین سے بھی درخواست کی کہ وہ حضرتؒ کے حالات جمع کرنے کی کوشش کریں۔ بہت سے حضرات نے وعدہ بھی کیا مگر ہنوز ایفاء کی نوبت نہیں آئی۔ میری مجال نہیں کہ میں اس کو سرد مہری، بے وفائی یا وعدہ خلافی سے تعبیر کردوں۔ مجھے معلوم ہے کہ ان سب حضرات کو گوناگوں دینی، علمی، تبلیغی اور اصلاحی خدمات و مصروفیات کے علاوہ حالات کے پردۂ خفاء میں ہونے کا عذر معقول ہے۔ اس ذات عالی کے متعلق کوئی کیا کہہ اور لکھ سکتا ہے جس نے اپنی ذات کے ساتھ اپنے احوال کو بھی پردۂ گمنامی میں چھپانے کی بھرپور

کوشش کی ہو جسکی زبان پر اپنا، اپنے آبار و اجداد اور خاندان کا تذکرہ بھی نہ آتا ہو۔ اگر کوئی خادم ہمت کر کے اس سلسلہ میں سوال کی جرأت کرتا تو اس کو یہی جواب ملتا۔ بھئی ہم کیا اور ہمارے حالات کیا اللہ اللہ کرو عمر عزیز کو ضائع نہ کرو یا کیزہ زندگی خدا کو محبوب ہے ان فضول باتوں میں اپنی قیمتی عمر برباد نہ کرو۔ اس قسم کی باتوں سے سائل کو خاموش کر دیتے اس لئے کسی کو سوال کی جرأت نہ ہوتی تھی اور حقیقت یہ تھی کہ ؎

اے پوچھنے والو! تمہیں کیا خاک بتائیں ؛ ہم خود ہی نہیں جانتے کیا دیکھ رہے ہیں

رہتی ہے بترے اسعد بے خود کے سامنے ؛ وہ بزم خاص عالم بالا کہیں جسے

کیا بتائیں کسی کو ہم اسعد ؛ کیف اسرار باطنی کیا ہے۔

اس حقیقت کا اظہار حضرت نے ایک اور جگہ اسطرح کیا ہے کہ

کھاتا ہوں وہ غم کہ جسے کھایا ہے جہاں کو ؛ اس درد محبت کی بھی کیا خوب دوا ہے

اتنی بھی خبر جوش محبت میں نہیں اب ؛ سرگرم وفا ہے کہ وہ مصروف جفا ہے

کیوں رشک نہو تیرے شہیدوں پہ خضر کو ؛ آغاز حیات ابد، انجام فنا ہے

اے پوچھنے والو! تمہیں کیا خاک بتائے
جو خود نہیں جانتا کیا دیکھ رہا ہے

آپ ذکر و فکر، درس و تدریس اور کارہائے متعلقہ میں ہمہ وقت و ہمہ تن متوجہ و مصروف رہتے تھے۔ زندگی کا کوئی ایک لمحہ ضائع کر دینا آپ کو ناگوار تھا حضرت والا کا شعر ہے ؎

روز و شب مشغول رہتے ہیں نوشت و خواند میں ؛ ہم کو کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے فراغ

حاصل یہ ہے کہ جس ذات گرامی کی نہایت و بے نفسی، تواضع و انکساری کا یہ عالم ہو کہ جسکو بلا ضرورت شدیدہ مخلوق کا تذکرہ بھی پسند نہ ہو، وہ اپنی ذات یا خاندان کے متعلق ایسے الفاظ سے بھی محتاط و مجتنب ہوں جن سے خود ستائی کا ادنیٰ شبہ بھی ہو سکتا ہو۔ اور وہ اپنی کیفیات و حالات کو پوشیدہ رکھنے کا زبردست اہتمام بھی کرتے ہوں اور کوئی دوسرا ذریعہ بھی ایسا نہو جس سے حالات متعلقہ کا علم ہو سکتا ہو تو ایسی شخصیت کے متعلق کوئی لکھے

تو کیا لکھے اور کہے تو کیا کہے؟ خصوصاً مجھ جیسا آدمی جو راہِ سلوک و طریقت سے ناآشنا، معرفت و حقیقت سے بیگانہ اور آپ کی کتابِ زندگی سے ناواقف ہے وہ کسطرح آپ کی حیاتِ بابرکات پر خامہ فرسائی کرسکتا ہے؟

مشک آنست کہ خود ببوید

ہاں "مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید" کے اصول سے جو کچھ آپ کے علمی و عرفانی احوال و کیفیات کو محسوس کرنے اور آپ کے علوم ظاہری و باطنی کی خوشبوؤں سے فیضیاب و معطر ہونے والوں کے ذریعہ معلوم ہوا اس کو سپردِ قلم کیا جاسکتا ہے اور بقول حضرتِ والا "حقائق چھپانے سے کہاں چھپتے ہیں؟" ؎

مجھکو خاموشی نے رسوائے زمانہ کردیا — میری سعیِ ضبط سے اظہارِ الفت ہوگیا
جلوہ ہائے حسن سے بیتاب ہونا لوٹنا — میری فطرت ہوگیا میری طبیعت ہوگیا
کس طرح ظاہر کیا ہے تو نے اسعدؔ کیفِ عشق
حسن والوں کو بھی شوقِ عشق والفت ہوگیا

امید کی روشنی اور مایوسی کا بادل

پانچ سال سے زائد عرصہ اسی شش و پنج پس و پیش اور فکر و انتظار میں گذر گیا کہ یہ کام کون کرے اور حضرتِ مرحوم کی سوانح کسطرح وجود میں آئے۔ اسی اثناء میں ایک معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا کہ اسعدی برادری کے ایک اہلِ علم نے تالیفِ سوانح کا بیڑا اٹھالیا اور کام شروع کردیا ہے تو مجھے اپنے اور پوری اسعدی برادری کے قلبی تقاضے اور دلی جذبے کے پورا ہونے کی امید سے طبعی طور پر بے حد خوشی اور نہایت مسرت ہوئی۔ لیکن جب میں نے ان سے ملاقات کی اور سوانح کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ کام شروع کردیا تھا مگر پھر اسکو التوا کے خانے میں رکھدیا گیا۔ اس بات سے قلبی کوفت ہوئی۔

بہت سوچتا رہا کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے؟ کیا بزمِ اسعدی میں حرارت ہی نہ رہی یا بے حسی و مدہوشی کا غلبہ ہے۔ بہرحال میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا ہاں حضرت کے یہ اشعار ذہن میں آتے رہے ؎

کچھ بتاتے ہی نہیں ہم کو یہ آنے والے　　کیوں تری بزم سے انگشت بدنداں آتے
وفا غرض ہے، محبت ہوس، خلوص نفاق　　ہر ایک چیز برائی ہے اس زمانے کی
جنھیں ہے فکر مری قبر کے مٹانے کی　　مٹائیں پہلے وہ شہرت مرے فسانے کی

چراغ بزم عدو تو نہیں ہوں میں اسعد
وہ کیوں اٹھاتے ہیں زحمت مرے جلانے کی

صاحبزادۂ محترم سے ملاقات

اس کے بعد شہزادۂ محترم حضرت مولانا محمد اللہ صاحب مدظلہ، سے ملاقات ہوئی۔ دورانِ گفتگو سوانح کا ذکر آگیا تو موصوف نے فرمایا کہ ہم تو کچھ کر نہیں سکتے اور دوسرا ابھی کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا جسکو اس سے پوری طرح دلچسپی ہو اور وہ اس کام کو صحیح طور پر انجام دے سکے یا ہم اسپر مطمئن ہوں کہ وہ یہ اہم کام کر سکے گا۔

پھر بڑے عجیب دمؤثر انداز میں فرمایا کہ۔

" مولانا میں آپکے منھ پر عرض کر رہا ہوں جو مناسب نہ تھا مگر ضرورۃً کہتا ہوں کہ حضرت کی سوانح پر کام آپ کر سکتے ہیں اور دوسرا کوئی آدمی اس انداز کا ہماری نظر میں نہیں۔ علم کے ساتھ ساتھ آپ کو دولتِ قلم حق تعالیٰ کیطرف سے عنایت ہوئی ہے۔ آپ ہی بخوبی اس کو سرانجام دے سکتے ہیں "

حضرت موصوف نے سوانح کی توجہ و ترغیب ایسے محتاط الفاظ سے دلائی کہ ان میں صیغۂ امر کا استعمال نہ تھا۔ مولانا کے تعریفی الفاظ کو میں نے ان کے حسنِ ظن پر محمول کیا اور عرض کیا کہ میں زیر قلم تالیف درسی تفسیر (پ ۲۹ و پ ۳۰) کی تکمیل میں مصروف ہوں اسکے علاوہ درس و تدریس، وعظ و تقریر وغیرہ کے مختلف مشاغل میں بالکل عدیم الفرصت ہوں اور یہ کام بہت ہی اہم ہے، اسلئے دشوار ہوگا پھر واقعہ یہ ہے کہ میں اس کا اہل ہرگز نہیں ہوں سہ

نور آفتاب کجاست و من خراب کجا　　بہ بیں تفاوت رہ کجاست تا بکجا

حضرت صاحبزادۂ محترم نے مزید جوش کے ساتھ فرمایا:

" مولانا اس کا اہل میں صرف آپ کو پاتا ہوں یہ واقعہ ہے تصنع نہیں

اور حفض حسن ظن نہیں اگر آپ اس کام کا بیڑا اٹھالیں گے تو مجھے امید ہے کہ یہ پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گا ورنہ توقع نہیں ہے رہی عدیم الفرصتی کی بات تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کام تو عدیم الفرصتی ہی میں ہوتا ہے فرصت میں نہیں ہوتا دوسرے کاموں کے ساتھ اسکو بھی جوڑلیں ایک نہ ایک دن انشاء اللہ مکمل ہو جائے گا "

ان جملوں پر میں نے سکوت اختیار کیا۔ اپنے دل کو ٹٹولا اور اپنے آپ کو اقدام پر مسلسل آمادہ کرتا رہا مگر طبیعت آمادہ نہیں ہوئی۔ کیونکہ یہ راہ دشوار ہے اور کوئی معین نہیں، رہبر نہیں۔ کسی کو اسطرف توجہ نہیں۔ جمود کا عالم ہے۔ غرض اپنی نا اہلیت اور دشواریوں کے پیش نظر اس مسئلہ میں مجھے پھر مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ اسلئے اب صبر و سکوت کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا ؎

بیانِ رازِ محبّت ہو کس طرح رنگیں ۔۔ زبانِ شوق میں جرأت نہیں سنانے کی

قرعۂ فال بنامِ من

جن حضرات کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح سے دلچسپی اور قلبی تقاضا ہے ان میں سے مرادآباد کے مشہور بزرگ جناب افتخار صاحب فریدی بھی ہیں۔ وہ بھی ہر ملاقات پر اپنے تقاضے اور جذبے کا اظہار فرماتے رہے۔ میں بھی ان کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے اپنی دلی تمنا و آرزو کا اظہار اس طرح کر دیا کرتا کہ جی تو چاہتا ہے کہ حضرت کی سوانح آجائے اور ان سے کہتا کہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب، یا کسی اور بزرگ کو اسپر آمادہ کرنیکی کوشش کریں۔ اس سے پہلے اس سلسلہ کے جو واقعات لکھ چکا ہوں وہ بھی، ان کے علم میں آچکے تھے۔ فریدی صاحب ایک جہاندیدہ و تجربہ کار آدمی ہیں مدتوں جماعت تبلیغ سے وابستہ رہ کر بہت کام کیا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ کس آدمی سے کس طرح کام لیا جاسکتا ہے اتفاق سے ان کا رائے پور اور پھر سہارنپور جانا ہوا۔ سہارنپور شہزادۂ محترم حضرت مولانا محمد اللہ صاحب کے پاس پہنچے اور ملاقات کر کے کہا کہ میں آپ کے پاس صرف اسلئے آیا ہوں کہ آپ سے یہ درخواست کردوں کہ حضرت ناظم صاحب کی سوانح پر کام ہونا ضروری ہے ان کی زندگی کے حالات

ہونے والوں کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوں گے، ان کے احوال حیات میں امت کیلئے سبق ہے امت کیلئے انکی سوانح بہت ضروری اور نہایت مفید ہے۔ آپ خود حضرت کے حالات کی ترتیب کا کام کریں آپ ان کے فرزند ارجمند و لائق جانشین ہیں اولًا آپ پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے اور آپ اس کام کو بخوبی انجام بھی دے سکتے ہیں کیونکہ حضرت کی زندگی کا ایک بہت بڑا حصہ آپ کے سامنے ہے اسلئے آپ کو ان کے متعلق جتنی معلومات ہیں اور کسی کو نہیں ہو سکتیں اور اگر آپ یہ کام نہ کریں تو کسی دوسرے آدمی کو مامور کردیں۔ بہرحال حضرت کی سوانح یہ کام ضروری ہے۔ صاحبزادۂ محترم نے ان کی اس تقریر کے جواب میں فرمایا کہ میں اپنی افتادِ طبع سے مجبور ہوں اور یہ کام میرے بس کا بھی نہیں۔ علاوہ ازیں کچھ اعذار اور مجبوریاں اسطرح کی ہیں کہ اطمینان قلب و یکسوئی اور جمعیت خاطر میسر نہیں اور کوئی دوسرے صاحب ایسے میرے سامنے نہیں جو اس بارِ عظیم کو برداشت کرنے کیلئے بخوشی آمادہ ہو جائیں اور بخیر و خوبی اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہونچا دیں۔ فریدی صاحب نے فرمایا آدمی تو میں بتاتا ہوں آپ ان کو مامور کردیں، پوچھا وہ کون ہیں؟ فریدی صاحب نے فرمایا مولانا نسیم احمد صاحب غازی ہیں۔ ان کو اس سے بہت دلچسپی ہے قلبی تقاضا ہے اور وہ اس کام کو بخوبی کرسکتے ہیں اور آپ کے حکم کے منتظر ہیں وغیرہ (یہ گفتگو مجھکو فریدی صاحب نے سنائی تھی)

غالبًا فریدی صاحب میرے اظہار آرزو اور تقاضائے قلبی کے بیان سے یہ سمجھ گئے کہ میں لکھنا چاہتا ہوں اور حکم کا منتظر ہوں حالانکہ ایسا نہیں تھا یا ممکن ہے کہ ”دروغ مصلحت آمیز“ کے اصول پر عمل کرایا ہو۔ بہرحال وہ اپنی ترکیب میں اسطرح کامیاب ثابت ہوئے اور اظہارِ تمنا کی پاداش میں وہ ذمہ داری میرے سر پر آگئی جس سے میں بچ رہا تھا اور واقعۃً بھی میں اس کام کا اہل نہیں ہوں کہ اپنی پرواز عقل و فہم اور رسائی خیال و وہم سے بلند و بالا و گرامی قدر شخصیت کی زندگی کو قوم کے سامنے پیش کرسکوں۔ ع نہ اس قابل بیاں میرا نہ اس قابل زباں میری۔ مگر ہندی کی وہ مثال مشہور صادق آگئی کہ ”جو بولے وہ دیوا بالے“ اور یہ شعر

کسی دن بے خودی میں چھو لیا تھا ان کے دامن کو ۔ وہ دن تھا، آج کا دن ہے پشیمانی نہیں جاتی

مختصر یہ ہے کہ میرے کرم فرما جناب فریدی صاحب نے صاحبزادہ محترم حضرت مولانا محمد اللہ صاحب کو والا نامہ بلکہ حکم نامہ لکھنے پر آمادہ کرلیا۔ اور حضرت موصوف نے ایک گرامی نامہ (جو درج ذیل ہے) اس انداز سے تحریر فرمایا کہ اسمیں اگرچہ صراحۃً حکم اور صیغۂ امر نہیں ہے مگر حکم سے زائد شدت و قوت اور تاکید موجود ہے جسمیں معذرت کی بھی کوئی گنجائش باقی نہیں تھی ؎

آسماں بار امانت نتوانست کشید ۔۔ قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

آسمان امانت کا بوجھ نہ اٹھا سکا اسلئے قرعہ مجھ پگلے کے نام پر ڈال دیا

شب غم دل کے بہلنے کی یہ صورت ہوگی ۔۔ آپ کی دی ہوئی تکلیف بھی راحت ہوگی

فکر اور شکر صاحبزادہ محترم کا مکتوب گرامی پڑھکر اس ذمہ داری اور اس سے عہدہ برآئی کی فکر ہوئی۔ خصوصاً اسباب تالیف کے فقدان کا زائد احساس تھا۔ احباب کی بے فکری و بے نیازی کا ذکر تو اوپر کر چکا ہوں جو خدا نخواستہ شکوہ و شکایت نہیں ؎

نہ شکوہ کرتا ہوں نہ گلا کرتا ہوں ۔۔ وہ سلامت رہیں بس یہ دعا کرتا ہوں

علاوہ ازیں نہ ریکارڈ، روداد اور ایسی کتب میرے پاس موجود ہیں جن سے ترتیب سوانح میں مدد لی جاسکے اور کچھ تاریخی واقعات یا واقعاتی حقائق ان سے اخذ کئے جاسکیں نہ ہی اتنی فرصت کہ جامعہ مظاہر علوم میں چند دن قیام کرکے پرانے ریکارڈوں اور روداد سے کچھ معلومات فراہم ہوسکیں۔ لے دے کر چند خطوط و مضامین مختلفہ میرے پاس آگئے ہیں۔ اندازہ ہوتا ہے کہ یا تو جملہ خطوط و مضامین کو محفوظ نہیں رکھا گیا یا وہ دست برد ہو گئے ہیں واللہ اعلم

مزید برآں بندہ چند ماہ سے گوناگوں امراض کا شکار ہے اور عدیم الفرصتی کا یہ عالم ہے کہ بقول شخصے سر کھجلانے کی بھی فرصت نہیں، درس و تدریس کا مشغلہ، درس تفسیر کا سلسلہ، وعظ و تقریر کیلئے مسلسل اسفار اور نیر قلم تالیفات کی تکمیل وغیرہ کے ساتھ خانگی الجھنیں، سونے پر سہاگہ، یا کریلا اور نیم چڑھا، کا مصداق ہیں۔

الغرض ایک جان ناتواں اور ہزار دل تیر و سناں ہیں۔ ایک انار سو بیمار، میری زندگی کی تصویر ہے۔ ؎

غم ماضی، غم امروز، و احساس غم فردا — مری روداد ہے کتنے ہی عنوانوں سے وابستہ

لیکن اللہ کا شکر ہے مصروف و بر سر کار ہوں فارغ و بیکار نہیں ہوں۔ اور مخدوم زادۂ محترم کا حکم ایسا نہیں کہ ٹال دیا جائے۔ یا بوت و لعل میں ڈال دیا جائے ؎

اگر بر سر و چشم من نشینی — نازت بکشم کہ نازنینی

(اگر آپ میرے سر اور آنکھوں پر بیٹھیں تو آپ کی ناز برداری کروں گا کیونکہ آپ نازنین ہیں)

پھر جبکہ ہر طرف سے مایوسی ہے اور میرے محسن و مربی، صاحب تذکرہ کے بیکراں احسانات کا تقاضا بھی یہی ہے کہ میں انکی حیات بابرکات پر لکھوں اور ان کا تذکرہ کروں ؎

وذکرک للمشتاق خیر شراب — وکل شراب دونہ کسراب

(آپ کا ذکر چاہنے والے کیلئے بہترین شراب ہے — اور آپکے ذکر کے بغیر شراب بھی ریت ہے)

اعد ذکر نعمان لنا ان ذکرہ — ھو المسک ما کررتہ یتضوع

(نعمان کا ذکر ہمارے سامنے بار بار کرو کیونکہ وہ — مشک ہے جتنا کرید وگے اتنی ہی مہکے گی)

اسلئے اللہ کے نام اور اسی کے بھروسہ پر اس (حیات اسعد) کو شروع کرتا ہوں اور اس تحریر کو اپنے لئے باعث صد افتخار و وجہ سعادت و رحمت پروردگار سمجھتا ہوں ؎

احب الصالحین ولست منھم — لعل اللہ یرزقنی صلاحا

(نیکوں سے محبت کرتا ہوں گو میں خود نیک نہیں ہوں — شاید حق تعالیٰ مجھے بھی نیکی عطا فرما دیں)

اسی کے ساتھ ساتھ میں اپنے کرم فرما جناب فریدی صاحب مدظلہٗ اور مخدوم زادہ حضرت محترم مولانا محمد اللہ صاحب مدظلہٗ کا شکر گذار ہوں کہ ان حضرات کی توجہ سے مجھ پر یہ خیر کا عظیم الشان دروازہ کھلا اور اپنے استاذ و محسن و مربی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کا ایک موقع ان کے رحلت فرما جانے کے بعد میسر آیا ؎

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی — مرا با جان جاں ہمراز کردی

تقویت و تائید

میں جونکہ اپنی خواہش سے اس کام کو شروع نہیں کر رہا ہوں بلکہ مامور ہوں اسلئے مجھے اس راہ کی مشکلات سے کوئی اندیشہ نہیں بلکہ یقین ہے کہ حق تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو گی ۔

پھران سطور بالا لکھنے کے دوران خواب میں صاحب تذکرہ علیہ الرحمہ کی زیارت سے
بحمدللہ قلب کو ایسی تقویت حاصل ہوگئی ہے کہ ہر قسم کا تردد زائل ہوگیا ۔ اور ارادہ
عزم مصمم بلکہ عمل پیہم کی شکل اختیار کرگیا ہے مجھے یقین ہے کہ فضل خداوندی اور
حضرت والاؒ کی روحانی توجہات اس سیہ کار کی جانب مبذول ہیں ؎

روح چمکی دل مجلی ہوگیا   جانے کیا دیکھا جمال یار میں
دیکھئے فطرت کا حسن انتظام   بجلیاں بھر دیں نگاہ یار میں

میں بھی طبعاً الحمدللہ میں سہاروں کی تلاش کا عادی نہیں ہوں ۔ اور میں کسی
دوسری سہارے کا ہرگز محتاج کبھی نہیں ہوں مجھے تو صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ
کی رحمت و عنایت اور اعانت درکار ہے میں اسی کے فضل و کرم کا محتاج ہوں ؎

دور ہے منزل سفر دشوار ہے   کوئی ہمدم ہے نہ کوئی یار ہے
گھاٹیاں ہیں دامن کوہسار ہے   جھاڑیاں ہیں وادی پرخار ہے
چاہیئے اللہ کا فضل و کرم
اسکی رحمت ہے تو بیڑا پار ہے

انشاءاللہ تھوڑا تھوڑا کام کرتا رہوں گا جو کچھ جہاں ملے گا یا خزانہ حافظہ
میں موجود ہوگا اس سب کو سپرد قلم و ودیعت قرطاس کردوں گا ؎
چنتا ہوں اسطرح دل صد پارہ ڈھونڈ کر   ٹکڑا جہاں پڑا ہوا پایا اٹھا لیا
مجھے امید ہے کہ تھوڑی تھوڑی معلومات جمع ہوکر حضرت والا علیہ الرحمہ کے حالات
کا اچھا خاصا ذخیرہ بہم ہوجائے گا ؎

اندک اندک خیلے گردد   قطرہ قطرہ سیلے گردد
تھوڑا تھوڑا بہت ہوجاتا ہے ۔ اور قطرہ قطرہ دریا بن جاتا ہے

وقطر الی قطر اذا اتفقت نہرٌ   ونہرٌ الی نہر اذا اجتمعت بحرٌ
قطرہ سے قطرہ ملکر نہر ہوجاتی ہے اور   نہر سے نہر مل کر سمندر بن جاتا ہے

اندک اندک بہم شود بسیار   دانہ دانہ است غلہ در انبار
تھوڑا تھوڑا اکٹھا ہوکر بہت ہوجاتا ہے   ایک ایک دانہ مل کر ہی تو غلہ کا ڈھیر ہوتا ہے

پیشِ نظر اوراق کا نام

ان اوراق اور منتشر معلومات کے مجموعہ کا نام سوانح رکھنا تو موزوں نہیں ہے کیونکہ سوانح میں تو ایک خاص ترتیب کے ساتھ جزئیات واقعات پر تفصیلی بحث کیجاتی ہے۔ اور یہ آپ کو تحریر بالا سے معلوم ہوچکا کہ حالات زندگی کی تمام جزئیات کو جمع کرنا اور انکی تفصیلات سے بحث کرنا یہاں ممکن نہیں۔ یہ تو ایک ناقص و ناتمام اور غیر مرتب تذکرہ ہے اسلئے معلومات و مضامین کے اس مجموعہ کا نام "حیات اسعد" تجویز کرتا ہوں جسمیں عموم ہے اور یہ لفظ اجمال و تفصیل دونوں کو حاوی و شامل ہوسکتا ہے اس ناتمام مجموعہ سے مقصد یہ ہے کہ اسوقت حضرت کے حالات پر ایک چیز آجائیگی تو ممکن ہے کہ دوسرے ایڈیشن میں اسمیں مزید تفصیلی معلومات کا اضافہ کرکے جدید ترتیب کے ساتھ اس کو سوانح کی صورت میں زیور طبع سے آراستہ کیا جاسکے یا حق تعالیٰ کسی صاحبِ علم و اہل قلم کو توفیق دیدیں کہ وہ اس ناقص و ناتمام کوشش کو پایۂ تکمیل تک پہنچادیں اور وہ اضافات و تفصیلی جزیات کو اسمیں شامل کرکے اسکو سوانح کی شکل دیدیں۔ اور اگر اس وقت اتنی مقدار میں بھی حضرت کا تذکرہ منصۂ شہود پر نہیں لایا جاتا تو آئندہ پھر اسکی توقع بھی نہیں کیجاسکتی تھی واللہ اعلم۔

السعی منی والاتمام من اللہ القوی وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد النبی الامی وآلہ وصحبہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

بماند سالہا این نظم و ترتیب — زما ہر ذرہ افتادہ بجائے
غرض نقشیست کز ما یاد ماند — کہ ہستی را نمی بینم بقائے
مگر صاحبدلے روزے برحمت
کند در کار درویشاں دعائے

نسیم احمد غازی مظاہری ۱۵ ذوقعدہ ۱۴۰۵ھ

حضرت شاہزادہ محترم کا مکتوب گرامی

مظاہر علوم سہارنپور ۳۰ جنوری ۱۹۸۵ء بوقت شب گیارہ بجے

میرے بہت محترم اور ہر طرح قابل اعزاز اور کمالات سے انتساب رکھنے والے

حضرت مولانا نسیم احمد صاحب غازی مظاہری مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے آپ، نعیم صاحب اور سب متعلقین واہل خانہ بعافیت ہوں کچھ زمانہ گذرا ہے کہ ظہیر الانور مرحوم کے انتقال پر آپکا تعزیت اور تسلیت کا مکتوب گرامی باعث اعزاز وکرم ہوا تھا جس سے قلب کمزور ومنتشر کو تقویت اور اطمینان ہوا تھا کل مخدوم ومعظم من قبلہ فریدی صاحب مدظلہ سے نیاز حاصل ہوا۔ انہوں نے ازراہِ خورد نوازی بہت اعزاز فرمایا اور بہت ہی توجہ سے فرمایا کہ "آپ مولانا نسیم احمد صاحب غازی کو حکم دیں کہ وہ حضرت ناظم صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی سوانح اور حالات کی جمع وترتیب کا کام کریں۔ وہ کر سکتے ہیں اور آپکے حکم کے منتظر ہیں۔ میں چونکہ مفتی سعداللہ صاحب کے وطن (مراد آباد) سے تعلق رکھتا ہوں تو اس وطنی رشتہ کے تحت کہتا ہوں کہ حضرت کی سوانح سے بہت فائدہ ہوگا۔ اب اسمیں تاخیر نہ ہونا چاہیئے"، یہ تقریبًا محترم فریدی صاحب کے الفاظ ہیں۔ میں خدانخواستہ آپ کو حکم تو کیا دوں گا ہاں درخواست کرتا ہوں، معروض پیش کرتا ہوں کہ آپ اس کام کو انجام دیں تو مجھ پر کرم ہوگا۔ اور خدا نے آپ کو بہترین صلاحیتوں سے نوازا ہے قلم اور علم کے عطایا دربار خداوندی سے آپ کو ملے ہیں اور آپ کے ذوق تصنیف وتالیف میں حسن اور نکھار ہے۔ آپ کی توجہ اس مشکل کام اور ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکتی ہے یہ سب لکھتے ہوئے یہ خیال دامن گیر ہوتا ہے کہ کہیں آپ یہ سوچیں کہ یہ اپنا بوجھ مجھ پر ڈال رہا ہے۔ مگر آپ میری بے ربطی تحریر سے خود ہی اندازہ فرمائیں کہ مجھ میں اہلیت نہیں اور اب تو اجتماع خاطر بھی نہیں۔ حضرت کے انتقال

پر جتنے خطوط آئے جتنے اخباروں اور رسائل میں حضرت کے متعلق چھپا اور کچھ اور کاغذات میں نے مولانا اسلام الحق صاحب کو دیدیئے تھے وہ کہتے تھے کہ وہ لکھیں انہوں نے غالباً کچھ لکھا بھی۔ مگر تکمیل نہ ہوسکی آپ وہ سب چیزیں ان سے لے سکتے ہیں میں ان سے کہدونگا وہ دریغ نہیں کریں گے۔ میں اخلاق کریمانہ سے امید واثق رکھتا ہوں کہ آپ کیطرف سے ایسا جواب ملے گا جس سے میری معروض کی عزت باقی رہجائیگی احباب مرادآباد اور اساتذۂ مدرسہ اور نعیم صاحب سلام مسنون قبول فرمائیں

فقط منتظر کرم　　مخلص محمد اللہ

احسان وامتنان

پسینہ آگیا پھولوں کو فریادِ عنادل سے

زیر نظر کتاب ,, حیات اسعد ،، کے اکثر مضامین کی ترتیب ہوچکی تھی۔ اور ارادہ تھا کہ کاتب صاحب کے حوالہ کردوں لیکن مناسب معلوم ہوا کہ اسکی اطلاع شہزادۂ محترم حضرت مولانا محمد اللہ صاحب مدظلہ العالی کو کردی جائے چنانچہ عریضہ لکھدیا گیا۔ تو حضرت موصوف میں ایک غیر متوقع جوش پیدا ہوگیا اور مولانا رئیس الدین کی مدد سے خود کچھ معلومات لکھواکر بندہ کے پاس ارسال فرمائیں اور دوسرے حضرات کو بھی متوجہ فرمایا جس کے نتیجہ میں مولانا عبدالقیوم صاحب بستوی نے بھی چند واقعات لکھکر بھیجدیئے۔ میں اس کرم فرمائی کا تہِ دل سے شکرگذار رہوں اور اس عنایت کو اپنے لئے باعث سعادت و برکت سمجھتا ہوں۔ ان مرسلہ معلومات میں سے جو چیزیں مسودہ میں نہیں تھیں مناسب مواقع پر ان کو شامل کردیا گیا ہے۔

امید ہے کہ ,, حیات اسعد ،، کی اشاعت کے بعد صاحب تذکرہ کے متعلقین و متوسلین مزید متوجہ ہوں گے اور تکمیل سوانح کی صورتیں پیدا ہوں گی۔

واللہ تعالیٰ اعلم

العبد

نسیم احمد غازی مظاہری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَفْضَلِ الْاَنْبِیَاءِ وَسَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہِ الْبَرَرَۃِ الْکِرَامِ وَالتَّابِعِیْنَ وَھُدَاۃِ الدِّیْنِ الْقَوِیْمِ وَعُلَمَآئِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ ..

بندہ نواز آپ مجھے جانتے نہیں — اسعد ہے میرا نام وطن رام پور ہے

اس میں شک نہیں کہ ہر انسان پاکیزہ فطرت اور قبول حق و اسلام اور اطاعت و عبادت رب کی صلاحیت لے کر دنیا میں آتا ہے۔ پھر وہ جس ماحول میں آنکھیں کھولتا ہے وہ ماحول اس کو خود بخود اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ عموماً آدمی اپنے گرد و پیش کے ماحول میں غیر شعوری طور پر ڈھلتا چلا جاتا ہے۔ والدین و سر پرستان اگر ہوشیار و اطاعت شعار ہوتے ہیں تو وہ اس نووارد انسان کو اس ننھے منے پیکر معصومیت کو برے ماحول کی زد سے اسیطرح محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں جسطرح اسکو سردی، گرمی اور دوسری مضر چیزوں سے بچاتے ہیں۔ اور اس کا رخ صحیح سمت کیطرف موڑ دیتے ہیں بلکہ صحیح راہ پر اس کو قائم رکھنے میں اپنی پوری توجہ اور تربیتی صلاحیت کو صرف کر دیتے ہیں ورنہ یا تو والدین وسرپرستان اسکی فطری صلاحیت اور حقیقی انسانیت کا خاتمہ کر کے خود ہی اس کے قاتل بن جاتے ہیں یا ان کی غفلت شعاری و بے پروائی اسکے لئے مہلک ثابت ہوتی ہے۔ ہماری اس تقریر کی اصل رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد سراپا رشاد ہے جسکو حضرت امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری شریف میں روایت کیا ہے۔

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ما من مولود الا یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ اوینصرانہ او یمجسانہ کما تنتج البھیمۃ بھیمۃ جمعاء ھل تحسون فیھا من جدعاء ثم یقول فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اسکے ماں باپ اسکو یہودی بنا دیتے ہیں یا اس کو نصرانی بنا دیتے ہیں یا اس کو مجوسی بنا دیتے ہیں۔ جیسا کہ چوپائے کا بچہ صحیح و سالم پیدا ہوتا ہے۔ تم ان میں سے کسی کو کن کٹا نہیں دیکھتے لیکن پیدائش کے بعد لوگ اس کا

ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ	کان کاٹ دیتے ہیں) پھر بطورِ دلیل
(رواہ البخاری ومسلم)	آپ اس آیت کو تلاوت فرماتے تھے
	فطرۃ اللہ التی الخ جس کا مطلب ہے کہ تم
	اس فطرتِ الٰہی پر قائم رہو جس پر اللہ تعالیٰ نے
	انسانوں کو پیدا فرمایا ہے اسمیں رد و بدل نہ کرو
	وہی سیدھا راستہ ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ہر انسان پیدائشی طور پر قبولِ حق کی صلاحیت رکھتا ہے۔ والدین کی ناعاقبت اندیشی اور ماحول کی خرابی انسان کو اسکی فطری استعداد وصلاحیت سے محروم کر دیتی ہیں اور اسکو فطری تقاضوں سے ہٹا کر غیر فطری راہوں پر چلا دیتی ہیں اگر وہ ماحول اور غلط تربیت کی زد سے محفوظ رہتا ہے تو وہ اپنے خالق و مالک کو پہچاننا اور اس کی اطاعت گزاری میں مصروف رہ کر زندگی گزارتا ہے۔ لیکن جب حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت و عنایت کسی کی دستگیری فرماتی ہے تو وہ غلط ماحول میں ڈوبتے ہوئے انسان کو بچا کر ساحلِ مراد سے ہم کنار کر دیتی ہے۔ اس تمہید کے بعد ہمیں بتانا ہے کہ ”صاحبِ تذکرہ“ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے رام پور کے کیسے عجیب و غریب اور متصادم ماحول میں آنکھیں کھولیں اور حق تعالیٰ نے آپ کی کس طرح دستگیری فرما کر آپ کی تربیت فرمائی اور آپ کو رام پور کے متضاد و متصادم ماحول سے نکال کر اپنے لئے منتخب فرمایا اَللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ؎

تقسیم کیا ہر ایک کو قسّامِ ازل نے
جو آدمی جس چیز کے قابل نظر آیا
بلبل کو دیا نغمہ تو پروانے کو جلنا
غم ہم کو دیا اس نے جو مشکل نظر آیا

اور حقیقت یہی ہے کہ حق تعالیٰ نے جس کو جس کام کیلئے پیدا فرمایا ہے وہ اس کے اسباب خود ہی مہیّا فرما دیتے ہیں اور اسی ماحول میں اسکو پہنچا دیتے ہیں۔

اسلئے پہلے ہم رام پور کا ماحول اور اسکی تاریخ کا خلاصہ لکھتے ہیں۔ تاکہ ناظرین اس بات کا اندازہ لگا سکیں کہ اسباب کی شکستگی و فقدان کے باوجود حق تعالیٰ نے اپنے بندے پر کس طرح کسبِ وکمالِ مرتبت کے دروازے کھولے اور اپنی قدرت و مشیت سے حضرت کو کہاں سے کہاں پہنچایا ماشاء اللہ کان وما لم یشأ لم یکن ؎

خاص عمر ہوتے ہیں قسمت میں اگر
زندگی موت کے آغوش میں پل جاتی ہے

ریاست رام پور

اور اسکے ماحول کے نشیب و فراز

اس کو ہوتا ہے ذوقِ علم و عمل ٭ جس کا گھر رام پور ہوتا ہے

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس شعر میں "رام پور" کے اصلی مزاج اور وہاں کے باشندوں کی اصل افتادِ طبع کو بیان فرمایا ہے۔ واقعہ بھی ہے کہ اس مردم خیز سرزمین میں پیدا ہونے اور نشو ونما پانے والوں میں اکثر وہ جوہر موجود ہوتے ہیں جن پر علم و عمل کی تعمیر وجود میں آتی ہے۔ اور وہ ہیں ذکاوت و ذہانت، خوصلہ و ہمت، شجاعت و جرأت اور اولوالعزمی و بلند حوصلگی۔

رام پور کا وجود اور اس ریاست مرحومہ کی آبادی و شادابی انھیں انمول جواہر کی مرہونِ منت ہے۔ یہ ہماری کتاب تاریخ رامپور نہیں لیکن مدعا پر استدلال کے طور پر ہم اسکی تاریخ کی جانب خفیف سے اشارات کرتے ہیں۔

تاسیس ریاست

شاہ عالم خان بن شہاب الدین خان افغانی کے متبنّی داؤد خاں سنہ ۱۱۱۹ھ م سنہ ۱۷۰۷ء میں شاہِ عالم خاں کی اجازت سے تجارت یا نوکری کا ارادہ ظاہر کرکے ہندوستان آئے فروری سنہ ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمہ کی وفات ہوگئی تھی ان کے بعد ان کا بڑا بیٹا محمد معظم بہادر شاہ تخت سلطنت پر بیٹھا۔ پانچ سال حکومت کرکے فروری سنہ ۱۷۱۲ء میں اسکی بھی وفات ہوگئی اسکے بعد اس کا بیٹا معز الدین جہاندار شاہ تخت نشین ہوا اور ایک سال بعد اپنے بھتیجے فرخ بن سیر بن عظیم الشان کے ہاتھوں فروری سنہ ۱۷۱۳ء میں مارا گیا۔ پھر فرخ سیر اپنے چچا کی جگہ دالیِ تخت و تاج بنا

چھ سال بعد اپنے مقربین سید عبداللہ و سید حسین علی خاں کے ہاتھوں میں شراب خور د عیاش بھی ۱۷۱۹ء میں مارا گیا۔ تو شاہزادے رفیع الدرجات کو ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ م فروری ۱۷۱۹ء میں تخت نشین کیا گیا جو تین ماہ بعد مرگیا پھر دوسرے شاہزادے کو تخت نشین کیا گیا وہ بھی تین ماہ بعد وفات پا گیا اس کے بعد شاہزادہ روشن اختر (محمد شاہ) کو ذو قعدہ ۱۱۳۰ھ م ستمبر ۱۷۱۹ء میں تخت پر بیٹھایا گیا۔ اس بادشاہ کے وقت میں سلطنت تباہ ہوگئی نادرشاہ نے دہلی کو لوٹا اور قتل عام کرکے بیس کروڑ کا سرمایہ اور وہ "تخت طاؤس" جو شاہ جہاں نے سات کروڑ کی لاگت سے بنوایا تھا لے گیا اور ہر ہر صوبے کے ذمہ داروں نے اپنی حکومت الگ کرلی برہان الملک نے اودھ کا صوبہ دبا لیا جہاں نواب واجد علی شاہ وغیرہ ۱۸۵۶ء تک حکومت کرتے رہے نظام الملک نے حیدرآباد کی ریاست ہڑپ کرلی جو آزادی ہند کے بعد ختم ہوئی۔ اسی ماحول میں داؤد خاں (جو تجارت اور نوکری کررہا تھا) کے حوصلے کھلے اور ملک گیری کی کوشش شروع کردی اور انجام کار روہیلکھنڈ کا فاتح بن گیا۔ اسی سلسلہ کی لڑائیوں کے دوران ایک خوبصورت ہونہار بچہ موضع بانکولی تحصیل بہیڑی ضلع بریلی یا باکولی پرگنہ بسولی ضلع بدایوں سے اس کے ہاتھ لگا۔ داؤد خاں ہنوز لاولد تھا اس کو اپنا متبنیٰ بنالیا اس بچہ کا نام سید علی محمد تھا جو بعد میں نواب سید علی محمد خاں صاحب بنا۔ داؤد خاں کے ایک لڑکا اسکے بعد محمد خاں نامی پیدا ہوا۔ اور داؤد خاں کو ۱۲۳۹ء میں راجہ دیبی چند والی بدایوں نے دھوکے سے بری طرح قتل کراکر ساتول ندی کے کنارے دفن کر دیا۔

نواب سید علی محمد خاں بہادر

سید علی محمد خاں داؤد خاں کے جانشین قرار پائے۔ انہوں نے شہر آنولہ ضلع بریلی میں اپنا ادنیر کرایا وہاں رہے اور اپنی ریاست کو فتوحات سے بڑھاتے رہے انھوں نے الحمد (کان) اسلام کو نافذ کیا مساجد، مدارس اور خانقاہوں کی تعمیرات میں علماء وقت کی بہت قدر دانی کرتے تھے، شجاعت و سخاوت رعیت پروری وعدل گستری میں طاق تھے۔ نواب سید علی محمد خاں کے دور میں ان کا دارالحکومت

شہر آنولہ بڑا عظیم الشان شہر تھا یہاں سترہ سو مساجد تھیں شجاع الدولہ کی یورش کے وقت ۱۱۸۸ھ میں قلعہ، زریں گنبد، مذہب مسجد وغیرہ سب ویران و تباہ ہوگئیں۔ اب وہاں کی اکثر مساجد شکستہ یا ویران ہیں۔

نواب سید علی محمد خاں کا حوصلہ اتنا بلند تھا کہ وہ شاہ ہند محمد شاہ سے مقابلہ کرکے دہلی کے تخت و تاج کو حاصل کرنا چاہتے تھے مگر وہ علیل ہوکر انتہائی ضعیف و نحیف ہوگئے ادھر محمد شاہ کا اسوقت انتقال ہوگیا جبکہ نواب صاحب موصوف صاحب فراش تھے۔ نواب علی محمد بہت نیک، دل نواب تھے نواب نجیب الدولہ والی نجیب آباد (جو اپنے وقت کے اولیائے اکابر میں سے تھے بعض بزرگوں کے بقول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نواب نجیب الدولہ سے ملاقات کیلئے ان کے پاس تشریف لائے تھے) ان کے سمدھی تھے نواب علی محمد کی صاحبزادی بڑے نواب زادہ ضابطہ خاں سے منسوب تھیں۔ نواب سید علی محمد کی پیدائش ۱۱۱۸ھ م ۱۷۰۶ء میں اور وفات ۴ شوال ۱۱۶۲ھ م ۱۴ ستمبر ۱۷۴۹ء میں۔ آنولہ ضلع بریلی میں ہوئی وہیں مدفون ہوئے۔ کل عمر ۴۴ برس ہوئی اور ریاست تقریباً تیس سال کی۔ مادۂ تاریخ وفات (رہے ہے افغان) ہے۔

نواب سید سعد اللہ خاں بہادر

ان کے مسند نشیں تیسرے صاحبزادے نواب سید سعد اللہ خاں (متولد ۱۱۴۹ھ یا ۱۱۴۸ھ متوفی ۵ رشعبان ۱۱۷۵ھ بعمر ۲۷ سال) ہوئے اس وقت دونوں بڑے صاحبزادے (سید عبد اللہ خاں و سید فیض اللہ خاں) قندھار میں مقیم تھے واپسی پر بڑے صاحبزادے جانشیں شمار ہوئے۔ بھائیوں میں اختلاف ہوا اور دو بار ریاست کا بٹوارہ ہوا

نواب سید فیض اللہ خاں بہادر

آخر کار بعد از خرابی بسیار نواب سید فیض اللہ خاں والیِ ریاست ہوئے جو نہایت ذکی و ہوشیار منتظم المزاج سخی و صاحب حوصلہ؛ ولی صفت اور رعایا پرور و عدل گستر انسان تھے۔

یہی نواب سید فیض اللہ خاں بانیِ رام پور ہیں انہوں نے اس بستی کو آباد کرا کر

اس کا نام مصطفیٰ آباد رکھا فیض آباد اس لئے اس کا نام نہیں رکھا کہ فیض آباد ایک مشہور و قدیم شہر اجودھیا کے قریب پہلے سے موجود تھا۔ کہتے ہیں کہ نواب صاحب موصوف آنولہ کے بعد شاہ آباد میں رہتے تھے چونکہ اس کے تلے رام گنگا بہتی ہے اسلئے اندیشہ یہ تھا کہ مرہٹے (جن سے طویل جنگیں ہو چکی تھیں) ایسے موقع پر اچانک حملہ آور نہ ہو جائیں کہ رام گنگا چڑھی ہوئی ہو تو پہاڑ کیطرف چلنے میں دقت ہو گی۔ اسلئے ان کو اپنا دار الریاست ایسی جگہ پر منتقل کرنے کی ضرورت ہوئی کہ اسکے اور پہاڑ کے درمیان کوئی بڑا دریا حائل نہ ہو۔ اسلئے انھوں نے اپنے بھتیجے سید مصطفےٰ خاں بن سید آزاد بار خاں بن نواب سید علی محمد خاں کو ایسی جگہ تجویز کرنے کیلئے بھیجا اور ان کو یہ بھی ہدایت کر دی کہ وہ مقام شارع عام سے علیحدہ بھی ہو۔ نواب زادہ کو یہ سرزمین پسند آئی یہاں شاہ آباد کے متعلق ایک گاؤں رامپورہ نامی آباد تھا۔ نئی آبادی کے بعد اس شہر کا نام سید مصطفےٰ خاں کے نام کی رعایت سے مصطفےٰ آباد مقرر ہوا۔ مگر یہ نئی آبادی رام پور کے نام سے مشہور ہو گئی۔ نواب صاحب نے اس بستی کے گرداگرد نہایت گنجان اور چوڑا بانس کا حصار تیار کرایا تھا اس حصار کا دور تقریباً آٹھ دس میل تھا۔ آمد و رفت کیلئے دروازے بنائے گئے تھے۔ اس کچی شہر پناہ اور بانس کا اب کہیں نام و نشان نہیں۔ یہ شہر مراد آباد سے اٹھارہ میل مشرق کیطرف آباد ہے اس کا عرض البلد شمالی ۲۸ درجہ ۴۸ دقیقہ ۳۰ ثانیہ اور طول البلد ۷۹ درجہ ۵ دقیقہ ۳۰ ثانیہ ہے۔ اسوقت دو ہزار ایکڑ سے زائد اس کا رقبہ ہے۔

نواب سید فیض اللہ خاں میں وہ تمام صفات موجود تھیں، جو ایک فرماں روا و مرد با خدا میں ہونی چاہئیں۔ وہ اپنی ریاست سے پانچ سو علما و مدرسین کو وظیفہ دیتے تھے۔ علم و عمل سے رام پور جگمگ تھا اسوقت رام پور بخارائے ہندی کہلاتا تھا۔ نواب صاحب موصوف نے مساجد و مدارس کی بکثرت تعمیر کرائی۔ جامع مسجد قدیم ان ہی کی تعمیر کرائی ہوئی تھی جو نواب سید کلب علیخاں کی تعمیر کرائی ہوئی جامع مسجد کے پہلو میں آگئی تھی پھر نواب سید حامد علی خاں نے دونوں کو ملا کر ایک خوبصورت و عالیشان جامع مسجد بنوادی تھی جو ابتک اسی طرح موجود ہے

نواب سید فیض اللہ خاں ۱۱۴۶ھ میں پیدا ہوئے عہد نامہ لال ڈانگ کے بعد بیس برس ریاست کی عمر کا چونسٹھواں سال شروع ہوا تھا کہ بغل میں پھوڑا نکلا اور بڑھکر جگر تک پہنچ گیا اسی میں ۱۷ ریا ۱۸ ر ذوالحجہ ۱۲۰۸ھ م ۱۶ ر یا ۱۷ ر جولائی ۱۷۹۴ء چہار شنبہ یا پنجشنبہ کو تریسٹھ سال سات ماہ پانچ دن کی عمر پاکر انتقال کیا۔ اور شہر رام پور کی عیدگاہ کے دروازے کے قریب مقبرہ میں مدفون ہوئے

مہر:- ۲افوض امری الی اللہ عین ۷ فیض اللہ ،، تھی

ان کے دور میں بہت سے مشائخ واکابر رام پور میں جمع تھے شلاً شاہ جمال اللہ، شاہ عبداللہ بغدادی حسن شاہ، بحرالعلوم مولانا عبدالعلی بن ملا نظام الدین، مولانا رستم علی تحشی میر زاہد اور ملا حسن شارح سلم العلوم وغیرہ۔ نواب سید فیض اللہ خاں اہلِ سنت وجماعت ولی صفت آدمی تھے۔

نواب سید محمد علی خاں بہادر

ان کے جانشین ان کے بڑے صاحبزادے نواب سید محمد علی خاں ہوئے جو نواب آصف الدولہ لکھنؤ کے اثر سے متشیع ہو گئے تھے ان کی سخت گیری کے سبب درباریوں نے ان کو قتل کر دیا تھا انکی پیدائش ۱۱۶۶ھ میں اور مسند نشینی ۱۷ ر ذی الحجہ ۱۲۰۸ھ م ۱۶ ر جولائی ۱۷۹۴ء میں اور ۱۳ ر محرم ۱۲۰۹ھ کو مجروح ہو کر ریاست سے جدا ہوئے ۲۱ ر محرم ۱۲۰۹ھ شنبہ میں مقتول ہو کر وفات پائی سید محمد یار خاں ابن سید نواب سید علی محمد خاں کے مقبرہ میں (جو "پرانا مدرسہ،، کے نام سے مشہور ہے) مدفون ہوئے کل پچیس یوم ان کا زمانۂ ریاست رہا۔

نواب سید غلام محمد خاں بہادر

ان کے بعد سید غلام محمد خاں مسند نشیں ہوئے آصف الدولہ اور انگریزوں سے جنگیں کیں۔ شکست خوردہ ہوئے انگریزوں کی حراست میں رہے۔ انگریز سے اجازت لے کر حج کیا حج سے افغانستان واپس ہوئے پھر کشمیر نادون میں قیام کیا جہاں سنسار چند حاکم تھا۔ وہیں انتقال ہوا وہیں مزار ہے۔ یہ نواب صاحب سنی العقیدہ تھے۔ پیدائش ۱۱۸۷ھ مسند نشینی ۱۳ ر محرم ۱۲۰۹ھ وفات ۲ ج ۲ ۱۲۲۸ھ میں ہوئی۔

نواب سید احمد علی خاں بہادر

نواب سید غلام محمد خاں کے ترک وطن کر دینے کے بعد کچھ شرائط کے ساتھ افسروں سے صلح ہو گئی اور نواب سید احمد علی خاں خلف نواب سید محمد علی خاں کو مسند نشیں کیا گیا۔ لیکن یہ نواب بہت عیاش طبع، بے رحم اور جابر تھا۔ پیدائش سنہ ۱۲۰۰ھ م سنہ ۱۷۸۵ء میں ہوئی وفات ۵ ذی الحجہ سنہ ۱۲۵۶ھ م ۲۶ جولائی سنہ ۱۸۴۰ء میں ہوئی تقریباً پچپن ۵۵ سال کی عمر ہوئی اور سینتالیس ۴۷ سال ریاست کی۔

نواب سید محمد سعید خاں بہادر

اسکے بعد نواب سید محمد سعید خاں ابن نواب سید غلام محمد خاں کو کمشنر صاحب نے ۱۱ ذی الحجہ سنہ ۱۲۵۶ھ م ۲۰ اگست سنہ ۱۸۴۰ء میں مسند نشیں کیا۔ نواب صاحب مذہب امامیہ رکھتے تھے مگر سید احمد علی خاں مذکور کیطرح سنیوں سے بیر نہیں رکھتے تھے طبیعت میں رعایت تھی۔ انہوں نے شہر کی خستہ حالی کو دور کیا کچھ تعمیرات بھی کرائیں۔ نواب صاحب طبیب بھی تھے حکیم مرزا علی لکھنوی سے تلمذ تھا شعر عاری خوب لکھتے تھے مرزا قتیل سے مشورہ تھا میر قطبی تک کتب پڑھیں مولانا فضل حق صاحب ابن مولانا فضل امام خیر آبادی کو بلا کر محکمۂ نظامت و مرافعہ عدالتین پر مامور کیا۔ موصوف نے "ہدیہ سعیدیہ فی حکمۃ الطبیعیہ" فلسفہ میں لکھ کر اسکو نواب صاحب موصوف کے نام سے معنون کیا۔ پیدائش ۲ رجب سنہ ۱۲۰۱ھ م ۱۹ مئی سنہ ۱۷۸۶ء روز جمعہ میں اور وفات ۱۳ رجب سنہ ۱۲۷۱ھ م یکم اپریل سنہ ۱۸۵۵ء دوشنبہ میں ہوئی۔ امام باڑہ میں غسل دیا گیا پہلے سنیوں نے پھر شیعوں نے نماز جنازہ پڑھی اور حسب وصیت وہیں مدفون ہوئے بعد وفات لقب "جنت آرام گاہ" ہوا "غروب کوکب" تاریخ وفات ہے ۔ ۷۰ سال عمر پائی ۱۵ سال ۱۲ روز ریاست کی۔

نواب سید یوسف علی خاں بہادر

نواب صاحب مذکور کے بعد ان کے خلف سید یوسف علی خاں بہادر مسند نشیں ہوئے۔ مفسدوں کی سرکوبی کی اور مختلف جنگوں میں بہادری کے جوہر دکھلائے انکو ملکہ وکٹوریہ نے "ستارۂ ہند" لقب سے نوازا۔ یہ نواب صاحب علم دوست علماء نواز، شاعر اور اہل کمال کے قدر داں تھے انہوں نے اپنے استاذ حضرت علامہ

مولانا مفتی محمد سعد اللہ صاحب (حضرت ناظم صاحبؒ کے جد امجد) کو لکھنؤ سے رامپور بلوایا اور حاکم مرافعہ وغیرہ کے بلند عہدوں سے نوازا تھا۔

نواب سید یوسف علی خاں کی ولادت ۵ ربیع ۲ ۱۲۳۱ھ م ۵ مارچ ۱۸۱۶ء دوشنبہ میں اور وفات ۲۲ ذوقعدہ ۱۲۸۱ھ م ۲۱ اپریل ۱۸۶۵ء جمعہ میں ہوئی۔ دس برس چار ماہ گیارہ دن ریاست کی۔ اور پچاس برس آٹھ ماہ پچیس دن کی عمر پائی۔ یہ بھی شیعہ تھے اسلئے حسب وصیت ان کے مذہب کے موافق تجہیز وتکفین کی گئی اور امام باڑہ کے بیرونی دالان میں اپنے والد کے پاس دفن ہوئے بعد وفات لقب "فردوس مکاں" تجویز ہوا۔ شعر میں تخلص ناظم تھا۔

نواب سید کلب علی خاں بہادر

بعد ازاں نواب سید کلب علی خاں بہادر خلف اکبر نواب سید یوسف علی خاں بہادر بعمر ۳۰ سال مسند نشین ہوئے ۱۵ محرم ۱۲۸۲ھ م ۱۰ جون ۱۸۶۵ء مسٹر جان انگلش ایجنٹ ریاست و کمشنر روہیلکھنڈ رامپور آئے اور اسی دن انکو باضابطہ طور پر مسند نشین کیا گیا انکی پیدائش ۲۰ ذوالحجہ ۱۲۵۰ھ م ۱۹ اپریل ۱۸۳۵ء یکشنبہ کو اور وفات ۲۷ رجب ۱۳۰۴ھ م ۲۳ مارچ ۱۸۸۷ء چہارشنبہ ۳ بجے دن کو ہوئی ۲۲ برس سات ماہ حکومت کرکے بعمر ۵۳ سال وفات پائی بعد وفات لقب "خلد آشیاں" تجویز ہوا۔ اور حافظ جمال اللہ صاحب کے مزار کے قریب مغربی جانب مدفون ہوئے۔ انہوں نے اپنی حیات ہی میں اپنی قبر تیار کراکر سو حفاظ کو وہاں ختم قرآن و ایصال ثواب کیلئے مقرر کردیا تھا دفن کے بعد بھی وہی حفاظ قبر پر قرآن خوانی کیلئے عرصہ تک مامور رہے۔ نواب صاحب نے اپنے غسل کیلئے آب زمزم کا نظم کیا تھا چنانچہ غسل کے بعد آب زمزم چھڑکا گیا کہتے ہیں کہ دم واپسیں اسم ذات جاری تھا انکی ریاست کے دور میں رام پور بہت معمور اور جگمگ رہا۔ نواب صاحب نے عمدہ تعمیرات بڑے بڑے دروازے اور سڑکیں بنوائیں۔ صفائی کا معقول نظم کیا اور جامع مسجد کی تعمیر کی بہت سی مسجدیں اور مدرسے تعمیر کیئے طلبہ وطالبات کے وظائف جاری کیئے ۷ مدرسے شہر رام پور میں تھے جن میں سے ایک مدرسہ عالیہ جو نواب فیض اللہ خان بہادر

کے دور سے قائم ہے مگر اس کا باقاعدہ اجراء نواب سید محمد سعید خاں کے دور سے ہوا نواب سید کلب علی خاں بہادر کے دور میں یہ ترقی کے بام عروج پر پہنچا ایک فارسی کا مدرسہ تھا ایک حفظ قرآن پاک کا چوتھا ناگری کا پانچواں انگریزی کا چھٹا لڑکیوں کا اور چار مدرسے عربی فارسی کے شاہ آباد، بلاسپور ٹانڈہ اور ملک میں قائم کئے تھے ۔ نواب سید فیض اللہ خاں نے جس کتب خانہ کی بنیاد رکھی تھی نواب صاحب موصوف نے اسکو بہت ترقی دی نایاب کتب تلاش کر کر کے اسمیں داخل کیں منتخب خوشنویس رکھکر کتابیں لکھوائیں ۔
خود خریدتے اور ہدایا میں بھی کتابیں پسند کرتے تھے ۔ اس کی اتنی حرص تھی کہ وہ اس سلسلہ میں حد جواز کو بھی نظر انداز کر دیتے تھے چنانچہ حضرت مولانا مفتی لطف اللہ بن حضرت مولانا مفتی سعد اللہ صاحب کے ان کے کتب خانہ کی خاص خاص کتابیں منگا کر اپنے کتب خانہ میں داخل کرلیں نواب صاحب کے دور میں مختلف علوم وفنون کی کتابوں کی تعداد ۱۳۹۷۸ ہو گئی تھی ۔ تمام حکموں کو، مفتیوں کی نگرانی میں دے کر حکم کر دیا تھا کہ تمام فیصلے شریعت کے مطابق ہوں ۔ فوجی نظام میں باقاعدگی پیدا کی تو بخانہ بنایا اسپ تین سو کا رسالہ رکھے ۔ زندہ دل مہاجین اور علوم وفنون کے ماہرین ۔ علمائے کاملین، شعرائے اردو ہندی، تاریخ گو، کاملین زبان فارسی، حفاظ وقراء، سوز خوان و روضہ خوان اور داستان گو وغیرہ بہت سے جمع کرلئے تھے ۔ اخبار الصناد ید جلد ۲ صفحہ ۲۰۱ میں ہے کہ "نواب صاحب خوش اقبالی میں اپنے آباء و اجداد سے بڑھے ہوئے تھے علماء، فقراء، اطباء و شعراء وغیرہ تمام اہل ہنر کے بڑے قدر داں اور جوہر شناس کمال تھے نیز کتابوں کے مول خریدتے تھے (کچھ آگے لکھتے ہیں کہ) اگرچہ ان کا دربار اکبری یا شاہجہانی دربار نہ تھا مگر اہل فضل و کمال رشان ریاست سے بدرجہا زیادہ تھے چونکہ نواب صاحب خود محقق و ماہر فن تھے اور ان کے دربار میں فروغ پانا کچھ آسان بات نہ تھی شہر میں کمال کا عام رواج ہو گیا تھا اور اسکے ساتھ نواب سید کلب علیخاں کی پایہ شناسی اور فیاضیوں نے اور بھی حوصلے بڑھا دیئے تھے"، ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "اس ریاست کو آج سو برس سے زیادہ ہوتے اس مدت میں ایک رئیس بھی

ایسا نہیں گزرا جو فضل و کمال کے ذوق میں نواب سید کلب علی خاں کی شان یکتائی کا حریف ہو سکتا۔ افسوس یہ ہے کہ ریاست کے انتسابیے ان کو نوابوں کے پہلو میں جگہ دی ورنہ شاعری، تاریخ، ادب، موسیقی، فقہ کون سی بزم ایسی ہے جہاں فخر و شرف کے ساتھ انکو جگہ نہیں دی جاتی تحقیق مسائل کیطرف ہمیشہ توجہ رہتی تھی مشکل اور دشوار مسئلے ہر فن کے کامل سے حل کرتے تھے۔
مباحثے سے زیادہ ذوق تھا یہی وجہ ہے کہ بہت سی تحقیقات علمیہ کا ذخیرہ ان کے ذہن میں جمع ہو گیا تھا مشہور فارسی کے دیوانوں اور نثروں میں شاید ہی کوئی کتاب ہوگی جو انکی نظر سے نہ گزری ہو الخ" (اخبار الصنادید جز ۲ ص۱۸۵)
نواب صاحب موصوف نے کتب فارسی خلیفہ غیاث الدین عزت صاحب غیاث اللغات سے پڑھی تھیں۔ مولوی فضل حق صاحب خیر آبادی سے بھی کچھ علوم عقلیہ حاصل کئے شمس العلماء مولوی عبدالحق صاحب خیر آبادی سے بھی علوم عقلیہ کی بہت سی کتابیں پڑھیں اور میر عوض علی خوشنویس سے اصلاح خط لی تھی۔ نواب صاحب نے سنہ ۱۲۸۹ھ میں چار سو افراد کے ساتھ حج کیا علاوہ ازیں بمبئی سے اپنے مصارف سے دو سو ۲۰۰ غریبوں کو حج کرایا۔ اس سفر حج میں نواب صاحب کے چھ لاکھ انتیس ہزار چھ سو ساٹھ روپے آٹھ آنے اور تیس ہزار بہتر اشرفیاں اور دو ہزار ریال خرچ ہوئے جن میں سے انتیس ہزار اڑتیس اشرفیاں ہشت ماشی اور ایک ہزار چونتیس پوری تھیں۔ فیاضی کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے ۲ مئی سنہ ۱۸۶۵ء سے مارچ سنہ ۱۸۸۶ء تک زکوۃ و خیرات و ہدایا کے علاوہ صرف انعامات و عنایات میں دس لاکھ اٹھتر ہزار دو سو چون روپے ایک آنہ اور چار ہزار نو سو چھپن عدد اشرفیاں صرف کر دیں۔
نواب صاحب اعلیٰ درجہ کی عیش و عشرت کے باوجود مذہبی معاملات میں نہایت راسخ تھے ذاتی اعمال کے سنت پابند تھے سچے پکے سنی حنفی مسلمان تھے بدعات کیطرف قدرے میلان تھا اور اخیر عمر میں نغمہ و سرود کا غلبہ ہو گیا تھا اور آگے نواب زادہ ولایت مزید خطرات متوقع تھے جو واقع ہو کر رہے اسی وجہ سے نواب صاحب کے دور حیات میں صاحب سوانح حجۃ الاسلام حضرت اقدس ناظم صاحب نے گئے جبکہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد سعد اللہ صاحب یہاں سے دل برداشتہ ہو گئے تھے

اور بھوپال منتقل ہوجانے کی تیاری کر رہے تھے کہ اچانک ۴ رمضان ۱۲۹۲ھ میں وفات ہوگئی اور بجائے بھوپال کے جناب رب متعال کیطرف منتقل ہوگئے۔

نواب سید مشتاق علی خاں بہادر

نواب سید کلب علی خاں بہادر کے بعد ان کے خلف نواب سید مشتاق علی خاں بہادر والیِ ریاست تسلیم کئے گئے اور ۲۹ رجب ۱۳۰۴ھ م ۲۵ مارچ ۱۸۸۷ء کو لنگ صاحب کمشنر نے رامپور آکر انکو مسند نشین کیا مگر یہ شیعہ تھے محکموں سے مفتیوں کی نگرانی ہٹادی، اسلامی تاریخ کو لکھوانا ملتوی کرادیا۔ مدارس دینیہ کو بہت تنزل ہوا ان کے بجائے اسکول اور کالج جا بجا کھولے گئے۔
حاصل یہ ہے کہ نواب سید کلب علی خاں بہادر کے دور میں جو ایک عمدہ فضا قائم تھی ارباب کمال کی جمعیت تھی وہ سب ختم ہوگئی۔
نواب سید مشتاق علی خاں کی پیدائش ۷ رمضان ۱۲۷۳ھ م ۲۲ اپریل ۱۸۵۷ء کو اور وفات ۲ رجب ۱۳۰۶ھ م ۲۵ فروری ۱۸۸۹ء دوشنبہ کو ہوئی۔
"عرش آشیاں" کے لقب سے ملقب ہوئے۔ صحن دیوان خانہ میں غسل دیا گیا اور حافظ جمال اللہ صاحب کے مقبرہ کے احاطہ میں صحن چبوترہ سے متصل مدفون ہوئے اس مقام کو نواب صاحب نے اپنی حیات ہی میں تجویز کیا تھا۔

نواب سید حامد علی خاں بہادر

ان کے بعد ان کے خلف اکبر نواب سید حامد علی خاں بہادر والی ریاست قرار پائے۔ تاریخ پیدائش ۹ رجب ۱۲۹۲ھ م ۳۱ اگست ۱۸۷۵ء سہ شنبہ ۱۱ بجے دن ہے اور تاریخ جلوس ۲۶ رجب ۱۳۰۶ھ م ۲۷ فروری ۱۸۸۹ء چہارشنبہ مسند نشینی کے وقت نواب صاحب کی عمر چودہ سال دس ماہ ستائیس دن تھی اسلئے مجلس انتظامیہ بنام "کونسل آف ریجنسی" قائم کرکے ریاست کا انتظام کیا گیا یکم جون ۱۸۹۶ء کو میکڈانل صاحب بہادر لفٹنٹ گورنر ممالک متحدہ نے گورنمنٹ کی جانب سے اختیارات کامل نواب صاحب موصوف کو عطا کیے۔ نواب صاحب رحم دل تھے رعایا کی پرورش کرتے تھے تعمیرات کا بہت شوق تھا تعمیرات خوب کرائیں نواب صاحب نے منور محل میں آغوش تشیع میں پرورش پائی چنانچہ شیعی المذہب ہوئے

سنہ ۱۹۳۰ء میں وفات پائی

نواب سید رضا علی خاں ان کے بعد والی ریاست نواب سید رضا علی خاں ہوئے ان کے دور ریاست میں یکم جولائی سنہ ۱۹۴۹ء کو ریاست رام پور کا انضمام متحدہ آزاد ہندوستان سے ہوکر ریاست کا خاتمہ ہوگیا آخری والی ریاست موصوف کی وفات سنہ ۱۹۶۶ء میں ہوئی۔ ان حضرات نے وہ سب کچھ کیا جو کوئی دولت مند صاحب اقتدار و اختیار کر سکتا ہے۔

ان دونوں والیانِ ریاست نے اس کام کو جو نواب سید مشتاق علی خاں بہادر نے شروع کیا تھا انتہا تک پہنچا دیا۔

یہ ہے بہت مختصر خلاصہ تاریخ رامپور کا جس سے دلچسپ معلومات، لذت اہل ذوق و ضیافت اہل طلب و شوق کے علاوہ رام پور کے دینی و دنیوی نشیب و فراز، باشندگانِ رام پور کے مزاج اور الناس علی دین ملوکہم کے اصول سے ان کے اطوار عادات وغیرہ کا اندازہ لگانا بہت آسان ہے۔ خصوصاً سنہ ۱۳۰۴ھ م سنہ ۱۸۸۷ء سے خاتمہ ریاست سنہ ۱۳۶۹ھ م سنہ ۱۹۴۹ء تک کا دور دینی علوم و اعمال کے تنزل و انحطاط کا دور اور خاص طور پر سنیت و حنفیت کیلئے انتہائی صبر آزما وقت رہا ہے۔ اس خطرناک ماحول اور صبر آزما دور میں ریاست رام پور بدعت و نفسانیت زدہ دینی و شیعیت کے طوفان میں گھری ہوئی تھی

انگریزوں کے منشا پر ریاست کے جملہ امور بروئے کار آرہے تھے۔ ان کی منشا کی خلاف ورزی کرنے کی کسی کو جرأت نہیں ہوسکتی تھی۔ انگریزی تعلیم سرمایہ فخر تھا انھیں نافرمانیوں اور غفلتوں نے ریاست کو فنا کے گھاٹ اتار دیا جیسا کہ ہندوستان کی تمام ریاستیں مظالم و معاصی کی نذر اور رنگ رلیوں کا شکار ہوگئیں بلکہ مسلمانوں کی حکومتوں کا خاتمہ اسی شیوۂ تغافل و بے راہ روی سے ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ریاست میں جو خال خال گھرانے اپنی پرانی وضع، پرانے طرز اور دین برحق پر خاموشی سے قائم تھے ان ہی میں سے حضرت علامہ مفتی محمد سعد اللہ صاحب کا گھرانہ تھا جسمیں صاحب تذکرہ، حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا شاہ محمد سعد اللہ صاحب

کی ولادت باسعادت اور تربیتِ بابرکت ہوئی اس خانوادہ میں علمی آثار، زہد و
اتقاء کے نشانات گو باقی تھے اور اس گھر کے مرد اور عورتیں اپنی پرانی دینی وضع
اور تقویٰ و دینداری پر قائم تھے تاہم ماحول کے اثرات اس دینی ماحول کی جڑ وا
تک پہنچ چکے تھے دینی تعلیم و تربیت دشوار ہو چکی تھی۔ اندرون و بیرون کا
ماحول متضاد و متصادم تھا۔ اور رشدہ شدہ اس گھرانے کے اندرونی پاکیزہ
ماحول میں باہر کی بددینی کے جراثیم اثر انداز ہو رہے تھے

حضرت والا کا خاندان ذیشان

مشہور یہ ہے کہ آپ شیخ صدیقی النسب تھے جیسا کہ آپ کے خاندان ذیشان کے ایک
شخص (جناب حافظ احمد علی صاحب شوق رام پوری) نے اپنی کتاب "تذکرہ کاملان را
میں حضرت والاؒ کے جد اکبر حضرت علامہ مولانا مفتی محمد سعد اللہ صاحبؒ اور ان کے صا
حضرت مولانا مفتی لطف اللہ صاحبؒ کے تذکروں میں اس بات کی تصریح کی ہے
یہ حضرات "شیخ" تھے آپ کے اعزہ میں بھی یہی مشہور ہے چنانچہ آپ کے خاندان
اکثر افراد اپنے آپ کو صدیقی کہتے اور لکھتے ہیں اور اپنے نسب کی نسبت حضرت
ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسلک کرتے ہیں۔ اور بعض حضرات اپنے
کو "سید" بھی کہتے ہیں۔

جناب فریدی صاحب وغیرہ بعض بزرگوں کا کہنا ہے کہ آپ دراصل خاندان سا
کے چشم و چراغ تھے اور شیخ مشہور ہو گئے ہوئے۔ اور واقعہ اس طرح ہوا کہ ہندوستا
میں ممالک عربیہ و عجم سے دو قسم کے لوگ آئے ہیں (۱) تاجران و سلاط
(۲) مصلحین و داعین۔ یہ دوسری قسم کے حضرات ہندوستان کے مختلف
گوشوں میں قیام پذیر ہوئے اور اسلام کی دعوت و اشاعت کا کام انجام دیا۔

ت یوپی میں وارد ہوئے وہ بھی یہاں مختلف مقامات پر ٹھہرے۔ بہار کے اطراف
ان کا قیام بدایوں۔ گجرولہ۔ اغوان پور رجب پور وغیرہ رہا اور اپنی اپنی قیام گاہوں
کے قرب و جوار کے علاقوں کو انہوں نے محنتِ دعوت و تبلیغ کا میدان بنایا۔ حضرت
لاؒ کے اجداد بھی اسی لائن (دعوت و تبلیغ) سے حجاز سے ایران و افغانستان
ہوتے ہوئے ہندوستان آئے اور یہاں مراد آباد سے چند میل کے فاصلہ پر
نب مغرب فروکش ہوئے۔ یہیں پیر بہرام بھی رہے جو غالباً آپ کے اجداد میں
ے ہیں۔ چونکہ یہ تبلیغی قافلہ افغانستان سے چل کر ہندوستان آیا اور ...
ں مقامِ مذکور پر پڑاؤ کیا تھا۔ اسی لئے اس مقام کا نام "افغان پور" ہوا پھر عوام
کو "اغوان پور" کہنے لگے اور اب یہ بستی "اغوان پور" کے نام سے موسوم و مشہور ہے
نہیں مبلغین حضرات میں سے کسی بزرگ نے دیوان خانہ محلہ کسرول مراد آباد
یں اپنی خانقاہ بنائی اور اس خانقاہ کو انہوں نے تبلیغ و اشاعت اسلام اور اصلاح
تربیت خلق کا مرکز قرار دے کر تبلیغ اور تعلیم و تربیت کا کام انجام دیا۔ یہاں انہوں نے
ر مسلموں میں اور خاص طور پر ہندوؤں کی مشہور قوم کلار (شراب فروش) میں جو
س مقام پر آباد تھی تبلیغی جد و جہد کی اور وہ لوگ بفضلہ تعالیٰ مشرف باسلام ہوگئے
حضرات نے انکی تعلیم و تربیت فرمائی۔ یہی نو مسلم (کلار) کلال کہلائے اور بعد
ں خود وہ لوگ بھی صدیقی کہنے لگے۔ حضرتؒ کے اجداد نے اسلام کی خاطر جہاں اپنے
ے وطن، راحت و آرام اور اعزہ و احباب وغیرہ کو قربان کیا وہیں انہوں نے اپنے
ں امتیاز کو بھی اسلام پر اسطرح نثار کر دیا کہ وہ ان نومسلموں میں شیر و شکر کیطرح
گئے۔ ان کے ساتھ رشتوں، ناطوں اور بیاہ شادیوں سے بھی دریغ نہیں کیا
قعہ اگر ایسا ہی ہے تو یہ ایک عظیم قربانی اور بے مثال ایثار ہے کہ انہوں نے ان غریب
سلموں کی رشتہ داریاں قائم کریں بلکہ انھیں لوگوں میں ضم ہو گئے۔ یہ سب کچھ انہوں نے
سلام کی محبت، انسانی ہمدردی و مروت اور اپنے بھولے بھٹکے بھائیوں کی خیر خواہی
ذبہ میں کیا۔ اسی لئے یہ حضرات سادات بھی قوم کلار کے ساتھ ساتھ شیخ صدیقی
شہور ہو گئے۔ واللہ اعلم
دوسری وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ مولانا محمد علی جو سرنام پوری کا خاندان صدیقی النسب

شیوخ کا خاندان ہے ۔ اور شیوخ وسادات کے دونوں خاندانوں میں ایک دوسرے
کے ساتھ زمانہ قدیم ہی سے رشتے ناطے اور شادی بیاہ ہوتے چلے آتے ہیں۔
تولد و تسلسل کے تحت حضرت والاؒ کے خاندان (سادات) اور مولانا محمد علی جوہر
کے خاندان (شیوخ) میں آپس میں بیاہ شادیاں ہوتی رہی ہیں اور اب بھی ہوتی
اور اس کثرت سے ہوتی ہیں کہ دونوں خاندان ایک دوسرے سے بالکل ضم ہو گئے ہیں
شاید اسی وجہ سے تذکرہ نگاروں نے حضرت علامہ مولانا مفتی محمد سعد اللہ صاحبؒ اور
ان کی اولاد کو شیوخ میں شمار کیا ہو اور خاندان کے بیشتر افراد بھی خود کو شیخ
صدیقی النسب کہتے اور لکھتے ہیں یہ دوسری وجہ قرین قیاس اور ذہن سے قریب تر
ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

شاہزادۂ محترم حضرت مولانا محمد اللہ صاحب مدظلہٗ نے فرمایا کہ ایک دن
میں نے حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت ہم تو حضرت علی مرتضیٰ
رضی اللہ عنہٗ کی اولاد اور خاندان سادات میں سے ہیں؟ یہ سنکر حضرتؒ نے ناخوشی
وناگواری سے فرمایا۔ میاں ان باتوں سے کیا ہوتا ہے حق تعالیٰ کے یہاں حسب نسب
کچھ نہیں چلتا وہاں تقویٰ کام آئے گا اللہ اللہ کرو، تقویٰ اختیار کرو۔ اللہ کے حضور
میں فلاں ابن فلاں کی کوئی حیثیت نہیں ان کے یہاں تو تقویٰ کی قدر و عظمت ہے۔
اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ایک دن ارشاد فرمایا کہ ہمارے خاندان کے
کچھ لوگ اپنے آپ کو "سید" کہتے ہیں ممکن ہے کہ اسکی وجہ یہ ہو کہ شیوخ وسادات
کی رشتہ داریاں باہم ہمیشہ ہوتی رہی ہیں اسوجہ سے کچھ افراد اپنے کو "صدیقی" اور
کچھ افراد اپنے آپ کو "سید" کہنے لگے ہوں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج میں احترام شریعت اور احتیاط کا پہلو بہت
غالب تھا اس بنا پر انہوں نے کبھی اپنی نسبت کو نہ لکھا نہ اسکا اظہار پسند فرمایا
کیونکہ انکے فرمانے کے مطابق نسبت کا مکمل ثبوت اور اسکی پوری تحقیق نہیں ہے۔
حضرت والا یہ بھی فرماتے تھے کہ جو شخص "صدیقی" اور "سید" ہے وہ تو بہرحال
ہے ہی کہنے اور لکھنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ۔ نیز ارشاد فرمایا کہ نسبی شرف
کے اظہار میں تفاخر و تعلی پائی جاتی ہے جو شرعاً حرام ہے اسلئے بھی اس طرح

زائد توجہ نہ کرنی چاہیئے جو چیز توجہ کی مستحق ہے وہ تقویٰ ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ، ایک بار فرمایا کہ "موجودہ دور میں بہت سے "غیر صدیقی" اور "غیر سید" بھی اپنے آپ کو "صدیقی" اور "سید" کہنے لگے ہیں اسلئے اپنے آپ کو "صدیقی" و "سید" کہنا اور لکھنا اپنے نسب کو مشتبہ کرنا ہے۔

اور واقعہ بھی ہے کہ اہل اللہ اپنے نسب اور خاندانی شرافت کیطرف التفات نہیں فرماتے خصوصًا جب کہ اس کا کوئی یقینی ثبوت بھی نہ ہو۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم جامعہ مظاہر علوم پہنچے دارالطلبہ قدیم کی مسجد کلثومیہ میں نماز ادا فرمائی۔ حضرت کی اجازت سے نماز کے بعد کسی صاحب نے حضرت کے بیان کا اعلان ان الفاظ میں کیا کہ "حضرت مولانا سید ابرارالحق صاحب تشریف فرما ہیں بیان فرمائیں گے" حضرت موصوف بیان کیلئے کھڑے ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ جن صاحب نے بیان کا اعلان فرمایا انہوں نے میرے نام کیساتھ لفظ "سید" لگایا ہے اور مشہور بھی یہی ہے لیکن کیونکہ میرے پاس اس کا کوئی ثبوت یا نسب نامہ نہیں اسلئے میرے نام کے ساتھ "سید" لگانا مناسب نہیں بلکہ خلافِ احتیاط ہے" معلوم ہوا کہ یہ حضرات ان چیزوں کو زائد و نعمت و اہمیت نہیں دیتے ع

کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست۔

پھر بے ثبوت و بے سند ہونے کی وجہ سے اسکو خلافِ احتیاط و خلافِ تقویٰ بھی سمجھتے ہیں اور حجۃ الاسلام حضرت اقدس ناظم صاحبؒ میں تو احتیاط و اخفاء اور فنائیت کا کمال تھا۔ وہاں تو کسی ایسی چیز کا اظہار بھی انتہائی ناپسندیدگی و ناگواری کا سبب تھا جس میں فخر کی بو بھی آتی ہو یا بڑائی کا اندیشہ و شائبہ بھی ہوسکتا ہو۔ حضرت والا فرماتے ہیں ؎

خاکساری ہمارا شیوہ ہے　　سب سے ملتے ہیں مہر و الفت سے
ہم کو نفرت ہے بغض و نفرت سے　　ہم کو وحشت ہے کبر و نخوت سے
ہم کو چڑھ ہے بفضلہٖ اسعدؔ
طعن و تشنیع و لعن و غیبت سے

یہی عادت آپ کے جدِ اکبر حضرت علامہ مولانا مفتی محمد سعد اللہ صاحب رحمہ اللہ کی تھی

کہ کثیر التصانیف و صاحب قلم ہونے کے باوجود انہوں نے اپنے خاندان، آباء و اجداد اور نسب و نسبت کا کہیں ذکر ہی نہیں فرمایا۔ اسلئے آپکا پورا سلسلۂ نسب بھی نہیں بیان کیا جا سکتا۔ ہمیں اتنا ہی معلوم ہے کہ آپکے مورثِ اعلیٰ حضرت مولانا نظام الدین صاحبؒ مراد آبادی ہیں۔ جو محلہ کسرول بوسری والی مسجد کے عقب میں رہتے تھے آپکا وہ مکان اب بھی موجود اور حضرت مفتی سعد اللہ کے نام سے مشہور ہے۔ اب انہی کے خاندان کے افراد مولانا حفظ الرشید صاحب (جنکی عمر سو سال سے متجاوز ہے) اور انکی اولاد اس مکان میں مقیم ہیں۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ مکان ان حضرات کے پاس کسطرح پہنچا۔ میراث کے ذریعہ یا خرید کر واللہ اعلم بعض لوگوں نے حضرتِ والاؒ کو پٹھان کہا ہے لیکن یہ بالکل غیر واقعی بات ہے اس غلط فہمی کی بنیاد دو باتیں ہو سکتی ہیں ۱ آپکا وطن رام پور ہے اور وہاں پر اصلی اور نقلی پٹھانوں کی اکثریت ہے ۲ ریاست کی جانب سے اس خاندان کی عظمت کے لئے خاں صاحب کا خطاب ہوگا چنانچہ اب تک رام پور میں سادات کے نام کے شروع میں سید اور آخر میں خان بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ رام پور میں لفظ خان عظمت کیلئے مخصوص ہے۔ (ف) نوابان رام پور کے ناموں کے شروع میں سید اسلئے بولا اور لکھا جاتا تھا کہ ان کے جد امجد نواب اول سید احمد علی عرف سید محمد علی خاندان سادات کے چشم و چراغ تھے اور آخر میں لفظ خان اسلئے ہوتا تھا کہ نواب صاحب موصوف داؤد خاں کے متبنیٰ اور جانشین تھے۔ جیسا کہ تاریخ رام پور کے خلاصہ میں آچکا ہے۔ اسلئے راقم الحروف کا خیال یہ ہے کہ رامپوری حضرات لفظ سید اور خان دونوں کو تعظیمی الفاظ سمجھکر ناموں کے اول و آخر استعمال کرنے لگے ہوں گے۔ اسی عادت کے ماتحت حضرت والاؒ کے خاندان والوں کے بعض ناموں کے ساتھ بھی لوگ لفظ خان لکھ دیتے ہوں گے۔ بہرحال آپ کو پٹھان کہنا یا لکھنا خلاف واقعہ اور غلط ہے۔ اس خاندان کی شہرت جس ذات گرامی کے ذریعہ زیادہ ہوئی ہے۔ وہ ہیں حضرت علامہ مولانا مفتی محمد سعد اللہ صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ۔ اور حضرت اقدس بھی صاحبؒ

لہ ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ م ۱۲ مارچ ۱۹۶۶ء شنبہ کو مولانا کا انتقال ہو گیا قبرستان بدھا شاہ جھجو کا نالہ مراد آباد میں مدفون ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۱۲ نسیم احمد غازی مظاہری

کے آبا و اجداد کے حالات معلوم نہیں ہیں اسلئے ہم پہلے بقدر معلومات مختصر حضرت اقدس مفتی صاحبؒ اور ان کی اولاد و احفاد کے حالات بیان کرتے ہیں۔

حضرت والا کے جدِّ اکبر

جامع فضائل و کمالات، حاوی معقولات و منقولات، حافظ الاحادیث والآیات، ماہر الاصول والفروع، امام الفقہاء، مقدام الادباء، صدر علماء الاسلام، بدر العرفاء الکاملین فخر الکملاء العارفین نقیۃ ابناء البیضاء والدین حضرت مولانا مفتی محمد سعد اللہ بن مولانا نظام الدین مراد آبادی رحمہم اللہ الہادی۔ ——— ولادت ۱۰ رجب ۱۲۱۹ھ وفات ۱۴ رمضان ۱۲۹۴ھ۔

آپ کے جد اکبر مفتی اعظم حضرت الامام مفتی محمد سعد اللہ صاحبؒ خلف الصدق حضرت مولانا الشیخ محمد نظام الدین صاحبؒ مراد آبادی کی ولادتِ باسعادت ۱۰ رجب المرجب ۱۲۱۹ھ کو اپنے آبائی مکان واقع محلہ کسرول عقب مسجدِ مولسری مراد آباد میں ہوئی۔ آپکے تاریخی نام ظہورِ حق۔ اور بیدار بخت تھے اور مشہور (مفتی) محمد سعد اللہ سے ہوئے۔ آپ فارسی کی نظم میں اپنا تخلص آشفتہ کرتے تھے۔

بچپن اور دورِ طالب علم

حضرت مفتی صاحبؒ ابھی صغیر السن رہے تھے کہ شفقتِ پدری کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور آپ یتیم ہو گئے تھے۔ اسلئے اس دُرِّ یتیم کی پرورش و تربیت آپ کے بڑے بھائی کرنے لگے۔ آپ کی تعلیم کا آغاز مراد آباد میں ہوا۔ آپنے یہیں کتب فارسی اور ابتدائی کتب عربی بھی پڑھیں اتفاق سے بھاوج کی کسی معمولی شکایت پر بڑے بھائی نے کچھ زائد سختی کا برتاؤ کیا اسلئے اکتا کر آپ گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور مفقود الخبر ہو گئے۔ پھر تو شہر در شہر پھر کر مسجدوں میں قیام کرکے علم حاصل کرتے رہے جہاں کسی فن کے ماہر و مشہور استاذ کا پتہ پایا وہیں پہنچ گئے۔ اس ماہر استاذِ فن کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور کسی مسجد میں امامت یا مؤذنی کی صورت میں اپنے قیام و طعام کا

انتظام خود کر لیا۔ یہاں تک کہ آپ جامع فضل وکمال، علوم وفنون میں یکتائے آفاق اور معقول ومنقول میں مشہور آفاق ہو گئے۔ آپ کو بچپن ہی سے علم کی زبردست پیاس، تحصیل علوم کی شدید حرص اور اس راہ میں اپنے تمام ہم عصروں سے آگے بڑھ جانے کا انتہائی شوق تھا۔

بالائے سرش زہوشمندی ۔۔ می تافت ستارۂ بلندی

چنانچہ آپنے ہندوستان کے چیدہ چیدہ اساتذۂ کرام اور ہزار ہا منتخب علمائے اعلام وفضلائے عظام کی خدمت میں حاضر ہوکر تحصیل علم وکمال واکتساب فیض لازوال کیا آپ مراد آباد سے نکل کر سیدھے مصطفےٰ آباد (ریاست رام پور) پہنچے۔ فراشخانہ کے سامنے والی مسجد میں قیام کیا یہ دور نواب سید احمد علی خاں بہادر کی ریاست کا تھا۔ آپنے یہاں عربی کی کچھ ابتدائی کتب مولانا نور محمد خانصاحب وغیرہ سے پڑھیں یہاں ان کو یہ معلوم ہوا کہ نجیب آباد میں علوم وفنون کے ماہر استاذ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب قہستانی رام پوری معروف بہ علامہ دکنی تشریف فرما ہیں جن کو خصوصًا علم نحو میں مہارت تامہ وید طولیٰ حاصل ہے تو آپ یہ سنکر ۱۲۲۹ھ میں نجیب آباد پہنچ گئے اور علامہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب قہستانی سے کافیہ، شرح جامی وغیرہ کتب پڑھیں رام پور اور نجیب آباد آپ کا قیام بہت مختصر رہا۔ اس کے بعد ۱۲۲۹ھ ہی میں آپ شاہ جہاں آباد (دھلی) پہنچے۔ یہ دور خاتم السلاطین شاہ ابوالمظفر کے والد اکبر شاہ ثانی کا دور حکومت تھا۔ دہلی میں آسمان علم وفضل کے ستارے جگمگا رہے تھے بہت سے اہل صلاح وکمال علوم وفنون کے ماہرین موجود تھے۔ سراج الامت حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ محدث اعظم حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلویؒ صدر العلماء حضرت مولانا مفتی صدرالدین خانصاحبؒ، حضرت مولانا آخوند شیر محمد صاحب ولایتیؒ، اور حضرت مولانا محمد حیات صاحب پنجابیؒ جیسے مایۂ ناز، ماہرین علوم وفنون، کاملین تحدیث وافتاء حضرات کے کمالات کی شہرت کا ڈنکا پورے ہندوستان میں بج رہا تھا۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے تین سال چار ماہ یہاں قیام فرماکر دہلی کے ان تمام اساتذہ سے

کتب درسیہ کی تکمیل اور حدیث دانی میں خاص طور پر کمال حاصل کیا۔ آپ نے حضرت مولانا محمد حیات وحضرت علامہ مفتی صدر الدین صاحب سے خصوصًا علوم حاصل کیئے۔ خاتم المفسرین سراج الامۃ حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحبؒ کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے رہتے اور کتب کے متعلق مقامات کو آپ سے حل فرماے۔ جب آپ ان تمام علمائے اعلام واساتذۂ کرام سے تحصیل علم کرکے استعداد کامل حاصل کر چکے تو علوم باطنی وطریقت کی طرف متوجہ ہوئے۔ اسوقت دہلی میں حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ خلیفۂ دوم حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی شخصیت کا بہت شہرہ تھا۔ اسلئے آپ حضرت موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپکے دست حق پرست پر بیعت کرکے سلسلۂ نقشبندیہ میں داخل ہوگئے ایک مدت تک شیخ کی خدمت میں رہ کر اکتساب فیض کیا اور علوم ظاہری کے ساتھ علوم باطنی سے فیضیاب وسیراب ہوکر فیض باطنی میں بھی کمال حاصل کر لیا۔ ظاہری وباطنی علوم وفیوض میں مہارت وکمال حاصل کرکے قلب میں معقولات میں مزید مہارت تامہ واستعداد کاملہ حاصل کرنے کا جذبہ وشوق پیدا ہوا۔ چنانچہ آپ اس جذبہ وطلب کو لے کر ۱۲۴۳ھ میں دار السلطنت لکھنؤ پہنچے وہاں آپنے اشرف العلماء حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی محمد ظہور اللہ صاحب لکھنویؒ، حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب مراد آبادیؒ، حضرت مولانا مرزا حسن علی صاحبؒ محدث لکھنویؒ (ارشد تلامذہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب دہلویؒ) وحضرت مفتی صدر الدین خانصاحبؒ، حضرت مولانا مرزا محمد ہاشم علی صاحب محدث لکھنویؒ تلمیذ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ اور دیگر ممتاز فضلائے کاملین، علمائے راسخین اور اساتذۂ ماہرین سے علوم عقلیہ ونقلیہ میں مزید کمال حاصل کیا۔ جملہ علوم وفنون عقلیہ ونقلیہ اور علوم ظاہریہ وباطنیہ میں رسوخ کامل وکمال راسخ حاصل کر چکے تو ۱۲۴۸ھ میں جب آپ کی عمر شریف ۲۹ برس کی تھی۔

مدرسۂ شاہی لکھنؤ میں مدرس ہوگئے۔ مدرس ہونے سے پہلے یا مدرس ہونیکے بعد میں آپ نے مراد آباد اپنے اعزہ کو اپنا پتہ دیا۔ ۱۲۵۰ھ میں مراد آباد سے آپ کے اعزہ لکھنؤ پہنچے اور آپ کو گھر لائے اور شادی کردی۔ شادی کے بعد پھر لکھنؤ پہنچے اور درس وتدریس، تصنیف وتالیف میں پوری دلچسپی وانہماک کے ساتھ مشغول ہوگئے۔

کتب بینی اور مطالعہ کا شوق

مطالعہ کتب کا آپ کو بہت شوق تھا اسکیلئے آپ راحت و آرام کو بھی قربان کر دیتے تھے آپکے عزیز صاحب "تذکرہ کاملان رام پور" لکھتے ہیں کہ:

"نیز کی والدہ کی حقیقی پھوپی سے (حضرت مفتی صاحبؒ کی) شادی ہوئی نیز نے خود آپ کی بیوی صاحبہ سے سنا کہ شادی کے بعد بھی رات بھر مطالعہ کتب میں گذرتی تھی چھت میں ایک رسی لٹکا رکھی تھی شب کو وہ رسی سر کے بالوں میں باندھ لیتے تھے تاکہ نیند نہ آئے (اور اگر آجائے تو جھٹکا لگ کر آنکھ کھل جائے، نیند اڑ جائے اور آپ مطالعہ میں مشغول رہیں) شادی کے بعد ۱۲۵۰ھ میں مدرسہ شاہی میں مدرس ہوئے" آپکے خلف الصدق حضرت مفتی لطف اللہ صاحب مقدمہ فتاوی سعدیہ میں لکھتے ہیں کہ:

"در علم علم و عمل در چار دانگ عالم بلند ساختند در سنہ ۱۲۵۰ھ خمسین بعمر بست ونہ سالگی بعہدۂ مدرسی مدرسہ شاہی لکھنؤ شرف امتیاز داشتند" اس تحریر سابق کے مطابق سنہ ۱۲۵۰ھ میں آپ کی عمر ۲۹ سال نہیں بلکہ کم از کم تیس سال ہونی چاہیے کیونکہ حضرت مفتی صاحب کی پیدائش سنہ ۱۲۱۹ھ کی ہے۔ اسلئے سنہ ۱۲۴۸ھ والی روایت مذکورہ قابل قیاس و درست معلوم ہوتی ہے واللہ اعلم۔

قیام لکھنؤ اور علمی کارنامے

آپ نے لکھنؤ قیام فرما کر درس و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا کام بھی شروع فرمایا مختلف علوم و فنون میں مختصر و مطول کتب تالیف فرمائیں۔ مدرسہ شاہی کے بعد آپ دفتر شاہی میں ملازم ہوئے اور تاریخ الافاغنہ ترجمۂ قاموس کی چند مجلدات لکھیں پھر مدت دراز تک لکھنؤ ہی میں افتاء عدالت کے عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے اور پیچیدہ مسائل کی گتھیاں سلجھاتے رہے۔

مناظرۂ لکھنؤ

حضرت مفتی صاحبؒ بہترین مناظر بھی تھے چنانچہ ۲ ربیع الثانی سنہ ۱۲۶۰ھ یکشنبہ کو شاہ علی پیر محمد کے ٹیلہ والی مسجد لکھنؤ میں توحید و تعدد جمعہ کے مسئلہ پر حضرت مفتی صاحبؒ کا مولوی محبوب علی صاحب مراد آبادیؒ سے کامیاب مناظرہ ہوا۔ آپ تعدد جمعہ کے

قائل تھے اس میں آپ کو شاندار فتح حاصل ہوئی۔ اسکی مفصل رپورٹ (کیفیت و روداد) بنام "اشاعۃ الجمعہ" محمدی پریس لکھنؤ سے ۱۲۵۹ھ میں شائع ہوئی پھر مولوی شاہ علی مرحوم ابن مولوی محبوب علی مراد آبادی مرحوم نے اس مناظرہ کو اپنی کتاب "ازالۃ الفتنہ در ردِ اشاعۃ الجمعہ" میں مطبع زبدۃ الاخبار آگرہ سے ۱۲۶۰ھ ہی میں دوسرے انداز سے تبدیل و تعبیر کے ساتھ شائع کیا۔

حج وزیارت کی سعادت

۱۲۷۰ھ میں آپ حرمین شریفین تشریف لے گئے اور بفضلہ تعالیٰ حج و زیارت کی توفیق و سعادت حاصل ہوئی مکہ مکرمہ میں شیخ العلماء مولانا شیخ جمال اللہ رحمہ اللہ المتعال سے سند حدیث کی تجدید کا شرف حاصل ہوا۔ اور عالم ربانی، عارف باللہ حضرت شیخ یحییٰ داغستانی خلیفۂ شیخ خالد نقشبندی قدست اسرارہم کی صحبت میں مراقبہ سے ایک مدت تک مستفیض ہوتے رہے۔ حاصل یہ ہے کہ حرم محترم میں بھی آپ نے ظاہری و باطنی علوم و عرفان کے ذخیرے جمع فرمائے۔ اور حرم مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں مسجد نبوی کے منبر کے نیچے بیٹھ کر حضرت شیخ الدلائل کے سامنے دلائل الخیرات پڑھی اور سند اجازت حاصل فرمائی۔ آپکے جانشین صدق حضرت علامہ مفتی لطف اللہ صاحب رحمہ اللہ بھی سفر حج میں آپ کے ہمراہ تھے تو وہ بھی دلائل الخیرات سننے اور اجازت لینے میں شریک برکت رہے وہ خود فرماتے ہیں کہ :

"در یں سماعت دلائل و استجازت آں راقم سطور (مفتی لطف اللہ صاحب) ہم شریک برکت بود الحمد للہ علی حصول ذلک المقصود"۔ (مقدمہ فتاوی سعدیہ)

حج و زیارت سے فراغت کے بعد واپس لکھنؤ تشریف لائے۔ اور حسب سابق بدستور سلسل مفتی عدالت کے عہدہ پر فائز رہے۔ آپنے ۲۹ برس برابر لکھنؤ میں امانت ملازمت کی اسکے بعد سلطنت اودھ میں لڑائی جھگڑے اور اختلافات پھیل گئے۔ حکومت واجدی کی بنیادیں متزلزل ہوگئیں اور سکون و اطمینان درہم برہم ہوگیا۔ بالآخر جب حکومت لکھنؤ کا خاتمہ ہوگیا تو ۱۲۷۳ھ مطابق ۱۸۵۶ء میں نواب فردوس مکان سید یوسف علیخاں بہادر والی رام پور نے آپ کو رام پور تشریف آوری کی دعوت دی حالات کے پیش نظر آپ نے رام پور مراجعت فرمالی۔ نواب صاحب

موصوف حضرت مفتی صاحبؒ سے شرفِ تلمذ رکھتے تھے۔ نواب صاحب نے آپ کو عہدۂ قضاء و افتاء پر فائز کیا، عدالتِ مرافعہ کا حاکم بنایا اور مدارس کی نگرانی و افسری کے عہدۂ جلیلہ سے بھی سرفراز کیا۔ تاحیات آپ انہی عظیم الشان و جلیل القدر عہدوں پر معزز و برقرار رہے علاوہ ازیں طلبۂ علوم آپ کے درس سے مستفید و مستفیض ہوتے رہے۔ آپ نے تمام زندگی تعلیم و تعلم، درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور دین کی مختلف الانواع خدمات میں صرف فرمائی۔ ہزارہا تشنگان علوم آپ کے دریائے فیض سے سیراب ہوئے اور انہوں نے عالم کو سیراب کیا۔

(نوٹ) نواب سید یوسف علی خاں بہادر والی رام پور اور امیر مینائی نے قیام لکھنؤ ہی میں حضرت مفتی صاحبؒ سے شرف تلمذ حاصل کیا تھا اور اسی نسبت سے سقوط سلطنت اودھ کے بعد نواب صاحب موصوف نے حضرت مفتی صاحب کو رام پور بلاکر جلیل القدر عہدوں پر فائز کیا تھا، آپ نے رام پور ہی میں اپنا ذاتی مکان (محلہ بنگلہ آزاد خاں مسجد درگاہ کے عقب میں) بنا لیا تھا اور مراد آباد سے اپنا رہائشی تعلق بالکل ختم فرما دیا تھا۔ وہ مکان آج بھی مفتی لطف اللہ کے مکان کے نام سے مشہور ہے اور حضرت مفتی صاحب موصوف کے پوتے یہیں قیام پذیر ہیں۔

کتابیں جمع کرنے کا شوق و محنت

حضرت مفتی صاحب نے تحصیل علم میں زبردست محنتیں اور پے بہ پے استفادے کیئے ہیں اور مطالعہ کتب میں آپ نے اپنے آرام و راحت کو قربان کر دیا تھا اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ کمرہ کی چھت میں رسی لٹکی رہتی تھی جس کو وہ اپنے سر کے بالوں میں باندھ لیتے، نیند کے غلبہ کے وقت جھٹکا لگتا، آنکھ کھلتی اور مطالعہ جاری ہو جاتا اسی طرح علوم و فنون کی کتابیں جمع کرنے کا آپ کو بہت ہی شوق تھا۔ اس وقت کتابیں نایاب تھیں۔ طباعت کے معقول انتظامات نہ تھے حضرت مفتی صاحب کو جو کتاب ملی فوراً نقل کر ڈالی اور اپنے پاس محفوظ کر لی۔ صاحب تذکرہ کاملانِ رام پور لکھتے ہیں کہ :۔

"فقیر نے اکثر رسائل آپ کے ہاتھ کے نقل کیئے ہوئے دیکھے ہیں اسوقت کتابیں نایاب تھیں جہاں جو کتاب ملی نقل کر لی، ایک نسخہ سے زائد آپ کی نقل کی ہوئی کتب اور

رسائل ہوں گے" سچ ہے کہ

بِقَدْرِ الْکَدِّ تُکْتَسَبُ الْمَعَالِی — وَمَنْ طَلَبَ الْعُلٰی سَہِرَ اللَّیَالِی

بلند مرتبے محنت کی بقدر حاصل ہوتے ہیں — اور جو بلندیوں کا طالب ہوتا ہے راتوں کو جاگتا ہے

حضرت مفتی صاحبؒ کی مساعی جمیلہ اور محنتوں کا صلہ دنیا میں تو یہ ملا کہ آپ اپنے اقران اور ہم عصروں پر فائق ہوئے، دنیوی بلند مراتب آپ کو حاصل ہوئے، آپ کے فیوض کے دریا جاری ہوئے اور آپ کی نسلوں میں علمائے متبحرین پیدا ہوئے اور آخرت میں بھی انشاء اللہ وہ مالا مال و فائز المرام ہوں گے ؎

جس کو حاصل لطفِ ذوقِ جستجو ہو جائیگا — مضطرب ہوگا نہ بُعدِ منزلِ مقصود سے

جب ترا دل بے نیازِ رنگ و بو ہو جائیگا — یہ جہانِ رنگ و بو ہوگا ترے دل پر فدا

ایکدن دل بے نیازِ آرزو ہو جائے گا — یہ جنون آرزو مندی کمالِ عقل ہے

(حضرت اسوڈ)

آپ بہترین شاعر بھی تھے

جس طرح حضرت مفتی صاحبؒ علوم عقلیہ و نقلیہ میں نادرۂ روزگار اور اپنے ہم عصروں میں فائق و سابق تھے اسی طرح آپ کی ذاتِ جامع الصفات کو اردو، فارسی اور عربی نظم و نثر میں وہ کمال و ید طولیٰ اور مہارت تامہ حاصل تھی کہ آپ جیسی ہستیاں ادبار میں کم ملتی ہیں۔ آپ کی نظم و نثر کو بے حد قبولیت حاصل ہوئی آپ نظم فارسی میں آشفتہ تخلص کرتے تھے۔ آپ کا کلام زیادہ تر عربی اور فارسی میں ہوتا تھا اسلئے یہاں ہم بطور نمونہ انکی دو نظمیں ایک عربی کی اور ایک فارسی کی پیش کرتے ہیں۔ اندازہ کیجئے کہ آپ کے دونوں قسم کے کلاموں میں کس قدر قوت و رفعت ہے

قصیدہ عربیہ در مدح بندگان حضور پُر نور دام ملکہم و اقبالہم

(ترجمہ از مؤلف)

تدشرت اللہ امر الملک والدین — وکرم المجد فی عز و تمکین

اللہ تعالیٰ نے ملک و دین کا معاملہ باعزت بنادیا ہے — اور عزت و مرتبہ میں بزرگی کو چار چاند لگا دیئے ہیں

بحسن تدبیرہ العالی و فطنتہ — ودرائہ صائبا اجلی البراھین
ممدوح کے بلند حسن تدبیر اور اسکی دانائی سے — اور اسکی درست رائے سے جو دلائل ہیں سب سے زائد روشن
کان الممالک عطلا لابھاء بھا — فزانھا حکمہ من ای تزیین
حکومتیں ایسی بے رونق تھیں کہ ان میں کوئی روشنی نہ تھی — تو ممدوح کے حکم نے انکو کتنی عجیب زینت بخشدی
من عدلہ الف الاسد الظباء — کما غش لانہا صرن اولاد السراحین
اسکے انصاف کے اثر سے شیر ہرنوں سے مانوس ہوگئے ہیں — گویا کہ ہرنوں کے بچے شیروں کے بچے ہو گئے ہیں
فلا یری فتنۃ فی عھد دولتہ — غیر الذی فی عیون الحور والعین
اسکے دور حکومت میں کوئی فتنہ نظر نہیں آتا — اس کے سوا جو معشوقوں کی نگاہوں میں ہے
تراب سدتہ العلیا من ارجھا — کحل لعین ملوک الروم والصین
اسکے بلند مرتبہ آستانہ کی خاک — شاہان روم وچین کی آنکھوں کا سرمہ ہے
وھاب الالاف الاف وان یدھا — معطی الفیول و اصناف البراذین
دہ ہزار با ہزار بلکہ ان سے زائد کی بخشش کرنیوالا ہے — بہت سے ہاتھی اور اقسام و انواع کے گھوڑے عطا کرنیوالا
لو خصمہ شرب السلسال من عطش — لصار فی حلقہ زرق السکاکین
اگر اسکے دشمن نے بحالت تشنگی شراب خوشگوار پی — تو وہ اسکے حلق میں چھریوں کی روزی بن گئی
او مس سیوف الھند خادمہ — لعاد ملمسا کالورد فی اللین
یا اسکے کسی خادم نے ہندی تلواروں پر ہاتھ پھیر دیا — تو وہ گلاب کے پھول کیطرح چکنی اور نرم ہوگئیں
لہ المکارم والعلیا باجمعھا — کسبا وارثا من الغر المیامین
اسکی تمام بزرگیاں اور بلندیاں — خود اپنی حاصل کردہ بھی ہیں اور ایسے بابرکت بزرگوں کا
اولی الفضائل سباقین غایتھا — ذوی المناقب فرسان المیادین
جو خوبیوں والے اور خوبیوں کی انتہا کو پہنچنے والے — اور فضیلتوں والے اور میدانوں کے شہسوار
طاب المدائح من مدح الامیر کما — طاب النسائم من روض الریاحین
امیر ممدوح کی تعریف سے تعریفوں میں اسطرح عمدگی پیدا ہوگئی — جسطرح نسیم کی بھینی بھینی خوشگوار ہوائیں پھولوں باغات گذر کر معطر ہوجاتی ہیں

کان السماء مطیعا دائما ابدا
آسمان ہمیشہ ممدوح کے حکم کا فرماں بردار
لحکمہ حین تحریک وتسکین
رہے اسی ہر حرکت وہر سکون میں

فارسی اشعار

ترجمہ از مؤلف

حبذا روزیکہ جادر طیبہ و بطحا کنم | چشم خود را فرش راہ حضرت طاہا کنم
کتنا مبارک ہوگا وہ دن جس دن میں مدینہ منورہ پہنچکر قیام کرونگا۔ اپنی نگاہوں کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی راہ میں بچھادونگا

بر یلملم بستہ احرام تو گویم تلبیہ | سر برہنہ کردہ چشم خویشتن را پا کنم
مقام یلملم پر احرام باندھ کر تلبیہ پڑھونگا | سر ننگا کرکے اپنی آنکھوں کو پیر بنالونگا آنکھوں کے بل سر کے بل

گر نمایم طوف بیت اللہ، گر بوسم حجر | سینہ را بر ملتزم فرسودہ وا دیلا کنم
حرم پاک میں پہنچکر کبھی بیت اللہ کا طواف کرونگا تو کبھی حجر اسود کو بوسہ دونگا۔ اور اپنے سینہ کو ملتزم پر رگڑ رگڑ کر واد ھونا کرونگا

گر کنم سجدہ درون کعبہ، گاہے در حرم | گر گرفتہ ستر کعبہ نالہ و غوغا کنم
کبھی کعبہ کے اندرونی حصہ میں سجدہ کرونگا تو کبھی (بیرون کعبہ) حرم شریف میں۔ اور کبھی کعبۃ اللہ کا پردہ پکڑ کر گریہ وزاری کرونگا

بر درت بار معاصی بہر عفو آوردہ ام | از تو استغفار و ز غیر تو استغنا کنم
(خداوندا) آپکے درپاک پر معافی کیلئے بارگناہ لایا ہوں | آپسے مغفرت چاہتا ہوں اور آپکے غیر سے بے نیازی کرتا ہوں

آرزوئے من دریں دنیا ہمیں بس تا زیم | در مدینہ باشم و خاک درت ماوا کنم
اس دنیا میں میری تمنا صرف یہ ہے کہ مدینہ میں تا زندگی رہوں اور آپکے درپاک کی خاک کو ٹھکانا بنالوں

حال من آشفتہ تر ہر روز تر می آید نظر
روز بروز میرا حال ابتر ہوتا نظر آتا ہے
بہ کہ خود را فدیہ راہ در مولا کنم
بہتر یہ ہے کہ میں خود کو در آقا کی راہ میں قربان کردوں

بے مثال جامع الصفات شخصیت:۔ حضرت مفتی صاحب کو جس طرح حق تعالیٰ شانہ نے علوم عقلیہ ونقلیہ میں کمال عطا فرمایا تھا اسی طرح اسالیب کلام، تقریر و تحریر اور نظم و نثر میں مہارت تامہ و مکمل دسترس سے نوازا تھا آپ عربی، اردو اور فارسی تینوں زبانوں کے

ادیب اریب تھے۔ بایں ہمہ آپ اخلاق و مروت، صبر و قناعت، نفاست و شرافت
خود داری و غیرت، تواضع و انکساری اور ایثار و محبت وغیرہ جملہ صفاتِ حسنہ، اوصافِ
سنیہ، فضائل و فواضل عالیہ سے پورے طور پر آراستہ و پیراستہ تھے۔ آپ کی
ذاتِ اقدس میں حق جل مجدہٗ نے ظاہری و باطنی اور صوری و معنوی ہر قسم کی خوبیاں
یکجا جمع کر دی تھیں ؎

ولیس علی اللہ بمستنکر　　ان یجمع العالم فی واحد

اور حق تعالیٰ پر یہ بات دشوار نہیں کہ وہ ایک پورے عالم کو ایک ذات میں جمع فرمادے
ان کمالات کا حصول درحقیقت اللہ جل شانہٗ کی عطا سے ہوا لیکن ظاہری سبب یہ ہے
کہ حق تعالیٰ نے آپ کو بچپن ہی سے ضبطِ اوقات، محنت و مشقت اور مجاہدات کا خوگر و
عادی کر دیا تھا اور جد و جہد کی عادت کے ساتھ آپ کو بلند حوصلہ و عالی ہمت بنایا تھا
جسکی وجہ سے آپ کمالات اور بلندیوں کے بامِ عروج پر پہنچے ؎

ہمت بلند دار کہ نزدِ خدا و خلق　　باشد بقدرِ ہمت تو اعتبارِ تو

بلا مبالغہ ہماری نگاہِ کوتاہ کو پچھلی کئی صدیوں میں ایسی جامع کمالات شخصیت نظر نہیں
آتی۔ صاحب ,,تذکرہ کاملانِ رام پور،، لکھتے ہیں کہ:

,, فارسی و عربی علوم و فنون میں (مفتی صاحب) ایک بے مثل بزرگ تھے کہتے ہیں کہ اس
جامعیت کا آدمی اس وقت تک کوئی نہیں ہوا ،،

صاحب تذکرہ کی تصدیق و تائید کرتے ہوئے میں کہتا ہوں کہ حضرت مفتی صاحبؒ کے
بعد حق تعالیٰ نے انکی نظیر انکی نسل میں پیدا فرمادی ہے بلا خوفِ تردید ان کے پڑپوتے
حضرت اقدس مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحبؒ کو انکی مثال میں پیش کیا جاسکتا ہے
بلکہ جسطرح حضرت موصوف کے اسم گرامی میں حضرت مفتی صاحبؒ کے اسم گرامی سے ایک حرف
زائد ہے اسی طرح ہستی میں بھی حق تعالیٰ نے بعض خصوصیات و صفات ایسی رکھی تھیں
کہ جن میں آپ ممتاز و فائق تھے جیسا کہ پیش نظر کتاب ,, حیاتِ سعد،، کے
مطالعہ سے ناظرین کو انشاء اللہ اس کا ثبوت میسر آجائے گا ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تصنیفات وتالیفات

حضرت علامہ مفتی محمد سعد اللہ صاحب رحمہ اللہ جامع العلوم مناظر اسلام، ادیب اریب، مدرس باکمال، مفکر بے مثال اور مختلف الانواع ذمہ داریوں کے حامل ہونے کے باوصف کثیر التصانیف مصنف ومؤلف بھی تھے انکی صدہا تصنیفات وتالیفات مطبوعہ وغیر مطبوعہ تھیں جن میں سے بہت سی دست برد زمانہ ہوچکیں موصوف مرحوم کی جن مصنفات ومؤلفات کا علم ہوسکا ان کی فہرست مندرجہ ذیل ہے۔

آپ کے خلف الصادق وخلیفۂ صادق حضرت علامہ مفتی محمد لطف اللہ صاحبؒ مقدمۂ فتاویٰ سعدیہ میں رقمطراز ہیں کہ:

"از آنجا کہ ریاض سخن از رشحات طبع گوہر بارشان تازہ است وفضائے جہاں از صیت فضائل وفواضل شان پر آوازہ وشاگردانش ہم ہزاراں ہزار وتصانیفش ہم بسیار وبے شمار مگر چند از آنہا کہ از دست برد گردش زمانہ بتلف روزگار دربنجا ثبت افتاد وآن سی وہشت (۳۸) معدود است ودر کتب خانۂ بتولیت ایں فقیر موجود۔

اس مقام سے کہ کلام کے گلشن آپ کی طبع گوہر بار کی چھینٹوں سے تازہ ہیں اور فضائے عالم آپ کی بزرگیوں اور خوبیوں کی شہرت سے گونج رہی ہے۔ اور آپکے شاگرد ہزاروں کی تعداد میں ہیں تو آپکی تصنیفات بھی بہت اور بے شمار ہیں مگر جتنی تصنیفات گردش ایام کی دست برد سے محفوظ ہیں وہی اسجگہ لکھی جاتی ہیں اور ان (موجودہ) تصانیف کی تعداد کل اڑتیس (۳۸) ہے اور کتب خانہ میں بندہ کی تولیت میں موجود ہیں

مندرجہ ذیل فہرست میں اول ان اڑتیس (۳۸) کتابوں کا نام مذکور ہے جو حضرت مفتی لطف اللہ صاحب کے کتبخانہ میں موجود تھیں اور اب ان میں سے کچھ رضا لائبریری رام پور میں اور کچھ کتب خانہ جامعہ مظاہر علوم میں ہیں اور باقی مفتی صاحب موصوف کی اولاد کی لاپرواہی سے کتب خانہ کی دوسری کتابوں کے ساتھ ضائع ہوگئیں۔ ان اڑتیس (۳۸) کتب کے بعد چندان کتابوں کے اسماء درج فہرست ہیں جن کے نام ہمیں دوسرے ذرائع سے معلوم ہوسکے ہیں۔

(۱) مفید الطلاب فی خاصیات الابواب۔ فن صرف کی عمدہ کتاب ہے (۲) القول الفصل فی ہمزۃ الوصل

(۳) عقود الاجیاد فی مجہول اختیار و انقیاد - اسمیں صرف کے مشہور مسئلہ کی وضاحت ہے (۴) کاشف الظلام عما یتعلق بالالف واللام (عربی) یہ رسالہ ۲۲ صفحات پر مشتمل ہے مطبع مصطفائی لکھنؤ میں ۱۲۹۰ھ میں چھپا تھا۔ (۵) رسالہ لامیہ (در فارسی) دراصل اس رسالہ میں الف لام کی اقسام وغیرہ کی تفصیلات ہیں اور یہ رسالہ عربی، اردو اور فارسی تینوں زبانوں میں شائع ہوا ہے اسکے صفحات آٹھ ہیں مطبع محمدی رام پور سے شائع ہوا (۶) نوادر الاصول فی شرح الفصول ۲۸۴ صفحات پر مشتمل ہے یہ کتاب مطبع علوی لکھنؤ سے ۱۲۸۷ھ میں طبع ہوئی یہ اس کتاب کا تاریخی نام ہے جس کے ۱۲۵۹ عدد ہیں یہ کتاب حضرت مفتی صاحب نے لکھنؤ کے قیام میں ۱۲۵۹ھ میں لکھی تھی اس کے چند اجزاء وہاں چھپے تھے کہ سلطنت لکھنؤ کا انقلاب ہوگیا اور حضرت مفتی صاحب رام پور منتقل ہوگئے اسکے بعد یہ کتاب مکمل ۱۲۹۴ھ میں مطبع علوی لکھنؤ میں چھپی (۷) غایۃ البیان فی تحقیق السبحان (۸) وجوہ تراکیب تسمیہ اس رسالہ کے صفحات ۱۵ ہیں مطبع علوی لکھنؤ سے ۱۲۶۳ھ میں طبع ہوکر شائع ہوا اس رسالہ میں بسم اللہ شریف کی پانچہزار نحوی ترکیبیں بیان کیگئی ہیں (۹) نوادر البیان فی علم القرآن (۱۰) التنویہ بالتشبیہ یہ رسالہ ۱۰۳ صفحات پر مشتمل ہے مطبع علوی لکھنؤ میں ۱۲۹۳ھ میں چھپا (۱۱) نور الصباح فی اغلاط الصراح (عربی) اس رسالہ میں لغت کی مشہور کتاب الصراح کی غلطیوں اور عثرات کو جمع کیا گیا ہے صفحات ۶۶ مطبع علوی لکھنؤ میں ۱۲۹۳ھ میں طبع ہوا (۱۲) القول المانوس فی صفات القاموس یہ کتاب عربی لغت میں ہے ۲۷۴ صفحات پر مشتمل ہے مطبع حسنی رام پور سے ۱۲۸۷ھ میں شائع ہوئی (۱۳) تحقیق علم واجب تعالیٰ عربی زبان میں علم کلام کا اہم رسالہ ہے ۸ صفحات پر مشتمل ہے مطبع علوی لکھنؤ میں ۱۲۹۳ھ میں چھپا (۱۴) خیر المسہل لمسائل الطہر المتخلل اس رسالہ میں کتاب الحیض کے مشہور مسئلہ کی وضاحت و تحقیق ہے عربی میں ہے صرف تین صفحات پر مشتمل ہے اور مطبع علوی لکھنؤ سے ۱۲۹۳ھ میں شائع ہوچکا ہے (۱۵) رسالۃ المنۃ فی وجود الغنۃ یہ رسالہ فن قرأت کا ہے غنہ کی بحث میں ہے (۱۶) ترجمۃ الفقہ الاکبر - یہ شرح فقہ اکبر کا اردو ترجمہ حامل متن ہے ۱۲۵۶ھ میں شائع ہوا - (۱۷) ترجمہ حقیقۃ الاسلام (۱۸) ہدایۃ النور فیما یتعلق بالاظفار والشعور - (۱۹) زاد السبیل الی دار الخلیل یہ رسالہ زبان اردو میں ہے

۴۲ صفحات پر مشتمل ہے مطبع مصطفائی لکھنؤ میں طبع ہوا اس رسالہ میں مناسک حج و دمقامات متبرکہ کا ذکر ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے یہ رسالہ سفر حج ۱۲۷۰ھ میں تصنیف فرمایا تھا۔ (۲۰) حاشیہ مالابد منہ (فارسی) (۲۱) حاشیہ شرح سلم مولوی حمداللہ۔ (۲۲) تعلیقات برصدرا (۲۳) شرح ضابطہ تہذیب (۲۴) شرح خطبۂ قطبی (۲۵) رسالۂ قوس قزح (۲۶) رسالۂ تناسخ (۲۷) رسالہ سبع عرض شعیرہ (۲۸) حاشیہ شرح چغمینی (۲۹) عروض باقافیہ (۳۰) شرح العروض والقوافی۔ (۳۱) جواہر العروض (۳۲) کیفیت ایجاد رباعی۔ (۳۳) شرح سہ نثر ظہوری (قلمی) اس کا کاتب اجودھیا پرشاد دہلوی ہے۔ ۱۱۴ صفحات پر یہ کتاب مشتمل ہے ۱۸۳۸ء تاریخ کتابت ہے۔ (۳۴) شرح نکتہ رسالہ عبدالواسع (۳۵) وسیلۃ النجاۃ فی مسائل الزکوٰۃ (۳۶) میزان الافکار شرح معیار الاشعار۔ یہ کتاب فن شعر میں عربی زبان میں ہے ۲۱۴ صفحات پر مشتمل ہے مطبع نولکشور لکھنؤ میں ۱۲۸۲ھ میں طبع ہوئی (ف) حضرت مفتی صاحب نے اپنے شاگرد نواب سید یوسف علیخاں بہادر کی خاطر معیار الاشعار کی شرح کرکے اس کا نام میزان الافکار رکھا تھا اور ایک متن عروض و قافیہ کے بیان میں عربی زبان میں لکھ کر اس کا نام یوسفیہ (نواب صاحب موصوف کیطرف نسبت کرکے) رکھا تھا اور اس (یوسفیہ) کی شرح بھی کی تھی جسکو عروض باقافیہ کہتے ہیں۔ (اخبار الصنادید ج ۲ ص ۱۲۹)

اب حال ہی میں یہ کتاب ایران میں طبع ہوئی ہے۔ مقدمہ نگار نے لکھا ہے کہ اگر حضرت مفتی صاحب یہ کتاب تالیف نہ فرماتے تو فن عروض دنیا سے ختم ہوگیا ہوتا در حقیقت مفتی صاحب نے اس فن کو از سر نو زندگی عطا فرمائی ہے۔ (۳۷) قصیدۂ لامیہ عربیہ (۳۸) قصیدۂ لامیہ فارسیہ (۳۷ و ۳۸ کے متعلق وضاحت (۵) کے ذیل میں ہوچکی ہے)

(تنبیہ) مذکورہ ۳۸ کتابوں کے صرف ناموں کا ذکر مقدمۂ فتاویٰ سعدیہ کے اندر ہے۔ توضیحات دوسری کتب سے منقول ہیں فقط۔

(۳۹) شرح الفیۃ ابن مالک عربی۔ یہ نحو کی مشہور کتاب الفیہ ابن مالک کی عمدہ شرح ہے (۴۰) سوانحمری شرح فصول اکبری (۴۱) خلاصۃ النوادر (۴۲) وصیت نامہ حضرت امام اعظم (۴۳) الفتاویٰ السعدیہ فی الفروع الحنفیہ حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو بڑی عجیب تحقیقات اور محققانہ جوابات اور فتوؤں پر مشتمل ہے۔

آپ کے صاحبزادے حضرت علامہ مفتی محمد لطف اللہ صاحبؒ نے اس کا تقریباً ایک چوتھائی حصہ ایک جلد میں شائع کیا تھا۔ باقی فتاویٰ شائع نہ ہو سکے۔ اسکی ترتیب بھی خود حضرت مفتی لطف اللہ صاحبؒ نے فرمائی جلد اول کے صفحات ۱۵۲ ہیں سائز $\frac{20}{26}$ ۸ ہے مطبع مجتبائی دھلی میں چھپی۔

ان کے علاوہ حضرت مفتی صاحب کی بہت سی تصانیف تھیں جن میں سے تقریباً پچیس کتب شائع ہو سکیں باقی کتب ضائع ہو گئیں اور اب تو شائع شدہ کتب بھی نایاب ہیں۔ افسوس ہے کہ یہ قیمتی علمی جواہرات و دقیق تحقیقات امت کے سامنے نہیں۔ کاش کوئی صاحب پھر ان نایاب و بے بہا موتیوں کو تلاش کر کے ملت کے سامنے پیش کر دیں تاکہ طالبین و علمائے دین متین ان سے فیضیاب و مستفید ہوتے رہیں۔

حضرت مفتی صاحب کا کتب خانہ

اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ نے کسقدر محنت و جانفشانی سے کتابیں مہیا کیں اور بہت سی کتابوں کو اپنے قلم سے نقل کر کے اپنے پاس محفوظ فرمایا تھا مگر صد افسوس کہ ان کی اولاد نے اس خزانہ کو ضائع کر دیا۔ حضرت مفتی لطف اللہ (ابن حضرت مفتی سعد اللہ کے بعد یہ ذخیرہ خرد برد ہو گیا۔

صاحب "تذکرہ کاملانِ رام پور" لکھتے ہیں کہ:

"مولانا (مفتی سعد اللہ صاحب) کا کل کتب خانہ وقتی آپ کے پوتے مولوی فضل اللہ (ابن حضرت مفتی لطف اللہ صاحب) کے قبضہ میں ہے اور بہ تحقیق معلوم ہے کہ کتابیں خراب ہو رہی ہیں اس کتب خانہ میں اس وقت بھی آٹھ سو کتابیں موجود ہیں"

صاحب اخبار الصنادید نے لکھا ہے کہ:

"کیونکہ نواب صاحب (سید کلب علی خاں بہادر بن نواب سید یوسف علیخاں بہادر) کو علوم و فنون سے خاص دلچسپی تھی اسلئے ان کے اہتمام و توجہ کا اثر وہ ہوا جو ایک شوقین اور قدر دان کا ہو سکتا تھا منتخب خوش نویس نوکر رکھ کے ان سے کتب لکھواتے اور کتب ہمیشہ خرید تے رہتے تھے اور ان کی قدر دانی کے لحاظ سے دور دور سے لوگ کتابیں لایا کرتے تھے جن لوگوں سے دوستانہ تعلق تھا چونکہ

آپ کا میلان اسی طرف پاتے تھے اسی مذاق کے تحت تحائف و ہدایا بھیجتے تھے ان کی خوش قسمتی یا قدر دانی سے تیرہ ہزار نو سو اڑسٹھ ۱۳۹۶۸ کتابیں ہر علم و فن کی جمع ہو گئیں نواب صاحب نادر اور نفیس کتاب لینے میں کسی طرح دریغ نہیں کرتے تھے۔

مولوی سعد اللہ جو مشہور عالم تھے اور نوابوں کے درباروں کے زیادہ خواہشمند تھے ان کے کتب خانہ میں کچھ کتابیں ایسی تھیں جو نواب صاحب کے کتب خانہ میں نہ تھیں مولوی صاحب نے اس نظریہ سے کہ یہ کتابیں ہمیشہ ان کے بیٹے مولوی لطف اللہ صاحب کے قبض و تصرف میں رہیں اور زبردستوں کی دست برد سے بچیں اپنی وفات سے کچھ دنوں قبل یہ تدبیر کی کہ ایک مہر میں یہ عبارت کھدوا کر "الوقف لایملک" وہ مہر سب کتابوں پر لگا دی اور ایسی کوئی عبارت کسی کتاب پر نہیں لکھی جو وقف ہو جانے پر دلالت کرتی۔ جب مولوی صاحب کا انتقال ہو گیا تو مولوی عبدالحق خیرآبادی نے نواب صاحب کو سمجھایا کہ اس عبارت سے کتاب وقف نہیں ہو سکتی یہ عبارت کتب فقہ میں موجود ہے۔ پھر وہ کتابیں اسکے موجود ہونے سے کب وقف ہو جاتی ہیں۔ مولوی سعد اللہ نے غیروں کے ہاتھ سے بچانے کی مصلحت کیلئے یہ کام کیا ہے۔

نواب صاحب کو جب یہ نکتہ معلوم ہو گیا تو مولوی لطف اللہ صاحب سے نایاب کتابیں لیکر اپنے کتب خانہ میں جمع کرا دیں ۔ (اخبار الصنادید ص ۱۹۱، ۱۹۲ ج ۲)

تبصرہ:۔ اخبار الصنادید کے مصنف صاحب اپنی کتاب میں جا بجا علمائے کرام پر ایسے فقرے اور جملے چست کرتے ہیں جو ان حضرات کے شایان شان نہیں ہوتے۔ مثلاً اوپر کا خط کشیدہ جملہ (اور نوابوں کے درباروں کے زیادہ خواہشمند تھے) حضرت مفتی سعد اللہ صاحبؒ پر چست کیا ہے۔ اس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ وہ طبقہ علماء سے حسد اور بیر رکھتے تھے۔ عداوت و حسد کے مرض نے ان کو بلا وجہ علماء کی شان میں گستاخیاں کرنے پر مجبور کر دیا تھا گو ان کے نام کے ساتھ بھی اولا نا مولانا اور عالم فاضل سب کچھ لکھا ہے لیکن وہ سب کچھ خلاف واقعہ معلوم ہوتا ہے اور اسکی دلیل یہ ہے کہ وہ نواب صاحب کے اس ناجائز فعل مذکور (غصب) کی تعریف و تحسین بھی کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ:

میرے دوستو! غور سے دیکھو تو نتیجے کے اعتبار سے یہ کوئی برائی کا کام نہیں کیونکہ وہ

کتابیں ہمیشہ کو محفوظ ہوگئیں اور اسی ملک میں رہیں اور علماء ان سے مستفید ہوتے رہیں گے ،، (صفحہ ۱۹۲/۲)

ایک موٹی عقل والا، معمولی پڑھا لکھا عامی آدمی بھی جانتا ہے کہ کسی کی مملوکہ چیز کو اس سے چھین کر محفوظ کر دینا گو اس سے دوسروں کا نفع ہی کیوں نہ مقصود ہو اور جاہے وہ اسی ملک یا شہر میں رہے بالکل ناجائز وحرام ہے۔ مگر مؤلف اخبار الصنادید کیونکہ خود نوابوں کی خوشامد کے مرض میں مبتلا تھے اس لئے انہوں نے شرعی مسئلہ کو نظر انداز کر دیا، حق کو نگل گئے اور نواب صاحب کے ایک خلاف شرع کام کو سراہنے بیٹھ گئے۔ زمانۂ ماضی میں خوشامدی، ضائع عشاق دنیا علماء ہی نے اہل اقتدار حضرات کو بگاڑا ہے۔ اور آج بھی ایسے ہی لوگ ملت کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ جو بہتان عظیم حضرت مفتی صاحب کے سر تھوپا گیا ناظرین اس کے طرز سے یقین کرلیں گے کہ بہتان طراز خود اس جرم کا مرتکب تھا وہ خود نوابوں کے دربار کا خواہشمند تھا لاحول ولاقوۃ الا باللہ ؎

خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے ۔۔ خصوصاً ہر کمینہ و کج ادا سے
فتنۂ حاسد سے خصم ناسزا سے ۔۔ دوستان بے وفا کی ہر دغا سے

بعض پرانے لوگوں سے اس بہتان کی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ صاحب اخبار الصنادید پٹھان تھے اور حضرت مفتی صاحب سید تھے اور رام پوری پٹھان کسی دوسرے کو خواہ وہ سادات ہی میں سے ہو برداشت نہ کر پاتے تھے واللہ اعلم اور حضرت مفتی صاحب کا نوابوں کے قرب وخوشامد سے متنفر ہونا متعدد واقعات سے معلوم ہوتا ہے ان میں سے ایک واقعہ آگے آرہا ہے جو مفتی صاحب کے بھوپال کے ارادۂ سفر کا سبب بنا تھا۔

حضرت مفتی صاحب گوشہ نشین بزرگ تھے حضرت مفتی صاحب کو حق تعالیٰ شانہٗ نے ان تمام کمالات واوصاف حمیدہ اور صفات جمیلہ سے مزین و بہرہ ور فرمایا تھا۔ جو ایک مرد باخدا، بزرگ باصفا اور متبحر عالم دین کیلئے موزوں ہیں آپ کی خودداری وشان استغناء ضرب المثل تھی آپ کسی کی خوشامد اور جی حضوری کے قطعًا قائل نہ تھے۔ آپ ہمیشہ جلیل القدر عہدوں پر فائز رہے مگر کسی نواب کے درباری کبھی نہیں بنے۔ آپ نے ان عہدوں کو قبول فرما کر خلق خدا کی خدمت

کی۔ عدل وانصاف قائم کرنے کی کوشش کی اور اپنے مستقل مشاغل علم وعمل اور تصنیف وتالیف وغیرہ سے کبھی غافل نہیں رہے۔ آپکا نصب العین قال اللہ وقال الرسول، تصنیف وتالیف، افادۂ خلق اور عبادت حق تھا۔ آپکا طرز حیات ع

از تو استغفار وز غیر تو استغنا کنم، تھا آپ زیادہ میل جول اور غیر ضروری ملاقاتوں کو پسند نہ کرتے تھے۔ گوشہ نشینی آپ کو محبوب تھی اور "خیر جلیس فی الزمان کتاب"۔ (دنیا میں بہترین ہمنشیں کتاب ہے) آپکا اصول رفاقت تھا۔ آپ کی قلبی پکار تھی سے

لقاء الناس لیس یفید شیئا ۔ سوی الھذیان من قیل وقال
(لوگوں سے میل جول قطعاً غیر مفید ہے ۔ اس سے بجز اس اور لایعنی گفتگو کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا)

بہت سے لوگ اس (خلوت نشینی کے) مزاج کو ناپسند کرتے ہیں اور ایسے لوگوں پر عموماً غرور وکبر وغیرہ کے الزامات عائد کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی زندگی کے سرمایۂ بے بہا کی قدردانی نہیں کرتے انھیں میں سے صاحب اخبار الصنادید بھی ہیں جنھوں نے ۔ خلاف واقعہ حضرت مفتی صاحب کے مزاج کی ترجمانی اس انداز سے کی کہ خود انھیں کے دل کا چھپا ہوا چور ظاہر ہوگیا۔ اور وہ اس الزام کا اپنی تصنیف میں کوئی ثبوت فراہم نہ کرسکے۔ نیز صاحب اخبار الصنادید نے جن مقامات پر اپنی اس تصنیف میں خوشامدی لوگوں کے واقعات بیان کیے ہیں یا جس جس مقام پر خوشامدی لوگوں کی پکڑ کی ہے حضرت مفتی صاحب کے متعلق وہ اس نوع کا ایک واقعہ نقل کرسکے نہ خوشامد کے کسی مقام میں وہ حضرت مفتی صاحب کو دکھا سکے۔ بلکہ حضرت مفتی صاحب کی حیات با برکات اس مرض سے بلند وبرتر تھی اور اس شعر کا حقیقی مصداق ہی ہے

سہ نہ ہم خوشامدی نہ خوشامد پسند ہیں ۔ یہ دونوں پستیاں ہیں ہم ان سے بلند ہیں

اگر آپ کی زندگی میں اس مرض کا شائبہ بھی ہوتا تو کوئی نہ کوئی تذکرہ نویس اس کا اظہار کرتا بلکہ جو اوصاف بسط اوقات اور علمی وعملی کاوشیں حضرت مفتی صاحب کا دستور حیات تھیں ان اوصاف کے حامل میں اس قسم کے امراض پیدا ہی نہیں ہوسکتے۔

کیا حضرت مفتی صاحب زاہد خشک تھے؟

ان مذکورہ بالا اوصاف کی وجہ سے ان کی زندگی اتنی قیمتی تھی وہ اپنے اوقات عزیز کو ضائع کرتا

پسند نہ فرماتے تھے اسی لئے بہت سے ایسے لوگ ان سے چڑتے تھے جو اپنے لمحاتِ عمر میں غفلت کا شکار رہتے چنانچہ بعض حضرات نے اسی وجہ سے ان کو "زاہدِ خشک" لکھ دیا ہے اور وہ لکھنے والے خود جدت زدہ قسم کے لوگ ہیں جن کی بات یوں بھی اہلِ دین کے نزدیک غیر معتبر ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ یہ طبقہ اپنی عمرِ عزیز کے اوقاتِ بے بہا کو کسی مفید دانسانی کام پر صرف کرنا پسند نہیں کرتا۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب کے استغناء عن الناس اور تحفظِ اوقاتِ عزیز (جو بلند ترین صفات ہیں) کو کج طبیعت و بدفہم لوگوں نے برائی و بداخلاقی پر محمول کر لیا ہے اور ان حضرات اہل اللہ کو اسکی پرواہ نہیں ہوتی ان کا دلی جذبہ تو یہ ہوتا ہے کہ سه

وہ نہ سمجھیں کہ تری بزم کے قابل نہ رہا
لوگ سمجھیں مجھے محرومِ وقار و تمکیں

حضرتِ مفتی صاحب کا سیاسی نظریہ

اہل نظر اس سے خوب واقف ہیں کہ ایک خلوت نشیں، صوفی منش اور علم و عرفان کے سمندروں میں ہمہ وقت غوطہ زن مردِ باصفا کو رواجی سیاست اور دنیوی لایعنی بکھیڑوں سے کوئی سروکار نہیں ہو سکتا۔ پھر فقیہ النفس انسان کی نظر ہمیشہ احکام شرع و اصول احکام پر مرکوز رہتی ہے وہ ہر پیش آنیوالے معاملہ کو نصوص پر پیش کرتا اور اس کا حکم اصول شرع کے موافق دیتا ہے اور عارف باللہ کا معاملہ تو یہ ہوتا ہے کہ "قلندر ہرچہ گوید دیدہ می گوید" اسکو فراستِ ایمانی و انوارِ عرفانی حاصل ہوتے ہیں اور وہ جو کہتا ہے روشنی میں کہتا ہے۔

اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ۔ اور بفضلہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب کو حق تعالیٰ نے ان تمام اوصافِ حمیدہ سے مزین و مالا مال فرمایا تھا وہ ایک طرف تو فقیہِ کامل بلکہ امام الفقہاء تھے اور دوسری طرف علوم باطنی میں بھی دستگاہ کامل رکھنے والے اور عارف کامل تھے۔ اسلئے آپ کے فتاویٰ آخری فیصلے کی حیثیت رکھتے تھے "الفتاویٰ السعدیۃ فی الفروع الحنفیۃ" (حضرت مفتی صاحب کا مجموعۂ فتاویٰ) اس پر شاہدِ عدل ہے۔

حضرت مفتی لطف اللہ صاحب نے ان فتاویٰ کا تعارف کراتے ہوئے تحریر فرمایا ہے

؛لانہا کانت مشتملۃ علی فوائد   فتاویٰ سعدیہ پہ شب و روز میری نظر

درر ونفائس غرر من تفصيل الاجمال
لم تنتظمها بعد بنان البيان وابكار
افكار واعراس اسرار من تسهيل
الاشكال لم يطمثهن قبل انس
ولا جان ومتضمنة لبيان انواع
العبادات خلت عنها فتاوى ابناء
الزمان وتبيان اقسام المعاملات
مست اليها حاجة الانسان
بل هي جنات تجري من تحتها الانهر
وروضات قدس تفتق فيها انوار
الانوار وحلاوة اثمار مبانيها
فائقة على العسل والسكر وروائح
رياحين معانيها ارجى من المسك
والعنبر كيف لا وقد رقمها
يراع من جدد بنيان علم
الفقه بعد ما اندرست مراسمه
وشيد اساس الافتاء غب ما
طمست معالمه بحر المعقول
والمنقول نهر الفروع والاصول
ذروة المجد الشامخ سنام الفضل
الباذخ امام الفقهاء الاعلام
مقدام الكملاء العظام كشاف
اصداف الفرائد قطاف ازهار
الفوائد المصقع المعروف والالمعي
اليهوف المستغني عن المديح

اسلئے مرکوز رہتی تھی کہ وہ اجمال کی تفصیلات
کے ایسے یکتا موتیوں اور عمدہ و روشن
حقیقتوں پر مشتمل ہیں کہ بیان کے پورے
جدید افکار اور اہل اسرار نے ہم شکل
مسائل اور ان کے اشکالات حل کر کے
اس انداز کی موتیوں کی لڑیاں نہیں
پروئیں کہ ان تک انس و جن میں سے کسی کی
رسائی ذہن نہ ہوئی ہو۔ اور یہ فتاویٰ
اقسام عبادات کے بیان پر اسطرح حاوی
تھے کہ اس دور کے مفتیان کرام کے فتاویٰ
ان سے خالی ہیں اور ان فتاویٰ میں ہر قسم کے
معاملات کی ایسی توضیحات موجود ہیں کہ
ہر انسان کو انکی احتیاج ہے بلکہ یہ فتاویٰ
ایسے خوشنما باغات ہیں جن کے نیچے
(حقائق کی) نہریں بہہ رہی ہیں اور یہ
عالم قدس کے ایسے چمن ہیں جن میں انوار
کے پھول کھلتے ہیں اور ان کے مبانی درختوں
کے پھلوں کی شیرینی شہد و شکر پر بھی
فوقیت رکھتی ہے اور ان کے معانی کے پھولوں
کی خوشبوئیں مشک و عنبر سے بھی زیادہ مہک
رہی ہیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ اس ذات
عالی کے قلم نے ان فتاویٰ کو لکھا ہے جسنے
علم فقہ کی بنیاد کی تجدید کی ہے اسکے بعد کہ
اسکے نشانات مٹ چکے تھے اور افتاء کی
بنیاد کو مضبوطی و سلامتی بخشی ہے

والتوصيف وهو الحريف المعظم يف
اعنى به والدى واستاذى فخيم
الشان عظيم الجاه المفتى محمد
سعد الله روح الله ثراه وجعل
الجنة مثواه الخ
مقدمة فتاوى السعديه
فى الفروع الحنفيه

اسکے بعد کہ انکی علامات محو ہو چکی تھیں اور
وہ معقول و منقول کے سمندر، فروع
واصول کے دریا، بلند بزرگی کی چوٹی، فضل
و برتری کے کوہان، بڑے بڑے فقہاء کے
امام اور بڑے بڑے کاملین کے پیشوا، یکتا
موتیوں کی سیپیوں کو کھولنے والے
محقق، فائدوں کے پھولوں کو چننے والے
نہایت ہوشیار فصیح، روشن دماغ
بلیغ ہیں جو تعریف و توصیف سے مستغنی
ہیں اور وہ صاحب عرفان رئیس عظیم الشان
ہیں میری مراد ان سے میرے والد محترم
استاذ معظم، عظیم الجاہ مفتی محمد سعد اللہ ہیں
حق تعالیٰ ان کو راحتِ قبر و مکانِ جنت عطا
فرمائیں۔

اتنی تفصیل ہم نے اسلئے بیان کی ہے کہ بعض علمائے ناقصین یا جدت پسند (ماڈرن ٹائپ) ناواقفین نے حضرت مفتی صاحبؒ کے بعض فتاویٰ پر لغو اعتراضات بھی کیے ہیں۔ مثلاً مسلمانوں کے کسی ایک مختصر سے گروہ نے گورنمنٹ انگلشیہ کے کسی قلعہ پر حملہ بول دیا اور اس کا نام جہاد رکھدیا۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے اس حرکت کے خلاف فتویٰ دیا۔ کیونکہ دراصل وہ جہاد نہ تھا بلکہ ملت اسلامیہ کیلئے ایک فتنہ بپا کرنا تھا حضرت مفتی صاحب ایسے حملہ کے قطعًا قائل نہ تھے نہ اسکو جہاد کہنے کیلئے تیار تھے جو ادچھا حملہ ہو اور ملت اسلامیہ کا اسمیں زبردست نقصان ہوجاتے۔ آپ سوچیئے کہ ایک مختصر و بے سروسامان جماعت ایک زبردست گورنمنٹ کے قلعہ پر حملہ آور ہوکر اسکی ٹکر برداشت کرسکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ چند آدمیوں کی اس قسم کی حرکت کے نتائج پوری قوم کو بھگتنے پڑتے ہیں چنانچہ اس نام نہاد جہاد کا انجام یہی ہوا۔ حضرت مفتی صاحب متبحر عالم و خلوت نشین بزرگ ہونیکے باوصف سیاست میں بھی کمال رکھتے تھے انکی سیاست نور شریعت

و نورِ بصیرت سے منور تھی وہ انگریزوں کے ہرگز حامی نہ تھے چنانچہ اودھ، رام پور، دہلی نجیب آباد میں نوابان نجیب آباد و رام پور کی انگریزوں کے خلاف جہاد اور استخلاص وطن کی جنگ میں وہ شریک اور نوابوں کے موقف کے حامی رہے ہیں اور اس سلسلہ میں انہوں نے بڑا حصہ لیا ہے۔

جنگ آزادی میں شرکت سے اِباء

حضرت مفتی صاحبؒ انگریزی اقتدار سے غیر منظم جہاد کرنے، یا کیف ما اتفق بغاوت کرنے اور اغیار کی شمولیت میں آزادی حاصل کرنے کے بھی حامی نہ تھے۔ کیونکہ ان کے نزدیک ان تینوں صورتوں میں ملتِ اسلامیہ کا نقصان اور مذہب اسلام و مسلمین کو عظیم خطرہ درپیش تھا۔ کیونکہ اول کی دونوں صورتوں میں نقصان و خسران کھلا ہوا تھا۔ تیسری صورت میں غلبۂ مشرکین بھی یقینی تھا اور فقہ کا مشہور اصول اذا ابتلیت ببلیتین فاختر اھونھما (جب دو مصیبتوں میں گرفتار ہو جاؤ تو آسان کو اختیار کرلو) ظاہر ہے کہ نصاریٰ کا اقتدار، مشرکین کے اقتدار سے بہتر تھا۔ اور اب تو اس کا ساری دنیا کو کھلی آنکھوں مشاہدہ ہو چکا ہے جس میں اب کسی جاہل مطلق یا دین برحق سے غافل و احمق کو بھی شک و شبہ باقی نہیں رہا۔ ہاں جن کے قلوب کفر سے مانوس ہو چکے ہیں وہ آج بھی اس حقیقت کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ اور اہل علم تو پہلے ہی سے قرآن مقدس کے آئینہ میں اس حقیقتِ واقعہ کا نظارہ کرتے ہیں مثلاً قرآن پاک کی آیت ہے۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى (سورۃ المائدہ)	یقیناً آپ یہود و مشرکین کو مسلمانوں کا سخت ترین دشمن پائیں گے۔ اور مسلمانوں کی محبت میں قریب ترین ان لوگوں کو پائیں گے جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں۔

اس قسم کی آیات سے یہ حقیقت واضح ہے کہ یہود و مشرکین کی بہ نسبت نصاریٰ کا معاملہ اہون ہے۔ اس وقت یہ ہمارا موضوع نہیں ہے اسلئے ہم اشارہ ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

منشاء یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب کا نظریہ سطحی اور سرسری نہ تھا یا اپنے ذاتی خیالات پر ان کے اس انداز کے فتاویٰ کی بنیاد نہ تھی بلکہ نصوص قطعیہ واحادیث نبویہ کی روشنی میں انہوں نے اس سلسلہ میں فتوے دیئے تھے۔ اور جن اکابر نے بغاوت یا جہاد کے اقدامات کیے تھے ان کی نیت بھی فاسد نہ تھی وہ بھی اہل علم تھے اور اجتہادی غلطی کا امکان ہر ایک سے ہے اسلئے ہم دونوں میں سے نہ کسی کی مذمت کرتے ہیں اور نہ ان حضرات کی باتوں کو پسند کرتے ہیں جو اپنی خواہشات نفسانیہ وخیالات فاسدہ یا جماعتی عصبیت کی بنیاد پر کسی کی توہین و مذمت کرتے ہیں۔ اللہم احفظنا منہ۔

علمائے زمانہ اور ہمارا طرز فکر

ہم اگرچہ سیاسی میدان کے شہسوار نہیں ہیں بلکہ مروجہ غیر انسانی سیاست کو ہم لعنت سے کم نہیں سمجھتے۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں کہ حق تعالیٰ نے ہم کو دل ودماغ اور آنکھوں سے محروم رکھا ہو ہم بفضلہ تعالیٰ نصوص کے آئینہ میں حقائق کی صورتیں دیکھ سکتے ہیں۔ ہم بہت سے تقدس مآب ثمغار اور نااہل جہلا رکیطرح اس کو بھی پسند نہیں کرتے کہ اپنی آنکھوں اور اپنے دل ودماغ کو معطل کرکے دوسروں کی آنکھوں سے دیکھیں اور دوسروں کے دل ودماغ سے سوچیں سمجھیں بلکہ ہم اس کورانہ تقلید کو بھی لعنت کا طوق سمجھتے ہیں۔ اسی طرح ہم شخصیتوں کو شریعت سے نہیں ناپتے ہیں شریعت کو اشخاص سے نہیں ناپتے جیسا کہ آج اس پارٹی بازی اور مخلوق پرستی کے دور کا عام مرض ہے۔ اور بڑے بڑے تقدس مآب اسمیں مبتلا ہیں جن حضرات کی زندگی فقاہت وفراست کی روشنی میں گذرتی ہے۔ جو لوگ تقویٰ وطہارت کے خوگر اور اتباع سنت وشریعت کے عادی ہیں ہم ان سے محبت رکھتے ہیں ان ہی اکابر سے سچی عقیدت رکھتے ہیں۔ اور کسی بھی بزرگ کو ناحق برا بھلا کہنا ناجائز و باعث محرومی خیال کرتے ہیں ؎

گرچہ ہم کو برا کہے کوئی ہم کسی کو برا نہیں کہتے

ہاں جس مقام پر ضرورت شرعیہ داعی ہو وہاں ہم کسی بھی رو رعایت کے قائل نہیں اور کسی کے تقدس ووجاہت اور قبولیت سے مرعوب نہیں ہوتے۔

علمار کی دو قسمیں: اس تمہید کے بعد ہم یہ ضرور لکھیں گے کہ ہماری نظر میں اہل علم کا طبقہ دو قسموں میں بٹا ہوا ہے (۱) وہ علمار جو ہر معاملہ کو نصوص اور شرعی اصول پر پیش فرما کر اس پر حکم صادر فرماتے ہیں۔ (۲) وہ جو ایک نظریہ قائم کر کے اس پر نصوص کو پیش کر کے راہ جواز تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے اول جماعت بنیاد دین و شرع کو بنا کر اس پر حکم کو مرتب کرتی ہے دوسرے گروہ کے نزدیک اصل اپنا خیال ہوتا ہے اور نصوص و اصول شرع کو کھینچ تان کر اس پر چسپاں کرنا اور عوام الناس کے نزدیک سرخ رو ہونے کی کوشش کرنا ہے۔

حضرت مفتی سعد اللہ صاحبؒ اول قسم کے علمار میں سے تھے اور ان پر اعتراض کرنے والے یا تو دوسری قسم کے لوگ ہیں یا ان کے اندھے مقلد جو آج تک مکھی پر مکھی مارتے کرتے رہے ہیں،

مجدد الملت، حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ بھی قسم اول کے علمار میں سے ایک اہم ترین شخصیت تھے گو ایک طبقہ ان کو بوریہ نشین، خلوت نشین اور دنیا کے حالات سے بے خبر ہونے کے طعنے دیکر اپنے طرز ناز بہاکی حسین توجیہ کرتا ہے لیکن یہ حقیقت روز روشن سے زائد عیاں ہو چکی ہے کہ اسی خلوت گزین و صاحب فراست انسان نے سیاسی بحران کے دوران جو کچھ فرمایا یا لکھدیا تھا وہ پتھر کی لکیر ہے ان حقائق کا قوم آج کھلی آنکھوں مشاہدہ کر رہی ہے اور اس اندھا دھند سیاسی کبڈی کے نتائج خوب بھگت رہی ہے آج بھی حکیم الامت کے ارشادات و تحریرات ان کی کتب "مسائل سیاسیہ" و "افاضات یومیہ" میں امت کے سامنے ہیں۔ اور وہ بانگ دہل پکار رہے ہیں

ے مستند ہے میرا فرمایا ہوا   سارے عالم پہ ہوں میں چھایا ہوا

دوسرے طبقہ کے برخلاف کہ ان کے بیانات خلاف واقعہ اور حسین وعدے طفل تسلیاں ہو چکے ہیں آج بھی دودھ کی نہروں کے وعدے خون کے دریاؤں کی شکل میں نمودار ہیں۔ آزادی مذہب کا تو حال یہ ہے کہ اذان و نماز سے لیکر حج تک قربانی سے لے کر داڑھی تک اور معاملات سے لیکر خیالات اسلام کی ہر چیز نذر آزادی ہو چکی ہے تبنیؔ، نفقۂ مطلقہ اور

مسلم پرسنل لا ہی کے مسائل درپیش نہیں جن سے اسلامیانِ ہند ایک زبردست کشمکش میں مبتلا ہیں ز ور کوٹ کا مسئلہ بھی درپیش ہے اب تو اس قرآن مقدس کو بھی اس سرزمین ہند پر برداشت نہیں کیا جارہا ہے جو مذہب اسلام کی بنیاد و اساس اور دستورِ حیات ہے یہ نتائج ہیں اس اندھی اور بے نور سیاست کے جو شرعی بندشوں اور قرآنی اصولوں سے آزاد تھی۔ انا للہ الخ

ہم بلاخوف تردید وملامت یہ ضرور کہیں گے کہ بعض حضرات سے اس مسئلہ میں اتنی زبردست غلطی ہوئی ہے (خواہ وہ اجتہادی غلطی ہو یا بالقصد ہم کسی کی نیت کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کرسکتے) کہ اسلامیانِ ہند کو کم از کم ایک صدی اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا کیونکہ امام کی غلطی کا اثر تمام مقتدیوں پر جسطرح ناگزیر ہے اسی طرح ایک لیڈر کی غلطی کے عواقب ونتائج پوری قوم کو بھگتنے پڑتے ہیں اور امام کی غلطی کا اثر صرف مقتدیوں پر پڑتا ہے لیکن لیڈر کی لغزش سے مقتدی وغیر مقتدی سب ہی متاثر ہوتے ہیں۔ ہمیں باوثوق طریقہ پر معلوم ہے کہ بعض حضرات کو اپنے اخیر وقت میں اسپر سخت ندامت بھی ہوئی تھی (اگرچہ خود کردہ را علاجے نیست) لیکن ان کے اندھے مقلدین ابھی تک کورانہ تقلید کے پابند ہیں۔ ؎

دیں فروشی عادتِ اربابِ ملت ہوگئی
کثرتِ کثرت میں گم مقصودِ وحدت ہوگیا

یہ سطور ہم نے قصداً سیاہ کی ہیں جس کا جی چاہے پسند کرے جس کا جی چاہے ناپسند کرے ہمیں اسکی پرواہ نہیں، نہ ہمیں داد مطلوب ہے نہ عادتِ فریاد۔ آہ یہ سب کچھ ملتِ مسلمہ کی بدقسمتی کے سوا کچھ بھی نہیں ؎

آپ بے شک بے خطا ہیں آپ بے شک بے قصور ؛ میری قسمت مجھکو آزارِ محبت ہوگیا

اور اب تو ہمارا یہ عالم ہے کہ ؎

بہت مدت سے یہ احساس بھی اسعد نہیں ہوتا ۔ کہ وقفِ یاس وناکامی ہماری زندگی ہے

اہل کمال کی فہرست میں

"اخبار الصناد ید" ہی میں ایک عنوان "نواب (کلب علیخاں) صاحب کی سرکار کے اہل کمال" کے تحت ایک ذیلی سرخی "علماء" قائم کرکے حضرت مفتی صاحب کا اسم گرامی

بھی اس میں ذکر کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:

"مولوی عبدالحق صاحبؒ خیرآبادی مؤلف ہدایۃ الحکمۃ و شرح مسلم الثبوت و جواہر الغالیہ فی حکمۃ المتعالیہ، حاشیہ حمداللہ و حاشیہ میر زاہد وامور عامہ وغیرہ۔ مولوی سعداللہ صاحب ابن مولوی نظام الدین مرادآبادی مؤلف القول المانوس فی صفات القاموس اور نور الصباح فی عثرات الصراح اور خلاصۃ النوادر اور نوادر البیان فی علوم القرآن اور رسالہ قوس و قزح اور شرح عمابئہ تہذیب اور نوادر الاصول فی شرح الفصول اور عروض باقافیہ وغیرہ (آگے چند علمائے اہل کمال کے ناموں کے بعد) مولوی لطف اللہ صاحب بن مولوی سعداللہ صاحبؒ

(ص ۳۰۲ / ج ۲ و ص ۳۰۳ / ج ۲)

تلامذۂ ذیشان

حضرت مفتی صاحب کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے حضرت علامہ مفتی لطف اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

"شاگردانش ہم ہزاراں ہزار و تصانیفش ہم بسیار و بے شمار"، (ان کے شاگرد بھی ہزاروں کی تعداد میں ہیں اور انکی تصانیف بھی بہت اور بے شمار ہیں)

آپ کے علمی فیوض سے مخلوق خدا بڑی تعداد میں فیضیاب و سیراب ہوئی ہے سب کا احاطہ ناممکن ہے البتہ چند شاگردوں کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں

(۱) حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ کیرانوی مہاجر مکی بانی مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ (۲) ملا محمد نجف صاحب ولایتیؒ (۳) مولانا حکیم عبدالکریم خاں صاحب رام پوری (۴) مولانا حکیم علی حسین خاں صاحب لکھنوی (۵) حکیم محمد ابراہیم صاحب لکھنوی (۶) مولانا ہادی علی صاحب لکھنوی (۷) مولانا انور علی صاحب لکھنوی (۸) مولانا شاہ عبدالغفار صاحب کانپوری (۹) مولانا شاہ عبدالحقؒ صاحب کانپوری (۱۰) حکیم فرزند علی صاحب شاہجہانپوری (۱۱) مولانا حکیم احمد سعید صاحب امروہوی (۱۲) حکیم شبیر علی صاحب امروہوی (۱۳) مولانا قمرالدین صاحب کاکوری (۱۴) مولانا عبدالملک صاحب رام پوری ثم الٹونکوی (۱۵) مولانا مفتی دوست محمد صاحب ولایتی مفتی ریاست ٹونک (۱۶) حضرت علامہ مولانا مفتی محمد لطف اللہ صاحب (۱۷) حضرت مولانا مفتی محمد بشارت اللہ صاحبؒ —

مؤخرالذکر دونوں حضرات حضرت مفتی صاحبؒ کے فرزندانِ ارجمند ہیں۔ ان سب حضرات کے علاوہ جناب نواب سید یوسف علی خاں بہادر والی ریاست رام پور کو بھی آپ سے شرف تلمذ حاصل تھا ان میں سے اکثر وہ تلامذہ ہیں جو دنیائے علم و عمل کے مہر و ماہ اور نجوم تاباں بن کر چمکے۔

نواب صاحب کی ناراضگی اور ترکِ وطن کا قصہ یوں تو ریاست رام پور کے حالات کے پیش نظر حضرت مفتی صاحب دل برداشتہ و کبیدہ خاطر تھے ہی لیکن ایک واقعہ نے آپ کو ترک رامپور کے فیصلے پر مجبور کر دیا اور وہ یہ کہ حضرت مفتی صاحبؒ کے پاس ایک مقدمہ آیا نواب سید کلب علیخاں نے حضرت مفتی صاحب کو طلب فرما کر مفتی صاحب کے سامنے مقدمہ کی نوعیت کی وضاحت کی مفتی صاحب نے فرمایا کہ مدعی و مدعی علیہ جب حاضر عدالت ہوں گے تو ثبوت و عدم ثبوت پر جو شرعی فیصلہ ہوگا وہ کیا جائے گا نواب صاحب نے فرمایا ہم آپ کے سامنے حقیقت حال بیان کر رہے ہیں مفتی صاحب نے فرمایا کہ مقدمہ سرکار کے پاس بھیجدوں سرکار فیصلہ کر دیں نواب صاحب نے غصہ سے فرمایا آپ اسکی روشنی میں فیصلہ کریں مفتی صاحب نے فرمایا میں شرعی اصول ہی پر فیصلہ کرونگا سرکار اگر یہ فیصلہ چاہتے ہیں تو میں یہ لکھے دیتا ہوں کہ سرکار کا یہ فیصلہ ہے اس پر نواب صاحب اپنے رخ پردہ کھینچ دیا اور اسکے پیچھے چلے گئے جو ناراضگی کی علامت تھی حضرت مفتی صاحب اٹھ کر مکان واپس آگئے اور نواب صاحب کی نہ خوشامد کی نہ معافی مانگی بلکہ ترک رام پور کا قصد کر لیا۔ مگر چند یوم کے بعد حضرت مفتی صاحب کا اچانک وصال ہو گیا نواب صاحب کو جب آپ کے وصال کی اطلاع ہوئی تو ایک آہ بھری اور کہا کہ ہم تو اپنے مفتی صاحب کو منانے کیلئے حاضر خدمت ہونے کا ارادہ کر رہے تھے افسوس کہ وہ رحلت فرما گئے۔ (مولانا محمد اللہ صاحب نقلاً عن مولانا عبدالسلام رامپوری)

وفات حسرت آیات اخیر عمر میں رام پور کے حالات کی تبدیلی سے خصوصاً واقعہ مذکورہ سے اکتا کر رام پور سے ترک ملازمت کا ارادہ ہو گیا تھا۔ اسی حال میں آپ کو ریاست بھوپال نے عہدۂ قضا کی دعوت دی جو آپ نے قبول فرمائی اور ماہ رمضان ۱۲۹۰ھ میں بھوپال منتقل ہونے کی تیاری شروع

ی کر عمر کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور ۱۴ ر رمضان ۱۲۹۴ھ م ۲۲ ر ستمبر ۱۸۷۷ء یکشنبہ
النج کے عارضہ سے روزہ کی حالت میں جبکہ قصیدۂ بردہ کا درس دے رہے تھے
، نے داعیِ اجل کو لبیک کہا انا للہ وانا الیہ راجعون اس وقت آپ کی عمر
شریف چھہتر سال تھی۔ حضرت شاہ عبداللہ بغدادی کے مزار پر انوار کے متصل
عید کی منڈیر کے پاس، مدفون ہوئے۔ طاب اللہ ثراہٗ وجعل الجنۃ مثواہٗ
ٹ:- ندوۃ العلماء لکھنؤ میں جو چارٹ لگا ہوا ہے جسمیں لکھا ہے کہ حضرت مفتی سعد اللہ
ب کا انتقال لکھنؤ میں ہوا وہ غلط ہے۔

یخ وفات حسرت آیات

حضرت مفتی صاحب رح کی تاریخ وفات بہت سے حضرات نے کہی ہے۔ حضرت مفتی لطف اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ سب سے اول علامہ افضل متکلم جلیل، مناظر نبیل مولانا حکیم محمد لطف اللہ صاحب لکھنوی رح نے اور ان کے بعد صدر ایوان سخن مولانا عبدالعلی صاحب مدراسی لکھنوی ص بہ آسی نے اسی زمین اور قافیہ و ردیف پر تاریخ کہی ان دونوں حضرات کی منظومات حضرت مفتی صاحب کے اوصاف و کمالات و حالات بھی آگئے ہیں اسلئے ہم صرف ان دونوں ات کی منظومات تاریخیہ بزبان عربی و فارسی و اردو ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

تاریخی مصرعے یہ ہیں۔

از مولانا لطف اللہ صاحب لطف	از مولانا عبدالعلی صاحب آسی
قیل مثواہٗ طاب طیب ثراہٗ ۱۲۹۴ھ	(۱) مات مفتی الانام سعد اللہ ۱۲۹۴ھ
رضوان زجنت آمد و جنت خرام گفت ۱۲۹۴ھ	(۲) بشگفت روح از نسیم جناں بگفت ۱۲۹۴ھ
آسماں کہتا ہے وہ عرش خدا کے پاس ہے ۱۲۹۴ھ	(۳) بر ملا وہ زیر عرش نبی کے پاس ہے ۱۲۹۴ھ
	(۴) عرش کے سائے میں معصومان حق کے پاس ہے ۱۲۹۴ھ
	(۵) بول اٹھا رضواں کہ رضوان جناں کے پاس ہے ۱۲۹۴ھ

(۱) قصیدۂ عربیہ تاریخیہ

للعلامة الفائق والطبيب الحاذق مولانا محمد لطف الله لطف لکھنوی

(ترجمہ از مؤلف)

جامعا للفضائل والجاه ‏ — ‏ لم تر العين مثل سعد الله
وہ بزرگیوں اور مرتبہ کے ایسے جامع تھے ‏ — ‏ کہ آنکھ نے "سعد اللہ" جیسا نہیں دیکھا

فی کمال الذین هم برعوا ‏ — ‏ فاق اترابه کما سنراه
کمال میں انکو (بھی)، جو فائق ہیں ‏ — ‏ وہ اپنے ہم عصروں پر فوقیت لیگئے جیسا کہ ہمکو معلوم

ما رأی الناس فی دعاء الدهر ‏ — ‏ قاضیا مفتیا لما افتاه
لوگوں نے زمانہ بھر میں کوئی ان جیسا ‏ — ‏ قاضی و مفتی نہیں دیکھا

عاش فی رامفور کم سنة ‏ — ‏ مسندا مسند القضا نقضاه
ایک مدت رام پور میں مسند قضا پر متمکن رہکر ‏ — ‏ زندگی گذاری پھر اس کو خیرباد کہہ دیا

فیه لما رأی من الآفة ‏ — ‏ شد منه الرحال واستعفاه
جبکہ اسمیں فتنہ دیکھا تو ‏ — ‏ استعفاء دیکر سفر کی تیاری کر لی

لقضاء البفال التمسوا ‏ — ‏ فتهیا له علی تقواه
تاکہ بھوپال میں قاضی بن جائیں اہل بھوپال نے ‏ — ‏ ان سے اسکی درخواست کی تھی تو وہ تیار ہوگئے تھے اپنی احتیاط کی

بغتة جاء فی تهیئه ‏ — ‏ ملك الموت من لدی مولاه
تیاری سفر کے دوران ان کے مولا کے پاس سے ‏ — ‏ ملک الموت تشریف لے آئے

قال قم فانطلق الی ربك ‏ — ‏ قال لبیك ذلك فضل الله
فرمایا اٹھیے اور چلئے اپنے رب کے پاس ‏ — ‏ انہوں نے لبیک کہا یہ اللہ کا فضل ہے

فتوفی خلال شهر الصوم ‏ — ‏ صائما قائما فیا اسفاه
چنانچہ وسط رمضان میں آپ کی وفات ہوگئی دراں حالیکہ آپ صیام و قیام کر رہے تھے ہائے افسوس

ان اذ ذالک قصدہ العقبیٰ	مات فی قرب ترکہ دنیاہ
ب آپکا دار آخرت کیطرف کوچ کرنے کا ارادہ	ہوا تو ترک دنیا کرنے کے بعد انتقال فرمایا
انا اللطف خضت تاریخا	لسنی موتہ وما افناہ
یں (لطف) نے تاریخ میں غور کیا	یعنی آپ کی موت اور فوت کے سال میں

تلوجہ الجمیل بالبشریٰ
تو واہ واکیتے عمدہ طریقہ پر تاریخ نکلی
قیل مثواہ طاب طیب ثراہ
کہا گیا ان کا ٹھکانہ عمدہ ہے اچھا ہے ٹھکانہ ان کا

قصیدۃ عربیۃ تاریخیۃ (٢)

العلامۃ مولانا محمد عبد العلی آسی الکھنوی المدراسی

ا جریٰ ذکر فضلہ بالجاہ	فی جمیع الوریٰ علی الافواہ
ب کی بزرگی و مرتبہ کا ذکر ساری	مخلوق کی زبانوں پر جاری ہے
لہ العلم والتقیٰ طرا	جاء بالحق والہدیٰ فتواہ
علم و تقویٰ کے تمام کمالات سے متصف تھے	اور آپکا فتویٰ حق و ہدایت سے مزین ہوتا تھا
یب الخطمطم الیہوف	والادیب المصیح الاواہ
ب علم کے بحر زخار و ہوشیار عالم	اور صاحب بلاغت و فصاحت ادیب تھے
ا التصانیف صاحب التدریس	یستفید الانام من فتیاہ
ب صاحب تصانیف کثیرہ مصنف اور (بہترین) معلم تھے آپکے فتوے سے دنیا فائدہ اٹھاتی تھی
ھی العلم مبتدیہ ھدیٰ	کبراء الاکابر صغراہ
ل العلم رہبران کے مقابلہ میں مبتدی تھے	اور بڑوں کے بڑے ان کے چھوٹے تھے
لہ لا مثیل فی الامثال	ولہ لا شبیہ فی الاشباہ
ا کے ہم عصروں میں نہ کوئی ان کا ہمسر تھا	اور نہ ان جیسوں میں کوئی ان جیسا تھا

درس العلم کلہ نفعا — علم الفن جلہ و بلا
تمام علوم کی تعلیم انہوں نے نفع رسانی کیلئے دی — اور تمام فنون سکھلائے اور ظاہر فرما

مجمع الفضل مخزن البرکات — منبع العقل معدن الاکنا
تمام بزرگیاں اور برکات ان میں جمع — اور محفوظ تھیں وہ سرچشمۂ عقل اور رازہا کا سرچشمہ

عجز النطق عن فضائلہ — حارت الاتقیا من تقوا
گویائی ان کے فضائل بیان کرنے سے عاجز ہے — اور متقی حضرات بھی انکے تقوے میں حیران

مامن الریب فی تبحرہ لا — شبہۃ لا نرٰی عیون جیا
آپ کے تبحر علمی میں کوئی شک و شبہ نہیں آپ — جیسا پیشاموں کی آنکھیں نہ دیکھ پائیں

ھبرزی محقق ث نرق — لم یجیٔ قط فی العلوم سو
آپ بڑے ماہر عالم، نہایت فصیح و بلیغ ادیب بحد تیز عقل و فہم والے انسان تھے علوم میں آپ جیسا جامع الکمالات

کان سعدا بل اسعد السعدا — انما سعدہ لا یسعد الد
آپ نیک بخت تھے بلکہ نیک بختی کو آپ سے نیک بختی حاصل ہوئی اور آپ کی سعادت عطائے خداوندی ہے

ھو فجاءۃ فکان مفلوجا — وسط رمضان مات یا اسفا
آپ پر اچانک فالج کا حملہ ہوا اور وسط رمضان (پنجشنبہ روزہ) کو وفات ہوئی ہائے افسوس

سعدہ قال انی سعد یلث — ملک الموت حین جاء انا
قریب مرگ جب ملک الموت تشریف لائے تو — انھوں نے لبیک کہا

صائما کان عند قبض الروح — ذاکرا لا الہ الا اللہ
اور جاں کنی کے وقت آپ روزہ دار تھے — اور لا الہ الا اللہ (کلمہ طیبہ) کا ذکر کر رہے

ھو فی الرام صور مرموس — جعل اللہ جنۃ مثوا
وہ رام پور میں مدفون ہیں — اللہ تعالیٰ جنت کو ان کا ٹھکانہ بنادے

فاظ من ناظ رب فی الدنیا — لا فاضانہ ادم ضیفتا
جسکو موت آگئی وہ مرگئے اے پروردگار — ان کے فیوض کو جاری رکھنے کیلئے انکی نسل کو

مصرع الارخ انشد الاسی — مات مفتی الانام سعد اللہ
تاریخ کا مصرعہ پڑھا اے آستی — مرگئے مفتی انام سعد اللہ رحمہ اللہ

۱۲۹۴ھ

تاریخ ثانی در فارسی از حضرت لطف موصوف

چوں مفتی زماں بزبینِ عدم نہفت
بیدار چشم فضل وہنر زیر خاک خفت

گم کرد رحلتش زِ مدارس علوم را
طلاب را برشنۂ اندوہ جہل سُفت

دلہائے خلق از غلش خارایں الم
شد مثلِ غنچۂ کہ نخندید دہ نشگفت

اے کاش نیز بمردے کز زیست را
چو خاک رہ زِ قالب کا واک پاک رفت

القصہ لطف از پئے تاریخ رحلتش
رضواں زجنت آمد وجنت خرام گفت

۱۲۹۴ھ

ایضاً در فارسی از حضرت آسی مدراسیؒ

صد حیف وصد دریغ وصد افسوس صد الم
کان آفتاب علم وعمل زیر خاک خفت

یں صدمۂ کہ تیغ غمش دل دو پارہ کرد
ایں ماتمی کہ تیر ملالش جگر بسفت

ز چشم اہلِ فن شب دیجور رو نمود
روزیکہ او بخاک لحد ردی خود نہفت

ز گلزار بینِ عقلی ونقلی باب ورنگ
از نخلبندیش گل ہر علم دفن شگفت

تحقیق یک کنبزکش آمد چو خاکروب
کز صحنِ گلستان یقیں خارشبہ رفت

رضواں باآسی از پئے تاریخ رحلتش
بشگفت روح از نسیم جناں بگفت

۱۲۹۴ھ

تاریخ ثالث در اردو از حضرت لطف

س جہانِ بے بقا کی زیست چند انفاس ہے
یہ وہ گل ہے خوشنما جس میں نہیں بو باس ہے

ں بھروسے پر کرے کوئی یہاں دل بستگی
موت تو سر پر کھڑی ہے اسکو کس کا پاس ہے

اس کے نیچے سے نہ چھوٹا ہے نہ چھوٹے گا کوئی — آپ دیوانِ قضا ہیں وہ سراجا اس ہے
فی الحقیقت تنگ چشم موت کی نیچی نگاہ — کشت زار زندگی کی جا رخ کو کمیاس ہے
آہ حق آگاہ سعد اللہ نے پائی وفات — اس الم سے سبکو اپنی زندگی سے یاس ہے
بارکوہ رنج و درد و بیقراری کے سبب — عیش کا دل تنگ ہے عشرت کی ٹوٹی آس ہے
بوریائے غم پہ غمدیدہ پڑے ہیں نیم جاں — ہوش کیسا یاں معطل قوتِ حساس ہے
فتنۂ ماتم بپا ہے صحبتِ احباب میں — اشکبار آنکھیں ہیں چہروں پر نمود آماس ہے
ناز و نعمت میں ہے وہ اسپر نہ رونا چاہیے — عالم بالا سے حاصل اسکو استیناس ہے

لطف سے کیا پوچھتے ہو اس کا تاریخی مقام
آسمان کہتا ہے وہ عرشِ خدا کے پاس ہے
۱۲۹۴ھ

ایضًا بزبان اردو از حضرت آسی مدراسی رح

کیا ہے دنیا نام ہے نیرنگیوں کے باغ کا — جیسے رنگا رنگ ہے نرگس گلِ عباس ہے
اسکے رنگوں میں ہے زہر یلا اثر دل لینے کا — اسکے پھولوں میں نہیں دل دینے کی بوباس ہے
وہ نہ ہوگا مائل اسکے حسنِ صورت پر کبھی — جسکو اسکی قبح سیرت کا ذرا احساس ہے
لیکن اسکو کیا کوئی بہکائیگا باطل کے ساتھ — جسکے پاس ارشادِ حق کی راہ کا نبراس ہے
ہے سمجھنے کے لیے کافی یہ مضمونِ حدیث — حُبِّ دنیا سب بڑے چھوٹے گناہ کا راس ہے
واہی اور بے سود اس دنیا کی ہے سب گفتگو — نخوادر بیہودہ اس دنیا کی سب بکواس ہے
یہ وہ ہستی کا ہے دریا نیستی ہے جس کا آب — اول و آخر فساد اس کون کا مقیاس ہے
فرصت اسمیں مرنے کی ہے اک نفس سے بھی قلیل — مہلت اسمیں جینے کی مقدار چند انفاس ہے
اس دو روزہ زندگی پر کوئی اترائے کیا — اسکا ہے احساس اسی کو جو کوئی حساس ہے
دیکھیے وہ مفتیِ علامہ سعد اللہ آج — اٹھ گئے دنیا سے اس انکی سراسر یاس ہے
حیف صد حیف ایسے قاضی ایسے مفتی چل بسے — آجکل قاضی قضا کا سر اجب لااس ہے
آہ صد آہ ایسے عالم ایسے فاضل اٹھ گئے — جس کو سنکر زندگی سے سبکی ٹوٹی آس ہے

روتے روتے طالبانِ علم کا پوچھو نہ حال — پڑ گئے آنکھوں میں حلقے چہروں پر آماس ہے
مثل اس علامہ سعد اللہ کے ہے سعد وہ — جسکو اس دنیا نے دول میں دینِ حق کا پاس ہے
اس جہاں میں بھی وہی ماجور عند اللہ ہے — اس جہاں میں بھی وہی مشکور عند الناس ہے
عالمِ سفلی کو چھوڑا آخر اسکی روح نے — عالمِ علوی سے اسکے دل کو استیناس ہے
وہ خدا سے راضی اور اس سے خدا راضی ہوا — روضۂ رضواں میں وہ با خبر بے وسواس ہے
خود سمندِ کلک جولاں واسطے تاریخ کے — جادہ پیما تے سوادِ عرصۂ قرطاس ہے
پوچھا آسی نے جو تاریخی تقرب کا مقام — بول اٹھا رضواں کہ رضوانِ جناں کے پاس ہے ۱۲۹۴ھ
دوسری تاریخ میں ہے اس سے بڑھکر قربِ حق — عرش کے سایے میں معصومانِ حق کے پاس ہے ۱۲۹۴ھ

تیسری تاریخ میں ہے اس سے بھی برتر مقام
برملا وہ زیرِ عرش احمد نبی کے پاس ہے ۱۲۹۴ھ

مولانا محمد یحیٰ صاحب نے جو تاریخ وفات کہی وہ یہ ہے

تاریخ وفات گفت یحیٰ — گنجینۂ علم و فضل صد آہ ۱۲۹۴ھ

باقیاتِ صالحات

حضرت مفتی صاحب نے پچاسوں کتابوں اور ہزاروں شاگردوں کے علاوہ باقیات صالحات میں دو فرزند ارجمند جلیل القدر وعظیم المرتبہ چھوڑے جن سے امت مسلمہ فیضیاب ہوئی۔

(۱) حضرت علامہ مولانا مفتی محمد لطف اللہ صاحبؒ (۲) حضرت مولانا مفتی بشارت اللہ صاحبؒ

حضرت علامہ مولانا مفتی محمد لطف اللہ صاحب قدس سرہٗ

ولادت ۱۲۴۴ھ وفات ۱۳ ربیع ۲/ ۱۳۳۱ھ

ولادت، تعلیم اور عمدہ کارنامے حضرت اقدس علامہ مولانا مفتی محمد سعد اللہ صاحبؒ کے خلف اکبر حضرت علامہ مولانا مفتی محمد لطف اللہ صاحبؒ تھے آپ کی پیدائش ۱۲۴۴ھ میں شہر لکھنؤ میں ہوئی تاریخی نام ظہور الحق ہے اپنے والد محترم و دیگر اساتذہ ریاست رام پور سے فارسی، عربی اور طب پڑھی فراغت کے بعد تعلیم و تدریس کے سلسلہ میں لگ گئے۔ مدرسہ عالیہ میں ابتداءً مدرس اول مقرر ہوئے پھر بھوپال میں منتظم بخشی گری ہوئے حضرت مفتی محمد سعد اللہ صاحبؒ کی وفات کے وقت رام پور تشریف لائے تو نواب سید کلب علی خاں بہادر، خلد آشیاں .. والیٔ رام پور نے حضرت مفتی صاحب مرحوم کی جگہ ان کو قاضی و مفتی اور حاکم مرافعہ مقرر کیا۔ نماز عیدین بھی آپ ہی پڑھایا کرتے تھے۔ نہایت پرہیزگار و شب بیدار تھے۔ تبحر علمی مسلّم ہونے کے ساتھ اشاعتِ علومِ دینیہ کا شوق، عشق کی حد تک تھا۔ آپ نے ریاست رامپور میں ایک مدرسہ بنام "مدرسہ انوار العلوم" جاری فرمایا اور اسمیں اپنے پاس سے بھی بہت کچھ صرف فرمایا۔ مدرسہ مذکورہ کا شہر سے بھی کافی چندہ ہوتا تھا۔ حضرت مفتی صاحب نے جب مرافعہ کا کام چھوڑ دیا تو مدرسہ کی حالت بھی ابتر ہونے لگی مگر وہ برابر مصروف کار رہے اور محنت و جد و جہد فرما کر مدرسہ کو تادم واپسیں قائم و جاری رکھا۔

صاحب "تذکرۂ کاملانِ رام پور" حافظ احمد علی صاحب شوقؔ لکھتے ہیں کہ:

"الحمدللہ کہ اب وہ مدرسہ راقم السطور کے زیرِ اہتمام چل رہا ہے یہ مفتی صاحب کا فیض جاری ہے اور حسن نیت کا نتیجہ ہے۔

حضرت مفتی صاحب کے خاندان کے بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ "جامعہ فرقانیہ رام پور" کے نام سے جو ادارہ ہے یہ وہی مدرسہ ہے۔ واللہ اعلم۔

عدل و حق گوئی

حضرت مفتی صاحب نہایت حق گو، حق شنو اور حق پسند انسان تھے اسلئے وہ عدالت کے معاملات میں اپنے والد محترم کیطرح کسی شخصیت کی دخل اندازی کو پسند نہ فرماتے تھے۔ اور انتہائی جری تھے اسلئے کسی بڑے سے بڑے انسان سے اور کسی کی وجاہت و مرتبت سے مرعوب نہیں ہوتے تھے۔ پوری ریاست میں آپ کے عدل و انصاف کی شہرت اور حق پسندی و جرأت کا چرچا تھا نواب سید کلب علی خاں بہادر "خلد آشیاں" کے انتقال کے بعد ۱۹۰۶ء میں آپ کی پنشن ہوگئی تھی۔

علمی مساعی اور مطالعہ کا شوق

آپ کو آغازِ عمر ہی سے علم کی طلب بلکہ "حرص شدید" حق تعالیٰ شانہٗ نے عطا فرمائی تھی اسی طلب پر اخیر عمر تک قائم رہے اپنے والد ماجد علیہ الرحمہ کی طرح آپ بھی خلوت نشیں تھے، الگ تھلگ رہنا پسند فرماتے آپ نے پوری زندگی تحصیل و اشاعت علومِ دینیہ میں بسر فرمائی۔ مطالعہ کتب کا اسی ایک بات سے اندازہ لگائیے کہ فقہ و فتاویٰ کی مشہور ضخیم کتاب "فتاویٰ عالمگیریہ" کا انھوں نے بالاستیعاب (از اول تا آخر) سولہ بار بنظرِ غائر مطالعہ فرمایا تھا۔

ازواج و اولاد

حضرت مفتی لطف اللہ صاحبؒ کی دو بیویاں تھیں ایک ایرانی ایک ہندوستانی اور دونوں سے ہی اولاد ہوئی ہے۔ آپ کی ایرانی نسل بیوی "سیدہ" تھیں۔

اور ایرانی بیوی کا واقعہ یہ ہوا کہ کوئی ایرانی تاجر بمبئی میں بسلسلۂ تجارت فروکش ہوئے وہاں وہ بیمار ہوگئے اُن کے ہمراہ دو بچے تھے ایک لڑکا اور ایک لڑکی

وکیل مرزا احسن صاحب رام پوری کے والد صاحب بمبئی میں تھے اور ان تاجر صاحب سے دعا رسلام اور تعلق تھا اسلئے ان تاجر صاحب نے مرزا صاحب کو اپنا وصی بناکر مال و اولاد ان کے حوالہ کر دیئے اور انتقال کر گئے مرزا صاحب ان تاجر صاحب کے مال اور دونوں بچوں کو رام پور لے آئے اور ان دونوں بچوں کی پرورش کی لڑکا تو جوان ہوکر اپنے وطن ایران واپس چلا گیا۔ اور لڑکی کا نکاح حضرت مفتی صاحب سے ہوگیا۔ دوسری بیوی مراد آباد یا رام پور کی تھیں (علی اختلاف الروایۃ) غالبًا وہ اصل مراد آباد کی رہنے والی تھیں اور لنگر خانی گلی رام پور میں ان کا قیام تھا۔ وہیں سے ان کا عقد حضرت مفتی صاحب سے ہوا واللہ اعلم۔

زوجہ ایرانیہ سے تین اولاد ہوئیں (۱) حضرت مولانا حکیم فضل اللہ صاحب (۲) جناب مولانا شکر اللہ صاحب (۳) مسماۃ حبیبہ جان صاحبہ دوسری بیوی سے چار لڑکے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں (۱) ظہور اللہ (۲) نعمت اللہ (۳) رحمت اللہ (۴) محفوظ اللہ (۵) مسماۃ منو (۶) مسماۃ راشدہ۔

مولانا حکیم فضل اللہ صاحب کی اولاد

آپ کی اولاد چھ بیٹے اور ایک بیٹی ہوئیں۔ بیٹے علی الترتیب یہ ہیں (۱) انضل اللہ صاحب (۲) انوار اللہ صاحب (۳) اسرار اللہ صاحب (۴) انصار اللہ صاحب (۵) طاہر اللہ صاحب (۶) محمد ہاشم صاحب۔ ان میں سے اس وقت جناب انصار اللہ صاحب سہارنپور میں تشریف فرما ہیں اور معذور ہیں اور محمد ہاشم صاحب پاکستان میں بقید حیات ہیں۔ باقی تمام حضرات مع خاندان رام پور میں ہیں۔

جناب سعادت النساء صاحبہ حضرت موصوف کی صاحبزادی ہیں اور اولاد میں سب سے بڑی ہیں۔

آپ ہی صاحب تذکرہ حجۃ الاسلام حضرت اقدس ناظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ اور حضرت مولانا محمد اللہ صاحب وغیرہ کی والدہ محترمہ ہیں جو بفضلہ تعالیٰ باحیات و بابرکات ہیں حق تعالیٰ ان کے سایۂ عاطفت و رحمت کو دراز فرمائے حضرت مولانا مفتی حکیم فضل اللہ صاحب کی زوجۂ محترمہ کا نام کنیز النساء بیگم تھا

ان کے حقیقی چچا زاد بھائی ذوالفقار اللہ صاحب ہیں جو جنتا گورنمنٹ میں کیمنٹ منسٹر رہ چکے ہیں اور ہندوستان کی مسلم سیاسی تاریخ میں ان کا اور ان کے خاندان کا نام ممتاز ہے الہ آباد میں ۔ نور منزل جو ایک مشہور و معروف مسلم تحریکات کے لئے مرکزی حیثیت کا حامل مقام ہے وہاں ان کا قیام ہے حضرت مفتی حکیم فضل اللہ صاحب مانا واڑ کاٹھیاواڑ میں ۱۹۴۴ء تک مفتی ریاست کی حیثیت سے رہے ۲۴ رجب ۱۳۸۶ھ م ۱۰ ر اکتوبر ۱۹۶۶ء پیر کے دن ایک بجکر پانچ منٹ پر حضرت موصوف کا سہارنپور میں جد الاسلام حضرت ناظم صاحب کے دولتکدہ پر انتقال ہوا سوا چار بجے دار الطلبہ قدیم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی ۔ اور احاطۂ حاجی شاہ کمال میں ڈاکٹر برکت اللہ صاحب مرحوم کی قبر کے برابر میں جانب شرق شام کو ساڑھے پانچ بجے تدفین عمل میں آئی رحمہ اللہ تعالیٰ

جناب مولانا شکر اللہ صاحب اور انکی اولاد

جناب مولانا شکر اللہ صاحب گو باقاعدہ عالم نہ ہوسکے تھے لیکن اردو، فارسی، عربی، انگلش وغیرہ دینی و دنیوی معتد بہ علوم سے آراستہ و پیراستہ تھے ۔ آپ کی بھی دو بیویاں تھیں ایک عربی النسل تھیں جو نواب سید حامد علی صاحب بہادر کے پیشکار حافظ صاحب کی بیٹی تھیں ان سے ایک لڑکا پیدا ہوا تھا لیکن ان دونوں (ماں اور بیٹے) کا انتقال ہوگیا تو آپنے دوسری شادی خوشنودی بیگم رام پوری سے کی ان سے چار بیٹے پیدا ہوئے اور تادم تحریر چاروں مع کثیر اہل و عیال بقید حیات رام پور میں ہیں ۔

(۱) حکیم ڈاکٹر شفیع اللہ صاحب ۔ آپ ایک معمر و متدین، زندہ دل بزرگ، طبیب حاذق، بہترین خوش کلام پُر گو شاعر ہیں سید نگر ضلع رام پور کے قریب ہے ضلع نگر میں آپکا مکان اور صحرائی جائداد ہے وہیں آپ کا مطب ہے ۔ جس سے خلق خدا کو بہت فیض ہے صاحب اولاد ہیں انکی پہلی بیوی سے ایک لڑکی نذیر جہاں پیدا ہوئیں جو بقید حیات و صاحب اولاد ہیں دوسری بیوی سے

علی الترتیب چھ اولاد ہیں محموداللہ صاحب فریدہ صاحبہ زوجہ عظمت اللہ صاحب ابن عزیز اللہ صاحب ڈاکٹر مختار احمد صاحب (ان کا مطب سبیدنگر ضلع رام پور میں ہے) ڈاکٹر عطاء اللہ صاحب (اچھے ڈاکٹر طبیب حاذق اور خوشگو شاعر ہیں) ان کا مطب لال پور ضلع رام پور میں ہے ریاض الدین صاحب۔ رفعت اللہ صاحب یہ لوگ اپنی کھیتی باڑی اور کاروبار میں مصروف ہیں اور سب صاحب اہل وعیال ہیں

(۲) عزیز اللہ صاحب۔ ان کی سات اولاد علی الترتیب ہیں ضیاء اللہ صاحب کرامت اللہ صاحب مرحوم۔ سلامت اللہ صاحب۔ عظمت اللہ صاحب نعیم اللہ صاحب امیر جہاں صغیر جہاں۔ یہ بھی سب لوگ خوشحال وصاحب اہل وعیال ہیں۔

(۳) قدرت اللہ صاحب:۔ ان کے تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔ وصی اللہ صاحب سمیع اللہ صاحب، رضاء اللہ صاحب، کہکشاں صاحبہ۔ ریشماں صاحبہ۔ یہ بھی سب لوگ خوشحال و برسرکاروبار ہیں۔

(۴) حفیظ اللہ صاحب:۔ یہ قطر میں مقیم ہیں ان کی اولاد میں چار لڑکیاں نیر بی صاحبہ۔ کوثر بی صاحبہ۔ اختر بی صاحبہ، انور بی صاحبہ اور تین لڑکے صادق اللہ، راشد اللہ اور ساجد اللہ ہیں جو کافی متمول وخوشحال ہیں۔

(۳) **محترمہ جبیبہ جان صاحبہ** یہ حضرت علامہ مفتی محمد لطف اللہ صاحب کی صاحبزادی ہیں بحمداللہ نادم تحریر بفضلہ حیات ہیں انکی عمر سو سال سے متجاوز ہے ان کا عقد حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب سے ہوا تھا۔ موصوف اول مدرسہ عالیہ رام پور میں مدرس رہے پھر عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد میں استاذ کی حیثیت سے رہے حیدرآباد کی جامع مسجد کے خطیب وامام بھی رہے وہیں وفات ہوئی ان کے ایک لڑکے قطر میں استاذ ادب ہیں اور ایک پوتے بھی وہیں کسی ادارہ میں معلم ہیں۔ بفضلہ تعالیٰ محترمہ جبیبہ جان صاحبہ کے گیارہ بیٹے ہیں جن میں سے کچھ تاجر ہیں اور کچھ بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔ ایک عرصہ سے محترمہ جبیبہ جان معہ اہل وعیال گلشیکر بنگلور (کرناٹک) میں مقیم ہیں۔ آپ کے صاحبزادے یونس میاں خاص طور پر آپ کی خدمت میں رہتے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی لطف اللہ صاحب کی دیگر اولاد

جو حضرت مفتی لطف اللہ صاحبؒ کی چار اولاد ظہور اللہ وغیرہ ہیں ان کے تفصیلی حالات معلوم نہیں ہو سکے

حضرت مفتی صاحبؒ کی اولاد کو دنیوی خوشحالی، دولت وراحت تو خوب حاصل ہے مگر صد افسوس کہ خاندانی میراث (علوم نبویہ واعمال صالحہ) اب نہ ہونے کے درجہ میں ہے۔ اور اب اسطرف ان حضرات کے رجحانات بھی نہیں ہیں۔ ان میں سے اکثر افراد کو اپنے خاندان کی اہمیت کا احساس اور اپنے بڑوں کے حالات کا علم بھی نہیں ہے۔ حق تعالیٰ ہم کو اور ان سب کو توفیق خیر عطا فرمائے (آمین)، نہ معلوم کسقدر مشکلات ومساعی کے بعد یہ پیش نظر کچھ حالات جمع کر دیئے گئے ہیں۔

وفات وصدقہ جاریات

حضرت علامہ مفتی لطف اللہ صاحبؒ کی وفات ۲۱ ربیع ۲ ۱۳۳۱ھ دوشنبہ کو ہوئی اور مزار شاہ بغدادیؒ میں اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد سعد اللہ صاحبؒ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اولادِ صالحہ اور ہزاروں تلامذہ کے علاوہ مدرسہ انوار العلوم اور متعدد تصنیفات بطور صدقہ جاریہ چھوڑیں جن سے امتِ مسلمہ کو بہت نفع ہوا۔ مثلاً الدقائق فی تحقیق الصبح الصادق ضمیمہ فتاویٰ سعدیہ (فتاویٰ سعدیہ کی ترتیب وتزئین بھی آپ ہی نے فرمائی تھی جس کا ایک چوتھائی حصہ سائز ۲۰/۲۶ ۸ ۱۵۲ صفحات پر مشتمل مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوا تھا) رسالہ در بیانِ نکاح باذنِ شیوہ بزبان فارسی یہ رسالہ اٹھارہ ۱۸ بڑے صفحات پر مشتمل ایک فتویٰ ہے جو حضرت مفتی صاحب نے نواب سید کلب علی خاں بہادر "خلد آشیاں" کی طلب پر تحریر فرمایا تھا یہ فتویٰ قلمی ہے اور رضا لائبریری رام پور میں محفوظ ہے۔

حضرت علامہ مولانا مفتی
بشارت اللہ بیتاب صاحب نور اللہ مرقدہٗ

ولادت، تعلیم اور ترقی

حضرت علامہ مولانا مفتی محمد سعد اللہ صاحبؒ کے دوسرے صاحبزادے اور صاحب تذکرہ حجۃ الاسلام حضرت اقدس ناظم صاحب کے جد امجد حضرت علامہ مولانا مفتی بشارت اللہ صاحبؒ تھے۔ ان کی پیدائش ۱۰ ربیع الثانی ۱۲۷۲ھ کو لکھنؤ میں ہوئی آپکا تاریخی نام محمد ظفر تھا۔ (۱۲۷۲ھ) اور دوسرا نام "بشارت اللہ" مشہور ہوا۔ آپ کا تخلص "بیتاب" تھا آپ علوم عقلیہ و نقلیہ خصوصاً فقہ و ادب میں مہارت تامہ کے ساتھ خوش گو شاعر بھی تھے آپ کے کلام کا مجموعہ "دیوانِ بیتاب" کے نام سے مطبوعہ موجود ہے آپ نے فارسی، عربی اور طب کی تکمیل اپنے والد محترم حضرت علامہ مولانا مفتی محمد سعد اللہ صاحبؒ، مولانا حکیم محمد ابراہیم خان صاحبؒ تلمیذ حضرت مفتی صاحبؒ اور مولانا حکیم عبدالکریم خان صاحبؒ رام پوری وغیرہ سے کی ایک عرصہ تک درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہا، نہایت ذہین و ذکی اور ہوشیار تھے۔ بقول جناب حافظ احمد علی صاحب شوق رام پوری مصنف "تذکرہ کاملانِ رام پور" اگر ان کا زمانہ فرصت دیتے تو علامۂ وقت ہوتے"

افسوس ہے کہ آپ حوادث کا شکار رہے اور امت مسلمہ آپ کی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ نہ اٹھا سکی اور نہ ہی آپ کی اولاد میں سے کوئی باقاعدہ عالم و فاضل بن سکا۔ ماشاء اللہ کان و مالم یشاء لم یکن۔ آپ سنہ ۱۹۰۰ء کے لگ بھگ مدرسہ عالیہ رام پور میں مدرس عربی ہوتے تھے رام پور کے حالات میں انقلاب اور علماء کی ناقدر دانی کے سبب آپ رام پور میں قیام نہ فرما سکے بلکہ بہت جلد بھوپال منتقل ہوگئے۔ ریاستِ بھوپال کی آپ کے خاندان پر خاص نظر پرورش و نوازش تھی۔

وہاں ۱۹۱۵ء تک محکمہ وکالت میں ’’اسسٹنٹ پولیٹیکل سکریٹری،، کی حیثیت سے رہے اس کے بعد آپ کا ریٹائرڈمنٹ ہوکر پنشن ہوگئی تو الہ آباد میں قیام فرمایا۔

تصنیفات آپ نے بسم اللہ شریف کی تفسیر بزبان فارسی لکھی تھی دوسری کتاب آپ کا دیوان ذیشان ہے جو آپ کے پرسوز کلام کا مجموعہ ’’دیوانِ بیتاب،، کے نام سے طبع ہوا۔ ممکن ہے کہ موصوف کی اور تصنیفات بھی ہوں۔ گردشِ دوراں نے آپ کو یکسوئی کے ساتھ علمی کاموں کیطرف متوجہ نہ ہونے دیا ورنہ آپ کے پاکیزہ رواں دواں قلم سے بھی امت مسلمہ کو عظیم نفع پہنچتا۔

نمونہ از خروارے استاذ مرحوم حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب کسولوی مجاز صحبت حضرت اقدس حکیم الامت مولانا تھانوی و مجاز بیعت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادی قدس اسرارہم تحریر فرماتے ہیں کہ:

’’حسن اتفاق سے جناب مولانا اسعد اللہ صاحب موصوف (جن کا کلام منظوم درج ہوا) کے پاس آپ کے جدامجد مولانا حکیم بشارت اللہ صاحب بیتاب ابن علامہ مفتی سعد اللہ صاحب۔ صاحب تصانیف مشہورہ قدس سرہ کا دیوان نظر سے گذرا لہذا احقر نے اپنے مذاق کے موافق دیوان مذکور سے بھی مندرجہ ذیل اشعار کا اقتباس کرلیا۔

’’کلامِ بیتاب،،

عشق تیور دوں میں تو ہو جائے زبانِ زندگی — الفتِ محبوب ہے روح روانِ زندگی
ماجرا درد ہے یا سرگذشت ہجر ہے — کیا سناؤں آپ کو میں داستانِ زندگی

دل میں بھری ہے حسرت دیدار کیا کریں — فرمایئے حضور گنہگار کیا کریں
آنکھوں میں کوند جاتی ہے برق صورِ حسن — نظارہ جمال رخ یار کیا کریں

نعت

طفیل ذات پاکش عاشقی را وضع شد قانون — برائے آل او لب خند آئین محبت را
بود بیتاب را و جہ تسلی مصرعہ سعدی — چو باشد چوں تو پشتیباں چہ غم دیوار امت را

ہوا کرتا ہے مشتق کو ہمیشہ فخر مصدر سے — نبی کی ذات عالی سے بڑھا رتبہ نبوّت کا

"نحن اقرب" سے ہوا معلوم ہم کو قرب یار — "لن ترانی" تک گماں تھا دور کی آواز ہے

سنکر غفور نام جناب اِلٰہ کا — مِلتا نہیں دماغ ہمارے گناہ کا

عبث ہے بے نصیبوں کو توقع فیض بخشوں کا — کہ بجلی خشک رہتی ہے ہمیشہ ابر و باراں میں

اتنا بھی نہ نکلا ترا ایمان تو واعظ — میخانہ میں ایک جام کی قیمت ہی ادا ہو

مری شوریدگی پر چارہ گر تجھکو تحیّر ہے — نہیں دیکھیں جمالِ یار کی نیرنگیاں تو نے

نہ تھا کچھ قلزمِ الفت کا ساحل گوشۂ تربت — کہاں پہنچا دیا اے کشتیٔ عمر رواں تو نے

کامیابی گر نہیں ہے لذتِ حرماں سہی — مجھکو محوِ کوشش بیکار رہنے دیجیے

شب فراق میں آہ شرر افشاں نے میری — نئے نجوم بنائے ہیں آسماں کے لئے
میں صورتِ گل خورشید اور تم خورشید — میں ہوں تمہارے لئے اور تم جہاں کیلئے

نباہ، دیکھئے کسطرح سے ہو الفت کا — ہیں بدستور ہوں نازک بہت تند خو تیری
بجائے دل کے ہے پہلو میں اب خیال تیرا — مجھی سے کرتے ہیں ہر لحظہ گفتگو تیری

عاصی و گنہگار و خطا دار ہے بینا آپ — ستّار ہے تو دامنِ رحمت میں چھپا لے

ہے یہ امید خیالِ رخِ جاناں سے مجھے — کہ رہے گا مرے مرقد میں اُجالا ہو کر

ہیں کہاں ہے عہدِ جوانی کی پھرتیاں — پیری میں پشت خم ہوئی بارِ گناہ سے
شِ جنوں میں گر کر عریاں ہی دفن ہونا — محجوب ہوں کہ ناحق دھبہ لگا کفن کا
رتصورِ دل میں روئے یار کا رہنے لگا — خانۂ تاریک پھر خورشید منزل بن گیا
یالِ وصلِ مخفی دل میں آئے — ہوا ہے عشق اک پردہ نشیں کا
ی امید ہے بخشش کی بیتاب — وسیلہ ہے شفیع المذنبین کا
ے عالم آئینہ ان کے جمالِ روئے زیبا کا — وہ خود ہیں آئینہ میں اپنا جلوہ دیکھنے والے
دیکھا فی الحقیقت تونے عالم میں کسی کو — اگر اپنی حقیقت کو نہ دیکھا دیکھنے والے
الِ حسن کی ہر چیز ہے جاذب نگاہوں کی — نگاہِ شوق سے دیکھے کیا کیا دیکھنے والے

ان اشعار مذکورہ ہی سے آپ کے فہم، پروازِ ذہن اور صلاحیت علم و قلم کا اندازہ ہوتا ہے
رعر وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔

الاد و احفاد : حضرت مولانا مفتی بشارت اللہ صاحبؒ کے دو صاحبزادے (۱) مفتی حمید اللہ صاحب (۲) مفتی رشید اللہ صاحب تھے
ر دو صاحبزادیاں (۱) رقیہ صاحبہ (۲) کلثوم صاحبہ تھیں کل چار اولاد ہوئیں (حضرت
ی صاحبؒ موصوف کی زوجۂ محترمہ کا اسم شریف عنایت ایزدی تھا)

) مولانا مفتی حمید اللہ صاحبؒ کی دو بیویاں تھیں ان کی اولاد وغیرہ کی پوری تفصیل
لوم نہ ہو سکی۔ اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ ان کے ایک صاحبزادے اختر جہاں صاحب
یت پورگاؤں (ضلع رام پور) میں ہیں اور دوسرے صاحبزادے عزیز اللہ صاحب
ت اجین بھوپال میں ہیں۔

) مولانا مفتی رشید اللہ صاحب پٹنہ (عظیم آباد) میں رہتے تھے ان کی وفات وہیں
ی اسوقت حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب رحمہ اللہ کی
شریف بارہ برس تھی۔ آپ کی اہلیہ محترمہ یعنی صاحب تذکرہ حضرت والاؒ کی
لدہ ماجدہ کا نام گرامی اصغری بیگم تھا۔ جو نہایت دیندار و پرہیزگار تھیں حضرت
ںؒ نے فرمایا کہ میں نے عملی طور پر نماز کی ادائگی اور اس کے تمام تر آداب و شرائط،
بیت و تربیت اپنی والدۂ محترمہ مرحومہ سے حاصل کیں قرآن پاک بھی انھیں سے پڑھا
رت موصوفہ کی وفات ۲ رجب ۱۳۴۵ھ م ۱۳ نومبر ۱۹۲۶ء بروز شنبہ بوقت

صبح صادق سہارنپور میں ہوئی اور احاطہ حاجی شاہ کمال میں مدفون ہوئیں۔ ایک عرصہ
مرض دق میں مبتلا رہیں۔ رام پور سے سہارنپور بحالت مرض منتقل ہوئیں اور
سہارنپور تشریف لاکر حضرت اقدسؒ کے گھر پندرھویں دن وفات پاگئیں۔
غفر اللہ لہا ورحمہا۔

مولانا مفتی رشید اللہ صاحبؒ کی اولاد ایک صاحبزادے صاحب تذکرہ حجۃ الاسلام
حضرت اقدس مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب تھے اور دو صاحبزادیاں تھیں۔

(۱) شرف خاتون صاحبہ۔ انکی شادی مرادآباد محلہ کسرول میں ہوئی ۱۱
۲۳ شعبان کی درمیانی شب ۱۳۸۶ھ م ۲۷ نومبر ۱۹۶۶ء میں رات کو تقریباً
ایک بجے مرادآباد ہی میں انتقال ہوا۔ اولاد میں تین صاحبزادیاں۔ ماجدہ۔ طاہرہ
اور ساجدہ چھوڑیں۔ جو سب بقید حیات وصاحب اولاد ہیں۔

(۲) ام کلثوم ان کا نکاح حیدر آباد میں ہوا تھا ان کا انتقال بھی وہیں ہوا مرحومہ
کے ایک لڑکا ارشد اللہ عرف طیب پیدا ہوا۔ طیب صاحب بھی مرحوم ہو چکے
اب ان کے تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں پاکستان میں ہیں۔

رقیہ اور کلثوم

حضرت مولانا مفتی بشارت اللہ صاحب کی ان دونوں
صاحبزادیوں کی شادیاں بھوپال کے قریب جابڑیا کھیڑا
کے نواب زادوں سے ہوئیں تھیں۔ انکی اولاد کی تفصیلات کا علم نہیں۔

دونوں صاحبزادے

حضرت مولانا مفتی محمد بشارت اللہ صاحب کے
دونوں بیٹے (مفتی حمید اللہ صاحب ومفتی رشید اللہ
صاحب) انتہائی ذہین اور فہیم ہونے کے باوجود بتقدیر الٰہی علوم عربیہ کی تکمیل نہ کر سکے
اس کا ظاہری سبب حضرت مولانا مفتی بشارت اللہ صاحب پر گردشِ زمانہ دگر
گوناگوں کا ہجوم تھا۔ البتہ مفتی رشید اللہ صاحب کے صاحبزادے حجۃ الاسلام
حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے آبائی علوم و فنون
خصوصیات وصفات کے سچے وارث اور بہتر بن ابین تھے۔ آپ حضرت علامہ
مولانا مفتی قاضی محمد سعد اللہ صاحبؒ کے کمالات و اوصاف کے آئینہ دار تھے

ن خصوصیات میں یگانۂ روزگار تھے۔ جناب حافظ احمد علی صاحب شوق نے آپ کے
حوالِ شباب میں اپنی تالیف "تذکرہ کاملانِ رام پور" میں لکھا ہے کہ:۔
الحمد للہ آپ (حضرت علامہ مولانا مفتی بشارت اللہ صاحب) کا پوتا اسعد اللہ ولد
شید اللہ مرحوم تمام علوم سے فارغ ہوکر درسِ عربیہ و وعظ میں مصروف ہے"

وفات بھوپال سے ریٹائرڈمنٹ کے بعد چونکہ قیام رام پور ہی میں زیادہ تھا اسلئے بظاہر رام پور میں وفات ہوئی جیسا کہ بعض اعزہ کا
خیال ہے لیکن حضرت مولانا محمد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا
فتی بشارت اللہ صاحب اسوقت کے نواب سید مشتاق علی خاں والیٔ
رام پور سے کسی ناچاقی کی بنا پر بھوپال منتقل ہوگئے تھے اور وہاں امور مالیات کے
عہدہ اہتمام پر مامور ہوئے اور بھوپال ہی میں حضرت موصوف کی وفات
ہوئی تاریخ وفات معلوم نہیں۔

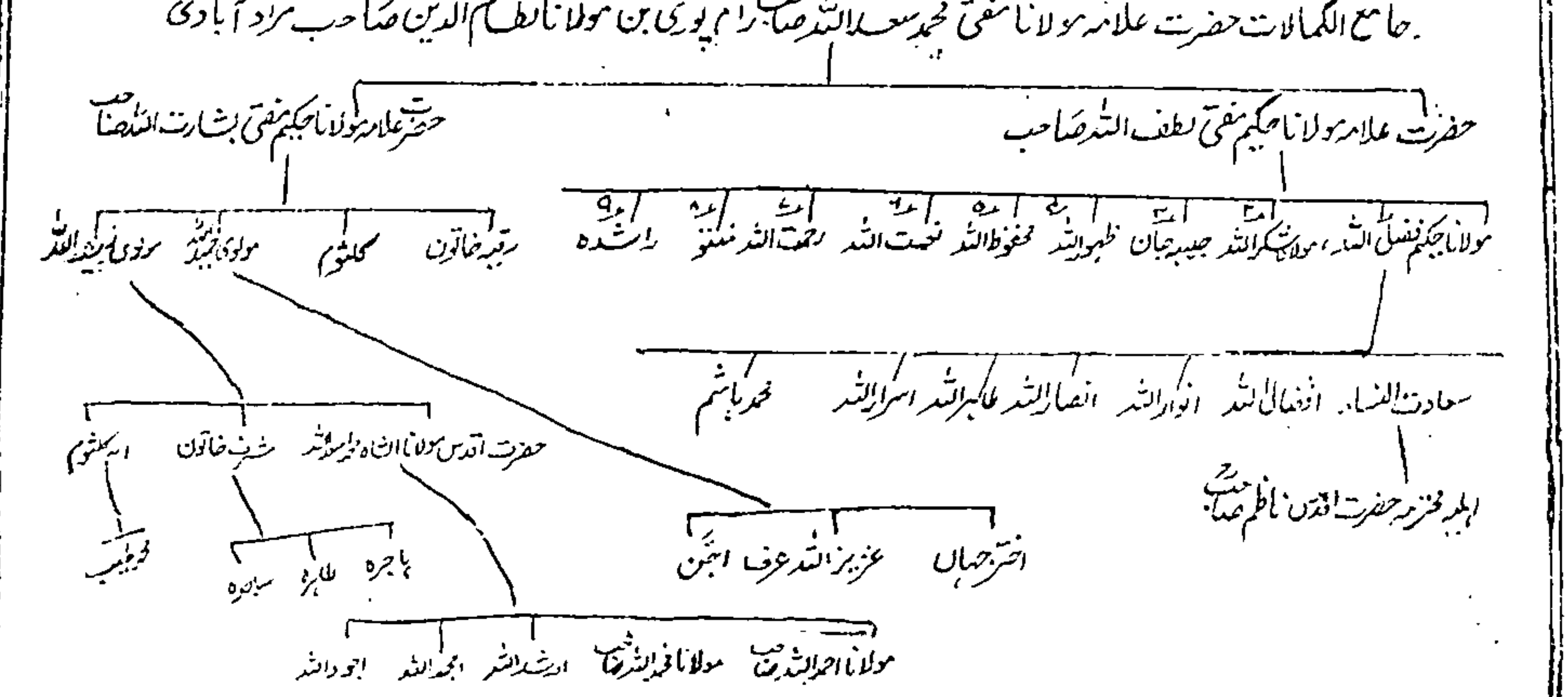
واللہ تعالیٰ اعلم

نوٹ:۔
اگلے صفحہ (۱۲۰) پر خاندان سعادت انتساب کا نقشہ ہے جسمیں حجۃ الاسلام
حضرت اقدس مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب اور ان کی اہلیہ محترمہ حضرت
سعادت النساء صاحبہ کا نسب نامہ حضرت مولانا نظام الدین صاحب
تک مذکور ہے۔ فقط

نسیم احمد غازی مظاہری

سرائے پختہ مراد آباد
یو پی

"نقشۂ خاندان سعادت نشاں"



جلوۂ حیاتِ اسعد

وز سے معمور ہے میرا بیانِ زندگی
درد کی دنیا ہے میری داستانِ زندگی

رہ، فقرہ میں نہاں ہے عالمِ سوز و گداز
کون سن سکتا ہے میری داستانِ زندگی

بار آتا ہے حسنِ جانفزا کا تذکرہ
کیوں نہ ہو دلچسپ میری داستانِ زندگی

امان والے بھی لکھتے ہیں نہایت شوق سے
کسقدر پُر لطف ہے میرا بیانِ زندگی

یاس و ناکامی و حرماں کے سوا کچھ بھی نہیں
کیا سناؤں میں کسی کو داستانِ زندگی

پُر لطف میری عاشقی کی زندگانی ہے
نصیحت کی نصیحت ہے، کہانی کی کہانی ہے

یقت میں بقا آثار کیفِ حسنِ فانی ہے
دنیاتِ عشق میں مضمر حیاتِ جاودانی ہے

ں نقشِ محشر ہے کہ تیری نوجوانی ہے
یہاں قاصر ہمارا امتیازِ نکتہ دانی ہے

ات میں کسی بیمار کی اپنی کہانی ہے
کہ زندہ ہے مگر محروم لطفِ زندگانی ہے

یں رکتی نہیں رکتی کسی صورت نہیں رکتی
تری شمشیر میں میری طبیعت کی روانی ہے

بہت مدت سے یہ احساس بھی اسعد نہیں ہوتا
کہ وقفِ یاس و ناکامی ہماری نوجوانی ہے

امتیں ہیں کھلی ہوئی ترے حسنِ عشق نواز میں
کہ نہاں ہیں کیف کی جنتیں مرے دل کے سوز و گداز میں

حسین و جمیل ہے کشش عجیب و غریب ہے
مرے عشقِ حسن فروز میں ترے حسنِ عشق نواز میں

نہ دفِ رقص نہ سرود ہے کوئی محو وجد و سجود ہے
ترے ناز کا بھی ہے تذکرہ مری داستانِ نیاز میں

شمل گل سے نہیں غرض مجھے پڑ نے فصلِ بہار سے
مرے دل میں قدر خزاں کی ہے کہ جنوں ہے پردۂ راز میں

یہ نگاہِ حضرت تھانویؒ کا اثر ہے اسعدِ بےنوا
نظر آرہی ہیں حقیقتیں مجھے اس جہانِ مجاز میں

(از کلام اسعد)

حجۃ الاسلام حضرت العلام
مولانا الشاہ
محمد اسعد اللہ صاحب فدا الرام قدہ

ولادت، نام اور وطن آپ کی ولادتِ باسعادت ماہِ شوال المکرم ۱۳۱۴ھ کی تاریخ میں بروز دوشنبہ مطابق ۱۸۹۷ء کو اپنے وطن مالوف "مصطفےٰ آباد" (ریاست رام پور) میں ہوئی۔ آپ کے تاریخی نام مرغوب اللہ (۱۳۱۴) اور چراغ علی (۱۳۱۴) ہیں اور غیر تاریخی نام "محمد اسعد اللہ" رکھا گیا۔ یہ تاریخی و غیر تاریخی تینوں نام آپ کے جدِ امجد حضرت علامہ مولانا مفتی محمد بشارت اللہ صاحب رحمہ اللہ نے تجویز فرمائے تھے۔ آپ اپنے غیر تاریخی نام نامی "محمد اسعد اللہ" کے ساتھ مشہور ہوئے۔

بندہ نواز آپ مجھے جانتے نہیں - اسعد ہے میرا نام وطن رام پور ہے

آپ اپنا تخلص "اسعدؔ" فرماتے تھے۔ بعض منظومات میں "فضلیؔ" بھی تخلص فرمایا ہے۔

نسب مبارک آپ کا نسب شریف اسطرح ہے۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحبؒ بن حضرت مولانا مفتی محمد رشید صاحبؒ بن حضرت علامہ مفتی محمد بشارت اللہ صاحبؒ بن فقیہ دوراں، علامۂ زماں حضرت اقدس مولانا مفتی محمد سعد اللہ صاحب رام پوری بن حضرت مولانا الشاہ محمد نظام الدین صاحبؒ مراد آبادی۔ اس سے آگے سلسلۂ نسب کا علم نہیں۔ حضرت والا رحمہ اللہ کے خاندان کے فرد فرید ہیں خاندان سادات میں سے ہیں یا صدیقی النسب ؟ اسکی تفصیلی بحث عنوان "خاندانِ عالیشان" کے تحت گذشتہ اوراق میں آ چکی ہے۔

ماحول، بچپن اور آغاز تعلیم و تربیت مذکورہ صفحات میں تاریخ رام پور کا مختصر خلاصہ گذر چکا ہے جس میں وہاں

ول، اس سے نشیب و فراز اور صلاح و فساد کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ آپ
علوم ہو چکا ہے کہ نواب سید کلب علی خاں بہادر والی رام پور کے اخیر دور ولایت میں
است کے علمی پرسکون ماحول کے لئے خطرات محسوس کئے جانے لگے تھے جس کی بنا پر
ضرت والاؒ کے جد اکبر حضرت علامہ مولانا مفتی محمد سعد اللہ صاحبؒ وہاں سے دل برداشتہ
ہوگئے تھے۔ اور ریاست رام پور کو خیرباد کہہ کر بھوپال چلے جانے کا عزم مصمم کر چکے تھے۔
سفر بھوپال کی تیاری کے دوران ہی آپکا وصال ہوگیا۔

اب سید کلب علیخاں بہادر کے بعد ۲۹ ج ۲ ۱۳۰۴ھ م ۲۵ مارچ ۱۸۸۷ء میں ان کے صاحبزادے
ب سید مشتاق علی خاں بہادر، ان کے جانشین ہوئے۔ نواب صاحب موصوف
شیعی العقیدہ تھے اور ان کا ذہنی مزاج بھی نہ تھا اسلئے برسر اقتدار آتے ہی عدالتوں
سے شرعی قوانین اور مقتدیان شرع کی نگرانی کو ختم کر دیا گیا۔ انگریزی تعلیم کا
عروج اور اسلامی تعلیم کا زبردست زوال ہوا۔ مدارس اسلامیہ میں روز بروز انحطاط
آتا گیا اور باشندگان ریاست کے رجحانات دینی تعلیم سے ہٹ کر انگریزی تعلیم
طرف آگئے۔ امور مذکورہ میں جو کچھ کمی باقی رہ گئی تھی وہ ان کے جانشین نواب سید
حامد علیخاں بہادر کے دور ولایت میں پوری ہوگئی یعنی ان کے زمانۂ اقتدار میں شیعیت
انگریزیت کا پورے طور پر غلبہ اور بول بالا ہوگیا۔ پدر نتوانست و پسر تمام کرد، نواب
ی تعلیم و اسلامی ماحول کی حکومت عام فضا سے سمٹ کر خاص خاص خانوادوں میں محدود
ہو کر رہ گئی اور ان گھرانوں کیلئے اندرون و بیرون کے ماحول متصادم و متضاد ہوگئے انہیں
میں سے ایک خاندان حضرت مولانا مفتی محمد سعد اللہ صاحبؒ کا بھی تھا۔ حضرت والاؒ کی
ولادت اور ابتدائی تعلیم و تربیت اسی متصادم و متضاد ماحول اور نواب سید حامد علیخاں
بہادر کے اختیار و اقتدار کے دور شباب میں ہوئیں۔ کیونکہ نواب صاحب موصوف
۳ رجب ۱۳۰۶ھ م ۲۷ فروری ۱۸۸۹ء کو تیرہ برس کی عمر میں مسند نشین
ولایت و ریاست ہوئے تھے۔ اور نواب صاحب کی کم سنی کی وجہ سے (کونسل آف
ریجنسی) نے ریاست کا سات سال تک انتظام کیا تھا اسکے بعد پنجم جون ۱۸۹۶ء
ریاست کے جملہ اختیارات نواب صاحب کے سپرد کئے گئے اور اس واقعہ کے تقریباً
ایک سال بعد ۱۸۹۷ء مطابق ۱۳۱۴ھ میں حضرت والاؒ کی ولادت باسعادت
ہوئی تھی۔

ماحول کی کشمکش کے باوجود آپ نے جس گھر میں آنکھیں کھولیں وہاں تدین و تقویٰ کا باغ سرسبز و شاداب تھا وہاں علوم نبویہ کے چشمے ابھی جاری تھے، دیار کتاب و سنت کی بہاریں مسکرا رہی تھیں، اور وہاں دین رحمت کے موافق تر زندہ تھی۔ یہ ایک چھوٹا سا پر بہار چمن تھا جو دورِ خزاں میں بھی لہلہا رہا تھا اسی چمن سعدی کی پر بہار و معطر آغوش شفقت میں اس ولایت و معرفت عالم نبوت کے ننھے ننھے پودے نے پرورش پائی اور پروان چڑھا۔

آپ نے دورِ کم سنی ہی میں اپنی والدۂ ماجدہ مرحومہ سے قرآن مقدس ناظرہ پڑھ لیا نماز مع آداب و شرائط سیکھ لی اور عملی طور پر اس کا مکمل اہتمام شروع کر دیا تھا۔ پھر آپ تادمِ واپسیں اسطرح قائم و مستقیم رہے کہ ایسے اہتمام و التزام کی مثالیں اس دور میں خصوصاً نایاب ہیں۔ آپ کی تربیت پر آپ کی پھوپھی صاحبہ کی بھی خاص نظر تھی۔ حاصل یہ ہے کہ آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت اور نشو و نما اسی علم و عمل کے گہوارہ اسی "خانہ ہمہ آفتاب" کے دینی و نورانی ماحول میں دو لائق معلموں اور بہترین مربیوں (والدۂ محترمہ اور پھوپھی صاحبہ) کی مرہون منت

نورانی فطرت پر خانگی ماحول کے اثرات

اس کے باوجود کہ فضائے رام پور پر اس دور میں شیعیت و انگریزیت کی سیاہ گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں باشندگان ریاست حق و حقیقت کے انوار سے محروم نہیں تھے۔ اور اس دور جدت میں بھی پرانے ماحول اور قدیم تعلیم کے آثار و نشانات باقی تھے چنانچہ اس وقت بھی وہاں بچوں کو فارسی نظمیں اور نعتیں زبانی یاد کرلینے کا رواج تھا خصوصاً رام پور کے علمی خانوادوں میں تو زبان فارسی گویا انکی اپنی مادری زبان تھی پھر حضرت اقدس مولانا مفتی محمد سعد اللہ صاحب کا خاندان تو علمی حلقوں میں بہت ممتاز و نمایاں تھا اسلئے حضرت والا کو فارسی تو خود بخود بالکل بچپن ہی میں آگئی تھی۔ علاوہ ازیں تحریر، خوشخطی، نثر نگاری، انشاء پردازی، مضمون نویسی، سخن سنجی، سخن فہمی، شعرگوئی، شعرفہمی، عروض دانی اور علوم معقول و منقول سے فطری مناسبت اور طبعی رغبت آپ کو خاندانی ورثہ میں ملی تھیں۔ پھر ذاتی محنت، علمی انہماک و شغف، جہل سے نفرت، وقت

کی قدر دانی و قیمت شناسی، تہذیب و ادب اور شرافت جیسی بلند صفات ابتدائے عمر ہی سے آپ میں نمایاں تھیں ؎

بالائے سرش زہوشمندی　　　می تافت ستارۂ بلندی

پھر حضرت اقدس مولانا تھانوی کی نظر کیمیا اثر نے ان فطری صفات و ذاتی خصوصیات کو مزید جلا بخش کر پایۂ تکمیل و درجۂ کمال تک پہنچا دیا تھا ؎

شد منور از جمالِ اشرفی　　　شد مکمل از کمالِ اشرفی

پاکیزہ طبیعت پر بیرونی اثرات

چونکہ نواب صاحب اور باشندگانِ ریاست کی زائد توجہات انگریزی تعلیم کی جانب تھیں جسکی بنا پر ریاست میں بہت سے اسکول اور کالج انگریزی تعلیم کیلئے قائم ہو چکے تھے۔ اور انگریزیت کا غلبہ ہو چکا تھا۔ اسلئے حضرت والاؒ جب خانگی تعلیم کی اس مقدار سے جو عام طور پر گھروں میں ہو جاتی ہے فارغ ہوئے تو رام پور کے کسی اسکول میں داخلہ لے لیا اور انگریزی تعلیم حاصل کرنے لگے کچھ عرصہ کے بعد یہ تعلیم چھوڑ کر آپ اپنے چچا مولانا مفتی حکیم فضل اللہ صاحبؒ کے ہمراہ تھانہ بھون چلے گئے اور دینی علوم میں مشغول ہو گئے تھے بعد میں سہارنپور علوم دینیہ حاصل کرنے کے دوران ہی خارجی اوقات میں مولوی شہاب الدین صاحب وکیل اور ماسٹر محمود صاحب سے انگریزی میں مہارت حاصل کی تھی آپ کی عادت تھی کہ انگریزی تعلیم یافتہ حضرات سے آپ انگلش میں بے تکلف و برجستہ گفتگو فرماتے۔ غالبًا اسی نسبت سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ آپ سے بہت تعلق اور والہانہ عقیدت و محبت رکھتا تھا اور ان حضرات کی آپ کے پاس بکثرت آمد و رفت تھی آپ بھی ان لوگوں سے خاص دلچسپی رکھتے اور ایسے طور پر آہستہ آہستہ ان کی اصلاح فرماتے کہ ان کو کوئی ناگواری یا احساس نہ ہوتا۔ اس طرح آپ نے اس تعلیم کو بھی دین کیلئے استعمال فرمایا۔ انگریزی تعلیم نے مناظروں ردِ ارتداد کے میدانوں میں روشن خیال اور غیر مسلم انسانوں کو متأثر کر کے انکی اصلاح کرنے میں بہت کام دیا۔

آپ اردو، فارسی، عربی اور انگلش چاروں زبانیں بے تکلف بولتے تھے۔

اور بعض مرتبہ اشعار میں چاروں زبانوں کو یکجا استعمال فرماتے تھے۔ مثلاً سر ظفر علی خاں ایڈیٹر اخبار زمیندار لاہور سے ملاقات فرما کر آپ نے چند مندرجہ ذیل اشعار ان کی مدح میں ارشاد فرمائے۔ سر ظفر علی خاں صاحب نے "ردِ قادیانیت" کے سلسلہ میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ یوں بھی وہ اپنی ذاتی خصوصیات و خداداد صفات میں امتیاز کی حیثیت و شخصیت کے حامل تھے۔

قصیدہ

شکر کرتا ہوں حق تعالیٰ کا — من بدیدم ظفر علی خاں را
رَاغِبًا فِی مَنَاقِبِ الْعُقْبیٰ — مُعْرِضًا عَنْ مَثَالِبِ الدُّنْیَا
روح کو کیوں نہ وجد آجائے — نام آیا ظفر علی خاں کا
اِنَّہٗ فِی کَمَالِہٖ فَرْدٌ — مَا رَأَیْنَا عَدِیْلَہٗ اَحَدًا
ماحیِ شبن اُمّتِ مرحوم — ماحیِ شانِ ملّتِ بیضا
جو بدست شوکتِ اصنام — قَالَ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلیٰ
ہر کہ ناواقفِ سیاست ہست — کے شناسد ظفر علی خاں را
ہم نے پائی نہیں مثال اس کی — ہم نے دیکھا نہیں مثیل اس کا
رشکِ مجنوں بنی ہے اس کیلئے — شرف و احترام کی لیلیٰ
جس کے خامے کی ایک جنبش سے — منہدم قصرِ دعوئے مرزا
وہ ہے دنیا میں نابغۂ مثل — وہ ہے عالم میں شاعرِ یکتا
یَعْمَلُ الصّٰلِحٰتِ مُجْتَہِدًا — یَبْتَغِیْ وَجْہَ رَبِّہِ الْاَعْلیٰ
وہ جو کرتا ہے کام جرأت کے — اِنَّہٗ لَا یَخَافُ عُقْبَاھَا
ایس، ہی اِز، اے ویری گڈ لیڈر — حامل فضل و رتبہ اعلیٰ
ہر کہ شک آرد اندریں ابیات — او نہ بیند ظفر علی خاں را
مجھکو یہ افتخار ہے اسعد — معتقد ہوں ظفر علیخاں کا

عَنْ مُرُوْقٍ اَللّٰہُ ھُوَ نَاطِقَۃٌ
صَانَہُ اللّٰہُ دَائِمًا اَبَدًا

اس قصیدہ میں آپ نے چاروں زبانوں اردو، فارسی، عربی اور انگلش کا بھی استعمال فرمایا ہے۔

شرافت و ذکاوت ذہانت و ذکاوت، تہذیب و شرافت کے جواہر آپکے خاندانی سرمایہ اور آبائی میراث تھی اور حق تعالیٰ شانہٗ نے ان صفات میں آپ کو خصوصی امتیازات سے بھی نوازا تھا۔ اور یہ صفات و خصوصیات آپکی نورانی فطرت اور روشن طبیعت میں بچپن ہی سے نمایاں تھیں۔ واقعات سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ آغوش مادر ہی میں انتہائی مؤدب و مہذب ہو چکے تھے۔ آپ کا بچپن، بچکانہ حرکتوں سے مبرّا اور پاک تھا یہاں مثال و استدلال اور نمونہ کے طور پر آپ کی کمسنی کے دو واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔

پہلا واقعہ: — جائداد کے کسی مسئلہ پر بعض اعزہ نے حضرت والاؒ کو یہ مشورہ دیا کہ آپ اپنے دادا (حضرت مولانا مفتی بشارت اللہ) صاحب کے خلاف عدالت میں دعویٰ دائر کر دیں اور عدالت کے ذریعہ اپنا حق وصول کر لیں حضرت والاؒ نے اس مشورہ پر ناگواری کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ میں ہرگز اس بات کو پسند نہ کروں گا کہ اپنے دادا صاحبؒ پر دعویٰ کروں اور عدالت میں ان کے مقابلہ میں جا کر کھڑا ہوں۔ یہ واقعہ آپ کی انتہائی کمسنی کا ہے جب کہ آپ کی تھانہ بھون بھی حاضری نہ ہوئی تھی۔ اس عمر میں عمومًا بچوں کے ذہن میں اتنی بلندی و شائستگی نہیں ہوتی۔ اس واقعہ سے فطری نجابت و شرافت کے ساتھ آپ کی فطانت و ذہانت کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ اور آپ کی مؤدب و مہذب طبیعت اور بہترین تربیت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

آبائی جائداد کا مسئلہ حضرت والا کا آبائی پیشہ درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور معاشی اعتبار سے زمینداری رہا ہے۔ اخیر میں رام پور تحصیل ملک موضع چمروہ، میں ایک سو پچیس ۲۵ بیگہ زمین باقی رہ گئی تھی جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دنیا سے زہد و بے التفاتی اور روحانی تقدس کی نذر ہو گئی ۱۹۴۷ء سے پہلے رام پور کے رہنے

والے کچھ عزیزوں کو اس جائداد کا مختار عام بنا دیا گیا تھا انہوں نے کاشت میں اپنا نام لکھوالیا۔ پھر وہ لوگ پاکستان چلے گئے اور حضرت کی طرف سے کوئی پیروی نہیں کی گئی۔ اسطرح وہ سب آراضی ختم ہوگئی۔ اور حضرت والاؒ اپنے طبعی استغناء کی وجہ سے اس سے فارغ البال اور مطمئن ہو گئے۔

(مولانا محمد اللہ صاحب)

ذہانت کا دوسرا واقعہ

لڑکپن ہی میں ذہانت و ذکاوت کا اظہار بکثرت آپ ہی سے ہونے لگا تھا جس کے ثبوت میں ذیل کا واقعہ پیش کیا جاتا ہے جو حضرت والاؒ ہی کے الفاظ میں نقل کرتا ہوں وہ فرماتے ہیں کہ :

"ایک بار قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ کی کتاب "مالا بد منہ" میں یہ مسئلہ پڑھا کہ سفر و اقامت میں غلام کی نیت کا اعتبار نہیں، اگر آقا مسافر ہے تو غلام بھی مسافر ہے اگرچہ وہ اقامت کی نیت کرے اور اگر آقا مقیم ہے تو غلام بھی مقیم ہے میں نے ذہانت ظاہر کرنے کیلئے حضرت مولانا تھانویؒ سے دریافت کیا کہ حضرت! اگر ایک غلام دو آدمیوں کا ہو ان میں سے ایک مسافر ہو اور دوسرا مقیم ہو جائے تو اس صورت میں غلام کس کے تابع ہوگا۔ حضرت نے اپنی جبلی بے تکلفی کے ماتحت فرمایا کہ بھائی معلوم نہیں۔ پھر تیسرے دن فرمایا کہ اسعد اللہ تم نے عبدِ مشترک کا مسئلہ پوچھا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں نے یہ تو نہیں پوچھا تھا بلکہ یہ دریافت کیا تھا کہ اگر ایک غلام دو آدمیوں کا ہو (وغیرہ وغیرہ) حضرت نے مسکرا کر فرمایا۔ بندۂ خدا! اسی کو تو عبدِ مشترک کہتے ہیں، (اور فرمایا) اس صورت میں غلام مقیم سمجھا جائے گا۔" (صحائفِ اسعد ص ۲۴ والم ۲ صحیفہ ۲۰)

یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب آپ نے تھانہ بھون پہنچکر ابتدائی تعلیم شروع کی تھی، اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ہنوز گو لفظی علم حاصل نہ ہوا تھا مگر ذہانت و ذکاوت معنوی علم کی طرف آپ کی رہنمائی کر رہی تھی۔

⁂

ام پور سے تھانہ بھون | حضرت اقدس مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت
رس علامہ مولانا مفتی محمد سعد اللہ صاحب اور ان کے خاندان سے خاص تعلق اور
اد تھا۔ حضرت مولانا تھانویؒ ہمیشہ اپنے سفر رام پور میں حضرت مولانا مفتی
ر لطف اللہ صاحبؒ بن العلامہ مولانا مفتی محمد سعد اللہ صاحبؒ کے دولت خانہ
نگلہ آزاد خاں رامپور) پر قیام فرماتے تھے۔ وہیں حضرت مولانا مفتی فضل اللہ صاحبؒ
ضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور پھر
ضرت اقدسؒ کی خانقاہ میں تھانہ بھون تحصیل فیوض و اصلاح کیلئے حاضر ہوتے
کے ساتھ ہی حضرت والاؒ بھی تھانہ بھون حضرت مولانا تھانویؒ کی خدمت بابرکت
) بغرض تعلیم حاضر خدمت ہوگئے۔ یہ تھانہ بھون کی پہلی حاضری شوال ۱۳۲۹ھ
) ہوئی۔ حضرت والاؒ نے رام پور سے تھانہ بھون آمد کی تاریخ اسی وقت خود فرمائی
؛ ع آیا تھا رام پور سے جب "فخر رام پور"
ی نو عمری میں حضرت اقدس مولانا تھانوی قدس سرہٗ سے آپکا تلمذ اور بیعت
ادت کا تعلق قائم ہوگیا تھا۔

سلسلۂ تعلیم | تھانہ بھون مدرسہ امداد العلوم خانقاہ میں حضرت مولانا الحافظ
محمد عبد اللہ صاحب گنگوہیؒ خلیفۂ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد
احب سہارنپوریؒ سے عربی کی ابتدائی کتب سے متوسطات تک کی تعلیم حاصل کی
ان سے مشکوٰۃ شریف کے بھی کچھ اسباق پڑھے۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب
انی (شیخ الاسلام پاکستان) اور حضرت مولانا شبیر علی صاحب تھانویؒ سے
ی تھانہ بھون ہی میں کچھ کتابیں پڑھیں۔ حضرت اقدس مولانا تھانویؒ سے
اسباق کے علاوہ پوری مشکوٰۃ شریف اور ترجمۂ قرآن کریم پڑھنے کا شرف
صل ہوا۔ آپکا قیام مدرسہ امداد العلوم (خانقاہ امدادیہ) تھانہ بھون میں تقریباً
سال رہا۔

انہ بھون سے سہارنپور | آپ ۲۲ شوال ۱۳۳۳ھ کو تھانہ بھون سے جامعہ
مظاہر علوم سہارنپور پہنچے اور ۲۳ شوال ۱۳۳۳ھ
مدرسہ موصوفہ میں باضابطہ داخلہ ہوگیا۔ یہاں آپنے مشکوٰۃ شریف، ہدایہ اولین

مختصر المعانی، سلم العلوم، مقامات حریری، ہدیہ سعیدیہ، ملا حسن، نخبۃ الفکر سے اپنی تعلیم کا آغاز فرمایا اور ۱۳۳۴ھ میں دورۂ حدیث میں داخلہ لیکر صحاح ستہ کی تکمیل فرمائی کتب صحاح کے ساتھ ہی آپ نے جلالین شریف، شرح عقائد نسفی مع خیالی اور ملا جلال بھی پڑھیں۔ ۱۳۳۴ھ میں دورۂ حدیث میں پندرہ طلباء شریک تھے جن کے اسمائے گرامی (حضرت اقدس کے علاوہ) یہ ہیں (۱) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ (۲) حضرت مولانا خیر محمد صاحب مظفر گڈھی مہاجر مکیؒ بانی رباط منزل الجنۃ مدینہ منورہ (۳) حضرت مولانا عبد الغنی صاحب بارہ بنکوی مجاز حضرت تھانویؒ (سابق استاذ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور۔ (۴) امام النحو حضرت علامہ مولانا صدیق احمد صاحب کشمیری (۵) حضرت مولانا محمد بخش صاحب ڈیرہ غازی خان (پاکستان) (۶) مولانا بشیر الدین صاحب دیناجپوری (۷) مولانا سید امجد علی صاحب سلہٹی (۸) مولانا محمد حسن بجنوری (۹) مولانا امام محمد بنوی (۱۰) مولانا غلام محمد نیاں والی (۱۱) مولانا عبد الوحید صاحب پرتاضوی (۱۲) مولانا سجاد کریم صاحب بردوانی (۱۳) مولانا محمد یوسف صاحب بجنوری (۱۴) مولانا حسن احمد صاحب سہارنپوری۔

حضرت والاؒ نے دورۂ حدیث شریف میں عمدہ نمبرات کے ساتھ کامیابی حاصل کی ۱۳۳۵ھ میں آپ نے درجہ فنون میں داخلہ لے کر یہ کتابیں پڑھیں، بیضاوی شریف، مسلم شریف، ہدایہ آخرین، سراجی، حمد اللہ، قاضی مبارک، میر زاہد، توضیح وتلویح (نوٹ) آپ کے رفیق درس حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیثؒ بکم محرم الحرام ۱۳۳۵ھ میں جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے ابتدائی مدرس مقرر ہوئے اور اصول الشاشی، علم الصیغہ، مایۃ عامل منظوم وغیرہ ابتدائی کتب سے ان کا سلسلہ تدریس شروع ہوگیا تھا مگر حضرت والاؒ نے مزید دو سال جملہ علوم وفنون میں مہارت حاصل کرنے کی غرض سے پڑھنے کا سلسلہ قائم رکھا۔ کمال استعداد حاصل کرنے کے بعد ۱۳۳۷ھ میں تدریسی سلسلہ شروع فرمایا۔ جیسا کہ آپ کے جد اکبر حضرت اقدس مولانا مفتی محمد سعد اللہ صاحبؒ نے تمام علوم وفنون میں کمال استعداد حاصل کی اور اس کے بعد تدریسی سلسلہ جاری فرمایا تھا

۱۳۳۶ھ میں بھی آپ طالب علمانہ حیثیت سے جامعہ مظاہر علوم میں مقیم رہے اور

مندرجہ ذیل کتب نہایت توجہ اور محنت سے پڑھیں۔ ابوداؤد شریف، اقلیدس، صدرا، شمس بازغہ، درمختار، سبع شداد، شرح چغمینی، تصریح، مسلم الثبوت، راسی ۱۳۲۶ھ میں آپ، انجمن ہدایت الرشید کے ناظم مقرر ہوئے۔
(تاریخ مظاہر ج ۲ ص ۲۶۵)

آپ کو علوم منقول و معقول سے یکساں مناسبت و دلچسپی تھی اسی لئے آپ نے دونوں قسم کے علوم میں مہارت و استعداد کامل حاصل کی۔ اور آپ معقول و منقول ہر دو قسم کے علوم کی مہارت و حذاقت میں یکتائے روزگار ہوئے۔ دورِ حاضر کے اکابر علماء میں اس شان کی جامع العلوم کوئی شخصیت ہماری نظر میں نہیں ہے

تحصیل علوم کا شوق اور کاوش

سطور بالا سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا کہ حق تعالیٰ نے آپ کی طبیعت میں علوم کی تشنگی و طلب بلکہ شدید حرص رکھی تھی جس کی وجہ سے آپ نے بے شمار علوم و فنون کو حاصل کرنے کی سعی بلیغ فرمائی۔ آپ کے شوق اور حرص و طلب کا یہ عالم تھا کہ متعلقہ اسباق اور درسی علوم پر پوری توجہ اور محنت کے ساتھ ساتھ آپ غیر متعلقہ علوم کا بھی بکثرت مطالعہ فرماتے اسطرح آپ نے قوت مطالعہ ہی سے دور طالب علمی میں متعدد علوم میں زبردست مہارت حاصل کر لی تھی چنانچہ تاریخ و ادب اور فنون شعر، علم عروض وغیرہ میں استعداد کامل و مہارت تامہ آپ نے مطالعہ ہی کے ذریعہ حاصل کی۔ اور دوران تدریس ہی آپنے انگریزی مولوی شہاب الدین صاحب وکیل اور ماسٹر محمود صاحب سے پڑھی اور اسمیں کافی عبور حاصل کیا۔ علم طب بھی آپنے مطالعہ ہی سے حاصل کیا تھا اور اسمیں مکمل دسترس و مہارت آپ کو حاصل تھی چنانچہ بعض حضرات نے حضرت والا سے کتب طب باقاعدہ پڑھیں اور حضرت والا کی برکت سے طبیب کامل و مشہور معالج بنے

زمانِ واحد میں دو کاموں کیطرف توجہ

یہ حضرت والا کا کمال تھا کہ ایک ہی وقت میں متعلقہ علوم اور غیر متعلقہ علوم پر ایسی توجہ فرمائی کہ دونوں قسم کے علوم میں مکمل دسترس و مہارت حاصل کی۔ فلاسفہ کا یہ اصول۔ "النفس لا تتوجہ الی شیئین فی آن واحد"۔ (کہ نفس ایک آن میں دو چیزوں کیطرف متوجہ نہیں ہو سکتا) اولاً تو اسمیں فی زمان واحد

نہیں کہا گیا پھر حضرت والاؒ فرماتے ہیں کہ۔ فلاسفہ کے اس نظریہ میں مجھے خود کلام۔ یعنی حضرت کے نزدیک یہ اصول غلط ہے حضرت والاؒ نے بہت سے شواہد و نظائر اسکے پیش کئے ہیں کہ کاملین کے نفوس آن واحد میں بھی شیئین کی طرف متوجہ ہو سکتے ہیں اسکی کچھ وضاحت عنوان "تبلیغی جماعت سے تعلق و دلچسپی" کے تحت آپکے اس والا نامہ میں آرہی ہے جو آپ نے اپنے شاگرد مولانا بشیر اللہ رنگونی کے پاس تحریر فرمایا تھا۔ بہرحال آپنے زمانہ طالب علمی میں درسی وغیر درسی علوم نہ صرف حاصل کئے بلکہ ان میں مہارت کاملہ سے سرفراز ہوتے اسکے نظائر مشکل ہیں اس سے آپ کے نفسی و ذاتی کمال کا پتہ چلتا ہے۔ اور جب ابتداء کا یہ عالم ہے تو انتہا کا عالم کیا ہوگا؟ ؎

فلکِ اوج ترقی پہ درخشاں تھے آپ۔ اہلِ بینش کیلئے نیر تاباں تھے آپ
مجلس علم میں اک شمع فروزاں تھے آپ۔ باغ ایثار میں اک غنچہ خنداں تھے آپ

دورِ یتیمی و نا داری

آپکا طالب علمی کا زمانہ بہت ہی عجیب و غریب تھا۔ ظاہری اسباب شکستہ تھے تقریباً عمر شریف بارہ سال کی تھی کہ سایۂ پدری سے اٹھ چکا تھا۔ اور اضطراری طور پر جسطرح پیر کے دن پیدائش کی سنت نصیب ہوئی تھی یتیمی کی دولت سے بھی مالا مال ہوئے۔ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو جسطرح یتیمی میں دادا صاحب اور ان کے بعد چچا ابو طالب کا سایۂ عاطفت میسر آیا وہی صورت یہاں ہوئی کہ حضرت والاؒ سایۂ پدری کے بعد اپنے دادا صاحب حضرت مولانا مفتی بشارت اللہ صاحب اور ان کے بعد اپنے چچا حضرت مولانا مفتی حکیم فضل اللہ صاحبؒ کے سایۂ عاطفت و تربیت میں رہے۔ حق تعالیٰ نے اس عاشق اتباع سنت کو بے اختیاری سنتوں سے بھی مالا مال فرمایا۔ چنانچہ وفات بھی پیر کے دن ہوئی۔ یتیمی کے دوران جن جگر آزما حالات سے دوچار ہونا ضروری تھا وہ سب حالات بھی آپ پر گذرے۔ اسی لئے آپ کو دور طالبعلمی میں فراخ دستی و وسعت حاصل نہ ہوسکی جب آپ کا قیام مدرسہ امداد العلوم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں تھا اس وقت وہاں قانون تھا کہ سردی کے زمانہ میں گرم پانی سے وضو کرنے والے کو ایک ہفتہ میں دو پیسے مدرسہ میں داخل کر

پڑتے تھے۔ حضرت والاؒ کے پاس کیونکہ پیسے نہ ہوتے تھے اسوجہ سے ٹھنڈے پانی ہی سے وضو کرتے تھے۔ لیکن حق تعالیٰ نے کم سنی ہی سے خود داری و عزت نفس اور استغناء کی دولتوں سے ایسا مالا مال فرمایا تھا کہ کبھی اہل ثروت کی دولت و ثروت پر رال نہیں ٹپکائی۔ حق تعالیٰ شانہ نے اسباب کی شکستگی کے ساتھ آپ کی ایسی تربیت فرمائی کہ ان اوصاف وکمالات کو جو حضرت والا کی ذات اقدس میں ودیعت تھے قدرتِ خداوندی کا کرشمہ اور حق تعالیٰ شانہ کا فضل خاص ہی کہا جاسکتا ہے۔

قرآن عزیز نے رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے چند حالات کا تذکرہ فرماکر عطائے خداوندی کا اظہار فرمایا ہے۔ اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ۝ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی ۝ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ۝ یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیم پایا تو ٹھکانہ عطا فرمایا اور آپ کو بھولا بھالا پایا تو ہدایت سے مالا مال فرمایا اور نادار پایا تو آپ کو غنا عطا فرمایا۔ خداوند تعالیٰ کا پیغمبر صفاتِ ربانی کا مظہر ہوتا ہے اور عاشق رسول متبع سنت میں پیغمبری صفات کی تجلیات نظر آتی ہیں اسلئے بلاخوف تردید و بلا مبالغہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو جہاں پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کامل واتباع سنت کیلئے منتخب فرمایا تھا وہیں ان کے اوصاف وصفات کی تجلیات کا مظہر و مرکز بھی بنایا تھا کیونکہ غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں محمدی نورانی اداؤں کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔ اور عشق رسول میں جو فنا ہوتا ہے اسکا انوار سنت اور برکات رسالت کی دولت سے مالا مال ہونا بھی ایک یقینی دلابدی نتیجہ ہے اسلئے حق تعالیٰ نے حضرت والاؒ کو عشق واتباع کیلئے منتخب فرماکر یتیمی ونا داری وبیکسی اور ان پر بہترین ٹھکانے کمال غناء واستغناء اور ہدایت کاملہ کی دولتوں سے بھی مالا مال اور سرفراز فرمایا تھا۔ تجدد ملت و اقطاب واغوات کی آغوش شفقت وسایۂ عاطفت سے بہتر ٹھکانہ اور کونسا ہوسکتا ہے؟ غنائے قلبی وزہد وقناعت کی دولت سے بڑھکر کون سا غنا ہوسکتا ہے؟ اور عشق خداوندی وعشق پیغمبری میں فنائیت ومحویت سے بلند وبالا کون سی ہدایت ہوسکتی ہے؟ یہ سب دولتیں حق جل مجدہٗ نے حضرت والاؒ کو بدرجۂ کمال عطا

فرماتی تھیں۔ آپ کی صحبتِ بابرکت سے مالا مال ہونے والے اس کے شاہد ہیں۔ گو نا واقف لوگ شاید مبالغہ آرائی پر محمول کریں لیکن ع شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ بیشک معراج کمالات حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی و اتباع صحیح میں مضمر ہے۔

بیٹا خود سند ہو

حضرت والاؒ نے جامعہ مظاہر علوم سے سند نہیں لی اور یہ بات مجھے اسطرح معلوم ہوئی کہ میرے بعض اساتذہ نے مجھ سے فرمایا کہ مدرسے سے سند لے لو میں نے کہا کہ سند لیکر کیا کرونگا۔ اگر کچھ لیاقت ہوگی تو سند کی کیا ضرورت ہے اور اگر استعداد و لیاقت نہیں تو سند بیکار ہے۔ اور کہیں مجھے سرکاری ملازمت کرنی نہیں ہے اسلئے سند لینا بے سود ہے۔ اسپر ان حضرات نے فرمایا کہ سند ضرورت کیلئے نہیں برکت کیلئے لے لو اب جو اساتذہ کرام ہیں ان کے بابرکت دستخط اس سند پر ہوں گے۔ اور تمہارے پاس یہ متبرک یادگار رہے گی تو اچھا ہے۔ اس بات سے طبیعت میں آمادگی پیدا ہوگئی اور سند کی درخواست کرنے کیلئے حضرت والاؒ کی خدمت میں پہنچا۔ اور ہمت کرکے درخواست پیش کی۔ حضرت والاؒ مسکرائے اور فرمایا۔ بیٹا سند کیا کروگے خود ہی سند بن جاؤ۔ میں نے بھی سند نہیں لی۔ اور نہ اسکی کبھی ضرورت پیش آئی۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میری تو جرأت نہ تھی کہ آپ سے میں سند مانگتا اسلئے کہ سند کیلئے اہلیت کی ضرورت ہے اور سند کی درخواست میں میرے نزدیک اہلیت کا دعویٰ مضمر ہے۔ لیکن بعض حضرات اساتذہ نے مجھے سند لینے کا باصرار حکم فرمایا اور اس میں برکت کی حکمت بھی بیان فرمائی ہے تو اب حضرت والاؒ جیسا مناسب خیال فرمائیں وہ حکم فرمادیں بندہ ہر طرح راضی ہے اسپر حضرت والاؒ نے ناظم تعلیمات کو حکم فرمادیا اور سند مل گئی۔

نسیم احمد غازی مظاہری

حضرت اساتذۂ کرام!

حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی عادت ہے کہ اس عالمِ اسباب میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اسباب کے ذریعہ ہوتا ہے۔ ہر کام کیلئے اللہ نے اسباب پیدا فرماتے ہیں۔ اس عالم میں بلندی و پستی، علم و جہل اور ایمان و کفر تک کو اسباب سے وابستہ فرمایا گیا ہے جن حضرات کو اس عالمِ رنگ و بو میں کسی لائق سے بلندی عطا ہوئی اسکے بھی اسباب پیدا فرما دیئے ہیں۔ حضرت والاؒ کو علوم و اعمال صالحہ میں جو بلندی و رفعت عطا فرمائی گئی حق تعالیٰ نے اسکے لئے اندرونی و بیرونی اسباب بھی مہیا فرما دیئے تھے داخلی اسباب کمال عقل و فہم، ذکاوت و ذہانت اور پاکیزہ طبیعت جیسے بے بہا جواہر اور خارجی اسباب میں آغوشِ مادر سے لیکر تکمیل علوم و عرفان تک باکمال اساتذہ و مشائخ کے سلسلے ہیں۔

(۱) اولین استاذ و معلم آپ کو ایسی خوش گوہر و پُر از علم و ہنر مادر میسر آئیں جنکی آغوشِ شفقت آپ کی سب سے پہلی درسگاہ تھی۔

یہاں آپ کو کلامِ الٰہی کے الفاظ اور قرآن و سنّت کی روشنی میں تعلیم و تربیت حاصل ہوئی۔ اور علوم و عرفاں کی منزلوں کیلئے راہیں کشادہ و ہموار ہوگئیں۔ آپ کے والد محترم حضرت مولانا مفتی رشید اللہ صاحبؒ کی وفات تو ۱۳۲۶ھ میں اسوقت ہوگئی تھی جبکہ آپؒ کی عمر شریف صرف ۱۲ سال کی تھی اور غیر اختیاری طور پر سنّتِ یتیمی کی دولت بھی آپ کو میسر آگئی تھی۔ حضرت والاؒ کی والدۂ ماجدہ "اصغری بیگم" کافی عرصہ تک حیات رہیں اور اپنے دُرِّ یتیم کی بلندیوں کو دیکھ دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کرتی رہیں۔ اپنے نورِ نظر کی خوشگوار و پُر بہار زندگی کی اتنی حسین بہاریں دیکھ کر ۶ رجب ۱۳۴۵ھ م ۱۳ نومبر ۱۹۲۶ء بروز شنبہ بوقت صبح صادق اپنے لاڈلے فرزند ارجمند کے گھر

جان عزیز جانِ آفریں کے حوالہ فرما کر احاطہ حاجی شاہ کمال سہارنپور میں مدفون ہوئیں رحمۃ اللہ علیہا۔

(۲) حضرت اقدس مولانا حافظ عبد اللہ صاحب گنگوہیؒ

آپ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ مجاز اور مشہور کتابوں (تیسیر المبتدی وتیسیر المنطق وغیرہ) کے مصنف ہیں، آپ نے بیشتر مدرسہ امداد العلوم خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون میں درسی خدمات انجام دیں۔ جامعہ مظاہر علوم میں بھی استاذ کی حیثیت سے ایک مدت رہے۔ علوم وفنون میں بہت مہارت تھی۔ انداز تدریس انوکھا تھا، افہام وتفہیم میں یکتا تھے۔ ابتدائی تعلیم سے خاص شغف تھا وفات سے پہلے اپنا تمام کتب خانہ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کو وقف کر دیا تھا آپ کی وفات ۱۵ رجب ۱۳۳۹ھ کو ہوئی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(۳) حضرت مولانا شبیر علی صاحب فاروقی تھانویؒ

آپ حضرت تھانویؒ کے چھوٹے بھائی جناب اکبر علی صاحبؒ کے فرزند ارجمند تھے۔ ولادت ۸ رمضان ۱۳۱۲ھ میں ہوئی حضرت حکیم الامتؒ نے اپنے بھتیجے کو یہ کہہ کر مانگ لیا تھا کہ میرے کوئی اولاد نہیں ہے شبیر علی کو مجھے دیدیں میں اسکو عالم بناؤں گا۔ پھر تو آپ حضرت تھانویؒ کے پاس رہے۔ اور حضرت مولانا ظفر احمد صاحبؒ کی معیت میں آپ نے حضرت مولانا عبد اللہ صاحب گنگوہیؒ سے صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔

حضرت مولانا عبد اللہ صاحب گنگوہیؒ نے تیسیر المبتدی حضرت موصوف کیلئے ہی تصنیف فرمائی تھی چودہ سال کی عمر میں متوسطات تک جملہ کتب پڑھ چکے۔ تو دورۂ حدیث کیلئے حضرت تھانویؒ نے حضرت سہارنپوریؒ سے خط کے ذریعہ مشورہ طلب کیا۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ "شبیر علی کو میرے پاس بھیج دیا جائے۔ میں ان کو مثل اپنی اولاد کے رکھونگا اور پڑھاؤں گا"۔ چنانچہ آپ شوال ۱۳۳۰ھ میں سہارنپور آئے اور دورۂ حدیث میں داخلہ لیا بخاری شریف وترمذی شریف حضرت اقدس

سہارنپوریؒ سے اور ابوداؤد شریف، ابن ماجہ شریف، نسائی شریف حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب سے پڑھیں۔ دورۂ حدیث کے ساتھ آپ نے بیضاوی شریف موطا امام مالک شریف، موطا امام محمد شریف اور توضیح تلویح بھی پڑھیں۔

حضرت مولانا محمد حیات صاحب سنبھلی صدر العلماء حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری وغیرہ آپ کے دورۂ حدیث کے خصوصی رفقاء ہیں ۱۳۳۲ھ میں آپنے دوبارہ مظاہر علوم میں داخلہ لے کر اقلیدس تصریح، صدرا، حمد اللہ، ملا حسن، شرح چغمینی، قاضی مبارک، خلاصۃ الحساب سبع شداد، رسالہ میر زاہد، شمس بازغہ پڑھیں۔ حضرت سہارنپوریؒ نے اپنے دست مبارک سے تحریر فرما کر سند خصوصی عطا فرمائی۔ مظاہر علوم سے تکمیل وفراغت کے بعد آپ نے حضرت شیخ الہندؒ سے کتب حدیث کی سماعت کی۔ اسکے بعد آپنے ایک سال تک بلا تنخواہ مظاہر علوم سہارنپور میں درس دیا اور عربی کی ابتدائی کتب پڑھائیں پھر آپ تھانہ بھون میں قیام پذیر ہو گئے اور تدریسی خدمات انجام دیتے رہے ۱۳۳۷ھ میں مدرسہ امداد العلوم خانقاہ کا نظم ونسق بھی آپ کے حوالے کر دیا گیا جسکو آپ نے بہت خیر خوبی سے انجام دیا علاوہ ازیں آپ کو "سفیر اشرف" ہونے کا بھی شرف حاصل رہا ہے حضرت مولانا تھانویؒ اکثر آپ ہی کو مسٹر محمد علی جناح کے پاس بغرض تبلیغ وارشاد بھیجتے تھے۔ حضرت تھانویؒ کو آپ سے بے حد محبت تھی آپ کے نام کا سجع بھی حضرتؒ نے "محبوب نبی شبیر علی" کہا تھا۔ حضرت تھانویؒ کے وصال کے بعد ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ م ۱۸ اپریل ۱۹۴۴ء میں آپ کو جامعہ مظاہر علوم کا سرپرست منتخب کیا گیا۔ آپ ان سرپرستان میں پہلے نمبر پر آتے ہیں جو مظاہر علوم سے فارغ ہو کر مدرسہ کے سرپرست منتخب ہوئے شعبان ۱۳۶۵ھ کو مولانا نے تھانہ بھون سے تحریر فرمایا کہ میں ماہ شوال میں حج کیلئے جا رہا ہوں اور وہاں ایک سال قیام کا ارادہ ہے اسلئے سرپرستی سے میرا استعفاء منظور کیا جائے۔ ۱۳۶۳ھ سے ۱۳۶۷ھ تک آپ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممبر بھی رہے۔ مولانا کی اولوالعزمی اور بلند ہمتی کا ایک نمونہ یا زندہ ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے اعلاء السنن کی سات جلدیں (بارہ سے اٹھارہ تک) چھپوائیں اور انہار السکن مقدمہ اعلاء السنن کا دوسرا حصہ اور انجاز الوطن کا پہلا حصہ بھی

طبع کرایا۔ نیز حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ کی احکام القرآن کی جلد اول و دوم بھی طبع کرائیں۔ اسکے علاوہ مولانا تھانویؒ کے مواعظ و مسودات درستگی و صحت کے بعد طبع کراتے۔ آپنے مولانا تھانویؒ کے علوم سے امت کو مالا مال فرمایا۔

حضرت مولانا نے مرحوم صحافت کے میدان میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ ماہنامہ الامداد تھانہ بھون کے نائب مدیر رہے جو ماہ رجب ۱۳۳۳ھ مطابق جون ۱۹۱۵ء کو حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی یادگار میں جاری ہوا تھا، ماہنامہ الشیخ تھانہ بھون کے مدیر رہے ماہنامہ "المبلغ تھانہ بھون" کے مدیر رہے جو شوال ۱۳۲۵ھ میں جاری ہوا تھا اور ماہنامہ "النور تھانہ بھون" کے بھی مدیر رہے حجۃ الاسلام حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا شبیر علی صاحبؒ سے متعدد ابتدائی کتابیں تھانہ بھون کے قیام میں اسوقت پڑھیں جبکہ مولانا نے موصوف دورۂ حدیث پڑھنے کیلئے سہارنپور نہیں آئے تھے بلکہ تھانہ بھون زیر تعلیم تھے۔

وفات حسرت آیات

اخیر عمر میں ضعف و علالت کے ساتھ آپ کو سانس کی تکلیف بھی ہوگئی تھی جسکی وجہ سے کہیں آنا جانا مشکل تھا اسلئے ہمہ وقت اپنے مکان ہی پر تشریف فرما رہتے تھے چلنے پھرنے سے سانس پھول جاتا تھا آخرکار ۲۸ رجب ۱۳۸۸ھ ۲۰ اکتوبر ۱۹۶۸ء کو بعد مغرب ۷ ½ بجے آپکا کراچی میں انتقال ہوا اور ناظم آباد ۴ کے قبرستان میں حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ انا للہ الخ

(۴) حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی شیخ الاسلام پاکستان

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی بن شیخ لطیف احمد بن شیخ نہال احمد، مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کے حقیقی بھانجے تھے۔
آپکی پیدائش ۱۳ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ کو دیوبند میں ہوئی قرآن پاک ناظرہ جناب حافظ نامدار صاحب، جناب حافظ غلام رسول صاحب اور جناب مولانا نذیر احمد صاحب سے پڑھا، اسکے بعد جو انیس سال کی عمر میں جبکہ درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور افتاء جیسے اہم مشاغل میں مصروف تھے صرف چھ ماہ کے عرصہ میں حافظ عبداللطیف صاحب کے پاس قرآن پاک حفظ کیا، ناظرہ ختم کرنے کے بعد نو ۹ سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور فارسی کی ابتدائی کتابوں

ہے کہ گلستان و بوستاں تک مولانا محمد یسین صاحبؒ سے پڑھیں۔ آپ کے والد صاحب
کی خواہش تھی کہ انگریزی تعلیم حاصل کریں مگر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اس سے نفرت
تھی اسلئے اپنے بڑے بھائی (مولانا شبیر احمد صاحب) کو تھانہ بھون خط لکھا کہ میں دینی تعلیم
کا شائق ہوں انگریزی سے نفرت رکھتا ہوں، ماموں جان (حضرت اقدس تھانویؒ) سے
اس کا تذکرہ کرکے میرے لئے مشورہ کریں آپ کے بھائی صاحب نے وہ خط حکیم الامت مولانا تھانوی کی
خدمت میں پیش کردیا حضرت کو بھانجے کے اس دینی جذبہ سے بہت مسرت ہوئی
اور آپ کو تھانہ بھون بلالیا وہاں پہونچ کر آپ نے عربی کی ابتدائی تعلیم حضرت مولانا حافظ
عبداللہ صاحب گنگوہیؒ سے حاصل کی بعد ازاں ہدایۃ النحو، قدوری، التلخیصات العشر
اور ترجمہ قرآن شریف تک کی تعلیم بھی آپ نے تھانہ بھون ہی میں حاصل کی ۱۳۲۳ھ
میں مدرسہ جامع العلوم کانپور تشریف لیگئے، وہاں مشکوٰۃ و جلالین و ہدایہ کی
جماعت میں شریک ہوئے اور نصاب کی تکمیل کے بعد وہیں حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب
بردوانیؒ سے کتب صحاح ستہ مع مؤطا امام مالک سبقاً سبقاً پڑھیں۔ فراغت کے
بعد حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کی خواہش تھی کہ معقولات کی تکمیل کیلئے دیوبند چلے
جائیں۔ مگر حضرت مولانا کی خواہش جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخل ہونے کی
تھی اسلئے حضرت اقدس مولانا تھانویؒ کی اجازت سے آپ جامعہ مظاہر علوم چلے آئے
اور وسط محرم ۱۳۲۷ھ میں یہاں داخلہ لے کر آپ نے حدیث شریف اور معقولات و فنون
کی کتابیں پڑھیں۔ منطق، فلسفہ، ریاضی، اور ہیئت کی تکمیل شیخ الاسلام حضرت مولانا
سید عبداللطیف صاحبؒ اور حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ پنجابی سے کی۔ ۱۳۲۸ھ
میں فراغت ہوئی اسی سال (۱۳۲۸ھ میں) مظاہر علوم کے اکثر اساتذہ حج کیلئے تشریف
لیگئے تو مولانائے موصوف بھی اسی سال حج و زیارت سے مشرف ہوئے ۱۳۲۹ھ میں
حضرت مولانا حافظ عبداللہ صاحب گنگوہی استاذ جامعہ مظاہر علوم تھانہ بھون تشریف
لے گئے تو انکی جگہ پر حضرت مولانائے موصوف کو جامعہ مظاہر علوم میں استاذ مقرر کرلیا گیا
یہاں آپ نے شرح وقایہ، نور الانوار، سبع معلقات، دیوان متنبی، ہدایہ، مشکوٰۃ شریف،
ترمذی، شرح عقائد، خیالی وغیرہ علوم و فنون کی کتابیں پڑھائیں (آپ کے مخصوص تلامذہ
میں سے حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحبؒ، عارف باللہ حضرت

مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی، شیخ الادب و مفسر قرآن حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی، قطب العالم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مہاجر مدنی اور صدر العلماء حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری بھی تھے رحمہم اللہ) لیکن ناموافقت آب و ہوا کی وجہ سے آپ ۱۳۲۶ھ میں ایک سال کیلئے گڑھی پختہ تشریف لےگئے وہاں بھی ابتدائی کتابوں سے بخاری شریف و مسلم شریف تک کتابیں پڑھائیں ۱۳۳۰ھ میں دوبارہ حج کیا اور واپسی پر مستقل تھانہ بھون میں قیام فرمالیا (اسی لئے آپ کو تھانوی کہتے ہیں حالانکہ آپکا اصلی وطن دیوبند رہا) ۔ تھانہ بھون کے قیام میں درس و تدریس، فقہ و فتاویٰ اور تصنیف و تالیف کے مشاغل کے ساتھ ساتھ حکیم الامت حضرت اقدس مولانا تھانویؒ کی نگرانی و سرپرستی میں دینی و سیاسی تحریکات میں سرگرم عمل رہے۔ تقسیم کے موقعہ پر پاکستان تشریف لے گئے ۔

آپ نے جامعہ مظاہر علوم سہارنپور، مدرسہ ارشاد العلوم گڑھی پختہ اور مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون کے علاوہ مدرسہ راندیر یہ رنگون مدرسہ اشرف العلوم ڈھاکہ، ڈھاکہ یونیورسٹی، مدرسہ عالیہ ڈھاکہ اور جامعہ قرآنیہ ڈھاکہ میں بھی تعلیمی خدمات انجام دیں ۔ اخیر میں دارالعلوم ٹنڈوالہیار میں شیخ الحدیث کے عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے اور یہیں کے زمانۂ قیام میں ۲۳ ذوقعدہ ۱۳۹۴ھ م ۸ دسمبر ۱۹۷۴ء بروز پنجشنبہ صبح نو بجے نوے سال کی عمر میں وفات پائی ۔ رحمہ اللہ تعالیٰ ۔ آپ علوم و فنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے ۔ صحافت کے میدان میں آپکا مقام ایک امتیازی مقام تھا ۔ آپ کی تصنیفی خدمات بڑی کامیاب و تابناک ہیں آپ تقریباً چالیس جلیل القدر تصانیف کے مصنف اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے اجل خلفا میں سے تھے ۔ انوارالنظر فی آثارالظفر، آپ کی اپنی خودنوشت مختصر سوانح حیات ۲۶۰ صفحات پر مشتمل دو حصوں میں شائع ہو چکی ہے

(۵) شیخ الاسلام حضرت مولانا حافظ سید عبداللطیف صاحب

آپ کے والد محترم کا نام مولانا جمیعت علی صاحب ہے

ولادت اندازاً ۱۲۹۹ھ میں پور قاضی ضلع مظفرنگر میں ہوئی حفظ قرآن پاک مدرسہ تعلیم الاسلام جامع مسجد پور قاضی میں جناب حافظ امانت علی صاحب بگھروی سے کیا پھر ابتدائی کتب فارسی اپنے والد محترم سے بھاولپور میں پڑھیں ۔

حضرت مولانا سید جمعیت علی صاحب گورنمنٹ کالج بھاولپور میں شعبۂ عربی و فارسی کے صدر تھے اور جامعہ مظاہر علوم کے سرپرست بھی ایک مدت تک رہے ایکمرتبہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب بھاولپور تشریف لے گئے تو آپ کے والد صاحبؒ نے آپ کو دینی تعلیم کیلئے حضرت اقدسؒ کے حوالہ کر دیا اور آپ حضرت کے ہمراہ سہارنپور آگئے ۱۲ مارچ ۲ ربیع ۱۳۱۵ھ میں آپکا داخلہ جامعہ مظاہر علوم میں ہوا اسوقت آپ کی عمر ۱۶ سولہ سال کی تھی۔ یہاں تعلیم کا آغاز میزان الصرف، ایساغوجی، قال اقول زرداری، مراح الارواح، بوستاں وغیرہ سے کیا ۱۳۲۰ھ میں مشکوٰۃ شریف، ہدایہ اولین، ملا جلال، میبذی۔ اور ۱۳۲۱ھ میں جلالین، بیضاوی، مقامات، حماسہ، پڑھیں ۱۳۲۲ھ میں کتب صحاح کے ساتھ بیضاوی، ہدایہ آخرین، اور قاضی مبارک پڑھکر فراغت حاصل کی ۱۳۲۳ھ میں شعبۂ فنون میں داخل ہو کر توضیح تلویح، دیوان متنبی اور صدرا وغیرہ کتب پڑھیں آپنے بخاری، مسلم، ترمذی، اور ابن ماجہ حضرت اقدس سہارنپوریؒ سے اور نسائی حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحبؒ سے اور مشکوٰۃ شریف حضرت مولانا ثابت علی صاحبؒ سے پڑھی تھیں اور آپ دورۂ حدیث کے امتحان سالانہ میں تمام جماعت میں اول نمبرات سے کامیاب ہوتے تھے۔

درس و تدریس

فراغت کے بعد ۱۳۲۳ھ میں حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ کی تجویز کے مطابق آپ کو جامعہ مظاہر علوم کا استاذ بنالیا گیا۔ ظاہری سبب یہ ہوا کہ ۱۳۲۳ھ میں حضرت مولانا علی محمد صاحب نائب مہتمم بیمار اور امور اہتمام کی انجام دہی سے معذور ہو گئے تو بڑے حضرت رائپوریؒ موصوف نے حضرت مولانا مفتی عنایت الٰہی صاحبؒ کو مدرسہ کا مہتمم تجویز کر دیا اور ان کے چند اسباق حضرت مولانا سید عبداللطیف صاحب کے حوالہ فرما دیئے گئے اہل مدرسہ کو اس تجویز کی اطلاع دیتے ہوئے حضرت رائپوریؒ نے تحریر فرمایا کہ، مولوی عبداللطیف جو قریب الفراغ اور نہایت مستعد طالب علم ہیں بمشاہرہ دس روپے انکی جگہ مقرر کئے جائیں یکم جمادالاولیٰ سے اس کا اجراء کیا جائے ہو اس تجویز کے مطابق آپکا تقرر بعہدۂ معین مدرس ہوا اور شرح وقایہ از ۶۲ شرح تہذیب، میر قطبی، ہدیہ سعیدیہ، نصول اکبری، اصول الشاشی کے اسباق آپ کے لئے طے ہوتے آپ کے حسن کارکردگی و مستعدی کے پیش نظر حضرات سرپرستان نے

۱۵ ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ کو پندرہ روپے مشاہرہ پر آپ کا تقرر مستقل کر دیا۔ شوال ۱۳۳۹ھ میں استاذ حدیث بنائے گئے اور پہلی ہی بار حدیث کی دو بڑی کتابوں بخاری شریف و ترمذی شریف کا درس آپ کے حوالہ کیا گیا۔ آپ نہایت جید الاستعداد عالم تھے ہر فن کی کتب بے تکلف پڑھاتے تھے لیکن آپ کی محنت کا اصل میدان حدیث شریف تھا۔ ۱۳۴۴ھ میں جب حضرت مولانا خلیل احمد صاحب حجاز تشریف لیجارہے تھے تو صحاح ستہ کے اسباق حضرت مولانا سید عبد اللطیف صاحب، حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب کاملپوریؒ اور حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحبؒ پر تقسیم کئے گئے حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ ۱۳۴۶ھ میں جب مدینہ منورہ سے واپس وطن تشریف لائے تو وہ بھی اساتذۂ حدیث کی اس بزم میں شامل ہوئے۔ ۱۳۴۶ھ سے ۱۳۷۲ھ تک بخاری شریف جلد ثانی کا درس حضرت مولانا سید عبد اللطیف صاحب کے پاس رہا۔ اسکے علاوہ دوسری کتب حدیث اور علوم و فنون کی کتابیں آپ کے پاس ہوتی رہیں۔ (علمائے مظاہر علوم)

شوال ۱۳۲۴ھ میں پہلی بار حضرت سہارنپوریؒ کے ہمراہ حج و زیارت کا شرف حاصل ہوا اور آپ کے اسباق حضرت مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوریؒ نے پڑھائے ماہِ صفر ۱۳۲۵ھ میں واپسی ہوئی، دوسرا حج ۱۳۲۸ھ میں کیا اس سال قافلہ میں حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم صاحب، حضرت مولانا ثابت علی صاحب، حضرت مولانا فیض الحسن صاحبؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہم تھے۔ حضرت سہارنپوریؒ جب ۱۳۳۳ھ میں حج کو تشریف لیگئے تو آپ کو عارضی طور پر مظاہر علوم کا ناظم قرار دیا گیا۔ آپ کے حسن کارکردگی اور بہترین انتظام کو مدرسہ مظاہر علوم کی روداد ۱۳۳۳ھ میں بہت سراہا گیا ہے۔ حضرت سہارنپوری ۱۳۴۴ھ میں جب حجاز مقدس تشریف لیگئے، تو یہ تحریر فرما گئے تھے کہ:

"میری غیبت میں حافظ عبد اللطیف صاحب ۱۷ سترہ روپے (مشاہرہ) پر ناظم اور مولانا عبد الرحمٰن صاحب باضافہ پانچ روپے مدرس مدرسہ ہیں حافظ صاحب کے پاس تین گھنٹے سبق رہے اور باقی وقت میں مدرسہ کا انتظام فقط"

چنانچہ ۱۳۴۷ھ تک حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحب مہتمم اور شیخ الاسلام حضرت مولانا

فظ سید عبداللطیف صاحب ناظم رہے۔

۲۰ ربیع ۲ ۱۳۴۷ھ میں حضرت مہتمم صاحب موصوف کے وصال پر یہ مسئلہ در پیش ہوا کہ اہتمام کیلئے کوئی جدید تقرر کیا جائے یا عہدۂ اہتمام بھی ناظم صاحب سونپ دیا جائے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کی رائے سے اہتمام و انتظام نوں حضرت ناظم صاحب کے حوالہ کردیئے گئے اور مجلس شوریٰ منعقدہ ۲۳ رجب ۱۳۴۷ھ ۷ دسمبر ۱۹۲۸ء میں تفویض کی قرارداد منظور ہوگئی۔

کے دور اہتمام و انتظام مظاہر علوم کیلئے ہر اعتبار سے روشن و تابناک رہا۔ واردین و ادرین آپ کے حسن انتظام سے بے حد متاثر ہوتے اور کھلے دل سے اعتراف کرتے تھے۔ یم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند بکثرت فرمایا کرتے تھے کہ عمارت کے حساب سے تو دارالعلوم بڑا ہے اور نظم و انتظام کے اعتبار سے مظاہر علوم نکہ وہاں پر حضرت شیخ الاسلام (مولانا سید عبداللطیف صاحب) جیسی منتظم شخصیت کے زیر اہتمام کام ہوتا ہے۔

رما کے دو سفر

حضرت ناظم صاحبؒ قرب وجوار کے دیہات، ہندوستان کے مختلف علاقوں اور دور دراز شہروں میں جامعہ مظاہر علوم لئے تشریف لے جاتے رہتے جس سے جامعہ مظاہر علوم کو زبردست تعارف و استحکام حاصل ئے اسی سلسلہ میں آپ نے رنگون برما کے دو سفر کئے۔ پہلا سفر ۱۳۴۳ھ میں حضرت سہارنپوریؒ کے ہمراہ کیا اس سفر میں حضرت مولانا منظور احمد خان صاحبؒ و حضرت مولانا زکریا قدوسیؒ بھی ہمراہ تھے۔ مؤخر الذکر دونوں حضرات مدرسہ کی انتظامی مصالح پیش نظر رمضان میں اور حضرت سہارنپوریؒ

ضرت ناظم صاحبؒ شوال میں واپس تشریف لائے

سرا سفر ۱۳۷۳ھ میں ہوا۔ ۲۳ صفر ۱۳۷۳ھ م یکم نومبر ۱۳۵۲ء یکشنبہ کی صبح کو سہارنپور سے دہلی کیلئے روانہ ہوئے ویزا وغیرہ کی تکمیل کے بعد ۲۴ صفر کو کلکتہ تشریف لے گئے ایک ہفتہ وہاں قیام کرکے یکم ربیع الاول ۱۳۷۳ھ م ۸ نومبر ۱۹۵۳ء کو کلکتہ سے وائی جہاز کیذریعہ براہ چاٹگام رنگون پہنچے۔ ہوائی اڈہ پر رنگون کے علما، تجار، معززین نے شاندار استقبال کیا۔ اس سفر میں حضرت مولانا امیر احمد صاحبؒ

(حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب حال ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم بھی آپ کے ہمراہ تھے
۹ر نومبر کو برما سے شائع ہونے والے اخبارات وجرائد میں موٹی سرخیوں کے ساتھ
ان حضرات کی آمد کی خبر شائع ہوئی۔ اظہارِ مسرت اور مختلف تقریبات کے اعلانات
ہوئے،، روزنامہ دورِ جدید رنگون،، میں خاص طور پر آپ کے پروگرام، تقریروں کے
اقتباسات اور دوروں کی تفصیلات شائع ہوئیں اور آپ کے بیانات کتابچوں کی
شکلوں میں شائع ہوتے رہے۔

برما کے مختلف شہروں کے دوروں میں وہاں کے وزراء، عمائدین اور علماء ہمراہ رہے
پورے ملک میں شور تھا کہ حضرت شیخ الاسلام،، تشریف لے آئے،، حضرت شیخ الاسلام
تشریف لے آئے۔ ان حضرات کے اس دورہ سے مسلمانوں میں دینی بیداری، مسلکِ حق
کی اشاعت، بہت سے مدارس کا قیام اور قدیم دینی اداروں کو استحکام حاصل ہوا
اور جامعہ مظاہر علوم کو زبردست فائدہ پہنچا۔

۲ر ج ۲ ۱۳۷۳ھ م ۷ر فروری ۱۹۵۴ء یکشنبہ کی صبح رنگون سے ذریعہ ہوائی جہاز
چاٹگام پہنچے وہاں سے ۱۲ر فروری کی شب میں ریل سے روانہ ہوکر ڈھاکہ آئے اور
وہاں ایک ہفتہ قیام فرماکر ۱۹ر فروری جمعہ کی صبح کو ہوائی جہاز سے کلکتہ اور وہاں سے
۲۳ر فروری کی شام کو چلکر ۲۵ر فروری ۲۰ جمادی الثانیہ کی شب میں دو بجے بخیر وعافیت
سہارنپور پہنچے یہاں مظاہر علوم کے علماء وطلبہ استقبال کیلئے اسٹیشن پر موجود تھے
اس چار ماہ کے طویل سفر میں امور انتظام وانصرام حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا
الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب رحمہ ونقیہ الاسلام حضرت مولانا قاری سعید احمد صاحب رحمہ
مفتی اعظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور، پوری مستعدی وذمہ داری کے ساتھ انجام دیتے رہے
راقم السطور کی کنز الدقائق کا سبق حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب کے پاس تھا آپ کے
اس سفر کے دوران یہ سبق حضرت مولانا ظہور الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھایا۔ واپسی
پر کتاب الودیعۃ سے پھر حضرت موصوف نے پڑھایا اور کتاب کی تکمیل کے بعد تعلیم المتعلم
بھی پڑھائی۔

اس سال بخاری شریف مکمل حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رح نے پڑھائی
حضرت اقدس ناظم صاحب رح سفر سے واپسی پر بہت علیل ہوگئے تھے۔

البتہ بخاری شریف حضرت موصوف نے ختم کرائی تھی۔ بخاری کا آخری سبق دارالاہتمام مدرسہ قدیم میں ہوا، ختم میں علماء طلبہ موجود تھے راقم السطور بھی حاضر تھا حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ بھائی میرے لئے دعا فرمایئے کہ ایمان پر خاتمہ ہو اب زندگی کی امید نہیں ہے، اس جملہ کو سنکر سب حاضرین زار وقطار رونے لگے اور ایک کہرام مچ گیا، حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحبؒ کھڑے ہوئے آنسوؤں سے چہرہ تر تھا اور یہ شعر پڑھکر بیٹھ گئے ؎

محبت گرم گرم آنسو، محبت سرد سرد آہیں ٭ الٰہی ساری دنیا کو یہی آزار ہو جائے

بیعت اور اجازت وخلافت

حضرت اقدس ناظم صاحبؒ حضرت اقدس سہارنپوریؒ سے بیعت اور انہیں کے تعلیم فرمودہ اوراد ومعمولات کے پابند تھے ۱۳۴۳ھ میں سفر برما کے موقع پر حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیثؒ نے انتہائی لجاجت اور تواضع کے ساتھ درخواست کی کہ "حضرت آپ میرے استاذ ہیں، بڑے ہیں لیکن ضرورت کی وجہ سے مجبور ہو کر عرض کرتا ہوں کہ برما میں سلوک روحانیت کی لائن چلانا بھی ضروری ہے اسلئے حضرت سے کوئی بیعت کی درخواست کرے تو دریغ نہ فرمائیں بیعت فرمالیا کریں۔ میری طرف سے حضرت کو اجازت ہے"

علالت ورحلت

حضرت شیخ لکھتے ہیں کہ ۱۳ ربیع الاول ۱۳۸۴ھ کو دہلی بضرورت مدرسہ تشریف لے گئے تھے دہاں شیخ رشید احمد صاحبؒ کی کوٹھی پر مرض ہیضہ ہو گیا۔ سب ڈاکٹروں نے اور طبیبوں نے جواب دیدیا شیخ رشید احمد صاحب نے سو روپے پر ایک کار کر کے حضرت ناظم صاحب کو سہارنپور روانہ کیا۔ حضرت ناظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو پچھلی سیٹ پر تکیوں کے سہارے لٹایا گیا یہ ناکارہ اور چچا جان قدس سرہٗ نیچے جوتوں کی جگہ بیٹھے کسی کو امید نہ تھی کہ جمنا بھی پار کر سکیں گے بالکل آخری حالت تھی مگر جمنا کا پل پار کرنے کے بعد جب حضرت ناظم صاحب کو افاقہ ہونا شروع ہوا تو پور قاضی وطن کی سڑک پر پہنچ کر شدت سے اصرار فرمایا کہ میں گھر ہوتا آؤں۔ ہم لوگوں نے شدت سے انکار کیا مگر اللہ کی قدرت کے کرشمے کہ میں اور چچا جان ان کو سہارا دے کر مکان پر لیگئے جو سڑک کے قریب ہی ہے سہارنپور پہنچنے پر بحمداللہ مرض میں بہت تخفیف تھی لیکن ضعف ومرض کا کچھ اثر کئی ماہ رہا اس

کے بعد حضرت کی صحت متاثر رہی اور گوناگوں امراض کا شکار ہوئے۔ ضعف پیری بھی لاحق تھا اسی کمزوری کی حالت میں آپ ۲۲ر صفر ۱۳۷۳ھ کو بضرورت مدرسہ رنگون تشریف لیگئے اور وہاں طبیعت ناساز ہوئی ۲۰ر جمادی الثانیہ کو واپسی ہوئی اور واپسی کے بعد سے مرض کی شدت بڑھتی ہی چلی گئی بالآخر ۱ر ذوالحجہ ۱۳۷۳ھ دوشنبہ کی صبح ۱۰ بجے وصال ہوگیا اور ڈھائی بجے شام کو حاجی شاہ میں اس مجسمۂ اخلاق کو سپرد خاک کردیا گیا (آپ بیتی ۲)

حضرت ناظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس نظامت علیا کے عہدۂ جلیلہ پر سرفراز کیا گیا۔ آپنے تادم آخر اس عظیم ذمہ داری کو باحسن وجوہ نبابا اور جامعہ مظاہر علوم کی روز افزوں ترقیات کو چار چاند لگا دیئے۔ جزاہم اللہ خیرالجزاء

(۴) حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری

بہبودی، ضلع کیمبل پور (مغربی پنجاب پاکستان) میں ۲۷ر اگست ۱۸۹۲ء میں پیدا ہوئے والد صاحب کا نام مولانا حکیم گل احمد ہے فارسی اور ابتدائی عربی تا کافیہ اپنے وطن میں مولانا فضل حق شمس آبادی (شاگرد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی) سے پڑھی پھر مختلف علوم و فنون کی تعلیم مولانا قاضی عبدالرحمٰن صاحب، مولانا عبدالرؤف صاحب مولانا حسن الدین صاحب اور مولانا عبدالکریم صاحب وغیرہم سے حاصل کی۔ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں ۱۳۳۱ھ م ۱۹۱۳ء میں دورۂ حدیث شریف پڑھا۔ آپنے بیضاوی شریف، توضیح تلویح، ہدایہ آخرین۔ ترمذی شریف اور بخاری شریف حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے ابو داؤد شریف، نسائی شریف، اور ابن ماجہ شریف حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب سے اور بقیہ کتب اور اساتذہ سے پڑھیں۔

حضرت مولانا شبیر علی صاحب تھانوی اور حضرت مولانا محمد حیات صاحب سنبھلی آپ کے مخصوص رفقاء میں سے ہیں۔ دورۂ حدیث کے امتحان سالانہ میں آپ پوری جماعت میں نمبر اوّل کامیاب ہوئے تھے ۱۳۳۲ھ میں آپ نے کتب فنون، سبعہ معلقہ مقامات حریری حماسہ، شرح چغمینی، تحریر اقلیدس، تصریح، صدرا، دیوان متنبی، مسلم الثبوت، خلاصۃ الحساب، سبع شداد، شمس بازغہ پڑھیں اور اس مرتبہ بھی امتیازی نمبرات سے

کامیاب ہوئے۔ پھر ایک سال دارالعلوم دیوبند میں گذارا اور حضرت شیخ الہندؒ کے درس حدیث میں شریک ہوئے ۱۳۲۳ھ میں دیوبند سے واپسی پر آپ کو پندرہ روپے مشاہرہ پر مدرس مقرر کیا گیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں مدرس دوم قرار دیئے گئے۔ اور ۱۳۴۴ھ میں حضرت سہارنپوریؒ نے حجاز مقدس کو روانگی کے وقت حضرت مولانا کو صدر مدرس اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حافظ سید عبداللطیف صاحبؒ کو ناظم اعلیٰ تجویز فرما دیا

یہ انتظامات گو عارضی تھے لیکن حجاز پہنچکر حضرت سہارنپوری نے جب ہجرت کی نیت فرمالی اور مدینہ پاک کا قیام مستقل ہو گیا تو وہاں سے تحریر فرمایا کہ:

" جو انتظامات عارضی طور پر کئے گئے تھے ان سب کو مستقل کر دیا جائے "

چنانچہ آپ اس عہدۂ صدارت پر آزادی ہند تک فائز رہے۔ آپکے زمانۂ صدارت میں انضباطِ تعلیم کا نقشہ بھی مرتب کیا گیا اور حضرت مولانا کو اس کا نگراں قرار دیا گیا آپ نگرانی فرماتے اور ماہانہ نقشہ جات خواندگی مدرسین سے پڑکرا کر جانچ پڑتال اور فردِ گذاشتوں پر تنبیہات فرماتے۔ ان کے بعد والے صدر بھی تا ہنوز اسی طرز پر اسکی انجام دہی کرتے ہیں۔ حضرت مولاناؒ نے کل ۳۵ سال مدرسہ میں کتب حدیث اور کتب فنون پڑھائیں ان میں ۲۳ سال صدر مدرس کی حیثیت سے رہے۔ آپ اردو، فارسی، عربی اور بنگالی زبانوں میں مہارت و عبور رکھتے تھے۔ آپکا درس ترمذی بہت مسلّم اور مشہور رہا ہے۔

بیعت وارشاد

آپ کا روحانی و اصلاحی تعلق حضرت اقدس سہارنپوری سے تھا آپ کی فطری صلاحیتوں اور کمالات و محاسن کیوجہ سے حضرت آپ پر خصوصی شفقتیں اور توجہات فرماتے تھے۔ حضرت سہارنپوریؒ کی وفات کے بعد حضرت تھانویؒ کے دامنِ فیض سے وابستہ ہو گئے آپنے حضرت تھانویؒ کو پہلا خط ۳۰ رجب ۱۳۴۷ھ میں تحریر فرمایا تھا کہ:

" احقر کا ارادہ حضرت کے سلسلہ میں داخل ہو کر ذکر و اذکار کرنے کا حسب تجویز اقدس ہے۔

حضرت تھانویؒ نے جواباً تحریر فرمایا کہ:

"گو میں حضرات اہل کمال کی خدمت کی اہلیت نہیں رکھتا لیکن تاہم خدمت سے عذر نہیں"

پھر آپ معاملات سلوک و مسائل مشکلہ میں مسلسل مراسلت رکھتے آپ کے مکاتیب کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ یہ تمام جواہر پارے اس راہ کے سالکین کیلئے مشعل راہ قرار دے کر حضرت تھانویؒ کی سوانح "اشرف السوانح" کا جز بنا دیئے گئے۔
حضرت مولانا تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ:
"مولانا کامل پوری نہیں کامل پورے ہیں"
جس زمانے میں آپ مظاہر علوم میں صدارت کے منصب پر فائز تھے حضرت اقدس تھانویؒ نے از خود مولانا کو مجاز بیعت بنا دیا اس پر آپ نے معذرت نامہ میں لکھا کہ میں نے تو ابھی تک بیعت بھی نہیں کی پھر خلافت کا استحقاق کیسا؟
اس پر حضرت تھانویؒ نے جواباً تحریر فرمایا کہ
"میرے نزدیک اہلیت شرط ہے بیعت شرط نہیں"
حضرت تھانویؒ بیعت ہونے والے اکثر علماء فضلا کو تربیت کیلئے حضرت مولانا ہی کے حوالے فرماتے تھے۔ آپ کی ذات بابرکات مجموعۂ کمالات و حسنات تھی آپ سے خلق خدا کو بہت فیض ہوا ہے
۱۹۴۷ء کے ہولناک فسادات سے قبل رمضان المبارک کی تعطیلات میں آپ اپنے وطن بہوڑی تشریف لے گئے تھے ادھر ملک تقسیم ہوگیا راستے مسدود ہو گئے۔ آپکا واپس آنا مشکل ہوگیا۔ ادھر پاکستان میں بھی تیزی سے مدارس کا قیام عمل میں آیا اسلئے آپ وہیں خدمت دین و اشاعت علوم نبویہ میں مشغول ہو گئے۔ چنانچہ پہلی بار ۱۳۶۷ھ سے ۱۳۶۹ھ تک مدرسہ خیر المدارس ملتان میں رہے اس دو سالہ مدت میں (۱۰۸) طلباء نے آپ سے علوم حدیث کی سند حاصل کی ۱۳۶۹ھ سے ۱۳۷۲ھ تک دار العلوم ٹنڈو الہ یار حیدر آباد میں شیخ الحدیث رہے۔ اسکے بعد چار سال جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک کی مسند حدیث پر جلوہ افروز رہے اور شیخ الحدیث کے عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے۔
۷ر شعبان ۱۳۸۵ھ م ۱۱ر دسمبر ۱۹۶۵ء کو پنڈی (پاکستان) میں یہ علم و عمل، زہد و تقویٰ

اور پشن مینار آسودۂ خاک ہوا رحمہ اللہ۔

آپ کے صاحبزادۂ محترم مولانا سعید الرحمن صاحب نے آپ کی مفصل سوانح تجلیاتِ رحمانی کے نام سے لکھ کر پاکستان سے شائع کرادی ہے۔

محدث کبیر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری لکھتے ہیں

حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات دنیائے علم و اخلاق ایک بڑا حادثہ ہے اور ایسے اکابر علماء کی رحلت امارات الساعۃ وعلامات قیامت سے ہے مولانا مرحوم علوم اسلامیہ دینیہ اور عقلی ونقلی فنون علم کے جامع ترین عالم تھے اصنافِ علم وفضل وکمال ان کی شخصیت میں مجتمع تھیں وہ عالم وعارف تھے، صوفی، محقق فقیہ و محدث تھے علم اصول وکلام کے ایک ماہر اصولی اور فاضل متکلم تھے غرض علمی دنیا کے آفتاب و مہتاب تھے کوہ وقار و تمکنت، پیکر حلم و رزانت مجسم حمول تواضع اور صلاح و تقویٰ میں یگانۂ روزگار تھے فطری ملکات میں انکو ایک نمایاں امتیاز حاصل تھا۔ ریاضت و مجاہدہ کے بغیر طبعی طور پر مرتاض تھے اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو وہبی اور فطری اخلاق وملکات کے وہ مقامات عالیہ عطا فرمائے تھے کہ ریاضت و مجاہدات کے بعد بھی ان کا حاصل ہوجانا قابل فخر درجہ شرف ہے۔ اس علم وفضل اور شرف وکمال کے ساتھ انکسار و تواضع، خاموشی اور کم گوئی ان کی ایک فطری کرامت تھی۔ ایسی جامع کمالات شخصیت اور مجمع فضائل ہستی کی وفات سے پاکستان کے دینی اور علمی حلقوں میں جو زبردست خلا پیدا ہوا ہے افسوس ہے کہ اس کے پر ہونے کی توقع نہیں (آخیر میں لکھتے ہیں)

دعا ہے کہ اس پیکر صدق وصفا، سراپائے وقار و تمکنت مجسمۂ ورع و تقویٰ، مخزن علم و عمل، جامع کمالات بزرگ، روح پاکیزہ، ابر رحمت کا فیض قدسی ہمیشہ ساریہ اور شاداب رہے۔ اور انکی تیر مبارک آفتاب کرم کی ضوفشانی سے ہمیشہ بقعۂ نور بنی رہے اور ان کا نورانی چہرہ سراپا نور ہو،، فقط

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی نے اپنی تالیف ،، بذل المجہود،، پر نظر ثانی کی ذمہ داری حضرت مولانا کے سپرد فرما رکھی تھی حضرت مولانا بہت اہتمام سے نظر ثانی فرماتے اور اشکالات و ایرادات فرماتے پھر حضرت سہارنپوری ان پر کئی کئی بار غور فرماتے

اور اصلاح کی ضرورت ہوتی تو اصلاح فرماتے۔
حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کی تالیفات وشروحات حدیث پر بھی حضرت مولانا نظر ثانی فرماتے اور مشورے عنایت فرماتے حضرت شیخ اپنی تالیفات پر صاحب سوانح حضرت مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب وحضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب مفتی اعظم مظاہر علوم سہارنپور سے بھی نظر ثانی کراتے اور ان کے مشوروں کو کھلے دل سے قبول فرماتے تھے حضرت مولانا ظہور الحق صاحب نے بھی اپنی تالیف "نور الایضاح مع الحاشیہ الجدیدۃ المصباح" پر نظر ثانی حضرت مولانا سے کرائی اور حضرت مولانا نے اس میں اصلاح کی اور مشورے دیئے۔

حضرت علامہ مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ

(۲۸) آپ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کاندھلوی کے منجھلے صاحبزادہ تھے آپ کی والدہ صاحبہ حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ کی نواسی تھیں بڑی پاکیزہ صفت عابدہ زاہدہ اور ذکر وشغل والی پاکیزہ خاتون تھیں آپ کی ولادت غرۂ محرم ۱۲۸۷ھ م ۲۳ مارچ ۱۸۷۱ء پنجشنبہ کو ہوئی تاریخی نام "بلند اختر" تھا آپ فطرۃً ذہین وذکی اور طبعاً لطیف المزاج تھے سات برس کی عمر میں قرآن شریف حفظ کرلیا تو اسکے بعد والد صاحب کا حکم تھا کہ "ایک قرآن پڑھ لیا کرو باقی سارے دن چھٹی" مولانا فرماتے تھے کہ میں فجر کی نماز بعد امی جی کے مکان کی چھت پر قرآن شروع کرتا اور ختم کرکے کھانا کھاتا تھا پھر مولانا دیگر کتب کا مطالعہ پورے نشاط سے کرتے وہ خود فرماتے ہیں کہ:
"میں عموماً ظہر کے پہلے پورا قرآن مجید ختم کرلیتا پھر کھانا کھاکر چھٹی کے وقت اپنے شوق سے فارسی پڑھتا تھا"
آپ کے والد شب زندہ دار بزرگ تھے تہجد کا شوق واہتمام تھا اسلئے وہ اور آپ کے بڑے بھائی مولانا محمد صاحبؒ کو اخیر شب میں سویرے ہی اٹھا دیا کرتے تاکہ شروع سے عادت پڑے۔ مولانا محمد صاحب تو اٹھکر طویل نفلیں پڑھا کرتے مگر مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ مختصر نوافل پڑھکر کتاب دیکھنے میں لگ جاتے تھے۔ مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ والد صاحب کو وضو کے اوراد کا خاص اہتمام تھا اور ہم پر بھی اصرار

دانکی پابندی کریں مگر مجھے علم کی دھن تھی اسلئے میں وضو کرتے ہوئے بھی فارسی و عربی
کی لغات یاد کرتا تھا۔ والد صاحب میری رٹائی کو سنتے تو ملامت کے طور پر فرماتے
خوب وضو کی دعائیں پڑھی جارہی ہیں شرم کی بات ہے۔"
مولانا محمد یحیٰ صاحب رحؒ کی یہ علمی زندگی مدارس کے طلبہ بلکہ علماء تک کیلئے قابل صد رشک
مولانا فرماتے ہیں کہ " ادب " میں میں نے مقامات حریری کے صرف نو مقامے پڑھے
اور وہ بھی اسطرح کہ استاذ نے فرمایا کہ میرے مکان پر آتے جاتے راستہ میں
سبق لیا کرو۔ اسلئے میں ساتھ جاتا اور راستہ میں پڑھا کرتا اور اکثر جگہ استاذ
یاد دلایا کرتے کہ اس لفظ کے معنی مجھے معلوم نہیں خود دیکھ لینا۔ لیکن عربی ادب میں آپ
کو اتنی مہارت تھی کہ نظم و نثر دونوں بے تکلف لکھ لیتے تھے۔ علاوہ ازیں نو عمری ہی
میں علوم عقلیہ و نقلیہ میں ایسی مہارت تامہ حاصل ہو چکی تھی کہ وہ علماء عصر کے نزدیک مسلّم
مشہور اور قابل رشک ہو چکے تھے۔
اور سال ۱۳۱۱ھ میں حضرت گنگوہی رحؒ کی خدمت میں حدیث پڑھنے کیلئے گئے کیونکہ آپ کے
بڑے بھائی مولانا محمد صاحب نے بھی حضرت اقدس . . . گنگوہی سے ہی پڑھی تھی اسوجہ
سے آپ کو بھی حضرت گنگوہی رحؒ سے عقیدت و محبت ہوگئی تھی۔
لیکن حضرت کو نزول ماء کی شکایت ہو چلی تھی اسلئے حدیث کا درس بند ہو چکا تھا
لیکن مولانا محمد یحیٰ صاحب نے وہیں قیام اختیار کرلیا اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب
سہارنپوری رحؒ کی درخواست پر دورۂ حدیث پھر شروع ہوگیا اور یہ حضرت
کا آخری درس تھا جسکی رونق اور روح رواں مولانا یحیٰ صاحب رحؒ تھے اگر
کسی وجہ سے حاضری درس میں تاخیر ہو جاتی تو درس رکا رہتا۔ حضرت رحؒ کو آپ سے
خاص تعلق اور اتنی محبت تھی کہ اگر مولانا کہیں چلے جاتے تو حضرت بے چین ہو جاتے
فرماتے کہ "مولوی محمد یحیٰ اندھے کی لاٹھی ہیں۔"
حضرت مولانا محمد یحیٰ صاحب رحؒ اثنائے درس اس کا بھی اہتمام فرماتے کہ حضرت گنگوہی رحؒ
کی تقریروں کو ضبط فرماتے وہ تقریریں ہر کتاب کی ایک عمدہ شرح بن گئی۔
پورے بارہ سال حضرت گنگوہی رحؒ کی خدمت میں گزارے حضرت گنگوہی رحؒ کی وفات
کے بعد حضرت سہارنپوری رحؒ نے جامعہ مظاہر علوم میں آپ کو استاذ حدیث کی

حیثیت سے بلا لیا تھا چنانچہ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۸ھ میں مظاہر علوم میں مستقل تشریف لے آئے اور اسو قت سے ساڑھے پانچ سال تک مدرسہ میں بلا معاوضہ درس حدیث دیتے رہے معاش کیلئے ایک تجارتی کتب خانہ قائم کر لیا تھا جس کا کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے آپ راتوں کو رونے والے اور دنوں کے مسکرانے والے تھے۔ قرآن مقدس سے بڑا شغف تھا دن بھر میں چلتے پھرتے پورا قرآن پڑھ لیتے ہاتھوں سے کام کرتے اور زبان پر تلاوت رہتی نہ کام میں خلل آتا نہ تلاوت میں حرج ہوتا تھا، خدمت خلق حسن سلوک، وظیفۂ زندگی تھا۔
سخاوت آپکا شعار تھا۔ انتقال کے وقت آٹھ ہزار کے مقروض تھے آپکے جانشین وخلف الصدق قطب عالم حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے و تمام قرض ادا کیا۔
۸ ذو قعدہ ۱۳۳۴ھ صبح چاشت کے وقت ہیضہ میں مبتلا ہوئے اور چند ہی گھنٹوں وصال ہو گیا سہارنپور کے مشہور قبرستان، حاجی شاہ کمال، میں حضرت اقدس مولانا محمد مظہر صاحب نانوتویؒ و دیگر اکابر مظاہر علوم کے قریب مدفون ہوئے۔
رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (از سوانح مولانا محمد یوسف صاحب)

(۸) حضرت مولانا ثابت علی صاحب

آپ شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا حافظ سید عبداللطیف صاحب ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے حقیقی چچا تھے ۱۲۸۳ھ (یعنی جبکہ مدرسہ مظاہر علوم ابتداء ہوئی تھی اسی وقت) سے مدرسہ کے طالب علم رہے ہیں، ابتدائی فارسی سے لیکر دورۂ حدیث شریف تک تمام علوم و فنون آپنے جامعہ مظاہر علوم ہی میں حاصل کئے یکم محرم ۱۲۹۷ھ میں معین مدرس کی حیثیت سے مدرسہ میں آپکا تقرر ہوا وظیفہ طالب علمی مبلغ دو روپے تھا اس میں مزید دو روپے کا اضافہ کر دیا گیا یعنی چار روپے پر آپکا معین المدرسی پر تقرر ہوا۔ معین المدرسی کے ساتھ آپ ۱۲۹۸ھ میں حدیث شریف کی تکمیل کی اور ۱۲۹۹ھ میں صرف بیضاوی شریف پڑھی۔ ابتدائی کتب فارسی اور ابتدائی کتب عربی کا درس دیتے رہے۔ اور چند سال میں اونچے مدرسین میں شمار کیے جانے لگے تو حدیث کی مختلف کتابیں

پڑھاتیں - ابن ماجہ شریف، مشکوۃ شریف آپ کے خاص اسباق تھے - حضرت
شیخ آپ بیتی" صفحہ ۱۰۵ پر لکھتے ہیں کہ :

" مولانا مرحوم حضرت قدس سرہٗ کی روانگی پر مدرس اول ہی ہوتے مگر ۱۳۳۳ھ میں
ب حضرت اقدس حضرت شیخ الہندؒ معرکۃ الآرا سفر میں تشریف لے جا رہے تھے
اپنی نیابت کیلئے میرے والد صاحب قدس سرہٗ کی تحریک اور اعلیٰ حضرت شاہ
بدالرحیم صاحب کی تائید سے مولانا ثابت علی صاحبؒ کے بھتیجے مولانا سید عبداللطیف
صاحبؒ کو مدرس اول بنا دیا گیا میرے والد صاحبؒ کی تحریک کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ
بڑے والد صاحبؒ ۱۳۲۸ھ سے قائم مقام صدر مدرس تھے اسلئے حضرت کے طویل سفر
ں ان ہی کو مدرس اول ہونا چاہئے تھا مگر والد صاحب نے یہ کہہ کر کہ صدر مدرسی کیلئے
س متانت ، انتظامی صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے وہ مولوی عبداللطیف میں زیادہ
ہے - میرے حضرت نے بھی اس تجویز کو پسند کیا اور بڑے حضرت رائپوریؒ نے بھی -
ضرت مولانا ثابت علی صاحبؒ کو اس پر رنج و قلق طبعی تیز حق مجھے خوب یاد ہے
مولانا مرحوم کئی دن تک المنجد وقد مہما الرحل بلا وزر یہ مشہور حدیث
بوداؤد شریف میں ہے جسمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد منقول ہے
بس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اور اسکی قدامت و مشقت کی رعایت ضروری ہے) اس
حدیث پاک کو زبان پر گنگنایا کرتے - مگر چونکہ اصل استحقاق میرے والد صاحبؒ
کا تھا - اور مولانا ثابت علی صاحب کے درجہ میں دوسرے مدرس مولانا عبدالوحید
صاحب سنبھلیؒ بھی تھے اسلئے کچھ مولانا ثابت علی صاحبؒ کی حق تلفی نمایاں نہ ہوئی لیکن
نکی علو شان قدامت ، جلالت کی وجہ سے امتحان کی روح رواں خاص طور سے وہی تھے
بہت ہی اہتمام سے ممتحنین کی نگرانی کیا کرتے تھے - طلباء کی نگرانی تو مدرسین حضرات
کرتے اور مولانا مرحوم سب سے زیادہ مدرسین کی نگرانی فرماتے - انکی نگرانی کا منظر بھی کاغذ
پر لانے کا نہیں بلکہ کر کے دکھلانے کا ہے بیٹھے تو ہوتے دائیں طرف دیکھ رہے ہیں
یکدم بائیں طرف منہ پھیر لیا دو محافظ مدرسین اکابر میں سے بھی اگر اس موقع
پر ایک دوسرے سے مختصری بات کرتے تو مولانا مرحوم جن کے کلام میں بہت عجلت
بھی اور بہت جلدی بولا کرتے تھے - وہ [illegible] ڈانٹ دیتے تھے اور مولانا

عبدالوحید صاحب کے علاوہ سارے ہی مدرسین مولانا کے شاگرد تھے م
صاحب تو امتحان گاہ میں ہوتے نہ تھے - مولانا مرحوم جلدی جلدی فرما
میاں صاحب، میاں صاحب تم تو بات کرنے لگے وہ اپنا کام کرلیں گے
اس زمانے میں امتحان اتنی شدید چیز تھی کہ مدرسے کے کسی ملازم کو وہ مد
دفتری ہو، سفیر ہو، ناظم کتبخانہ ہو کسی کو کسی حال میں بھی چھٹی نہیں مل سکتی تھ
چندہ بھی اس زمانہ میں اگر دور دراز نہ ہوں تو واپس بلا لیے جاتے تھے کہ
در مالیات کا دفتر بھی صبح کو بند رہتا تھا - حضرت شیخ رحمۃ اللہ لکھتے ہیں
۔۔ ربیع الثانی ۳۷ھ میں بہلوں میں حضرت اقدس قطب الاتقیاء را
لاصفیار حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نوراللہ مرقدہ کے وصال کا منظر دی
حضرت قدس سرہٗ نے سہارنپور میں ایک شب پہلے خواب دیکھا کہ چ
ہو گیا خواب دیکھتے ہی بے چینی سے اٹھ کھڑے ہوئے اماں جی مرحومہ نے
حضرت قدس سرہٗ نے پوچھا کیا بات ہوئی حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا
مولانا محمود الحسن صاحب مالٹا میں ہیں اور مولانا عبدالرحیم صاحبؒ عرصے
اللہ ہی خیر فرمادے علی الصباح حضرت نے بہلوں کا ارادہ فرمایا - یہ گاؤں
زاہد حسن صاحب رئیس بہٹ کا خریدا ہوا تھا بہت ہی پر فضا جگہ تھی ر
کی درخواست پر حضرت قدس سرہٗ زندگی کے آخری ایام میں تبدیل آب و
یہاں تشریف لے آئے تھے یہیں وصال ہوا - وصال کے بعد جنازہ رائے پ
حضرت سہارنپوریؒ کے پہنچنے پر اگلی شب میں وصال ہوا - اخیر شب میں
میں یہ خبر گونج گئی تھی ہمارے مدرسہ میں امتحان ششماہی ہو رہا تھا -
حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحبؒ مہتمم مدرسہ نوراللہ مرقدہٗ سے بہلوں ج
اجازت مانگی - انہوں نے اجازت دیدی اور یہ کہا چپکے سے چلا جا مولوی
نہ دیکھیں میں بہت ہی آہستگی سے اٹھا مگر مولانا ثابت علی صاحب نے
کہاں سے دیکھ لیا حادثہ کی خبر ان کو بھی ہو چکی تھی میرے اور میرے والد
کے تعلق کی بنا پر ان کو شبہ ہوا کہ یہ جا تو نہیں رہا ایک دم تفور مچا د
جا رہا ہے یہ کہاں جا رہا ہے؟ اور میں دارالطلبہ قدیم کے زینہ تک تو د

زینہ سے اس زور سے ہوا کہ بندوں کہ کچھ انتہا نہ رہی ۔ کبھی کوئی آدمی پکڑ کر
جاتے مہتمم صاحب نے شروع میں تو ادھر سے منہ پھیر لیا امتحان کا بالکل
رہا تھا ۔ سوالات کے پرچے بٹ رہے تھے مہتمم صاحب عمداً اسطرف مشغول
مولانا مرحوم شور مچاتے رہے ۔ میرے پاس کوئی پیسہ نہیں تھا مگر پھر بھی گھر
آیا کہ کبھی مولانا ثابت علی صاحبؒ کا قاصد پکڑ کر نہ لے جائے اس نیت سے
ہیں تو کوئی واقف ملے گا ہی چار پانچ آنے سواری بہٹ تک تانگے کی بھی
ں چلی تھیں ۔ تانگے بھی صرف بہٹ تک آتے تھے ۔ اڈے پر ایک صاحب
سے چار آنے ادھار لئے اور مولانا ثابت علی صاحبؒ کے ڈر کے مارے یارب
یا ہوا صدود سہارنپور سے نکل گیا جب جان میں جان آئی ۔ بہٹ سے
یا تھا کہ ادھر سے جنازہ آتا ہوا نظر آیا راستہ ہی سے جنازہ کے ہمراہ ہو لیا اور
از میرے حضرت قدس سرہٗ نے پڑھائی تھی تدفین کے بعد مولانا ثابت علی
ے ڈر کے مارے اسی وقت پاؤں بہٹ آیا ۔ وہاں تو واقف بہت مل گئے
ے ادھار لئے تھے نہ معلوم سواری پوری ملے یا ناقص رات میں سہارنپور
حضرتؒ اگلے دن تشریف لاتے (از آپ بیتی ۳) مولانا کی زندگی بڑی بے
مدرسے کے اوقات کا خاص اہتمام فرماتے تھے رمضان و بقرعید کی تعطیلات
مدرسے کے خرچ کبوتر سے اپنے گھر تشریف نہ لے جاتے تھے ۔ آپ مدرسہ
ایک مدرس دوم تھے ۔ مگر نظم و نسق کی درستگی میں کوشاں رہتے تھے ۔
گھنٹہ بجانے والے ملازم نے دو منٹ دیر سے گھنٹہ بجایا آپ فوراً اپنی درسگاہ
اور اس ملازم کے پاس پہنچ کر اس کے ایک تھپڑ رسید کیا اور فرمایا کہ "
پر نہیں بجایا جاتا سارے اسباق گڑبڑ کر دیئے " اساتذہ الکلاہ ہونے
سے بھی آپکا سب پر کنٹرول تھا ۔ اور سب ہی حضرات آپ کا لحاظ اور
تے تھے

احتباس البول کے مرض میں مبتلا رہ کر ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۲۳ھ شب
سال کی عمر میں سہارنپور ہی میں آپ کی وفات ہوئی اور احاطہ
کمال میں (جہاں جامعہ مظاہر علوم کے درست اکابر مدفون ہیں) دفن ہوئے
رحمہ اللہ تعالیٰ

انتقال کے وقت دونوں ہاتھ اٹھا کر زور سے فرمایا۔ "نہ کسی سے کچھ لینا ہے نہ کسی کو کچھ دینا ہے"۔ یعنی میرے سب معاملات بالکل صاف ہیں)۔

(۹) حضرت مولانا عبد الوحید صاحب سنبھلی

حضرت مولاناؒ کی ولادت تقریباً ۱۲۹۰ھ میں سنبھل ضلع مراد آباد میں ہوئی ابتدائی عمر میں ان کے والد نے اردو اسکول میں تعلیم دلائی اور اس سے فراغ کے بعد دنیوی کاروبار میں لگا لیا مگر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے علم کا اعلیٰ درجہ مقدر فرمایا تھا اسلئے ابتدار میں سرائے ترین ضلع مراد آباد کے مدرسہ عربیہ میں داخل ہوئے مگر چونکہ وہ گھر سے ڈھائی میل کے فاصلہ پر تھا اسلئے روزانہ آمد و رفت میں دشواری اور وقت کی بربادی ہوتی تھی اسلئے حسن پور ضلع مراد آباد کے مدرسہ میں مولانا احمد الدین صاحب محدثؒ کے پاس صرف و نحو کی تعلیم پوری کی اسکے بعد کسی ماہر فن سے علوم عقلیہ پڑھنے کا شوق ہوا اور معلوم ہوا کہ مولانا غلام محمد صاحبؒ ان فنون کے امام ہیں چنانچہ انکی خدمت میں حسن پور سے گھر والوں کو اطلاع کیے بغیر پیدل چلدیئے دو آنہ صرف ان کے پاس تھے ایک ماہ میں لاہور پہنچے وہاں علوم عقلیہ کی تکمیل اور خاص طور سے علم ہیئت میں تبحر حاصل کیا اور معلوم ہوا کہ لاہور کے قیام میں حضرت اقدس شاہ عبد القادر صاحب رائے پوری قدس سرہٗ بھی مولانا موصوف کے رفیق درس رہے ہیں علوم آلیہ کی تکمیل کے بعد حدیث شریف کی تکمیل کے لئے دار العلوم تشریف لائے اور فراغت کے بعد تقریباً پانچ برس مدرسہ سرائے ترین میں درس کی خدمت انجام دی اسکے بعد مدرسہ نعمانیہ امرتسر میں صدر مدرس رہے اسکے بعد مینڈھو ضلع علیگڈھ کے مدرسہ میں مدرس رہے وہاں کے قیام میں جلسۂ دستار بندی ہوا جسمیں حضرت سہارنپوریؒ، حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہویؒ اور اعلیٰ حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوریؒ نے شرکت فرمائی۔ اور حضرت سہارنپوریؒ نے نواب صاحب (جو مدرسہ کے سرپرست و مربی تھے) مولانا مرحوم کو مظاہر علوم کیلئے طلب کیا حضرت کے اصرار پر نواب صاحب مرحوم نے حضرت مولانا کو اجازت دیدی اور مولانا عبد الوحید صاحب ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۲۸ھ کو مظاہر علوم تشریف لے آئے۔

یقعدہ ۱۳۲۳ھ میں بعض خانگی مجبوریوں کی وجہ سے استعفاء دیدیا اور ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ میں دوبارہ تشریف لائے اور مظاہر علوم سے پھر دوبارہ استعفاء دے کر مدرسہ شاہی مرادآباد میں پھر مینڈھو میں چند برس مدرس رہ کر دارالعلوم مئو ناتھ بھنجن صدر مدرسی پر تشریف لیگئے اور وہاں سے علالت کی وجہ سے مکان تشریف لے آئے۔ چند ماہ کی علالت کے بعد غرۂ رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ میں تریسٹھ سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ مولانا مرحوم کی مستقل عادت تھی کہ نیچے نظر کرکے چلتے تھے۔ حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ سے بیعت تھے۔ مولانا حیات صاحب نے ولادت تقریباً ۱۲۹۰ھ لکھی لیکن وصال ۱۳۵۵ھ بعمر ۶۳ سال لکھا ہے اس حساب سے ولادت ۱۲۹۲ھ میں ہوتی ہے بعد میں مولانا مرحوم کے صاحبزادے قاری عبدالمعید صاحب نے بھی لکھا ہے۔

مولانا چلنے میں اور سبق میں بھی نظر نیچی رکھتے تھے تقریر نہایت متانت سے آہستہ آہستہ فرمایا کرتے تھے مولانا مرحوم کا ایک مقولہ اس ناکارہ نے (حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ) نے کئی بار سنا نہایت نیچی نظر فرماکر بہت متانت سے کئی دفعہ ہاتھ دائیں سے بائیں کرکے ارشاد فرماتے تھے کہ ہمیں اس کا یقین ہے، بالکل اعتراف ہے، اسمیں نہ تواضع ہے نہ مبالغہ ہے کہ ہم لوگ ان کتابوں کے پڑھانے کے ہرگز قابل نہیں مختلف الفاظ سے اس مضمون کو دہراتے اور پھر ایک دم منہ اوپر کو اٹھاکر جماعت کی طرف اسی طرح سے ہاتھ سے اشارہ کرکے زور سے فرماتے کہ یہ جو بیٹھے ہیں یہ ہم سے بھی پڑھنے کے قابل نہیں ہیں۔ سرمہ لگانے کی مولانا مرحوم کو بہت عادت تھی۔ (آپ بیتی ع۲)

حضرت مولانا کے صاحبزادے مولانا قاری عبدالمعید صاحب لکھتے ہیں کہ:

میرے والد صاحب قبلہ حضرت مولانا عبدالوحید صاحب سنبھلی دیوبند سے حضرت شیخ الہندؒ سے دورہ پڑھکر فارغ ہوئے اور حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ سے بیعت تھے حضرت نہایت شفقت فرماتے تھے ایکبار خانقاہ امدادیہ کیلئے مدرس کی ضرورت ہوئی تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے والد صاحب کو جبکہ وہ ریاست مینڈھو ضلع علیگڈھ میں مدرسہ یوسفیہ کے صدر مدرس تھے تحریر فرمایا:

"خانقاہ کے مدرسہ کیلئے ایک مدرس کی ضرورت ہے جو آپ جیسا جامع ہو" حضرت والد صاحب کو مجاز بنانے کو ارشاد فرمایا تو والد صاحب نے یہ فرماکر معذرت کردی کہ:

"مجھ سے اس کا تحمل نہ ہوسکے گا"

ایک بار والد صاحب نے کچھ تاخیر سے خط بھیجا تو جواب تحریر فرمایا کہ:

"آپ عبدالوحید تو تھے ہی وحید بھی ہوگئے عمرت دراز باد کہ ایں ہم غنیمت است"

یہ خط میرے پاس محفوظ ہے۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مظاہر علوم سہارنپور اور ریاست مینڈھو کے مدرسہ مذکورہ میں دونوں جگہ ملاکر تقریباً پندرہ سال رہے۔ ہوتا یہ تھا کہ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری قدس سرہ العزیز جب نواب لیاقت حسین خاں صاحب کو، جو والیٔ ریاست تھے تحریر فرماتے کہ

"مولوی عبدالوحید کو مظاہر علوم بھیجدو"

تو وہاں چلے جاتے اور جب نواب صاحب حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کو تحریر کرتے کہ،

"اب یہاں مولوی عبدالوحید کی سخت ضرورت ہے"

تو حضرت وہاں بھیجدیتے اس زمانہ میں حضرت تھانویؒ کے معتمد صاحب امیر الروایات "ارواح ثلاثہ" حضرت امیر شاہ خاں بھی مینڈھو ہی میں مقیم تھے اور وہاں ہی وصال فرمایا تو جب والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مظاہر علوم تشریف لے جاتے تو حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے نائب رہتے اور جب حضرت حج کو تشریف لے جاتے تو حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے اسباق پڑھاتے تھے اسطرح قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ ورفع اللہ ذکرہ کے والد صاحب اساتذہ میں سے تھے جن کا تذکرہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے "آپ بیتی" میں بھی فرمایا ہے اور "اوجز" کے مقدمہ میں "رئیس المناطقہ" کے لقب سے ملقب فرمایا ہے۔ یہ واقعہ میں نے اسوجہ سے تحریر کیا ہے تاکہ میرا تعلق حضرت سے معلوم ہوجائے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت اقدس احقر فقیر بے توقیر سے انتہائی شفقت فرماتے تھے ورنہ میری نالائقی اور بے مائگی میں کوئی شک وشبہ نہیں۔

والد صاحب کے کمالات علمی و اخلاقی اور ذکر در دم اور نظر بر قدم، وغیرہ اوصاف کا کیا بیان کروں؟ مظاہر کے اکثر اساتذہ کا بیان ہے کہ جس وقت شمس بازغہ، ملاحسن، میبذی وغیرہ کی تقریر فرماتے تو پورے مدرسہ قدیم میں معلوم ہوتا کہ "شیر دہاڑ رہا ہے" حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالرحمن صاحب کاملپوری، مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی، مولانا ادریس صاحب کاندھلوی، مولانا اشفاق الرحمن صاحب کاندھلوی، حضرت مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی، مولانا منظور احمد خانصاحب سہارنپوری، مولانا وعلامہ صدیق احمد صاحب کشمیری مدرس مظاہر، میرے ماموں حقیقی حضرت مولانا محمد حیات صاحب دامت برکاتہم شیخ الجامعہ عربیہ حیات العلوم مراد آباد۔ یہ سب حضرات وغیرہم منجملہ دیگر اساتذہ کے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی فیضیاب تھے اور یوں فرمایا کرتے تھے کہ: "اگر مجھ سے کوئی شرح جامی دو گھنٹہ روزانہ پڑھے تو تین سال میں ختم ہو۔" سراجی کے مسائل، مناسخہ وغیرہ منٹوں میں حل فرماتے تھے علم ہیئت پڑھانے کیلئے اسطرلاب وکرہ کی حاجت نہ تھی مٹی کا کرہ بنا کر سب نشان سمجھا دیا کرتے تھے۔

(از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی اور ان کے خلفائے کرام ج ۲)

حجۃ الاسلام حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا موصوف سے کتب معقولات پڑھی تھیں۔

(۱۰) حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے والد محترم کا نام شاہ مجید علی اور دادا صاحب کا نام شاہ احمد علی تھا آپ کی پیدائش اپنے ننہیال نانوتہ ضلع سہارنپور میں اواخر صفر ۱۲۶۹ھ مطابق اوائل دسمبر ۱۸۵۲ء میں ہوئی قرآن مجید ناظرہ اور ابتدائی فارسی وعربی کی تعلیم انبہٹہ اور نانوتہ میں حاصل کی گیارہ سال کی عمر میں اپنے چچا انصار علی صاحب کے ہمراہ گوالیار جاکر میزان الصرف، پنج گنج وغیرہ کتب پڑھیں۔ وہاں سے جب اپنے وطن واپس آئے تو حضرت مولانا سخاوت علی صاحب سے کافیہ تک تعلیم حاصل کی۔

بچپن میں چند ماہ انگریزی پڑھی مگر نفرت کرکے چھوڑ دی۔ ۱۲۸۳ھ میں دارالعلوم دیوبند

کی بنیاد رکھی گئی تو وہاں جاکر کافیہ کی جماعت میں شریک ہوئے۔ وہاں سے چھ ماہ بعد مظاہر علوم سہارنپور تشریف لے آئے۔ یہاں کافیہ و شرح جامی کا کوئی سبق نہ تھا اسلئے مختصر المعانی میں شریک ہوگئے انیس (۱۹) سال کی عمر میں جملہ علوم و فنون سے فارغ ہوکر مظاہر علوم میں جب پہلی بار مشکوٰۃ شریف و بخاری شریف ہوئی تو اسمیں آپ بھی شامل تھے اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوئے۔ مظاہر علوم سے آپ کی فراغت ۱۲۸۸ھ م ۱۸۷۱ء میں ہوئی ابن ماجہ کے سوا صحاح کی جملہ کتب رئیس الاساتذہ حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتویؒ سے پڑھیں۔ شیخ احمد دحلان مفتی شافعیہ، استاذ الکل حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب مہاجر مدنی مولانا سید احمد برزنجی، مولانا عبد القیوم بڈھانوی سے بھی آپ کو اجازت حدیث حاصل ہے۔ فراغت کے بعد آپ مظاہر علوم میں چار روپے ماہانہ مشاہرہ پر معین مدرس مقرر ہوئے کچھ عرصہ بعد آپ حضرت مولانا فیض الحسن صاحب ادیب سہارنپوری کی خدمت میں لاہور تشریف لے گئے اور ان سے علوم ادب کی تکمیل کی واپسی پر اپنے ماموں مولانا محمد یعقوب صاحب کے حکم سے قاموس کا اردو ترجمہ کرنے کیلئے مصوری کی پہاڑ پر تشریف لے گئے اس کے بعد منگلور، بھوپال، بہاولپور، سکندر آباد، بریلی اور دار العلوم دیوبند میں مختصر مختصر عرصہ تک درس و تدریس کی خدمات انجام دیں پھر حضرت گنگوہیؒ کے حکم سے ۵ رجب ۱۳۱۴ھ کو مظاہر علوم تشریف لے آئے اور چالیس روپے ماہوار مشاہرہ پر صدر مدرس مقرر ہوئے۔ اسوقت آپکی عمر پینتالیس سال کی تھی۔ ۱۳۳۶ھ میں مظاہر علوم کے سرپرست بنائے گئے۔

آپکے زمانہ میں مظاہر علوم نے ہر شعبہ میں بہت ترقی کی۔ آپ صدر مدرس ہوئے تو ۱۳۱۴ھ میں کل طلبہ کی تعداد ۱۴۷ تھی اور بوقت ہجرت مدینہ ۱۳۴۴ھ میں تعداد طلبہ ۵۰۲ ہوگئی تھی۔ آپنے پورے اکتیس (۳۱) سال مظاہر علوم میں گذارے اور اسکو ترقی کے بام عروج پر پہنچا کر ۱۳۴۴ھ میں مدینہ منورہ کو ہجرت فرما گئے اور ۱۵ ربیع ۲ ۱۳۴۶ھ چہارشنبہ کو دار آخرت کی طرف رحلت فرما گئے۔ جنت البقیع میں حضرت عثمان غنیؓ کے قریب محو خواب ہیں رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ (علمائے مظاہر علوم)

آپ کی متعدد تحقیقی تصنیفات ہیں ان میں سب سے زیادہ عظیم الشان مشہور عالم نہایت بہترین اور شاہکار تالیف بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد ہے۔ آپ نے قرآنِ پاک بوڑھاپے میں ایک سال کے اندر نامعلوم طریقہ پر حفظ کیا تھا۔

(۱۱) حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحبؒ کی ولادت باسعادت خاندان شرفا میں محمد پور عرف تھانہ بھون میں ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ یوم چہارشنبہ کو بوقت طلوع صبح صادق ہوئی آپکا دادھیال فاروقی اور ننھیال علوی تھا آپ کی تعلیم و تربیت بڑی بیداری مغزی و ہوشیاری سے کی گئی تھی سایہ مادری پانچ برس کی عمر ہی میں سر سے اٹھ چکا تھا۔ ۱۲۔۱۳ برس کی عمر میں تہجد و فغانِ صبح گاہی کے عادی ہوگئے تھے آپکے بچپن کے استاذ عارف باللہ حضرت مولانا فتح محمد صاحبؒ کی نظر کیمیا اثر نے نوعمری ہی میں آپ کو کندن بنادیا تھا۔ آپنے میرٹھ جناب حافظ حسین علی صاحبؒ سے قرآن پاک حفظ کیا اور ابتدائی فارسی بھی یہیں رہ کر پڑھی۔ پھر تھانہ بھون آکر حضرت مولانا فتح محمد صاحبؒ سے فارسی کی متوسط کتابیں اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں اور فارسی کی انتہائی کتابیں اپنے ماموں جناب واجد علی صاحب سے پڑھیں جو ادب فارسی کے استاذ کامل و ادیب ماہر تھے پھر دیوبند پہنچ کر حضرت مولانا منفعت علی صاحبؒ سے زبان فارسی میں پورا عبور حاصل کیا۔ آخر ذیقعدہ ۱۲۹۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور پانچ سال یہاں مشغول رہ کر ۱۳۰۱ھ میں تعلیم سے فراغت حاصل کی اسوقت آپ کی عمر شریف ۱۹۔۲۰ برس کی تھی۔

حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ آپکے اساتذہ میں ہیں۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب آپکے خصوصی استاذ و مربی رہے ہیں حضرت موصوف حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے خلیفہ ارشد اور اعلیٰ درجہ کے بزرگ تھے۔ آپنے قرأت حضرت مولانا قاری محمد عبداللہ صاحب مہاجر مکیؒ سے مکہ معظمہ میں پڑھی تھی۔ اور اسمیں آپنے زبردست کمال حاصل کیا تھا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۴ سال مسلسل درس و تدریس وعظ و افتاء اور تصنیف و تالیف کی شکل میں فیوض کے دریا بہائے اور ایک عالم کو اپنے

علم وعرفان سے رنگین کیا ؎

شباب رنگیں، جمال رنگیں، وہ سر سے پا تک تمام رنگیں ۔ تمام رنگیں بنے ہوئے ہیں تمام رنگین بنا رہے ہیں

کانپور میں ایک مدرسہ "فیض عام" تھا اہل کانپور کی طلب پر اپنے والد ماجد و اساتذہ کرام کی اجازت سے ۱۳۰۱ھ میں اسکی صدر مدرسی کیلئے بمبلغ ۲۵ روپے مشاہرہ پر کانپور تشریف لیگئے ۔ یہاں بہت جلد مدرسین و علماء میں آپکے علم و فضل کا شہرہ ہوگیا اور باشندگان کانپور مواعظ حسنہ سے آپ پر دل وجان سے فریفتہ ہوگئے ۔ اہل مدرسہ نے آپکی اس مقبولیت سے مالی فائدہ حاصل کرنے کیلئے جلسوں پر چندہ کی اپیل کرنی چاہی آپ اس قسم کے چندوں کو غیرت دینی کے خلاف سمجھتے تھے اسلئے اراکین مدرسہ کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی ۔ اور چہ میگوئیاں ہونے لگیں ۔ حضرت کو اسکی اطلاع ہوئی تو آپنے استعفاء پیش کردیا اور باوجود اصرار آپنے مدرسہ سے علیحدہ ہوکر وطن واپس ہونے کا ارادہ فرمالیا واپسی سے پہلے حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کیخدمت میں گنج مرادآباد حاضر ہوئے کہ شاید پھر موقع نہ ملسکے اہلیان کانپور میں ایک ہیجان بپا ہوگیا ۔ تو عبدالرحمٰن خانصاحب وکفایت اللہ صاحب وغیرہ نے یہ سوچ کر کہ ایسی جامع شخصیت نایاب ہے اپنی طرف سے (۲۵) روپے کی تنخواہ کا انتظام کرکے مرادآباد سے واپسی پر حضرت کو باصرار روک لیا اور حضرت جامع مسجد ٹپکاپور میں درس دینے لگے ۔ اسطرح ایک نئے مدرسہ کی بنیاد پڑی جسکا نام حضرت نے خود ہی جامع مسجد کی مناسبت سے "جامع العلوم" رکھا جو آجتک قائم ہے ۔ کانپور میں چودہ سال قیام کے بعد اپنے مرشد شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے ارشاد پر آخر صفر ۱۳۱۵ھ میں کانپور سے تعلق ختم فرماکر تھانہ بھون کو رونق بخشی اور یہاں خانقاہ کے مدرسہ کو آباد فرمایا ۔

۱۳۰۱ھ میں آپنے پہلا حج اپنے والد ماجد کے ہمراہ کیا اور مکہ معظمہ میں حضرت حاجی صاحبؒ سے شرف بیعت حاصل کیا ۔ حاجی صاحبؒ کی خواہش تھی کہ چھ ماہ مکہ معظمہ میں قیام فرمائیں مگر حضرت کے والد ماجد نے آپکی جدائی گوارا نہ کی اسلئے حاجی صاحبؒ نے بخوشی واپسی کی اجازت دیدی ۔ ۱۳۱۰ھ میں دوبارہ حج کر

در حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں چھ ماہ قیام فرما کر ہندوستان واپس ہوئے۔ واپسی کیوقت حضرت مرشد نے دو نصیحتیں فرمائیں، (۱) میاں اشرفعلی ہندوستان پہنچکر تم کو ایک حالت پیش آئے گی عجلت مت کرنا۔ (۲) کانپور کے تعلق سے دل برداشتہ ہو جائے تو دوسری جگہ تعلق نہ کرنا توکل بخدا تھانہ بھون جاکر بیٹھ جانا ۱۳۱۱ھ میں حجاز مقدس سے واپس تشریف لاکر جامع العلوم کانپور میں درس و تدریس و افاضۂ خلق میں مصروف ہو گئے ۱۳۱۴ھ کے ختم پر کانپور سے ترک تعلق طے فرمایا۔ اولاً تنخواہ سے دست برداری حاصل کی پھر مولانا محمد اسحٰق صاحب بردوانی کو مدرس اول قرار دے کر خود برائے نام سرپرستی قبول فرمائی اور مدرسہ کو ہر طرح کے نقصان و حرج سے بچاتے ہوئے اور باشندگانِ کانپور سے بے مروتی نہ کرتے ہوئے کانپور کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ خیرباد کہدیا اور آخر صفر ۱۳۱۵ھ میں تھانہ بھون تشریف لے آئے۔ ۱۳۱۵ھ سے ۱۳۶۲ھ تک تقریباً نصف صدی حضرت والا نے خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں بیٹھ کر اصلاح و تبلیغ، تصنیف و تالیف، رشد و ہدایت، اور مواعظ و اشاعت علوم نبویہ کے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ جو ایک بڑی جماعت یا ایک عظیم ادارہ انجام دے سکتا تھا۔ آپ کی تصنیفات تقریباً ایکہزار ہیں چار سو سے زائد مطبوعہ مواعظ ہیں اور ایک سو انتیس ۱۲۹ مجازین ہیں جن میں سے اکثر مجازین بیعت یعنی خلفاء اور ۵۹ مجازین صحبت ہوئے ہیں جن میں سے بہت سے خلفاء راسخین فی العلم والعمل اور آسمان علم و عرفان کے درخشندہ ستارے ہیں۔ مثلاً حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ امرتسری، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحبؒ ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور، حضرت علامہ مولانا سید سلیمان صاحبؒ ندوی۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ مہتمم مدرسہ خیرالمدارس ملتان صدر العلماء حضرت علامہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوریؒ صدر مدرس جامعہ مظاہر علوم سہارنپور، حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ پروفیسر فلسفۂ اسلام جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، حضرت مولانا ابرار الحق صاحب مدظلہ العالی ناظم اشرف المدارس

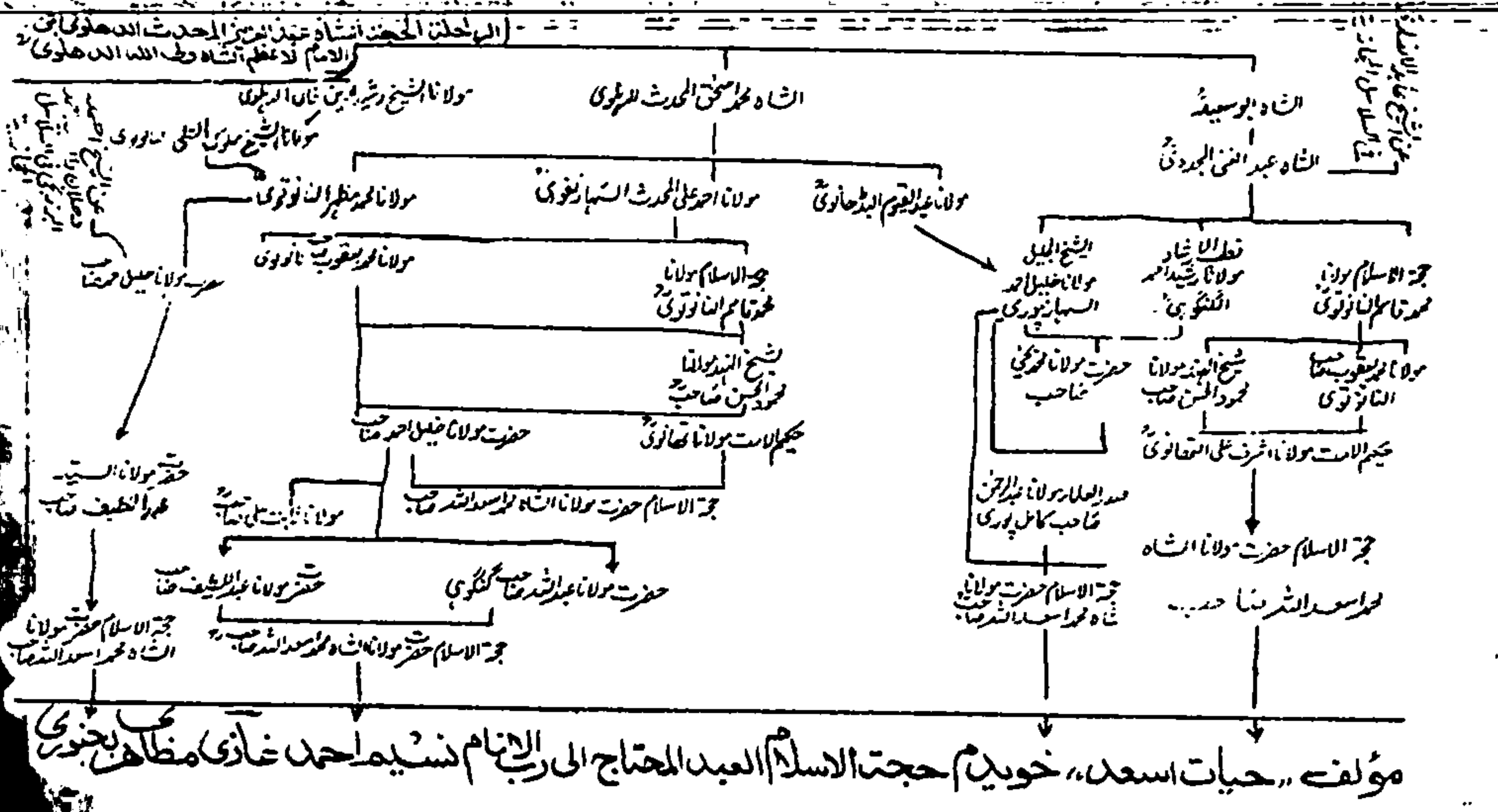
دعوۃ الحق ہردوئی، مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب مدظلہٗ شیخ الحدیث مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد ضلع مظفر نگر وغیرھم، تصانیف و مواعظ اور خلفائے کرام ہی آپ کی بہترین میراث ہے۔ یہ آفتاب تجدید، حضرت حکیم الامتؒ، جو مطلع تھانہ بھون سے ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ میں طلوع ہوا تھا۔ انوار شریعت و طریقت سے ایک عالم کو جگمگا کر ۱۳۶۲ھ میں غروب ہو گیا انا للہ وانا الیہ راجعون تاریخ وفات حسرت آیات ۱۷ رجب ۱۳۶۲ھ م ۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء شب سہ شنبہ ہے کل عمر شریف ۸۲ سال ۳ ماہ ۱۱ دن ہوئی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ (از تلخیص سوانح ملخصاً)

اک نظر سے خزاں کو بہار کرتے تھے　　وہ بے قرار کو وقف قرار کرتے تھے
ہم اپنے دل کی عقیدت نثار کرتے تھے　　وہ خدمت حق لیل و نہار کرتے تھے

سند حدیث شریف

حضرت حجۃ الاسلام رحمہ اللہ نے حدیث شریف مجدد الملت، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی امام المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھوی، صدر العلماء حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کاملپوری، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید عبداللطیف صاحب پرقاضوی، رئیس الفقہاء حضرت علامہ مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی استاذ العلماء حضرت مولانا ثابت علی صاحب اور حضرت علامہ مولانا محمد عبداللہ صاحب گنگوہی رحمہم اللہ تعالیٰ سے پڑھی اور ان سب حضرات نے دیوبند، سہارنپور، گنگوہ اور دہلی کے علمائے اعلام و محدثین عظام سے علم حدیث حاصل کیا۔ ان سب حضرات کی سند تین چار یا پانچ واسطوں سے سراج الامت امیر المومنین فی الحدیث مسند الہند حضرت اقدس مولانا الشاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ تک پہنچ جاتی ہے اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد ماجد الامام الاعظم الشاہ ولی اللہ دہلویؒ سے حدیث پاک پڑھی آگے کی اسناد ائمہ حدیث تک بہت سی کتب میں مذکور و مطبوع ہیں اور ائمہ حدیث نے ہر حدیث کی سند رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تک اپنی کتب میں ذکر فرما دی ہیں۔ ذیل میں مسند الہند حضرت شاہ صاحبؒ تک صاحب سوانح۔ حضرت حجۃ الاسلام کی سند حدیث کا نقشہ ملاحظہ فرمایئے

نسیم احمد غازی مظاہری



المحدث الدهلوی
الامام الاعظم الشاہ ولی اللہ الدہلوی
الشاہ ابوسعیدؒ
الشاہ عبد الغنی المجددیؒ
الشاہ محمد اسحٰق المحدث الدہلوی
مولانا الشیخ رشید بن خان الدہلوی
مولانا الشیخ مملوک العلی نانوتوی
مولانا عبد القیوم البڈھانویؒ
مولانا احمد علی المحدث السہارنپوریؒ
مولانا محمد مظہر النانوتوی
حضرت مولانا جمیل صاحب
مولانا محمد یعقوب نانوتوی
حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم النانوتوی
شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب
حکیم الامت مولانا تھانوی
حضرت مولانا خلیل احمد صاحب
حجۃ الاسلام حضرت مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب
مولانا ثابت علی صاحب
حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب
حضرت مولانا عبد اللہ صاحب گنگوہی
حجۃ الاسلام حضرت مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب
حضرت مولانا السید محمد اللطیف صاحب
حجۃ الاسلام حضرت مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب
الشیخ الجلیل مولانا خلیل احمد السہارنپوری
قطب الارشاد مولانا رشید احمد الگنگوہیؒ
حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم النانوتوی
حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب
شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب
مولانا محمد یعقوب صاحب النانوتوی
حکیم الامت مولانا اشرف علی التھانویؒ
صدر العلماء مولانا عبد الرحمٰن صاحب کامل پوری
حجۃ الاسلام حضرت مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب
حجۃ الاسلام حضرت مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب
مؤلف ,,حیات اسعد،، خویدم حجۃ الاسلام العبد المحتاج الی رب الانام نسیم احمد غازی مظاہری بجنوری

حضراتِ اساتذہ کرام سے عقیدت و محبّت

حضرتِ والاؒ کو اپنے تمام اساتذہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے بے حد عقیدت و محبت تھی آپ اساتذہ کرام کے متعلقین تک کا زبردست احترام فرماتے تھے۔ جب اپنے کسی استاذ کا ذکر فرماتے تو عجیب والہانہ انداز ہوتا۔ ایک مناظرہ میں حضرت والاؒ کے استاذِ محترم صدر العلماء حضرت علامہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوریؒ بھی تشریف فرما تھے۔ مناظرہ شروع فرماتے وقت اپنے استاذِ محترم موصوف کے پاس حاضر ہوئے اور درخواست کی حضرت اپنا عمامہ شریف میرے سر پر رکھ دیجئے حضرت نے فوراً اپنا عمامہ حضرت والاؒ کے سر پر رکھ دیا۔ آپ کھڑے ہوئے اور تبسم کھا کر فرمایا کہ اب میری فتح یقینی ہے کیونکہ میرے سر پر اس ذاتِ گرامی کا عمامہ ہے، جس کے ہوتے ہوئے شکست ممکن نہیں چنانچہ چند ہی منٹ میں مدِ مقابل شکست خوردہ ہو کر میدانِ مناظرہ سے بھاگ کھڑا ہوا اور حضرت والاؒ کامیاب و بامراد واپس ہوئے۔

قطبِ عالم حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیثؒ آپ کے رفیق اور پوری زندگی کے بے تکلف دوست تھے اور حضرت شیخ خوب بے تکلفی کا معاملہ بھی فرماتے تھے لیکن چونکہ حضرت والا کے استاذ حضرت علامہ مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کے خلف الصدق بھی تھے اسلئے استاذزادہ ہونے کی وجہ سے حضرت والاؒ حضرت شیخ کا اتنا ادب کرتے تھے کہ شاید اکثر لوگ اپنے استاذ و مرشد کا بھی نہیں کرتے اور اسی وجہ سے حضرت شیخ بے تکلفی میں بھی حضرت والاؒ کی عظمت اور ادب کو پورے طور پر ملحوظ رکھتے تھے

حضرتِ اقدس مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی زبان سے ادا فرماتے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ایک بار مسجد کلاں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ کا ذکر فرمایا تو آواز بھرا گئی، آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور بار بار یہ دو شعر پڑھتے رہے ؎

هزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب ۔۔۔ ہنوز نام تو گفتن کمالِ بے ادبی است

زباں پہ بارِ الٰہا یہ کس کا نام آیا ۔۔۔ میرے نطق کو بوسے میری زباں نے دیئے

اسی طرح جب مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر فرماتے تو عجیب حال ہو جاتا

حضرت حکیم الامتؒ سے عشق و عقیدت

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ آپ کے استاذ و معلم بھی ہیں اور مرشد و مربی بھی تو عمر ہی سے حضرت والاؒ حضرت حکیم الامت کے سلسلہ میں داخل ہو گئے تھے۔ اور آپ کی تعلیم و تربیت اصلاح و تکمیل کا بیشتر حصہ دربار تھانویؒ ہی کا مرہونِ منت ہے حضرت اقدس مجددِ الملت رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کی والہانہ عقیدت اور عاشقانہ محبت کا اندازہ آپ کے بہت سے اشعار سے خصوصاً اس مکتوبِ منظوم سے لگایا جا سکتا ہے۔ جو حضرت والاؒ نے اپنے مرشد و مربی کو لکھا تھا۔ اس کے چند اشعار ایک غزل اور ایک تہنیت نامہ نیز دوسری منظومات سے ایسے دوسرے چند متفرق نمونے درج ذیل ہیں۔

"مکتوب منظوم"

بہ بارگاہِ حضرتِ تھانویؒ

آؤ بیٹھیں مرکزِ انوار کی باتیں کریں ... نور برسائیں رُخِ دلدار کی باتیں کریں
کب ہمیں شایاں ہے ہم اسرار کی باتیں کریں ... یہ ہمارا منہ کہاں، سرکار کی باتیں کریں
کیوں رہیں وابستگانِ الفتِ گلزار چپ ... گل کا گر مضمون نہ سوجھے خار کی باتیں کریں
حوصلہ تو دیکھئے رندانِ بادہ نوش کا ... چاہتے ہیں چشمِ مستِ یار کی باتیں کریں
پرسشِ راہِ چمن بھی خالی از لذت نہیں ... کیوں سلوکِ وادیٔ پُرخار کی باتیں کریں
کیوں خجل ہوں کیا شکستِ توبہ کے قصے کہیں ... نفع کیا کیوں کوششِ بیکار کی باتیں کریں
خاک سمجھیں گے وہ ظاہر بیں رموزِ معرفت ... جو ہمیشہ شاہدِ بازار کی باتیں کریں
جانتے ہیں ہے حکیم الامتِ تھانہ بھون ... آپ سے کچھ اسعدِ بیمار کی باتیں کریں
گو بہت سے کامیابِ لذتِ دیدار ہیں ... ہم کم از کم حسرتِ دیدار کی باتیں کریں
دل کے جذباتِ الم کا یہ تقاضا ہے حضور ... رنج کے قصے کہیں، آزار کی باتیں کریں
اب یہ خواہش ہے ہماری ہادیٔ راہِ خدا ... آپ سے کچھ اسعدِ بیمار کی باتیں کریں

دوستوں کو یہ وصیت ہے چراغاں کی جگہ — میری تربت پر جمالِ یار کی باتیں کریں
اے اسیر النفس اسعدؔ تیرے یہ اعمالِ بد — پھر یہ خواہش تجھ سے حضرت پیر کی باتیں کریں

شور ہے جنکی مسیحائی کا سارے دہر میں
آؤ ان سے اسعدؔ بیمار کی باتیں کریں

غزل

به بارگاہِ عالی حضرت مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہ

حضرت والا خود تحریر فرماتے ہیں کہ ”یہ غزل قلم برداشتہ حضرت شیخی و استاذی حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے تصور و خیال میں لکھی گئی تھی۔ رنگون ۸ مارچ ۱۹۳۷ء“

ہوں اگرچہ عتاب کی باتیں — ہیں مزے کی جناب کی باتیں
وہ حدیث و کتاب کی باتیں — یاد ہیں سب جناب کی باتیں
کیوں کرے وہ شراب کی باتیں — کر سکے جو جناب کی باتیں
میکدے سب کے سب ہوئے برباد — جب سے پھیلیں جناب کی باتیں
بے پیئے لوگ مست ہوتے ہیں — کیف زا ہیں جناب کی باتیں
کاش کھوتا نہ وقت کو واعظ — کاش کرتا جناب کی باتیں
رشک کرتا ہے جب سناتا ہوں — میں کسی کو جناب کی باتیں
یہ دعا ہے خدا کرے ہوجائیں — میری باتیں جناب کی باتیں
وائے قسمت کہ میں رہوں محروم — اور سن لیں جناب کی باتیں
مجھکو یہ افتخار ہے حضرت — میں نے لکھیں جناب کی باتیں
زینتِ حق نیوشاں ہیں — ہیں لآلی جناب کی باتیں
ناز کرتا ہے اپنی قسمت پر — سننے والا جناب کی باتیں
کاش پیر دل کو پوچھنے والے — مجھ سے پوچھیں جناب کی باتیں
وجد آور ہیں کیف پرور ہیں — کس کی باتیں، جناب کی باتیں
اس طرف ہے جنید کا قصہ — اس طرف ہیں جناب کی باتیں
محترم ہیں جناب کے قصے — مغتنم ہیں جناب کی باتیں

ں نہ ہو مرے وعظ میں تاثیر　　جب سناؤں جناب کی باتیں
نے محفل کو کر دیا مسحور　　جب سُنائیں جناب کی باتیں
ـد کرتا ہے رقص کرتا ہے　　سُن کے اسعد جناب کی باتیں
ناز کرتا ہے کلکِ اسعد بھی
جس نے لکھیں جناب کی باتیں

تہنیت نامہ

ـ مرتبہ طویل علالت سے حصول صحت کی خبر فرحت اثر پر حضرت والا نے اپنے استاذ
ی حضرت حکیم الامت کیلئے بطور تہنیت یہ اشعار برجستہ کہے تھے۔ نسیم احمد غازی مظاہری

میرے محترم کا غسلِ صحت ہو گیا　　قطرہ قطرہ گوہرِ بحرِ مسرت ہو گیا
ینہ دہر کا تصویرِ راحت ہو گیا　　ذرہ ذرہ جلوہ گاہِ حسنِ عشرت ہو گیا
یں مرہونِ لطفِ عیش و عشرت ہو گیا　　میرا قلبِ مضطرب ممنونِ فرحت ہو گیا
ی رگ رگ جھومتی ہے اضطرابِ فرح سے　　ریشہ ریشہ وقفِ آثارِ مسرت ہو گیا
ئیں میری دعائیں مستجاب بارگاہ　　شکر ہے اچھا میرے بازو کی قوت ہو گیا
دنیا کو سناتا ہوں نویدِ ابتہاج　　چونکہ میں زباں رواں ملکِ بہوت ہو گیا
ی امیدوں کا مرکز آپ کے اقدام ہیں　　آپ کی صحت سے تاباں نجمِ قسمت ہو گیا
ـا گستر سراپا تک میں ہوں تصویرِ نشاط　　آج مجھ پر کس قدر احسانِ قدرت ہو گیا
الجھ پر شادمانی کی حقیقت کھل گئی　　آج مجھکو علمِ اسرارِ مسرت ہو گیا
گئے ہیں میرے جذباتِ جنوں اضمحل　　غسلِ صحت سے علاجِ جوشِ وحشت ہو گیا
تی پھرتی ہے رگ رگ میں شرابِ انبساط　　میں مجسم پیکرِ شادی و فرحت ہو گیا
ـر میں پھولا خوشی سے میں سماتا ہی نہیں　　آج مجھکو مدرسہ ہی باغِ جنت ہو گیا
بعد میں شافیِ مطلق نے صحت بخشدی　　اشکِ خوں کا سبب یہ غسلِ صحت ہو گیا
لئے سر در رکھکر انگلیاں حاذق طبیب　　گویا تارِ نبض تارِ سازِ عشرت ہو گیا
ی صحت کا حسیں آبی تقاطر دیکھ کر　　اشکِ شادی سے مبدل اشکِ حسرت ہو گیا

ہے نوید زندگانی غسلِ صحت کی خبر
آبِ حیواں مجھکو عسلِ غسلِ صحت ہوگیا

مشتری نے گیت گائے رقص زہرہ نے کیا
جلسۂ انجم فلک پر بزمِ عشرت ہوگیا

ضو فشاں ہیں دوستوں کی بزم میں گھی کے چراغ
اور عدو پروانۂ شمعِ عداوت ہوگیا

ہوسکی مجھ سے نہ کچھ تیمار داری آپ کی
داغِ حسرت میرے دل میں شوقِ خدمت ہوگیا

کیجئے میری خطائیں حسبۃً للہ عفو
ہوگیا میں غرقِ دریائے ندامت ہوگیا

مجھ سے صبر و ضبط کا دامن چھٹا جاتا ہے اب
روز افزوں میرے دل میں جوشِ وحشت ہوگیا

اپنی بے حد لغزشوں سے ہوں نہایت شرمسار
میں غریقِ بحرِ خارِ خجالت ہوگیا

کیجئے اب جلد میری دستگیری کیجئے
میرے حق میں آپکا چھٹنا قیامت ہوگیا

ورنہ بیشک آپ سن لیں گے کہ فرطِ رنج سے
اسعدِ اندوہگیں دنیا سے رخصت ہوگیا

میرے جذباتِ نہاں الفاظ میں آتے نہیں
تھا کہ اظہارِ الم بھی ایک آفت ہوگیا

اے مرے محسن مرے مخلص عنایت کیجئے
آپکا اسعد شکارِ رنج و آفت ہوگیا

آپکے قدموں سے چھٹ کر آپ سے ہوکر جدا
میں اسیرِ دامِ آلام و مصیبت ہوگیا

تہنیت نامہ یہ لکھا ہے دفورِ شوق سے
ورنہ شغلِ شعر گوئی مجھ سے رخصت ہوگیا

گر قبول افتد زہے عز و شرف بندہ نواز!
لکھدیا جو کچھ مہیا حسبِ طاقت ہوگیا

نفع اس بجواس سے کچھ بھی نہیں ہے آپ کو
مجھکو لیکن افتخارِ وصف و مدحت ہوگیا

میں رہوں گا آپکا حلقہ بگوشِ بے درم
میرا دل آمادۂ عزمِ اطاعت ہوگیا

اے مرے اچھے مسیحا لیجئے بیمار کی خبر
آپکا اسعد مریضِ دردِ فرقت ہوگیا

چند متفرق اشعار

آپ کی مخصوص نظروں نے رشناسا کردیا
کیوں نہ سمجھیں امتیازِ کعبہ و بتخانہ ہم

آپکے ذکرِ مبارک کا صلہ ہے حضرت
نام توقیر سے لیتے ہیں سخنداں میرا

کیا تجلّی ریزیاں تھیں التفاتِ خاص میں
آپ نے دونوں جہاں سے کردیا غافل مجھے

تابشوں نے حسن کی، نظروں کو خیرہ کردیا
روح کی بیداریوں نے کردیا غافل مجھے

زمرۂ اربابِ الفت میں جو شامل ہو گیا — معنوی لذات کی جنت میں داخل ہو گیا
بے چھری ذبح کر دینا اسی کا نام ہے — تم نے نظریں پھیر لیں جس سے وہ بسمل ہو گیا
جگمگاتا ہے مری تخییلِ رنگیں کا جہاں — جب سے وہ تنویرِ پیکر مجھ پہ مائل ہو گیا

جانتے ہیں جنہیں ہے ذوقِ سلیم — رتبۂ شیخ تھانویؒ کیا ہے
یہ نگاہِ حضرتِ تھانوی کا اثر ہے اسعدِ بے نوا — نظر آ رہی ہیں حقیقتیں مجھے اس جہانِ مجاز میں
نئی روح اسعدِ نغز گو اجذباتِ عشق میں پھونک دی — مئے معرفت ہے بھری ہوئی تیرے شعرِ روح نواز میں
ساقی دکھا کے تو نے مستی بھری نگاہیں — پُر کیف بے خودی کی کھولی ہیں شاہراہیں
جنت ہیں تری ادائیں فطرت کی جلوہ گاہیں — ذوقِ سلیم والے پھر کیوں تجھے نہ چاہیں
میں جانتا ہوں ساقی کیا ہیں تری نگاہیں — عشرت کی جا پناہیں جنت کی جلوہ گاہیں
دنیا کو مستیوں کا عالم بنا رہی ہیں — وہ بادہ بار آنکھیں وہ کیف زا نگاہیں
گم ہوا ہوں حسن کے انوار میں — محو رہتا ہوں خیالِ یار میں
جلوہ گر ہیں حسن کی نیرنگیاں — تیرے ہر طرزِ نشاط آثار میں
روح چمکی دل تجلی ہو گیا — جانے کیا دیکھا جمالِ یار میں
دیکھئے فطرت کا حسنِ انتظام — بجلیاں بھر دیں نگاہِ یار میں
کچھ بتاتے ہی نہیں ہم کو یہ آنے والے — کیوں تری بزم سے انگشت بدنداں آئے
جان پڑ جاتی ہے نئی مردہ دلوں میں اسعد — بزمِ واعظ میں جو وہ عیسیٰ دوراں آئے

ہم نے ان اوراق میں بطورِ نمونہ و تبرک ایک "مکتوبِ منظوم"، ایک "غزل"، ایک "تہنیت نامہ"، اور چند متفرق اشعار لکھ دیئے ہیں۔ جن سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت والاؒ کو اپنے استاذ و مرشد حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی علیہ الرحمہ سے کس قدر عشق تھا۔ آپ کی منظومات و غزلیات میں عموماً اشارۃً و کنایۃً حضرت تھانویؒ کا ضرور ذکر ہوتا ہے۔ مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ کے اصول سے آپ اپنے شیخ و مرشد کو نظم و نثر میں عجیب والہانہ انداز میں ذکر فرما

اکابر سے بے پناہ تعلق، اساتذہ کرام سے والہانہ محبت اور اپنے مربی و مرشد سے

انتہائی عشق نے آپ کو علم و عرفان کی بلندیوں پر پہنچایا اور نمونۂ سلف بنایا رحمہ اللہ تعالیٰ۔ حضرت والا فرماتے ہیں ؎

عشق کی دشواریوں نے کر دیا کامل مجھے اب کوئی مشکل نظر آتی نہیں مشکل مجھے
شوق کی وسعت مجھے منزل سے آگے لے گئی میری ہمت نے کیا گم کردۂ منزل مجھے

اپنے مرشد و مربی حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر فرماتے تو بسا اوقات یہ شعر پڑھتے تھے۔ ؎

ہمیں است گر دل بردۂ و خوں کردہ لیسے را بسم اللہ اگر تاب نظر ہست کسے

اور بعض مرتبہ عربی کا یہ شعر پڑھتے تھے۔ ؎

اَتَتْ تُحَیِّیْ ثُمَّ قَامَتْ تُوَدِّعُ فلما تولّت کادت النفس تزهق

فرمایا کرتے تھے کہ فا تعقیب مع الوصل کیلئے اور ثم تاخیر و فصل کیلئے ہے تو اس شعر کا مطلب یہ ہوا کہ معشوقہ انتہائی مہذب ہے کہ آئی تو فوراً اسلام کیا اسکے بعد دیر تک راز و نیاز کی باتیں کرتی رہی جنکو منظر عام پر لانا مناسب نہیں۔ پھر وہ چلی گئی اور یہ ٹھہرنا گویا نہ ٹھہرنے کے برابر تھا اسی لئے فا کا استعمال ہوا کہ اس نے فوراً ہی رخصت کر دیا اور جب اس نے جانے کیلئے منہ پھیرا تو جان نکلی جا رہی تھی فرمایا کہ انہیں جدائی کی تلخیوں کے مضمون کو تقریباً اردو کے اس شعر میں بیان کیا گیا ہے ؎

وہ گلے مل کے جو پلٹے تو یہ معلوم ہوا جیسے کھینچے لئے جاتا ہے کلیجہ کوئی

کبھی کبھی عجیب وارفتگی سے اپنے مرشد گرامی کی اداؤں کا ذکر فرماتے ہوئے یہ شعر پڑھتے تھے۔ ؎

بھر دیں عجب ادائیں اس شوخ سیم تن میں اک شرمیلی سادگی میں اک سیدھا بانکپن میں

اور انکی شریعت و طریقت اور عشق و ادب کی جامعیت کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ؎

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

(ایک ہاتھ میں شریعت کا نازک جام اور ایک ہاتھ میں عشق کا ہتھوڑا ہو کسی نفس پرست کے بس کی بات نہیں کہ دونوں سے کھیلنا)

درس و تدریس

۱۳۳۷ھ

جامعہ مظاہر علوم سے فراغت اور جملہ علوم و فنون کے حصول میں مہارت کے بعد شوال میں آپ مادر علمی جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں ، معین مدرس ،، مقرر ہوئے ۔ یہ تقرر حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایماء و تجویز سے ہوا۔ مسند تدریس پر بیٹھتے ہی آپ کی فطری صلاحیتیں نمایاں اور اجاگر ہوئیں ۔ طلباء مطمئن و مداح ہوئے اور اکابر جامعہ کے دلوں میں باقاعدہ مدرس واستاذ کی حیثیت سے آپ کا تقرر کر لینے کا جذبہ پیدا ہو گیا ۔ چنانچہ ایک سال بعد ہی شوال ۱۳۳۸ھ میں مبلغ پندرہ روپے مشاہرہ پر آپ کا مستقل استاذ ہونے کی حیثیت سے تقرر کر لیا گیا۔

قدر گوہر شاہ بداند

مدرسین کے تقرر کے سلسلہ میں حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معیار بہت بلند تھا۔ آپ تدریس کیلئے جیدالاستعداد فاضل اور باوضع و صالح عالم کامل کا انتخاب فرمایا کرتے تھے۔

اس سلسلہ میں آپ کا مسلک بہت مشہور تھا ۔ ادھر حضرت والاؒ کی ظاہری وضع اور ملبوسی قطع مظاہر علوم کے اکابر و مشائخ اور اساتذہ و مدرسین سے بالکل جداگانہ تھی ۔ دیکھنے والا آپ کو اولیں نظر میں یہ سمجھتا تھا کہ کوئی ، ماڈرن ٹائپ ،، شخص ہیں اسکے باوجود حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے حضرت والا کا انتخاب کیا اور ان کو عارضی طور پر معین مدرس اور ایک سال کے بعد ہی مستقل مدرس واستاذ مقرر فرمالیا ۔ لوگوں کو اس سے حیرت تھی کہ حضرت اقدس نے حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب کے بارے میں اپنے معیار کو کیوں نظر انداز فرمایا۔ اور ظاہری ناموافق وضع کے باوجود انکو جامعہ مظاہر علوم کا مدرس مقرر فرمالیا۔

لیکن مستقبل نے ثابت کر دیا کہ حضرت سہارنپوریؒ کی دوررس نظر اور دوربین نگ
نے ایک درِ شاہوار کا انتخاب کیا ہے۔ وہ شخص جس کا لباس جدت کا رنگ لئے
ہوئے تھا اس میں علوم و عرفان کی وہ حقیقتیں پوشیدہ تھیں جو نایاب نہیں تو کمیاب
ضرور تھیں۔ یہی ایک جدید طرز کا انسان مستقبل میں علماء، عرفاء اور نقباء کا ا
بنا، حق و باطل کی جنگوں میں ایک زبردست مردِ شجاع، ایک بہادر شہسوار او
یکتا فاتح ثابت ہوا جس نے سرِ ابلیت کے ٹکڑے کر دیئے بریلویت کے دانت
کھٹے کر دیئے، مشرقیت کو دفنا دیا، عیسائیت کا تشابتی علم سرنگوں کر
ارتداد کے طوفانوں کے منہ پھیر دیئے، جس نے مسندِ تدریس کو زینت بخشی،
خانقاہ کو رونق بخشی جو تصوف و سلوک کا امام ذیشان اور بزم اشرف کا
چراغِ تاباں ثابت ہوا سچ ہے ع قدرِ گوہر شاہ بداند یا بداند گوہری
جہاں پہنچی ہیں پردے چاک کر کے عشق کی نظریں :: کہاں تو نے وہ منظر اے نگاہِ عام دیکھا۔

علمی سفر

رہبرانِ علومِ نبوی کے رہبر اور کاروانِ فنونِ ادبی کے رہنما ہونے کی حیثیت سے آپ کا سفر شوال ۱۳۳۷ھ سے شروع
ہوا آپ نے اولاً درجۂ ابتدائی و درجۂ وسطیٰ کی کتب کا نہایت کامیاب درس
اپنی مستوری و مہارت کا سکہ اکابر و اصاغر کے قلوب پر بٹھاتے ہوئے بہت
جلد آگے بڑھ گئے اور درجۂ علیا کی کتب کا درس مسلسل دیتے رہے، جلالین ش
بیضاوی شریف، تفسیر مدارک، ہدایہ جلد ثالث، ہدایہ جلد رابع، شرح عقا
خیالی، امور عامہ، خلاصۃ الحساب، دیوان متنبی، دیوان حماسہ، توضیح تلویح
صدرا، شمس بازغہ، اقلیدس، حمد اللہ، رسم المفتی ملا جلال، میر زاہد، شرح چغمی
عروض المفتاح وغیرہ درس نظامی کے ہر شعبۂ معقول و منقول کی جملہ کتب بار بار
فلسفہ و منطق، ہیئت و حساب کی وہ کتابیں جو اب درس نظامی سے خارج کر دی
گئی ہیں، اکابر کے اٹھ جانے کے بعد گہرائی و گیرائی کے ساتھ انکو پڑھانے والی جا
و عظیم شخصیت آپ ہی کی ذات گرامی تھی، عموماً ایسا ہوتا ہے کہ بعض حضرات
معقولات سے زائد دلچسپی ہوتی ہے اور منقولات سے کم اور بعض حضرات
کی طبائع اسکے برخلاف منقولات سے زائد مناسبت رکھتی ہیں۔ اور معقولا

دونوں طرف اتنی نہیں چلتیں مگر حق تعالیٰ شانہ نے حضرت والاؒ کو دونوں قسم کے علوم میں اتنی مہارت تامہ و حذاقت کاملہ عطا فرمائی تھی کہ بڑے سے بڑے ول کو اس کا اندازہ دشوار تھا کہ آپ کی طبیعت پر کونسی قسم کے علوم کا غلبہ ہے۔
وہ معقولات میں اگر بحر عالم کامل تھے تو منقولات میں بھی لائق و فائق علامۂ حاذق
وہ معقولات میں اگر اپنی نظیر آپ تھے تو منقولات میں بھی بے نظیر تھے۔
تفسیر و حدیث، فقہ و ادب اور تمام علوم نبویہ پر آپ کی اتنی ہی وسیع و عمیق نظر تھی جتنی ان علوم کے کسی ماہر کامل کی ہو سکتی ہے۔ حالانکہ علوم نقلیہ و علوم عقلیہ میں بظاہر کافی بُعد ہے۔ لیکن حق تعالیٰ نے حضرت والاؒ کو دونوں قسم کے علوم سے حظ وافر عطا فرمایا تھا ؎

لَیْسَ عَلَی اللّٰہِ بِمُسْتَنْکَرٍ   اَنْ یَّجْمَعَ الْعَالَمَ فِیْ وَاحِدٍ
(ایک جہاں کو ایک ذات میں جمع کر دینا   اللہ پر کوئی مشکل نہیں)

اس کے باوجود کہ علوم عقلیہ، فلسفہ و منطق وغیرہ پر کامل دسترس رکھتے تھے مگر ان کی کوئی خاص عظمت و وقعت آپ کے قلب مبارک میں نہ تھی۔ بلکہ جب جوش آتا تو منطق اور فلسفہ کے اصول کی دھجیاں بکھیر دیتے۔ اور فرماتے کہ علوم تو صرف علوم نبویہ ہی ہیں۔ عقلی علوم اٹکل کے تیر ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہی علوم ہیں۔ اور فرمایا کرتے تھے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود   گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود
(آپ کا ارشاد اللہ کا ارشاد ہوتا ہے   جو بندہ کے منہ سے نکلتا ہوا معلوم ہوتا ہے)

اور بکثرت فرماتے تھے ؎

اِذَا قَالَ الرَّسُوْلُ فَصَدِّقُوْہُ   فَاِنَّ الْقَوْلَ مَا قَالَ الرَّسُوْلُ
(جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرمائیں تو تم اس کو سچا جانو۔ کیوں کہ بات وہی ہے جو رسول اللہؐ ارشاد فرمائیں)

یہاں یہ بتا دینا بھی مناسب ہے کہ اردو، فارسی، عربی ادب میں بھی آپ یدطولیٰ رکھتے اور صرف و نحو، معانی و بیان اور حساب میں بھی مکمل مہارت رکھتے تھے۔ اور آپ کو انگریزی زبان پر بھی پورا عبور حاصل تھا۔

اردو، فارسی یا عربی کے کسی لفظ میں اختلاف ہوجاتا یا کسی لغت میں کوئی تردد اشکال پیش آتا تو علماء کے نزدیک قول فیصل حضرت والا ہی کا قول ہوتا تھا۔ ایسے موقع پر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ اس لفظ کو حضرت ناظم (مولانا اسعد اللہ) صاحب کیسے بولتے ہیں؟ اگر کوئی کہتا کہ ایسے بولتے ہیں تو فرماتے کہ بس یہی صحیح ہے کیونکہ وہ کوئی لفظ غلط نہیں بولتے ؎

مری نظر میں ہے جب سے کسی کا گلشن حسن ؛؛ کسی چمن، کسی منظر میں دل کشی نہ رہی

درس حدیث

سات سال تک آپ نے مختلف علوم وفنون کی کتابیں نہایت اولوالعزمی و ہمت اور محنت سے پڑھائیں ۱۳۴۴ھ میں جب حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ حجاز مقدس تشریف لے گئے اور وہاں ہجرت کی نیت کرلی تو حضرت اقدسؒ کی تجویز کے مطابق حدیث کے اسباق صدر العلماء حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ کامل پوری صدر مدرس، شیخ الاسلام حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحبؒ ناظم اعلیٰ اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحبؒ کے پاس طے ہوگئے۔ دو سال بعد ۱۳۴۷ھ میں حجاز سے واپسی پر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ بھی اساتذۂ حدیث کے زمرہ میں شامل ہوگئے پھر تو ۱۳۸۹ھ تک حدیث کی کتابیں آپ کے زیر درس رہیں اس پینتالیس سالہ طویل عرصہ میں آپ نے طالبانِ حدیث کو خوب سیر و سیراب کیا۔ آپ نے مشکوٰۃ شریف تین بار، مسلم شریف تین بار، ابوداؤد شریف گیارہ بار، نسائی شریف سولہ بار طحاوی شریف انیس بار پڑھائیں ان کے علاوہ دیگر کتب حدیث بھی بار بار پڑھائیں نیز دیگر علوم وفنون کی تعلیم بھی نظامت علیا کا جلیل القدر عہدہ ملنے تک دیتے رہے۔ بار نظامت کے ساتھ اکثر حدیث کے دو اسباق آپ کے پاس رہتے تھے۔ اس پینتالیس سالہ عرصہ میں دو ہزار سے زائد طلباء نے آپ سے علم حدیث حاصل کیا جن میں ایک بڑی تعداد ایسے فضلاء کی ہے جو دنیا میں آسمانِ علم وعرفاں کے ستارے بن کر چمکے۔ دورِ حاضر کے اکثر مشائخ کو آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔

مسلسل عوارض وامراض اور ضعف ونقاہت کیوجہ سے ۱۳۸۹ھ میں آپ نے درس وتدریس کا سلسلہ بند فرمادیا تھا۔ اس طرح آپ کی حیات ہی میں تشنگانِ علوم وطالبانِ علم حدیث کا ایک عالم آپ کے تدریسی فیوض سے محروم ہوگیا تھا۔ البتہ معذوری کے ایام میں افاضہ روحانی وافادہ باطنی تیز تر ہوگیا تھا۔

درس بعد الفجر وبعد العصر مدرسہ کی جانب سے سپرد کیئے ہوئے اسباق کے علاوہ آپ اپنے زمانہ قوت وصحت میں بعض اسباق خارجی اوقات میں صرف طلبہ کو فائدہ پہنچانے کی خاطر پڑھاتے تھے ان کے اوقات اکثر بعد الفجر اور بعد العصر ہوتے تھے۔ فجر کے بعد ہمارے دور طالب علمی میں عروض المفتاح اور اقلیدس کا سبق پڑھاتے تھے اس وقت آپ کا معمول تھا کہ تہجد کے بعد ذکر وتلاوت اور مطالعہ سے نماز فجر سے پہلے فارغ ہوجاتے اور دارالطلبہ کے تمام کمروں میں تیزی سے ایک چکر لگادیتے تاکہ کوئی طالب علم نماز باجماعت سے نہ رہ جائے نماز فجر سے فارغ ہوکر ایک چکر پھر تمام کمروں میں لگاتے اور اپنے حجرہ میں تشریف لاکر تھوڑی دیر ورزش کرتے دونوں ہاتھوں میں مونگریاں لے کر ان کو خاص انداز میں گھماتے اور اقلیدس کا سبق پڑھانے بیٹھ جاتے یہ سبق تقریباً بیس منٹ ہوتا تھا اور عصر کے بعد اس زمانے میں ریاض الصالحین کا سبق ہوتا تھا جو مولانا سید وقار علی صاحب دھام پوری حال استاذ جامعہ مظاہر علوم پڑھتے اور دوسرے طلبار بھی اس میں شرکت کرتے یہ سبق پانچ سات منٹ ہوتا۔ عبارت سنکر آپ بہت مختصر تشریح اور خاص خاص فوائد بتلاتے اور یہ سبق مختصر دعا پر ختم ہوجاتا تھا پھر آپ مکان اور حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں تشریف لے جاتے اور نماز مغرب واپس تشریف لاکر مسجد کلثومیہ دارالطلبہ قدیم میں ادا فرماتے تھے اس تمام وقت میں ذکر فرماتے اور تسبیح ہاتھ میں رہتی تھی۔

لطیفہ حضرت والا کی عادت تھی کہ طلبہ کی تربیت پر ہر وقت خاص نگاہ رکھتے تھے اور اصلاح وتربیت کا انداز بڑا ہی عجیب اور نرالا تھا موسم گرما میں خصوصاً چونکہ صبح کو نیند کا غلبہ رہتا ہے۔ اسلئے عروض المفتاح اور

اقلیدس کے سبق میں بعض طلبہ پان کھا کر جاتے تھے۔ ایک رفیقِ درس مولوی جمیل احمد الوری تھے جو بے ریش تھے اچھے ذہین طالب علم تھے حضرت انکو جمیل الوری کہتے تھے۔ وہ ایک دن نیند سے بچنے کیلئے پان کا بیڑا منھ میں دبا کر سبق میں چلے گئے حضرت والاؒ کی نظر ان پر پڑ گئی اور ان کی یہ حرکت ناگوار ہوئی تو آپ نے ان کو بڑے عجیب مشفقانہ انداز میں اسطرح نصیحت اور ان کے اس فعل پر نکیر فرمائی ــــ جمیل الوری سے کوئی کہدے :۔ کہ کھانا پان کا اچھا نہیں ہے۔ اسکے بعد وہ کبھی پان کھا کر سبق میں نہیں گئے۔

درسی خصوصیات و عادات

(۱) تمام علوم و فنون مستحضر ہونے کے باوجود آپ جو سبق بھی پڑھاتے پہلے اس کا مطالعہ ضرور فرماتے خواہ چند ہی منٹ مطالعہ فرمائیں بغیر مطالعہ آپ کوئی سبق نہ پڑھاتے تھے اور طلبہ کو بھی اسکی تاکید فرماتے کہ بلا مطالعہ سبق ہرگز نہ پڑھیں۔ مطالعہ میں درسی مباحث کے اقوال و دلائل اور حوالہ جات پر نظر ضرور ڈالتے خواہ آپ کو وہ سب چیزیں یاد ہوتیں۔

(۲) سبق کا گھنٹہ شروع ہوتے ہی بلا تاخیر آپ درسگاہ میں پہنچ جاتے۔ اور طلبہ کی حاضری لے کر فوراً سبق شروع کرا دیتے اور گھنٹہ ختم ہوتے ہی سبق ختم ہوجاتا اگر کوئی بحث ناتمام رہ جاتی تو اگلے دن اسکو ابتدا سے انتہا تک مکمل فرماتے۔

(۳) عبارت کی صحت و درستگی پر بہت زور دیتے۔ نحوی قواعد کے اعتبار سے بھی اور تلفظ و ادائیگی کے اعتبار سے بھی ان کے یہاں عبارت کا صحیح ہونا انتہائی ضروری تھا خصوصاً حدیث کی عبارت میں قواعد نحویہ و صحتِ تلفظ کے ساتھ قواعد تجویدیہ کی رعایت بھی ضروری تھی ہمزہ وصلی کو درج کلام میں گرانا اور نون قطنی تک کا پڑھنا ضروری تھا اسکے علاوہ صحابۂ کرام کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہم صاف صاف کہنا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذکر شریف پر درود پاک بھیج صحیح اسطرح پڑھنا ضروری تھا کہ سننے والے کو محسوس ہو کہ پڑھنے والا درود پاک سے لطف اندوز ہو رہا ہے آپ تنبیہ فرماتے کہ رسول اللہ، نبی اللہ اور آپ کے اسم گرامی کو بہت ہی صحت و ادب اور عظمت کے ساتھ اسطرح ادا کریں کہ اسکی لذت و حلاوت محسوس ہونے لگے

اسی طرح درود پاک بہت ہی مزے لے لے کر پڑھا کریں۔ بار بار تنبیہ کے باوجود بھی طلبہ عبارت میں غلطیاں اور اصول کی خلاف ورزیاں کرتے تو آپ ناراض ہوجاتے بعض مرتبہ آپ اتنے متاثر ہوتے کہ سبق بند کر دیتے۔ پھر جب کوئی ایک طالب علم عرض کر دیتا۔ حضرت معاف فرما دیجئے، تو فوراً خوش ہو جاتے معلوم ہوتا کہ ناراض ہی نہ تھے اور پوری شفقت کے جذبہ کے ساتھ سبق شروع فرما دیتے ایکمرتبہ ایک طالب علم کو بار بار تنبیہ فرمائی مگر وہ غلطی پر ضد کرتا رہا دوسرے سے عبارت پڑھوائی اس نے بھی غلط پڑھی آپ خفا ہوکر کمرہ میں چلے آئے میں فوراً پیچھے پیچھے آیا اور عرض کیا۔ حضرت ہمیں معاف فرما دیجئے، آپ اس لفظ کو سنتے ہی راضی ہوگئے اور درسگاہ میں واپس تشریف لے آئے۔ اسی اہتمام کیوجہ سے آپ کے سامنے عبارت پڑھنے کی طلبہ ہمت نہ کرتے تھے بلکہ بعض فضلاء واساتذہ جو سبق میں اجازت لے کر شامل ہو جاتے۔ عبارت پڑھنے کی انکو بھی ہمت نہ ہوتی۔ بندہ کو یہ بات پہلے سے معلوم تھی دورۂ حدیث کے سبق میں اس ارادہ سے کہ حضرت اگر ماریں گے تبھی تب بھی عبارت ضرور پڑھا کرونگا اول ہی دن سے عبارت پڑھنی شروع کی اور آخری دن تک پڑھتا رہا طحاوی شریف کی اکثر عبارت، ابو داؤد شریف کی اکثر عبارت اور مؤطا امام محمد شریف کی پوری عبارت الحمدللہ بندہ ہی نے پڑھی تھی درمیان میں بہت سے طلبہ نے شروع کی اور نہ نباہ سکے۔ میرے ساتھی مولوی عبدالکریم صاحب آسامی نے البتہ کافی دنوں تک عبارت پڑھی تھی۔ حضرت شیخؒ کے درس بخاری شریف میں ششماہی امتحان تک میں عبارت پڑھتا رہا لیکن عبارت اسی انداز میں پڑھتا تھا جو حضرت والاؒ کے درس میں سیکھا تھا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے سہ ماہی کے بعد فرمایا او قاری صاحب ہمارے یہاں تو عبارت رواں دواں ہوتی ہے تیرے بس کی نہیں۔ چنانچہ بخاری شریف کی عبارت اور دوسرے تیز رو ساتھی پڑھتے رہے اور ہم ختم بخاری تک سامع بنے رہے۔

(۴) حضرت والاؒ لغوی تحقیق اور اسماء الرجال کے صحیح ضبط کا بھی اہتمام فرماتے تھے لغوی کلیات اور مواد کلمات کی کلیات مفسر بیضاوی وصاحب کشاف کے طرز پر

عموماً طلبہ کو بتاتے تھے اس سلسلہ میں قرآنی آیات سے استدلال فرماتے بلکہ بعض قواعد کا قرآن مقدس کی روشنی میں استنباط فرماتے مثلاً ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ لفظ سوء جب مضاف ہوگا تو بضم السین ہوگا جیسا کہ قرآن پاک میں سوء الحساب ہے اور جب مضاف الیہ ہوگا تو بفتح السین ہوگا جیسے علیہم دائرۃ السوء اور شاعر کے قول اذا کان الطباع طباع سوء میں ہے اور اگر نہ مضاف ہو نہ مضاف الیہ تو اس صورت میں بضم السین ہی ہوگا۔

(۵) عبارت کا ترجمہ ایسا سلیس و شستہ ہوتا کہ مطالب تک ذہن پہنچ جاتا ترجمہ میں ضمائر کے مراجع کا مکمل اظہار فرماتے۔ مطالب و معانی اور مفاہیم اس صاف ستھرے اور مختصر انداز میں بیان فرماتے کہ طلبہ الفاظ کتاب سے معانی کتاب سمجھتے اور اس میں کوئی دشواری نہ ہوتی۔ تقریر اتنی مختصر نہ ہوتی کہ تشنگی رہ جاتے اور اتنی طویل بھی نہ ہوتی کہ مطلب خبط ہو جائے۔ ہاں دوران درس علمی و ادبی بحثوں کا خوب بیان فرماتے زوائد اور فضولیات سے آپ کا بیان مبرا اور پاک ہوتا ہاں فوائد و حکم آپ خوب بیان فرماتے اور اس سلسلہ میں آپ کے تفردات بہت تھے۔ جو بحمد اللہ ہمارے پاس حضرت والاؒ کی تقاریر میں محفوظ ہیں

(۶) ائمہ کے اختلافات کا بیان فرما کر سب کے دلائل بیان فرماتے اور احناف کے مسلک کو دلائل نقلیہ و عقلیہ سے مبرہن فرماتے تھے آپ کے عقلی دلائل بڑے مضبوط، عجیب اور فیصلہ کن ہوتے تھے۔ پوری تقریر (تائید و تردید) میں ائمہ کرام و شراح حدیث کا احترام ملحوظ رہتا۔ بیان میں کبھی تعلی کا شائبہ بھی نہ ہوتا۔

قدیم و جدید فرق باطلہ کی تردید بھی خوب فرماتے مگر اہل باطل کی بھی توہین نہ فرماتے ہر فرقہ اور ہر مذہب کے مقتداؤں کا ذکر احترام سے کرتے اور تاکید فرماتے کہ کسی کی توہین نہیں کرنی چاہیئے ہاں حق کی تائید اور باطل کی تردید یقیناً ضروری ہے اسی کا نتیجہ تھا کہ غیر مسلم اور شیعہ حضرات تک بھی آپ سے محبت و عقیدت رکھتے تھے حالانکہ آپ مناظروں کے میدانوں میں ان سے نبرد آزما رہے ہیں۔

(۷) اگر کوئی طالبعلم سوال یا اعتراض کرتا تو اسکو بغور سنتے۔ اگر اعتراض غلط کیا جاتا تو اسکے اعتراض کی اولاً غلطی ظاہر فرماتے پھر اسکو درست کرتے کہ اسطرح کہنا چاہیئے تھا

ر پھر اس کا معقول جواب دیتے اگر اعتراض نامعقول کیا جاتا یا ایسا سوال کرلیا
تا جس کا جواب آپ دے چکے تھے تو مسکرا کر اسکو تھوڑا اسا اسطرح بناتے تھے کہ
ب طلبہ کی طبیعت میں تازگی پیدا ہو جاتی۔ اور پھر ارشاد فرماتے کہ ہم ابھی اس کا
اب اسطرح دے چکے ہیں۔

) اگر کسی مسئلہ کی کماحقہٗ تحقیق نہ ہوسکی تو برملا اس کا اظہار فرما دیتے۔ اور
ب تک حضرت کے اساتذہ حیات رہے تو درس چھوڑ کر ان کے پاس پہنچ جاتے
ر طلبہ کی موجودگی ہی میں نہایت ادب کے ساتھ ان سے جاکر دریافت فرما لیتے
ر واپس آکر طلبہ کو بتا دیتے تھے۔ کسی لغت میں اشکال ہو جاتا تو فوراً لغت دیکھ
طلبہ کو بتاتے۔

) اگر کسی طالب علم نے کوئی ایسا سوال کرلیا جس کے جواب کی تحقیق نہ تھی تو آپ صاف
تراف فرما لیتے اور لا ادری (مجھے معلوم نہیں) کہنے میں آپ کو قطعاً تردد نہ ہوتا تھا۔
م السطور جلالین پڑھنے کے زمانہ میں حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا کہ:
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ الآیۃ سے عدالت صحابہؓ پر حرف
اہے۔ اور سوال کی تقریر کردی۔ حضرت والاؒ نے فوراً فرمایا، "ابھی اس وقت اس کا
ب میرے ذہن میں نہیں ہے"

) دورانِ درس انتہائی سنجیدگی و متانت، غیر متعلق باتوں سے گریز و پرہیز،
نگاہ، کتاب اور علم کا مکمل احترام، طلباء پر نظر کہ وہ سبق سے غافل تو نہیں ہیں
ان کی نشست احترام کیخلاف اور ناشائستہ تو نہیں ہے یہ سب باتیں ملحوظ رہتی
ں۔ ہاں گاہے گاہے۔ طلبہ میں چستی و تازگی پیدا کرنے کیلئے کوئی مفید لطیفہ یا
ت آموز واقعہ یا اچھا ایک شعر یا چند اشعار سنا دیا کرتے تھے۔

) پوری متانت و سنجیدگی کے ساتھ کبھی کبھی طلبہ سے مزاح فرما کر ان کو مانوس
نے۔ ایک مرتبہ طحاوی شریف کے درس میں سرکار درس کی حاضری لے رہے
۔ تو آپ نے فرمایا، "عبدالکریم" جلدی سے مولوی عبدالعزیز گونڈوی بولے، "حاضر جناب"
ضرت نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا اور اس انداز سے کہ جماعت میں ہنسی کے
ل کھل گئے اور نشاط کی لہر دوڑ گئی فرمایا ؎

نہ دانش بداری نہ عقل و تمیز ؛ دماغت خراب است عبدالعزیز

(۱۲) بعض خاص خاص باتوں کو بشکل اشعار یاد کرا دیتے تھے کیونکہ عموماً نظم کا حفظ کرنا نثر کی بہ نسبت آسان ہوتا ہے مثلاً حضرت ابوہریرہؓ کی مرویات کو یاد کرنے کیلئے ایک شعر سناتے تھے ؎

کن حدیث بوہریرہؓ را شمار ؛ پنج الف و سہ صد و ہفتاد و چار

(ف) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں حضرت ابوہریرہؓ کی تعداد پانچ ہزار تین سو چونسٹھ لکھی ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ وبلغ ما روٰہ خمسۃ آلاف حدیث وثلثمائۃ واربعۃ وستین مین حضرت اقدس مولانا امیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پھر حضرت اقدس مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات پر تنبیہ فرمائی کہ یہ حضرت ملا علی قاریؒ سے چوک ہوئی ہے یا کاتب سے سہو ہوا ہے ان کی مرویات کی صحیح تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر ہی ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ نے شرح مسلم میں ج میں لکھا ہے کہ بقی بن مخلد اندلسی نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ کی احادیث کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر ہے۔ کذا قال الاساتذۃ المحققو رحمہم اللہ تعالیٰ۔ جزی اللہ عنا خیرالجزاء

اور حضرات عشرہ مبشرہ کو یاد رکھنے کیلئے یہ دو شعر یاد کرائے تھے ؎

دہ یار بہشتی اند قطعا ؛ بوبکر و عمرؓ علی و عثمانؓ

ہم سعد است و سعید و بوعبیدہ ؛ طلحہؓ است و زبیرؓ و عبد رحمان

جن پانچ بچوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش مبارک میں پیشاب کیا ان کے نام اسطرح یاد کرائے تھے۔ ؎

بائل بحسن احمدی ابن الزبیر ہست ؛ ہم ابن ام قیس سلیمان، حسنؓ حسینؓ

حضرت امام طحاویؒ کی ولادت وعمر اور وفات یاد رکھنے کیلئے فرمایا تھا کہ تعبیر یاد ہے طحاوی کی توفی اندر تولد اور زمانہ عمر ؛ محمد مصطفےٰ ہے مصطفےٰ ہے اور محمد
(۳۲۱ ھ، ۲۲۹ ھ)

یعنی سن وفات محمد مصطفےٰ کے اعداد (۳۲۱) اور سن ولادت لفظ مصطفےٰ کے اعداد (۲۲۹) اور عمر شریف لفظ محمد کے اعداد (۹۲) ہیں۔

داؤد شریف کی احادیث کی تعداد ایک شعر میں اسطرح ضبط فرمائی ؎

کل احادیثِ ابو داؤد دداں ∴ چار الف وہشت صدا مہرباں

اِس کا ترجمہ اردو شعر میں فرمایا فطلہ

کل حدیثیں ہیں ابو داؤد کی ∴ چار ہزار اور آٹھ سوائے منتقی

سندوں میں بشیر نامی کئی رواۃ ہیں کہیں بشیر بر وزن نذیر مکبّر ہے اور بر وزن مصغر اسکو یاد رکھنے کیلئے بطور کلیہ ارشاد فرمایا ؎

بشیر است ہر جا مکبّر سگر ——— بُشیر بن کعب و بُشیر یسار

الم برداشتہ جو چند مثالیں ذہن میں آگئیں وہ لکھدی گئیں۔ یہ مذکورہ بالاخصوصیات ادات وہ ہیں کہ بیکوقت ایک معلم و مدرس میں جمع ہونی دشوار ہیں۔

جذبہ نفع رسانی

حق تعالیٰ شانہٗ نے آپ کی طبیعت میں نفع رسانی کا زبردست جذبہ رکھا تھا وہ دوسروں کو کبھی ان نصیحت ووصیت فرماتے تھے اور حدیث خیر الناس من ینفع الناس ہمیشہ زبان رہتی تھی۔ آپ کبھی ہر شخص کو نفع پہنچانے کی ہمیشہ کوشش فرماتے ہے۔ خصوصًا طلبار کرام کیلئے تو انہوں نے اپنی زندگی ہی وقف فرمادی تھی۔ وہ طلبہ کو ی بہترین اولاد اور سرمایۂ حیات سمجھتے جس کو خطاب فرماتے تو ،، بیٹا ،، فرماکر اب فرماتے ایک مرتبہ بندہ سہارنپور زیارت و ملاقات کیلئے حاضر خدمت ہوا آپ یہ تذکرہ فرمار ہے تھے کہ میری علمی اولاد کی اتنی نسلیں چل گئیں۔ مجھ سے بھا۔ بیٹا ،، آپ کی علمی نسلیں کتنی ہوگئی ہوں گی بن پوچکر عرض کیا کہ حضرت زہ ہے پانچ نسلیں ہوگئیں ،، حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا الحمدللہ حق تعالیٰ نے میری زندگی ہی میں میری علمی نسلیں دور تک چلادیں۔ اور کئی پشتوں تک علمی سلسلہ پہنچ گیا۔

یہ جذبہ افادہ وافاضۂ علمی کیلئے بنیادی چیز ہے۔ جن اساتذہ میں یہ جذبہ قوی تا ہے ان کے علمی نیوض سے طلبہ وتلامذہ بہرہ ور اور مالا مال ہوتے ہیں۔

آپ سے طلبہ کا استفادہ

طلبہ اگر اوقاتِ درس کے علاوہ آپ سے کچھ سمجھنے کیلئے حاضر خدمت ہوتے تو آپ ان طلبہ کی بہت

زیادہ قدر فرماتے اور نہایت خندہ پیشانی سے ان کے سوالات کے جوابات دیتے
درپیش مسائل مشکلہ کو پوری توجہ سے حل فرماتے اور جبتک سائل مطمئن نہو
آپ کو چین نہ آتا۔ بعض وہ طلبہ جن کے اسباق آپ سے متعلق نہ ہوتے تھے۔ کسی
فن کی کوئی کتاب لے کر پہنچ جاتے آپ کو ناگوار نہ ہوتا بلکہ پوری بشاشت کے ساتھ
انکی طرف متوجہ ہوتے اور جبتک ان کو مطمئن نہ فرما دیتے سمجھاتے رہتے۔
شرح جامی بحث اسم امام النحو حضرت علامہ مولانا صدیق احمد صاحب کشمیری
پڑھایا کرتے۔ اتفاق سے جس سال ہماری باری آئی شرح جامی وہاں سے بدل
کر دوسری جگہ چلی گئی۔ بعض مقامات پر دل مطمئن نہ ہوتا تو ہم لوگ سوال کا
سوالِ باسولی وغیرہ شروحات سے حل کرتے تھے۔ شروحات دیکھنے کے بعد
بھی اطمینان حاصل نہ ہوتا تو ہم لوگ کتاب لے کر حضرت والاؒ کی خدمت حاضر ہوتے
اور حضرت والاؒ بغیر کتاب دیکھے حل طلب مسئلہ پر شرح و بسط کے ساتھ
اسطرح بیان فرماتے کہ قلب کو اطمینان ہوجاتا تھا۔ ایک دن راقم السطور کمرہ میں بے وقت
پہنچ گیا اور شرح جامی کی مشہور بحث ,, تحصیل وحاصل،، کو سمجھنے کی درخواست
کی آپ کھڑے تھے فوراً بیٹھ گئے اور نہایت خندہ پیشانی سے بحث کا مفہوم مختصر
الفاظ میں سمجھا کر چند مثالوں سے اسکی خوب وضاحت فرما دی۔ اسطرح چند ہی
منٹ میں یہ بحث ذہن نشیں ہوگئی اور چونتیس سال گزرنے کے بعد بھی ذہن میں
اسیطرح تازہ ہے۔ الحمدللہ۔
جو طلباء حضرت سے تعلق وتقرب رکھتے اور حاضر خدمت ہوتے رہتے تھے وہ
آپ سے بہت زیادہ مستفید و مستفیض ہوتے رہتے تھے۔ حضرت والاؒ خود بھی ان کے
علمی نشو ونما، گفتار و کردار وغیرہ پر کڑی نظر رکھتے تھے اور وقتاً فوقتاً ان کا محاسبہ
کرتے رہتے تھے۔ بعض مرتبہ ایسے طلبہ کو خود ہی کوئی کتاب پڑھا دیتے۔
چنانچہ مولانا عبدالقیوم صاحب شاکر الاسعدی لکھتے ہیں کہ
زمانۂ طالب علمی میں یہ ناکارہ محنت نہیں کرتا تھا گو بفضلہ تعالیٰ ذہن اوسط درجہ
کا تھا اسلئے حضرت والاؒ کو بجا طور پر میری بد استعدادی کا ظن غالب تھا اتفاق
سے دیوانِ متنبی یا عروض المفتاح کا ہمارا امتحان حضرتِ والاؒ کے پاس تھا اتفاقاً

چہ اچھا ہو گیا حضرت والاؒ کو اس سے حیرت بھی ہوئی اور مسکرا کر مبارک باد دی اور فرمایا
تمہارے اندر صلاحیت موجود ہے اگر تم محنت سے پڑھو تو کچھ کام کر سکتے ہو۔
نہ اس چہار دیواری سے نکلوگے اور درس و تدریس کا مشغلہ ہوگا تو دیوار سے
سر ٹکرا دینے کو جی چاہے گا۔ پھر تھوڑی دیر بعد فرمایا کہ تم سے میرا ایک کام ہے
وہ میرا اپنا ذاتی کام ہے کیا تم اسکو انجام دے سکتے ہو؟ میں نے عرض کیا انشاء اللہ
انجام دوں گا فرمایا جانے دو تم اسکو انجام نہ دے سکو گے تم سے کہنا فضول ہے۔
کروگے نہیں تو کیا فائدہ کہنے سے؟
اس طرح چند منٹ تک اصرار پر انکار فرماتے رہے اس کے بعد فرمایا کہ میرا کام سمجھ
مجھ سے کوئی کتاب دس منٹ پڑھ لیا کرو"۔
اس ایک بات ہی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت علیہ الرحمۃ طلباء سے کتنی محبت و شفقت
معاملہ فرماتے اور اہل تعلق طلبہ کا کس قدر خیال فرماتے تھے اور کس دل سوزی اور
سے افادہ فرماتے افسوس اب اساتذہ میں یہ جذبات مفقود ہو گئے۔
تا حسن سے ایک خاص نسبت دلکو ہوتی ہے۔: مگر یہ حسن بھی تو بے نیاز دل نہیں ہوتا

صاحبزادگان کے ساتھ برتاؤ

اگر سبق میں شریک کوئی طالب علم حضرت والا کے استاذ زادہ یا کوئی بزرگ زادہ ہوتے
آپ ایک طرف تو انکی طالب علمی کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی تعلیم و تربیت
میں دھیان رکھتے پھر اسکے ساتھ ہی انکی صاحبزادگی کے احترام کو بھی ملحوظ رکھتے
۔ ان کی ضروریات کا بھی بہت خیال فرماتے اور ان سے خدمت لینا بھی گوارا نہ
کرتے تھے۔ چنانچہ مولانا عبد العلی صاحب لکھتے ہیں کہ!

"دارالعلوم پڑھنے کے زمانہ میں حضرت کی خدمت میں بار بار حاضر ہوتا
ایک مرتبہ تاخیر ہو گئی کئی ہفتہ حاضری نہ ہو سکی تو حضرت نے ایک شعر لکھ بھیجا ؎
نہیں تم یاد آتے ہو تمہیں ہم یاد کرتے ہیں ۔:۔ تمہاری یاد سے بیٹا دل اپنا شاد کرتے ہیں
برابر ہی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا امتحان کے قرب کی وجہ سے ملاقات کر کے واپسی
اجازت چاہی تو حضرت نے آمد و رفت کا کرایہ بھی عنایت فرمایا۔ ہر حاضری پر چاہتا
پیر دباؤں مگر درخواست منظور نہ ہوتی۔ آخری ملاقات میں بھی درخواست منظور نہ

ہوئی تو آنکھوں میں آنسو آگئے فرمایا لیجئے آپ اپنی خوشی پوری کر لیجئے اور پیر پھیلا دیئے۔ چند لمحے بھی نہ گذرے تھے کہ سنبھل کر بیٹھ گئے اور یہ فرماتے ہوئے پیر سمیٹ لئے کہ آپ کی خوشی پوری ہوگئی اب مجھے تا اند شرمندہ نہ کیجئے آپ مخدوم زادہ ہیں "

طلبہ کرام سے تعلق اور محبت

نرالی ہے جہاں سے سرگذشت زندگی اپنی
کہانی سے کسی کی میرا افسانہ نہیں ملتا

افادہ و استفادہ کیلئے استاذ و شاگرد کے درمیان قلبی ربط، بے لوث تعلق اور مخلصانہ محبت ناگزیر ہے۔ اس زمانہ میں یہی چیز مفقود ہو چکی ہے۔ اور عموماً اس مقام نفسانیت و خود غرضی نے لے لیا ہے یہی وجہ ہے کہ افادہ و استفادہ کا دروازہ تقریباً بند ہو گیا ہے۔ نہ اب اساتذہ طلبہ کو اپنی روحانی اولاد سمجھتے ہیں نہ ہی طلبہ و تلامذہ اساتذہ کو بہترین باپ خیال کرتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ ۔ اللہ کی راہ اب بھی ہے کھلی آثار و نشاں سب قائم ہیں۔ اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ پہ چلنا چھوڑ اب سوز و گداز اس محفل میں کچھ بھی نہ رہا اندھیر ہوا۔ شمعوں نے پگھلنا چھوڑ دیا، پروانوں نے جلنا چھوڑ

جب سر میں ہوا نے طاعت تھی سرسبز شجر امید کا تھا
جب صرصر عصیاں چلنے لگی اس پیڑ نے پھلنا چھوڑ دیا

الحمد للہ علی احسانہ ہم نے ایسے اساتذہ کرام پائے ہیں کہ وہ طلبہ عزیز سے للہ فی اللہ محبت رکھتے۔ انکی تعلیم و تربیت کیلئے مخلصانہ انہماک محنت کرتے اور ہر حال میں ان پر شفقت و عنایت کرتے تھے۔ فجزاھم اللہ و رحمھم

لیکن صاحب تذکرہ حضرت اقدس علیہ الرحمہ کی اس معاملہ میں عجیب اور نرالی شان حضرت والا جیسا شفیق و مہربان استاذ، شفقت و محبت کرنے والا امر لی ہم نے نہیں دیکھا ہے نظر میں کوئی سماتا نہیں زمانے میں ۔ گذر یہ کس کا ہے میرے خیال خانے میں

جب تعلیمی سال ختم ہوتا، طلبہ اپنے گھروں کو جانے کی خوشیاں مناتے اور تیاریاں کرنے لگتے اور حضرت والا فکر مند اور اداس نظر آتے تھے۔ امتحان سالانہ کے بعد تعطیل کلاں ہوتی۔ طلبہ رمضان کی چھٹیوں میں اپنے وطن جاتے اور رخصتی مصافحہ کیلئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے تو حضرت پر رقت طاری ہو جاتی۔ بسا اوقات زار و قطار رونے لگتے تھے

رخصت ہونے والے طلبہ بھی اپنے شفیق مربی اور مہربان استاذ سے روتے ہوئے رخصت ہوتے وہ منظر بڑا عجیب و قابل دید ہوتا تھا۔

حدیث کا آخری سبق

حضرت والاؒ نے طحاوی شریف کے چار دور طاور امام محمد شریف پڑھائی طحاوی شریف کی اکثر عبارت اور موطا امام محمد از اول تا آخر پوری کتاب کی عبارت بفضلہ تعالیٰ راقم السطور کو پڑھنے کی توفیق ہوئی۔ موطا امام محمد کا آخری سبق تھا اس پورے سبق میں حضرت والاؒ کی آنکھوں سے آنسو جاری رہے، یہ سبق صبح کی نشست کے آخری (چوتھے) گھنٹہ میں ہوتا تھا۔ حضرت کے دانتوں میں پائریا کا اثر تھا اسلئے سبق کے بعد روزانہ دانت صاف کرنے کا معمول تھا اور یہ خدمت بندہ کے سپرد تھی، اسی رقت آمیز و اشک آلود حالت میں کتاب ختم ہوئی اسکے بعد حسب معمول کمرہ میں تشریف لے آئے راقم الحروف پانی بھر کر لایا تو دیکھا کہ حضرت کمرہ میں بیٹھے ہوئے خوب رو رہے ہیں۔ فرمایا بیٹا! یہ آپ کا آخری سبق تھا۔ آپ سے میرا دل باغ باغ ہے۔ آپ آج اس انداز سے عبارتِ حدیث پڑھ رہے تھے کہ معلوم یہ ہوتا تھا کہ گویا آپ خود بناکر اپنی عبارت پیش کر رہے ہیں اور پھر بہت دیر دعائیں دیتے رہے آپکا یہ مخلصانہ، مشفقانہ اور محبانہ برتاؤ کسی ایک کے ساتھ خاص نہ تھا ہو ما سبھی آپ محبت فرماتے تھے اور خدام و اہل تعلق سے بہت زیادہ محبت و شفقت کا معاملہ فرماتے تھے۔ ؎

محبت کیلئے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں ٭ یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پر گایا نہیں جاتا

عنایت و اعانت

حضرت والاؒ کی طبیعت میں خلقِ خدا کی خصوصاً طلبۂ کرام کی ہمدردی و خیرخواہی حق تعالیٰ نے بہت رکھی تھی ہر وارد و صادر کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ فرماتے اور اپنی نصیحتوں سے مستفید فرماتے تھے۔ خاص طور پر طلبہ کی تعلیم و تربیت پر خاص نگاہ رکھتے ان کو بڑی دل سوزی سے زندگی کے نشیب و فراز سمجھا کر ان کو تدین و تقویٰ کا خوگر بنانے کی کوشش فرماتے تھے۔

وقتاً فوقتاً طلبہ کو عمومی نصیحتوں سے نوازتے رہتے۔ جو طلبہ کسی بھی مدرسے کے آپ سے

ملاقات کرتے ان کو بھی بہت اہتمام سے کوئی نہ کوئی نصیحت فرماتے۔ کوئی منکر اور خلاف شرع بات معلوم ہوتی یا کوئی کوتاہی دیکھتے بہت ہی احسن طریقہ سے اس پر نکیر فرماتے۔ طلبہ کو باربار احتیاط و تقوی، بلند کردار و پاکیزہ زندگی کی وصیت فرماتے جن طلبہ کا آپ سے ربط خاص ہوتا ان کی اصلاح میں گاہے گاہے سختی کا طریقہ بھی اختیار فرماتے کبھی خفا بھی ہو جاتے اور ناراضگی و خفگی اعتراف قصور اور طلب معافی سے فوراً ختم ہو جاتی اور عنایت و شفقت جوش میں آجاتی۔ آپ تمام طلبہ پر نظر رکھتے اور ان کے احوال کا تفقد فرماتے تھے۔ مستحقین طلبہ کی بہت خاموشی سے امداد و اعانت فرماتے تھے۔ جن طلبہ میں علم کا ذوق و شوق اور لگن محسوس فرماتے ان پر آپ کی عنایات بہت ہوتیں۔ اور ان کے تو گویا آپ گرویدہ ہو جاتے۔ راقم کا خاص تعلق حضرت والاؒ سے دورۂ حدیث کے سال ہوا تھا لیکن میں حیران رہ گیا جب ایک دن حضرت والاؒ نے میری مظاہر علوم کی پنج سالہ زندگی کے حالات مجھکو سنا دیئے۔ فرمایا بیٹا آپ فلاں تاریخ کو مظاہر علوم میں آئے فلاں فلاں کمرہ میں اتنے اتنے دنوں قیام رہا اتنے دن بیمار رہے وغیرہ وغیرہ حضرت نے وہ باتیں یاد دلائی جو خود مجھے مستحضر نہ تھیں۔

ایک دن حضرت نے دیکھا کہ میرے پیر میں ٹوٹا ہوا جوتا ہے۔ تو اپنے ایک مرید خاص کو حکم دیا کہ میرے بیٹے کے لئے ایک جوڑی اچھے جوتے بنا کر لا دیجئے (ان کا جوتوں کا کام تھا) اور جو دام اوروں سے لیتے ہیں وہی ہم سے لیں چنانچہ انہوں نے حضرت کے حکم کی تعمیل کی۔ ایک دن ایک صاحب سے (جو کسی گاؤں کے رہنے والے تھے اور آپ کے پاس ہر ہفتہ حاضر ہوتے تھے) میری طرف اشارہ کرکے فرمایا۔ میرا بیٹا حدیث شریف پڑھ رہا ہے اور بہت محنت کرتا ہے۔ پڑھتے پڑھتے اسکی آواز بیٹھ جاتی ہے میرے بیٹے کے لئے عمدہ گھی جو آپ کے گھر تیار ہوا ہو، اور اچھا قابل اطمینان ہو ایک سیر لا دیں اور مجھے اس کے پیسے بتا دو،، حضرت والاؒ بہت سے طلبہ کی بڑی خاموشی و رازداری سے اسطرح اعانت فرماتے تھے کہ کسی دوسرے کو علم بھی نہ ہوتا تھا بلکہ آپ جس پر احسان فرماتے اخفا کی بھی ہدایت فرماتے تھے۔ ہدایا، تحائف وصول کرنے میں آپ بہت محتاط تھے۔ تنخواہ کم تھی اخراجات زائد اسلئے زیادہ فراخ دستی و وسعت بھی نہ تھی

اس کے باوجود آپ میں سخاوت خوب تھی حاصل یہ ہے کہ آپنے مہمانانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، کی خدمت و محبت کو اپنی زندگی کا ماحصل و مقصود بنا رکھا تھا۔ آپ کی توجہات و عنایات اور اعانتیں ان کے لئے وقف تھیں۔

مولانا صدیق احمد صاحب شریف نگری نے مجھ سے بیان کیا کہ:

میں زمانہ طالب علمی میں تنگدست تھا۔ مجھے اساتذہ کی تقریریں لکھنے کا شوق تھا اتفاق سے کاپی ختم ہوگئی پیسے بھی نہ تھے۔ اس لئے مجھے اسکی بہت فکر تھی کہ کل اساتذہ کی تقریریں کسطرح لکھونگا۔ کسی سے قرض لینے کی عادت اور ہمت نہ تھی، اگر قرض لے بھی لیتا تو ادا کیسے کرتا اسلئے میں اسی فکر میں اپنے کمرہ میں بیٹھا تھا کہ حضرت والا کا ایک خادم میرے پاس پہنچا اور کہا کہ حضرت ناظم صاحب آپ کو بلا رہے ہیں میں حاضر خدمت ہوا تو کمرہ میں حضرت مولانا محمد اللہ صاحب (صاحبزادۂ محترم) اور قاری احمد گورا خادم خاص اور حضرت والا موجود تھے حضرت نے صاحبزادہ محترم سے ارشاد فرمایا۔ جاؤ کمرہ ۱۹ کے سامنے والے نل سے ایک لوٹا پانی لاؤ، اور پھر قاری گورا کو انھیں بلانے کیلئے بھیجدیا اور فوراً ایک چیتھڑے میں بندھی ہوئی کوئی چیز میرے ہاتھ میں دیدی کہ یہ دیکھو کیا ہے میں نے کھولا تو اسمیں کچھ ریزگاری تھی میں نے عرض کیا پیسے ہیں فرمایا شمار کرلو میں نے شمار کئے تو ایک روپیہ کی ریزگاری تھی فرمایا جیب میں رکھ لو اپنے کام میں لاؤ اور کسی سے بالکل ذکر نہ کرنا اور یہ چیتھڑا مجھے دیدو! اتنے میں صاحبزادہ محترم اور خادم صاحب آگئے حضرت نے فرمایا جاؤ مولانا صدیق صاحب کہتے ہیں کہ میرے اس حال کا علم میرے اور اللہ کے سوا کسی کو نہ تھا۔ مجھے حیرت ہوئی، اس واقعہ سے آپ کے کشف اور طلبہ کے حالات سے باخبر داری کے علاوہ طلبہ کے ساتھ عنایت و اعانت کا معاملہ واضح ہوتا ہے۔

دعوت کا عجیب انداز

ایک مرتبہ میں حاضر خدمت ہوا تو فرمایا۔ بیٹا! آپ کی چائے کی دعوت ہے میں نے عرض کیا بہت اچھا زہے نصیب اسکے بعد حضرت نے اپنی جیب سے ایک روپیہ نکالا اور فرمایا لیجئے یہ آپکی چائے کی دعوت کے مد میں ہے۔ جو چاہیں کریں۔ اس دعوت میں وقت کی بھی بچت وقت و انتظار کی زحمت سے بھی طرفین کو نجات اور مدعو کو اختیار کردہ

ان پیسوں کو جس ضرورت میں چاہے خرچ کرے ۔ ان سب کے علاوہ رسم ورِیا سے حفاظت اور لوگوں سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت اس انداز سے دعوت زیادہ کرتے تھے ۔

تکلف سے بالاتر کریم النفسی

حضرت رحؒ کی طبیعت میں تکلف نہ تھا تکلف کو پسند فرماتے تھے ۔ آپ کی زندگی دَمہ انا من المتکلفین کی آئینہ دار تھی مولانا عبدالقیوم صاحب لکھتے ہیں کہ : " ایک مرتبہ حضرتِ والاؒ کے کمرہ میں شہر کے کچھ بے تکلف احباب ملاقات کیلئے تشریف لائے تو حضرت والاؒ نے اس ناکارہ سے فرمایا کہ دیکھو ٹوکری میں اگر کچھ ہو تو مہمانوں کے سامنے پیش کردیں میں نے ٹوکری اتاری تو اسمیں غالبً نصف پپیتہ اور ایک قسم کا اور کوئی پھل تھوڑی سی مقدار میں تھا ۔ ناکارہ نے نصف بچاکر رکھدیا اور نصف مہمانوں کے سامنے پیش کردیا ۔ حضرت والاؒ نے فرمایا ۔ اتنے ہی تھے یہ تو بہت ہی تھوڑے ہیں ۔ بندہ نے صورتِ حال عرض کردی تو فرمایا سب لے آؤ انفق بلال ولا تخش من ذی العرش اقلالا (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بلال خرچ کرو اور عرش والے کیطرف سے کمی کا اندیشہ نہ کرو) چنانچہ بچا ہوا حصہ بھی مہمانوں کے سامنے پیش کردیا ۔ تھوڑی دیر بعد مہمان رخصت ہونے لگے یہ حضرات جانے کیلئے ابھی جوتے ہی پہن رہے تھے کہ ایک صاحب پھلوں سے بھرا ہوا ٹوکرا لیکر آگئے اور کہا کہ " حضرت یہ فلاں صاحب نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے ،، فرمایا یہاں رکھ دیجئے اور اس ناکارہ سے خطاب کرکے ایک خاص انداز میں ارشاد فرمایا دیکھا تم نے ؟ اور یہ شعر پڑھا ۔

جو گنہ گار کو جو کچھ بھی خدا دیتا ہے ۔ وقت سے پہلے ضرورت سے سوا دیتا ہے ۔

مدرسین واساتذہ کا احترام

جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے مدرسین واساتذہ میں اکثر آپ کے تلامذہ تھے بلکہ اخیر دور میں تو آپ استاذ الکل تھے ۔ لیکن آپ ان کے ساتھ اکرام واحترام کا ایسا معاملہ فرماتے تھے کہ گویا آپ ان سے چھوٹے ہیں ۔ ان کے سامنے اگر نام لینے کی ضرورت پیش آتی تو حضرت مولانا سے شروع میں لگاتے اسی طرح اگر عدم موجو

ن تذکرہ فرماتے یا ان میں سے کسی کا نام لیتے تو بہت احترام واکرام کے ساتھ مثلاً حضرت
لانا سید وقار علی صاحب، حضرت مولانا محمد یونس صاحب حضرت مفتی صاحب یا
ضرت مفتی مظفر حسین صاحب۔ دور نظامت میں اگر مدرسین کو کوئی حکم دینا ہوتا تو اس کا
داز بھی درخواست جیسا ہوتا، نمونہ کے طور پر آپ کی ایک تحریر کا اقتباس پیش کرتا ہوں
امتحان کی صحیح نگرانی کے سلسلہ میں آپ نے مدرسین وممتحنین کے نام بحیثیت ناظم
ذمہ دار بطور حکمنامہ جاری فرمائی تھی

" مخدوم ومکرم فرمایان بندہ ، حضرات مدرسین وممتحنین وجملہ کارکنان امتحان عزیہ
تسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ادب واحترام سے گذارش ہے دگو یہ واقعہ ہے کہ
سے امور کی جانب توجہ مبذول کرانے میں مجھے شرم محسوس ہوتی ہے لیکن انتظامی ذمہ داری
آپ حضرات کے مکارم اخلاق کے پیش نظر جسارت ہوئی ہے۔

بات الفردات بتبیہ المحذورات۔
یہ کہ امتحانی نگرانی وغیرہ کو باحسن وجوہ انجام کو پہنچایا جائے۔ دقت امتحان دو صاحب
ت جگہ جمع ہوکر گفتگو نہ فرمائیں اس سے نگرانی ناقص ہوجاتی ہے۔ طلبہ کو آزادی ہوجاتی
ہے۔ دوسروں کو لب کشائی کا موقع ملتا ہے اور فرض مفوضہ میں دیانۃً کمی وکوتاہی
تی ہے۔ واللہ بصیر بالعباد
۱) نیند کا بھی خیال فرمائیں کہ ہماری سنہ ونعاس سے طلبہ کو غلط موقع نہ مل جائے
یا اپنی مجبوریوں اور معذوریوں کیوجہ سے امتحان گاہ میں حاضر نہیں ہوسکتا۔ اسلئے
قع ہے کہ اس موقع پر پہلے سے بھی زائد خیال رکھا جائے گا۔
یا اس سے زائد آپ حضرات کی خدمت میں کچھ لکھنا آفتاب کو چراغ دکھانے اور "حکمت
بیان آموختن" کا مصداق ہے یقین ہے کہ اس خادمانہ گذارش پر عمل فرماکر مجھ کو
منون فرمایا جائے گا فقط

اسعد اللہ ناظم مدرسہ (علمائے مظاہر علوم ص $\frac{۱۲۱}{۱۷۰}$)

غور کیجئے کہ اس حکم نامہ کا لکھنے والا جامعہ مظاہر علوم کا سب سے بڑا ذمہ دار وناظم اعلیٰ
ہے اور اس کے مخاطب وہ حضرات ہیں جو ناظم اعلیٰ کے تلامذہ وخدام ہیں۔ ادب جب
اپنے شاگردوں اور خادموں کے ادب واحترام کا یہ عالم ہے تو ایسی شخصیت کے دوسروں

کے اکرام واحترام کا عالم کیا ہوگا۔ اس کا تو کچھ اندازہ وہی حضرات کر سکتے ہیں۔ جن کو حضرت والاؒ سے شرف ملاقات وزیارت حاصل ہوا ہو اور آپ سے ہم کلام ہونے کی عزت حاصل ہوئی ہو۔ حضرت والاؒ ہی کی ایک رباعی ہے فرماتے ہیں کہ:

دل میں اثر صدق طلب پیدا کر ⁂ ہر بات میں سامانِ طرب پیدا کر
وسعت نہیں بے باکی وگستاخی کی ⁂ ہے عشق کا دعویٰ تو ادب پیدا کر

حضرت اکثر خدام کو خطاب کر کے فرماتے تھے ؎

طرق العشق کلّہا آداب ⁂ ادّبوا النفس ایّہا الاصحاب
(عشق کے تمام راستے آداب ہی ہیں ⁂ اے دوستو! خود کو باادب بنالو)

قیام رنگون

اور

نظامت جامعہ محمدیہ راندیریہ

حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ انیس ۱۹ سال کی عمر میں شوال ۱۳۳۳ھ میں تھانہ بھون سے سہارنپور جامعہ مظاہر علوم میں تشریف لائے اور مشکوٰۃ شریف وغیرہ کتب میں داخلہ لے کر پورے تین سال (۱۳۳۶ھ) تک پورے انہماک کے ساتھ علوم وفنون میں کمال استعداد بہم پہنچاتے رہے اور ۱۳۳۷ھ میں معین مدرس اور ایک سال بعد ۱۳۳۸ھ میں مستقل مدرس بشاہرہ مبلغ ۱۵ مقرر ہوئے اور اپنی زندگی کی تمام بہاریں اپنے مادر علمی پر قربان فرماکر ۱۳۹۹ھ میں واصل بحق ہو گئے۔ آپ کو ابتدائے مدرسی کے دور میں جب کہ حضرت والا پنجاب یونیورسٹی میں امتحان فاضل دینے کے لئے تشریف لے گئے تھے اور وہاں وہ شاندار کامیابی حاصل ہوئی تھی جس کی وجہ سے یونیورسٹی کے ذمہ داروں نے آپ سے بہت اصرار کیا کہ آپ یہیں رہیں۔ آپ کو معقول

خواہ (جس کا مدارس عربیہ اسلامیہ میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا) کے علاوہ کوٹھی، کار وغیرہ
دوسری راحت وعیش و آرام کے تمام اسباب وسامان ملیں گے مگر حضرت والا نے ان تمام
چیزوں کی طرف التفات نہیں فرمایا۔ بلکہ اس پیشکش کو ٹھکرا کر جامعہ مظاہر علوم سہارنپور
تشریف لے آئے اور یہیں اپنی تمام عمر گذار دی۔
ان برما والوں کے بے حد مخلصانہ اصرار پر آپ وہاں دو بار تشریف لے گئے۔ اہل برما
جامعہ مظاہر علوم اور خود حضرت والا کے ساتھ انتہائی گہرا ربط اور زبردست تعلق
تھا۔ پھر حضرات اکابر کی رائے نے ان کے اصرار کو اور بھی زیادہ مضبوط ومستحکم کردیا تھا
اس لئے حضرت والا نے برما تشریف لے جانے کو منظور فرمایا اور آپ کے دو سفر جامعہ راندیریہ
رنگون کے ناظم اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے ہوئے پہلا سفر ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ میں ہوا۔ اور
وہاں تقریباً چھ ماہ وہاں قیام فرماکر شوال میں واپس تشریف لے آئے۔
تاریخ مظاہر صفحہ ۹۴/۲ پر تحریر فرماتے ہیں کہ
"حضرت مولانا الحاج محمد اسعد اللہ صاحب اہل رنگون بالخصوص حاجی سیٹھ داؤد یوسف صاحب کے
اصرار پر ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ میں مدرسہ راندیریہ کی نظامت کیلئے رنگون (برما) تشریف
لے گئے مدرسہ راندیریہ رنگون کے منتظمین کا اصرار تھا کہ مولانا یہاں عہدۂ نظامت قبول فرماکر
یہیں مستقل قیام فرمائیں لیکن مولانا نے مظاہر کے ساتھ اپنے تعلق اور اساتذہ کے ساتھ
اپنی مودت و محبت کے پیش نظر اسے منظور نہیں فرمایا اور شوال میں واپس تشریف لے آئے
آپ کو جامعہ مظاہر علوم سہارنپور اور یہاں کے احباب و اکابر کی مفارقت گوارا نہ تھی۔
یہاں تشریف لاکر حسب سابق درس وتدریس اور دیگر خدمات مدرسہ میں مصروف ہوگئے۔
دوسرا سفر رنگون برما ۲۷ صفر المظفر ۱۳۵۴ھ میں اسی مقصد مذکور کے تحت ہوا (یعنی
مدرسہ محمدیہ راندیریہ کے ناظم اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے آپ رنگون تشریف لیگئے) اور
ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ میں وہیں سے حج کیلئے تشریف لے گئے اور حج و زیارت سے فراغت
کے بعد آپ برما واپس ہوگئے رنگون کا یہ دوسرا سفر ۲۵ محرم الحرام ۱۳۵۶ھ ۸ اپریل ۱۹۳۷ء
شنبہ کو پورا ہوا اور اس تاریخ میں آپ بعافیت سہارنپور تشریف لے آئے۔
تاریخ مظاہر صفحہ ۱۱۷/۲ میں ہے کہ:
"حضرت مولانا الحاج اسعد اللہ صاحب گذشتہ سال ایک سال کی رخصت لے کر اہل رنگون

کے اصرار پر مدرسہ راندیریہ کی نظامت کے لئے تشریف لیگئے اور اختتام سال پر حج کیلئے تشریف لیگئے حجاز سے واپسی پر رنگون کے احباب کے شدید اصرار پر دوبارہ ایک سال کیلئے بغرض نظامت تشریف لے گئے اور ۱۳۵۵ھ کے بالکل آخر میں تشریف لاکر آغاز ۱۳۵۶ھ سے پھر مدرسہ کو اپنے فیوض سے متمتع فرمانا شروع کر دیا۔

"علمائے مظاہر علوم" میں لکھا ہے کہ:

"مجموعی طور پر برما میں آپ کا قیام (تقریباً) تین سال رہا۔ وہاں رہ کر آپ نے پوری تدبر وتیقظ کے ساتھ جامعہ کی انتظامی ذمہ داریوں کو سنبھالے رکھا وہاں آپ کی ذات گرامی سے بہت بڑا علمی و دینی ماحول قائم ہوا عقائد حقہ کی تبلیغ ہوئی۔ آپ کے وعظ وتقریر سے بہت سی دینی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوا۔ سنت و بدعت، حقیقت اور ان میں باہمی فرق وہاں کے عوام پر آشکارا ہوا۔ عوام وخواص میں سلامتی کی بنا پر آپ کی ذات گردیدگی اور محبت بڑھی آپ کے اس زمانہ کے رفقاء ومصاحبین نے آپ کی عظمت وعبقریت اور مروت وشرافت کا کھلے دل سے اعتراف کیا۔ آپ کی تشریف آوری کے بعد مولانا ولی محمد صاحب بٹالوی فاضل مظاہر علوم و مجاز بیعت حضرت اقدس تھانویؒ ۲؍صفر ۱۳۵۶ھ میں اسی عہدۂ نظامت کو قبول فرماکر برما تشریف لے گئے" (علمائے مظاہر علوم ص ۳۹۷/۱۷ و ص ۳۹۸/۱۷)

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی فرماتے ہیں کہ حضرت والاؒ کے قیام رنگون کے مقاصد میں سے اہم ترین اور بنیادی مقصد حج تھا، گویا حج و زیارت کے شوق میں حضرت والاؒ نے جامعہ مظاہر علوم اور اس کے اکابر واحباب سے ایک عرصہ کی عارضی مفارقت گوارا فرمائی اور حصول مقصد کے بعد پھر انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے مقام پر تشریف لے آئے اہل رنگون وبرما سے حضرت والاؒ کے اخیر عمر تک نہایت مخلصانہ وعمدہ تعلقات قائم رہے وہاں سے مظاہر علوم سہارنپور آنے والے طلبہ اپنے سرپرستوں کی ہدایت پر حضرت والاؒ سے خاص تعلق و وابستگی رکھتے رنگون و برما کے علماء و دیگر حضرات حضرت والاؒ کی زیارت وملاقات کیلئے گاہے گاہے سہارنپور کا طویل سفر کرتے۔ اور رنگون کے خواص کی مراسلت تو ہمیشہ جاری رہتی تھی حضرت والاؒ کے مریدین و متوسلین بھی رنگون میں کافی تعداد میں تھے اور اب بھی ہیں۔ حضرت والاؒ کے ایک

خلیفۂ مجاز جناب پروفیسر الحاج علی احمد صاحب بانڈے والے بھی وہاں تشریف فرما ہیں اور الحمد للہ اصلاح خلق میں انہماک رکھتے ہیں۔

اہلِ رنگون کے تعلق کی ایک مثال

حضرت مولانا مفتی محمود، داؤد یوسف صاحب لکھتے ہیں کہ ، مکہ شریف میں حاضری پر میں نے حضرت شیخ الحدیث صاحب سے عرض کیا کہ حضرت! دس سال کی دعاؤں کے بعد ۱۹۷۸ء میں حضرت سے اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب سے ملاقات نصیب ہوئی۔ اور دعا بھی صرف یہ تھی کہ باری تعالیٰ زندگی میں کم از کم ایکبار ان دونوں حضرات سے ملاقات کرا دے ۱۹۶۲ء سے ملاقات نہیں ہوتی تھی۔ یہاں عسکری حکومت نے پابندی لگا رکھی تھی اور نہ مجھے ۱۹۶۴ء سے رابطہ کا ممبر چن رکھا تھا۔ مگر حکومت کی طرف سے رکاوٹ تھی ۱۹۷۸ء میں حکومت کا طرز یکایک بدلا اور لندن کا سفر پیش آیا۔ واپسی میں حضرت سے ملاقات مدینہ میں ہوئی میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمالیا اس پر حضرت شیخ قدس سرہ نے مسکرا کر فرمایا:

"پھر اب تک کتنی بار ملاقات ہوئی؟"

عرض کیا چھ بار۔ پھر دریافت فرمایا کہ

"مولانا اسعد اللہ صاحب سے کتنی مرتبہ ملاقات ہوئی؟

عرض کیا دو مرتبہ"۔ (حضرت شیخ اور ان کے خلفاء ص ۳۸۲ ج ۲)

اس واقعہ سے اہلِ رنگون کے بے مثال تعلق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے حضرت والا کے پاس جو مسلسل خطوط اہلِ رنگون برما کے آتے تھے ان سب سے تمنائے ملاقات شوق زیارت اور انتہائی محبت کا پتہ چلتا تھا وہ خطوط اسوقت نہ ہمارے پاس ہیں اور نہ ان کے اندراج کی چنداں ضرورت ہے۔

سہارنپور واپسی کی وجہ

اہلِ رنگون (برما) کے مخلصانہ اصرار، مدرسہ محمدیہ راندیریہ کی گوناگوں مصالح اور وہاں کے مسلمانوں کی اصلاح و تربیت کی غرض سے حضرت والا نے گو ایک عرصہ تک رنگون میں قیام فرمایا لیکن سہارنپور کے اکابر و احباب کے نورانی ماحول سے جدا ہو کر آپ ماہی بے آب کی طرح پریشان و بے چین رہے جیسا کہ آپ کے "مکتوبات رنگون" اور وہاں

کے لکھے ہوئے اشعار و منظومات سے مترشح ہوتا ہے۔ ان میں سے چند منظوم مکتوبات جو آپ نے اپنے بچوں کے نام لکھے تھے اور جن میں بڑی عبرتیں اور نصیحتیں ہیں ان کو "پند و نصائح" کے ذیل میں درج کر دیا گیا ہے۔ یہاں ان سب کا نقل کر دینا طول لاطائل ہے اسلئے اس جگہ پر صرف چند اشعار پھر ایک طویل منظوم نقل کیجاتی ہے جس سے آپ کی بے چینی اور سہارنپور و اہل سہارنپور کی یاد کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔

تجربہ حاصل ہوا ہے ہم کو یہ رنگون میں — ہم وفا جس سے کریں گے وہ عدو ہو جائیگا

رنگون نے بدلا ہے میرا طرز عمل — معمول گذشتہ میں نمایاں ہے خلل

اس خاص فضا میں کہتا نہیں کچھ بھی — قطعہ، نہ رباعی، نہ قصیدہ، نہ غزل

رباعی (رنگون، ۱۹۴۲ء)

ہے لغو و غلط مہر و وفا کی امید — تم سے نہیں چھوٹیگی فلک کی امید

پہچان گیا ہوں میں تمہاری عادت — بے فائدہ ہے عہد کرم کی تجدید

رباعی (رنگون)

اخلاص و کرم کے نہیں آثار پدید — مطلب کی ہے آمد و شد، گفت و شنید

کوئی نہیں دنیا میں کسی کا اسعد — احباب سے بے جا ہے وفا کی امید

یادِ ماضی

وہ عقل و نقل کے ارباب مجھکو یاد آتے ہیں — وہ علم و فضل کے احباب مجھکو یاد آتے ہیں

جناب محترم ناظم[1]، جناب قبلہ مولانا[2] — اساتیذ اولی الالباب مجھکو یاد آتے ہیں

وہ علمی صحبتیں، عمدہ کتابیں مستند عالم — نشاط روح کے اسباب مجھکو یاد آتے ہیں

سہارنپور کے احباب مجھکو یاد آتے ہیں — جمیل و منظر و بیتاب مجھکو یاد آتے ہیں

سخندان و سخن فہم و سخن سنج و سخن آرا — وہ چرخ شعر کے مہتاب مجھکو یاد آتے ہیں

---

[1] شیخ الاسلام حضرت مولانا سید عبد اللطیف صاحب ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور
[2] صدر العلماء حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب کامل پوری صدر مدرس جامعہ مظاہر علوم

یہاں میں ڈھونڈھتا ہوں جنکی خوش آیند تعبیریں ——— سہارنپور کے وہ خواب مجھکو یاد آتے ہیں
سہارنپور کی ہر چیز مجھکو یاد آتی ہے ——— ہوا و خاک و نار و آب مجھکو یاد آتے ہیں
سہارنپور کی تہذیب مجھکو یاد آتی ہے ——— سہارنپور کے آداب مجھکو یاد آتے ہیں
سہارنپور کی ندی، سہارنپور کے نالے ——— سہارنپور کے تالاب مجھکو یاد آتے ہیں
سپاہی، ڈاکٹر، مختار، آہنگر، تیلی، دھوبی ——— بساطی، ستری نصاب مجھکو یاد آتے ہیں
عزیزانِ گرامی دم محمد، احمد، وارشد ——— سعادت کے در نایاب مجھکو یاد آتے ہیں
مفسر فلسفی، نحوی، محدث، منطقی، صرفی ——— اصولی، فقہ داں طُلاب مجھکو یاد آتے ہیں

شفاعت مولوی ادریس، اظہار الحسن، مقبول
مرے مخلص، مرے احباب مجھکو یاد آتے ہیں

اشعار مندرجہ بالا اور منظوم (یاد ماضی) سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو سہارنپور اور اس کے ماحول سے جدائی نے کسقدر مغموم اور بے چین کر دیا تھا پھر جبتک آپ گلستان علم و عمل جامعہ مظاہر علوم واپس تشریف نہیں لائے آپ کو سکون و قرار میسر نہ آسکا۔

جامعہ مظاہر علوم اور اصحاب مظاہر علوم سے عشق

اس حقیقت کو جاننے کیلئے کہ مادر علمی جامعہ مظاہر علوم سہارنپور اور اسکے رئیس و اساتذہ، ملازمین و طلبہ اور وابستگان و متعلقین سے آپ کو بے پناہ محبت والہانہ تعلق اور غیر معمولی عشق تھا عنوان سابق، "قیام رنگون" کے تحت مذکورہ مضمون اور نظم "یاد ماضی"، کا مطالعہ ہی اس کے ثبوت کے لئے کافی ہے، دنیا کی دولت و ثروت آپکو رنگون برما میں جامعہ مظاہر علوم سہارنپور سے کہیں زائد میسر آسکتی تھی اور وہاں کے تمام حضرات آپکے قیام رنگون پر بہت مُصِر اور خواہش مند تھے مگر پھر بھی حضرت الاؔ کو جامعہ مظاہر علوم اور وہاں کے اساتذہ و اکابر کی جدائی انتہائی شاق تھی۔ اسی لئے آپ رنگون برما میں تین سال سے زائد قیام نہ فرما سکے اور جامعہ محمدیہ رانڈیر

؎ احمد اللہ، محمد اللہ اور ارشد اللہ حضرت حجۃ الاسلامؒ کے صاحبزادے ہیں اور آپ کی اہلیہ محترمہ کا اسم گرامی "سعادت النساء" ہے اسلئے اس شعر میں لفظ سعادت سے بڑی لطافت و معنویت پیدا ہو گئی ہے جو اہل ذوق پر مخفی نہیں ۱۲ ظ

رنگون کی مسند نظامت کو خیرباد کہہ کر آپ مظاہر علوم تشریف لے آئے۔ آپنے جامعہ مظاہر علوم کی خدمات کو ایسا اپنا مقصود زندگی قرار دے لیا تھا کہ اپنی ذاتی سکنائی و صحرائی جایدادوں کیطرف بھی کوئی التفات نہ کیا اور جملہ املاک آپکے استغنار زہد اور دنیا سے بے رغبتی کی نذر ہوگئیں آپنے پنجاب یونیورسٹی کے بڑے زبردست اعزاز اور وہاں کی دنیوی چمک دمک سے بھرپور ملازمت کی پیشکش کو بھی اسی لئے ٹھکرادیا تھا کہ آپکے نزدیک جامعہ مظاہر علوم کی خدمات اور ارباب مظاہر علوم سے قرب نزدیکی ان تمام ظاہری دولتوں سے کہیں بہتر تھیں۔ حضرت والاؒ کو اس مادر علمی کے در و دیوار سے ایسا والہانہ تعلق تھا کہ آپ نے اسی کی عمارت میں اسطرح قیام فرمایا کہ آپکا جنازہ ہی وہاں سے نکلا۔ گویا آپنے پوری زندگی جامعہ مظاہر علوم کی چہاردیواری میں ایسا اعتکاف کیا کہ بلا ضرورت طبعی و حاجت شرعی وہاں سے آپ کبھی نہیں نکلے۔
جامعہ مظاہر علوم سے آپ چمکے اور آپنے جامعہ مظاہر علوم کو دنیا میں چمکایا۔ اسکی تعمیر و ترقی میں آپ نے اپنی تمام تر توانائیوں کو قربان کر دیا۔ اور جامعہ مظاہر علوم کے املاک سے اسطرح محتاط رہے کہ اس احتیاط کی نظیر بھی اکابر مظاہر علوم ہی میں مل سکتی ہے۔

جامعہ مظاہر علوم کا اہتمام وانتظام

رنگون و برما میں آپکا قیام مجموعی طور پر کل تین سال رہا اور شوال ۱۳۴۳ھ سے لیکر تادمِ آخر تین سال کے استثنار کے ساتھ رجب ۱۳۹۹ھ تک تقریباً تریسٹھ سال کے طویل عرصہ دراز جامعہ مظاہر علوم میں مقیم رہے چند سال استفادہ کے بعد نصف صدی سے زائد طویل مدت آپنے طلبہ و علمار اور خواص و عوام کو افادہ و افاضہ فرمایا۔ اس طویل عرصہ میں حضرت والاؒ نے تعلیم و تربیت، اصلاح خلق وعظ و تذکیر، مناظرہ و ردّ باطل اور تصوف و سلوک کی راہوں سے تابناک خدمات انجام دیں اور ہند و بیرون ہند میں پھیلی ہوئی مخلوق نے اس رواں دواں دریائے فیض سے سیرابی حاصل کی۔

آپ نے جامعہ مظاہر علوم میں ایک کامیاب ترین استاذ کی حیثیت سے تفسیر و حدیث نحو و ادب اور دیگر علوم و فنون کی تعلیم کے دریا بہاتے رہے۔ اور جامعہ مظاہر علوم کی تعمیر و ترقی میں آپ ہمیشہ معاون بنتے رہے۔ "انجمن ہدایت الرشید" کی نظامت اور مبلغین و مناظرین اور مؤلفین کی تیاری بھی آپ کے ذمہ رہی۔ ان جملہ داریوں کے باوجود ضرورت کے پیش نظر ارباب جامعہ نے یکم صفر المظفر ۱۳۶۵ھ میں آپ کو جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کا نائب ناظم قرار دیدیا۔ آپ آٹھ سال تک برابر نائب ناظم ہونے کی حیثیت سے جملہ انتظامی امور کی نہایت جانفشانی و ہوشیاری اور دیانت داری سے انجام دہی فرماتے رہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید عبد اللطیف کے طویل اسفار میں آپ ہی نظامت علیا کے فرائض انجام دیتے تھے اور اس سلسلہ میں آپ کے شاگرد رشید فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب مفتی اعظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور آپ کے معین و شریک کار رہتے تھے۔ لیکن جب ذو الحجہ ۱۳۷۳ھ کو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید عبد اللطیف صاحب کا سانحۂ ارتحال پیش آگیا تو نظامت علیا کا مسند خالی رہ گیا۔ حضرت والا کی ذات گرامی کے علاوہ کوئی شخصیت ایسی نہ تھی جو اتنے عظیم ادارہ کی نظامت علیا کا حضرت والا کے ہوتے ہوئے استحقاق رکھتی ہو۔ قطب عالم حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کسی عہدہ کو خصوصاً نظامت علیا کے جلیل القدر عہدہ کو قبول کرنے کیلئے کسی طرح تیار نہ تھے۔ حضرت حجۃ الاسلام بھی گو عہدوں سے رغبت نہ رکھتے تھے خصوصاً عہدۂ نظامت سے بہت ہی گریزاں تھے لیکن اسکے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ حضرت والا کو اس عہدۂ جلیلہ کیلئے باتفاق رائے مجبور کیا گیا۔ اور اپنی طبیعت کے خلاف ارباب شوریٰ کے اس متفقہ فیصلہ پر آپ نے یکم محرم الحرام ۱۳۷۴ھ میں نظامت علیا کے مسند کو رونق و زینت بخشی پھر جامعہ مظاہر علوم جیسی معیاری اور بے مثال دینی درسگاہ کے عہدۂ انتظام و اہتمام کو آپ نے جس بیدار مغزی و حوصلہ مندی کے ساتھ سنبھالا اور اس درسگاہ کے ہر شعبہ کو ترقی کی راہوں پر بڑھایا اس سے آپ کی قوت عمل، انتظامی صلاحیت اور ممتاز فہم و فراست کا بخوبی علم ہوتا ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

جناب تسکین میرٹھی کے نام ایک مکتوب میں اپنی طبعی رغبت، خلاف طبیعت عہدۂ نظامت اور اسکی گوناگوں ذمہ داریوں پر تبصرہ فرماتے ہوئے حضرت والاؒ تحریر فرماتے:
" میں اس وقت ۱۵ر جنوری ۱۹۴۹ء کے کرامت نامہ کی جانب متوجہ ہوتا ہوں جناب نے ارشاد فرمایا ہے کہ!
" مجھے وہم وگمان بھی نہ تھا کہ آپ کو دفتری کاروبار سے دور کا بھی لگاؤ ہے اور آپ کے یہاں کوئی دفتر بھی ہے "، جناب کو یاد نہیں رہا کہ میں نے ایک عریضہ میں ۔ اس دفتر بے معنی غرق مئے ناب اولیٰ "، کی مدد سے چند سطور لکھی تھیں ۔ میری رائے میں جناب کو تفصیلاً نہیں تو اجمالاً یہ ضرور معلوم ہونا چاہیئے کہ اس مدرسہ میں جس کا ستر ہزار سالانہ خرچ ہے، جس میں کم وبیش صحرائی وسکنائی تین سو اوقاف ہیں جسمیں مختلف علوم وفنون کی تقریباً پچیس ۲۵ ہزار کتابیں ہیں جس کے مختلف شعبوں میں پچاس ۵۰ سے زائد ملازم ہیں جس کے طلبہ کی تعداد تقسیم (ملک) سے قبل عموماً ۷۰۰، ۸۰۰ کے درمیان رہتی تھی اور جس کے متعلق ایک بڑا مطبخ ہے ۔ اس کا ایک دفتر بھی تمام شعبوں کے نظم ونسق کے لئے موجود ہے ۔
یہ مدرسہ پچاسی ۸۵ سال سے قائم ہے قدرت کی فیاضی اور حسن انتظام لیے اس کو مخلص بانیوں کیطرح کارکن بھی ایسے ہی ملتے رہے جو معاصرین واقران میں دیانت وتقویٰ اور علمی قابلیتوں کے اعتبار سے امتیازی شخصیتوں کے مالک تھے اسی وجہ سے دفتر میں رواجی ضوابط اور عرفی اصول وقواعد کی زیادہ پابندی نہ تھی ۔ لیکن چند سال سے مختلف حالات ومصالح کے ماتحت ارباب مدرسہ نے یہ ضرورت محسوس کی کہ دفتر کو زیادہ سے زیادہ باضابطہ بنایا جائے چنانچہ اس اہم کام کی تکمیل کیلئے جناب مولانا حافظ اکرام الحسن صاحب کاندھلوی بی اے ۔ ایل ایل بی عارضی طور پر سر دفتر مقرر ہوئے ۔ بحمداللہ یہ انتخاب بہت ہی مفید ثابت ہوا ۔ غالباً تین سال کے بعد یہ رائے ہوئی کہ اب کسی دوسرے شخص کو یہاں پر رکھا جائے حضرات سرپرستان مدرسہ کا اجتماع ہوا، مجلس شوریٰ منعقد ہوئی ۔ قابل قابل اصحاب کے نام آئے لیکن " منظم نمازش " کہنا تو بے ادبی ہے " منظم شوریٰ کے ماتحت ع " قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند "

ندیں نے واقعی نااہلیت، حقیقی نااقابلیت اور ناتجربہ کاری کی بنا پر انکار کیا
انکار پر اصرار کیا لیکن میری آواز نہیں سنی گئی اور میری قابلیت، ہوشیاری
معاملہ فہمی کی وہ تعریف کی گئی جس سے تھوڑی سی دیر کو مجھ کو خود شبہ ہونے
لہ اگر مجھ میں یہ جوہر پوشیدہ نہ ہوتے تو یہ حضرات کیوں ایسی قصیدہ خوانی
کام لیتے بہر حال میں نے طوعاً و کرھاً چھ ماہ کے لئے خلاف طبیعت اس خدمت
ول کر لیا حضرات ممدوحین نے میری عزت افزائی کیلئے تمام مدرسہ کا نائب
بنادیا نشر و اشاعت، تعلیمات و مالیات کے در و بست کو میرے حوالہ کر دیا
ال دفتر میں میرے لئے مسند بچھ گئی گاؤ تکیہ رکھا گیا اور میں طمطراق
سے جلوہ افروز ہو گیا۔

اب میں جب دفتر میں بیٹھا تو قلعی کھلنے لگی مجھکو اردو کی رقمیں نہیں آتی تھیں
ا جانتا تھا نہ پڑھنا۔ خیر رقمیں سیکھیں، مال گزاری اور لگان کو سمجھا۔ بیگھہ
وغیرہ کو پہچانا۔ کچی رد کڑ، روزنامچہ، کھتیاں، کھتونی وغیرہ الفاظ یاد کئے
ات کے متعلق مجھ سے مشورے ہوتے تھے گو میں بہت ہوشیاری سے کام لیتا
یکن پھر بھی بعض باتیں ایسی سرزد ہو جاتی تھیں جن سے اہل دفتر کو میری قانونی
ت کا اندازہ ہو جاتا تھا۔ کبھی معلوم ہوتا تھا کہ فلاں فلاں کرایہ داروں نے
نہیں دیا ان کو نوٹس دیا جائے، قرقی کرائی جائے گی، بیدخلی کا دعویٰ ہوگا۔
کلکٹر سے ملنے کی ضرورت ہوتی تھی کبھی سپرنٹنڈنٹ پولس سے تو کبھی راشن کے
ران سے وغیرہ وغیرہ میرے لئے یہ سب باتیں سوہان روح تھیں، مدرسہ کے
ن خزانے ہیں، ہر خزانے میں دو قفل ہیں جس خزانے سے لین دین زیادہ ہوتا ہے
ایک کنجی میرے پاس رہتی تھی بلکہ اب تک ہے اس کنجی کی حفاظت میری لاابالی
ت کیلئے "جوئے شیر" لانے سے کم نہیں۔ ہر خرچ میری منظوری سے ہوتا تھا
رسیں، پر میرے دستخط ہوتے تھے۔ مجھے حساب سے نہ مناسبت نہ دلچسپی لیکن
ہ حیرانی کرو ڑوں کا حساب کر ڈالا بعض مرتبہ ایک غلطی پر دو دو دن صرف ہو گئے
ل ولا قوۃ الا باللہ ع میں کہاں اور یہ وبال کہاں
تمام عمر تو بسر ہوئی فَعَلَ، فَعَلَا، فَعَلُوْا میں قال دراصل قَوَلَ بود ہیں،

کل قاعدہ موضوع ہیں ہیولیٰ اور صورت ہیں، ثوابت وسیارات ہیں، ادویہ ہیں وضو اور صلوٰۃ کے مسائل ہیں مکی، مدنی، ناسخ ومنسوخ کی تحقیق ہیں، حدیث حسن، ضعیف کی تفتیش ہیں، مطلع ومقطع ردیف وقافیہ ہیں، معانی وبیان وبدیع لیکن بزرگان مدرسہ کی کرم ظریفی ،، (ستم ظریفی لکھنا سوئے ادب تھا اسلئے اس بے ادبی بدعت کا ارتکاب کیا) نے یہ مناسب سمجھا کہ مذکورہ بالا جدی مشغلہ کے مجھکو دفتری کاروبار سے بھی روشناس کرایا جائے۔ اگرچہ مجھ سے صرف چھ ماہ فرمایا گیا تھا لیکن میری نااہلیت نے مجھکو دو ماہ کے اندر ہی واویلا کرنے پر مجبور لیکن اکابر کی خوش تدبیریوں نے مجھکو پورے تین سال تک اس ورطہ مصیبت نکلنے نہیں دیا اس اثناء میں متعدد بار مجھ سے یہ بھی فرمایا گیا کہ مشاہرہ بڑھا دیا جائے تواضعاً نہیں بلکہ واقعات کے پیش نظر عرض کیا کہ مجھکو موجودہ تنخواہ میں تامل ہے کیونکہ میں مفوضہ امور کو پوری ذمہ داری کے ساتھ انجام نہیں دے رہا چہ جائیکہ اور زیادہ تنخواہ لوں۔

اس مقام پر جناب کے لطف اندوز ہونے کیلئے ایک لطیفہ پیش کرتا ہوں بہت بڑے ریاضی دان شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ مرزا کو بھی کچھ ریاضی سے لگاؤ تھا۔ مولوی صاحب نے فرمایا۔ جی ہاں، ان کو ریاضی سے اتنا ہی لگاؤ تھا جتنا خاکسار کو شعر وسخن سے ہے۔ الحاصل کارساز حقیقی نے میری دعاؤں کو شرف قبول بخشا اب میں بہت کچھ آزاد ہوں،،

(صحائف اسعد از ص۳۴ تا ص۳۶)

حضرت والا نے یہ مکتوب گرامی اواخر جنوری ۱۹۴۹ء میں تحریر فرمایا تھا اس وقت آپ جامعہ مظاہر علوم کے نائب ناظم تھے۔ اس کے تقریباً پانچ سال ارباب شوریٰ نے آپ کو نظامت علیا کے عہدۂ جلیلہ پر فائز کیا پھر تادم واپسیں آپ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے ناظم اعلیٰ رہے۔ اور مظاہر علوم آپکے زیر اہتمام برابر ترقی کرتا رہا۔

مکتوب مذکور سے چند امور پر روشنی پڑتی ہے (۱) مخاطب کی خصوصیت کے باوجود بے تکلفی پر (۲) تواضع وانکساری اور اپنی کمیوں کا بے تکلف اعتراف پر۔

ر) حضرت والاؒ کا میلان طبع و محبوب ترین مشغلہ درس و تدریس تھا (۴) انتظام
تمام سے آپ کی طبیعت گریزاں تھی آپ نے اس کو مدرسہ کی ضرورت اور ارباب
کے فیصلہ اور اصرار کی بنا پر بادلِ ناخواستہ قبول فرمایا (۵) حسابات و انتظامات
تعلق جن امور کی ضرورت تھی آپ نے ان کو حاصل کیا اور جملہ انتظامات اور انتظامی
داریوں کو پورے حوصلہ سے انجام کو پہنچایا (۶) قناعت و زہد کی صفت بھی
ل ہوئی کہ قلیل تنخواہ کے باوجود آپ نے بلا طلب اضافہ کی پیشکش کو قبول نہ فرمایا
بے مثال تقویٰ اور اخلاص و للہیت پر بھی روشنی پڑتی کہ اتنی ذمہ داریوں کو پورا
نے کے باوجود اپنی کوتاہیاں پیش نظر رہیں اور خود کو کسی مزید اضافہ و اکرام کا مستحق
ھا - اور جو کچھ مدرسے سے بمجبوری لیتے تھے اسی پر مواخذہ کا اندیشہ فرماتے تھے
حضرت والاؒ نے یکم محرم ۱۳۷۴ھ سے ۱۳۸۵ھ تک اس عظیم ادارہ جامعہ مظاہر علوم
وسیع و عریض انتظام کے بارگراں کو پوری ذمہ داری و حوصلہ مندی سے تن تنہا
کاندھوں پر اٹھایا - گو امور انتظام میں آپ حضرت شیخ وغیرہ سے حسب ضرورت
بلحت مشورہ فرماتے رہتے تھے لیکن باقاعدہ آپ کا کوئی نائب و معین نہ تھا -
رت والاؒ کے اعذار و امراض، ضعف و پیری اور کمزوری کی بنا پر ۱۳۸۵ھ میں
ب شوریٰ نے فقیہ الامت حضرت اقدس مولانا مفتی مظفر حسین صاحب زاد مجدہٗ
ی ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کو نائب ناظم قرار دے کر حضرت والاؒ کا ان کو
ی و مددگار اور شریک انتظام بنا دیا - حضرت مفتی صاحب موصوف کا اس عہدہ
ت پر تقرر یکم رمضان ۱۳۹۵ھ میں ہوا تھا - حضرت والاؒ کی علالت و معذوری
زمانے میں حضرت والاؒ کی وفات تک حضرت مفتی صاحب موصوف نہایت مستعدی
تمام انتظامی امور کو پورے طور پر باحسن وجوہ انجام دیتے رہے اور حضرت
کی وفات کے بعد آپ کو جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کا باقاعدہ ناظم اعلیٰ بنا دیا
حضرت مفتی صاحب موصوف نظامت و بیعت دونوں امور میں حجۃ الاسلام
رت ناظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لائق اور سچے جانشین ہیں، اطال اللہ حیاتہ مع برکاتہ
فیضہ آمین -

نسیم احمد غازی مظاہری

ترقیات بدورِ با برکات

بلاشبہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحبؒ کے دورِ اہتمام وا
ین جامعہ مظاہر علوم نے ہر شعبہ میں جو نمایاں اور بے مثال ترقیات کی ہیں وہ
دور با برکات کی خصوصیت ہے، کسی بھی دور میں جامعہ کو اتنی زبردست ترقی
نہیں ہوئیں ذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء

یہ حق تعالیٰ شانہٗ کی قدرت کاملہ کا عجیب کرشمہ ہے کہ ہندوستان
طول و عرض میں پھیلے ہوئے مدارس اسلامیہ و مراکز دینیہ کے بانی و مؤسس
فقیہ سہارنپور حضرت اقدس مولانا مفتی سعادت علی صاحب بانی جامعہ مظاہر
سہارنپور کے تلامذہ یا ان کے تلامذہ سے بواسطہ یا بلا واسطہ فیض یافتگان
جیسا کہ ہم اس حقیقت کی طرف زیر نظر کتاب " حیات اسعد "
شروع اوراق میں اشارہ کر چکے ہیں، اور ان کو ترقیات کے بام عروج
پہنچانے والے عموماً مجدد الملت، حکیم الامت حضرت اقدس مولانا تھانویؒ کے
و مجازین اور بواسطہ یا بلا واسطہ فیض یافتگان ہیں۔

چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے بانی حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات حضرت مو
محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت " فقیہ سہارنپور" علیہ الرحمہ کے
حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری محشی بخاری اور صدر الم
حضرت اقدس مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی رحمہما اللہ کے شاگرد رشید ہیں
اس کے سب سے بڑے معمار جنہوں نے اس چھوٹے سے چمن کو عظیم الشان گلستا
اور مدرسہ عربی دیوبند کو عالم گیر شہرۂ آفاق دارالعلوم بنایا وہ حضرت نانو
ربانیؒ اول) کے نبیرۂ عالی مقام، حکیم الاسلام حضرت اقدس مولانا قاری محمد طیب
رحمۃ اللہ علیہ مجاز بیعت حکیم الامت حضرت اقدس مولانا تھانویؒ ہیں۔

اور جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے بانی حضرت فقیہ سہارنپور، اور ان کے عظیم الم
تلامذہ کرام ہیں تو اس کو ترقیات کے اعلیٰ مقامات حضرت مجدد تھانویؒ کے تلا

اسعد و مجاز بیعت حضرت حجۃ الاسلامؒ کے اہتمام و انتظام کے دور مسعود میں حاصل ہوئے۔ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے بانی حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیری انھیں مذکورہ اکابر جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے شاگرد رشید و فیض یافتہ ہیں تو حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مجاز حضرت اقدس تھانوی نے اسکی آبیاری فرماکر اسکو پروان چڑھایا۔ مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد ضلع مظفرنگر کے بانی و مؤسس اور معمار و مربی مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خانصاحب شروانی دامت برکاتہم خلیفۂ حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ ہیں۔ مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ " فقیہ سہارنپور " کے قریب ترین فیض یافتہ تھے کیونکہ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری و دیگر تلامذۂ فقیہ سہارنپور " کے فیض یافتہ و تلمیذ رشید تھے اور حضرت مجدد تھانویؒ نے حضرت حاجی صاحب علیہ الرحمہ سے براہ راست اور بلا واسطہ اکتساب فیض کیا ہے۔

شاید اسی قدرتی نسبت و مناسبت کیوجہ سے تھانوی خانوادہ کو حق تعالی جدہٗ نے " فقیہ سہارنپور " کی باقیات صالحات کی پرورش و ترقی کے لئے قبول فرمایا ہے۔ واللہ اعلم

این سعادت بزور بازو نیست ۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تعمیری ترقیات

جامعہ مظاہر علوم سہارنپور متعدد وسیع و عریض عمارتوں پر مشتمل ہے۔ یہ تمام عمارتیں الگ الگ بنی ہوئی ہیں اگر یہ سب عمارتیں یکجا ہوتیں تو دیکھنے والا ان عمارتوں کو ایک اچھا خاصا شہر محسوس کرتا۔ ان تمام عمارتوں کا تعارف " علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات " میں موجود ہے۔ اس مختصر تحریر میں ان کی تفصیلات کو ذکر کرنا مناسب نہیں ہاں اجمالی طور پر اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دور انتظام و اہتمام میں ہر احاطہ کی تعمیر میں پیش رفت ہوئی اور کروڑوں روپیہ تعمیرات پر صرف ہوا ہے جیسا کہ مدرسے کے رجسٹروں اور سالانہ رودادوں میں ان مصارف کا باقاعدہ اندراج موجود ہے۔ ہم بلا خوف تردید اس امر کا اظہار کرنا چاہتے ہیں کہ جامعہ مظاہر علوم کے کسی بھی دور اہتمام میں اس قدر

تعمیرات نہیں ہوئیں جتنی تعمیرات حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے دور اہتمام میں ہوئی ہیں۔ بلکہ حضرت والاؒ کے دور مسعود کی تمام شعبوں کی ترقیاں بے نظیر و بے مثال ہیں۔

مسجد مدرسہ قدیم کا برآمدہ مدرسہ قدیم کی زیر بن تعمیر ۱۲۹۲ھ میں شروع ہو کر ۱۲۹۳ھ میں مکمل ہوئی تھی اور ۸ ر شوال ۱۲۹۳ھ کو اس عمارت کا افتتاح حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بانی دارالعلوم دیوبند (تلمیذ رشید حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری) کی تقریر سے ہوا جو مسلسل تین گھنٹے ہوئی۔ ۱۲۹۳ھ ہی میں مسجد مدرسہ قدیم تعمیر ہوئی ۱۳۵۱ھ میں اسکی غربی دیوار میں تین بڑے جنگلے اور کواڑ لگائے گئے تھے۔ حجۃ الاسلام حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے دور نظامت میں ۱۳۸۴ھ میں اس مسجد کا برآمدہ تعمیر کرایا گیا۔

کتب خانہ کی توسیع و تعمیر جدید جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کا کتب خانہ ایشیاء کے کتب خانوں میں ایک ممتاز و نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ مدرسہ کے ابتدائی دور ۱۲۸۲ھ ہی سے اس کا آغاز ہوا تھا شروع میں ایک کمرہ میں کتابیں جمع رہتی تھیں جب یہ ناکافی ہو گیا تو ۱۳۲۵ھ میں اسکے لئے مدرسہ قدیم کی شمالی سہ دریوں پر ایک بڑا کمرہ تعمیر ہوا اس عمارت کی تاریخ تاسیس ۲۰ ر ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ م ۲ ر فروری ۱۹۰۸ء ہے ماہ جمادی ۱۳۲۶ھ میں اسکی تکمیل ہوئی۔ ۱۳۵۴ھ میں کتابوں کی مجموعی تعداد (۱۷۶۸۵) تھی اور یوماً فیوماً اضافہ ہو رہا تھا اسلئے مزید توسیع کی ضرورت محسوس ہوئی تو یکم صفر ۱۳۵۴ھ م ۵ مئی ۱۹۳۵ء یکشنبہ کو مجلس شوریٰ نے توسیع کا منصوبہ پاس کیا۔ چنانچہ ماہرین تعمیرات کے مشورہ کے بعد ۲ ر رجب ۱۳۵۵ھ چہارشنبہ کو توسیع کا افتتاح ہوا۔ پھر ۱۳۷۱ھ میں رجب کہ حضرت والاؒ نائب ناظم تھے، مزید توسیع کر کے ایک بڑے کمرہ کا اضافہ کیا گیا۔ حجۃ الاسلام حضرت اقدس ناظم صاحبؒ کے ایک مخلص خادم اور حاضر باش شاگرد رشید جناب حاجی زندہ حسن صاحب تائبؔ درویشی ساکن محلہ شاہ بہلول سہارنپور نے اس جدید تعمیر کے موقع پر ایک تاریخی قطعہ حضرت والا کے ایماء سے تحریر فرمایا تھا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کو یہاں نقل کر دیا جائے۔

قطعۂ تاریخ کتب خانہ کمرہ اندرونی

(از نتیجۂ فکر جناب حاجی زندہ حسن صاحب تائب درویشی شہادنوی)

بہت مشکل تھی گرچہ فکرِ تاریخ — ولیکن ہوگئی آسان ہمدم
دعائے حضرتِ اسعد کا صدقہ — ہوئے یہ مصرعے مجھ سے فراہم
کہ ہیں وہ حاملِ حکمِ الٰہی — مطیعِ باعثِ تخلیقِ آدم
ادیب و نکتہ دان و عارفِ حق — نقیہ و بے ریا، نورِ مجسم
خلیق و محسن و مسعود و اسعد — وحیدِ عصر، دانا و معظم
ہوا خادم کو یہ ارشادِ عالی — کتب خانہ کا سن بھی ہے مقدم
خیال آیا کروں تعمیلِ ارشاد — مگر ہوں جاہل و نادان مسلّم
رہا سر در گریباں بہرِ تاریخ — متفکر، ششدر و با چشمِ پُرنم

کہ تائب غیب سے آواز آئی
کتب خانہ بنا دلچسپِ عالم
۱۳۷۱ھ

پھر ۱۳۷۸ھ میں رجبکہ حضرت والاؒ ناظمِ اعلیٰ تھے، لوہے کی مضبوط الماریاں نصب کرائی گئیں۔ اور نوادرات و مخطوطات کو محفوظ رکھنے کیلئے بارہ الماریاں چوبی تیار کرائی گئیں۔

اتنی وسیع و عریض عمارت بھی جب ناکافی ہوگئی تو اسی کتب خانہ کی غربی جانب ایک وسیع قطعۂ اراضی خریدا گیا اور اسپر تقریبًا دس لاکھ روپیہ کی لاگت سے کتب خانہ کی تعمیر کا منصوبہ بنایا گیا اور حضرت والاؒ کی حیات ہی میں اسپر دو منزلہ پرشکوہ جدید طرز کی عمارت تیار ہوگئی۔ زیریں عمارت بہت سے کمروں اور متعلقہ ضروریات پر مشتمل ہے جسمیں طلبہ مقیم ہیں اور یہیں مہمان حضرات قیام فرماتے ہیں۔ بالائی وسیع و عریض عمارت میں عمدہ آہنی الماریوں میں کتابیں سجائی گئی ہیں اور پرانے کتب خانہ سے اس جدید کتب خانہ تک آمد و رفت کیلئے سڑک کے اوپر ایک خوشنما راستہ بنایا گیا جس کے دونوں طرف محفوظ جنگلے بنے ہوئے ہیں۔

اس عظیم الشان کتب خانہ کی تکمیل کے دوران ہی حضرتِ والا کا وصال ہو گیا۔

دارالطلبہ قدیم

یہ احاطہ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں تعمیر ہوا تھا اس کا رقبہ ایک ہزار گز ہے۔ اسکی زیریں عمارت طلبہ کی قیام گاہ ہے اور بالائی عمارت درسگاہوں، نودرہ، خزانہ اور قدیم دارالحدیث وغیرہ پر مشتمل ہے۔ حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ کے دورِ نظامت میں اس احاطہ کے اندر ایک طویل برآمدہ نودرہ اور ایک وسیع عریض ہال کی تعمیر ہوئی، جسمیں سیکڑوں طلبہ تکرار و مطالعہ کرتے ہیں اور امتحانات میں بھی یہ ہال کام آتا ہے۔ علاوہ ازیں بالائی حصہ میں فلش کی بیت الخلاء نیز اسی طرح نودرہ کے پیچھے نیچے کی جانب بہت سے پرانے انداز کے بیت الخلاء تھے جن کو از سرِ نو فلش سسٹم پر تعمیر کیا گیا۔ مسجد کے غسل خانوں کی از سرِ نو تعمیر کی گئی اسکے ملحق مسجد کلثومیہ کی جنوبی سہ دری پر ایک شاندار کمرہ تعمیر کیا گیا۔ مسجد کلثومیہ کے حوض کے متصل ایک چھوٹا سا احاطہ "دارجدید لب حوض" کے نام سے موسوم ہے یہ شکستہ حالت میں تھا اسکی دو منزلہ تعمیر کی تجدید کی گئی۔ یہ سب تعمیرات و توسیعات اور اصلاحات حضرت والا علیہ الرحمہ کے دورِ اہتمام میں ہوئیں۔

احاطہ مطبخ

اسکی اراضی چار سو گز ہے اور اسپر دو منزلہ شاندار عمارت ہے اوپر کے حصہ میں متعدد کمرے ہیں جن میں طلبہ کا قیام رہتا ہے نیچے کی عمارت متعدد کمروں، دفتر، گوداموں اور مطبخ پر مشتمل ہے ۱۳۳۸ھ میں یہ مطبخ قائم ہوا تھا ابتداء میں (۲۰۶) طلبہ کو روزانہ کھانا دیا جاتا تھا اور اب تقریباً بارہ سو (۱۲۰۰) طلبہ کو دونوں وقت کھانا دیا جاتا ہے۔ اس احاطہ میں بھی لکڑی کے گوداموں کی تعمیر اور بالائی منزل میں جزوی ترمیم و تعمیر حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے دورِ مسعود میں ہوئی۔

دارالتجوید

یہ دو منزلہ عمارت، دارالطلبہ قدیم اور مطبخ کے درمیان واقع ہے اور اس کے مشرق و مغرب میں ہر دو طرف سڑک ہے۔ اسمیں حضرت والا کے دورِ نظامت میں کوئی خاص ترمیم و تعمیر نہیں ہوئی جزوی طور پر عمارت کی مرمت و اصلاح ہوئی ہے۔ البتہ یہ تغیر ضرور ہوا کہ اس عمارت کے بالائی وسیع کمرہ میں

ت مولانا قاری محمد سلیمان صاحب دیوبندی (شاگرد رشید حضرت قاری
رالدین صاحب الہ آبادی متوفی ۱۳۴۷ھ) تجوید و قرأت پڑھانے تھے اور نیچے
زل میں ان کے شاگرد رشید حضرت قاری محمد ابراہیم صاحب تجوید و قرأت
اتے تھے حضرت قاری محمد سلیمان صاحبؒ (متوفی ۱۴ رمضان ۱۳۸۵ھ م
جنوری ۱۹۶۶ء) کی وفات کے بعد حضرت حافظ قاری محمد ابراہیم صاحب
الائی منزل میں منتقل کر دیا گیا اور نیچے کی منزل میں محکمۂ ڈاک و تار کی جانب
ایک ڈاکخانہ "ڈاک خانہ مظاہر علوم سہارنپور" کے نام سے کھولدیا گیا تھا
ت قاری محمد ابراہیم صاحب کا انتقال بھی حضرت والاؒ کے وصال سے ۱۴ دن پہلے
تھا۔ اب جامعہ مظاہر علوم کے شیخ التجوید مولانا قاری رضوان نسیم صاحب ہیں۔

سلیلیہ شاخ یہ عمارت "مدرسہ خلیلیہ شاخ مظاہر علوم" کے نام
سے موسوم و مشہور ہے۔ اسٹیشن کے راستہ
ھنٹہ گھر کے قریب واقع ہے۔ بہت وسیع عمارت ہے اسمیں ایک مسجد بھی ہے۔
ل یہ عمارت عالیجناب راؤ عبدالعزیز صاحب مرحوم نے دینی و قرآنی تعلیم کیلئے
نہ کو ۱۳۴۸ھ مطابق ۳۰ نومبر ۱۹۲۸ء میں وقف کی تھی۔ یہ عمارت پرانی
حضرت والاؒ کے دور انتظام و اہتمام میں اسکی مرمت و اصلاح اور بعض حصوں کی
ائی گئی۔

مطابیہ جدید کی تکمیل یہ وسیع و عریض احاطہ جو دو منزلہ پُرشکوہ عمارت
پر مشتمل ہے جامعہ مظاہر علوم کے تمام احاطوں سے
ہے۔ اسمیں ایک شاندار وسیع و عریض دو منزلہ مسجد، عظیم الشان دارالحدیث جدید،
ینار، درسگاہیں، خانقاہ اور تقریباً پچاس کمرے طلبہ کے قیام کیلئے ہیں۔ مسجد کے
حوض اور غسلخانے ہیں چالیس پچاس بیت الخلائیں ہیں اس پرشکوہ عمارت
تعمیر حضرت والاؒ کے زمانۂ اہتمام ہی میں ہوئی۔
آغاز ۱۲ محرم ۱۳۵۵ھ یکشنبہ کو بوقت دوپہر خوشنما وسیع مسجد کے سنگ بنیاد
ہوا۔ تقریباً ایک سال کے عرصہ میں مسجد کا تحتانی حصہ مکمل ہوا اور ۱۳۵۶ھ
پہلی بار اس میں نماز عیدالاضحیٰ ادا کی گئی۔ اس مسجد کے ملحق جانب جنوب

" دار الطلبہ جدید" کا شاندار دروازہ اور تین کمرے شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا سید عبد اللطیف صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے دور اہتمام و انتظام میں ہی تعمیر ہوئے باقی کئی لاکھ روپے کی لاگت سے تیار شدہ پوری عمارت حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے زمانۂ انتظام کی ہے۔

سنہ ۱۳۹۴ھ میں اس وسیع ترین مسجد کا خوشنما برآمدہ تعمیر ہوا اس کا فرش عمدہ ٹائلوں سے سجایا گیا اور فرش کو حوض تک وسعت دیگئی۔ اس احاطہ میں وسیع و کشادہ اور شاندار دار الحدیث کا سنگ بنیاد ۱۹ رجب ۱۳۸۵ھ ۵ راکتوبر ۱۹۶۵ء بروز جمعہ بعد العصر رکھا گیا۔ قطب عالم حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی و حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے علاوہ بہت سے اکابر و مشائخ اور اعیان امت تشریف فرما تھے سب نے اسکی ایک ایک بنیادی اینٹ رکھی۔ تعمیر مکمل ہوکر اس کا افتتاح ۲۵ رشوال ۱۳۸۹ھ میں ہوا۔ قدیم دار الحدیث کیطرح اس جدید دار الحدیث میں ہر سال کتب حدیث کے اسباق ہوتے ہیں۔

حضرت والا کے دور نظامت ہی میں جامعہ مظاہر علوم کی تمام درسگاہوں میں بجلی کے پنکھوں اور دورۂ حدیث کے اسباق کیلئے لوڈ سپیکر اور مائک کا انتظام

آمد و مصارف کی ترقیاں

تحریر بالا سے جہاں اخراجات و مصارف وسعت کا اندازہ ہوتا ہے آمد کی کثرت کا پتہ چلتا ہے کیونکہ ہمارے مدارس میں خصوصاً اور ہر مقام پر عموماً مصارف کا انحصار آمد کی مقدار پر ہوتا ہے ہم یہاں آمد و صرف کی تفصیلات خاص طور پر اسلئے نہیں بیان کرسکتے کہ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور بھی دار العلوم دیوبند کیطرح ایک سخت بحرانی دور سے گذر رہا ہے۔ اہل سیاست کی فتنہ پردازیوں اور ہنگامہ آرائیوں کیوجہ سے ہم کو باقاعدہ دفتر کے اندرونی حسابات تک پہنچنا دشوار بھی ہے اور اسکی ضرورت بھی نہیں۔ اوپر کی تحریر ہی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت حجۃ الاسلام کے دور اہتمام میں جامعہ مظاہر علوم کے ہر شعبے میں بے مثال پیش رفت اور بے پناہ ترقی ہوئی ہے۔

تمیز حسب ذیل ہے۔ حضرت والاؒ یکم صفر ۱۳۶۵ھ میں نائب ناظم مقرر ہوئے
کی کل تعداد (۵۷۸) فارغین کی تعداد (۸۹) اور طلبۂ دورۂ حدیث کی تعداد
) تھی کل آمدنی (۳۹۷۲) اور کل خرچ (۲۹۷۲۲) تھا اور کتب خانہ میں
کتب (۲۳۱۱۲) تھی اور یکم محرم ۱۳۷۲ھ میں جب آپ ناظم اعلیٰ اور صدر مہتمم ہوئے
طلبہ کی تعداد (۶۰۵) فارغین کی تعداد (۱۰۹) دورۂ حدیث کے طلبہ کی تعداد
) تھی آمدنی (۱۷۵۰۶۹) اور خرچ (۶۹۳۳۲) تھا اور تعداد کتب (۲۷۱۰۸)
رجب ۱۳۹۹ھ سوم جون ۱۹۷۹ء میں حضرت والاؒ کا وصال ہوا تو کل طلبہ
تعداد (۱۱۷۷) فارغین کی تعداد (۲۱۹) دورۂ حدیث کے طلبہ کی تعداد (۱۴۲)
آمدنی (۵ء۷م۱۱۸) خرچ (۹۳۰۳۹۷) تھا۔ اور کتب خانہ میں کتابوں کی
(۳۸۲۹۲) تھی اور اب ان کے جانشین صدق فقیہ الملت حضرت مولانا
مفتی مظفر حسین صاحب دامت برکاتہم کے دور انتظام میں باوجود حوادث
الحمد للہ ہر شعبہ روبہ ترقی ہے حق تعالیٰ شانہٗ اس شاداب گلستان اور اس کے
باتوں کے روز افزوں فیوض و برکات کو ہمیشہ قائم و جاری رکھے آمین

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

نسیم احمد غازی مظاہری

انتظامی امور میں ایک عادت

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحبؒ محدث
وناظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور نے ہجرت
کے بعد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید عبداللطیف صاحبؒ کو ناظم مدرسہ اور
حضرت قطب عالم مولانا محمد زکریا صاحبؒ کو شیخ الحدیث و مشیر ناظم مقرر فرمادیا
چنانچہ حضرت ناظم صاحبؒ موصوف جملہ امور میں حضرت شیخ الحدیث صاحب

کتب خانہ جامعہ مظاہر علوم میں اگر کسی کتاب کی متعدد مجلدات ہیں تو ان تمام کو ایک
کتاب شمار کیا جاتا ہے۔ بہت سی کتابوں کی دو دو چار چار اور دس دس بیس بیس جلدیں بھی
اور بعض کتابوں کی تیس تیس چالیس چالیس جلدیں ہیں سب کو ایک ہی کتاب شمار کیا جاتا ہے
دیگر مدارس کی طرح ہر جلد کو ایک مستقل کتاب شمار کیا جائے تو یہ تعداد لاکھوں تک پہنچ جائے گی
جس سے بڑا کتب خانہ مدارس میں کوئی دوسرا نہ ہوگا ۱۲ منہ

سے مشورہ فرماتے تھے۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحبؒ نے بھی اسی طرز و طریق کو قائم رکھا اور وہ اپنے دیرینہ رفیق اور مخلص ساتھی شیخ حضرت قطب عالمؒ سے تمام جزوی و کلی امور انتظامیہ میں ہمیشہ مشورہ کرتے رہے یہ چیز ناواقفوں کیلئے ہر دور میں موجب اعتراض و باعث اشکال رہی اور فتنہ پردازوں نے اسی بنیاد پر متعدد بار فتنے جگائے اسٹرائک ۱۳۸۲ھ میں بھی اسی مذکورہ بالا طرز عمل کو بنیاد بنا کر ہنگامہ آرائی اور جامعہ مظاہر علوم کو عظیم نقصان پہنچانے کی سازش کی گئی بڑے ناظم صاحب (حضرت شیخ الاسلام) نے بھی اپنے دور میں اس اعتراض کی بڑی سختی سے رد کیا جس کی تفصیل حضرت شیخ کی آپ بیتی ۳ میں مذکور ہے اور حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ نے بھی تقریراً اور تحریراً اس اعتراض کی بہت شدومد سے تردید کی الحمد للہ مفسدین کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں سے نہ جامعہ مظاہر علوم کو کوئی نقصان پہنچا اور نہ ان حضرات کے مخلصانہ تعلقات اور بغض فی اللہ روابط میں کوئی فرق آیا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم حضرات شیخین (حضرت قطب عالم و حضرت حجۃ الاسلامؒ) کے مضبوط تعلقات اور گہرے روابط پر تدرے روشنی ڈالیں اور تھوڑا سا ذکر اسٹرائک کے قیامت خیز ہنگامہ کا بھی کردیں۔ تاکہ ناظرین کرام کیلئے ایسے مواقع پر یہ تحریر مشعل راہ ثابت ہو۔

شیخین کے بے مثال تعلقات

اور مخلصانہ روابط

حضرت والاؒ کے تلمیذ رشید و مجاز وحید حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحبؒ ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم کا ارشاد ہے کہ!

حضرت ناظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والا صفات عجیب با ہمہ و بے ہمہ تھی ہر خادم و متعلق اور ملاقاتی یہ سمجھتا تھا کہ حضرت والاؒ سب سے زائد مجھی سے محبت فرماتے ہیں اور یہی صفت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید عبد اللطیف صاحبؒ

ناظم جامعہ مظاہر علوم میں بھی تھی۔
اسی بنا پر تمام اکابر و اصاغر، مسلم و غیر مسلم اور ہر فرقے کے لوگ جو آپ سے ملنے بھی آپ سے والہانہ محبت اور مخلصانہ عقیدت رکھنے لگتے تھے ؎
کیا اور دل کو دیوانہ تو لیسا مگر گل خود گریباں چاک بھی ہے
اسی بنا پر مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خانصاحب نے اس وقت ارشاد فرمایا جب کہ زائرین کی کثرت کیوجہ سے آپ کی نماز جنازہ و تدفین میں تاخیر ہوتی چلی جا رہی تھی کہ :-
"سلسلۂ زیارت ختم نہ کیا جائے اور محبوب کو محبوب کی آخری زیارت کرنے دیجائے"
محبت گویا حضرت والاؒ کی گھٹی میں پڑی تھی وہ ہر شخص سے محبت کرنے اور ہر شخص ان سے محبت کرتا تھا ان کی بے لوث، بے غرض اور پاکیزہ محبت کا صحیح اندازہ کچھ انہی لوگوں کو ہے جن کو حضرت والاؒ کے قریب رہنے کا موقع نصیب ہوا ہے ؎
مجھ سے قریب ہو کے جہاں آپ دیکھتے الفت کا ایک حسین سماں آپ دیکھتے
آپ کی زندگی محبت سے لبریز تھی۔ اس وسیع و عریض داستان کو چند اوراق میں بحر بیکراں کو کوزہ میں بند کرنے کے مرادف ہے۔ پیش نظر کتاب میں جا بجا اس حقیقت کے تراشے آپ کو ملیں گے۔ ہمیں اس عنوان میں شیخین کی محبت اور ان کے مخلصانہ تعلقات کو بیان کرنا مقصود ہے، "شیخین" کا مصداق تو واقفین حضرات سمجھتے ہی ہیں کہ فخر الاسلام حضرت اقدس مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحبؒ اور ان کے رفیق درس و ہم عصر قطب عالم حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم مہاجر مدنی ہیں۔ معاصرت کے باوجود "شیخین" کی مناسبت و ملاطفت اور محبت و عقیدت کی روداد عجیب کرشمۂ قدرت و لائق عبرت ہے۔

حضرت شیخ کی مجلس میں

قطب عالم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی عمومی مجلس ان کے اپنے مکان (جو "کچے گھر" کے نام سے موسوم و مشہور ہے) میں نماز عصر کے بعد ہوتی تھی۔ اس "کچے گھر" میں ایک حجرہ ہے۔ اس حجرہ کا دروازہ جنوب رُویہ ہے اور اس دروازے کی دائیں جانب (مغرب میں) ایک چھوٹا اونچا چبوترہ ہے اور بائیں جانب (مشرق میں) ایک طویل

چبوترہ ہے اس کے بالکل سامنے کیجانب ایک حجرہ ہے اس چبوترہ کا سلسلہ اس حجرہ کی آخری دیوار (مغرب) تک پھیلا ہوا ہے اور اسکے پاس غسل خانہ وبیت الخلاء ہیں۔ اور باہر جانے کا دروازہ ہے۔ ان دونوں چبوتروں پر ٹاٹ کا فرش بچھا رہتا تھا اور زمانہ ضعف سے قبل حضرت شیخ کا پلنگ حجرہ کے دروازہ کے سامنے اسطرح مغربی چبوترہ سے ملاکر بچھایا جاتا کہ حجرہ میں خدام کی آمد و رفت ہو سکے اس چارپائی کا سرا اپنا جنوب کیطرف ہوتا اور پائتی شمال میں (حجرہ کیطرف) پائتی پر بڑا تکیہ یا لپٹا ہوا بستر رکھا جاتا جس سے ٹیک لگاکر حضرت شیخ تشریف فرما ہوتے (کمزوری کے دور میں نشست بدل گئی اور پنکھے کے نیچے آپکا پلنگ ہوتا آپکے مغرب کیجانب خواص اور باہر دونوں چبوتروں پر عام لوگ ہوتے تھے) حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا مستقل معمول تھا کہ حضرت شیخ کی اس مجلس میں شرکت فرماتے تھے آپ کی نشست حضرت شیخ کے اسی پلنگ پر سرہانے کیطرف ہوتی اور آپ کے پاس فقیہ الاسلام حضرت مفتی سعید احمد صاحبؒ بیٹھتے تھے اسطرح یہ مشائخ ثلٰثہ اکابر مظاہر علوم ایک چارپائی پر اسی ترتیب سے تشریف فرما ہوتے تھے۔ چھوٹے (مغربی) چبوترہ پر دوسرے علماء و مدرسین اور بڑے پر مہمانان کرام و عوام ہوتے تھے اس نشست میں خصوصی امور کے بارے میں مشورے، خاص خطوط پر گفتگو، ان کے جوابات کی تجویز، اہم باتیں اور دلچسپ تقریریں ہوتے تھے۔ عوام و خواص کو ان تینوں بزرگوں (حضرت قطب عالم، حضرت حجۃ الاسلام اور حضرت فقیہ الاسلام) کی زیارت و ملاقات بیکوقت یکجائی طور پر میسر آجاتی تھی۔ یہ تینوں مشائخ ایکدوسرے پر جان و دل سے فدا تھے، والہانہ محبت رکھتے تھے، اور انکی محبتوں کا اثر جامعہ مظاہر علوم کی پوری فضا پر چھایا ہوا تھا، بلامبالغہ وہاں ہر اک کو ہر اک سے محبت تھی سب ایکدوسرے کا احترام و اکرام کرتے تھے کئی کئی سال وہاں مقیم رہنے والوں نے کسی ایک استاذ سے دوسرے کی برائی ہرگز نہ سنی ہوگی اور نہ کسی کے اکرام و احترام کے خلاف کوئی لفظ سنا ہوگا۔ عجیب جنتی ماحول تھا، اس ماحول میں پہنچنے والے دنیا و مافیہا کو فراموش کرجاتے اور اپنے دل میں چین، سکون، اور ٹھنڈک محسوس کرتے تھے اب ایسا جنتی ماحول کہاں ہے۔ اب تو ڈھونڈھے بھی نہیں مل سکتا ہے

ے بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے را باکسے کارے نہ باشد

شرکتِ مجلس کی پابندی

حضرتِ والاؒ کی مستقل عادت تھی کہ نمازِ عصر مسجد کلثومیہ دارالطلبہ قدیم جامعہ مظاہر علوم میں پڑھتے اور ختم خواجگان و دعا سے فراغت پر دولت کدہ تشریف لے جاتے اور اہل و عیال کی ضروریات، حالات اور خیریت معلوم فرماکر حضرت شیخؒ کی مجلس میں تشریف لے جاتے ایک دو خادم بھی آپ کے ہمراہ ہوتے تھے۔ تھوڑی دیر وہاں تشریف فرما رہتے، کبھی آدھی پیالی اور کبھی ایک پیالی چائے بھی نوش فرماتے اور واپس تشریف لاکر نمازِ مغرب مسجد کلثومیہ میں ادا فرماتے تھے دیگر معمولات کیطرح اس معمول میں بھی بلا عذر شدید کبھی تخلف نہ ہوتا تھا۔ آپ نے ان دونوں مذکورہ معمولات کو اس وقت تک نبایا جبتک آپ کسی خادم کے سہارے سے چل پھر سکے جب چلنے پھرنے سے قطعی معذوری ہوگئی تب ان معمولات کو موقوف فرمایا۔ بندہ راقم السطور ایک دن استاذ مکرم، مرشد عالم حضرت محترم مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ حضرت والاؒ دو خادموں کے سہارے تشریف لے آئے ضعف بہت تھا کمزوری سے کپکپا رہے تھے۔ محسوس ہو رہا تھا کہ تشریف لانے میں حضرت کو بہت مشقت ہوئی ہے اور تکان ہو گیا ہے۔ حضرت شیخؒ نے زور سے فرمایا کہ: "میں تمہیں بار بار منع کر چکا ہوں کہ یہاں مت آیا کرو چلا نہیں جاتا، کمزوری بے حد ہے مگر پھر بھی آجاتے ہو۔ اگر اب آئے تو بہت ڈانٹونگا"، حضرتِ والاؒ نے مسکرا کر فرمایا میں یہاں حاضری کو وظیفہ اور عمل خیر سمجھتا ہوں، اور حدیث میں ہے کہ خیر العمل مادیم علیہ (بہترین عمل وہ ہے جس پر مداومت اور پابندی کیجائے) اسلئے مجھ سے جبتک ہوسکے گا پابندی حاضر ہوتا رہونگا۔ اور جب مجبور ہوجاؤں گا تو نہیں آؤں گا۔ پھر حضرت والاؒ کی طبیعت زائد ناساز ہوجاتی تو تشریف نہیں لاتے اور ذرا سکون و افاقہ ہوتا تو مجلس میں شرکت فرماتے۔ حضرت شیخؒ نے جب یہ دیکھا کہ ضعف بہت بڑھ گیا اب حضرت والاؒ کو آنے جانے میں بہت ہی تکلیف ہوتی ہے اور بہت تکلف کرنا پڑتا ہے۔ تو ایکدن حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ حضرت اب آپ ہر گز

تشریف نہ لایا کریں آپ کو بہت ہی تکلیف ہوتی ہے اسپر حضرت والاؒ نے فرمایا کہ ,,حضرت مجھے اپنے فیوض سے محروم نہ فرمائیں،،

حضرت شیخ نے فرمایا کہ فیوض سے محروم نہ ہونے کی ایک صورت یہ ہے کہ (سب حاضرین سے مخاطب ہوکر فرمایا) کہ بھائی کل سے مجلس حضرت ناظم صاحبؒ کے حجرہ میں ہوا کرےگی سب لوگ وہیں آجایا کریں۔ اسپر حضرت ناظم صاحبؒ نے ارشاد فرمایا اچھا اب میں حاضر نہ ہوا کروں گا۔ حضرت تکلیف نہ فرمائیں اس دن کے بعد حضرتؒ مجلس میں تشریف نہیں لیگئے۔ لیکن حضرت شیخ ہمیشہ ملاقات کیلئے حضرت ناظم صاحبؒ کے پاس تشریف لاتے رہے۔ عموماً بعد مغرب تشریف لاتے تھے۔

میں حضرت کے پیر چوموں گا

ایک مرتبہ حسب معمول مغرب کے بعد حضرت شیخ تشریف لاتے اور حضرت ناظم صاحب سے معانقہ کیا حضرت والاؒ نے فرطِ محبت میں حضرت شیخ کے ہاتھ چوم لیے تو حضرت شیخ نے فرمایا لاؤ بھائی ابوالحسن (حضرت شیخ کے خادمِ خاص) میں حضرت کے پیر چوموں گا حضرت مجھے ہمیشہ شرمندہ کرتے ہیں۔

ان دونوں بزرگوں میں ہم عصری و رفاقتِ درسی کا تعلق ہے۔ جو دورِ حاضر کے اندر اختلاف اور چشمک کا سبب ہو جاتا ہے لیکن ان دونوں حضرات میں باہمی محبت والہانہ تعلق، گہرے روابط اور ایک دوسرے پر مخلصانہ اعتماد و اعتقاد کا موجب تھا انکی نظیر میں دنیا کی آنکھوں نے بہت ہی کم دیکھی ہوں گی ؎

قدم قدم پہ ہزاروں چراغ جلتے ہیں
رہِ وفا میں مگر دور تک اندھیرا ہے

یہی وجہ ہے کہ ان دونوں حضرات کی برکت سے جامعہ مظاہر علوم آپسی اختلاف اور انتشار و خلفشار سے محفوظ رہا۔ اور ان حضرات کا سایۂ عاطفت و رحمت اٹھ جانے کے بعد اس مثالی درسگاہ میں بھی وہی فتنے داخل ہوگئے جو دوسرے اداروں کی قسمت بن چکے ہیں۔ حق تعالیٰ ہی اپنی قدرت و رحمت سے تمام دینی اداروں کی ظاہری و باطنی شر و فتن اور مکارہ سے حفاظت فرمائے۔ اور ان کے فیوض کو اپنے فضل سے روز افزوں فرمائے آمین۔

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

یہ دونوں حضرات اگر علوم نبویہ میں حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحبؒ جیسی ہستی کے وارث اور جانشین صدق ہیں تو تصوف و طریقت، سلوک و معرفت میں، حضرت شیخ، حضرت محدث سہارنپوری کے اجل خلفاء میں سے ہیں اور حضرت اقدس ناظم صاحب مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کے خلیفۂ ارشد ہیں۔ ان حضرات میں سے ہر ایک اپنی نظیر آپ ہے۔ حضرت شیخ اگر محدث اعظم، فقیہ کامل، ادیب صاحب تصانیف کثیرہ، شارح حدیث اور شیخ العرب والعجم و قطب عالم ہیں تو حضرت والا بھی محدث جلیل مفسر کبیر، فقیہ دوراں، متعدد زبانوں کے ادیب یکتا، ادب میں استاذ الاساتذہ معقولات و منقولات میں یکساں متبحر و ماہر، مناظر اعظم، بے مثال۔ اور سنت و شریعت کے قالب میں ڈھلے ہوئے فرشتہ صفت اور صورت و سیرت مرشد عالم حجۃ الاسلام تھے۔ ان دونوں آفتاب و مہتاب کے سے جامعہ مظاہر علوم منور اور جگمگ لیلھا و نہارھا سواء کا سچا مصداق تھا ان حضرات کرام میں ظاہری فرق یہ محسوس ہوتا تھا کہ حضرت شیخ کا طرز و انداز ایسا تھا جس میں بے تکلفی غالب تھی اور حضرت ناظم صاحب میں عقیدت و محبت آمیز ادب کا زبردست غلبہ تھا۔

کمالِ ادب

حضرت والا علیہ الرحمۃ اپنے اکابر کا تو ادب و احترام اتنا کرتے تھے کہ جو اس قدر ادب نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔ لیکن حضرت شیخ آپ کے ہمعصر و رفیق درس تھے اسکے باوجود آپ کے ادب کا یہ عالم تھا کہ حضرت کی مجلس میں پابندی سے عقیدت مندانہ تشریف لے جاتے ہی تھے۔ لیکن اگر کوئی شخص آپ سے بیعت کی درخواست کرتا تو آپ اسکو حضرت شیخ کی طرف متوجہ فرماتے اس پر بھی اگر اصرار ہوتا تو آپ فرماتے کہ میں آپکا بھائی ہوں آپ کو میرے اوپر اعتماد ہے اور آپ مجھکو خیر خواہ سمجھتے ہیں تو میں آپ کو صحیح مشورہ دے رہا ہوں جو خیر خواہی و اخلاص پر مبنی ہے حضرت سے رجوع فرمائیں میں بھی روزانہ حضرت کی خدمت میں حاضری دیتا ہوں حضرت کی برکات سے فیضیاب ہوتا ہوں۔ پھر بھی آنے والا اگر مصر ہوتا تو آپ بیعت فرمالیتے۔ حضرت شیخ کا قیام جبتک سہارنپور میں رہا آپنے باقاعدہ حلقۂ ذکر

قائم نہیں فرمایا۔ حالانکہ علماء وغیر علماء بڑی تعداد میں آپ کے دامن فیض سے وابستہ تھے نہ ہی آپنے خانقاہی نظام اور لنگر وغیرہ کا اہتمام کیا۔ ہاں آپ وابستگان کیطرف پوری توجہ رکھتے اور ہمہ وقت خصوصًا ان کی اصلاح کی کوشش فرماتے اور عمومًا تمام مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں تک کو بھی مفید نصیحتوں اور اصلاحی کوششوں سے نوازتے رہتے تھے۔ آپ کے در سے کوئی محروم نہیں جاتا تھا۔ حضرت شیخ کی کے بعد آپ کے حجرہ میں ذکر جہری کا حلقہ قائم ہوگیا اور متوسلین وہاں جمع ہوکر ذ کرنے لگے تھے۔

اس سے آپکے کمال ادب، تواضع، ایثار اور فنائیت کی شان واضح اور نمایاں ہوتی

آپ کی بہت ضرورت ہے

حضرت شیخ جب بھی سفر حجاز فرماتے تو حضرت پریشان ہوجاتے اور تشویش کا اظہار فرماتے ادھر حضرت شیخ زبانی بھی فرماتے اور حجاز مقدس سے بھی تسلی کے خطوط روانہ رہتے تھے۔ اکثر خطوں میں لکھواتے تھے کہ میں آپ کیلئے تمام مقامات مقدسہ پر دعا کرتا ہوں، گو آپ کو تو دعا کی اتنی ضرورت نہیں لیکن دعا اس لئے کرتا ہوں کہ ہمیں مظاہر علوم کو آپ کی بہت ضرورت ہے۔ آپ صرف چارپائی پر بیٹھے رہیں تو آپ کی برکتوں سے مظاہر علوم مستفید ہوتا رہے گا۔

ایک مرتبہ حضرت شیخ مدینہ منورہ تشریف لے جارہے تھے اور حضرت والا سے ملاقات کیلئے حضرت والا کے حجرہ میں تشریف لائے اس وقت حضرت والا بے ساختہ رونے لگے۔ ؎

آنسو بھی چشم تر میں محبت نے بھر دیئے
دل میں ہمارے آگ لگانے کے ساتھ ساتھ

بہرحال حضرت شیخ تو تشریف لے گئے اور مدینہ منورہ پہنچکر ایک خط لکھوایا جس میں یہ شعر بھی تھا۔ ؎

نہیں بھولتا اس کی رخصت کا وقت
وہ رو رو کے ملنا بلا ہو گیا

اس واقعہ اور شعر سے جہاں دونوں بزرگوں کے مخلصانہ تعلقات اور والہانہ محبتوں

روشنی پڑتی ہے وہیں حضرت شیخؒ کے ذوق شعری کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اگرچہ مسلسلات حضرت شیخ نے ہمیشہ حدیث مسلسل بالشعراء پر فرمایا کہ یہ حدیث حضرت ناظم صاحب سے پڑھو وہ شاعر ہیں میں شاعر نہیں ہوں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ رسمی طور پر گو حضرت شیخ شاعر نہ کہا جاسکتا ہو لیکن شعر فہمی، سخن سنجی وغیرہ میں وہ کسی شاعر سے کسی طرح کم نہ تھے۔ اس کا ثبوت حضرت شیخ کا اپنی کتب فضائل میں خصوصاً فضائل فضائل درود اور خصائل نبوی میں منتخب اشعار کا اندراج اور فضائل درود شریف میں حضرت جامی کی مشہور نعتیہ مناجات ،، ترحم یا نبی اللہ ترحم. مولانا نانوتویؒ کی نعت کا انتخاب ہے۔ حضرت مولانا عبدالرحمن جامی کی مناجات کا نثر میں ترجمہ حضرت شیخ کے ارشاد پر حضرت ناظم صاحبؒ ہی نے فرمایا تھا نہایت ہی بہترین ترجمہ ہے۔

حضرت شیخ کی تصنیفات پر نقد و نظر

اپنی تصنیفات و تالیفات کے سلسلہ میں حضرت شیخؒ کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ اپنی تصنیفات و تالیفات کو کتابت و طباعت کے مراحل سے پہلے قابل اعتماد علماء کو نقد و نظر کیلئے دکھاتے اور ان کے مشوروں کو بخوشی قبول فرما کر حذف و ترمیم فرماتے تھے۔ ان معتمد علماء میں صدر العلماء حضرت اقدس مولانا عبدالرحمنؒ صاحب کیمل پوریؒ صدر مدرس، فقیہ الاسلام حضرت مولانا قاری سعید احمد صاحب مفتی اعظم اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب رحمہم اللہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں وغیرہ پر نظر ثانی خصوصاً حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب فرماتے تھے باقی پردیگر حضرات تقسیم ہند کے بعد موصوف پاکستان منتقل ہوگئے تو پھر خصوصیت سے دونوں حضرات حجۃ الاسلامؒ و حضرت فقیہ الاسلامؒ، ہی اس کام کیلئے باقی رہ گئے تھے۔

مولانا محمد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ کی تمام تصانیف طباعت سے پہلے حضرت کی نظر سے گذری ہیں اور آپ نے ان کو حرفاً حرفاً دیکھ کر نقد فرمایا اور حضرت شیخ نے نہایت کھلے دل سے حضرت والاؒ کی رائے کو پوری وقعت و وسعت کے ساتھ قبول فرمایا تصنیفات کے سلسلہ میں حضرت حجۃ الاسلام، حضرت شیخ کے مشیر خصوصی کی حیثیت رکھتے تھے۔ حضرت شیخ خود ایک خط کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ!

"اس ناکارہ نے تو اس میں اپنی رائے پر مدار نہ رکھا تھا بلکہ متعدد اہل علم بالخصوص مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مدرسہ مظاہر علوم اور (تمار) سعید احمد صاحب مفتی مدرسہ سے حرفاً حرفاً ان (کتب فضائل) پر اوّلاً نظر ثانی کرائی تھی اور جن چیزوں پر ان سے کسی نے بھی گرفت کی ان کو قلم زد کر دیا تھا، اسی بنا پر ان میں سے ہر رسالہ تقریباً ربع یا ایک خمس کے قریب اصل مسودہ سے کم ہے۔ اسکے بعد بھی یقیناً ان میں کمی کی گنجائش ہے۔ فقط"

(کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات صلے)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب حضرات ایک دوسرے پر کس قدر اعتماد کرتے اور علم و دین میں کتنے محتاط تھے نہ کسی کو کسی کی رائے طلب کرنے اور قبول کرنے میں عار تھی اور نہ دیانت سے رائے پیش کرنے میں کوئی تردد تھا۔ دین کے معاملہ میں حجاب، تکلف اور تصنع کا ان کے یہاں گذر نہیں تھا ہم ذیل میں ان پاکیزہ تعلقات و روابط کا صرف ایک واقعہ ذکر کرتے جو اس حقیقت واقعہ کی وضاحت اور ثبوت کے لئے دلیل کافی و شاہد عادل ہے

قابل رشک و بے مثال روابط

تقسیم ہند سے پہلے صدر العلماء حضرت عبد الرحمٰن صاحب کامل پوری صدر الاساتذہ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے متعلق ہمیشہ ترمذی شریف و طحاوی شریف کے اسباق رہے ہیں طحاوی شریف فن حدیث میں احناف کی قابل فخر و مایہ ناز کتاب حدیث پاک کا ایک ایسا حسین گلدستہ و نورانی مجموعہ ہے کہ جو ترتیب یا تالیف جمع حدیث کے علاوہ فقہی مسائل، بیان مذاہب اور منطقی نظر و استدلال سے مزین و مدلل ہے۔ اس میں متن حدیث، رجال و اسناد، مسائل مستنبط کی واضح، مدلل اور مضبوط مباحث از اول تا آخر پھیلی ہوئی ہیں لیکن بہت افسوس ہے اور اکثر علماء کو اعتراف ہے کہ دوسری مشہور و متداول کتب حدیث کیطرح اسکی طرف اہل علم و قلم نے توجہ نہیں فرمائی اور اسکی عربی یا اردو میں کوئی ایسی شرح نہیں لکھی گئی، جس سے متعلقات مشکلات طحاوی جامعیت و اختصار کے ساتھ اسطرح حل ہو جاتے کہ طلبہ و اساتذہ کی علمی الجھنیں دور ہو جاتیں اور درس کے مضامین سے متعلق کوئی تشنگی باقی نہ رہ کر افہام و تفہیم میں سہولت حاصل ہو جاتی۔ غالباً اسی سبب سے علمائے احناف درس حدیث میں نہ اسکا کوئی خاص اہتمام کرتے ہیں اور نہ دوسری کتب حدیث کیطرح

اسکو اہمیت دیتے ہیں حالانکہ علمائے احناف کو سب کتابوں سے نہیں تو بخاری
شریف، ومسلم شریف کے بعد اس کتاب کا اہتمام واعتنا کرنا چاہیئے تھا
سنہ ۱۹۴۷ء کے بعد تو اس کے متعلق کچھ کتب آگئی ہیں۔ مثلاً مولانا حکیم محمد ایوب صاحب
سہارنپوری کی تصحیح اغلاط الطحاوی اور تراجم الاحبار۔ اور حضرت مولانا محمد یوسف
صاحب امیر التبلیغ کی امانی الاحبار جو اگرچہ طحاوی کی بہترین شرح ہے لیکن افسوس
نامکمل نہ ہو سکی۔ اور حضرت اقدس ناظم صاحبؒ کی نقریر طحاوی شریف کی اشاعت
کا سلسلہ بھی بنام ،، مصباح الطحاوی،، شروع ہو گیا ہے۔ اور مشائخ
واکابر کی اجتماعی کاوش ،، الحاوی علی مشکلات الطحاوی،، پاکستان
سے شائع ہو چکی ہے لیکن سنہ ۴۷ء سے پہلے ان میں سے کوئی چیز موجود ہی نہیں
تھی تاہم طحاوی پر ابھی تک کام ناقص اور ناکافی ہے۔کاش علمائے اعلام
متوجہ ہوں۔ اسپر مزید قابل افسوس بات یہ تھی کہ اس کتاب مقدس (طحاوی شریف)
کی طباعت میں نہ معلوم کیوں تصحیح کا اہتمام بھی نہ ہو سکا تھا جسکی وجہ سے اس میں بہت
سی اغلاط داخل ہو گئی تھیں (جس کا تدارک حضرت شیخ کے ایمار پر حضرت مولانا حکیم
محمد ایوب صاحب موصوف نے کیا) جس کا نتیجہ لازمہ یہ تھا کہ تمام کتب حدیث میں
سب سے زائد مشکل طحاوی شریف کا پڑھانا ہوتا تھا گویا درس طحاوی شریف، لیاقت
وقابلیت کا زبردست امتحان تھا۔ ان چند تمہیدی کلمات کے بعد عرض ہے کہ صدر العلماء
حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوریؒ کو تبحر وکمال علم کے باوجود طحاوی شریف کے
بہت سے مقامات میں اشکالات پیش آتے اور مباحث مشکلہ میں اطمینان قلبی نہ
ہو پاتا تھا۔ اور ان کی بلند وصاف طبیعت الجھے ہوئے مقامات کا حل اور طمانیت قلبی
چاہتی تھی۔ اسلئے صدر العلماء حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب ایسے مقامات مشکلہ
کی تعیین وانتخاب فرما کر ان میں خود بھی فکر ونظر فرماتے اور ان کا اطمینان بخش حل تلاش
فرماتے اور ان کو حل طلبی کیلئے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید عبداللطیف صاحبؒ
ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور، قطب عالم حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث
مہاجر مدنی، حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب ناظم اعلیٰ
جامعہ مظاہر علوم سہارنپور، اور نقیۃ الاسلام حضرت مولانا قاری سعید احمد صاحبؒ کے

مفتی اعظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے پاس بھی بھیجتے تھے۔ یہ جملہ اکابر و مشائخ اور ارکانِ جامعہ مظاہر علوم انفرادی طور پر بھی ان میں غور و فکر فرماتے اور اجتماعی طور پر بھی ان مقامات پر بحث و گفتگو فرماتے اور اپنی اپنی آراء اور خیالات کو تحریری طور پر منضبط فرماتے تھے اسطرح ان حضرات، اکابر کی باہمی یگانگت، بے تکلف روابط اور ایک دوسرے پر مکمل اعتماد کی برکت سے طحاوی شریف کے مقامات مشکلہ کے حل و وضاحت کیلئے ایک قابل اعتماد اور باوزن شرح وجود میں آگئی جو "الحاوی فی حل مشکلات الطحاوی" کے نام سے حضرت صدر العلماء کے صاحبزادے مولانا سعید الرحمٰن صاحب کی عنایت و کوشش سے پاکستان میں شائع ہوچکی یہاں اس تفصیل سے صرف یہ بتانا ہے کہ جامعہ مظاہر علوم کے یہ اکابر و اساطین اور اساتذہ ایک دوسرے کی نظر میں کتنے معزز و ممتاز، ہمزبان و ہمراز اور قابل احترام و لائق اعتماد تھے اس کا ہلکا سا اندازہ اس واقعہ مذکورہ اور اس کتاب مذکور کے مطالعہ سے ہوسکتا ہے جو صدر العلماء، شیخ الاسلام، خطیب عالم، حجۃ الاسلام اور فقیہ الاسلام رحمہم اللہ کی اجتماعی کاوشوں اور مخلصانہ کوششوں کا حسین و پرکیف نتیجہ اور ان کے علمی گلوں کا رنگارنگ گلدستہ ہے اس کتاب مذکور کے مطالعہ سے ان حضرات کے مبلغ علم کے اندازہ کے ساتھ ساتھ ان کے امتیازات اور خصوصیات بھی الگ الگ نمایاں ہوجاتی ہیں اور ان کے علم حدیث پر عبور، علوم میں مہارت، دقتِ نظر، عمیق و عریض غور و فکر اور خداداد ذہانت و ذکاوت کے علاوہ قوت استدلال اور ان ہستیوں کی علمی گہرائی و گیرائی کا اندازہ بخوبی ہوجاتا ہے۔ اور صاحب سوانح حجۃ الاسلام علیہ الرحمۃ کی امتیازی شان بھی کھل کر نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے۔

ان حضراتِ کرام کے باہمی روابط و تعلقات کی وضاحت کیلئے یہ بتادینا بھی ضروری ہے کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید عبداللطیف صاحب و صدر العلماء حضرت مولینا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری باقی تینوں اکابر کے استاذ ہیں اور حجۃ الاسلام حضرت ناظم صاحبؒ و خطیب عالم حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ ہم درس و رفیق ہیں اور مفتی اعظم حضرت مولانا قاری سعید احمد صاحبؒ ان جملہ اکابر کے شاگرد رشید ہیں لیکن استاذی و شاگردی کے اس واضح فرق کے باوجود ان سب حضرات میں معاصرت و

ا نقت بھی ہے اور قابل رشک ولائق عبرت محبت ، یگانگت اور ربط و تعلق بھی
ہ اس دور میں اساتذہ و تلامذہ مدرسین اور اساتذہ طالبین علم میں یہ نورانی روابط
ر مخلصانہ تعلقات کہاں ہیں افسوس صد افسوس ؎

اب سوز و گداز اس محفل میں کچھ بھی نہ رہا اندھیر ہوا
پروانوں نے جلنا چھوڑ دیا شمعوں نے پگھلنا چھوڑ دیا

س مقام پر میرا قلب مجبور کر رہا ہے کہ آشک سنبھلی مرحوم کی ایک عبرت ناک غزل
ے قارئین کی ضیافت کروں ۔

غزل

(اشکؔ سنبھلی)

ق و شر رہیں چاند ستاروں کے روپ میں
خوں ریز حادثے ہیں بہاروں کے روپ میں

رہ ہر ایک پھول کا غصّے سے سُرخ ہے
شبنم مرے لیئے ہے شراروں کے روپ میں

شتے بدل دیئے مری بد قسمتی نے آہ
ساحل نظر پڑے مجھے دھاروں کے روپ میں

یا ہے ایسی بے کسی و بے حسی کا دور
زندہ اب آدمی ہیں مزاروں کے روپ میں

ھی رہے ، شناور ذی حوصلہ خیال
طوفاں ملیں گے تجھ کو سہاروں کے روپ میں

نام تو نہ ہوتی زمانے میں مے کشی
کچھ بوالہوس ہیں بادہ گساروں کے روپ میں

اے اشکؔ اب تو لگنے لگا دوستی سے ڈر
دشمن بہت ملے مجھے یاروں کے روپ میں

سٹرائک اور تعلقات میں رخنہ اندازی

؎ ہمراہ گردشوں چلو دو چار گام اور
لینا ہے زندگی سے ابھی انتقام اور

ر ربیع الثانی ۱۳۸۲ھ م ۹ ستمبر ۱۹۶۲ء روز شنبہ کو شہر کے کچھ بد دین لوگوں
ر اسلام دشمن طاقتوں نے بعض نا عاقبت اندیش طلبہ کو اکسا کر " اسٹرائک " کا
قیامت خیز ، ہنگامہ بپا کرنے کی کوشش کی ۔ جھوٹے پروپگنڈے کیئے غلط خبریں اخبارا
ں شائع کرائیں ۔ اشتعال انگیز اور بہتان سے لبریز اشتہارات جا بجا چسپاں
ئے ۔ اور اس تعلیمی مقاطعہ " اسٹرائک " کی ابتداء مدرسہ خلیلیہ شاخ جامعہ مظاہر علوم

سے کی جہاں ابتدائی تعلیم ہوتی ہے، وہاں کے اقامت پذیر اسّی طلبہ میں سے پینتس ۳۵ طلبہ نے "اوچھے سیاسی نیتاؤں" کے ایماء پر مندرجہ ذیل چند مطالبات اہتمام میں بھجوائے۔

(الف) دارجدید لب نالہ و دارجدید لب حوض میں بجلی کا مستقل انتظام کیا جائے (ب) احاطۂ مطبخ کے زینہ پر روشنی کا انتظام کیا جائے (ج) دارالطلبہ قدیم کے صحن کی بجلی رات بھر جلائی جائے وغیرہ وغیرہ۔

یہ بے وزن مطالبات "پوسٹر" کی شکل میں طبع کرائے گئے اور ۲۸ ربیع ۲ ۱۳۸۲ھ م ۲۹ ستمبر تک نامنظوری کی صورت میں مکمل اسٹرائک کی دھمکی دی گئی۔ حالاں کہ یہ مسائل اہتمام میں زیر غور تھے۔ اور دفتر اہتمام سے ان کے اجراء کا حکم صادر ہونے والا ہی تھا۔

یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ اشتہارات و اخبارات میں خودساختہ واقعات طبع کرا کر عوام کو یہ تاثر دینے کی پوری کوشش کی گئی کہ "حضرت شیخ" اور "حضرت ناظم صاحب" کے درمیان اقتدار کی زبردست جنگ ہے۔ اس فتنہ کی پشت پناہی کرنے والی غیر مسلم فرقہ پرست طاقتیں اور بعض اندرونی حسّاد و معاندین کی کوششیں تھیں جنہوں نے مدرسہ کو بدنام کرنے اور بزرگان دین کی قبائے نفاست کو تار تار کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا بلکہ مدرسہ مظاہر علوم کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی اس فتنہ کو حضرت حجۃ الاسلام و حضرت قطب عالم کی مساعی جمیلہ و تدابیر حسنہ نے تمام اساتذہ کرام اور اکثر طلبہ کے بھرپور تعاون سے کچل دیا۔ اور ایک دن کیلئے بھی "تعلیمی مقاطعہ" نہ ہو سکا۔ جب ان لوگوں نے درسگاہوں پر قبضہ کر لیا اور طلبہ کے راستے مسدود کر دیئے تو حضرت قطب عالمؒ نے فرمایا پڑھانے کیلئے درسگاہیں ضروری نہیں ہیں چنانچہ محدث جلیل امیر العلماء حضرت مولانا امیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس نے زمین کی خاک پر بیٹھ کر ترمذی شریف کا درس دیا اور تمام اساتذہ اسباق پڑھانے لگے۔ ہنگامہ مخالف انداز اختیار کرتا رہا، بیرونی علماء خصوصاً حضرت مولانا محمد یوسف صاحب مولانا سلاطین تبلیغ تشریف لاتے رہے اور حضرات شیخین کا بھرپور تعاون کرتے رہے۔ ان حضرات نے سرکش طلبہ پر قطعاً سختی نہیں کی پولیس افسران

درخواست کی کہ ہم ان کو گرفتار کرلیں اور سختی کریں لیکن حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ
میرے بچے ہیں اگر کسی نے بھی ان کو تکلیف دی تو میں اسکے لئے بد دعا کردوں گا نادانی
سے شرارت کر رہے ہیں ٹھیک ہوجائیں گے چند آدمیوں کے مشورہ سے راقم السطور نے
انا سید وقار علی صاحب کیذریعہ ان حضرات سے کہلوایا کہ ہم لوگ ان سے آج ہی
بنگہ خالی کرا دیں گے، ہمیں آپ اجازت دیدیں حضرت شیخ نے کہلوایا کہ اگر ان
سے کسی پر سختی کی گئی تو تیرے لئے بھی بد دعا کردونگا ہاں دارالعلوم دیوبند
ہ آیا ہوا .... پردوانی ہے اسکو نکال دو اس نے بہت ستا رکھا ہے۔
نچہ یہ پیغام ملتے ہی راقم السطور نے ایک خاص تدبیر بار دسے فوراً اس کو مظاہر علوم سے
ہد کرا کر نکال دیا کہ وہ شہر سہارنپور کی حدود میں قدم نہیں رکھے گا اور مولانا
ار علی صاحبؒ کو فوراً حضرت شیخ کے پاس خوشخبری سنانے کیلئے بھیجدیا اس پر
ضرت شیخ نے بہت ہی دعائیں دیں۔

...رٹ فیل ہوجاتا

ایک دن شورش بہت ہی تیز تھی حضرت مولانا محمد یوسف صاحب اپنے رفقاء کے ہمراہ تشریف لاتے ہوتے تھے
...سہ قدیم کی مسجد میں ان حضرات نے مسلسل ڈیڑھ گھنٹہ دعا کی اور یہ فتنہ فرد
لیا۔ اس دن پولیس بھی کافی تعداد میں آئی ہوئی تھی کو توال وغیرہ بھی موجود تھے۔
...ات شیخ و حضرت ناظم صاحب اس فتنہ کو فرد کرنے کیلئے ہمہ تن مع تمام تر توجہات
...روف تھے حجۃ الاسلام حضرت ناظم صاحب اپنی جگہ سے اٹھ کر کسی ضرورت سے مجمع سے
تشریف لائے تبع میں راقم السطور موجود تھا۔ حضرت موصوف نے میرا ہاتھ پکڑ کر
...شاد فرمایا کہ:
بیٹا! حضرت شیخ کا وجود ہمارے لئے نعمتِ عظمیٰ ہے اگر حضرت تشریف فرما نہ ہوتے
آج میرا ہارٹ فیل ہوجاتا"

...ناپاک اشتہار

فرضی "انجمن خدام المسلمین" کے جعلی "سکریٹری علیم ظہر" کی جانب سے ایک پوسٹر شائع ہوا جسمیں حضرات شیخین
...ۃ الاسلام و قطب عالمؒ کے درمیان تفریق و رخنہ اندازی کی مذموم کوشش کے علاوہ
...ضرت قطب عالمؒ پر ناجائز الزامات بھی لگائے گئے تھے۔ اس اشتہار بد کردار

کا عنوان تھا ،، جامعہ مظاہر علوم کی بنیاد کو متزلزل کرنے والی پُر اسرار سیاسی ہستی ،، الزامات یہ لکھے کہ (۱) حضرت شیخ نے اپنے آمرانہ غلبہ وتسلط کی بقاء وتحفظ کیلئے فلاں فلاں کو مدرسہ کا سر پرست مقرر کرایا ہے - (۲) مالیات مدرسہ میں مالکانہ تصرفات (۳) خویش نوازی وغیرہ وغیرہ نیز حضرت اقدس ناظم صاحب کے ساتھ ہمدردی کا اظہار اور اپنا دلی تعلق ظاہر کرنے کیلئے لکھا تھا (جو درحقیقت حجۃ الاسلام حضرت ناظم صاحب کی سخت توہین تھی)

،، موجودہ ناظم صاحب کے ساتھ باوجود کامل اطاعت وانتہائی چاپلوسی اور خدمت میں حاضر باشی کے یہاں تنگ حال ہوگیا ہے کہ وہ دستخط کرنے کے ناظم معطل ہیں اور کوئی دخل نہیں جسکا ناظم صاحب نے بار بار مجبور ہوکر اقرار کیا اور کرتے رہتے ہیں ان کے خلاف نااہل ثابت کرنے کیلئے ایسی ناجائز تدابیر کیجاتی ہیں جن کا تفصیلی بیان کسی وقت ضرورت کیا جاسکتا ہے ،،

یہ مذکورہ الزامات اور اسی قسم کی دوسری ہفوات اخبارات تک میں بھی شائع کرائی گئیں - جن سے واقفین کو سخت اذیت پہنچی اور ناواقفین کو سخت حیرت ہوئی مجبوراً ، حجۃ الاسلام حضرت ناظم صاحب نے اپنے قلم سے ایک تردیدی مضمون لکھ کر بنام ،، مظاہر علوم سہارنپور وشیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ ،، ایک کتابچہ کی شکل میں شائع کرایا نیز بعض ماہناموں اور اخبارات میں بھی اس مضمون کو شائع کرایا گیا جس سے ان کے مزعومات کی قلعی کھل گئی - اور معاندین پر روشن ہوگیا کہ شیخین کے روابط وتعلقات ایسے کمزور نہیں ہیں جنکو ایسی بیہودہ تدابیر سے نقصان پہنچایا جاسکے - ؏ یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے - جب کبھی دیکھے محبت کے دیئے بجھتے ہوئے ـ دل جلا کر ہم نے دنیا میں اجالا کر دیا قلب پر چوٹیں لگا کر گردش ایام نے ـ زندگی کی ہر نزاکت سے شناسا کر دیا

ذیل میں حضرت والا کا تحریر فرمودہ وہ مضمون بعینہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے

ے

از علی آموز اخلاصِ عمل ـــــ شیرِ حق را داں ، منزّہ ، بے دغل
گفت من تیغ از پئے حق میزنم ـــــ بندۂ حقم نہ مامورِ تنم

مظاہر علوم سہارنپور
و
شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ

(حجۃ الاسلام حضرت اقدس ناظم صاحب)

قریبا دو ماہ کا عرصہ ہوا ایک مطبوعہ تحریر علم میں آئی جو کسی ''علیم اظہر'' صاحب کے نام سے شائع ہوئی ہے جنہوں نے اپنے آپ کو ''خدام المسلمین سہارنپور'' کے شعبہ نشر واشاعت کا سکریٹری ظاہر کیا ہے پوری جدو جہد کے باوجود نہ تو ابتک یہاں ن ''علیم اظہر'' صاحب کا پتہ چل سکا اور نہ اس نام کی کسی انجمن کا اسلئے غالب گمان ہے کہ دونوں نام فرضی ہیں۔ واللہ اعلم بہرحال یہ نام فرضی ہیں یا واقعی، یہ تحریر اسی شرارت اور فتنہ انگیزی کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو مظاہر علوم کے خلاف آٹھ نو مہینہ سے جاری ہے اس تحریر کا نہایت سخت تکلیف دہ اور قت قابلِ مذمت پہلو یہ ہے کہ اس میں میرے ساتھ ایک طرح کی ہمدردی اہر کرتے ہوئے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی ذات گرامی پر پوری ناخدا ترسی کے ساتھ انتہائی رکیک حملے کیئے گئے ہیں۔ یہ تحریر جب میرے علم ں آئی تھی تو اسکی انتہائی لغویت اور رکاکت کی وجہ سے میں نے اسکو قابلِ تفات بھی نہیں سمجھا تھا۔ اور اطمینان تھا کہ جو لوگ مظاہر علوم اور حضرت شیخ مدظلہ کے بارے میں کچھ بھی جانتے ہیں ان پر اس کا ذرہ برابر بھی ثر نہ ہوگا۔ بلکہ انشاء اللہ تعالیٰ ان کی ہمدردی اور تعلق میں اور اضافہ ہوگا اور الحمدللہ یہی ہوا بہت سے مقامات کے مخلصین نے از خود اہل مدرسہ کو اطلاع دی کہ اس تحریر کو پڑھکر ہمیں مدرسہ سے اور زیادہ ہمدردی پیدا ہوئی لیکن بعض خطوط سے معلوم ہوا کہ یہ تحریر بہت سے

ایسے حلقوں میں بھی خاص کوشش سے پہونچائی گئی ہے جو مدرسہ کے حالات سے اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کی ذات سے واقف نہیں چونکہ ایسے لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتے ہیں اسلئے مظاہر علوم اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کے تعلق کے بارے میں آج میں کچھ باتیں سپرد قلم کرتا ہوں۔
مجھے معلوم ہے کہ ان باتوں کا اظہار اور ان کی اسطرح اشاعت حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کیلئے گرانی کا باعث ہوگی لیکن امید ہے کہ ضرورت کے پیش نظر وہ مجھے معذور قرار دیں گے۔
(۱) ہندوستان کے علمی اور دینی حلقے واقف ہیں کہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ اپنے علمی تبحر اور زہد و تقویٰ کے لحاظ سے ہمارے اس دور میں بقیۃ السلف اور عالم اسلام کی ممتاز شخصیتوں میں سے ہیں آپ کی علمی تصنیفات خاص کر شروح حدیث حجاز اور دوسرے ممالک اسلامیہ میں مقبول و معروف ہیں مظاہر علوم کی یہ خوش قسمتی ہے کہ تقریباً پچاس سال سے بلا معاوضہ و تنخواہ کے آپ اس میں تدریسی خدمت انجام دے رہے ہیں فن حدیث کی سب سے بلند پایہ کتاب بخاری شریف کا درس عرصہ سے آپ ہی دیتے ہیں۔
(۲) ہندوستان بلکہ اب عالم اسلام کی عظیم ترین اور وسیع ترین دینی تحریک جو تبلیغ کے نام سے معروف ہے۔ اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب اسکے روح رواں ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ اس دینی تحریک کے اور اسکے خاص کارکنوں کے گویا روحانی سرپرست ہیں اس تعلق کی وجہ سے ہندوستان اور بیرون ہند کے وسیع ترین تبلیغی حلقہ کی خاص ہمدردیاں مظاہر علوم کو حاصل ہیں اور اس سلسلہ سے ہند و بیرون ہند کی وہ ممتاز اور مقتدر شخصیتیں آئے دن مظاہر علوم میں از خود آتی رہتی ہیں جن کو بلا کر مظاہر علوم دکھانا یا انکی ہمدردیاں حاصل کرنا کسی کے بس کی بات نہ تھی۔
(۳) بہت سے حضرات محض حضرت شیخ کے تعلق کی بنا پر بڑی بڑی رقمیں مدرسہ کو بھیجتے ہیں اور لکھ دیتے ہیں۔ کہ حضرت شیخ الحدیث کے ارشاد

کے مطابق اسکو کسی مصرف میں خرچ کیا جائے۔

(۲) حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہٗ کے مدینہ طیبہ شریف لے جانے کے وقت تک دورۂ حدیث کے طلبہ کی تعداد بیس پچیس تک ہوتی تھی اور اب یہ عدد گذشتہ چند سالوں میں ساٹھ ستر تک پہنچ گیا ہے اسی طرح مدرسہ کے ہر شعبہ میں الحمدللہ کافی ترقی ہوئی ہے جس میں زیادہ تر دخل حضرت شیخ الحدیث کی ذات گرامی کو ہے۔

آمریت کا الزام

"علیم اظہر" صاحب کے نام سے جو تحریر شائع ہوئی ہے اسمیں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ پر آمریت کا الزام بھی لگایا گیا ہے۔ اور میرے بارے میں ظاہر کیا گیا ہے کہ گویا میں شیخ کی آمریت کے سامنے معطل اور بے بس ہوں۔

جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی خدا کا خوف ہو وہ ایسی بہتان طرازی آسانی سے نہیں کرسکتا واقعہ یہ ہے کہ حضرت شیخ اپنے علمی، تصنیفی و اصلاحی مشاغل اور معمولات میں اس قدر مصروف اور منہمک رہتے ہیں کہ دوسرے کسی مشغلہ میں ایک منٹ صرف کرنا بھی گراں گذرتا ہے یہاں آنے جانے والے سب ہی حضرات جانتے ہیں کہ حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں علماء کرام، مشائخ، بڑے بڑے اصحاب وجاہت اور رؤسا دور دراز سے آتے رہتے ہیں لیکن انکی وجہ سے شیخ اپنے اوقات اور معمولات میں کوئی تغیر نہیں کرتے اور نہیں چاہتے کہ کوئی ان اوقات اور معمولات میں مخل ہو۔ اسلئے قدرتی طور پر انکی ذاتی خواہش یہی رہتی ہے کہ مدرسہ کے معاملات میں بھی ان کا وقت زیادہ نہ لیا جائے مگر میں مدرسہ کے معاملات میں مشورہ لینے حسب ضرورت مشاغل کے اوقات میں بھی پہنچ جاتا ہوں ممدوح نے بار بار اس کا اظہار فرمایا ہے کہ ہر معاملہ میں ان سے مشورہ نہ لیا جائے بلکہ صرف غیر معمولی اور اہم معاملات میں ان سے مشورہ کیا جائے۔ لیکن میں خود اپنی افتادِ طبع اور ضعف صحت کی وجہ سے اور شیخ کی اصابتِ رائے پر اعتماد کی وجہ سے بسا اوقات ان امور میں بھی ان سے مشورہ کرتا ہوں

جن میں وہ نہیں چاہتے کہ ان سے مشورہ کیا جائے اور قریب قریب یہی طرزِ عمل حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے دورِ نظامت میں تھا وہ بھی حضرت شیخ کی اصابت رائے پر اعتماد کی وجہ سے مدرسہ کی جزئیات میں بھی حضرت شیخ سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ بس یہ ہے حقیقت شیخ کی آمریت کی۔

افسوس کسقدر ناخدا ترس ہیں وہ لوگ جو ان پر آمریت کا الزام لگاتے ہیں اور اس کیلئے افسانے تراشتے ہیں۔

مظاہر علوم کی مالیات، اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ

علیم اظہر صاحب کے نام سے شائع ہونے والی تحریر میں حضرت شیخ الحدیث کے اوپر دوسرا الزام مدرسہ پر غلبہ و تسلط اور مالکانہ تصرف کا لگایا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت شیخ نے مالیات کے بارے میں جو رویہ اپنا رکھا ہے ہمارے علم میں وہ اس درجہ میں آپ ہی اپنی مثال ہے۔ حضرت ممدوح تقریباً پچاس سال سے مظاہر علوم میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں اس طویل عرصہ میں صرف شروع کے چند سالوں میں حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہٗ کی تعمیل حکم میں انہوں نے تنخواہ لی ہے جسکی مجموعی تعداد دو ہزار سات سو سترہ ۲۷۱۷ روپے ہوتی ہے اس تنخواہ کے بارے میں آپ نے دو سال پہلے ۱۸ شوال ۸۵ھ کو حضرت موصوف نے میرے نام ایک تحریر لکھی جو اس سال کی روداد میں شائع بھی ہو چکی ہے میں اس کا خلاصہ یہاں درج کرتا ہوں۔

" اس ناکارہ کا ہمیشہ سے یہ خیال رہا ہے کہ وہ تنخواہ جو اس زمانہ میں مجھے ملی تھی وہ میری حیثیت و استعداد سے زیادہ تھی اگرچہ اس ناکارہ نے مدرسہ کے اوقات کی پابندی کا ہمیشہ بہت اہتمام کیا اور شدید امراض میں بھی رخصت بیماری بہت کم لی لیکن اکابر کے جو واقعات مدرسہ کی تنخواہ اور تحفظ اوقات مدرسہ کے دیکھتا اور سنتا رہا ہوں وہ بہت شدید ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نور اللہ مرقدہٗ

ل تھا کہ مدرسہ کے اوقات میں اگر کوئی ذاتی مہمان آجاتا اور اس کی مزاج پرسی
رہ میں چند منٹ خرچ ہوجاتے تو ان کو اسی وقت یادداشت میں لکھ
ے اور مہینے کے ختم پر ایسے سب منٹ جمع فرماکر اتنے وقت کی تنخواہ وضع
لیا کرتے تھے میں نے اپنے والدصاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ سردی
موسم میں مدرسہ کے حمام کے سامنے اپنا سالن رکھوا دیتے جو صرف دور کی تپش
ے ہی گرم ہوجاتا تھا اس کے معاوضہ میں سردی کے اختتام پر دو چار
پے چندہ کے نام سے مدرسہ میں داخل فرمایا کرتے تھے ایسے ہی واقعات
بنا پر میرے دل میں تنخواہ واپس کرنے کا داعیہ عرصہ مدید دراز سے پیدا
تا رہا مگر بعض مصالح اس پر عمل پیرا ہونے سے مانع رہے۔ تاہم مندرجہ
مقدار میں سے تقریبًا ایکہزار روپے جس میں مجھے خصوصی اشکال تھا ۱۳۹۵ھ
ں واپس کرچکا ہوں - اور اسی سال کی روداد میں مفصل شائع ہوچکا ہے
رقم ایک ہزار سات سو سترہ روپے کی واپسی کی پیش کش اسوقت کرتا
ں اسطرح پر کہ مبلغ پانچسو سترہ روپے نقد ارسال خدمت ہیں اور
ہ بارہ سو کی ادائیگی بیس روپے ماہوار کے حساب سے کرتا رہوں گا
خدا نخواستہ) اس دوران میرا انتقال ہوجائے تو اس وقت جو باقی رہ
تے اسکی وصیت کرتا ہوں کہ بندہ کے کتب خانہ سے وصول کرلیا جائے،
رت شیخ مدظلہٗ کی اس تحریر کو اسوقت پورے دو سال ہوچکے ہیں اور
ں دوران میں بالاقساط ۵۲۰ ادا ہوچکے ہیں۔

ں سلسلہ میں حضرت شیخ کا ایک قدیم معمول معلوم کرکے ناظرین کو حیرت
ں اگر مدرسہ کے کسی ملازم سے غفلت یا تساہل کی بنا پر کوئی مالی نقصان مدرسہ
ہوجائے تو حضرت شیخ بسا اوقات وہ رقم بذات خود ادا کردیتے ہیں
بعض اوقات بعض دوسرے مخلص احباب کو بھی اپنے ساتھ شریک
لیتے ہیں - اور اسطرح مدرسہ کو نقصان سے اور اس بیچارے ملازم
ہیر باری سے بچا لیتے ہیں - ایسے واقعات بار بار پیش آتے ہیں اور
ے مرتبہ تو اس قسم کی ایک بہت بڑی رقم حضرت ممدوح نے بذات خود

اداکی ہے اور یہ تو لوگوں کو عام طور پر معلوم ہے کہ مدرسہ کے تمام مہمانوں کے کھانے اور چائے ناشتے کا خرچ حضرت ممدوح نے عرصہ دراز سے اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔ یہاں تک کہ جو طالب علم مدرسہ میں داخلہ کیلئے باہر سے آتے ہیں جبتک مدرسہ میں ان کے کھانے کا باقاعدہ انتظام ہو۔ بسا اوقات وہ بھی شیخ صاحب کے دسترخوان پر کھانا کھاتے رہتے ہیں بلکہ بعض طلبہ جن کا کھانا ضابطہ کی رو سے مدرسہ کی طرف سے جاری نہیں ہوسکتا وہ مدرسہ میں پڑھتے ہیں اور کھانا مستقلاً حضرت شیخ کے ہاں کھاتے رہتے ہیں اسطرح بلا مبالغہ حضرت شیخ الحدیث ہزاروں روپے سالانہ مدرسہ اور متعلقین مدرسہ پر خرچ کرتے ہیں کسقدر ظلم وناانصافی کی بات ہے کہ اللہ کے ایسے بندہ کے بارے میں مدرسہ پر مالکانہ تصرف کا الزام لگایا جائے۔

اس تحریر میں حضرت شیخ مدظلہٗ پر ایک الزام یہ بھی لگایا گیا ہے کہ وہ مدرسہ پر اپنا اقتدار اور تسلط قائم کرنے اور رکھنے کی تدبیر کرتے ہیں یہ بات واقعہ کے خلاف اور دروغ محض ہونے کے علاوہ حضرتؒ کے مزاج و مذاق اور طبیعت کے بھی خلاف ہے ان کا حال تو یہ ہے کہ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہٗ کے زمانہ میں ایک دفعہ ایک صاحب حضرت قدس سرہٗ سے عرض کیا کہ فلاں صاحبؒ کا خیال ہے کہ مولانا محمد زکریا صاحب مظاہر علوم میں فلاں عہدہ کے خواہشمند ہیں۔ حضرت نے فرمایا وہ اسے کیا جانیں میں جانتا ہوں اسکو تو اگر نظامت بھی دی جائے گی جب بھی وہ نہیں لیگا اور بعد کے واقعات نے حضرت قدس سرہٗ کی اس فراست کی پوری تصدیق کی چنانچہ ایکمرتبہ حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب مولانا رحیم بخش صاحب اور حاجی شیخ رشید احمد صاحب رحمہم اللہ نے اپنی سرپرستی کے زمانہ میں تجویز کیا کہ حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحبؒ سابق ناظم مظاہرؒ کو صرف ناظم مالیات رکھا جائے اور شیخ الحدیث صاحب کو ناظم عمومی قرار دیا جائے۔ کسی طرح اس تجویز کا علم شیخ الحدیث صاحب کو بھی ہوگیا

آپ نے ان سرپرست حضرات کو لکھا کہ اگر ایسا کیا گیا تو بندہ سہارنپور چھوڑ دے گا پھر آپ حضرات ڈھونڈتے ہی پھریں گے کہ زکریا نام کا ایک شخص تھا۔

تو: پچھلے واقعات ہیں جب سے نظامت کی ذمہ داری میرے سپرد کی گئی ہے اس وقت سے برابر مجھے یہ پیش آرہا ہے کہ میں اپنے ضعف صحت اور افتاد طبع کیوجہ سے مدرسہ کے اکثر معاملات میں حضرت شیخ سے مشورہ چاہتا ہوں اور آپ کی برابر یہی خواہش ہوتی ہے کہ آپ سے کم سے کم اور صرف اہم معاملات میں مشورہ کیا جائے اللہ کے کسی ایسے بندہ پر اقتدار پسندی کا الزام لگانا کس قدر ظلم کی بات ہے اسکے علاوہ یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ مظاہر علوم جیسے کسی دینی ادارہ پر اقتدار کی خواہش یا تو مالی منفعت کیلئے ہوسکتی ہے یا حصول وجاہت کیلئے مالی استحصال کا حال تو معلوم ہوچکا کہ قریبًا پچاس برس سے بلا معاوضہ تدریس کی خدمات انجام دے رہے ہیں اور ہزاروں روپے سالانہ اپنی ذات سے مدرسہ پر صرف فرماتے ہیں اور وجاہت کا معاملہ بھی یہ ہے کہ جو شخص مظاہر علوم کے اور حضرت شیخ الحدیث کے حالات سے کچھ بھی باخبر ہے وہ جانتا ہے کہ اس وقت حضرت ممدوح کی نسبت سے مدرسہ کی عظمت اور اسکا اعتماد بڑھ رہا ہے مدرسہ کیوجہ سے حضرت کی شان میں کوئی اضافہ نہیں ہورہا ہے۔

خویش نوازی کا الزام

(الف) ایک بات مطبوعہ تحریر میں یہ بھی کہی گئی ہے کہ شیخ الحدیث نے اپنے اثر و اقتدار سے کام لیکر اپنے ہی لوگوں کو مدرسہ کا سرپرست بنا رکھا ہے اور ملازمین میں بھی ان ہی کی بھرتی کر رکھی ہے۔ بیشک یہ واقعہ ہے اور قابل شکر اور موجب اطمینان واقعہ ہے کہ مدرسہ کے تمام سرپرست حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے عقیدت اور محبت کا تعلق رکھتے ہیں ایسا تعلق جو خونی رشتوں کے تعلق سے بھی بالاتر ہے لیکن یہ بات جو اس تحریر میں ظاہر کیگئی ہے کہ حضرت شیخ الحدیث نے اپنے اقتدار کے تحفظ کیلئے ان کو سرپرست بنوایا ہے اسکی

غلطی معلوم کرنے کیلئے صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ یہ حضرات شیخ الحدیث کے دورِ سرپرستی سے پہلے سے سرپرست ہیں سنہ وار تفصیل یہ ہے (۱-۲) میر آلِ علی صاحب اور مولانا اکرام الحسن صاحب اب سے ۲۲ سال پہلے شوال سنہ ۶۰ھ میں سرپرست بنائے گئے (۳-۴-۵) حاجی محمد نسیم صاحب، مولانا حکیم محمد ایوب صاحب اور شاہ محمد مسعود صاحب اب سے گیارہ سال پہلے ذی قعدہ سنہ ۷۱ھ میں سرپرست تجویز کیے گئے۔ (۶) پھر اسکے دو سال بعد ذی الحجہ سنہ ۱۳۷۳ھ میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کو سرپرست تجویز کیا گیا۔ اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ موجودہ سرپرستوں کو حضرت شیخ نے سرپرست نہیں بنوایا بلکہ ان سرپرستوں نے حضرت شیخ الحدیث کو سرپرست بنایا ہے اور اب حال میں حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائے پوری قدس سرہٗ کی جگہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب مدظلہٗ کو سرپرست تجویز کیا گیا ہے کیا مظاہر علوم کیلئے ان سے بلند مرتبہ اور ان سے زیادہ مفید و باب برکت سرپرست کوئی تجویز کیا جا سکتا ہے ؟

(ب) اسیطرح مدرسہ کے اساتذہ اور کارپردازوں میں اکثر و بیشتر وہی ہیں جو حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ سے عقیدت و نیازمندی کا تعلق رکھتے ہیں بلکہ ان کو حضرت سے علمی استفادہ اور تلمذ کا شرف بھی حاصل ہے اور اس معنی کر یہ سب کے سب حضرت کے نیازمند ہیں اور یہ کوئی نئی اور عجیب بات نہیں دینی اداروں میں ہمیشہ سے یہی ہوتا ہے کہ ان کے خدام اور متعلقین اپنے ان اکابر کے نیازمند اور حلقہ بگوش ہوتے ہیں جنکو وہ اللہ تعالیٰ کے فضلِ خاص کا مورد سمجھتے ہیں حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں بھی یہی تھا اور اب بھی یہی ہے اور اسی میں ان مدارس کی خیر ہے۔ بیشک ان میں ایک دو حضرت شیخ مدظلہٗ کے اور بعض دوسرے اکابر کے قرابت دار بھی ہیں لیکن ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے جس کو نااہلیت کے باوجود محض قرابتداری کی وجہ سے لیا گیا ہو یا اس قرابت داری کیوجہ سے کسی کے ساتھ کوئی خاص رعایت کیگئی ہو۔

ص کہ حضرت شیخ الحدیث اپنے اہل قرابت اور اہل تعلق کے معاملہ میں سب سے
یادہ سخت اور بے لاگ ہیں اور اسکی وجہ سے ان کے قرابت دار خسارہ میں
ہتے ہیں
ح) آخری بات اس سلسلہ میں یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ حضرت اقدس مولانا
لیل احمد صاحب قدس سرہ اور ان کے بعد حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحب
دور نظامت میں بھی اہلیت اور صلاحیت کی بنا پر ان کے دوسرے
ابر و اساتذہ کے اہل قرابت مدرسہ میں رکھے جاتے تھے اور صرف قرابت
ری کے جرم میں ان کو نا قابل خدمت نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اگر کوئی معلوم کرنا
ہے تو نام بنام بتایا جا سکتا ہے جو لوگ نادانی سے اسپر اعتراض کرتے ہیں
ن کو سوچنا چاہیئے کہ انکی بات کتنی دور تک جاتی ہے۔
ن نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پہلے دونوں خلیفہ آپکے خسر
ر بعد کے دونوں خلیفہ آپ کے داماد تھے اصل معیار اہلیت و صلاحیت ہے
ر خاص کر حضرت شیخ الحدیث اسکے قطعًا روادار نہیں ہیں کہ انکے کسی قرابت دار
متعلق کو ان کے تعلق و قرابت کیوجہ سے مدرسہ میں لیا جائے بلکہ وہ اس
عاملہ میں دوسروں سے زیادہ متشدد ہیں
فسوس ہے کہ آج وہ باتیں لکھنی پڑیں جو کسی طرح لکھنے کی نہیں تھیں آخر میں ہم
س تحریر کے شائع کرنے والے "علیم اطہر" صاحب سے اگر انکا کوئی وجود ہے
رنہ اس شخص یا ان اشخاص سے جو اس فرضی نام کے پس پردہ بول رہے ہیں
راہ خیر خواہی بس اتنا کہتے ہیں کہ اہل اللہ پر محض دنیوی اغراض یا حسد و عناد
ی وجہ سے اسطرح کے الزامات لگانا خود اپنی دنیا و عقبیٰ کو برباد کرنا ہے ان
ضرات سے الجھنے والوں کا انجام کبھی اچھا نہیں دیکھا گیا۔ ایسے لوگوں کے لیے
سوائی اور روسیاہی مقدر ہے " من عادیٰ لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب
دیث قدسی ہے۔

ہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو میرے ولی سے دشمنی کرے اسکو میری طرف سے اعلان
نگ ہے ۱۲ منہ

ع بس تجربہ کردیم دریں دار مکافات .:. باؤرد کشاں ہرکہ درآویخت برآویخت

(نوٹ) چونکہ ہر چہار سمت سے یہ تقاضا ہو رہا تھا کہ اس پمفلٹ کے بارے میں کوئی بیان شائع کیا جائے اس لئے انتہائی عجلت میں یہ مختصر مضمون شائع کیا جا رہا ہے۔ ناظرین مفصل و مکمل مضمون کا قدرے انتظار فرمائیں۔

بندہ محمد اسعد اللہ

مذکورہ بالا مضمون شیخین کے روابط و تعلقات کا مظہر ہونے کے علاوہ بہت سے فوائد پر چونکہ مشتمل ہے اسلئے طوالت کے احساس کے باوجود ہم نے اسکو یہاں پر درج کر دیا ہے۔ فقط نسیم احمد غازی مظاہری

حضرت والاؒ نے مضمون کے خاتمہ پر حدیث قدسی ذکر فرما کر جس انتقام کیطرف اشارہ کیا۔ دنیا نے دیکھا کہ ان سرکشوں اور انکو شرکشی پر ابھارنے والوں کو انتہائی ذلت و خواری نصیب ہوئی۔ راقم الحروف کی موجودگی میں ان شر پسندوں کے خطوط حضرت شیخ کے نام آئے اور ان میں وہ اپنی تباہی بربادی اور ذلت و خواری کے رونگٹے کھڑے کر دینے والے عجیب عبرتناک حالات لکھکر حضرت شیخ اور دیگر حضرات سے معافی مانگتے تھے۔ ایک نے جوان بیٹا بہت سو رہا تھا لکھا کہ ہم جہاں جاتے ہیں تو ہم کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ کتے کی بھی تو کچھ عزت ہے مگر ہماری اتنی بھی نہیں۔ حضرت شیخ اپنے ذاتی حقوق اگلے پچھلے سب معاف فرماتے بلکہ اس کا باقاعدہ اعلان فرماتے کہ میں اپنے پچھلے اور آئندہ کے سب حقوق معاف کرتا ہوں مگر جس نے مدرسہ کو نقصان پہنچایا اسکو میں معاف نہیں کر سکتا کیونکہ میں مدرسہ کا مالک نہیں ہوں یہ پوری امت کی امانت ہے۔ لہٰذا جو اس کو نقصان پہنچائے گا وہ برباد ہوگا اور میری یہ دعا ہے کہ وہ اس کا دنیا ہی میں خمیازہ بھگت لے کیونکہ آخرت کا معاملہ ایک تو بہت سخت ہے دوسرے اللہ کے محبوبؐ کو انکی بربادی سے رنج ہوگا اس لئے ان کیلئے یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس دنیا ہی میں انکی اس بدکرداری کی سزا دیدے۔ وغیرہ

ع اس دنیا میں ہم نے بہت تجربہ کیا ہے کہ جو اللہ والوں سے الجھا وہ خاک ذلت پر آگرا ۱۲

شہید کرنے کی سازش اور گرفتاری

راقم الحروف سہارنپور ہی میں تھا کہ رات کو تقریبًا بارہ بجے شر پسند
مادی عناصر اور ان کے اکسانے والے بعض فرقہ پرست لیڈر گرفتار کر لئے گئے معلوم یہ ہوا
ان پر کوئی نامعلوم طریقے پر ایک سخت الزام آگیا اسمیں ان لوگوں کی پٹائی بھی
خوب ہوئی اور جیل میں سرکاری مہمان بن گئے۔ صبح کو عقدہ یہ کھلا کہ ان لوگوں
نے رات یہ طے کر لیا تھا کہ فجر کے وقت حضرت شیخ جب نماز کیلئے مکان سے نکلیں تو
تو وہیں شہید کر دیا جائے۔ مگر خدا جسے رکھے اسے کون چکھے۔
ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین۔ انکی اس خفیہ سازش کا علم اسوقت ہوا جب کہ
یہ لوگ جیل میں تھے۔ غور کا مقام ہے کہ اہل اللہ پر الزام لگائے گئے ان کا بال
بیکا نہ ہوا۔ اللہ نے ان پر ایسا الزام لگوایا کہ وہ انتہائی ذلیل و رسوا ہوئے۔
جنہوں نے جو گناہ عظیم کا ارادہ کیا تھا اللہ نے اپنے فضل سے ان کی بھی اس سے
حفاظت کی اور اپنے ولی کی بھی حفاظت فرمائی اور ان لوگوں کو زبردست تنبیہ
بھی کر دی۔ سبحان اللہ جیل سے رہا ہونے کے بعد ان لوگوں نے جامعہ مظاہر علوم
کے مقابلہ میں جامعہ کنز العلوم کھولا، اور چند ماہ وہیں سے اشتہارات و خرافات
شائع کر کے مظاہر علوم کو بدنام کرنے اور نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے رہے بالآخر
نہ رہا بانس اور نہ بجی بانسری، اللہ نے سب ہی کا نام و نشان ختم کر دیا وھو القاھر
فوق عبادہ ؎
شباب اپنی خودی سے بس یہی کہتا ہوا گذرا = بگولہ تھا ہوا نے ایک گرہ دیدی تھی پانی میں
نوٹ، یہ چند سطر ضرورۃً لکھدی گئی ہیں ورنہ اس حادثہ کی تفصیلات شر پسندوں
کی مسلسل زیادتیاں، بد سے بدتر حرکتیں اور حق تعالیٰ کی قدم قدم پر ارباب مدرسہ
کی نصرتیں ایک مستقل ضخیم کتاب کا تقاضا کرتی ہیں لیکن ؎
کوئی روداد بھی دل پر مرے تحریر نہیں ـ ذہن میں اب کوئی نقشہ کوئی تصویر نہیں

اسٹرائک کی لعنت: اسٹرائیک ملوں قوموں کا طریق کار ہے۔ اسی
لئے اکابر ملت نے اسکو موجب لعنت خیال کیا ہے جو طلبہ اس حرکت کے مرتکب
ہوتے ہیں ان کا مستقبل خراب ہو جاتا ہے ان سے کوئی مفید کام اور دینی خدمت

نہیں ہو پاتی حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بددعا اسی لئے فرماتے اور ہزبار بہن فرماتے بلکہ بعض بعض مجلسوں میں ان کلمات کا اعادہ بار بار فرماتے تھے اور فرمانے تھے کہ اسٹرائیک شیطانی گناہ ہے جس کا منشا تکبر ہے جو ناقابل معافی ہے کبھی اسٹرائیک میں حصہ لیا ہوا اگرچہ وہ تائب ہوگیا ہو وہ ہرگز مجھ سے بیعت نہ ہو اگر ایسا آدمی کوئی مجھ سے بیعت ہوا ہو تو اسکی بیعت فسخ ہے مجھ سے اسکو فیض نہیں ہو سکتا وغیرہ وغیرہ۔ دل ہلا دینے والے کلمات ارشاد فرماتے تھے۔حق تعالیٰ اپنے اولیاء کی عداوت، حق کی مخالفت اور ہر سرکشی وگناہ سے پوری امت کی خصوصاً علماء اور طلبہ کی حفاظت فرماتے آمین۔

حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور غیبت بدگوئی وغیرہ سے انتہائی محتاط تھے کوئی نازیبا بات کہنا تو سننا بھی گوارا نہ تھا۔لیکن اسٹرائیکی سورماؤں کیلئے ان کے بعض خطوط میں ایسے کلمات تھے جو اور لوگوں کے نزدیک تو بہت ہی اعتنیاء کے تھے اور واقعی ایسے ہی تھے لیکن حضرت والا کے مزاج کو جاننے والے حضرات کے نزدیک وہ کلمات شدید تکلیف اور انتہائی کرب وبے چینی کے ترجمان ہوتے تھے حاصل یہ ہے حق تعالیٰ شانہٗ نے ان دونوں آفتاب ومہتاب کیذریعہ اس حادثہ اور دیگر حوادث کی تاریکیوں کو جامعہ مظاہر علوم سے دور فرماکر اس گلستان حق کی فضاؤں کو پھر اور انوار سے معمور فرمایا فللہ الحمد

زرخ زرینِ من منگر کہ پائے آہنی دارم
اے شخص میرا زرد چہرہ نہ دیکھ میں آہنی پیر رکھتا ہوں
چہ می دانی کہ در باطن چہ شاہے ہمنشیں دارم
تجھے کیا خبر میں اپنے اندر کس شہنشاہ حقیقی کو ہمنشیں رکھتا ہوں
روبہے کہ ہست او راشیر پشت ــ بشکند کلہ پلنگاں را بمشت
جس لومڑی کو شیر کا سہارا نصیب ہو گیا تو وہ چیتے کا کلہ ایک گھونسے پھاڑ دیتی ہے

-۰-

چند تراشے

...ب العالم حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم
...ہارنپور نے مولانا ابوالحسن علی ندوی کو مدینہ منورہ سے ایک مکتوب
میں لکھا تھا کہ :

(۱) عذر کرتے ہیں ملامت دوست کرتے ہیں گلہ
کیا قیامت ہے مجھی کو سب برا کہنے لگے

...یرا مذہب اللہ کے فضل سے شروع سے یہ ہے کہ فیما بینی و بین اللہ تو معاملہ ...ف ہونا چاہئے اور خود غرضی یا اقربا پروری مدرسے کے معاملہ میں ہرگز نہیں ہونا ...ہئے۔ ——— میرے مدینہ پاک کے قیام میں موجودہ ناظم (حضرت مولانا ...سداللہ) صاحب نے اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے ملتے کا تقرر یا کم ازکم سبق ...بہت ہی اصرار کیا میں نے مدینہ پاک سے انکار لکھدیا کہ اس میں پڑھانے کی ...یت نہیں لیکن عاقل، سلمان کے بارے میں خوب گالیاں کھائیں مگر اسکی پرواہ ...ی کی اسلئے کہ میرے نزدیک دونوں میں پڑھانے کی اہلیت تھی،،

(مکتوب مورخہ ۱۱ر ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ)

(۲) مکرمان محترمان مولانا انعام الحسن صاحب مولانا الحاج علی میاں و مولانا منظور نعمانی ...حبان، مولانا منور حسین اور مفتی محمود حسن صاحب مدفیوضکم۔ بعد سلام مسنون! ...ی مصالح کی بنا پر آج ۲۷ ربیع الاول ۹۱ھ اقدام عالیہ میں عزیز ہارون کو ...نے توکلاً علی اللہ بیعت کی اجازت دی ہے البتہ دینی مصلحت اور تبلیغی مصلحت ...نا پر اسکو یہ بھی کہدیا ہے کہ مولانا انعام الحسن صاحب کی حیات میں نظام الدین ...وات میں کسی کو بیعت نہ کرے۔ حب جاہ اور حب مال سے بہت زیادہ ...راز کرے۔ اہل دنیا سے ان کی دنیاوی وجاہت کی وجہ سے تعلق نہ رکھے ...ن مصالح کی بنا پر اجازت میں تقدیم و تاخیر اکابر سے بھی منقول ہے۔

اور بیک وقت کئی مشائخ کا ایک جگہ جمع ہونا با اوقات موجب ترقیات بھی ہوا۔ تھانہ بھون میں حضرت اقدس حاجی امداد اللہ صاحب، حضرت حافظ محمد ضامن صاحب، حضرت مولانا شیخ محمد صاحب بیک وقت ایک ہی مسجد میں مقیم رہے اور حضرت شیخ الہند اور مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دارالعلوم میں بیک وقت موجود رہے۔ یہ ناکارہ اور مولانا اسعد اللہ صاحب انکی خلافت کے بعد سے مظاہر علوم میں موجود رہے۔ میرا خیال ہے ہم دونوں کا بیک وقت موجود ہونا دونوں کیلئے موجب ترقی بنا الخ،، (از مکتوب ۲۷ ربیع الاول ۹۱ھ)

(۳) آج کل لوگوں نے ,, توحید مطلب ،، کا مفہوم غلط سمجھ رکھا ہے کہ اپنے شیخ کے ساتھ محبت و عظمت اس راستہ کا جز ولاینفک ہے مگر آج کل احمقوں نے اس کا مطلب دیگر اکابر کی تنقیص سمجھ رکھا ہے یہ نعمت اپنے والد صاحب کے تعلق سے ملی کہ ان کے یہاں سب اکابر کے ساتھ تعلق ایسا تھا کہ کسی بزرگ کی اپنے شیخ کے مقابلہ میں تنقیص محسوس نہیں ہوتی تھی،،

(۴) جب میرے چچا جان نور اللہ مرقدہ کا ۱۱ رجب ۶۳ھ ۱۳ جولائی کو روز پنجشنبہ بوقت اذانِ صبح وصال ہوا تو میں نظام الدین میں تھا میں نے چچا جان نور اللہ مرقدہ کے وصال پر ایک مشترک کارڈ حضرت ناظم (مولانا عبد اللطیف) صاحب، مولانا عبد الرحمٰن صاحب، مولانا اسعد اللہ صاحب کے نام لکھا کہ آپ حضرات میں سے کوئی نظام الدین تکلیف فرمانے کا ارادہ نہ کریں میں خود ہی کل یا پرسوں حاضری کا ارادہ کر رہا ہوں اور جب میں نے یہ لکھ دیا کہ میں خود حاضری کا ارادہ کر رہا ہوں تب کون ارادہ کرتا؟

اور یہ لفظ میں نے قصداً جان کر لکھا تھا کہ جب ان حضرات کو معلوم ہو جائے کہ وہ ایک دو دن میں آنے کا ارادہ کر رہا ہے تو پھر کوئی نہیں آئے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (آپ بیتی ۳ ص ۹۲ و ۹۳)

شیخین آفتاب و مہتاب تھے

جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے مدرسین ملازمین اور طلبہ سب ہی حضرت قطب عالم وحضرت حجۃ الاسلامؒ کو جامعہ مظاہر علوم کا آفتاب و مہتاب سمجھتے تھے اور متفق

پر سب حضرات ان دونوں بزرگوں کے معتقد تھے۔ یہی حال جامعہ سے باہر
گوں کا تھا باہر کے لوگوں میں ایک طبقہ ایسا بھی تھا کہ وہ حضرت قطب عالمؒ سے
بیعتوں میں بلا کسی وجہ شرعی بعد رکھتا تھا لیکن حضرت حجۃ الاسلامؒ سے
بقہ بھی محبت رکھتا تھا۔ اسٹرائیک ۱۳۵۲ھ کے موقع پر ایک مرتبہ حضرت
عالمؒ نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا تھا کہ اساتذۂ کرام صفائی سے بتائیں کہ میرا
ضرت ناظم تھا۔ بلکہ انکی نظر میں کیا قصور ہے ہماری کیا غلطیاں ہیں تاکہ علم میں
کے بعد ان کا تدارک ہوسکے ہمیں کسی بات پر کوئی اصرار نہیں مدرسہ کو نقصان
ینا چاہیئے۔ اس پر ایک متفقہ تحریر مدرسین کی جانب سے لکھی گئی اور وہ
اساتذۂ کرام کے حکم سے راقم السطور کے قلم ہی سے لکھی گئی تھی اساتذۂ کرام کے
ر دستخط ہوتے اور شیخین کی خدمت میں پیش کی گئی جس میں حضرات شیخین کی خدمات
ی برکات کو ذکر کرنے کے علاوہ یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ دونوں حضرات کا وجود جامعہ
ر علوم کے لئے انتہائی ضروری ہے اور آپ کے اقدام عالیہ کی برکات کے ہم سب
نہایت محتاج ہیں نیز آپ حضرات کے ہر امر پر ہم سب متفقہ طور پر ہر
ن لبیک کہنے کیلئے تیار ہیں۔ کسی ایک کو بھی آپ دونوں حضرات سے کوئی
ت یا شکایت نہیں وغیرہ وغیرہ اس تحریر کی اصل میرے پاس موجود ہے۔
تا سے اسوقت نہ مل سکی ورنہ بعینہٖ اس تحریر کو یہاں نقل کرنے کی خواہش بھی تھی
ب الذین یعاش فی اکنافھم = بقی الذین حیاتھم لا تنفع
لے گئے جنکی آغوش شفقت میں عیش کیا جاتا تھا = وہ رہ گئے جنکی زندگی غیر مفید ہے)

یں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر ✽ انہیں کے اتقا پر ناز کرتی ہے مسلمانی
یں اپنی خلوت میں تو جلوت کا مزہ آئے ✽ جو آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخندانی

رت و تعجب:- حضرات شیخین کے ان مخلصانہ تعلقات کا مشاہدہ کرنے والے
شمار لوگ ابھی موجود ہیں۔ یہ کل ہی کی بات تو ہے کہ ان حضرات شیخین کے انوار
اور نگاہوں کو جلا عطا فرما رہے تھے لیکن ہمیں انتہائی حیرت و تعجب ہے کہ قطب عالم

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح نگاروں اور حالات والوں نے انکی مبارک زندگی کے اس تابناک پہلو کو جسمیں بعد والوں کیلئے روشنی ہے کیوں تاریکیوں میں رکھا بلا قصد ایسا ہوا تو کیوں ہوا جبکہ اس پہلو کی ضرورت اور چیزوں سے زائد ہے۔ اور قصداً ایسا ہوا تو اس میں کیا مصلحت ہے؟ ہم اسکی تہ تک پہنچنے سے قاصر ہیں۔ بہرحال ہمیں بجائے خود حیرت ہے اور ہماری عقل نارسا کا قصور ہے جس کے ہم معترف ہیں اور کسی پر ہم معترض ہو سکتے۔ حق تعالیٰ ہمیں ناحق اعتراض سے محفوظ رکھے اور ہماری لغزشوں کو فضل و کرم سے معاف فرمائے۔ آمین۔

علمائے کرام کا احترام

حجۃ الاسلام حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ یوں تو سب ہی سے محبت، ادب، احترام اور رواداری کا معاملہ کرتے تھے اس سلسلہ میں آپ کے یہاں مسلم و غیر مسلم کا امتیاز نہ تھا وہ فرقِ باطلہ اور غیر مسلموں کے ساتھ بھی انسانی رواداری اور ادب و احترام کا برتاؤ کرتے تھے کہ وہ لوگ بھی جن سے آپ میدانِ مناظرہ میں نبرد آزما رہے ہیں دل و جان سے آپ کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔ شیعہ حضرات اور غیر مسلموں کی کافی تعداد میں آپ کی بارگاہ میں بڑے اعتقاد و شوق سے نیاز مندانہ حاضر ہوتی۔ آپ خاص طور پر علمائے اسلام کا بہت ہی زیادہ احترام فرماتے تھے۔ اپنے ہم خیال اور اپنے اکابر کا احترام تو اور لوگ بھی کرتے ہیں حضرت والا کا کمال یہ تھا کہ ہی علماء کا بے حد احترام فرماتے تھے اور اسمیں نظریات کا اختلاف بھی حائل نہ ہوتا آپ سیاسی اعتبار سے اپنے مربی و مرشد مجدد الملت، حکیم الامت حضرت مولانا صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے موقف کے قائل و موافق اور پورے طور پر اسی کے مؤید و حامی تھے اس کے باوجود وہ کانگریسی علماء کا انتہائی ادب و احترام

اپنے نظریہ سے متفق علماء کا ادب واحترام فرماتے تھے شیخ الاسلام مولانا
ن احمد صاحب وحضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور دیگر بزرگوں
پ والہانہ عقیدت ومحبت رکھتے تھے ۔ مولانا مدنیؒ کی وفات پر حضرت
کو انتہائی صدمہ ہوا ۔ کئی روز بہت ہی رنجیدہ رہے آپنے ان کے بارے
ایک طویل مضمون تحریر فرمایا جس کے ایک ایک جملہ سے عقیدت ومحبت
ہوتی ہے یہ طویل مضمون ”شیخ الاسلام نمبر نئی دنیا دہلی“ میں شائع
ا ہے ۔ اسی طرح مولانا مفتی محمود بن حاجی ہاشم دادا رنگونی کی فرمائش پر
ت مفتی کفایت اللہ صاحب کی منقبت میں برجستہ اشعار کہے جن میں
ذاتی اوصاف حمیدہ بیان فرمائے ۔ وہ اشعار شوال ۱۳۵۸ھ میں دارالعلوم تابنے
ں کے ایک جلسہ میں پڑھے گئے جسمیں خاص طور پر حضرت مفتی صاحبؒ موصوف
ا گیا تھا ۔ یہ اشعار آپنے خانقاہ تھانہ بھون میں قلم برداشتہ اور فی البدیہہ
تھے جو اس کتاب میں عنوان ”شعر وادب“ کے اخیر میں درج کر دیئے گئے ہیں ۔

انہ تقلید کے سخت مخالف تھے

سب کا احترام خصوصاً علماء ومشائخ کا ادب واکرام کرنیکے باوجود حضرت
شریعت مطہرہ اور اپنے مسلک سنیہ پر بہت ہی متصلب اور پختہ تھے
ابعت وسنت کے خلاف ان کے یہاں کسی کا عمل حجت نہ تھا ۔ وہ کسی بڑی
ت سے شریعت کو ناپنے کے قائل نہ تھے بلکہ شخصیتوں کو شریعت کی روشنی
کھتے اور جانچتے تھے ۔ کسی بھی ماحول میں آپنے شریعت وسنت کے دامن کو
چھوڑا کسی شخصیت سے کبھی مرعوب نہیں ہوئے آپ ایک سچے خدا پرست
ن تھے ایک موحد وخدا پرست انسان کبھی بھی شخصیت پرست نہیں
سکتا ہے ۔ جس شخص کو کورانہ تقلید اور شخصیت پرستی کا مرض ہوجاتا ہے
نا مزعومہ شخصیت کے عیوب اور گناہوں کو بھی معیوب نہیں سمجھتا اور
کو گناہ نہ سمجھنا کفر ہے ۔ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ
اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ میں اہل کتاب کے اسی جرم کو بیان کیا ہے جس سے
ل گمراہ ہوئے اور کفر وشرک میں ڈوب گئے ۔ آج اس مرض میں عموبیت

ہوتی چلی جارہی ہے۔ہم نے پانچ برس حضرتِ والاؒ کے قریب رہ کر دیکھا ہے اور سیکھا ہے، شریعت وسنت کا اتباع کیا جائے، کتاب و سنت کی روشنی میں زندگی گذاری جائے۔تمام انسانوں کا خصوصًا اہلِ ایمان کا اکرام وادب ملحوظ رکھا جائے اہل اللہ و علمائے حق کا خاص طور پر دل سے احترام کیا جائے۔خلافِ شریعت کسی کے عمل سے استنانہ کیا جائے یہ چیز پارٹی بازی اور گروپ بندی اور جرائم کا سرچشمہ ہیں ان سے اجتناب کر کے سچا پکا مسلمان اور کامل و مکمل محمدی بنا جائے۔حق تعالیٰ اپنے تمام بندوں کو توفیق عطا فرمائیں۔

حق گوئی و بے باکی

مفاد پرست، بزدل اور کمینہ صفت لوگ ہی عموًا "شخصیت پرستی" کے مرض میں مبتلا اور اس مشرکانہ جرم کے مرتکب ہوتے ہیں شجاع، موحد، مخلص خود دار اور غیرت مند لوگ اس کمینہ پن سے دور و نفور رہتے ہیں۔حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحبؒ سب کا احترام علمائے کرام کا بے حد اکرام کرتے تھے خصوصًا مجدد الملت، حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے خانقاہ کا ادب تو ایسا کرتے تھے جیسا کوئی مخلص مرید باصفا اپنے مرشد کا ادب کرتا ہے۔حضرت مولانا عبد الغنی صاحب پھولپوری۔حضرت تھانویؒ کے خلیفۂ اعظم اور اشرفی مشرب کے مرجع و مرکز تھے۔اور حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کے بارے میں وہ ارشاد فرماتے تھے کہ میں ان کو اپنا مرشد تصور کرتا ہوں لیکن ایک موقعہ پر حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب حضرات سے اختلاف فرمایا اور اس بات کا ثبوت بہم پہنچا دیا کہ ہم اولیاء اللہ کا اکرام کرتے ہیں لیکن شریعت خداوندی اور حق بندگان حق کے مقابلہ میں اہم و مقدم ہے۔اور حق کے مقابلہ میں کسی کی شخصیت یا کسی کی ملامت کی پرواہ کیجاتی ؎ آئینِ جوانمرداں حق گوئی و بیباکی۔اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی ہم ذیل کی سطور میں احتیاطًا بالاختصار اس اہم قضیہ نامرضیہ، کو ذکر کرتے ہیں۔اسی مثال سے واضح ہو جائیگا کہ حضرت والا کورانہ تقلید و شخصیت پرستی سے متنفر تھے

تقسیم نام ضیبہ :- حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اخیر حیات میں مدرسہ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کا انتظام اپنے بھتیجے حضرت مولانا شبیر علی صاحبؒ کو سونپ دیا تھا۔ پاکستان بننے کے بعد مولانا شبیر علی صاحب حج کیلئے مکہ معظمہ تشریف لیگئے پھر وہاں سے کراچی منتقل ہوگئے۔ اور اپنی جگہ حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب کسولوی مجاز صحبت حضرت حکیم الامتؒ کو عہدہ اہتمام و انتظام پر مقرر فرما دیا تھا۔ حضرت حکیم الامت کی وفات کے بعد حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب کسولویؒ نے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادیؒ خلیفۂ اجل حضرت حکیم الامتؒ کی طرف رجوع فرماکر ان سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کرلیا تھا اور حضرت الہ آبادیؒ نے حضرتِ موصوف کو اجازتِ بیعت وخلعت خلافت عطا فرمائی تھی

حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب نے اپنے دورِ اہتمام میں حضرت مولانا سید حامد حسن صاحب امروہوی مجاز بیعت حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کو بھی خانقاہ میں بلالیا تھا اور تدریس وغیرہ کی خدمات ان کے حوالے فرمادی تھیں۔ اور حضرت حکیم الامتؒ کی چھوٹی اہلیہ محترمہ کا وہ مکان جو حضرت موصوف نے خانقاہ کیلئے وقف کردیا تھا (اسی مکان میں حضرت حکیم الامتؒ کی وفات ہوئی تھی وہ مکان) رہنے کیلئے حضرت مولانا سید حامد حسن صاحب موصوف کو دیدیا تھا ایک عرصہ کے بعد دونوں حضرات (حضرت مولانا کسولوی وحضرت مولانا امروہوی) میں اختلاف ہوا اور اس اختلاف میں شدت یہاں تک بڑھ گئی کہ حضرت مولانا سید حامد حسن صاحب کی خانقاہ سے علیحدگی ہوگئی۔ مولانا نے موصوف کی خانقاہ میں آمدورفت بند ہوگئی البتہ مکان بدستور ان کے قبضے میں رہا۔ حضرت مولانا کسولویؒ نے بار بار مکان خالی کردینے کا تقاضا کیا مگر خالی نہ کیا گیا۔ حضرت حکیم الامت کے خلفاء نے بھی فہمائش کی مگر بے سود ثابت ہوئی۔ اس معاملہ میں گفت وشنید کے لئے حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوریؒ نے تھانہ بھون کے دو سفر فرمائے مگر کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوسکا۔ پاکستان سے حضرت پیرانی صاحبہ۔۔

بھی تشریف لائیں اور حضرت مولانا سید حامد حسن صاحب سے مکان خالی کرنے کا مطالبہ کیا گیا مگر مکان خالی نہیں کیا گیا۔ جھگڑا بڑھتا رہا اور طرفین میں سے ہر ایک کے پاس کچھ دلائل کا مواد ایسا موجود تھا کہ وہ اپنے لئے راہِ جواز کو ہموار کریں لیکن بظاہر قبضہ کا عدم جواز ہی تھا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ حضرت پھولپوری حضرت الٰہ آبادی اور دیگر خلفاء اس معاملہ میں حضرت مولانا سید حامد حسن سے ناراض ہو گئے اور موصوف کو بار بار تنبیہ کے بعد خلافت سے معزول کر دیا اور اس سلسلہ میں کہ وہ خلافت کے اہل نہیں رہے حضرت حکیم الامتؒ کی ایک تحریر بھی حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحبؒ و حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے تمام خلفاء کے پاس بھیجوا دی۔ جس کی روشنی میں اکثر خلفاء نے مسلب خلافت کی تجویز پر اپنی تائید و تصدیق کے دستخط بھی فرما دیئے۔ دستخط کرنے والوں میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند و حضرت الحاج نواب احمد علی خاں صاحب سہارنپوریؒ بھی تھے۔ اسکے بعد وہ تحریر محی الاسلام حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحبؒ کے پاس آئی تو آپ نے اس پر دستخط کرنے سے معذرت فرما دی اور فرمایا کہ میں فریقین میں سے کسی ایک کے حق یا باطل ہونے کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا ہوں اور میرے دستخط نہ کرنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ کسی کو یہ حق ہرگز نہیں پہنچتا کہ وہ حضرت حکیم الامتؒ کی عطا کی ہوئی خلافت و اجازت کو منسوخ کر دے اور کسی خلیفہ کو خلافت سے معزول کرکے ان خدمات سے معطل و محروم کر دے جو شیخ کیطرف سے ان کو سپرد کی گئی تھیں۔

ظاہر ہے کہ حضرت والاؒ کے اس طرز سے حضرت مولانا سید حامد حسن صاحب کو تقویت پہنچی حضرت حکیم الاسلام اور حضرت نواب احمد علی صاحب ساکن قلعہ نواب گنج سہارنپور، جامعہ مظاہر علوم میں حضرت والاؒ کے پاس پہنچے اور حضرت والاؒ کی عزیمت سے قوت پاکر ان دونوں حضرات نے بھی رجوع کر لیا اور اپنے دستخط واپس لے لئے۔ حضرت مولانا حامد حسن صاحب اور ان کے صاحبزادہ بھی سہارنپور

پہنچے اور حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت و مشورہ سے مکان خالی کردیا
۔ مولانائے موصوف کے صاحبزادہ مولانا خالد میاں صاحب مکان کی چابی لیکر
حضرتِ والاؒ کی خدمت میں پہنچے ۔ اور وہ چابی حضرت والاؒ کے حوالہ کرنا چاہی کہ
آپ حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب کے پاس بھجوادیں ۔ حضرت والاؒ نے ارشاد
فرمایا کہ ہم فریق نہیں ہیں اور نہ فریق بننا چاہتے ہیں اور نہ فریقین میں سے کسی
کے متعلق حق یا باطل پر ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں ۔ ہمارے نزدیک جو حق تھا
اس کا اظہار کردیا حق و حقیقت سے انحراف ہم نہیں کرسکتے ۔ غرض ہم نے اپنے
نزدیک کسی کی رو رعایت کے بغیر صحیح لائحہ عمل کو اپنایا اور اس تحریر عزل پر دستخط
نہ کیے ۔ اب آپ کیلئے مناسب یہ ہے کہ حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب
کے پاس پہنچکر براہِ راست چابی ان کے حوالہ کریں ۔ چنانچہ حضرت مولانا حامد حسن
صاحب کے صاحبزادے حضرت مولانا کسولویؒ کیخدمت میں حاضر ہوئے اور چابی
پیش کردی

اس طرح حضرت حجۃ الاسلامؒ کی عزیمت واستقامت کی برکت سے یہ "قضیہ
نامرضیہ" نہایت سہولت وعافیت کے ساتھ ختم ہوگیا اور شدید اختلاف کی
بھڑکتی ہوئی آگ آپ کے اخلاص وہمت کی بدولت سرد پڑگئی ۔
اگر حضرت حجۃ الاسلام شخصیتوں پر نظر فرماکر رو رعایت سے کام لیتے تو حق پسندی
کا دامن ہاتھ سے جاتا رہتا ۔

حضرت قطب عالم وحضرت فقیہ ملت کے ارشادات

قطب عالم حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحب
شیخ الحدیث مظاہر علوم ومہاجر مدنیؒ نے اس نزاعِ مذکور وعزل خلافت کے موقعہ پر
ارشاد فرمایا کہ :
" کیا صرف حضرت تھانویؒ کے خلفاء کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی خلیفہ
کو معزول کردیں یا کسی دوسرے سلسلہ کے خلیفہ کو بھی یہ حق حاصل ہے ؟ اگر اور
بھی سلسلہ کے لوگوں کو بھی یہ حق حاصل ہے تو میں موجودہ دور کے سارے
بزرگوں کو معزول کرتا ہوں (کیونکہ ان میں سے معصوم وبے گناہ کوئی نہیں ہے)

فقیہ الملت حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور و خلیفہ ارشد حضرت حجۃ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ ,, حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس طرز عمل سے آنیوالے تمام خلفاء حضرات پر عظیم احسان فرمایا ہے کہ انہوں نے ہمیشہ کیلئے ان کو ایک بڑے خطرہ سے بچالیا ورنہ اگر یہ ,,سلب خلافت،، کی بات چل جاتی تو بعد میں حق و ناحق ذرا سے اختلاف پر کچھ لوگ مل کر جس سے اختلاف ہوا کرتا اسکو خلافت سے معزول کر دیا کرتے مستقل فتنوں کی بنیاد پڑجاتی اور طریقت و تصوف بچوں کا کھیل بن کر رہ جاتے،،

یگانوں اور بیگانوں کی خدمات کا اعتراف

حجۃ الاسلام حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کا قلب صاف شفاف آئینہ کی طرح تھا آپ کسی کیطرف سے تکدر کو پسند نہ فرماتے تھے۔ حضرت والاؒ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ:ے

ہم کو نفرت ہے کفر و بدعت سے — ہم کو الفت ہے دین و ملت سے
خاکساری ہمارا شیوہ ہے — سب سے ملتے ہیں مہر و الفت سے
دل ہمارا ہے مثل آئینہ — سخت بیزار ہیں کدورت سے

اسلئے کوئی اچھا کام کسی کا بھی ہو اس کو آپ سراہتے تھے۔ یگانوں اور بیگانوں سب کی خدمات کا کھلے دل سے اعتراف اور سب کی مساعی جمیلہ کا بہت احترام فرماتے تھے۔ علی الاعلان غیروں کے بھی اچھے کاموں کا اقرار و اعتراف کرنا اور انکی اچھی کوششوں کو سراہنا نیز محاسن کو بیان کرنا اور معائب و نقائص کو بلاضرورتِ شرعیہ ظاہر نہ کرنا آپ کی مستقل عادت تھی۔ پھر علماء کرام کے محاسن اور مساعی جمیلہ کا ذکر کرنا گو ان سے نظریاتی اختلاف ہی کیوں نہ ہو آپ کا مزاج تھا۔ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کی وفات کے موقع پر اسی طرح مولانا ابو الکلام آزاد، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحبؒ اور مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ وغیرہ اساطین جمعیۃ علماء و حامیان کانگریس کی وفاتوں کے موقعوں پر حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے باوجودیکہ آپ کا نظریہ کانگریس کے خلاف تھا، تعزیتی جلسوں میں ان حضرا

ئے وہ بلند کلمات اور ان کے ایسے محاسن بیان فرمائے اور تعزیتی قرار دادوں میں
حضرات کی زندگی کے ان تابناک گوشوں کو اجاگر فرمایا بلکہ مستقل مضامین لکھے
ہمارے خیال میں نظریاتی اختلاف کے باوجود شاید کوئی بڑے سے بڑا آدمی
زبان وقلم سے ایسے محاسن بیان نہ کر سکے گا۔ اور ... بیان وتحریر ہی سے
بار رنج وغم نہیں فرمایا جس کو سیاست پر محمول کرلیا جائے بلکہ واقعۃً آپ
ان حضرات میں سے ہر ایک کی وفات کے موقعہ پر بڑا رنج وغم ہوا۔ ابھی کثرت
حضرت والاؒ کے حالات کو دیکھنے والے موجود ہیں۔ مولانا صولت علی صاحب
پوریؒ نے اپنے دور میں ریاستی ظلم وجور کے خلاف علم بغاوت بلند کیا
باشندگان ریاست کی مشکلات کے حل کی جدوجہد کی تو حضرت والاؒ نے
خدمات کو کھلے دل سے سراہا اس سلسلہ کی انکی مدحت میں ایک نظم بعنوان
شعر وادب" کے اخیر میں مذکور ہے۔ اسی طرح نظام حیدر آباد نے زبان
دو کی ترقی کے سلسلہ میں کچھ پیش رفت کی اور یونیورسٹی حیدر آباد میں
خاص مقام دیا تو حضرت والاؒ نے انکی اس کوشش کو نہایت فراخدلی سے سراہا
اسپر انکی مدح فرمائی حالانکہ نوابوں اور رؤسا کی مدح سرائی سے آپ گریز
لتے تھے اس سلسلہ کا بھی ایک منظوم قصیدہ عنوان "شعر وادب" کے اخیر
ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

کے باوجود آپ کسی منکر پر نکیر کیئے بغیر نہ رہتے تھے اور نہ کبھی اپنے مسلک اور
یہ کو چھپانا پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ سیاسی بحران کے زمانے میں اکابر علماء
یک مشترکہ تحریر جب آپ کے دستخط وتائید کیلئے پہنچی تو آپ نے اسپر
عبارت تحریر فرماکر دستخط فرمائے۔ قولی قول مولانا التھانوی۔ انھیں
ر انصاف اور پاکیزہ صفات کی وجہ سے مختلف الخیال علماء بھی حضرت
کا ادب واحترام فرماتے تھے۔ اور ہمارے علم میں نہیں کہ معتبر علماء میں سے
ں نے حضرت والاؒ پر تنقید یا ان کی تنقیص کی ہو۔
غیر معتبر لوگوں کی بات کا تو اعتبار ہی کیا ہے ؟

حضرت حجۃ الاسلام اور علمائے اعلام

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ سب سے محبت، سب کا ادب و احترام اور سارے انسا[نوں]
کی قدر کرتے تھے خصوصًا اہل صلاح و تقویٰ، ارباب علم و فضل اور اکابر ملت
تو انتہائی والہانہ محبت و اکرام کا برتاؤ کرتے اور ان کیلئے غائبانہ دعائیں فر[ماتے]
تھے اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اسمیں مشرب و نظریات کا اختلاف بھی حائل و مانع
تھا اور آپ کی یہ صفت آغازِ عمر ہی سے نمایاں تھی ۔ یہی وجہ ہے کہ اکابر و
یگانے و بیگانے ہر طبقہ کے لوگ اور ہر مشرب و نظریہ کے حضرات آپ
گرویدہ و فریفتہ تھے اور آپ کی قدر کرتے تھے خصوصًا آپ کے اساتذہ و اکابر
ہمعصر علماء آپ سے بے حد متأثر اور آپ کی بلندی اخلاق و کمالات علمیہ و عملیہ کے
دل سے معترف تھے ۔ حضرت والاؒ کو ان سے عشق کے درجہ کا تعلق تھا تو ا[ن]
حضرات کو بھی حضرت والا کی ذاتِ عالی سے غیر معمولی محبت اور قلبی تعلق تھ[ا]

حضرت مولانا تھانویؒ

حضرت حکیم الامتؒ حضرت والاؒ کا بلند الفاظ [میں]
تذکرہ فرماتے تھے آپ کی نوعمری ہی میں ارشاد [فرماتے]
تھے "مولوی اسعد اللہ کو کم نہ سمجھو"۔ ایک بار حضرت تھانویؒ نے بھری مجلس میں
خط پڑھکر سنایا اور ارشاد فرمایا کہ "یہ ایک نوجوان مولوی صاحب کا خط [ہے]
جو بہت اچھے عالم ہیں"
حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کو آپ کے علوم اور صلاح و تقویٰ پر بہت اعتما[د تھا]
چنانچہ آپ کی بعض تحقیقات کو اپنی تصنیفات میں بڑی قدر دانی کے ساتھ
فرمایا ہے ۔ انھیں اوراق میں "تصنیفات و تالیفات" کے ذیل میں ان میں

کیطرف اشارہ بھی کردیا گیا اور صلاح و تقویٰ و اہلیت پر اعتماد کی دلیل یہ ہے ضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو خلعتِ خلافت و اجازت سے نوازکر بیعت وارشاد اور اصلاح خلق کیلئے منتخب فرمایا۔

محدث سہارنپوریؒ کا انتخاب

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری علیہ الرحمہ نے آپ کو جامعہ مظاہر علوم کی خدمات کیلئے ب فرمایا جبکہ آپ کی ظاہری وضع علمائے مظاہر علوم سے کچھ نہ ملتی تھی اور کوتاہ نظر دل دل میں یہ سوچتے تھے کہ جو اس سلسلہ میں اسقدر متشدد واقع ئے ہیں۔ اور علماء وصلحاء کی وضع کے خلاف ادنیٰ تغیر کو انتہائی ناپسند فرماتے نہوں نے اس "جدت پسند" اور "ماڈرن ٹائپ" نوجوان کا مظاہر علوم جیسی ہ کیلئے کسطرح انتخاب فرمایا مظاہر علوم اور مولانا اسعد اللہ صاحب ان دونوں ظاہر کوئی جوڑ نہ تھا۔ مگر چند ہی دنوں کے بعد جب شدھی و سنگٹھن کے پاک مورچہ ہولناک فتنۂ ارتداد، عیسائیت کے منحوس سیلاب اور قادیانیت کی شرارتوں کے مقابلہ میں یہ نوجوان شیر ببر کی طرح میدان میں اترا ر باطل پرست کے چھکے چھڑادیئے اور اپنی قوتِ علم واستدلال کیذریعے کا لوہا منوادیا۔ اور بہت سے دشمنانِ اسلام و فتنہ پرداز بھی آپ کی جہد کی برکت سے حق و صداقت سے آشنا ہو کر اسلام کے سچے شیدائی بن گئے نہیں حضرات نے جن کے دلوں میں شکوک و شبہات اور اعتراضات کے خار تے رہے تھے اس حقیقت کے کھلے دل سے مقر و معترف ہوگئے کہ "قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید" بلکہ اہل اللہ کا ہر قول و فعل منشائے ربانی کی روشنی ہوتا ہے۔

رت والا کی نوعمری و آغاز ملازمت ہی کا واقعہ ہے کہ محدث جلیل حضرت س مولانا خلیل احمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ کسی سفر میں تشریف لے جارہے ۔ اور جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے اکابر اساتذہ آپ کے ہمرکاب حضرت والاؒ بھی ہمراہ تھے جو عمر میں سب سے چھوٹے اور بظاہر مرتبہ میں بھی قت سب سے کم تھے بس وہی حیثیت تھی جو اساتذہ کے سامنے کسی طالب علم

کی ہوئی ہے ۔سب حضرات بیٹھ گئے اور حضرت اقدس سہارنپوریؒ کیلئے نما
اشراق کی غرض سے ریل میں مصلیٰ بچھا دیا گیا حضرت والاؒ جگہ نہ ہونے کی وجہ
کھڑے ہو گئے ۔حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے حضرت والا کو کھڑا ہوا دیکھ
ارشاد فرمایا ،، مولوی اسعد اللہ تم یہاں آجاؤ ،، اور اپنے مصلے پر بیٹھنے کیلئے ا
فرمایا ۔حضرت والاؒ نے اپنے استاذ و مربی کے حکم کی تعمیل اسطرح کی کہ مصلے
ایک کونہ اٹھا دیا اور وہاں بیٹھ گئے ۔حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحبؒ
فرمایا اس پر نجاست تو نہیں لگی ہے ، حضرت والاؒ فرماتے تھے کہ میں حضرت اقد
رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد پر ادبا خاموش ہو گیا ۔حضرت والاؒ فرماتے تھے
میں نے یہ واقعہ حضرت مولانا تھانویؒ کی خدمت میں عرض کیا تو حضرت تھانویؒ
ارشاد فرمایا کہ (اگر موقع ہوتا) تو اس کا جواب یہ ہوسکتا تھا کہ اس مصلے میں
نجاست نہیں ہے لیکن مجھ میں نجاست ہے حضرت والاؒ کا اصلاحی تعلق حضر
تھانویؒ کے دامن فیض و تقدس سے وابستہ تھا اسلئے حضرت اقدس مولا
تھانویؒ نے اپنے اس مرید با اخلاص کی تکمیل تربیت و ادب اور کمال تہذیب
و اخلاق کیلئے یہ ہدایت فرمائی اور اس خالص مؤدب و مہذب جواب کی تع
دی ۔تاکہ آج کا یہ مرید باصفا کل بزم تھانوی کا ممتاز و ضوفشاں چراغ بن
اپنے انوار سے اس عالم رنگ و بو کو جگمگا دے ۔
اس واقعہ سے ایک طرف تو حضرت تھانویؒ و حضرت سہارنپوریؒ کا حضرت
سے قلبی تعلق و محبت اور تخاصانہ نگاہ تربیت معلوم ہوئی اور دوسری طرف حضر
والاؒ کی ان دونوں اکابر سے وابستگی و ادب کے ساتھ انتہائی یگانگت و قرب
ہوا مختلف تحریکات ، جلسوں ، اور سفروں میں حضرت اقدس مولانا خلیل احمدؒ
آپ کو اپنے ہمراہ رکھتے اور بیانات کرنے خطبہ صدارت پڑھنے ، اور پیغامات
و تجاویز کے سنانے وغیرہ امور سب حضرت والا ہی کے حوالہ رہتے تھے اور حضر
والا اپنی خصوصیات فصاحت و طلاقت شجاعت و علو ہمت کے ساتھ عل
و عملی اعلیٰ صلاحیت کی وجہ سے اسکے بالکل اہل تھے اور حضرت سہارنپوریؒ کے
پاس آپکا کوئی بدل نہ تھا ۔

حضرت شیخ الاسلام پاکستان

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت والاؒ کے استاذ تھے اسکے باوجود حضرت والاؒ کے بہت ہی معتقد تھے اور آپ کی انتہائی قدر فرماتے تھے۔ حضرت شیخ الاسلام موصوف ہی کا ارشاد ہے کہ :

" مولانا اسعد اللہ صاحبؒ گو میرے شاگرد ہیں لیکن علم و تقدس میں مجھ سے بدرجہا افضل ہیں "

حضرت حکیم الاسلام

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ تمام اکابر دیوبند، علمائے عصر کی مسلم الثبوت شخصیت، حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے اجل خلیفہ، حضرت شیخ الہند علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے معتمد علیہ شاگرد رشید اور اپنے دور کے صدر العلماء تھے دار العلوم دیوبند کی نصف صدی سے زائد کی تابناک تاریخ ان کی ذات عالی سے وابستہ ہے اور بلاشبہ ان کا وقار تمام علمائے دیوبند کا وقار ہے۔ بایں ہمہ اوصاف حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت والاؒ سے محبت عاشقانہ تعلق تھا، حضرت والاؒ سے ملاقات کرنے کیلئے بار بار سہارنپور تشریف لاتے تھے کسی طویل سفر سے واپس آتے تو جبتک حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات نہ فرما لیتے ان کو چین نہ آتا۔ حضرت والاؒ کے خادم مجاز مولانا رئیس الدین صاحبؒ فرماتے ہیں کہ :

حجۃ الاسلام حضرت ناظم صاحبؒ پر ضعف کا ابتدائی حملہ ہو چکا تھا۔ اکثر کوئی نہ کوئی خادم مسجد تک لے جاتا تھا اور پھر مسجد سے حجرہ تک آپ کسی خادم کے سہارے سے تشریف لاتے تھے۔ صبح کا وقت تھا حضرت والاؒ آرام فرما رہے تھے نیند آگئی تھی اور میں ہی حضرت والاؒ کے پاس تھا کہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہٗ تشریف لے آئے ان کے ہمراہ دار العلوم دیوبند کے اکابر اساتذہ بھی تھے حضرت حکیم الاسلام یورپ کے کسی طویل سفر سے تشریف لائے تھے۔ حضرت حکیم الاسلامؒ کے صاحبزادہ محترم حضرت مولانا محمد سالم صاحب نے حضرت والاؒ کے حجرہ میں جھانکا اور فرمایا کہ

حضرت مہتمم صاحب باہر تشریف فرما ہیں، حضرت والاؒ کی زیارت و ملاقات چاہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا، حضرت سو رہے ہیں،، اور میں خود بھی حجرہ کے باہر برآمدہ میں چلا گیا۔ حضرت حکیم الاسلام صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے یہ معلوم ہونے کے بعد کہ حضرت سو رہے ہیں فرمایا کہ کیا صرف زیارت ہو سکتی ہے؟ میں نے عرض کیا ،، جی ہاں ،، اور میں نے حجرہ کا دروازہ کھولدیا حضرت مہتمم صاحب اور ان کے ہمراہی سب حضرات اندر تشریف لے آئے۔ ابھی وہ حضرات کھڑے ہی تھے کہ حضرت والاؒ کی آنکھ کھل گئی ارشاد فرمایا کون صاحب ہیں؟ حضرت مہتمم صاحب نے فرمایا ،، طیب، دارالعلوم دیوبند سے حاضر ہوا ہے۔

حضرت والاؒ نے ان کے اعزاز میں فوراً قالین بچھوائی اور گاؤ تکیہ رکھوا دیا اور خود بھی چارپائی سے نیچے اتر کر بیٹھ گئے میں نے حضرت والاؒ کے پیچھے بھی ایک بڑا تکیہ رکھ دیا۔ لیکن تکیہ سے ٹیک نہ حضرت حکیم الاسلامؒ نے لگائی اور نہ باوجود ضعف حضرت حجۃ الاسلام نے (حضرت حکیم الاسلام اس وقت تندرست تھے اور حضرت والا بیمار اور کمزور تھے)

طرفین سے یہ ایک دوسرے کا انتہائی ادب و احترام تھا۔ حضرت حکیم الاسلام مہتمم دارالعلوم دیوبند نے فرمایا یوں تو دنیا میں تعلق سبھی سے ہوتا ہے مگر مجھے حضرت والا سے بہت ہی زائد خاص تعلق ہے کل پرسوں میں سفر طویل سے واپس ہو کر دیوبند حاضر ہوا ہوں لیکن حضرت والاؒ کی زیارت و ملاقات کے بغیر رہا نہ گیا اور میں حاضر خدمت ہو گیا۔ اس پر حضرت حجۃ الاسلام ناظم مظاہر علوم نے حضرت مہتمم صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ پھر حضرت مہتمم صاحب نے باندازِ حکیمانہ ارشاد فرمایا کہ ویسے تو حضرت والاؒ کا اسم گرامی سعادت سے مشتق ہے اور (لکل لہ من اسمہ نصیب کے اصول سے) سعادت کے جملہ آثار حضرت والاؒ کی ذات گرامی میں نمایاں ہیں لیکن حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کی صحبت کیمیا اثر نے حضرت والا کو کندن بنا دیا ہے۔

وفات کے بعد تعلق

زیر نظر کتاب ،، حیات اسعد،، کی کتابت کا معاملہ طے ہوا تو کاتب صاحب سے گفتگو کے درمیان میں نے عرض کیا کہ کتابت میں آپ سستی نہ کریں حسب وعدہ طے شدہ مقدار کی کتابت

کرتے رہیں گے کاتب صاحب نے فرمایا کہ آپ اعتماد کریں کہ میں پوری محنت سے کام کرونگا وعدہ خلافی اور سستی نہ ہوگی۔ اسکے باوجود درمیان میں سستی ہوئی اور طے شدہ مقدار سے کام گھٹ گیا۔ کاتب صاحب کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کو دیکھا۔ ملاقات کی تو حضرت موصوف نے تنبیہ فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ کام محنت سے کرو اور اعتماد بحال رکھو۔ اس سے حضرت والا کے ساتھ حضرت حکیم الاسلام کے تعلق کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت والا کی سوانح سے بھی انکو خاص دلچسپی ہے اور ان حضرات کی روحانی توجہات اسطرف مبذول ہیں۔

چند اکابر مدرسین دارالعلوم دیوبند مولانا رئیس الدین صاحب جو ان دنوں مظاہر علوم میں زیر تعلیم تھے اور حضرت والاؒ کی خدمت میں رہتے، بیان فرماتے ہیں کہ ایام ضعف ہی کا قصہ ہے کہ خدام حضرت والا کو نماز جمعہ کیلئے مسجد میں لیگئے حضرت والاؒ کی عادت تھی کہ جماعت میں بالکل امام کے پیچھے اگلی صف میں تشریف فرما ہوتے تھے جب نماز ہوچکی تو حضرت والا وہیں سنن و نوافل میں مصروف ہوگئے اور خدام نماز سے فارغ ہوکر ایکطرف کو اس انتظار میں بیٹھ گئے کہ حضرت والاؒ فارغ ہو جائیں تو ان کو حجرہ میں لے جائیں اسی دوران حضرت مولانا فخر الحسن صاحب مراد آبادی صدر مدرس دارالعلوم دیوبند، حضرت علامہ مولانا محمد حسین صاحب بہاری مشہور استاذ دارالعلوم دیوبند اور دیگر ممتاز اساتذہ دارالعلوم تشریف لے آئے۔ اور پوچھا کیا اس وقت حضرت والا سے ملاقات ہوسکتی ہے؟ عرض کیا گیا جی ہاں ابھی نماز سے فراغت پر ملاقات ہوجائے گی۔ اتنے میں حضرت والاؒ نے سلام پھیر دیا اور نماز سے فارغ ہوگئے تو حضرت مولانا فخر الحسن صاحب نے مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھا دیئے۔ حضرت والاؒ نے پوچھا کون صاحب ہیں؟ مولانا نے موصوف فرمایا۔ فخر الحسن دارالعلوم سے، اسپر حضرت والاؒ نے مسکراتے ہوئے فرمایا میں بڈھے فخر الحسن کو نہیں جانتا ہوں (اسوقت مولانا نے موصوف پر بڑھاپے کے آثار نمایاں ہوچکے تھے) موصوف خاموش رہے تو

حضرت نے فرمایا ,, بوڑھے ہو گئے ،، پھر علامہ محمد حسین صاحب نے مصافحہ کیا ان سے بھی حضرت نے فرمایا بھائی بوڑھے ہو گئے ہو۔ یہ دونوں حضرات چونکہ حضرت والاؒ کے شاگرد تھے اسلئے حضرت والاؒ نے محبت آمیز تعجب و بے تکلفی کا اظہار فرمایا۔ پھر حضرت والاؒ خادم کے سہارے حجرہ میں تشریف لے آئے یہ حضرات بھی ساتھ ساتھ آگئے۔ حضرت والاؒ ضعف کی وجہ سے لیٹ گئے تو حضرت علامہ محمد حسین صاحب نے پاؤں دبانا شروع کر دیئے اسپر حضرت نے فرمایا مجھے شرمندہ نہ کریں تو حضرت علامہ نے بہت ہی ادب اور لجاجت سے عرض کیا۔ کہ ,, حضرت میں تو اس در کا کتا ہوں ،، حضرت علامہ نے یہ بات دو مرتبہ فرمائی۔ حضرت والاؒ نے فرمایا کہ ایسا نہ فرمائیں۔

ان واقعات سے ایک طرف تو اکابر کی آپسی مخلصانہ محبتوں پر روشنی پڑتی ہے دوسرا اساتذہ و تلامذہ کے باہمی بے لوث اور والہانہ ربط و تعلق کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی ربط باہمی سے افادہ و استفادہ کے دریا بہہ رہے تھے آج اسی ادب و تہذیب، محبت و عقیدت اور مہر و شفقت کا فقدان ہے جس کے نتیجہ میں افادہ و استفادہ کے دروازے بند ہو گئے اور علم و عمل کی روش کی جگہ بدعملی، وجہل کی تاریکیاں بڑھتی جارہی ہیں۔ حضرت والاؒ نے فرمایا۔

وفا غرض ہے، محبت ہوس، خلوص نفاق :. ہر اک چیز بُرائی ہے اس زمانے کی

اس سلسلہ کے واقعات بے شمار ہیں ان چند واقعات کو بطور نمونہ و مثال پیش کر دیا گیا۔ اسی کتاب کے دوسرے مواقع میں بھی اس نوع کی بہت سی چیزیں مذکور و موجود ہیں۔

چند بزرگوں کے ارشادات

(۱) حضرت مولانا سید عبدالشکور صاحب ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ,, حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب مرحوم اپنے وقت کے عظیم محدث، مفسر، فقیہ اور محقق تھے تحریر و تقریر اور مناظرہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے ،،

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مفتی اعظم پاکستان نے فرمایا کہ:
رحجۃ الاسلام حضرت مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت ہماری کمر ٹوٹ گئی ہے وہ ہمارے شفیق استاذ و مربی تھے اور اسلاف کی نار تھے،

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی مدیر "بینات کراچی" فرماتے ہیں کہ:
حضرت مولانا مرحوم کے ساتھ مظاہر علوم کی نصف صدی سے زیادہ کی تاریخ ستہ ہے۔ موصوف کو فرق باطلہ کے رد اور مباحثہ و مناظرہ کا بھی ذوق تھا۔ ں نے آریوں، قادیانیوں اور دیگر گمراہوں کے ساتھ بڑے کامیاب مناظرے اور اپنے فریقوں کو ہمیشہ شکست دی وہ برجستہ اور فی البدیہہ شعر کہا تے تھے۔ مزاج میں مزاح اور انبساط بھی خوب تھا وہ طلبہ کو لطیفے اور کلے بھی خوب سناتے تھے۔ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی کے خلیفہ خاص اور انکی خدمت میں حاضری کے بعد آپ کی کایا پلٹ ہوگئی تھی اور صوفی ں، عارف و مرشد بن گئے تھے حق تعالیٰ شانہ حضرت مرحوم کو اپنے قرب و کے درجاتِ عالیہ سے نوازے آمین۔

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدیر "الحق" اکوڑہ خٹک لکھتے ہیں کہ:
رت مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور ایک الاجیت منتظم، حدیث کے بلند پایہ استاذ، ایک عظیم شیخ طریقت اور عالم دین تھے، مولانا مرحوم نے عمر بھر دین اور طلبہ دین کی خدمت کی آپ رت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ کے دیرینہ رفیق اور معتمد تھے حق تعالیٰ ان کے فیوض و برکات کو جاری رکھے آمین ؎

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے ۔۔ سبزۂ نورستہ تیرے در کی دربانی کرے

حضرت مولانا عبد الجبار صاحب شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد تے ہیں کہ:
حضرت اقدس مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ی ہی عجیب و غریب تھی علوم و فنون، معقول و منقول میں مہارت تامہ کے باوصف

وہ بہت بڑے ادیب اریب تھے ہزارہا اشعار ان کو محفوظ تھے جو موقع بمو پڑھتے تھے اور فی البدیہہ و برجستہ اشعار فرماتے تھے لیکن وہ طلبہ کیلئے شعر گوئی کو ناپسند فرماتے تھے ایکمرتبہ ایک افغانی طالب علم نے ایک پرچہ پر کچھ اشعار لکھ کر اصلاح کیلئے حضرت کی خدمت میں پیش کئے آپ نے ناگواری کا اظہار فرماتے ہوئے اس پرچہ کی پشت پر یہ شعر لکھ دیا کہ

اثر جب طالبانِ علم پر ہوتا ہے شیطاں کا ۔۔ خیالِ شاعری میں وقت کو برباد کرتے ہیں

الحاصل تمام علمائے عصر اور دورِ حاضر کے اکابر و اصاغر سب کے سب حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی جامعیت اور نادرۂ روزگار شخصیت کے قائل و معترف ہیں بعض علوم عقلیہ ونقلیہ میں مہارت اور ابواب خیر و اعمال صالحہ میں سے بعض میں کمال تو امت میں بہت ملتا ہے ۔ لیکن جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ اور فنون ادبیہ میں مہارت تامہ اور حذاقت کاملہ کے ساتھ ساتھ تحریر و تقریر تصنیف و تالیف وعظ و مناظرہ ، تصوف و سلوک معرفت و طریقت اور خلق اللہ کی ہر نوع اصلاح وتربیت کے کمالات عموماً شخص واحد میں جمع نہیں ہوتے لیکن حق تعالیٰ شانہ نے حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو ان صفات و کمالات کا جامع بنایا تھا مذکورہ اوصاف میں سے ہر وصف میں غیر معمولی مہارت و حذاقت اور رفعت و بلندی سے سرفراز فرمایا تھا ۔

ولیس علی اللہ بمستنکر ۔۔۔ ان یجمع العالم فی واحد

اور یہ بات اللہ تعالیٰ پر کچھ دشوار نہیں ۔۔ کہ پورے عالم کو ایک میں جمع فرما دیں

حق کیلئے بیمثال جہاد اور سب سے بڑا مجاہد

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی ۔۔ اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

یقیں محکم ، عمل پیہم ، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

وفنون میں قابلِ رشک مہارت، درس و تدریس اور وعظ و تلقین و تبلیغ
غالی انہماک و مصروفیت، شعر و سخن اور اشعار و ادب سے شوق و دلچسپی
خاص رغبت اور اوراد و وظائف پر دوام و مواظبت کے ساتھ ساتھ گوناگوں
داریوں کی کثرت کا تقاضا تو یہ تھا کہ آپ کے حاشیۂ خیال میں بھی کوئی دوسرا
نہ گذرتا اور آپ کسی اور محاذ کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتے مگر اللہ و رسول اللہ
اللہ علیہ وسلم) کے عشق، اسلام و مسلمین کی محبت و خیر خواہی نے اس غیور شجاع
نشأت عبادۃ اللہ کے سچے مصداق جوانِ سعادت نشان کو باطل اور باطل
نوں کے مقابلہ میں لے جاکر کھڑا کر دیا۔ پھر دنیا نے دیکھا کہ اس شیر خدا کے
بکرشتے ہی کفر و ضلالت اور گمراہی و جہالت کی ذلیل لومڑیاں اپنے اپنے
بلوں میں کسطرح جا گھسیں اور وہ بزدل و فریب کار عناصر جو سیدھے
مسلمانوں کو مغالطوں کے جال میں پھنسا کر یا دولت و ثروت کا دامِ ہمرنگ
شکار کرنا چاہتے ہیں۔ حضرتِ والاؒ کے بروقت برسرِ پیکار آجانے سے
ذلت و خواری کے ساتھ پسپا ہوئے اس ولی اللّٰہی جماعت نے جس کے اس
میں سرگروہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ تھے ایک طرف تو ان بھولے بھالے مسلمانو
اشدہی کے خطرناک سیلاب سے متأثر ہو کر مرتد ہو رہے تھے۔
ہولناک سیلاب سے بچایا اور جو ضلالت میں ڈوب چکے تھے ان کو دوبارہ
بخشی یعنی ان کو دوبارہ حلقہ بگوشِ اسلام کیا اس سے بڑھ کر ان کی مساعی
برت سے اغیار دانشوروں نے بھی سچی پکی توبہ کی اور دینِ برحق کی ... عداوت
سے دست بردار ہو کر اسلام کے سچے عاشق اور شیدائی بن گئے۔
ی طرف مناظروں اور مباحثوں کے میدانوں میں باطل پرستوں کے سنگین
وں کو زورِ خطابت و قوتِ دلائل کی آبدار تلواروں سے کاٹ کر رکھ دیا —
بیانِ کفر و باطل میں ایک زبردست ہلچل مچادی۔
ت والاؒ کی پاکیزہ جوانی کے یہ دونوں کارنامے (ارتداد کے مقابلے اور کامیاب
ے) تاریخ ملت کی حسین پیشانی پر تا دیر سورج کیطرح چمکتے رہیں گے۔
دو عنوانوں کے تحت ہم انہیں دونوں شاندار و بے نظیر کارناموں کی مختصر کارگزاری

اور اجمالی کیفیت و داد لکھتے ہیں ؎

عزم والو! حوصلہ کی داد دینا چاہیئے = مجھکو منزل پر گمانِ گردِ منزل ہو گ

میرے منھ سے بجائے سانس کے شعلے نکلتے ہیں
تماشا ہے محبت میں ہوا کا نار ہو جانا (حضرت والا)

ایک نازک مزاج و نازک بدن جوانِ صالح کی دین و ملت کی خاطر یہ عظیم شفقتیں کوئی دل لگی نہیں۔ آنے والے دونوں عنوانوں سے پہلے حضرت والا کے اس و کے ان جذبات کو ملاحظہ فرمائیے جنکو انھوں نے زبانِ شعر میں ظاہر فرمایا اور اپنے عمل سے ان کا مکمل ثبوت پیش فرما دیا تھا۔

جزاہ اللہ احسن الجزاء

اسعدی جذبات

تبلیغ کے کاموں پر، ہم خون بہا دیں گے
افسانۂ ملت کو، رنگین بنا دیں گے

کفار کے خرمن پر، ہم برق گرا دیں گے — پھر شرک کے گلشن میں ہم آگ لگ
ہمت سے سبق اپنے مسلم کو پڑھا دیں گے — ناواقفِ ناکامی، ہم اس کو بنا دیں
آثارِ اولوالعزمی، دنیا کو دکھا دیں گے — ہر ذرۂ خاکی کو، خورشید بنا دیں
توحید کے نغمے ہم، دنیا کو سنا دیں گے — بدعت کو جلا دیں گے سنت کو چلا د
ہاں طبِ نبی کا ہم اعجاز دکھا دیں گے — امراضِ ضلالت سے، دنیا کو شفا
تبلیغ کے کاموں پر، ہم خون بہا دیں گے — افسانۂ ملت کو، رنگین بنا دیں
وہ نام کریں گے ہم، وہ کام کریں گے ہم — مستقبلِ مسلم سے، ماضی کو بھلا د
اخلاص کی قوت سے، اسلام کی طاقت سے — مسلم کو بڑھا دیں گے الحاد کو گھٹا
اخلاق کے حربوں سے، تبلیغ کے جذبوں سے — دنیا کا بدل جانا، دنیا کو دکھا دیں

مسلم لا یعلیٰ، المسلم لا یعلیٰ — دنیا کو دکھا دیں گے دنیا کو بتا دیں گے

... ذوی الدنیا لا یمنعنا اصلا — ہم دین کی طاقت سے، دنیا کو ہلا دیں گے

عاجز نہ ہمیں جانو، ناصر نہ ہیں سمجھو — ہم کفر کی شوکت کو، مٹی میں ملا دیں گے

ہم بات کے سچے ہیں، ہم قول کے پکے ہیں — جو کچھ بھی کہیں گے ہم وہ کر کے دکھا دیں گے

... قیل لنا قوموا ... ولنا اولیٰ — اس جوش عمل سے ہم، اعدا کو مٹا دیں گے

ہم عزم مصمم سے، ہم کوشش پیہم سے — اعدا کی مساعی کو، ناکام بنا دیں گے

ہم قلب کی طاقت سے، ہم روح کی قوت سے — فتنوں کو دبا دیں گے، جھگڑوں کو مٹا دیں گے

ہر رنگ منافقت کو، ہر قسم ضلالت کو — پاؤں سے کچل دیں گے، مٹی میں ملا دیں گے

ارشاد و ہدایت سے، تبلیغ و اشاعت سے — بتخانوں کو ڈھا دیں گے، گرجوں کو گرا دیں گے

مایوس نہ ہو اسعد جو کچھ بھی کہے گا تو
اسلام کے شیدائی، وہ کر کے دکھا دیں گے

درخواست :- حضرت والاؒ کے متوسلین و متعلقین سے درخواست ہے کہ حضرت حجۃ الاسلام کے متعلق مزید معلومات خصوصا آئندہ کے دونوں عنوانوں کے تحت مستند واقعات سے مطلع فرمائیں تا کہ دوسرے ایڈیشن میں انکو شامل کر کے سوانح کی تکمیل ہو سکے - فقط نسیم احمد غازی مظاہری

---

۱ مسلمان زیر نہیں ہوتا، مسلمان لند نہیں ہوتا ۱۲ منہ

۲ دنیا داروں کے سر و سامان ہم کو ہرگز روک نہیں سکتے یا یہ لفظ اغراض ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ دنیا والوں کے مقاصد (عزائم) ہرگز ہم کو روک نہیں سکتے واللہ اعلم ۱۲ نسیم غازی مظاہری

۳ اگر ہم سے کھڑے ہونے کا مطالبہ ہوگا تو ہم دوڑنے کو تیار ہیں یعنی ہم وقت کے تقاضوں پر بڑھ چڑھ کر مجاہدوں کے لئے آمادہ ہیں اور جو قربانیاں ہم سے مانگی جائیں گی ان سے زائد پر ہم تیار ہیں ۱۲ نسیم احمد غازی مظاہری

۴ بدبختی کے تخت کو اور گمراہی کے تاج کو ۱۲ نسیم احمد غازی مظاہری

فتنۂ ارتداد کا زبردست مقابلہ

یوں تو آپ کی پوری زندگی علم و عمل اور احیائے دین کے لئے مسلسل جد و جہد میں بسر ہوئی ہے آپ نے اپنی تمام قوتیں اور صلاحیتیں علوم و فنون عرفان و معارف کے استفادہ اور افادہ نیز دین محمدی کے فروغ و ترقی، اسلام و مسلمین کی خیر خواہی اور کلمۃ اللہ کی بلندی پر قربان کیں لیکن بعض اعتبارات سے سب سے زائد خطرناک صبر آزما اور دشوار ترین مجاہدہ اور آپ کا ممتاز ترین کارنامہ فتنۂ ارتداد کا مقابلہ ہے۔ بلواڑی، پنجاب، راجپوتانہ، متھرا، آگرہ اور نوگانوہ وغیرہ کی سرزمین آپ کی ان زریں خدمات کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی جو آپ نے ارتداد اور شدھی کے سنگین، ہولناک حملوں کو پسپا کرنے اور کفر و ضلالت کے ناپاک و خطرناک سیلاب کو روکنے میں انجام دیں۔ تاریخ کے اس تاریک و ہولناک دور میں راجپوتانہ اور ملکانوں کا علاقہ آپ کیلئے گھر کا آنگن بنا ہوا تھا قریہ قریہ گاؤں گاؤں آپ تشریف لے جاتے وعظ فرماتے تقریریں کرتے مناظروں کے چیلنج کرکے آریوں اور دشمنان اسلام کی سازشوں کو کچلتے، مسلمانوں کے تحفظ حق پر جم جاتے اور کفر کے درندوں کو میدان سے بھگاتے تھے۔ آپ اسلام دشمن جماعتوں پر بجلی بن کر گرتے اور ان کے ناپاک آشیانوں کو خاکستر بنا دیتے تھے اس دور شباب میں آپ کی جذبۂ غیرت اور اسلامی حمیت پورے جوش پر تھی آپ کے جلال و قہر کا یہ عالم تھا کہ آپ کفر و باطل کے سروں پر شمشیر برہنہ بن کر برس رہے تھے۔ نزاکت طبعی، راحت و آرام اور اغیار کے اندیشوں سے بے نیاز ہو کر سر بکف آپ روز و شب بیابانوں اور ریگستانوں کے دشوار گذار اور خطرناک سفر کرتے اور اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ فاقہ پر فاقہ کرنا، چنے چبا کر اوقات بسر کرنا، کسی ریت کے تودے یا درخت کے سایہ میں ظاہری حفاظت سے بے نیاز ہو کر اور اپنے مولائے تعالیٰ کے خود کو سپرد کر کے راتوں کا بسر کر دینا آپ کا معمول بن گیا تھا۔

ان علاقوں میں مذہبی تعصب اور بیگانگی و درندگی زیادہ ہوتی وہاں کے دوکاندار
آپ کے ہاتھوں چیز فروخت کر دینے سے بھی انکار کر دیتے تو آپ بخوشی فاقہ برداشت
کرتے، وہاں کے باشندے آپ کو راستہ بتانے سے گریز کرتے، آوازے
کستے، برا بھلا کہتے، مذاق اڑاتے لیکن آپ اسلام کی سربلندی، مسلمانوں
کی خیر خواہی اور حق تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر سب پر صبر کر لیتے تھے۔
آپ پر اس زمانہ میں جذبۂ دعوت و تبلیغ اسقدر چھا گیا تھا اور اظہار حق کیلئے
مناظرہ و مباحثہ کا شوق اسقدر غالب آگیا تھا کہ آپ بغض و عناد سے بھرے ہوئے
علاقوں میں جہاں کوئی شناسا و آشنا تو کیا ملتا کوئی کلمہ گو دین اسلام کو ماننے
والا ایمان والا بھی نہ ہوتا تھا آپ تمام خطرات و خدشات کا مقابلہ کرتے ہوئے
کبھی جماعت لیکر اور بسا اوقات تن تنہا پہنچ جاتے اور وہاں پورے یقین
و وثوق اور بھرپور عزم و حوصلہ کے ساتھ کھل کر وحدانیت و رسالت کی سب کو
دعوت دیتے۔ اسلام پر کیے جانے والے اعتراضات کے تسلی بخش جوابات دیکر
سب کی تشفی فرماتے اور سامعین پر یہ حقیقت واضح فرما دیتے کہ دنیا میں صرف
اسلام ہی ایک مذہب برحق ہے جو تمام انسانوں کی صلاح و فلاح کا ضامن ہے
آپ کی فصیح و مدلل تقریروں سے متاثر ہوکر مرتد ہونے والے مسلمان اسلام
پر جم جاتے اور معاندین و کفار حقیقت کو بے نقاب دیکھکر حق کیطرف مائل
ہوتے اور بہت سے غیر مسلم آپ کے مواعظ کو سنکر مشرف باسلام بھی ہوجاتے
آپ کو جب کسی علاقہ یا گاؤں کے متعلق معلوم ہوتا کہ وہاں صبح کو ارتداد کا بازار
گرم ہوگا اور آریہ سماج کے بڑے بڑے لیڈر، پنڈت مدن موہن مالویہ
شردھانند، پنڈت دھرم بھکشو وغیرہ وہاں آرہے ہیں۔ تو آپ بے چین
ہو جاتے اور ہزار دقتیں برداشت کرکے، اور سینکڑوں خطرات کو انگیز
فرماکر راتوں رات اس علاقہ میں پہنچ جاتے اور صبح ہوتے ہی مدلل و مستحکم
تقریر و بیان حق نشان کے ذریعہ میدان کو اپنے ہاتھ میں لے لیتے۔ اور
اسلام کی حقانیت کو ثابت کرکے باطل کے تار و پود اس طرح بکھیر دیتے کہ
باطل پرست لیڈر و پنڈت ششدر و حیران اور خاموش رہ جاتے

اور باطل پرستوں پر عرصۂ حیات ایسا تنگ کر دیتے کہ ان کو میدان چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرنی پڑتی کتنی ہی مرتبہ ایسا ہوا کہ باطل کے ان علم برداروں نے اپنے پروگرام اور جلسے صرف اس لئے ملتوی کر دیئے کہ جامعہ مظاہر علوم کی جانب سے شیر خدا حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب پہنچ چکے ہیں اور ان کے خلاف دفاعی عمل مضبوط کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا ایسا رعب دشمنوں کے قلوب پر ڈالا تھا کہ آپ کا نام سنکر ان کے پتے پانی ہو جاتے اور قلوب لرزنے لگتے یہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی برکت تھی جسکی وجہ سے نصرت بالرعب کا مظہر حق تعالیٰ نے آپ کی ذات والا صفات کو بھی بنا دیا تھا۔

فجزاہ اللہ تعالیٰ عن الاسلام والمسلمین

مشکلات کی کہانی خود حضرت کی زبانی

راجپوتانہ پہنچکر حضرت والا اور دیگر حضرات مبلغین کو جو تکلیفات اور اذیتیں اور مصیبتیں اٹھانی پڑیں اور جن پریشان کن وصبر آزما حالات سے انکو دوچار ہونا پڑا ان کا کچھ اندازہ ان دو خطوط سے لگایا جا سکتا ہے جو رئیس المناظرین وصدر المجاہدین حضرت اقدس مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب نے وہاں کے چشم دید حالات، بود و باش اور اپنی قربانیوں اور محنتوں کی سرگزشت کے واقعات تحریر فرماتے ہیں یہ خطوط اس وقت کے ناظم اعلےٰ مدرسہ مظاہر علوم حضرت مولانا سید عبد اللطیف صاحب کے نام ہیں۔

مکتوب نمبر ۱

محترم و مطاع بندہ جناب حافظ عبد اللطیف صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں اس وقت متھرا کے دفتر میں موجود ہوں اور چونکہ دفتر میں مجھے ہر قسم کی رپورٹیں دیکھنے کا اتفاق ہوا نیز مختلف کارکنوں سے اس درمیان میں تفصیلی گفتگو کا موقع ملا اسلئے جناب کی اطلاع کیلئے اس تھوڑی سی مہلت میں جو کچھ یہاں میسر ہے جستہ جستہ لکھو ں کا حالات قلم بند کر کے ارسال کرتا ہوں۔

ہماری جماعت ۳ اپریل ۱۹۲۳ء کو دو بجے آگرہ پہنچی تین بجے دفتر میں داخل ہوئی

ب رکھکر مولوی عبدالحی صاحب ناظم اور مولوی وحید اللہ صاحب
ینی کے نائب ناظم صاحب سے گھر سے مراسم ہیں ملاقات ہوئی۔ مجھے سب سے
دفتر کا کام سپرد کیا گیا گو سفر کا نکان تھا لیکن اول تو تفتیش مقصود تھی
مگر دفتر میں تمام قرب وجوار کے مبلغین کی روزانہ تفصیلی رپورٹیں آتی ہیں
ابتدار سے معلومات کا مل جانا۔ آئندہ کام کرنیکے لئے نہایت مفید خیال
بعد عشار تین گھنٹے تک دفتر کے کام میں مصروف رہا دوسرے دن چار
۱۹۲۳ء کو بھی رپورٹوں کے متعلق دفتر میں صبح سے گیارہ بجے تک کام کرنا
جیسا خیال تھا یہ رپورٹیں نظر سے گذر جانا اپنی جماعت کے لئے
کام کرنے میں بہت آسانیاں پیدا کرے گا۔ چار اپریل ۲۳ء کی
ب ہمارے متعلق جائے تعیناتی میں تذبذب تھا۔ اول خیال ہوا کہ ہم
پوری کے علاقہ میں تعینات کیا جائے بعد میں قرار پایا کہ متھرا میں تمام
ت یکجا رہ کر کام کرے۔
اپریل ۲۳ء کو علی الصباح ہم لوگ متھرا پہنچے۔ یہاں مولانا عرفان صاحب
ی سے ملاقات ہوئی شام کو یہ قرار پایا کہ میں خاص متھرا میں رہ کر کام
اور میرے رفقار موضع کراری میں جو رایہ کے اسٹیشن سے گیارہ کوس
ضع ہے اپنا صدر مقام بنا کر مواضعات لوہی، سلالا نپور، پنڑہ، سرخرد
یغ کا کام کریں گے اور شام کو روزانہ کراری میں جمع ہوجایا کریں، چھ اپ
یل ۲۳ء کی صبح کو میرے رفقاء اسٹیشن رایہ کیطرف روانہ ہوئے
تنہا دفتر متھرا میں رہ گیا نماز جمعہ متھرا کی جامع مسجد میں ادا کی بعد
ب الارشاد مولانا عرفان صاحب اسلام کی خوبیوں اور اعلائے کلمۃ اللہ
ض پر میں نے ایک مبسوط تقریر کی بحمداللہ سامعین پر اچھا اثر ہوا گو
یناتی متھرا کے دفتر میں ہوئی ہے لیکن نماز جمعہ سے کچھ ہی پہلے دفتر میں
آئی کہ آگرہ سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر دو موضع ہیں پائی اور
موضعوں میں پانچ اپریل ۲۳ء کو کچھ مسلمان اشدھ کیئے جانے والے
اتفاق سے ایک مسلم راجپوت کی لڑکی کا انتقال ہوگیا اسلئے بجائے

پانچ اپریل ۲۳ء کے دس اپریل ۲۳ء تبدیل ہو گئی۔
مولانا عرفان صاحب نے اس اشدھی کو رد کرنے کیلئے مجھے مامور فرمایا۔
اس عجلت میں محض اجمالی حالات لکھ کر روانہ ہوتا ہوں جن موضعوں میں
میں جا رہا ہوں۔ تقریباً پچھتر (۷۵) گھر مسلم راجپوتوں کے ہیں جن کو ملکانے
کہتے ہیں۔ میرے ساتھ دو آدمی معین ہوں گے۔ سفر کیلئے میں نے صرف ا
اور ایک چادر ہمراہ لی ہے۔ دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے تکالیف پر تحم
یہاں پر عالی ہمت، بلند حوصلہ، جفاکش حضرات کی ضرورت ہے جو
برداشت کر لیں وہ لوگ جو پیدل نہ چل سکیں یا خوراک و پوشاک کی تکالیف
نہ کر سکیں یقیناً یہاں بیکار ہوں گے ان مواضعات سے فارغ ہو کر میں
ہی رہ کر کام کرونگا، یہاں ہنود کی کثرت ہے متھرا کی آبادی ستتر ہ
کی ہے جسمیں مسلم صرف دس ہزار ہیں ہنود ہم سے نہایت تعصب کا بر
ہیں جب ہم لوگ اشیاء خریدنے جاتے ہیں تو دینے سے انکار کرتے
وغیرہ میں تکلیف دیتے ہیں۔ متھرا میں دفتر اکتیس مارچ کو قائم ہوا۔
مجلس نمایندگان تبلیغ بھی قائم ہوئی ہے۔ بعض آنے والے حضرات
کرتے ہیں کہ انتظام خراب ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ یہ اعتراض لحاظ
ابتدائی کام میں جو دقتیں پیش آتی ہیں اسکا اندازہ محض کام کرنے و
ہے۔ دیکھنے والوں کو نہیں ہوتا۔ اعتراض آسان ہے کام کرنا مشکل ہے
تجربہ جو اس مدت میں ہوا وہ یہ ہے کہ کام نہایت تندہی اور جانفش
ہو رہا ہے۔ یہاں پر مناظرین اور واعظین کی ضرورت تو ہے تاکہ ہو
پر کمی محسوس نہ ہو لیکن روزمرہ نہیں۔ اتفاقاً وعظ یا مناظرہ کی ضرور
ہے۔ اب جو راستے اہل مجلس نے پاس کی ہے وہ یہ ہے کہ ہر گاؤ
ایک آدمی مستقل طور پر قیام کرے وہاں سے جلدی علیحدہ نہ ہو
کے لوگ وعظ وغیرہ ہیں جتنے ان کے اندر اسلام کی کوئی علامت نہ
صرف چار باتیں ہیں جو اسلامی علامت گنی جاتی ہیں۔ (۱) غلط سا
پڑھتے ہیں (۲) مردے دفن کرتے ہیں (۳) قاضی سے نکاح پڑھو

رخصت کراتے ہیں اور باقی تمام اطوار و عادات ہنود کی ہیں ہم ان کے
علانیہ اسلام کے فضائل بیان نہیں کر سکتے اولاً آہستہ آہستہ آریوں
ند کی برائی کرنا چاہتے ہیں راجپوتوں کی قومی شجاعت، وفا، مروت،
وت کے واقعات بیان کرکے ان کے شریف جذبات کو برانگیختہ
یادہ مفید ہوگا۔ نشست و برخاست میں ان کو بلند و باعزت جگہ دینا
ہ۔ ان لوگوں سے کھیتوں پر جاکر ملنا مقصد برآری میں زیادہ مفید
ہے۔ صدر دفتر آگرہ سے یہ بات معلوم ہوتی تھی کہ آریہ اخبارات اشدی
د ساڑھے سات ہزار بتلاتے ہیں لیکن تحقیق کرنے سے ثابت ہوا کہ
د بالکل غلط ہے۔ البتہ سات سو کی تعداد اقرب الی الصواب ہے۔
دفتر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرتدین کی کافی تعداد مکرر دائرہ اسلام میں داخل
ہے جس کا صحیح اندازہ تقریباً ایک سو پچاس بتلایا گیا۔ مکرر اسلام کے
ت حسن پور آلور۔ رائے بہا وغیرہ مواضعات میں ہوئے ہیں یہاں پر
ت کے ہر گوشہ سے مبلغین آرہے ہیں تاہم ضرورت اور زیادہ
ہے۔ ضرورت اسکی ہے کہ جو صاحب تبلیغ کے لئے آئیں وہ عرصہ تک
یں ماہ دو ماہ رہنے کے قصد سے آنا کچھ زیادہ سود مند نہیں ہوگا
ی عریضہ ختم کرتا ہوں کیونکہ آدھے گھنٹہ بعد یہاں تبلیغ کیلئے روانہ
ہوں گا۔ لیکن ایک ضروری امر قابل اطلاع ہے میں نے سہارنپور ہی
قصد کر لیا تھا کہ اس سفر میں اور مابعد قیام میں جو کچھ صرف ہوگا وہ
تر تبلیغ سے نہ لوں گا۔ بلکہ کل اخراجات اپنی جیب سے کروں گا یہاں
س ارادہ میں تقویت ہو گئی چنانچہ آج صبح ٹکٹ ریل، قلی، شکرم وغیرہ
جرت وکرایہ کے دام کا سب حساب کرکے مولوی احمد نور صاحب کو سمجھادیا
جو مبلغ پانچ روپیہ آپ نے مصارف ذاتی کیلئے دیئے تھے میں نے وہ بھی
ی کر دیئے ہیں۔ انشاء اللہ اب میں اپنا فرض منصبی پہلے سے زیادہ اخلاص
جانفشانی سے انجام دونگا،، فقط والسّلام

محمد اسعد اللہ ۲ راپریل ۱۹۲۳ء

مکتوب ۲ :- چھ اپریل ۲۳ء کو پہلا عریضہ ارسال کر کے
بعد میں تین ہمراہیوں کے ساتھ موضع پائی
ہوگیا موضع پائی متھرا سے تقریباً سات میل ہے لیکن راستہ کی ناواقفیت
باعث عشاء کے قریب پہنچے وہاں بعض دیگر مبلغین ۔ پہلے سے موجود تھے
مل کر ملکانوں کو جمع کیا کچھ لوگ آئے چونکہ ہندو مسلم میں کسی قسم کا امتیاز نہ
اسلئے ہم ان کو مسلمان سمجھے لیکن وہ ہمارے ساتھ تمسخر کرتے اور لغویات
تھے تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ ہندو رہتے بعد میں کچھ مسلمان راجپوت بھی
ان سے گفتگو ہوئی گیارہ بجے تک یہ سلسلہ رہا اس گاؤں میں مسجد نہ
چونکہ کنوؤں میں سے ہم خود پانی نہیں نکال سکتے تھے اور مانگ بھی نہیں
تھے بمجبوری ایک تالاب پر وضو کرکے فریضہ عشاء ادا کیا۔ کوئی محفوظ
سونے کیلئے بھی نہ مل سکی اللہ کے بھروسہ پر ایک ناہموار ریتیلی زمین
شب بسر کی بعد نماز صبح پھر گاؤں کے نمبردار چودہری سے ملے۔
انہوں نے کہا کہ نہ ہم مسلمان ہیں نہ ہندو ہم تمہارے ساتھ کھا پی سکتے
کیونکہ تم بڑا گوشت کھاتے ہو ہم اشدھ بھی نہیں ہوتے البتہ اگر مواضعات
اندمی۔ لوگاواں، اسپار وغیرہ کے لوگ اشدھ ہوجاویں گے تو ہم بھی اشدھ
ہوں گے ورنہ ہماری برادری چھوٹ جاویگی اور رشتہ ناطہ نہ ہوسکے گا
بہت دیر تک گفتگو کے بعد فی الجملہ اطمینان کی صورت ہوئی لیکن قابل اعتماد
چونکہ پائی کی اشدھی کی خبر دس اپریل کی تھی اسلئے بعض مبلغین کو وہاں
کر سات اپریل کی شام کو مور نقار۔ ادھر آیا۔ جو پائی سے ڈیڑھ میل
فاصلہ پر ہے۔ یہاں کے راجپوتوں سے مل کر بات چیت کی گو جوابات
کے بھی تقریباً وہی تھے جو پائی کے راجپوتوں نے دیئے تھے تاہم ان میں اخلاص
اور صلاحیت زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ ان کو خوب اچھی طرح سمجھا کر اطمینان
کے بعد ہم نے متھرا کا قصد کیا کیونکہ معلوم ہوا تھا کہ آٹھ اپریل ۲۳ء
کو لوگانواں میں اشدھی ہونے والی ہے۔ لوگانواں خود بھی متھرا میں
بڑا موضع ہے اور اس کے زیر اثر اور بہت سے گاؤں ہیں شب کو

قریب عشار متھرا پہنچے، اس تمام سفر میں صرف ایک وقت ایک سقہ سے روٹی پکوا کر کھائی تھی یا اب متھرا میں بازار سے لے کر کھائی ورنہ فاقہ یا چنوں پر گذر ہوا اس نواح میں سقے، نفیر۔ رنگریز بکثرت ہیں یا ملکانے راجپوت اور کوئی قوم نظر نہیں آئی۔ ارادہ تھا کہ سات اپریل ۲۳ء کی شب کو نوگانواں روانہ ہو جاؤں لیکن یہ معلوم ہوا کہ صرف دو شدھی ہوں گے اور علما بکثرت وہاں پہنچ چکے ہیں شب کا قصد ملتوی کر دیا۔ آٹھ اپریل ۲۳ء کی صبح کو میں نے برادری جانے کا قصد کیا لیکن متھرا میں شور تھا کہ نوگانواں میں عظیم الشان اشدھی ہونے والی ہے اور بہت سے ہندو وہاں جا رہے تھے میں نے بھی نوگانواں کے ارادہ سے اسٹیشن کا راستہ لیا اتفاق سے ریل تین گھنٹہ لیٹ تھی۔ جلدی کے خیال سے کچھ دور پیدل چلا اس کے بعد تانگے کر بیس میل طے کر کے نوگانواں پہنچا تانگہ سے اتر کر اشدھی کے موقعہ پر پہنچا۔ اس قلبی کیفیت کو جو یہاں پہنچکر میرے قلب پر طاری ہوئی سپرد قلم کرنا دشوار ہے۔ ہمارے اسلامی بھائی ہم سے ہمیشہ کیلئے جدا کیے جا رہے تھے، وہ قلوب جو محض خدائے واحد کی پرستاری کے واسطے کعبہ تھے ان میں بتوں کو جگہ دی جا رہی تھی، وہ دل جو خالص اسلامی بستی تھے ان میں سے اسلامی تسلط ہمیشہ کیلئے اٹھ کر کفر کی آبادی بھر رہی تھی۔ اس منظر کو میں نے کس دل سے برداشت کیا کن آنکھوں سے دیکھا دشوار ہے کہ آپ پر منکشف کر سکوں اسکو صرف مشاہدہ اور قوت ایمانی بتلا سکتی ہے میرے سوا وہاں کوئی دوسرا مسلمان نہ تھا ہر چہار جانب ہندوؤں کا مجمع تھا مجھکو اندیشہ ہوا کہ ان لوگوں کے جذبات ہیجان میں ہیں ایسا نہ ہو کہ درپئے گزند ہوں اس جگہ قیام میں کوئی مفید صورت نہ تھی ظہر کا وقت ہو گیا تھا اسلئے مسجد میں گیا وہاں مختلف انجمنوں کے بارہ مبلغ پہلے سے موجود تھے۔ سب نے مل کر غور کیا کہ اسوقت کیا راہ عمل اختیار کی جائے لیکن کوئی مفید تدبیر ذہن میں نہ آئی نوگانواں میں فساد کے اندیشہ سے تحصیلدار، تھانہ دار جو دونوں آریہ تھے ان مسلمانوں کے جو اشدھی میں مانع تھے مچلکہ لے

لئے کتے آٹھ اپریل ۲۳ء کی صبح کو فاقہ رہا شام کو پاؤ بھر لڈو خریدے جو تین آدمیوں نے کھائے اور اسٹیشن کو روانہ ہو گئے تمام راستہ آریہ ملتے تھے اور تمسخر کرتے تھے اس موقعہ پر تقریباً چالیس آدمی مرتد ہوئے لیکن راستہ میں کوئی سو کی تعداد تبلاتا تھا کوئی نو سو اور کوئی چودہ سو عشاء کے قریب اسٹیشن پر پہنچے گیارہ بجے متھرا پہنچے یہاں بھی کھانا کچھ نہ ملا ۔ . . . . . . بارہ بجے دفتر پہنچکر سو رہے ۔

آج ۹ اپریل ۱۹۲۳ء کو مجھے دفتر کا باقاعدہ چارج مل گیا لیکن آمد و خرچ کا حساب میں نے اپنے ذمہ لینے سے انکار کر دیا ۔ یہ مولوی عرفان صاحب کے پاس رہے گا ۔

مسلسل پاپیادہ چلنے کی وجہ سے پاؤں میں آبلے پڑ گئے ۔ قبض کی شکایت رہتی ہے ۔ پانی یہاں دیہات میں بالعموم کھاری ہے ہندو راستہ نہیں تبلاتے یا غلط سلط تبلاتے ہیں بعض جواب بھی نہیں دیتے اس سے مشکلوں میں اور اضافہ ہو جاتا ہے تمام مبلغین کی متفقہ رائے ہے کہ یہاں محض دورہ بے سود ہے یا تو پنچایتیں قائم کرائی جائیں کیونکہ یہ لوگ پنچایتوں کے فیصلہ کے بہت زیادہ پابند ہیں یا جو شخص آئے وہ ایک ہی گاؤں میں بالاستقلال اقامت کرے تو ممکن ہے کہ چار چھ ماہ میں کوئی اچھا نتیجہ نکل سکے ورنہ . . . . . . ,, کوہ کندن و کاہ برآوردن ,, کا مصداق ہے یہاں گرمی شدید ہے جس گاؤں میں جاتے ہیں لوگ ذلت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں ، فقرے کستے ہیں ۔ لیکن سوائے خاموشی کے چارہ نہیں یہ امر پایۂ تحقیق کو پہنچ گیا کہ آریہ لوگ روپیہ کا لالچ دیتے ہیں ، سابقہ قرضوں کا دباؤ ڈالتے ہیں اسلئے یہ لوگ مرتد ہو رہے ہیں ۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ یہ بھی نہیں جانتے کہ مذہب ، دھرم یا ایمان کیا ہے ؟ آریوں نے انکو ایسا روپیہ کا عادی کر دیا ہے کہ وہ اب مسلمانوں سے بھی روپیہ مانگتے ہیں ۔ نوگانواں کا ایک نمبردار کہتا تھا کہ یہ سب اشدھی والے انشاء اللہ دو تین دن میں واپس ہو جائیں گے اور جنیو توڑ ڈالیں گے ۔ خدا کرے ایسا ہی ہو ۔ آمین

موضع آلو میں تقریباً دس آدمی اشدھی ہو کر پھر مسلمان ہو گئے ۔ اس حقیقت سے

انکار نہیں ہوسکتا کہ ہندو جس سرگرمی سے کام کر رہے ہیں مسلمان اس کا عشر عشیر بھی توجہ نہیں کر رہے ہیں۔
پنڈت مدن موہن مالویہ نے لکھا ہے کہ وہ ایک پرانے مقدمہ کی پیروی میں مصروف ہے۔ اس سے فارغ ہوکر اشدھی سبھا میں کام کرے گا۔ شردھانند خود گاؤں گاؤں پھرتا ہے۔ مالویہ جی کے لڑکے برابر کام کر رہے ہیں۔ آریہ سماج کے دیگر معزز لوگ پاپیادہ کوسوں سفر کرتے ہیں لیکن افسوس کہ ہم مسلمانوں میں یہ جوش یہ جانفشانی یہ ایثار نہیں دیکھا جاتا
آریوں نے اشدھی کی تحریک عالمگیر بنادی ہے۔ سنا ہے کہ سہارنپور کے گرد و نواح میں بھی یہ ناپاک تحریک شروع ہوگئی ہے۔ اس تحریک میں ہندوؤں کے کل فرقے ہوا ب سے پہلے آپس میں سخت دشمن تھے نہایت اتفاق سے کام کر رہے ہیں۔ اور سب کام رد پیے سے نکال لیتے ہیں کل ایک اشدھی نوگانواں میں اور تین اشدھی دوسرے مواضعات میں ہوئیں۔ عام طور سے ملکانوں کی زبان کا سمجھنا بھی دشوار ہے آپ وہاں کام کرنے کیلئے جماعت تیار کرتے رہیں۔
اب ہندوستان کے ہر گوشے میں تبلیغ کی سخت ضرورت ہے میں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح آریوں سے مناظرہ ہوجاتے۔ راجپوتوں کو ابھار کر جھوٹ سچ مقابلہ سے معلوم ہوتا ہے مگر روپئے نے ان کی آنکھوں پر ایسی پٹی باندھ دی ہے کہ کچھ نہیں سوجھتا،،

فقط والسّلام
محمد اسعد اللہ ۱۸ اپریل ۱۹۲۳ء

"علمائے مظاہر علوم اور انکی علمی و تصنیفی خدمات" میں ہے کہ:

،، مظاہر علوم کی جانب سے اس کے مبلغین اور تربیت یافتہ افراد مرشد آباد، رڑکی، جالندھر، گلاؤٹھی، دہلی، متھرا، ریواڑی اور اس کے ملحقات و اطراف، راجپوتانہ آگرہ، سلطان پور، لوہی، مدہورہ، الور، وغیرہ بے شمار مقامات پر گئے اور وہاں جاکر مناظرے کیے۔ دینی خدمات انجام دیں راجپوتانہ کا علاقہ چونکہ اہم تھا اسلئے

وہاں مستقل طور پر چار جماعتیں مدرسہ کی جانب سے بھیجی گئیں بعض علاقوں میں بے شمار صعوبتیں اور تکلیفیں جھیلنے کے باوجود طویل مدت تک ان حضرات کو قیام کرنے کی نوبت آئی مگر الحمدللہ پائے استقلال میں فرق نہیں آیا۔

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب زاد مجدہٗ کا ایک طویل عرصہ راجپوتانہ، متھرا اور آگرہ میں گزرا وہاں مولانا نے اپنے اوپر سخت تکالیف جھیل کر دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیا جس سے متاثر ہوکر بہت سے لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے اور جو متزلزل تھے ان کو ثبات قدمی اور قوت ملی۔

یہ حضرات جہاں جاتے تھے اسکی کوشش بھی کرتے تھے کہ زیادہ سے زیادہ دینی مدارس اور قرآنی مکاتیب قائم کریں تاکہ جو دائرۂ اسلام سے خارج ہو چکے ان کیلئے یہ چیز کشش کا ذریعہ بنے اور جو دین پر باقی ہیں انکی ثبات قدمی میں مزید اضافہ ہو چنانچہ اس مقصد کیلئے بڑی تعداد میں چھوٹے چھوٹے مدارس قرآنیہ کھولے گئے۔

صرف متھرا اور اسکے نواح میں چودہ مدارس ان حضرات نے قائم کئے جنمیں (۵۵۸) بچوں نے قرآن پاک پڑھنا شروع کیا۔ اور دینی عقائد پر مشتمل تعلیم حاصل کی ان مدارس میں تعلیم دینے والے اساتذہ کی تنخواہیں، بچوں کیلئے قاعدے، سیپارے، قرآن شریف، لکھنے پڑھنے کا ضروری سامان اردو کی ابتدائی کتابیں اور دیگر اخراجات کا تکفل و انتظام مدرسہ کی طرف سے ہی ہوتا تھا۔

مظاہر علوم کی جانب سے جتنے وفود یا افراد تبلیغ کیلئے جاتے تھے وہ اپنی مکمل رپورٹ اور کارکردگی کی تفاصیل انجمن میں بھیجا کرتے تھے۔ اور پھر انجمن کی جانب سے وہ خصوصی طور پر ان اخبارات میں شائع ہوتی تھیں۔ اخبار سیاست لاہور، اخبار زمیندار لاہور، اخبار خلافت بمبئی اخبار الخلیل بجنور، اخبار ہمدم لکھنؤ۔ اخبار مدینہ بجنور۔ علی گڈھ گزٹ، اخبار نیر اعظم مرادآباد، صادق الاخبار بھاولپور، رہبر دکن حیدرآباد، دعوت اسلام دہلی۔ ضیاء الاسلام دہلی وغیرہ وغیرہ۔

ہدایت الرشید کی جانب سے وقتاً فوقتاً کتابیں، پمفلٹ اور اشتہارات بھی
وتے جو بطورِ خاص متاثرہ علاقوں میں بھیجے گئے چونکہ مظاہر علوم کی پوری
ن علاقوں میں وفود بھیجنے اور مکاتب قرآنیہ جاری کرنے پر رہی اسلئے تصنیفات
مات کا عدد مختصر ہی رہا لیکن جتنی کتابیں طبع ہوسکیں وہ سب مفید
ہ خیز ثابت ہوئیں اور ان کے قارئین نے ان کے مطالعہ سے اچھا اثر
یہ طبع ہونے والی ایک درجن کتابیں) شعبۂ تبلیغ انجمن ہدایت الرشید کی جانب
شائع ہوئیں۔ ان میں پہلی کتاب " فتنۂ ارتداد اور مسلمانوں کا فرض "
ماسلام حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب زاد مجدہٗ کی تالیف ہے۔ اور
علاوہ دوسری کتابیں دیگر علمائے مظاہر علوم کی تالیفات ہیں
(از ص ۳۶۰ تا ص ۳۶۲)

مباحثے و مناظرے

فت و زبان آوری، ذوقِ شعر و ادب اور قوتِ گویائی کے ساتھ ساتھ حق تعالیٰ
ضرت والاؒ کو بے مثال ذہانت و فطانت اور علمی و عملی جملہ کمالات سے آراستہ
راستہ فرمایا تھا۔ یہ چیزیں خاندانی میراث بھی تھیں پھر محنت و کسب سے
لات میں چار چاند لگ گئے تھے اسطرح آپ دیگر گوناگوں کمالات
و عملیہ کے علاوہ میدان خطابت و مناظرہ کے یکتا شہسوار اور یگانۂ روزگار
ہمہ گیر شہرت، اور تمام ہم عصروں پر فوقیت و فضیلت کے مالک ہوگئے تھے
مباحثہ و مناظرہ اور تقریر کی مشق جامعہ مظاہر علوم کی مد انجمن
ہدایت الرشید،، میں باقاعدگی کے ساتھ کی تھی عنفوانِ شباب ہی میں
ب اسلام و مسلکِ حق کیطرف سے شمشیر برہنہ کی صورت میدان میں
کھڑے ہوئے اور باطل دھرموں، گمراہ فرقوں کی فریب کاریوں کے تار و پود

بکھیر دیئے تھے آپ کی علمی و مدلل تقریروں، زورِ خطابت و قوت فصاحت پیاپے باطل شکن مناظروں اور مباحثوں کے زبردست حملوں سے باطل پرست کے قدم اکھڑ گئے۔ آپ کی عادت تھی کہ باطل پرستوں پر قہرِ خداوندی کی بجلی کر پوری شجاعت کے ساتھ ٹوٹ پڑتے اور ان کے چھکے پانی کر دیتے آپکا نام سنتے ہی باطل پرست میدان چھوڑ بھاگتے اور اکثر مقابلہ کی جرأت نہ تھی اگر کوئی نا آشنا مقابل ہوجاتا تو چند ہی منٹ میں راہِ فرار اختیار کر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جس عظیم الشان انجمن کے تحت آپنے مناظروں، مباحثوں تردید ضلالت و گمراہی کے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں اس کا قدرے تعارف پیش کر دیا جائے۔

انجمن ہدایت الرشید کا قیام اور اس کے مقاصد

جامعہ مظاہر علوم سہارنپور دین کی حفاظت اور بقا۔

ایسے ہولناک وقت میں ہوا کہ ہندوستان میں انگریزی حکومت اپنے ظلم و استبداد کی پوری قوت کے ساتھ قائم ہوچکی تھی اور اسلام و مسلمین خطرات کی ہلاکت خیز بھنور میں پھنس چکے تھے۔ حکومت کافرہ کی حمایت و تائید کے نام سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مسلسل سازشیں تیار ہورہی تھیں اور ہر طرف سے باطل پرست تقریروں، تحریروں اور تدبیروں سے اسلام پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ اس کا برمظاہر علوم باطل پرستوں اور ہوا و ہوس کے متوالوں کے مقابلہ میں اول ہی سے برسرِ پیکار و نبرد آزما تھے اور ہر قسم کی گمراہیوں کے دفاع کرتے رہتے تھے یہاں طلبۂ علوم دینیہ کو وعظ و تقریر، دعوت و تبلیغ، مباحثہ و مناظرہ سکھانے کا خاص اہتمام کیا جاتا رہا ہے۔

چنانچہ طلبۂ کرام پورے ذوق و انہماک سے علمی استعداد بہم پہنچانے کے ساتھ اہل باطل سے تحریری و تقریری جنگ اور مقابلہ کیلئے خوب تیاریاں کر کے موقعہ پر اپنی قوتِ مطالعہ و حسنِ تربیت کے جوہر دکھلاتے تھے۔

چنانچہ ۱۳۰۱ھ میں سہارنپور میں ہونے والے ایک مناظرے کی تفصیل مدرسہ کی روداد میں ان الفاظ ذیل کے ساتھ شائع ہوئی کہ!

علم کا نفع اہل شہر سہارنپور کو بخوبی معلوم ہو گیا ہے کیونکہ جو پارسال مباحثہ
ں مدرسہ کا معاندین و مخالفین کے مقابلہ میں ہوا تھا ہر فرد بشر کو
من الشمس ہے کہ طلبہ مدرسہ ہذا نے کیسے جوابات مخالفین کو دندان شکن
اور بار ہا گفتگو میں تمام اہل ادیان باطلہ کو بند کر دیا جسکے باعث سے مخالفین
آئے اور اپنا وعظ موقوف کر دیا اور اعتراضات اہل اسلام کو تسلیم کر لیا
بب کہ حقانیت اسلام و اہل اسلام کی اور بطلان مذہب معاندین کا کو
ہو گیا تو ایک جماعت کی جماعت اسلام سے مشرف ہوئی یہ نفع کسقدر
ہارنپور کو پہنچا کہ جو مقصود علم سے اور مدرسہ سے ہے وہ مقصد اس مدرسہ
ہویدا ہوا ،، (روداد مدرسہ ۱۳۰۵ھ ص۱۱)
کے بعد روز بروز حالات میں شدت آتی گئی اور اس سلسلہ کی اہمیت
ضافہ ہوتا گیا۔ ایک عرصہ کے بعد ارباب مدرسہ نے محسوس کیا کہ اب اسی محنت
تفار مناسب نہیں۔ جب تک خصوصی نظام کے تحت تربیت و نگہداشت
سا تھ وعظ و مناظرہ میں مکمل مہارت و بصیرت رکھنے والے افراد وجود
نہ آئیں گے اس وقت تک نت نئی گمراہیوں کے میدانوں میں نبرد آزمائی اور
ب جنگ لڑنا مشکل ہے۔ ان عوامل و محرکات کے باعث ۲۲ر جمادی الاولیٰ
ھ میں ،، انجمن ھدایت الرشید ،، کا قیام عمل میں آیا۔ وہ زمانہ
کہ ہندوستان میں ایک زبردست ہنگامہ بپا تھا۔ آریہ سماج اور شدھی
سنگھٹن کی تحریکیں اہل اسلام کے دین و ایمان پر بھرپور حملے کر رہی تھیں ۔
ت، قوت، دولت اور فریب کاریوں سے بھولے بھالے سیدھے سادے مسلمانوں کو
ارتداد کے غار میں دھکیل رہی تھیں۔ دردمندانِ ملت و غیور پرستاران نے
اپنی اپنی صلاحیت و وسعت کے مطابق اسکی روک تھام میں مصروف تھے۔
حقانی و مشائخ ربانی مواعظ و تقریرات اور مناظروں سے دفاع کر رہے تھے
، ادارے اور مدارس اسلامیہ کے اکابر و ذمہ دار حضرات علمی اور تحقیقی انداز
ثر علاقوں میں وفود، جماعتیں بھیجکر اپنی ذمہ داریوں کو بروئے کار لا رہے تھے
ۃ العلماء ہند و دارالعلوم دیوبند و خانقاہ تھانہ بھون وغیرہ کے اکابر نے اپنی

تمام ترمساعی و توجہات سے اس خطرناک سیلاب کو روکا۔ اس مو
مظاہر علوم نے بھی اپنے سپوتوں کو میدان میں اتار دیا اور انہوں نے
محنت و جد وجہد سے ان فتنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا وعظ و تقریر، دعوت
مباحثوں اور مناظروں کے ذریعہ اور تصنیفات و تالیفات نیز مکاتب و
قائم کرکے ایک نئی انقلابی روح پھونک دی اور ان باطل تحریکات کو
کے گھاٹ اتار دیا۔

امام ربانی حضرت اقدس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے نام نامی سے برکت
کرتے ہوئے اس انجمن کا نام "انجمن ہدایت الرشید" تجویز کیا گیا۔

مژدہ اے دل کہ مسیحا نفسے می آید ۔ کہ زانفاس خوشش بوئے کسے آ

شیخ الاسلام حضرت مولانا حافظ سید عبداللطیف صاحب ناظم اعلیٰ جا
مظاہر علوم سہارنپور اس کے صدر تھے۔

شیخ المشائخ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری ناظم، حجۃ الا
حضرت مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحبؒ اور رئیس الواعظین حضرت مو
محمد زکریا صاحب قدوسی گنگوہی نائب ناظم تھے۔ تحریری و اشاعتی امور کی
اور سالانہ کوائف کی ترتیب، رئیس المناظرین حضرت مولانا نور محمد خاں مد
مناظر مدرسہ کے ذمہ تھی۔

مقاصد اور اصول و قواعد "انجمن ھدایت الرشید" اپنے م
کو بروئے کار لانے کیلئے ان مندرجہ ذ
پر عمل کرتی تھی۔ (۱) مذہب اسلام کے پاک اور سچے اصول کو تشنگان
کے سامنے پیش کرنا۔ (۲) مسائل اعتقادی کی صحیح اور سادی شرح
شکوک و شبہات کا تسلی بخش ازالہ کرنا

(۳) مذاہب باطلہ کے مسائل و اعتقادات جو عقلِ سلیم و فطرتِ انسانی کے با
ہیں انکی حقیقت مہذب الفاظ میں واضح کرنا اور بتلانا کہ حقیقی نجات کا حص
اسطرح ممکن ہے کہ مذہب اسلام کو شمع راہ بنایا جائے نیز یہ کہ اسلام کی آغ
ہر طالب حق کیلئے آغوشِ رحمت ہے ہر مذہب و ملت اور ہر قوم کا

اس میں داخل ہوکر پچھلے تمام گناہوں سے پاک وصاف ہوجاتا ہے۔
(۴) دین اسلام کی تحریرًا وتقریرًا اشاعت کرنا۔
(۵) مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت وخدمت کرنا اور ان کو باہمی اخوت کا پیغام دینا۔
(۶) ملک وملت کیلئے مقررین ومناظرین تیار کرنا۔
(تاریخ مظاہر ج ا وعلمائے مظاہر علوم ج ا)

انجمن کی خدمات اس مبارک انجمن کی آغوش تربیت میں ہزارہا طلبہ علماء وطلبہ نے تربیت پاکر وعظ وتقریر اور مناظرہ میں کمال حاصل کیا اور انہوں نے ملک کے گوشہ گوشہ کو اپنے مواعظ سے گرمایا، مناظروں اور مباحثوں کے ذریعہ اہل باطل کے چھکے چھڑاتے رہے۔ یہ انجمن آج بھی زندہ وتابندہ ہے گو دین کے تمام شعبہ جات کی طرح اس میں بھی کافی انحطاط محسوس ہوتا ہے ؎

اللہ کی راہ اب بھی ہے کھلی آثار ونشاں سب قائم ہیں، اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ پہ چلنا چھوڑ دیا

اس انجمن کے تربیت یافتہ حضرات نے، آریہ سماج کے کارکنوں، قادیانیوں، رضاخانیوں غیرمقلدوں وغیرہ سے بکثرت مناظرے کیئے ہیں جن مبلغین ومناظرین کو انجمن کی جانب سے بھیجا گیا۔ ان کی کارکردگی کا تفصیلی ریکارڈ مدرسہ میں محفوظ رکھا جاتا تھا۔ اور مناظروں کی رپورٹیں ملک کے متعدد اخبارات میں شائع ہوتی تھیں۔

بلاشبہ ان تمام مناظرین میں حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب نے سب سے زائد کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں اور اس سلسلہ میں انہوں نے ملک گیر شہرت ونیک نامی حاصل کی۔

چند مناظروں کا مختصر حال "علمائے مظاہر علوم ج ا ص ۳۵۹ میں ہے کہ "یہاں پر چند مناظروں کی روداد مختصر طور پر لکھی جاتی ہے تاکہ ہمارے قارئین "لسانی جہاد" کے اس پہلو سے بھی واقف ہوجائیں

الہامیت قرآن وویدپر مباحثہ میرٹھ میں جناب حکیم محمد مصطفٰے صاحبؒ کی طلب پر حضرت والا تشریف

لیگئے آپکے ہمراہ جناب مولانا اخلاق احمد صاحب مدرس مظاہر علوم بھی تھے۔ دیا
پنڈت دھرم بھکشو سے حضرت والا کا مناظرہ ہوا موضوع۔ الہامی کتاب قرآن
ہے یا وید؟ حضرت والا کی قوتِ استدلال اور دلائل کی بھرمار سے مدمقابل انت
عاجز و پریشان ہوگیا کہ۔۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن،،
آخر کار یا بخہزار کے مجمع کے سامنے اس نے اپنی شکست کا اعتراف کیا اور اس
بات کا صاف لفظوں میں اقرار کیا کہ نجات کیلئے وید کا ماننا ضروری نہیں۔
اس مناظرہ کی مفصل کارروائی اور چشم دید حالات روزنامہ ہمدم لکھنو، روزنامہ
سیاست لاہور روزنامہ زمیندار لاہور۔ روزنامہ الخلیل بجنور میں شائع ہو

اہل بدعت سے مناظرہ

۱۹ و ۲۰ شعبان ۱۳۴۱ھ میں قصبہ ڈمکول ضلع
مرشد آباد میں اہل بدعت سے مناظرہ ہوا موضوع
«جمعہ فی القریٰ» تھا مظاہر علوم کی جانب سے حضرت مولانا عبداللطیف صاحب
ناظم مدرسہ، مولانا محمد زکریا صاحب قدوسی گنگوہی استاذ مدرسہ اور مولا
نور محمد خاں صاحب مبلغ و مناظر مدرسہ تشریف لے گئے سپرنٹنڈنٹ پولیس
کی نگرانی میں یہ مناظرہ ہوا۔ مولانا نور محمد صاحب نے قرآن و حدیث، اور فقہی دلا
سے جمعہ فی القریٰ کے عدم جواز کو ثابت کیا ڈھائی گھنٹہ تک مجلس مناظرہ جم
رہی اس عرصہ میں مولانا موصوف نے فریق ثانی سے بارہ مطالبے کیئے۔ لیک
ادھر سے کوئی جواب نہیں ملا آخر کار سپرنٹنڈنٹ پولیس نے کھڑے ہو
حضراتِ علمائے مظاہر علوم کی تعریف وتحسین کی اور ان کے حق میں فیصلہ
دیدیا۔

آریوں سے مناظرہ

مظفر آباد ضلع سہارنپور میں ۲۶ ر ۲۷ ر شعبان ۱۳۴۸ھ
میں ایک مناظرہ آریوں سے ہوا مظاہر علوم کی جانب سے
مولانا نور محمد خاں صاحب اور انکی معاونت کیلئے جناب بابا خلیل داس صاحب چترویدی
ساتھ تھے۔ جلسہ کی صدارت غازی محمود۔۔ دھرم پال نے کی آریوں کی جانب
سے ان کے مشہور مناظر پنڈت دھرم بھکشو تھے۔ جاء الحق و زھق الباطل
ان الباطل کان زھوقا کا منظر یہاں بھی دیکھا گیا۔

قادیانیوں سے مناظرہ کریم پور متصل نوشہرہ ضلع جالندھر میں ۲۶، ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ میں قادیانیوں سے مناظرہ ہوا حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کاملپوری، رئیس الاساتذہ، مظاہر علوم حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب حال ناظم مدرسہ، مولانا نور محمد خاں صاحب مبلغ مدرسہ اس مجلس مناظرہ کے اہم شرکا تھے مناظرہ کے لیئے دو موضوع متعین کیئے گئے ایک صدق مرزا۔ دوسرے حیات مسیح علیہ السلام پہلے موضوع میں قادیانیوں کیطرف سے مولوی اللہ دتہ جالندھری مدعی تھے۔ اور اہل اسلام کیطرف سے حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب زاد مجدہٗ۔

حضرت مولانا نے مرزا غلام احمد قادیانی کے کتنے ہی سفید جھوٹ تاریخ اور کتابوں کے مکمل حوالوں کے ساتھ شمار کرا دیئے۔

جس سے جماعت مرزائیہ بڑی پراگندہ خاطر ہوئی اور ان پر اوس پڑ گئی۔

دوسرے روز حضرت مولانا نے مدعی ہوکر آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ کچھ ایسے سلجھے ہوئے عام فہم انداز میں پیش کیا کہ حاضرین اس کا اثر لیئے بغیر نہ رہ سکے اس مجلس میں تیرہ مرزائی تائب ہوکر مشرف باسلام ہوئے۔

گنگوہ میں آریوں سے مناظرہ ۱۳۵۰ھ میں گنگوہ کی آریہ سماج نے اپنی پچاسش سالہ گولڈن جوبلی منائی اور اپنے اجتماع میں مذہبی کانفرنس کا وقت رکھکر وہاں کے معزز اور سربر آوردہ لوگوں کو خصوصی طور پر مدعو کیا مسلمانانِ گنگوہ کی خواہش پر مظاہر علوم سہارنپور سے حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب، دارالعلوم دیوبند سے مولانا عتیق الرحمن عثمانی تشریف لے گئے۔ مجلس مناظرہ میں حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب نے آریہ سماجی اصول پر پانچ اعتراضات کئے آریوں کیجانب سے پنڈت کرپا نند جواب کیلئے مقرر تھے اس مناظرہ کی پوری تفصیل ماہنامہ قاسم العلوم محرم الحرام ۱۳۵۱ھ میں موجود ہے وہاں دیکھی جاسکتی ہے۔

اجتماع کے آخر میں حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب نے اسلام کی حقانیت اور جامعیت پر مفصل تقریر فرمائی اور اعلان کیا کہ اگر کسی کو اسپر اعتراض ہو تو اسی مجلس میں کرسکتا

مگر کسی کی ہمت نہیں ہوئی باوجودیکہ بہت سے آریہ مبلغ وہاں موجود تھے۔
اس جلسہ کے صدر حضرت ممدوح ہی تھے۔
ذیل میں ہم ناظرین کی دلچسپی کیلئے حضرت والاؒ کی اس مناظرہ کی تقریر و گفتگو کا
خلاصہ جو اعلان حق کے نام سے شائع ہوا ہے نقل کرتے ہیں۔ مناظرہ کی پوری کی
روداد طویل ہے اس مختصر میں اسکی گنجائش نہیں۔

کیوں اور کیسے ہوا؟

اعلانِ حق میں ہے کہ گنگوہ کی "آریہ سماج" نے اپنی پچاس سالہ "گولڈن جوبلی" کے موقع پر جو وسط فروری ۱۹۳۵ء میں منائی گئی اپنے پروگرام میں مذہبی کانفرنس اور رفع شکوک کا وقت دے کر گنگوہ کے معزز مسلمانوں کو خصوصیت سے شرکت کی دعوت دی۔ وہاں کے مسلمانوں کی خواہش پر دارالعلوم دیوبند سے مولانا معظم علی صاحب مبلغ دارالعلوم اور مولوی عتیق الرحمٰن صاحب آروی اور مظاہر علوم سہارنپور سے جناب مولانا اسعد اللہ صاحب وغیرہ گنگوہ تشریف لے گئے۔
"سماج" نے اپنی مذہبی کانفرنس میں آدھ گھنٹہ کا مختصر وقت اسلامی نمائندہ کیلئے بھی تقریر کا دیا جس میں جناب مولانا معظم علی صاحب مبلغ دارالعلوم نے نہایت مؤثر تقریر فرمائی جسکا خلاصہ درج ذیل ہے۔
ساتھ ہی رفع شکوک کے طور پر بھی آریہ سماج نے مختصر سا وقت دیا۔ جسمیں مولانا اسعد اللہ صاحب مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور نے سماجی اصولوں پر شبہات کئے جنکے جوابات کیلئے آریہ سماج کیطرف سے پنڈت کرمانند مقرر ہوئے۔ اسلامی مناظر اور آریہ نمائندہ کی اس مناظرانہ گفتگو کو بغرض افادۂ ناظرین درج کیا جاتا ہے۔
آریہ مقررین نے اپنی سبھا میں کئی روز تک اسلام پر جو مختلف قسم کے اعتراض و حملے کیئے تھے ان کے مقابلے میں مسلمانوں کے ایک عظیم الشان جلسہ میں جناب مولوی عتیق الرحمٰن صاحب نے ایکسا برجستہ تقریر کے ذریعہ اسلامی اصول کی صداقت اور قرآن کریم کی حقانیت کو ثابت کیا اس تقریر کا اقتباس بھی درج روداد ہے۔ تقریر کے دوران میں چار پانچ آریہ مبلغین موجود تھے جنکو صدر جلسہ جناب

نا اسعد اللہ صاحب نے بعد ختم تقریر رفع شبہات کیلئے اعلان کر کے
ت دیا لیکن الحمد للہ کہ کسی صاحب کو تقریر پر اعتراض کرنیکی جرأت نہ ہوئی،
یہاں ہم اختصاراً صرف حضرت والاؒ کے مناظرہ کی روداد درج کرتے ہیں)
(نسیم احمد غازی مظاہری)

روداد مناظرہ مولوی اسعد اللہ صاحب: (۱) سوامی جی ستیارتھ پرکاش ص۳۴۲ میں تحریر فرماتے ہیں کہ جو مذہب
ےسے مذہبوں کو جنکے ہزاروں کروڑوں آدمی معتقد ہوں جھوٹا بتلادے اور
پنے کو سچا ظاہر کرے اس سے بڑھکر جھوٹا مذہب اور کون سا ہو سکتا ہے اور
ب لوگ سناتنی اور جینی وغیرہ ہم کو ناستک اور جھوٹ پر کہتے ہیں تو اس
ل سوامی جی آریہ سماجی مذہب خود جھوٹا اور باطل ہوتا ہے۔
، حسب عقیدۂ تناسخ دنیا پاپ پر قائم ہے کیونکہ اگر بدکردار اور پاپی روحیں پرماتما
پاس نہ جائیں تو وہ گائے بیل اور اناج غلہ وغیرہ پیدا نہیں کرسکتا ہے۔
۲) جب کسی کو سزا دیجاتی ہے تو مجرم کو بتہ دیا جاتا ہے کہ تو فلاں جرم کا مجرم
ہے کیونکہ جبتک مجرم کو اپنے جرم و قصور کا علم نہ ہو۔ پھر کیوں کر اپنے جرم سے
رہ سکتا ہے اور دنیا جانتی ہے کہ مقصود سزا سے مجرموں کو جرم سے روکنا ہے
ر جب علم نہ ہوا تو جرم نہ رکیں گے۔ لیکن عقیدۂ تناسخ سے معلوم ہوتا ہے کہ
ن میں دونوں باتیں مقصود نہیں۔
ونکہ کسی کو علم نہیں ہے کہ ہم کس جرم میں یہ سزا بھگت رہے ہیں اور
س سے پاپ رفع بھی نہیں ہوسکتا نہ حاکم تو اپنی سزا اور سختی کے ذریعہ بدکاریاں
روک کر کامیاب ہوجاتا ہے لیکن خدا اپنی سختی اور سزا دینے سے
موں کو نہیں روک سکتا ہے نہ سکے گا کیونکہ اتنے دنوں سے دنیا قائم ہے
لیکن یہی سلسلہ چلا جارہا ہے اور اسی طرح ہمیشہ چلا جائے گا۔
۴) سماجی مقرر نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ سوامی جی اپنے مجرموں کو معاف
کر دیا کرتے تھے کیونکہ بہت رحمدل تھے لیکن آپکے عقیدہ کے موافق خدا گناہ
معاف نہیں کرسکتا تو اگر معاف کرنا رحم ہے تو معاف نہ کرنا ظلم یقیناً ہوگا

اور پنڈت لیکھرام جی کا قول ہے کہ جس مذہب کیوجہ سے خدا پر اعتراض پڑتا ہے وہ مذہب باطل ہے۔

(۵) حسب عقیدۂ تناسخ ادھرمی اور پاپی بھی کبھی نہ کبھی ضرور مکتی پا
اسی طرح جو دھرماتما نیک ہیں وہ بھی کبھی نہ کبھی مکتی پائیں گے کیونکہ کو
انسان ایسا آپ لوگ تسلیم نہیں کرتے کہ وہ تمام قسم کے گناہوں سے پاک
جب گنہگار ہوا تو پھر تناسخ کے چکر میں ضرور آئے گا لہٰذا دھرماتما اور پا
دونوں برابر ہوگئے اور وید کے ماننے نہ ماننے کا کوئی خاص اثر مرتب نہیں

پنڈت کرپانند جی اچھا تو یہ ہوتا کہ ایک سوال پہلے ختم ہوتا تو دوسرے سوال کیطرف توجہ کیجاتی۔ لیکن مو
صاحب کچھ ایسے جلدی بدلتے ہیں کہ اتنے وقت میں پانچ سوال کرچکے خیر پہلے
کا جواب عرض کرتا ہوں۔ کہ سوامی جی کا مطلب یہ ہے کہ جو دوسرے مذہب کو بلا
جھوٹا تبلا دے وہ خود جھوٹا ہے۔ کیونکہ جھوٹا تبلانا دو قسم پر ہے بادلیل۔ ا
بلادلیل۔ سوامی جی کا مطلب بلا دلیل جھوٹا تبلانے کا ہے اور مقصود اس سے مذہ
والوں کو روکنا ہے کہ کسی دوسرے مذہب والوں کو بلا دلیل جھوٹا کہہ کر جھگڑ
فساد مت کرو۔ دوسرے سوال کے متعلق صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ تناسخ
بنیاد پاپ پر کیوں ہے؟ یہ بھی دعویٰ بلا دلیل ہے یا کچھ آپنے جلدی ہیں کہ
لیکن ہم نے سمجھا نہیں۔ نیز ہم تو تناسخ میں دونوں مانتے ہیں کہ پاپ بھی
اور پُن بھی۔

اگر پاپ کسی نے کیا ہے تو اس قسم کی جونوں میں جانا ہوگا۔ اور اگر پُن کیا
تو اس کا بدلہ اچھا ملے گا تو فقط ایک شق کو لے کر اعتراض کرنا کیسے صحیح ہوگ
رہا جناب کا تیسرا سوال تناسخ کے عقیدہ پر خدا کامیاب نہیں ہوتا اور تناسخ
سے جو غرض ہے وہ پوری نہیں ہوتی تو یہ خیال قرآنی عقیدہ سے پیدا ہوا
کہ خدا نے دنیا کو غرض سے رحمار پیدا کیا ہے

ہمارے یہاں یہ ہے کہ خدا کو اس کے پیدا کرنے سے کوئی غرض نہیں ہے۔
اور نہ خدا کا کوئی کام غرض سے ہوتا ہے۔ ہاں پیدا کرنا اسکی ذاتی صفت

رہا یہ کہ مجرم کو یہ نہیں بتلایا جاتا کہ کس جرم کی سزا ہے تو بالکل درست
اس لئے حکام دنیوی اس لئے جرم سناتے ہیں کہ حاکم اور مجسٹریٹ کو
م نہیں۔ کہ فی الحقیقت مجرم بھی ہے یا نہیں اسکو آگاہ کردیا جاتا ہے۔
اگر یہ اس جرم کا مجرم نہ ہو تو اپنی صفائی کا ثبوت دے نیز یہ کہ اگر حکام
لت نے فیصلہ اپنے علم پر کردیا حالانکہ قانوناً یہ مجرم نہ تھا تو حکام بالا کے
ں اپیل کرکے رہائی حاصل کرے بخلاف ایشور کے کہ وہ تمام چیزوں کا جاننے
لا ہے اور اسکے بالا کوئی حاکم بھی نہیں۔

آپنے ایک پرشن اور کیا تھا کہ سوامی جی معاف کرتے ہیں لیکن پرماتما
ں سوامی جی نے اپنا قصور معاف کیا ہے۔ وہ اسلئے کہ قصور ہم لوگ دوسرے
کرتے ہیں پھر خدا کیوں معاف کرے اسکو کیا حق ہے مولانا خود آپ کے یہاں
ں تو ہے کہ خدا حقوق العباد معاف نہیں کرتا وقت ختم ہوجانے کے باعث
نویں سوال کا جواب نہ دے سکے بلکہ اسی چوتھے جواب میں دو منٹ وقت
تہ طلب کیا تھا مسلمانوں نے خوشی سے دیدیا۔

مولانا آپ فرماتے ہیں کہ سوامی جی کا یہ قول اسکے بارے میں ہے جو بے دلیل
دوسرے مذہب کو جھوٹا کہتا ہو پھر یان سن یہ جناب کی تصنیف ہے
سوامی جی کی عبارت سے جواب ہے اگر آپ کی تصنیف ہے تو ہم پر حجت نہیں
ر یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہوسکتا اور اگر سوامی جی کی عبارت میں ہے
دکھلایئے اور یہ کہنا بھی غلط ہے کہ اگر کوئی بے دلیل دوسرے مذہب
الے کو جھوٹا کہے تو وہ خود جھوٹا ہے چونکہ آپ اور آپ کے گرد مسلمانوں
بے دلیل جھوٹا اور غلط راستے پر کہتے ہیں اسلئے آپ خود جھوٹ پر ہیں
نکہ مسلمان اپنے پاس دلائل رکھتے ہیں اگر جناب کو شک ہو تو ہمارے پاس
اسکو رفع کرا سکتے ہیں یہ بھی خوب فرمایا کہ ہم نے نہیں سمجھا اور پھر اسی
وال کا جواب دینے لگے بلا سمجھے جواب کیسا؟ بات یہ ہے پنڈت جی کو جب
اب صحیح نہیں آیا تو آپنے یہ عذر کردیا خیر ہم اسکو واضح کئے دیتے ہیں
ننئے! اگر ویدک دھرم عالم گیر ہے اور تناسخ حق ہے تو پھر اگر تمام کے تمام

لوگ ویدوں پر چلنے والے ہو جائیں اور ہر قسم کے گناہوں سے بچیں تو دنیا فنا ہو
کیونکہ جب پاپی لوگوں کی ارواح خدا کے پاس نہ ہونگی یہ حیوانات نباتات و
خدا پیدا نہیں کر سکتا ہے جب یہ پیدا نہ ہوں گے تو پھر انسان کا وجود
ختم ہی ہے۔ یا بالفاظ دیگر یوں سمجھیے کہ آپ کے عقیدہ کے مطابق دنیا ابدی
اور دنیا نام ہے حیوانات نباتات، جمادات وغیرہ کا اور ان سب کا ہونا موقو
ہے ہر قسم کی بدکاریوں پر لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ عقیدہ بدکاری پر موقوف ہے
اور یہی عقیدہ وید کا ہے۔
آپ نے یہ فرمایا کہ خدا کا کام غرض اور حکمت سے خالی ہوتا ہے تو اس کا لاز
نتیجہ یہ نکلے گا کہ تناسخ کا کوئی نتیجہ نہیں وہ بالکل بے کار و بے حکمت
نیز اگر کوئی کام غرض و حکمت سے نہیں تو یہ تمام دنیا فضول ہی ہوئی۔
اور پنڈت جی کیا جناب کو معلوم نہیں کہ بے حکمت و غرض کام پاگلوں کا
ہے۔ آپ نے فرمایا کہ دنیا پیدا کرنا خدا کی ذاتی صفت ہے۔ خوب! تو کیا
اندھا، لنگڑا وغیرہ پیدا کرنا خدا کا ذاتی خاصہ ہے پھر تناسخ ہاتھ سے گیا۔
نیز اس سے لازم آئے گا کہ خدا نے اپنے ارادے سے پیدا نہیں کیا اور پرماتما بلا ا
ہے جیسے آگ کی ذاتی صفت جلانا ہے اسمیں آگ کے ارادہ کو کچھ دخل نہیں
ایسے ہی پرماتما آپکا بے ارادہ ہے (معاذ اللہ)
آپ فرماتے ہیں مجسٹریٹ جانتا نہیں ہے اسلئے مجرم کو تلاتا ہے بندۂ خدا
ہم گواہ طلب نہیں کرتے ہم تو فقط اتنا چاہتے ہیں کہ مجرم کو اپنے قصور کا
علم ہوتا ہے کہ پھر وہ اپنے برے اعمال سے بچے اور پھر تناسخ کے چکر سے معذ
ہو جائے جب آپ کو یہ معلوم ہی نہیں کہ ہم نے یہ خطا کی تھی جس کا یہ بدلہ
مل رہا ہے تو پھر آپ کیسے بچ سکتے ہیں
آپ نے یہ کیا ہی عجیب بات کہی کہ ہم لوگ دوسرے لوگوں کا قصور کرتے ہیں تو کیا
خدا کیسے معاف کرے گا۔ پنڈت جی!
کیا ہم لوگ خدا کا قصور نہیں کرتے؟ کیا تمام قصور بندوں کا ہی کرتے ہیں
کیا ناستک ہونا، ویدوں کا انکار کرنا، خدا کو ظالم خیال کرنا یہ سب بندوں کا

رہے یا خدا کا اگر خدا کا قصور ہے تو پھر یہ آپنے کیوں کہا؟
ہوتا ہے کہ آپ ہمارے لاجواب سوالوں سے ایسے گھبرا گئے ہیں کہ کوئی
سمجھ کر نہیں کہتے آپ نے یہ بھی کہا کہ سوامی جی نے اپنا قصور معاف کیا
یا آپ اسکی تحریر دے سکتے ہیں کہ خدا بھی سوامی جی کی طرح اپنا قصور
ف کرسکتا ہے میں امید کرتا ہوں کہ آپ اسکی ضرور تحریر دیں گے۔
تو ہمارے آپ کے بہت سے مسائل متنازعہ میں مناظرہ کی ضرورت
باقی نہ رہے گی۔

پنڈت جی خدا کو آپ سماج کے اصول پر ظالم ثابت کرنا چاہتے ہیں حالانکہ خدا .. اپکے مذہب کی رو سے ظالم ثابت ہوتا ہے
کہ انسان کو اندھا، لنگڑا وغیرہ پیدا کرتا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ سوامی جی
تقریر پر میرا اعتراض ہے۔ مہربان من ہم نے سوامی جی کا مدعا بتلایا ہے آپ
تے ہیں کہ سوامی جی کی تحریر میں دکھلاؤ یہ بے انصافی ہے جناب قرآن کی
تفسیر پڑھی ہے کیا جو تفسیر میں آپ کے یہاں ہیں قرآن میں وہ تمام چیز موجود
ہیں؟ اگر نہیں تو پھر کہاں سے آئیں۔ آپ بھی کہیں گے کہ ان الفاظ کا
یہ مقصد مفسرین نے ظاہر کیا ہے، ایسے ہی یہاں بھی۔ آپکا یہ سوال تو
بالکل بے انصافی ہے۔ کہ خدائی غرض تو آپکے یہاں ہے۔ ہمارے یہاں دنیا
پیدا کرنا خدا کی ذاتی صفت ہے کہ دنیا میں حرکت کرے اور اپنے اپنے لیاقت
اعمال کے انوسار (مواتق) آدمی وغیرہ بنا تا ہے۔ ہاں آپ لوگوں کا البتہ عقیدہ
ہے کہ خدا لوگوں کو جہنم میں ڈالتا جائے گا یہاں تک کہ لات ڈال کر دیکھے گا کہ
بھر گئی ہے یا نہیں۔

مولانا
الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

میرے اعتراض کو فرماتے ہیں کہ بے انصافی کا سوال ہے اگر میرا سوال واقعی
بے ادب بے انصافی کا تھا تو سنیئے! کہ سوامی جی نے کہا ہے کہ تعصب اور
انصافی سے پوچھنے والوں کا عقلمند آدمی بالکل جواب نہ دے تو آپنے میرے

سوالوں کا جواب کیوں دیا اسکی تحریر دیں کہ میں عقلمند آدمی نہیں یا اس کا او
کریں کہ میرا سوال تعصب اور بے انصافی کا نہیں ہے ۔
میں نے پوچھا تھا کہ تناسخ کی کوئی حکمت و غرض ہے یا نہیں اگر نہیں تو
چکر فضول ثابت ہوگا اور اگر ہے تو پوری ہوئی یا نہیں، ہوتی ہے یا نہیں
یا نہیں ۔ مگر جناب جواب نہیں دیتے آپ نے مسلمانوں کا یہ عقیدہ بیان کیا
خدا لات ڈال کر دیکھے گا کہ بھری یا نہیں ۔ میں صدر صاحب سے درخواست کر
پر مجبور ہوں کہ اس کا حوالہ دیدیں تب پھر آگے سلسلۂ سوال و جواب چلے ۔ میر
سوال یہ بھی تھا کہ سزا دی جاتی ہے کہ مجرم پاپ و بدکاری سے باز آئے لیکن
تناسخ کے اصول پر لازم آتا ہے کہ جرم ہوتا رہے لیکن آپ عذر کر دیتے ہیں
تیز گفتار ہیں اسلئے زیادہ سوال کر دیتے ہیں ۔ یہ عذر کافی نہیں میرے جملہ سوال
کا جواب دینا ہوگا ۔ اور اگر زائد اعتراضات ہیں تو آخیر کے اعتراضات چھوڑ دو ،
درمیان کے اعتراضات کیوں چھوڑ دیتے ہو کچھ دال میں کالا نظر آتا ہے میرا سوال
ابتدا میں تھا کہ جب ادہری تناسخ میں مبتلا ہوگا تو دھرماتما بھی، لہٰذا کسی کو
دائمی عذاب نہ کسی کو دائمی نجات ۔ اب فرق کیا ہوا میں نے کہا تھا کہ تناسخ کے
صحیح ہونے پر یا تو وید عالمگیر نہیں یا خود وید بھگوان چاہتا ہے کہ برابر پاپ ہو
رہے پنڈت جی کچھ میری باتوں کا جواب تو دیجئے آپ نے ایک سوال کا جواب د
وہ بھی غلط ۔ آپ فرماتے ہیں کہ قرآن میں جو بات نہیں اسکو مفسرین نے
مطلب بنانے کیلئے اپنی طرف سے لکھا ۔ ایسے ہی ہم نے کیا ۔ خوب
بڑا ہے داغِ سجود اور داغِ عشق میں فرق ۔ کہ یہ ہے دل کیلئے اور وہ جبیں کیلئے
مفسرین نے جو تفسیر بیان کی ہے وہ ما قبل و مابعد کے الفاظ سے اور ایسی
باتیں بیان کی ہیں کہ وہ عبارت ان کی متحمل ہوسکتی ہے لیکن آپکا جواب ایسا
نہیں ۔

(مولانا کا وقت ختم ہوگیا اسلئے دلیل اسکی بیان نہ کی جاسکی)

پنڈت جی آپ مجھ سے میری بے عقلی کی تحریر مانگتے ہیں ۔ مولانا میں نے
آپ کو جاہل نہیں سمجھا تھا ۔ اس لئے جواب، دیا سوامی کا یہ حکم

ں لوگوں کیلئے ہے ۔ مولانا آپ بار بار فرماتے ہیں کہ مجرم کو سزا دی جاتی ہے
پاپ سے ردکے لیکن حسب اصول تناسخ برابر پاپ کا ہونا ضروری ہے تو مولانا
بھاؤ کی عادت ہے کہ ان گناہ میں مبتلا ہو جاتے ۔ اس سے چارہ کار
ہیں ۔ خود آپکا عقیدہ بھی تو یہی ہے کہ خدا چاہتا ہے کہ دنیا نیک بنے لیکن
عادتوں کی بنا پر لوگ گناہ کرتے ہیں اور نیک نہیں بنتے
پوچھتے ہیں کہ تناسخ کی حکمت وغرض ہے یا نہیں ۔ ہاں ہے اور وہ
کی سزا پانا اور نیکوں کا جزا پانا ہے ۔ لیکن خدا کی کوئی غرض نہیں رہا
فرمانا کہ مجرم کو کیوں نہیں اسکے جرم بتائے جاتے ہیں ۔ اسلیئے کہ اگر مجرم
اپنا جرم یاد رہے تو گناہ پر دلیر ہو جائے گا اسکی پرانی عادت چھوٹ نہیں
ی بلکہ یاد آجائے گی تو اور کرے گا ۔
مولانا! تناسخ کے ماننے سے خدا ظالم نہیں ہوگا بلکہ منصف ثابت ہوتا ہے
جسنے جیسا کرم (عمل) کیا ویسا ہی اسکو بدل دیا جاتا ہے ۔ لیکن ہاں میرا ایک
ل آپ سے ہے کہ جب بچہ مرجاتا ہے جس نے نہ کوئی برائی کی نہ بھلائی
سکو خدا کیوں جنت یا جہنم میں ڈالے گا ۔ یہ ہے ظلم یا بے انصافی ۔

مولانا افسوس کہ پنڈت جی اپنا وقت ادھر ادھر کی باتوں میں ضائع
کر دیتے ہیں لیکن میرے سوالوں کا جواب نہیں دیتے میں نے پہلے کہا تھا
کہ اگر خدا اپنا قصور معاف کر سکتا ہے جیسے سوامی جی اپنے مجرم کو معاف
تے تھے ۔ اسکی تحریر دیجئے لیکن اسکو پنڈت جی نے ایسا ٹال دیا کہ گویا
سنتے نہ تھیں پھر مسلمانوں کیطرف ایک عقیدہ منسوب کیا کہ خدا ٹانگ رلات
ل کر جہنم کو دیکھے گا الخ باوجود ثبوت طلب کرنے اور صدر کو متوجہ کرنے کے
بھی پنڈت جی نے کچھ نہ کہا ہاں خلاف قاعدہ مناظرہ آپ مجھ سے ایک سوال کرنے
(کیونکہ پنڈت اس وقت مجیب ہیں اس کا کام جواب دینا ہے اعتراض کرنا
ہیں ہے) بچہ بغیر عمل کے جنت میں کیوں جائے گا اسلیئے جائے گا کہ وہ مالک
ہر کا بھی ہے اور جنت کا بھی ۔ اپنی ملکیت کو اگر بغیر عوض بھی دیدے تو
ئی اعتراض نہیں ۔ کنجوس اور بنیا نہیں ہے کہ اگر پیسہ لے کر کوئی جائے تو

ڈال دے گا ورنہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تناسخ میں جزا و سزا دونوں ہوتا۔ میں نے کہا کہ پھر دنیا باقی نہیں رہ سکتی۔ آپ فرماتے ہیں کہ تمام دنیا کے لوگ نیک چلن نہیں ہو سکتے میں آپ سے اسکی تحریر لینا چاہتا ہوں کہ تمام دنیا نیک چلن نہیں ہو سکتی۔ آپ نے متعدد مرتبہ سوال کرنے کے بعد تناسخ کی حکمت بتلائی تو کہا کہ عمل کا پھل پانا۔ سبحان اللہ کیا خوب مگر ہم اسکو بھی غنیمت سمجھتے ہیں کہ کچھ کہہ تو دیا۔ لیکن اس پھل پانے کا نتیجہ اس سلسلہ کا مقصود بھی کچھ ہے یا نہیں اس کو ضرور بتلایئے کہ اس جزا و سزا کے پانے کا نتیجہ کیا اور کہیں نکلا یا نکل سکتا ہے آپنے پھر وہی کہا کہ خدا کے کاموں کی کوئی غرض نہیں۔ جناب فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ کیا آپ کا عقیدہ ہے کہ خدا کے کام حکمت سے خالی ہوتے ہیں اور مجنونوں، پاگلوں کے کام ہیں اور پرماتما کے کام میں کچھ فرق نہیں ہوتا؟ آپ خوب یاد رکھیں کہ میرے سوال کا اصول تناسخ پر اگر لوگ نیک ہو جائیں تو دنیا فنا ہو جائے گی) کبھی جواب نہیں دے سکتے ہیں۔ کیونکہ اس قسم کا سوال سوامی جی نے بھی ستیارتھ پرکاش ۱۲/۱۱۲ میں جینیوں پر کیا ہے کہ اس اصول پر اگر لوگ چلنے لگیں اور تمہارے کہنے سے سب لوگ کھیتی اور بیوپار چھوڑ دیں تو تم کیا کھا کر زندہ رہو۔ یعنی سلسلۂ دنیا ختم ہو جائیگا تو یہی سوال اگر سوامی جی کریں تو لاجواب ہے یہی سوال ہم سے کریں تو جواب کی کوشش ہو ممکن نہیں کہ اس کا جواب ہو ورنہ سوامی جی کا اعتراض لاجواب نہیں رہ سکتا۔ آپ میرے سوالات کا جواب نہیں دیتے اب اور نئے سوالات سنیئے!

(۶) جبکہ حسب قاعدۂ تناسخ انسان کو وہی ملتا ہے جو اس نے پہلے جنم میں کیا ہے اور پرماتما اس میں سے ذرہ بھر بھی کم و بیش نہیں کر سکتا تو آخر ویدوں کے بہت سے منتروں میں دعا پرارتھنا سکھایا گیا ہے کہ یہ مانگو اور وہ مانگو پھر اس کا کیا فائدہ؟ اس کو بیان کیجئے۔

(۷) حسب عقیدۂ تناسخ جس روح نے جیسا عمل کیا ہے۔ اسکو ویسا ہی جنم میں بدلہ ملے گا اگر ایسا عمل کیا کہ اسکو لڑکیاں ہی ہوں تو اس کے لڑکے

ئی۔ اور اگر اچھے لڑکے پانے کا عمل کیا ہے تو اسکو وہی ملیگا اگر
ی موت پھر سوامی جی ستیارتھ پرکاش میں مختلف تدبیریں جماع
ں، وغیرہ کی کیوں بتلاتے ہیں۔ اس کا فائدہ کچھ نہیں۔ بلکہ سوامی
نے تو تناسخ ہی باطل کر دیا کیونکہ وہ سنسکار ودھی، صفحہ ۳۷ میں
اور زمانے ہیں کہ لڑکا اور لڑکی پیدا کرلینا ہمارا اپنا اختیار ہے
پھر اسکی تدبیر بتلاتے ہیں۔ ان تمام سوالوں کا جواب دیں اگر نہ دے سکے
یقین ہے کہ نہ دے سکیں گے تو یہ تمام حاضرین جلسہ یقین کرلیں گے
سماج کا مذہب بالکل پاپ پر ہے۔ اور اگر تمام لوگ ویدوں پر
ہوجائیں تو دنیا میں خاک اڑنے لگے گی اور فنا ہوجائے گی اور
جبتک پرماتما حکم نہ کرے اسوقت تک دنیا نہیں بن سکتی۔
نجات یافتہ روحوں کو آپکے عقیدہ کے موافق پھر دنیا میں لاتے
بندر، سور بنایا جائے گا۔ بلا جرم و قصور۔ اور میں اعلان کرتا ہوں کہ
تمام لوگ اسلام پر عامل ہوں تو کوئی نقصان دنیا میں ظاہر نہ ہوگا۔
دنیا میں امن و چین سے سب لوگ زندگی بسر کریں گے!

پنڈت جی
جناب مولانا۔ خدا کا کام پاگلوں کیطرح نہیں۔ کیونکہ پاگل
کا اطلاق ذات خاص پر نہیں آیا کرتا میں نے پہلے ہی
ہے کہ اسلامی عقیدہ کے موافق بھی خدا حقوق العباد کو معاف نہیں کرتا۔
پھر آپ تحریر کیوں لیتے ہیں۔ جب کہ خود آپکا بھی عقیدہ ہے کہ خدا کا
ہوتا ہے کہ تمام لوگ نیک ہوں لیکن نہیں ہوسکتے بس وہی اپنے
بھاؤک عادت سے۔ اگر بچے بلا عمل جنت میں جائیں گے تو چاہئے
تمام بچوں کو قتل کرکے جنت میں پہنچایا جاتا پھر اسلام کے پرچار
تبلیغ کی ضرورت نہیں۔ آپ پوچھتے ہیں کہ تناسخ کا مقصود پورا ہوگیا
تو ہاں ہوا وہ اپنا پھل پا کر اور پچھلے گناہوں کا بھوگ بھوگتا ہے۔ مولانا
نجات یافتہ ازواج بہشت سے پھر دنیا میں نہ بھیجی جائیں تو وہاں
بھیڑ و اژدہام ہوجائے گی۔ اسلئے تناسخ ہے کہ بذریعہ تناسخ

پھر یہ لوگ دنیا میں واپس کر دیئے جائیں ورنہ بہشت بجائے آرام کی ہونے کے تکلیف کی جگہ ہو جائے گی جیسے دیکھئے اسوقت اس دھرم میں کسقدر لوگوں کو تکلیف پہنچ رہی ہے معلوم ہوا کہ پنڈت جی بہشت کو بھی دھرم شالہ سمجھ رکھا ہے جو بالکل ہی چھوٹا ہوا سوامی جنیوں پر اسلئے اعتراض کیا تھا کہ وہ کہتے ہیں کہ ان کاموں میں ہنر رجان مارنا ہوتا ہے۔ اسلئے اس کو رد کیا کہ اگر اس کا اعتبار ہے پھر دنیا قائم نہ رہے گی نہ کوئی کھیتی کرے گا نہ بیوپار، نہ چل پھر ہے --- اور نہ کوئی دوسرا کام کرسکتا ہے نتیجہ یہ ہوگا دنیا فنا ہو جائے گی۔ سوامی جی نے جو جماع وغیرہ کی ترکیب کی وہ اسلئے کہ جیسے اچھے مکان میں بڑے لوگ اور اچھے لوگ آکر کرتے ہیں اسیطرح اگر یہ ترکیبیں کی جائیں گی تو اولاد اچھی پیدا ہو آپنے یہ کہاں سے نکال لیا کہ تناسخ کو باطل کر رہی ہے۔

پنڈت جی کی سخن پروری اور مناظرہ کے بعد کے حالات

پنڈت جی نے بعد مناظرہ تحریر لی گئی کہ آپنے جو بیان میں کہا تھا کہ جہنم میں ڈال کر خدا دیکھے گا کہ وہ بھر گئی یا نہیں اس کا ثبوت دیجئے چنانچہ پنڈت جی نے تحریر دیدی اب جبکہ روئداد کامل ہو چکی کتابت وغیرہ ہو چکی تو آریہ سماج کے منتری کا خط آیا کہ وہ حوالہ مشکوٰۃ جلد چہارم حدیث ۱۳۵ میں ہے اسلئے میں چاہتا ہوں وہ حدیث نقل کردوں اور ناظرین کو بتا دوں کہ یہ ہے آریہ سماج کا مبلغ علم اور اسلامی تعلیمات سے واقفیت۔

ترجمہ	حدیث
جہنم میں برابر لوگ ڈالے جاتے رہیں گے اور وہ کہتا رہے گی کیا کچھ اور زیادہ ہے حتیٰ وہ جہنم بھی نہیں تو اللہ قدم کو رکھدے گا پس سمٹ آویں گے بعض اجزاء بعض کی طرف اور وہ پکار اٹھے گی بس بس کہ جہنم کو تم نے تیرے نام کی بھر گئی ہے	لا تزال جہنم یلقی فیہا وتقول ھل من مزید حتی یضع رب العزۃ فیہا قدمہ فینزوی بعضہا الی بعض فتقول قط قط بعزتک وکرمک

ربالفرض قدم سے مراد قدم اللہ تعالیٰ کا لیا جائے اور اہل لغت کے
نہ بھی مانا جائے (جو کہتے ہیں کہ معنی قدم کے الذین قدموا الاشرار کہ
قدم سے وہ بدترین لوگ ہیں جنہوں نے اپنے اعمال بد کو مقدم کیا تھا
بھی دعوی کے مطابق ثبوت پنڈت جی نے نہیں دیا کیونکہ دعوی یہ کیا تھا
نم میں خدا ٹانگ ڈال کر دیکھے گا کہ بھر گئی یا نہیں اور اس سے معلوم
جہنم پر قدم رکھنے سے بھر جائے گی دونوں میں زمین و آسمان
فرق ہے جو اہل علم پر پوشیدہ نہیں ہے۔ لیکن چونکہ اس تحریر
عدہ تھا اور مجمع میں یہ کہہ چکے تھے کہ اگر ثبوت نہ دوں تو اعتراض
لوں گا۔ اس لئے مدتوں کے بعد اس کی تلافی بھی کی تو یہ کہ دعوی کے
ثبوت نہ دیا۔ سچ کہا ہے کسی نے ہے

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی ۔۔ تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی۔

نت کی قلت کی شکایت کرتے ہوئے سلسلۂ تقریر میں مولانا اسعد اللہ صاحب
لیا تھا کہ اگر واقعی احقاق حق کا شوق ہوا اور سماج اور اسلام کو پرکھنا
اسلامی جلسہ میں آیئے اور دو چار روز برس دو برس تک مسلسل گفتگو
اس پر مناظرہ ختم ہونے کے بعد صدر مناظرہ (جو غالباً سکھ لال جی تھے)
کہ مولانا ہم لوگ (آریہ مبلغین) کسوقت آدیں جواب دیا گیا کہ ابھی بعد
لیکن اپنی سراسیمگی دیکھ چکے تھے اور اپنی طاقت کا اندازہ کر چکے تھے
اسلامی جلسہ میں نہ آئے۔ خط بھی لکھا گیا کہ آیئے ہم انتظار کرتے ہیں
س روز عدیم الفرصتی کا عذر کر دیا۔ دوسرے روز اسلامی جلسہ میں متعدد
مبلغین تشریف لائے لیکن وقت دینے کے باوجود بھی کسی نے لب
ائی نہ کی فقط۔

ت دھرم بھکشو سے مناظرہ

ایکمرتبہ سہارنپور میں آریوں کے مشہور مناظر پنڈت دھرم بھکشو
حضرت والا کا مناظرہ ہوا اسمیں حضرت والا سائل تھے اور پنڈت جی مجیب
ت والا نے پنڈت دھرم بھکشو سے سوال کیا کہ سوامی جی نے لکھا ہے کہ:

جس مذہب کو اکثر لوگ مانیں وہ مذہب صحیح اور حق ہوتا ہے اور دنیا میں
کو ماننے والوں مسلمانوں کی تعداد مردم شماری کے اعتبار سے آریوں سے
زیادہ ہے لہٰذا مسلمانوں کا مذہب (اسلام) آپ کی مذہبی کتاب اور آپ کے
پیشوا سوامی جی کے نزدیک بھی صحیح اور حق ہوا۔

پنڈت جی: پنڈت دھرم بھکشو نے کہا۔ آریہ سماج والے موتی ہیں اور مسلمان
اور موتی کم ہوتے ہیں قیمتی ہوتے ہیں۔ اور پتھروں کا کیا ہے اسکے
جابجا پہاڑ موجود ہیں اور ان کی کوئی قیمت نہیں لہٰذا مسلمان بے قیمت
اگرچہ ان کی کثرت ہے۔

حضرت والا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ اگر ایک معمولی سا چھوٹا سا
موتیوں پر پھینک کر مار دیا جائے تو سارے موتی ریزہ ریزہ ہوجائیں گے

پنڈت جی۔ موتیوں کو حفاظت سے رکھا جاتا ہے اور وہ پاک والے
ہوتے ہیں اور پتھروں سے استنجا کیا جاتا ہے اور ناپاکی کو صاف
جاتا ہے۔

حضرت والا۔ جسطرح پتھر نجاست وگندگی کو پاک کرتا ہے اسی
مسلمان بھی انسانوں کو کفر وشرک وغیرہ کی نجاستوں اور گندگیوں
پاک وصاف کرتے ہیں لہٰذا آپ لوگوں کو صاف کرنے کیلئے ہم مسلمان موجود

پنڈت جی۔ نے تیزی سے کہا کہ جنت میرے پیچھے ہے جو میرے
میں داخل ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا

حضرت والا۔ نے مجمع عام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا آجاؤ دیکھو پنڈت
کے پیچھے جنت ہے دیکھو تو اس کا پھاٹک کتنا بڑا ہے

اس پر سب لوگوں نے تالیاں بجادیں اور پنڈت جی شرم
ہوکر ایک دو تین ہوگئے اسی پر مناظرہ ختم ہوگیا (از مفتی محمود حسن صاحب مدظلہٗ)

ایک اور مناظرہ

سہارنپور میں ایک پنڈت جی نے مناظرہ کا چیلنج
دیدیا۔ مشورہ کے بعد حضرت والا کو طے کردیا گیا
حضرت والا نوجوان تھے اور نہایت خوبصورت بھی تھے بوڑھے پنڈت

انے اسٹیج پر پہنچکر رعب جمانے کیلئے گفتگو شروع کی اور کہا کہ ارے مولوی صاحب تو ابھی بچے ہیں میں نے تو ان کے بڑوں کو بارہا نیچا دکھایا ہے۔ حضرت والا اس وقت ذرا فاصلہ سے تھے یہ سنکر فوراً اسٹیج پر پہنچے اور فرمایا کہ حضرات میں ایک بشارت وخوشخبری سنکر یہاں آیا ہوں آپ بھی اس بشارت کو سن لیں وہ یہ ہے کہ پنڈت جی نیچا دکھانے میں بہت سوں کو دکھا بھی چکے ہیں۔ ہم ان کا نیچا دیکھنے آئے ہیں۔ پنڈت جی آپ دکھایئے۔ پنڈت جی بڑے شرمندہ ہو رہے تھے۔ حضرت والا نے فرمایا اگر آپ ہم سے شرم کرتے ہیں لیجئے ہم اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں آپ اوروں کو نیچا دکھا دیجئے ورنہ ہم آریہ کمیٹی سے درخواست کریں گے یہ کہتے ہوئے آپ نے ان کی کرسی کے نیچے کو جھانکنا شروع کیا مجمع میں کھلبلی مچ گئی اور تالیوں کی آواز کے ساتھ قہقہوں کی گونج فضاؤں پر بلند ہوگئی اور پنڈت جی دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہوگئے۔ اسطرح شروع ہونے سے پہلے ہی محفل مناظرہ برخاست ہوگئی

(مولوی محمود مرحوم)

عبدالحق پادری سے مناظرہ

عبدالحق پادری سے سہارنپور کے ایک گرجا گھر میں مناظرہ ہوا عموماً جسطرح گرجا گھروں میں آدمی کم ہوتے ہیں اسیطرح مناظرہ میں بھی آدمی تھوڑے ہی تھے۔ زیر بحث "مسئلہ الوہیت وصفات باری" تھا۔

عبدالحق پادری نے کہا کہ متکلمین اسلام کا مسلک بھی عجیب ہے وہ کہتے ہیں کہ صفات باری تعالیٰ نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات ہیں۔ یا تو صفات باری کو عین ذات ماننا چاہیئے یا غیر ذات۔ نہ عین ہوں نہ غیر تو اس سے ارتفاع نقیضین لازم آتا ہے اور ارتفاع نقیضین محال و باطل ہے اور یہ محال صفات باری کو لا عین اور لا غیر ماننے سے لازم آیا اور جو شئی مستلزم محال ہوتی ہے وہ خود محال و باطل ہوتی ہے لہٰذا متکلمین اسلام کا مسلک محال و باطل ہوا۔

حضرت والاؒ نے فرمایا یہ آپ کا ہاتھ ہے بتایئے کہ یہ عین ذات ہے یا غیر ذات جلد بو لیئے کیا ہے ؟ اگر عین ذات ہے تو اس کے کاٹنے سے آپ کو ہلاک ہوجانا چاہیئے اور اگر غیر ذات ہے تو اس کا تقاضا ہے کہ اگر اسکو کاٹا جائے تو آپ کو قطعاً کوئی تکلیف نہ ہو ۔ پادری خاموش ہوگیا ۔ اور سب نے تالی بجا کر باآواز بلند کہا کہ مولانا صاحب کی بات ہماری سمجھ میں آگئی مولانا صحیح فرماتے ہیں (مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی)

مسئلہ تناسخ پر مناظرہ

ایک مرتبہ آریہ سماج ،، نے گنگوہ ضلع سہارنپور ایک جلسہ کیا اس جلسہ میں یہ لوگ مسلمانوں کی دل آزاری اور ان کو مذہب اسلام سے بدظن کرنے کیلئے اسلام پر رکیک حملے اور بے سر و پا اعتراضات کیا کرتے تھے جیسا کہ یہ منحوس سلسلہ اس دور میں بھی شروع ہوچکا ہے ۔ مسلمانوں کو اس کا اندازہ تھا کہ یہ لوگ اپنی اس پست حرکت سے باز نہ آئیں گے اسلئے حضرت والاؒ کو بلالیا ، طے یہ ہوا کہ جب ان کا مقرر تقریر کرے گا تو سوالات واعتراضات کیئے جائیں تاکہ وہ بولنے میں حد سے نہ بڑھے ۔ پروگرام " پنڈت رام چندر ،، نامی کا تھا مگر وہ نہ آسکے ان کی جگہ کسی دوسرے صاحب نے تقریر کی اور تقریر میں تناسخ (آواگون) جو ان کے یہاں بنیادی مسئلہ اور اہم عقیدہ ہے کا ذکر کیا ۔ حضرت والاؒ نے اس پر اپنا سوال کیا اور باقاعدہ مناظرہ شروع ہوگیا ۔ حضرتؒ نے فرمایا ۔ پنڈت جی آپ کی ستیارتھ پرکاش ،، میں لکھا ہے کہ جو شخص اس جنم میں زنا کرتا ہے اسکی سزا یہ ہے کہ اگلے جنم میں اسکو گائے کی صورت میں بھیج دیا جاتا ہے اور جو اس جون میں قتل کرتا ہے تو اسکو اگلی جون میں درخت بنا دیا جاتا ہے ۔ دنیا میں جتنی گائیں ہیں آپ بتاسکتے ہیں کہ ان میں کون کون سی ایسی ہیں جن کو زنا کی سزا میں گائے بنا دیا گیا ہے ۔ اسی طرح دنیا میں بیشمار درخت ہیں آپ کو معلوم ہے کہ کون کون سا درخت ایسا ہے کہ جو قتل کی سزا میں درخت بنا ہے ۔

اہر بات ہے کہ قتل و زنا بڑے کام اور پاپ ہیں تو جو گا بھی پاپ کی
بیے وجود میں آئیں یا جو درخت گناہ کے نتیجے میں پیدا ہوئے ان میں
گناہوں اور برائیوں کا اثر ضرور ہوگا۔ ان گاؤں کا دودھ پینا اور
درختوں کے پھل کھانا بھی پاپ کا سبب ہوگا بلکہ پاپ ہوگا۔ آپ
ہیے کہ اس سے بچنے کیلئے کیا دودھ پینا اور پھل کھانا چھوڑ دیا جائے
ڈت جی بتا یئے۔ جواب دیجئے پنڈت جی بہت پریشان ہوئے اور
ئی معقول جواب نہ دے سکے اسی بات میں ان کو کچھ دبیر الجھایا اور گھمایا
ں کہ بیچارے خاموش اور لاجواب ہوکر میدان چھوڑ گئے۔
ضرتؒ نے فرمایا، کتنا غلط ہے، یہ تناسخ کا عقیدہ کہ اس سے تو کھانا
پینا حرام ہوا جاتا ہے۔ چلتے ہوئے پنڈت جی سے فرمایا اب غلطی
پر ہو جانے کے بعد آپ کو مسلمان ہو جانا چاہیئے وہ بوکھلا کر کہنے لگے
یہ اعتراض تو مذہب پر ہوتا ہے آپ نے تو میری تقریر پر اعتراض
یا۔ تو کیا ہم ایسا مذہب چھوڑ دیں ایسی بے جوڑ باتیں کہتے ہوئے بیچارے
رخصت ہوگئے اور مجلس مناظرہ سرد ہوگئی۔

اسی مسئلہ پر ایک اور مناظرہ

حضرت مولانا اکبر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سہارنپور میں
ک مرتبہ حضرت والاؒ کا مناظرہ ہندؤں کے ایک بڑے پنڈت اور مشہور
ناظر سے ہوا۔ موضوع بحث مسئلہ تناسخ (آواگون) تھا پنڈت جی نے
دعویٰ کیا کہ آواگون تو آپ کے قرآن سے ثابت ہے آپ اس کو کیوں نہیں
انتے؟ اور دلیل میں الٹی سیدھی غلط سلط طریقہ پر یہ آیت پڑھی۔
کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ (پ ۱ ع ۳) (اور تم اللہ (کی قدرت) کا کیسے انکار کر دگے حالانکہ
تم بے جان تھے اس نے تم کو حیات بخشی پھر تم کو وہ موت دیتا ہے پھر
زندہ کرے گا۔)
یہ آواگون میں یہی ہوتا ہے۔ جو اس آیت سے معلوم ہوا۔

لہٰذا تمہارے قرآن سے آواگون ثابت ہوگیا۔
حضرت والا کھڑے ہوئے (اور ان کو شجاعت و دلیری، فصاحت و
طلاقت بدرجۂ اتم عطا ہوئی تھی) فرمایا پنڈت جی آپ کو قرآن پاک
غلط سلط پڑھنے کی اجازت کس نے دی؟ آپ صرف ترجمہ و حوالہ پر اکتفا
کر سکتے تھے آپ قرآن مقدس کو غلط پڑھتے تھے اور ہر اخون کو
رہا تھا یاد رکھیئے کہ ایسے ہی بے عقل لوگوں کی اسی آیت کے اخیر جزء
میں تردید بھی کردی گئی ہے وَاِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ اور تم کو اللہ ہی
لوٹایا جائے گا) آواگون میں اللہ کی طرف لوٹنا کہاں ہوتا ہے اسمیں
دنیا میں آنے اور دنیا کی طرف لوٹنے کا تسلسل ہوتا ہے۔ ابھی
حضرت والا کی اتنی ہی گفتگو ہوئی تھی کہ پنڈت جی میدانِ مناظرہ
سے لاپتہ ہوگئے۔ اور حضرت والا نعرۂ تکبیر کی گونج میں واپس تشریف
لائے۔

ان چند واقعات کو اجمالاً نمونہ از خروارے،، کے طور پر ذکر کردیا
ہے تمام مناظروں کی مفصل روداد میں جمع کرنا دشوار بھی ہے!
اور اس مختصر میں ان کی گنجائش بھی نہیں۔ آپ کا پورا دورِ شباب و فوزِ
،، احقاقِ حق و ابطالِ باطل،، کے بے مثال جہاد میں گزرا ہے۔ دورِ حاضر
میں بھی طبقۂ علماء کو اس ضرورت کا احساس انتہائی ضروری ہے کیونکہ
حالات پھر اسی انداز پر پلٹا کھا رہے ہیں نیز اندورنِ خانہ فرقِ باطلہ
روز بروز بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔

مذکورہ مجاہدوں اور مناظروں کی روشنی میں

مذکورہ مجاہدا...

مباحثوں اور مناظروں کی رودادوں سے چند امور ظاہر و واضح ہوتے
(۱) حق کی حمایت اور باطل کی تردید کے زبردست جذبات اور ولولے
(۲) حضرت والا کے علوم کی گہرائی و گیرائی اور ایسی وسعت جو علوم اسلامیہ
کے علاوہ مختلف مذاہب و فرقِ باطلہ کی مکمل معلومات پر بھی حاوی

ہانت و ذکاوت اور طلاقتِ لسانی (زبان کی روانی) (۴) امت مسلمہ
د اور دینِ برحق کی بے حد محبت (۵) غیرت اسلامی و جوش ایمانی
پوری طاقت و قوت سے ان کو حق کا اعلان اور اسلام کی حقانیت کا
ہار دینے اور اسکو دلائل سے ثابت کرنے اور باطل کی تردید کرنے
ر کیا۔ (۶) ایسی شجاعت و بہادری اور دلیری کہ اس نے کسی بھی
طاقت سے مرعوب نہیں ہونے دیا وہ ہر ماحول پر چھا گئے اور ہر باطل
ن کو میدان چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا (۷) نزاکت طبعی کے باوجود
رحق کی خاطر انہوں نے ہر مشقت کو خوشگوار، ہر مصیبت کو نعمت
دگار، اور ہر توہین کو انہوں نے اپنا عزت و وقار خیال کیا۔
نانیت کی قدر اور ان کا احترام ہر مقام پر ملحوظ رکھکر اغیار
لوں میں بھی اپنی عظمت و محبت پیدا فرمائی (۱۰) اسلام کی صداقت
نیت کا سکہ دلوں پر ایسا بٹھایا کہ بہت سے وہ دشمنانِ اسلام
ے دلوں میں انصاف و حق پسندی کے جذبات موجود تھے بشوقِ دل
سے مالامال اور حلقہ بگوش اسلام ہوتے (۱۱) حضرت والا کی بھرپور
جہد، مخلصانہ و عالمانہ مساعی، مدلل بیانات اور فیصلہ کن مناظروں
یا پے حملوں سے ان باطل اسکیموں اور اسلام کے خلاف تنظیموں کے
ے ہوگئے جو زبردست فتنہ کے روپ میں ابھری تھیں اور جن سے
کو سخت خطرات پیدا ہوگئے تھے۔
یہ ہے کہ انہوں نے اپنی جوانی کی خوشگوار بہاریں، اپنی لیاقت و
ت کی توانیاں، اپنے قلب و قالب کی طاقتیں اور زبان و قلم کی
صلاحیتیں مذہب اسلام پر صرف فرمائیں۔ حق تعالیٰ ان کو پوری
کیطرف سے اپنی شایان شان جزائے خیر مرحمت فرمائیں اور اعلیٰ
یں بلند درجات سے مالا مال فرمائیں (آمین)

دعوت وتبلیغ

حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی پوری حیات بابرکا
حق وتبلیغ دین میں بسر ہوئی حضرت اقدس شروع ہی سے
تقریر کے عادی تھے اور اپنی تقریروں اور وعظوں سے امت مسلم
پہنچا رہے تھے۔ ان کے جذبات ایمان وعمل کو گرما رہے تھے
فاسدہ واعمال کاسدہ کو ان سے دور کرنے کی پوری پوری ج
فرما رہے تھے۔ لیکن عین عالم شباب میں جبکہ فتنہ ارتداد
کو بجھانے کے لئے آپ نے متھرا، آگرہ، ... راجپوتانہ وغیرہ
زبردست محنتیں اور انتھک کوششیں فرمائیں اسوقت سے۔ دع
کی ضرورت کا آپ کو پہلے سے کہیں زائد احساس ہوا اور آپ ا
کے قائل ہوگئے کہ مسلمانوں کو دعوت وتبلیغ میں اپنا سب کچھ قر
چاہیئے۔ آپ اس بات کا یقین رکھتے تھے اور دوسروں سے اس
بھی فرماتے تھے کہ دعوت وتبلیغ کی جد وجہد ہی سے اسلام کا ست
عالم میں خصوصاً ہندوستان میں تابناک اور روشن بن سکتا
اگر اس عمل میں امت مسلمہ نے غفلت سے کام لیا تو مسلمانوں کا
پر باقی رہ جانا دشوار ہے۔ اسلام دشمن طاقتیں اور باطل ا
ان کو اسلام پر باقی نہ رہنے دیں گی۔

حضرت والاؒ نے "دعوت وتبلیغ" کو اپنی زندگی کا ایک معمول بنالیا تھ
شخص کو اسکے مناسب دعوت دیتے اور نصیحت فرماتے تھے مسلم و
سب کو دعوت دینا آپ کی عادت تھی اور مسلمانوں کو خصوصاً علماء کو "
وتبلیغ" کے عمل کی ترغیب ہمیشہ دیتے تھے۔ بیعت فرماتے وقت
مریدین کو اور خطوط میں اپنے متوسلین ومتعلقین کو اس مبارک عمل ک

فرماتے تھے

طریقہ دعوت و تبلیغ حضرت والاؒ اس بات کے قائل تھے کہ دین کی طرف اللہ کے بندوں کو ہر اس طریقہ سے بلایا جائے جسمیں کوئی شرعی حرج نہ ہو۔ عمل، اخلاق، کردار، اور زبانی و قلم سے جس صورت سے بھی ہو سکے دعوت و تبلیغ کیجائے حضرت والاؒ نے تمام ہی طریقوں کو اپنایا تھا جس مقام پر جو طریقہ ہوا آپنے وہاں اس طریقہ کو اپنایا۔ آپنے انگریزی زبان کو اور شعر گوئی کو دعوت کا ذریعہ بناکر انگریزی داں طبقہ اور شعراء و ادباء کے مابین دعوت و تبلیغ کا شاندار کام کیا اور ان دونوں قسم کے لوگوں میں دین کی اہمیت و عظمت اور نماز، روزہ اور دیگر عبادات کا اہتمام پیدا فرمادیا۔ اور آپ کی برکت سے بفضلہ تعالیٰ ان دونوں طبقوں میں کافی تعداد میں دیندار حضرات نظر آنے لگے۔ اور علماء و صلحاء سے گرویدگی کی کیفیت ان میں محسوس کی جانے لگی۔

تبلیغ کی ضرورت حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں ہی طبقوں میں دعوت و تبلیغ کو ضروری سمجھتے تھے۔ آپ کو بجا طور پر اس کا احساس تھا کہ عیسائی اپنے مردہ مذہب کی زبردست کوشش کر رہے ہیں لٹریچر تقسیم کرتے ہیں، لالچ دیتے ہیں اور بہت سی ترکیبیں کرتے ہیں کہ کسی طرح لوگ ان کی مردہ عیسائیت قبول کر لیں۔ وہ اپنے اس مردہ کو عورت اور دولت کے کاندھوں پر لادے گاؤں گاؤں، شہر شہر، مارے مارے پھر رہے ہیں۔ ہندو کے پاس کوئی صحیح پروگرام، زندگی کا دستور اور نظام عمل نہیں۔ کیا عجیب دھرم ہے کہ ایک شریف انسان جس کا ذہن خالی ہو مگر اس طریقۂ حیات اور اس دھرم کو قبول نہیں کر سکتا جسمیں انسانیت ذلت و خواری کی بھینٹ چڑھ رہی ہو، سانپ، بندر، گوبر، گائے کا گوہ، مورت کی پوجا اور ڈنڈوت ہوتی ہو، اس مت کی ذرا سی

تفصیل سننا بھی کوئی شریف آدمی گوارا نہیں کرسکتا لیکن ا
نکے ماننے والے بھی اپنی دولتیں اور عمریں اسکی اشاعت پر لگا
لیکن اہل اسلام جن کے پاس ایک ہمہ گیر نظام صاف ستھرا پر
نظام حیات اور بہترین دستور زندگی موجود ہے وہ انتہائی
نیند سورہے ہیں۔ ان کو تو سب سے زیادہ کوشش اور جدوجہ
چاہیئے تھی تاکہ دنیا کے بسنے والے انسان صحیح راہ پر زندگی گذا
ہوں اور حق تعالےٰ کے قہر و عذاب سے نجات پاکر ہمیشہ راحت
سے مالا مال رہیں۔

مسلمانوں میں تبلیغ

مسلمانوں میں تبلیغ کیلئے حضرت
مشہور عالم ,,تبلیغی جماعت،،
کار کو بہت پسند فرماتے تھے اور خود بھی اسمیں شرکت فرماتے ؛
حضرت والا سے بارہا سنا گیا کہ ہم نے بہت سی جماعتیں، انجمن
تحریکیں دیکھیں ہم کسی کو برا نہیں کہتے ؎

لاکھ ہم کو برا کہے کوئی ۔۔ ہم کسی کو برا نہیں کہتے

لیکن جتنی مخلص ,,تبلیغی جماعت،، کو پایا ہے کسی جماعت کو ہم
قدر مخلص نہیں پایا۔ حضرت والا نے اپنے مربی و مرشد حکیم ا
مجدد الملت حضرت مولانا تھانویؒ سے اس سلسلہ میں استف
اور پوچھا کہ اس جماعت میں لگ کر کام کیا جائے؟ تو ارشا
کہ ,, اس جماعت میں لگ کر کام نہ کریں گے تو کون سی جماعت میں

تبلیغی جماعت سے تعلق و دلچسپی

جامعہ مظاہر علوم سہارنپور جسطرح اپنی بہت سی خصوصیات
ممتاز و منفرد اور گوناگوں امتیازات میں یکتا و بے مثل ہے ا

تعالیٰ نے اس کو یہ ممتاز خصوصیت اور خصوصی فضیلت بھی عطا
کی ہے کہ وہ مشہور عالم و عالمگیر تحریک "تبلیغی جماعت" کا منبع
سرچشمہ ہے۔ اس عالم گیر محنت دعوت اور تبلیغی جماعت سے
پوری دنیا میں ایک عملی حرکت، ایمانی احساس، اسلام کی عظمت
ریعت سے محبت، اتباع سنت، نمازوں کی کثرت اور ایمانی
ینی فضا کی عمومیت روزافزوں ہے، مدارس دینیہ، مراکز اسلامیہ
مکاتب قرآنیہ قائم ہو رہے ہیں مبلغین، داعین اور مصلحین کی
داد اور ان کی عمدہ صلاحیتوں میں روزافزوں ترقی ہو رہی ہے
سب جامعہ مظاہر علوم کے صدقات جاریہ و برکات سینہ اور فیوض تامہ
داخل ہے گویا اس مبارک جماعت نے جامعہ مظاہر علوم کے فیوض و
ار کو باد بہاری و باران رحمت بن کر نہایت تیزی کے ساتھ پورے
لم میں پھیلا دیا اور سارے جہاں میں اسلام و ایمان کی کھیتی کو سرسبز
اداب کر دیا ہے۔ اس تحریک "دعوت و تبلیغ" کے بانی و مؤسس
ضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جامعہ مظاہر علوم
سہارنپوری کی آغوش تعلیم و تربیت میں نشو و نما پائی، اسی گلشن
ی کی نورانی فضاؤں اور گھنی چھاؤں میں وہ پروان چڑھے اور اسی
علم و عرفاں کے آب حیات سے سیراب ہو کر انہوں نے پائیدار و لافانی
دگی پائی۔ حضرت موصوف نے جامعہ مظاہر علوم کے مشائخ حقانی
اساتذۂ نورانی کی آغوش شفقت میں پرورش پائی اور انہوں نے
گلستان محمدی کے باغبان عالیشان محدث اعظم شیخ اکبر حضرت
درس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے شرف
ذ کے ساتھ خرقۂ خلافت و اجازت بھی حاصل کیا اس کشتی نوح
(جماعت تبلیغ) کے ناخدا قطب عالم حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث
جامعہ مظاہر علوم سہارنپور رحمۃ اللہ علیہ اسی مادر علمی کے فرزند ارجمند
حضرت محدث سہارنپوریؒ موصوف کے شاگرد رشید و جانشین

لائق تھے جو مؤسس تبلیغ کے رفیق خاص و شریک کار اور زندگی اس تحریک کے سرپرست، روح رواں اور نگران ذیشان تبلیغی نصاب (کتب فضائل) آپ ہی کی ان مبارک و شاہکار تصانیف کا مقدس مجموعہ ہے جس سے آج پورا عالم واقف و فیضیاب ہے اور کتب کا مختلف ستر۷۰ زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

تبلیغی جماعت کے اصل روح رواں

حضرت مولانا شاہ محمد الیاس کے خلف الصدق رئیس ا[لتبلیغ]
حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ، حال امیر تبلیغ حضرت مولانا انعام الحسن حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب، حضرت مولانا عبید اللہ صاحب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سہارنپوری، حضرت مولانا محمد سعید افغانی سہارنپوری مہاجر مکی امیر تبلیغ سعودیہ عربیہ (حجاز مقدس)، حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہری مہاجر مدنی جیسے حضرات اساطین دعوت جنکی مساعی جمیلہ و جہد مسلسل سے اس تحریک دعوت و تبلیغ مکمل توانائی اور پورے عالم میں پذیرائی حاصل ہوئی ہے یہ سب جامعہ مظاہر علوم ہی کے لائق فرزند اور جیالے سپوت [ہیں] اور حجۃ الا[سلام] حضرت اقدس مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تلا[مذہ] ذی شان ہیں بلکہ جامعہ مظاہر علوم کے فضلاء کی اکثریت آج بھی اس کی روح رواں ہے۔ علاوہ ازیں اس تحریک سے تمام اہل حق مشفق مؤید و حامی ہیں اور جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے اساتذہ و طلبہ ا[ور] متعلقین اس سے والہانہ شغف اور عاشقانہ لگن رکھتے ہیں۔

اہل مظاہر علوم کو دعوت و تبلیغ سے گہری دلچسپی

یوں تو جامعہ مظاہر ع[لوم] کے شیوخ و اساتذہ [و طلبہ] اور متعلقین سب ہی کو تحریک سے گہری دلچسپی اور قلبی لگاؤ رہا ہے۔ لیکن قطب عالم حضر[ت] مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی و حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولا[نا]

شاہ محمد اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہا نے اس تحریک کی سب سے زائد
ید اور عملی شرکت فرما کر ہندو بیرون ہند کے جملہ متعلقین کو اس
اپنی کام سے وابستہ فرمایا۔ حضرت قطب العالم تو زندگی بھر اس کے
ران وسر پرست رہے۔ ان کی تالیفات کتب فضائل، "تبلیغی
صاب"، کے نام سے اس کام سے وابستگی رکھنے والے بیشتر حضرات
ے ہاتھوں میں مختلف زبانوں میں موجود ہے اور ہر جگہ روزانہ
میں کتابوں سے فضائل کی تعلیم ہوتی ہے۔ امیر العلماء حضرت مولانا
راحمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ راقم السطور کو تبلیغ کی ترغیب
تے ہوئے فرمایا کہ حضرت شیخ (قطب عالم حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ) نے
مرتبہ ایک خواب دیکھا کہ حضرت شیخ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب
ے پیچھے ہیں اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب حضرت شیخ کے
ھے بغل حضرت شیخ نے یہ خواب اپنے چچا جان حضرت مولانا محمد الیاس
احب سے ذکر کرکے فرمایا کہ میں آپ کے پیچھے ہوں یہ تو سمجھ میں آتا ہے
ن حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کا میرے پیچھے ہونا سمجھ میں نہیں
مولانا محمد الیاس صاحب نے فرمایا کہ اس خواب کا مطلب یہ ہے کہ آپ سے
لے اس تبلیغی کام کی پشت پناہی اور تائید وتقویت ہو رہی ہے
ر آپ کی تقویت حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات
ی سے ہے۔ حضرت حجۃ الاسلامؒ دور معذوری سے پہلے پہلے
جماعات میں بنفس نفیس شرکت فرماتے رہے اور اپنے مفید
الغط تقاریر سے امت کو اس عمل کی طرف متوجہ فرماتے رہے۔
اپنے متعلقین ومتوسلین کو اس کام میں لگنے کی تلقین وتاکید فرماتے
ہے۔ معذوری کے زمانے میں گو عملی شرکت کم ہو گئی تھی مگر تلقین
تائید تادم واپسیں جاری رہی۔
ضرت والاؒ طلبہ کی جماعتیں بھی ہفتہ وار قرب وجوار کے دیہات
، روانہ فرماتے تھے اور ان کے انتظام پر اپنے شاگرد رشید جامعہ

مظاہر علوم کے مایۂ ناز استاذ صدر المدرسین امیر العلماء محدث جلیل مولانا امیر احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو مامور فرما رکھا تھا حضرت تا حیات جامعہ مظاہر علوم کی دعوت وتبلیغ کے امیر رہے۔
حضرت امیر العلماء کو بھی اس کام سے انتہائی شغف اور گہری دلچسپی ان کی وفات کے بعد حضرت والاؒ اپنی نگرانی میں بعض ایسے نیک ہونہار طلبہ کو یہ ذمہ داری (امارتِ طلبہ) حوالہ فرما دیتے جن کو اس کا تجربہ ہوتا اور وہ اس سے دلچسپی اور لگن رکھتے۔

ہفتہ واری اجتماع میں شرکت

حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحت وقوت میں شب جمعہ کے ہفتہ واری اجتماع میں (بمقام جامع مسجد سہارنپور) پابندی اور بہت اہتمام سے تشریف لے جاکر شرکت فرماتے۔ کو پابندی سے کرنا آپ کی مستقل عادت تھی اسطرح مقامی طور پر جماعت کی تائید وتقویت فرمانے اور اس ہفتہ واری اجتماع میں اکثر تقریر فرماتے رہتے تھے۔ آپکا معمول تھا کہ جمعرات کو اس ہفتہ واری اجتماع میں شرکت آپ پیدل تشریف لے جاتے اور پیدل واپس تشریف لاتے اس پیدل جانے میں عموماً غیر مسلم دوکانداروں سے ملاقات اور "آداب عرض" فرماتے اور کوئی نہ کوئی خیر کا کلمہ فرماتے گویا آپ کی دعوت وتبلیغ صرف مسلمانوں تک محدود نہ تھی بلکہ غیر مسلم کو بھی آپ دعوت دیتے یہ عمل آپ کا شب جمعہ میں بھی ہوتا۔ اور جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد بھی جسکی تفصیل "وعظ وتقریر" کے عنوان میں مذکور ہے۔

متوسلین کو تاکید وترغیب

حضرت والاؒ اپنے مریدین اور متعلقین کو ہمیشہ تحریرًا تقریرًا اس کام میں لگنے کی برابر ترغیب دیتے اور تلقین وتاکید فرماتے رہتے تھے۔ بلکہ بیعت کے وقت جہاں اور دوسری چیزوں کا عہد کراتے اور خاص خاص چیزوں کی تلقین فرماتے تھے تو اس محنت

کی بھی خاص طور پر ہدایت فرماتے تھے۔ حضرت والا اپنے مکتوبات
اپنے متوسلین کو اس کام کیطرف متوجہ فرماتے رہتے تھے۔
ی کو کوئی اشکال یا شبہ پیش آتا تو اس کا مدلل حل فرماتے

ت والا کا ایک مکتوبِ گرامی

ہم اس سلسلہ میں اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ کے
مکتوبِ گرامی کو بطور نمونہ وسند پیش کرتے ہیں جو حضرت
نے اپنے شاگرد رشید حضرت مولانا بشیر اللہ صاحب کو ان
خط کے جواب میں لکھا تھا۔
ہوا کہ رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ
یک اہم جماعت جناب افتخار صاحب فریدی کی امارت میں
بھی۔ ان حضرات نے وہاں محنت کی علماء اور طلبہ سے بھی
کبیں طلبۂ کرام کو انکی اپنی چھٹیوں کے زمانے میں تبلیغ میں لگنے
دی اور علماء کرام سے توجہ فرمانے کی درخواست کی گئی
کے علماء کو اور خود حضرت مولانا بشیر اللہ صاحب کو جو اشکالات
لبہ کے جماعت میں لگنے کے سلسلہ میں پیش آئے ان کو موصوف
شیخ کے پاس ایک خط میں تحریر کیا تھا۔
کے جوابات قطب عالم حضرت شیخ الحدیث صاحب، حجۃ الاسلام
ناظم صاحب اور امیر العلماء حضرت مولانا امیر احمد صاحب
نے الگ الگ لکھے تھے۔ ان تینوں جوابات میں مفصل ومدلل
حضرت حجۃ الاسلامؒ ہی کا تھا۔
حضرت قطب عالمؒ نے حضرت مولانا بشیر اللہ صاحب کو جو جواب
فرمایا تھا اسمیں یہ بھی تھا کہ!
اور خط سننے کے بعد حضرت ناظم صاحب نے فرمایا کہ اس کا
جواب تو میں لکھوں گا میں نے بھی غنیمت سمجھا کہ میرے

امراض و اعذار کی وجہ سے دیر لگے گی کچھ آگے تحریر فر
بہر حال ناظم صاحب آپ کا خط اس وقت ہمراہ لے گئے لیکن
ناظم صاحب کے امراض و اشغال کیوجہ سے اور اسوجہ سے بھی
نے ماشاءاللہ بہت ہی مفصل تحریر فرمایا اور بھی دیر لگ

حضرت ناظم صاحب کے مندرجہ ذیل مکتوب گرامی میں
امور خاص طور پر قابل دید ولائق غور وتقلید ہیں (۱) متا
مکتوب الیہ کا احترام جبکہ مکتوب الیہ حضرت والاؒ کے شاگرد دم
ہیں (۲) جماعت تبلیغ کی تائید کس طرح پوری قوت کے سا
کی گئی (۳) قوت استدلال اور مناظرانہ انداز تحریر جس
و شبہات کی جڑیں اکھڑتی چلی گئیں (۴) باوجود ضعف و
و اعذار از اول تا آخر پورے خط میں ادبیت ملحوظ رہی،
اکتاہٹ کا نام ونشان تک نہیں ہے۔ ہاں مکتوب الیہ کی ماو
و مشغولیت کا احساس ضرور ہے جس کا تحریر سانی میں باندا
خواہی تذکرہ بھی موجود ہے۔ (۵) دین و مذہب سے والہانہ شغف
عظمت اور ملت اسلامیہ و مسلمین کی خیر خواہی کے بے پناہ جذبات مع
کے ہر جملہ سے نمایاں ہیں (۶) مزاج شناسی، طلبہ وعلماء کی مؤدب
ان کے ساتھ اخلاص و محبت کا برتاؤ طلبہ کرام کی تربیت بزرگ
اس سلسلہ میں مہارت و حذاقت۔ (۷) ان سب کے علاوہ تبلیغ
سے دلائل کی روشنی میں پورے شرح صدر کے ساتھ و
تعلق، عاشقانہ شغف اور قلبی لگاؤ۔

اب آگے ہم حجۃ الاسلام حضرت ناظم صاحب کا مکتوب
مطابق اصل نقل کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

نسیم احمد غازی مظاہری

— ۔:۔ —

مکتوب گرامی

حضرت

حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ

عزیز محترم مولانا بشیر اللہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت شیخ کی خدمت میں اخلاص وللہیت کے ساتھ طلبہ کی
نا مناعی پر کچھ شبہات تحریر فرمائے ہیں۔
اس سلسلہ میں کچھ ضروری باتیں تحریر کرتا ہوں غور سے پڑھکر
تاثرات سے آگاہ فرمائیں آپ نے لکھا ہے کہ میں ۱۹۲۴ء میں اپنے
اور ناظم صاحب کو دیکھ چکا ہوں کہ طالب علمی کے زمانے میں نہ
کرتے تھے نہ دوسری طرف متوجہ ہونے دیتے تھے۔ غالباً
کی مراد شیخ سے حضرت تھانویؒ ہیں اور ممکن ہے کہ ہمارے موجود
شیخ الحدیث صاحب مراد ہوں۔ بہرحال! جو آپنے لکھا ہے وہ حرف
صحیح ہے شیخ المشائخ حضرت گنگوہیؒ کسی طالب علم کو ہرگز بیعت
فرماتے تھے ولکن لا یخفیٰ علیکم ان الاحکام والمصالح تتبدل
بالزمان وتتغیر بتبدیل المکان۔ لیکن آپ پر یہ بات پوشیدہ
نہیں ہے کہ زمانہ اور مقام کے بدلنے سے احکام اور مصلحتیں بدل سکتی
ہیں اس وقت کا تقاضا وہی تھا جسکو ان حضرات نے مستحسن سمجھا تھا
لیکن نئے نئے فتنوں، بڑھتے ہوئے زندقہ، اور دین سے عام بے رغبتی
دیکھ کر حضرت تھانویؒ اور حضرت مدنی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنے طرز
کو بدل دیا تھا۔ آخر میں نرم ہو گئے تھے۔ میں خود زمانۂ طالبعلمی
میں حضرت تھانوی قدس سرہٗ العزیز سے بیعت ہوا تھا میرے علم میں

اس وقت سے موجودہ زمانہ شناس مشائخ طالب علموں
ہیں۔ البتہ مخصوص مجاہدات وریاضات واشغال واذکار
دیتے ہیں۔ باقی تقویٰ کی جو ایک سلبی مفہوم ہے بہت ناک
اور یہ مشاہدہ ہے کہ عام طور پر بیعت شدہ طلبہ کی حالت
بہتر ہوتی ہے اور ان کو اپنے بیعت ہونے کا کچھ نہ کچھ پاس
انکی علمی واخلاقی حالت دوسروں سے اچھی ہوتی ہے
نوشت وخواند میں زیادہ مصروف نظر آتے ہیں دھذا کالمشا
لا یرتاب فیہ۔ ولا یشک کسائر المحسوسات بالحواس
(یعنی اور یہ بالکل دیکھی بھالی چیز کی طرح محسوس ہے اسمیں شک نہیں کیا جا سکتا جیسے
محسوسات ظاہرہ میں شبہ نہیں ہو سکتا ۱۲) بیعت شدہ طلبہ بالعموم سنیما، اس
حلق لحیہ او قصہا (یعنی کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکانے، ڈاڑھی منڈھانے یا کٹانے)
اور قلۃ المبالاۃ بالصلوٰۃ والجماعۃ (نماز میں بے پرواہی کرنے اور جما
وغیرہ سے مجتنب رہتے ہیں۔

(آگے تحریر فرماتے ہیں کہ:)

آپ نے لکھا ہے کہ حضرت ناظم صاحب وغیرہ طلبہ کو دوسری جا
ہونے نہیں دیتے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شئی تحصیل
ہو اور عادۃً اسکے ساتھ تحصیل علم کے داعی باحسن وجوہ جمع نہ ہو
بلکہ مضمحل ہو جاتے ہوں اسی شئی کی جانب زمانۂ طالبعلمی میں
نہ کیا جائے۔ مثلاً زراعت، تجارت یا انہماک فی الاوراد والو
والصلوٰۃ النافلۃ والصیام النافلہ وغیرہا اور جو چیزیں ایسی نہ
طرف توجہ کرنے میں مضائقہ نہیں۔ بلکہ اگر وہ چیزیں فی الجملہ
ہوں تو انکو اختیار کرنا تحصیل علم کے تقاضوں کی تکمیل جمیل
طالب علمی کے زمانہ میں مشائخ ملت واکابر کی زیارت، ر
تلاوت قرآن مجید پابندی کے ساتھ ایسے ہی خالی اوقات
زیارت دینی کتابوں کا مطالعہ وغیرہ یا صحت برقرار رکھنے کے لیے

ورزش اور اسباب راحت میں مشغول ہونا۔ وغیرہ وغیرہ۔ آپ لکھتے ہیں کہ طلبہ تبلیغ میں پڑکر تفریح و سیاحت میں مبتلا ہوکر پڑھنے کیطرف خیال نہیں کرتے۔

برادرِ عزیز! ہمارا تجربہ اسکے خلاف ہے اور سَل المجرب ولا تسئل الحکیم (یعنی تجربہ کار سے پوچھو اور حکیم سے نہ پوچھو ۱۲ن) آپکے سامنے ہے تبلیغی طلبہ کا احساس بیدار اور شعور صحیح ہوتا ہے وہ اپنی اسلامی، علمی اور عملی ذمہ داریوں کو اچھی طرح محسوس کرتے ہیں جسکے نتیجہ میں رذائل سے عموماً دور رہتے ہیں اور کسب فضائل و فواضل بجانب حسب استعداد فطری متوجہ ہوتے ہیں اس کے برخلاف دوسرے طلبہ زمانہ کی کجروی کا ساتھ دیتے ہیں ان میں شعور حیات نامکمل و ناقص ہوتا ہے وہ دین میں بھی بے جا جسارتوں اور نامناسب بے باکیوں سے باک نہیں کرتے ان مذکورہ بالا حقائق کے پیش نظر کسب فنون وتحصیل علوم کیلئے تبلیغ میں مصروف ہونا ازبس ضروری ہوگیا۔

تجربہ شاہد و شہید ہے وکفی بہ شاھداً وشہیداً اس زمانہ میں اگر طلبہ تبلیغ کے نیک و مستحسن مقصد کیجانب متوجہ نہیں ہوتے تو دوسری غلط چیزوں کی طرف غیر شعوری طور پر متوجہ ہوجاتے ہیں ہمارے یہاں عربی مدارس میں تو کہاں کہیں سے یہ سوال اٹھتا ہے کہ طلبہ تبلیغ میں شریک ہوں یا نہ ہوں لیکن اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ اس مبارک تحریک سے خاطر خواہ فائدہ اٹھا رہے ہیں ؎

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانوں سے۔ پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانوں سے

ہندوستان سے گذر کر تمام ایشیاء اور یورپ میں کام کر رہے ہیں۔ ان پر خاطر خواہ ثمرات مرتب ہو رہے ہیں یہ لوگ امتحانات میں تبلیغی برکات کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

عزیز محترم! خدا کرے آپ اکتا نہ جائیں تحریر دراز سے دراز تر ہوتی جا رہی ہے لیکن "مفید بود حکایت دراز تر گفتم" کا مصداق ہے۔ آپ

کو معلوم ہے کہ میں نے ہند و پاک کے مختلف صوبوں کے علاوہ
کا بھی سفر کیا ہے ۔ مختلف الامزجہ مختلف المقاصد اور مختلف المذا
جماعتوں کو بہت قریب سے دیکھا ہے سیاسی پارٹیوں کا بھی کچھ حا
ہے میں اپنے تجربہ، مشاہدہ اور علم ویقین کی روشنی میں بلا
تردید بالکل بے جھجک ہو کر کہتا ہوں کہ میں نے سب جماعتوں سے
اس مقدس جماعت کو مخلص ، بلند مقاصد ، پاکیزہ کردار ، باعمل ا
پایا ہے ۔ والعلم الحقیقی عند اللہ ۔

آپ لکھتے ہیں ، نیز جب کچھ تقریر کرنا آجاتا ہے تو پھر خودی میں
ہوکر تعلیم کو خیرباد کہہ دیتے ہیں ،، جب آپنے تحریر فرمایا ہے تو
کہیں ایسا بھی ہوا ہوگا ۔لیکن اس طریق کار میں تبلیغ کو کوئی دخل
بلکہ یہ نتیجہ ہے اپنے اختیار کو غلط استعمال کرنے کا ۔ ایسے
کی فطرت وسرشت ہی میں فساد ہوتا ہے وہ اس کے اظہار کے
مواقع مہیا کر لیتے ہیں ۔ علیگڈھ یونیورسٹی ، دارالعلوم ندوۃ ال
لکھنؤ مدرسہ کاشف العلوم نظام الدین دہلی ، دارالعلوم تاج المسا
بھوپال اور مظاہر علوم کے طلبہ عام طور پر تبلیغی جدو جہد میں م
رہتے ہیں ۔ میں نے ان مذکورہ بالا مقامات کا نام بطور مشتے نمو
خروارے لکھدیا ہے بہرحال مجھے کسی طالب علم کے متعلق یہ معلوم نہیں
کہ وہ تبلیغی مساعی کے نتیجہ میں تعلیم کے پاک و بلند مقصود سے
بردار ہو گیا ہو ۔لیکن اگر مجھے علم بھی ہوتا تو میرے نظریۂ تبلیغ پر کچھ
نہ پڑتا ۔کیونکہ النادر کالمعدوم ولا عبرۃ بالشواذ ۔

مولانا ! کاروں کو ، ٹرینوں کو ، اسٹیمروں کو ، اور ہوائی جہازوں کو
پیش آتے ہیں لیکن چونکہ بہ نسبت عمومی سلامتی کے یہ واقعات
قلیل ہیں اسلئے ان کے استعمال کو ترک نہیں کیا جاتا ۔زراعت ،
صنعت وحرفت ، کارخانہ جات اور مختلف کاروبار میں مختلف الانو
نقصانات رونما ہوتے رہتے ہیں مگر ان مشاغل کو ترک نہیں کیا جاتا

یطرح بعض افراد کی بے راہ روی سے فریضۂ تبلیغ کو پس پشت نہیں
جاسکتا ہے۔ ان مثالوں سے بلغوا عنی ولو آیۃ" کی اہمیت ووجوب
فرق نہیں آسکتا ہے۔
انا! باوجودیکہ آپ مجھ سے عمر میں چھوٹے ہیں۔ میرے دل میں آپ کے
وعمل اور تقویٰ کی وجہ سے آپ کی بہت عظمت ووقعت ہے
، صورت میں آپ کو تبلیغ کی اہمیت سے آگاہ کرنا، حکمت بلقمان
دن " کا مصداق ہے آپ مجھ سے کہیں زائد واقف ہیں۔ اگر آپ کے
لو مقلب القلوب نے اس جانب متوجہ فرما دیا تو اس مبارک سلسلہ کو ہر جگہ
اور رنگون برما میں خصوصاً بہت تقویت پہنچے گی۔ خدا کرے میری اس
مانہ تحریر کے جواب میں مجھکو یہ معلوم ہو کہ آپ نے تبلیغی کوششیں
بروع فرما دی ہیں۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد
نے لکھا ہے کہ "النفس لا تتوجہ الی شیئین فی ان واحد" کی بنا
پڑھنے میں مشغول ہوں یا تقریر وتبلیغ میں شریک ہوں"، میرے
میں ایسے مقولوں کو نصوص حدیث وکتاب کے مقابلہ میں نہیں لایا
سکتا۔ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مبارک زندگی تبلیغ کی اہمیت
ثبت دار ہے ان کی پوری زندگی اسی پاک مقصد کیلئے وقف
ہمارے اکابر مختلف طریقوں سے ہمیشہ تبلیغِ احکام واشاعت
یام میں مشغول رہے ہیں۔
نا! یہ مسئلہ "لا تتوجہ فی آن واحد" سے متعلق ہے اسمیں یہ
کہا گیا ہے کہ "النفس لا تتوجہ الی شیئین فی زمان واحد"، حامیان
بھی یہ نہیں کہتے ہیں کہ آنِ واحد میں تحصیل علم بھی کی جائے اور
عی فریضہ بھی بجالایا جائے بلکہ یہ علیٰ زعم الفلاسفہ ناممکن ہے ارباب مدارس
زمانہ میں معقول بھی پڑھاتے ہیں اور منقول بھی معقول میں بھی مختلف
ایک ہی زمانہ میں پڑھائے جاتے ہیں مثلاً حساب، فلسفہ، حکمت،
نطق وہیئت وغیرہ منقول میں علوم ادبیہ، فقہ، اصول فقہ، حدیث،

اصول حدیث، تفسیر، اصول تفسیر وغیرہ اس صورت میں یہ اشکال ہا
ذہن میں نہیں آتا ہے کہ النفس لا تتوجہ الی شیئین فی آن واحد
مجھے خود اس نظریہ میں بھی کلام ہے حضرت شیخ الحدیث صاحب
کے والد ماجد استاذی حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نور اللہ مرقدہ
ہم لوگوں کو پڑھاتے ہوئے بھی دوسرے کام ہمارے سامنے انجام دیتے
حضرت عمرؓ سے مروی ہے۔ انی اجھز الجیش وانا فی الصلوٰۃ زبالمعنی
اس کا مبنیٰ بھی یہی ہے کہ نفوس الکاملین تتوجہ الی شیئین معا
فی آن واحد،، ولنعم ما قیل ؎

بر کفے جام شریعت بر کفے سندانِ عشق ؛؛ ہر ہوسناکے نداند جام وسندان باختن

موضوع بہت اہم مفید اور دلچسپ ہے جی چاہتا ہے کہ جی کھول کر تفصیل
سے لکھوں لیکن آپکے مشاغل کے پیش نظر اور اس اندیشہ سے کہ طبیعت
اکتا نہ جائے اختصار واقتصار ہی پسند کرتا ہوں۔ ادھر مجھکو یقین
معمولی التفات اور معمولی توجہ سے آپ اس مسئلہ کو بہ نسبت میرے
کہیں بہتر طور پر سمجھ لیں گے فلا حاجۃ الی التطویل ولا فائدۃ الی التفصیل

فائدہ اعلم ھٰذہ المسئلۃ منی والحمد للہ علی احسانہ ؟ لبیک والعفو
عبید آپ لکھتے ہیں کہ ،،مولانا فریدی فرماتے تھے کہ شیخ خود اجازت
دیتے ہیں طلبہ کو تبلیغ میں شرکت کی، بال ترغیب دیتے ہیں حالات بدل
گئے ہیں الخ،، مولانا جو کچھ فرماتے ہیں حرف بحرف صحیح ہے حضرت شیخ
نے تبلیغ کی اہمیت پر ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ شاید آپنے دیکھا
ہوگا۔ حضرت کی کتابیں فضائل رمضان، فضائل نماز، فضائل حج،
فضائل ذکر، وغیرہ اسی جذبہ تبلیغ کے ماتحت تصنیف وتالیف ہوئی
اور اسی فریضہ کی تکمیل کے لئے زیور طبع سے آراستہ ہو کر شائقین
کو پہنچی ہیں۔ حضرت آنے والے مبلغین کی جن میں علماء وطلبہ بھی ہوتے ہیں
بہت ہمت افزائی فرماتے ہیں۔ چائے پلاتے ہیں۔ کھانے پر بلاتے ہیں
جب قریب میں کوئی تبلیغی اجتماع ہوتا ہے باوجود اعذارِ شدیدہ وامراض

وہاں تشریف لے جاتے ہیں۔ جب مدرسہ میں کوئی تبلیغی تقریر
شرکت فرماتے ہیں۔ تلامذہ، مریدین، معتقدین، عامۃ الناس
میں شرکت کی دعوت دیتے رہتے ہیں، اپنے ضروری اور حتمی مشاغل
شوروں کی وجہ سے مؤخر فرما دیتے ہیں دنیائے اسلام کے مشہور عالم
الحسن علی میاں صاحب، حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی،
بلیغ حضرت الحاج الحافظ مولانا محمد یوسف صاحب اور ان کے دست
حضرت مولانا الحاج الحافظ انعام الحسن صاحب مقامی مبلغین اور
یہاں کہاں کے کون کون لوگ مشاورت کیلئے مسلسل آتے رہتے ہیں۔
کسی کو محروم واپس نہیں فرماتے۔ میں حضرت کے حالات کا بہت
گہرا مطالعہ کرنے کے بعد سمجھا ہوں کہ حضرت نے اپنی زندگی کو تین کاموں
ف فرما دیا ہے ۱۔ خدمت حدیث شریف ۲۔ تبلیغی مساعی جمیلہ
اد و ہدایت مخلوق۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب
یر فرمایا ہے، "کیا مولانا فریدی صاحب کا قول صحیح ہے اگر صحیح ہے تو اوپر
کردہ خرابیوں کی اصلاح کی کیا صورت ہے؟" میری مذکورہ گذارشات
اس سوال کے بعد جواب کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے۔ مگر
للہ مزاد تکمیلاً للبحث اختصار کے ساتھ عرض ہے کہ خرابیوں کی اصلاح
خرابیوں کے وجود کی اور تبلیغ میں سرے سے خرابیاں ہی نہیں ہیں۔
لاح کیسی؟ اگر کسی جگہ پر کوئی خاص خرابی مرتب ہو تو وہاں کے ارباب بست
مشاورت سے اس کو دور فرمائیں مجھے یقین ہے کہ اگر آپ جیسے ہوشمند
حضرات اس طرف متوجہ ہوگئے تو کوئی خرابی رونما نہ ہوگی۔
یہاں تک آپ کے سوالات یا شکوک وشبہات کے تفصیلی جوابات
اخیر میں ایک مختصر ومجمل مگر واضح اور پختہ جواب یہ ہے کہ ــــــ
ابا ولا تکن سائلا "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" کم از کم ایک چلّہ کیلئے

یہ کرو پوچھو مت کیونکہ سنی سنائی بات مشاہدہ کے مانند نہیں ہوسکتی " ۵

آپ مرکز تبلیغ بستی نظام الدین دہلی میں قیام فرمائیں اور بچشم خود حالا
جائزہ لیں ؎

گر دلیلت باید از وے رو متاب ⁂ آفتاب آمد دلیل آفتا

اس کے بعد آپ جو رائے قائم فرمائیں گے وہ بہت وزنی ہوگی مجھے
یقین ہے کہ آپکے تمام اشکالات انشاءاللہ کافور ہوجائیں گے۔ لیکن
خدانخواستہ کوئی خلش باقی رہی ر دمن ددرنہ خرط القتاد) تو با
صحبت باقی۔ میں بھی ہوں آپ بھی ہیں۔ جو اشکالات باقی رہ
بے تکلف اسوقت تحریر فرمادیں۔

فقط

بندہ محمد اسعد اللہ
ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور
۱۰ محرم الحرام سنہ ۸۲ھ

ان حضرات کے خطوط کا خصوصاً حضرتِ والاؒ کے مکتوب مذکور کا
کہ حضرت مولانا بشیر اللہ صاحب مظاہری، حضرت مولانا مفتی
مظاہری، حضرت مولانا محمد صالح صاحب مظاہری، نیز ارباب جمعیۃ علم
اور مدارس عربیہ و مراکز دینیہ کے اساتذہ و طلبہ اس مبارک کام کی
متوجہ ہوگئے۔ اور دوسروں کو بھی انہوں نے اس مبارک محنت
کی ترغیب دی جسکی وجہ سے رنگون و برما میں دینی محنت کی ایک
فضا قائم ہوگئی اور کمیونزم کے تسلط کے وقت اس سلسلہ کی برکت
مسلمانوں کے مدارس و مراکز اور مساجد الحمدللہ اس ناپاک نظام کی نامبا
منحوس زد سے محفوظ رہے۔ فالحمدللہ علٰی احسانہ وانعامہ۔

نسیم احمد غازی مظاہری

کیا حضرت مولانا تھانویؒ تبلیغ کے خلاف تھے؟

تبلیغی جماعت کے سلسلہ میں یہ شبہ بہت عام ہوا کہ مجدد الملت، حضرت مولانا تھانویؒ اس کام کے مخالف تھے چنانچہ بعض علماء نے سلسلہ میں امیر تبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ، قطب العالم مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارن پور، ناظم حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور، حضرت مولانا الشاہ وصی اللہ صاحب فتح پوریؒ وغیرہ معتبر و سربرآوردہ مشائخ سے استفسار و رجوع کیا سب ہی حضرات نے اس شبہ کو رد کر "تبلیغی جماعت" کی تائید فرمائی ان حضرات کے مکتوبات ماہنامہ بابت مارچ و اپریل ۱۹۶۰ء میں شائع ہو چکے ہیں۔ تمام خطوط نقل کرنا بے محل وطول لاطائل ہے۔

میں سے اول دو اقتباسات کو یہاں پیش کر دینا مناسب سمجھتا ہوں حضرت حجۃ الاسلامؒ کا والا نامہ درج کرتا ہوں۔

حضرت قطب عالمؒ اپنے مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

(ہمارے مدرسہ کے ناظم الحاج مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ مولانا تھانویؒ کے اکابر میں سے ہیں وہ تو بیعت کے وقت بھی ہر مرید کو اسکی تاکید کرتے ہیں اسی طرح دوسرے مشائخ بھی اپنے مریدین کو اسکی تاکید فرماتے ہیں دیکھو آگے لکھتے ہیں)

صلی اللہ علیہ وسلم کا خوابوں میں کثرت سے حمایت کرنا جو اتنی کثرت سے سننے میں آرہی ہے کہ اس کا احصار دشوار ہے۔ ان کے علاوہ بہت سے امور ایسے ہیں کہ جن کی بنا پر یہ ناکارہ مخالفت کو خطرناک سمجھ رہا ہے عدم شرکت دوسری چیز ہے کوئی شخص اپنے اعذار کی

وجہ سے یا اپنے شرح صدر نہ ہونے کی وجہ سے شرکت نہ کرے
میں بندہ کے نزدیک کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن مخالفت دوسری
ہے اس ناکارہ کا ناقص خیال ہے واللہ اعلم بالصواب البتہ کوئی منکر
دیکھی جائے تو اس پر نکیر دوسری چیز ہے۔

(۲) حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ لکھتے ہیں کہ

" دین کا کوئی بھی کام جو صحابہؓ کے طرز پر اخلاص کے ساتھ کیا جا
کوئی بھی بزرگ اس سے اختلاف نہیں کرے گا چہ جائیکہ حکیم الامت
تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اس قسم کا خیال کیا جائے
البتہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دور تک کام کی بنیاد ہی ڈ
جا رہی تھی ابھی نتائج کا ظہور نہیں ہوا تھا۔ الحمدللہ آج ہم ا
آنکھوں سے دنیا بھر کے ممالک میں اس کے بہترین مثبت نتائج د
رہے ہیں۔ (کچھ آگے تحریر فرماتے ہیں) نیز حضرت اقدس
تھانوی قدس سرہٗ العزیز کی عادت مبارکہ جماعتوں کے پہنچنے
وقت یہ سنی گئی ہے کہ ان کی دعوت فرماتے تھے اور دعا فرماتے تھے بو
دفعہ دل سے مستثنیٰ فرماتے تھے یہ بھی سنا گیا کہ فرمایا " الیاس
یاس کو آس سے بدل دیا " وغیرہ ہمیں ان کے اختلاف کا علم نہیں

والا نامہ حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ

محترمی و مکرمی مولانا صاحب وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہٗ
کئی روز ہوئے آپ کے جوابی گرامی نامہ نے عزت بخشی
حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی تحریک تبلیغ اور حضرت تھانوی
کے اختلاف کے متعلق میں نے آپ کے استفسار پر کافی غور کیا۔ اور
اس سلسلہ میں اپنی معلومات کو ذہن میں یکجا کرتا رہا پھر میں نے
آپ کے گرامی نامہ کا جواب لکھنے کے لئے محمد اللہ سے کہا۔

(۱) جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے حضرت نے میرے سامنے کسی کو تبلیغ سے نہیں روکا اور نہ منع کیا۔

(۲) چند ہی دنوں کی بات ہے کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنے یہاں مولانا عبید اللہ صاحب سرگرم کارکن تبلیغ سے تبلیغی تقریر کرائی۔ اور حضرت مفتی صاحب موصوف اپنے یہاں کام کرتے رہتے ہیں علاوہ ازیں حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کے بہت سے متوسلین اور معتقدین تبلیغ میں عملی حصہ لیتے رہتے ہیں جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں تبلیغ میں شرکت کو اپنی سعادت سمجھتا ہوں میرے عوارض مجھ کو اجازت نہیں دیتے کہ میں عملی شرکت کروں پھر بھی گاہے گاہے تبلیغی اجتماعات میں شرکت کرتا رہتا ہوں۔ اور اب سے چار یا پانچ سال قبل سہارنپور کی جامع مسجد میں جمعرات کے ہفتہ واری اجتماع میں پابندی سے شریک ہوتا تھا۔ نیز میں اپنے تمام احباب ظاہر و باطن کو ادھر متوجہ کرتا رہتا ہوں اور وہ لوگ جو مجھ سے بیعت ہوتے ہیں انھیں تو میں بتاکید تبلیغ میں شرکت کے لئے کہتا رہتا ہوں ادھر یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارے حضرت کے یہاں برابر تبلیغ کا کام ہوتا رہا ممکن ہے کہ کبھی حضرت نے کسی مبلغ کے متعلق کچھ فرمایا ہو۔"

نفس تبلیغ پر حضرتؒ نے میرے علم کے مطابق کبھی نکیر نہیں فرمائی، اور جب آپ خود تحریر فرما رہے ہیں کہ "دوسری طرف جو احقر نے اس دعوت تبلیغ کو دیکھا تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مطابق زندگی گذارنے کا واحد ذریعہ یہی تبلیغ ہے "، اب اسکے بعد مزید استفسار کی کیا گنجائش رہی واقعہ یہ ہے کہ موجودہ آزمائشی حالات نے تبلیغ کی ضرورت کو ہمیشہ سے زائد ثابت کر دیا ہے۔ نیز اس کا نفع ظاہر و باہر ہے اللہ کے حکم سے رسولوں نے تبلیغ کی ان کے بعد برابر ان کے صحابہؓ، تابعینؒ تبع تابعینؒ، علماء اور

اولیاء وصوفیاء ہمیشہ تبلیغ کرتے رہے۔ مجھے امید ہے بلکہ یقین ہے کہ اب آپ کو اطمینان ہو جائے گا۔ اور کوئی خلش باقی نہیں رہے گی۔ تبلیغ نے تمام دنیا کے مسلمانوں میں بیداری پیدا کردی ہے ایسی صورت میں اس کا تعاون ضروری ہے مجھے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے معلوم ہوا کہ حضرت پھولپوری قدس سرہٗ تبلیغ کے بڑے زبردست حامی تھے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ تو انتہائی ایثار ومدد کے ساتھ تحریک تبلیغ کے حامی تو تھے ہی نیز دورہ کے اساتذہ حضرت مولانا امیر احمد صاحب، حضرت مفتی مظفر حسین صاحب اور دیگر مدرسین عملاً شرکت کرتے۔ . . رہتے ہیں علاوہ ازیں یہ ایک حقیقت ہے کہ دراصل تبلیغ کا سرچشمہ اور منبع مظاہر علوم بذاتِ خود ہے اس تحریک کے مؤسس ومؤید اور سرپرست سب ہی مظاہر علوم کے منتسبین میں سے ہیں۔ خود حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مظاہر علوم کے سرپرست رہے۔ ہر شیخ ہر ماہ کافی روپیہ مبلغین کی دعوت طعام وغیرہا میں خرچ فرماتے ہیں

(حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب) بقلم محمد اللہ

تبلیغی جماعت سے دلچسپی کی وجوہات

(۱) حضرت والا کو سنتِ نبوی سے بے پناہ عشق تھا اور وہ حیاتِ سنت کا اس جماعت کی محنت میں مشاہدہ فرماتے تھے چنانچہ مکتوب مذکور میں ہے کہ!

" احقر نے اس دعوتِ تبلیغ کو دیکھا تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں سنتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مطابق زندگی گذارنے کا واحد ذریعہ یہی تبلیغ ہے " (جسکی تائید حضرت نے فرمائی)

(۲) رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی اس کام کی طرف عنایت وتوجہ جس کا اندازہ بکثرت خوابی بشارتوں سے ہوتا ہے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم

کا خواب میں دیکھنا حق اور حقیقتِ واقعہ ہے۔ جس کا علم بہت سی صحیح احادیث سے ہوتا ہے ظاہر ہے کہ محبوب کا رُخ جس طرف ہوگا وہی عاشقِ زار کا قبلہ وکعبہ ہوتا ہے۔

(۳) اس جماعت کے مقبول عند اللہ ہونے کا دلائل ومشاہدات اور ثمرات ونتائج کے اعتبار سے یقین ہے۔

(۴) اس تحریک ومحنت کا منبع وسرچشمہ جامعہ مظاہر علوم تھا۔ اور جامعہ مظاہر علوم سے عشق وشیفتگی کا یہ عالم تھا کہ آپنے ساری دنیا سے بے نیاز ہوکر اسی پر اپنی تمام زندگی قربان کردی۔

(۵) فتنۂ ارتداد اور شدھی وسنگٹھن کی خطرناک تحریکوں کے مقابلہ میں آپنے اس بات کا شدید احساس کیا کہ مسلمانوں میں ایسی محنت کی شدید ضرورت ہے جس سے ان کے ایمان واعتقاد میں استحکام اور ان میں حسن عمل واتباع سنّت کا ذوق ہوتا کہ وہ کسی فتنہ کا شکار نہ ہوسکیں اور اس سلسلہ میں تبلیغی جماعت کی محنت نہایت موزوں ومناسب ہے اس سے بہتر کوئی طریقۂ کار سامنے نہیں۔ ان وجوہات کی بناپر آپ اس تبلیغ ودعوت کی محنت اور تبلیغی جماعت سے خاص تعلق اور والہانہ دلچسپی اور انتہائی شغف رکھتے تھے۔

چنانچہ حضرت والا نے اپنی اس لگن اور تبلیغی جذبات کو اپنی منظومات اور شعری زبان میں بھی ظاہر فرمایا ہے۔

انھیں منظومات میں سے ایک منظوم عنوان "بہ حق کے لئے بے مثال جہاد اور زبردست بجا ہے" کے تحت "اسعدی جذبات" کے نام سے سابقہ اوراق میں گذر چکی ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے کہ

تبلیغ کے کاموں پر ہم خون بہادیں گے ۔۔ افسانۂ ملت کو رنگین بنادیں گے

اسی سلسلہ کے چند اشعار مزید ملاحظہ فرمایئے۔

ارشاد ہے کہ

اُٹھ مسلمِ خوابیدہ بشکلِ ضیغم
کردے روشِ دہر کو درہم برہم
پھر کوششِ پیہم سے بدل دے دنیا
پھر سعیِ مسلسل سے بدل دے عالم

ہو جاؤ کھڑے پھر پئے تبلیغ دیں
حاصل کرو دنیا سے خراجِ تحسیں
اسعد رہِ مولیٰ میں کٹا دو گردن
افسانۂ ملت کو بنا دو رنگیں

تبلیغ سے عالم میں اجالا کردو
اسلام کی رونق کو دوبالا کردو
بد زیب ہے یہ نظمِ عروج و پستی
دنیا کو بدل دو تہہ و بالا کردو

معارف اس سے پوشیدہ، حقائق اس سے مخفی ہیں
جو عالم میں فدائے ملتِ بیضا نہیں ہوتا

نسیم احمد غازی مظاہری

وعظ و تقریر

حضرت والاؒ نے نوعمری ہی کے زمانہ سے وعظ و تقریر
سلسلہ شروع فرما دیا تھا۔ حق تعالیٰ نے آپ کو علوم
ل و معقول کے ساتھ قوتِ گویائی کا کمال بھی عطا فرمایا تھا
کا وعظ بڑا مؤثر اور مفصل اور مدلل ہوتا تھا۔ جو احقاق
تردید باطل، دلائل و مسائل، حکم و عبر، واقعات و استدلالات
رمحل اشعار و نکات پر مشتمل ہوتا تھا۔ وعظ و تقریر کا انداز
اپنے مرشد و مربی مجدد الملت، حکیم الامت حضرت مولینا
نوی رحمۃ اللہ علیہ جیسا ہوتا تھا۔ جو حکیمانہ و حاکمانہ
ن قسم کے انداز کو جامع ہوتا تھا آپ کے مواعظ اور تقاریر
ام وخواص یکساں مستفید و فیضیاب ہوتے تھے، طبیعت کی
، جذبات کی جولانی، طلاقتِ لسانی، مضامین کی طغیانی
نا و حِکَم کی فراوانی، جذبات ایمانی کیفیاتِ عرفانی،
پنہائی اور زبان و بیان پیکر نورانی ایک بے مثال سماں
منظر لاثانی پیدا کر دیتا تھا۔ جن حضرات کو حضرت حجۃ الاسلام
مواعظ و بیانات سننے کا اتفاق ہوا ہے۔ وہ آج تک
ن لذت و حلاوت کا بیان کرتے۔ اور ان کی مجالس کو
ذکر کے اشکبار ہوتے ہیں۔

تذکرہ کاملانِ رام پور،، کے مصنف جناب حافظ احمد علی
ب شوق نے آپ کا تذکرہ حضرت علامہ مفتی بشارت اللہ
ب کے ضمن میں کیا تو وعظ کا خاص طور پر ذکر کیا۔ اور یہ
وقت کتاب مذکور کی تالیف ہوئی ہے۔ اس وقت حضرت والا
نوجوان رشاب صالح اور شاب نشأ فی عبادۃ اللہ کے سچے مصداق تھے۔

"علمائے مظاہر علوم اور انکی علمی اور تصنیفی خدمات"، میں لکھا ہے
"مجموعی طور پر برما میں آپ کا قیام تین سال
رہا وہاں رہ کر آپ نے پورے تدبر وتیقظ
کے ساتھ جامعہ کی انتظامی ذمہ داریوں کو
سنبھالے رکھا۔ وہاں آپ کی ذات سے بڑا
علمی و دینی ماحول قائم ہوا۔ عقائد حقہ کی
تبلیغ ہوئی۔ آپ کے وعظ وتقریر سے بہت
سی دینی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوا۔ سنت وبدعت
کی حقیقت اور ان میں باہمی فرق وہاں کے عوام پر
آشکارا ہوا۔ عوام وخواص میں سلامتی طبع کی بنا
پر آپ کی ذات سے گرویدگی اور محبت بڑھی
آپ کے اس زمانے کے رفقاء و مصاحبین نے
آپ کی عظمت و عبقریت اور مروت وشرافت
کا کھلے دل سے اعتراف کیا" (صفحہ ۳۹۸ ج ۱)

حاصل یہ ہے کہ آپکے مواعظ وبیانات بڑے پر اثر اور انقلابی
تھے۔ آپ جو موضوع اٹھاتے اس کو دلائل وشواہد،
واقعات کے ذریعہ سامعین کے دلوں میں اتار دیتے
اپنے بیانات میں آپ باطل پرستوں کی بڑے خوبصورت
میں تردید فرماتے اور اہل باطل میں سے بھی کسی کی تو
تذلیل نہ فرماتے۔ نہایت ہی اچھوتے انداز میں حق و باطل
ایسا امتیاز پیدا فرما دیتے کہ مخاطبین خود بخود حق کے
ہوجاتے اور باطل سے ان کے دلوں میں نفرت پیدا ہوجاتی۔
آپ کی عادت تھی کہ احقاق حق وابطال باطل میں
نہ تاخیر اور پس وپیش فرماتے اور نہ کسی کی ملامت کا اندیشہ
آپ کو تردد میں مبتلا کرتا۔

ہی کسی کی وجاہت و عظمت سے آپ مرعوب ہوتے تھے۔
مظاہر جلد دوم ص ۱۰۹ پر ہے کہ !

"اس کے بعد مولانا الحاج اسعد اللہ صاحب
نے مدرسہ کے حالات و کوائف پڑھ
کر سنائے اور اسی دوران میں مولانا
موصوف نے خان بہادر حافظ ہدایت حسین
کانپوری کے مسودہ قانون وقف کے متعلق
جو انھوں نے کونسل میں پیش کیا تھا ایک
تقریر فرمائی۔
جس میں دلائل نقلیہ وعقلیہ سے یہ ثابت
فرمایا کہ یہ مسودہ اپنی موجودہ حالت میں
ناقابلِ اطمینان ہے اور قلم زد کر دیئے
جانے کے قابل ہے۔"

لسالانہ جامعہ مظاہر علوم میں حسب روایت و معمول
علمار (مثلاً حضرت اقدس رائپوریؒ، حضرت مولینا
رحیم بخش صاحبؒ، حضرت مولانا الشاہ محمد الیاس
حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ، حکیم الاسلام حضرت
قاری محمد طیب صاحبؒ اور حضرت مولانا سید اصغر
صاحبؒ وغیرہ موجود تھے۔
۲۳ر ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ م ۸ر اپریل ۱۹۳۴ء کو جامع
سہارن پور میں منعقد ہوا تھا۔

جامعہ مظاہر علوم کے ترجمان

حقیقت حضرت والاؒ اپنے سنِ فراغت سے لے کر انتہائی

معذوری تک جامعہ مظاہر علوم کی زبان اور اس کے ترجمان رہے ہیں۔
مناظروں کے میدانوں سے لے کر مسجدوں کے منبروں تک اجتماعات سے لے کر طلبار کی مجلسوں تک، مدرسہ کے معاملات سے لے کر بیرونی ملی اور قومی مسائل تک حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی زبان فیض ترجمان ا حقیقت رقم رواں دواں اور فیض رساں رہے ہیں۔
حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہا کے خطباتِ صدارت عوام و خواص کے سامنے آپ ہی فرماتے تھے۔
تقریبات اور تعزیتی نشستوں میں آپ ہی کے بیانات تھے، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور کے سالانہ جلسوں میں اح احوال دکوائف ہمیشہ آپ ہی سناتے اور گاہے گاہے جلسوں میں آپ کی تقریریں ہوتیں۔
متعدد بار حضرت والاؒ کی مفصل و مدلل تقریروں پر جلسہ اختتام ہوا۔
جامعہ مظاہر علوم کے سالانہ جلسے عام مدارس کے جلسوں کی طر ہوتے تھے بلکہ ان میں وقت کے مشائخ و اکابر کو جمع کر جاتا تھا۔ مثلاً بڑے حضرت رائپوری ان کے بعد ان کے جا حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائپوری، حکیم الامت مولانا تھانوی، حضرت شیخ الاسلام، حضرت مولانا مفتی ع صاحب عثمانی، حضرت مولانا اصغر حسین صاحب محدث د حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب، حضرت اقدس ش محمد لیسین صاحب نگینوی وغیرہ وغیرہ۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

تمام مذکورہ امور کی تفصیلات تاریخ مظاہر" اور علمائے مظاہر علوم ملاحظہ فرمائی جا سکتی ہیں۔
بھی حضرت حجتہ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصیت ہے کہ پ نصف صدی سے زائد طویل عرصہ تک جامعہ مظاہر علوم ایسے ترجمان، خطیب ذیشان، مناظر، معبر اور واعظ و مقرر ہے کہ اس خصوصیت میں کوئی ان کا شریک وسہیم نہ ا۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

واعظ جامع مسجد سہارنپور کی حیثیت سے

جامع مسجد کلاں سہارن پور کے آغاز بناء ہی سے یہ دستور ہے کہ وہاں ایک اچھے اور صاحب نسبت۔۔ عالم وعظ جمعہ کے دن ہمیشہ سے ہوتا رہا ہے آج بھی س کا سلسلہ جاری ہے۔
ضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدوسی (جو جامعہ مظاہر علوم ے اکابر اساتذہ میں سے تھے اور بہت عمدہ واعظ مقرر تھے)، ایک عرصہ تک جامع مسجد میں وعظ فرماتے ہے۔ لیکن جب تحریک مودودیت کا خوبصورت فتنہ اٹھا ر اس ظاہری زہر آلود جس سے فوری طور پر بہت سے علم بھی، متاثر ہو گئے۔ گو بعد میں تمام معتبر علماء سے تائب اور علیحدہ ہوئے اور انہوں نے اپنی اپنی غلطی اعتراف اور توبہ اور برأت کا اعلان کر دیا۔
فسوس ہے کہ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدوسی بھی اس پرخطر تحریک میں ملوث ہو گئے تھے جس کی وجہ سے ان کو

ماہِ رمضان ۱۳۷۰ھ میں مادرِ علمی جامعہ مظاہر علوم کی خدمات سے سبکدوش ہونا پڑا۔ اور ماہِ ذوقعدہ ۱۳۷۰ھ میں ان کا انتقال ہوگیا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون بہرحال حضرتِ قدسی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اراکین منتظمہ جامع مسجد کلاں سہارن پور نے حجتہ الاسلام حضرت مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب سے درخواست کی کہ حضرتِ والا براہِ کرم ہفتہ وار بعد نمازِ جمعہ عوام کو اپنے مواعظِ حسنہ سے مستفیض فرمایا کریں۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی اس درخواست کو شرفِ قبولیت سے نوازا۔ اور بیس سال سے زائد طویل عرصہ تک حضرت والا جمعہ میں بھی اپنے بیانات و مواعظ سے شہر سہارنپور اور گرد ونواح کے مسلمانوں کو فیضیاب فرماتے رہے۔

حضرتِ والاؒ اپنی عادت کے مطابق اس معمول کی بھی انتہائی معذوری کے دور تک پوری پابندی فرماتے رہے۔ حضرت والاؒ اپنی قیام گاہ (کمرہ ۱ دار الطلبہ قدیم) سے جمعہ کی تیاری فرما اوّل وقت جامع مسجد پیدل تشریف لے جاتے اور امام کے مصلے کے پیچھے سنن ونوافل اور صلوٰۃ التسبیح وغیرہ میں مصروف ہو نمازِ جمعہ کے بعد منبر پر تشریف فرما ہوکر وعظ فرماتے اخیر عمر میں لاؤڈ سپیکر کا انتظام بھی کیا جاتا۔ وعظ سے فارغ ہوکر آپ پیدل ہی واپس تشریف لاتے البتہ معذوری اور ضعف کے زمانے میں رکشہ پر آمد ورفت ہونے لگی تھی۔ پیدل آمد ورفت میں خاص مصلحت غیر مسلموں سے ملاقات اور ان کو کوئی نہ کوئی نصیحت اور کلمۂ خیر فرما دینا تھی علاوہ ازیں اُن لوگوں کی موافقت بھی ملحوظ ہوتی جو طلبہ یا مریدین ومتعلقین اور معتقدین آپ کے ہمراہ ہوتے۔

یہ ہمارا مشاہدہ ہے۔ کہ آپ جب بازار سے گذرتے تو ہندو
صاحبان اپنی اپنی دوکانوں سے اتر اتر کر آگے بڑھتے، ہاتھ
اٹھا کر کھڑے ہوجاتے اور آپ کو سلام کرتے تھے آپ بھی بڑے
تپاک سے ملتے اور مزاج پرسی فرماتے تھے۔ غیرمسلموں کی
گرویدگی کا وہ منظر بڑا ہی قابل دید ہوتا تھا۔ حضرتِ والا
ان کی کلمۂ خیر اور دعوتی انداز کی بات اور دعائے خیر فرماتے ہوئے
گزر جاتے اور سب سے نہایت خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔
ان میں سے بہت سے وہ ہندو صاحبان بھی ہوتے تھے جنہوں نے حضرتِ
والاؒ کو اپنے پنڈتوں کے مقابلے میں مناظرہ و مباحثہ کے میدانوں میں
دیکھا تھا۔ اور حضرتِ والاؒ کے عمدہ بیانات، ٹھوس دلائل، مخاطب کے
احترام اور بلند اخلاق سے وہ لوگ متأثر و گرویدہ بن گئے تھے۔
ان کی نہایت محبت و عقیدت اور عظمت سے حضرت والاؒ کی خدمت
میں آمد و رفت رہتی تھی۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی ان ملاقاتوں سے غیرمسلموں کو کافی فائدہ پہنچا
اسلام کی تعلیمات، اسلامی معاملات۔ محمدی اخلاق اور بہت سی
دینی معلومات سے واقف ہوگئے تھے۔ شہر سہارنپور کے بہت سے
ہندو حضرات آج بھی حضرت والاؒ کو اسی گرویدگی و محبت کے ساتھ
یاد کرتے ہیں اور کئی حضرات تو آپ کے صاحبزادۂ محترم حضرت مولانا
... اللہ صاحب سے ملتے رہتے اور پرانی یادوں کو تازہ کرتے رہتے
ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور ان سب کو ہدایت اور خیر کی توفیق نیز اپنی
رضا و خوشنودی سے مالامال فرمائے۔ آمین

صدارت وصفِ اوّل حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ
علیہ ہر مقام پر صفِ اول
میں رہے اور صدر نشیں ہوئے ہیں آپ صدر الشعراء رہے

مشاعروں کی صدارت کی، امام طریقت بنے تصوف وسلوک میں مرجع خلائق رہے۔ صدرالعلماء اور رئیس المناظرین ہوئے۔ نماز میں صف اول کا التزام فرمایا اور حق تعالیٰ نے آپ کو شعروسخن، علم وفن وغیرہ تمام لائنوں میں صف اول سے سرفراز فرمایا۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم کتاب العلم میں علماء کی چار صفیں قائم کی ہیں، صف اول کے وہ علماء ہیں کہ جن کو حق تعالیٰ نے بیان وبنان دونوں قسم کی دولتوں سے سرفراز فرمایا یعنی وہ علوم نبویہ سے زبان وقلم کے ذریعہ تقریراً اور تحریراً دونوں طرح امت کو فیضیاب کرتے ہیں۔

دوسری صف ان علماء کی ہے جو صرف بیان پر قادر رکھتے ہیں اور تصنیف وتالیف نہیں کرسکتے۔

تیسری صف ان علماء کی جن کو بیان وزبان کی قدرت میسر نہیں ہاں قلم کی طاقت ان کو عطا ہوئی ہے اور وہ علوم کو تصنیف وتالیف کے ذریعہ پہنچاتے ہیں۔ چوتھی صف ان علماء کی ہے جن کو نہ بیان کی قدرت عطا ہوئی ہے نہ قلم کی۔ یعنی نہ وہ تقریر پر قدرت رکھتے ہیں اور نہ تحریر پر۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء کی چوتھی صف غیر مفید ہے ان کے لئے زمین کے نیچے کا حصہ اوپر کے حصہ سے بہتر ہے یعنی ان کا مرجانا ان کی زندگی سے بہتر ہے۔ اس وضاحت کے بعد سمجھئے کہ حق تعالیٰ نے حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو علماء میں بھی صف اول میں ممتاز مقام عطا فرمایا تھا وہ تقریر وبیان پر بھی ایسی قدرت ومہارت رکھتے تھے جو ہرایک کو حاصل نہیں ہوتی اور وہ قلم وتحریر کے بھی عمدہ شہسوار اور یگانۂ روزگار تھے آپ ایکطرف بہترین مقرر، واعظ اور مناظر تھے تو دوسری طرف بہترین مضمون نگار صاحب تصانیف کثیرہ بھی تھے۔ آپ نظم ونثر دونوں بے تکلف اور لکھتے تھے۔ آپ نے امت کو ہرممکن طریق سے فیضیاب فرمایا بلامبالغہ آپ کو جس لائن میں دیکھا گیا حق تعالیٰ نے آپ کو مقام امامت وصدارت سے نوازا تھا۔

مختلف تحریکات اور حضرت والاؒ کی خدمات

م و تعلم، دعوت و تبلیغ، وعظ و تذکیر، تصنیف و تالیف، تربیت
ِلاحِ خلق اور احقاقِ حق و تردیدِ باطل کے علاوہ حضرت والاؒ
ابر کی روایات اور جامعہ مظاہر علوم کے طریقۂ کار کے موافق مختلف
سائی تحریکات میں بھی اہم خدمات انجام دی ہیں۔ ہر موڑ پر
جامعہ مظاہر علوم اور اس کے اکابر کی روایات اور موقف کے
ار ہے اور اپنی زبان و قلم سے ہمیشہ اسی موقف کی تائید و توضیح
ایت کی ہے۔ ہر وہ تحریک جسمیں قومی و ملی مفاد ہوتا دیگر اساطین
ر علوم کے ساتھ آپ اس کی پُرزور حمایت و تائید فرماتے وہ
ے خواہ کسی بھی جماعت، انجمن، اور ادارہ کی طرف سے ہوتی یا کسی
سیاسی و غیر سیاسی پلیٹ فارم سے ہوتی۔ اس سلسلہ میں
کا ذہن نہایت وسیع تھا۔ اسی طرح جو تحریک قوم و ملت
نفاد میں نہ ہوتی بلکہ اسلام اور ملت اسلامیہ کے لئے مضر اور
ان دہ ہوتی اسکی آپ بلا تردد و پس و پیش تردید فرماتے تھے۔

مظاہر علوم کا مقصد اور دستور

یہ معلوم ہے کہ جامعہ مظاہر علوم کا اصل مقصد علوم نبویہ کی
یج واشاعت، سنت و حنفیت کی تقویت و حفاظت، اور حق کی

بقاء و حمایت ہے ۔ اسلئے جہاں وہ درس و تدریس، تصنیف و تالیف، اور سلوک و احسان وغیرہ مثبت ذرائع پر نہایت مستحکم و منظم کرتا رہا ہے ۔ اسی طرح ایسی تمام تحریکوں کی تائید و حمایت کو فرض سمجھتا رہا ہے جو ان مذکورہ مقاصد کیلئے مفید ثابت ہوں اور جملہ باطل تحریکوں کا نہایت تدبر و دوراندیشی سے مقابلہ کرتا رہا جو ملت اسلامیہ کے لئے دینی، مذہبی، اعتقادی یا دنیوی اعتبار سے مضر اور نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہوں ۔ اکابر مظاہر علوم کا یہ طرۂ امتیاز رہا ہے کہ انہوں نے حق کے مقابلہ میں شخصی تعلق، ذاتی مفاد اور شخصیت وغیرہ کسی بھی چیز کی پرواہ نہیں کی ۔ جس بات کو حق اور مسلمانوں کیلئے مفید پایا یا غلط اور مضر سمجھا بلا جھجک واضح الفاظ میں اس کا اعلان فرمایا ۔ بلکہ حق کی پوری قوت سے حمایت کی اور باطل کا پوری طاقت سے مقابلہ کیا ۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء

قادیانیت، چکڑالویت، بہائیت، پرویزیت جیسی باطل تحریکوں کو آریت، رضاخانیت جیسے بڑھتے ہوتے خطرناک فتنوں کو جسطرح حضرات نے پسپا اور ملیا میٹ کیا ہے تاریخ دان طبقہ اس پر پوشیدہ نہیں۔

سیاسی معاملات اور ارباب جامعہ کا طرز عمل

جامعہ مظاہر علوم کے اکابر کا طرز عمل یہ رہا ہے کہ وہ سیاسی امور سے ہمیشہ الگ تھلگ اور دور رہے ہیں اور کھلم کھلا سیاست میں گھسنے کو جامعہ مظاہر علوم کیلئے مضر اپنے بنیادی مقاصد کے خلاف سمجھتے رہے ہیں ۔ چنانچہ ۱۹۱۷ء کے مطبوعہ ایک کتابچہ میں مدرسہ کے اصل مقاصد بیان کرتے ہوئے صفحہ ۳ پر تحریر کیا گیا ہے کہ !

" یہ امر سب کو معلوم ہے کہ اس مدرسہ میں کسی وقت میں تعلیمی مشاغل کے علاوہ غیر متعلق مباحث سے کام نہیں لیا گیا اور خصوصاً " پولٹیکل " معاملات اور واقعات سے ہمیشہ اعراض ہی نہیں کیا گیا بلکہ محض بے تعلقی رکھی گئی کیونکہ دونوں باتیں ہمارے اصل مقصد کے بالکل خلاف تھیں "

سیاسی ہستیوں، اور کرسی نشیں لیڈروں کی دعوت، خوشامد کرنے
کے لئے قصائد اور سپاس نامے پڑھنے کی ان حضرات کو کبھی نوبت
، بلکہ بعض وزیروں اور ملک کے ذمہ دار لوگوں نے اگر جامعہ مظاہر علوم
کا شوق ظاہر کیا تو جامعہ مظاہر علوم کے ذمہ داروں نے بڑے خوبصورت
ں ان سے معذرت چاہ لی مثلاً یہ لکھوا دیا گیا یا کہلوا دیا گیا کہ ہم
ہیں اور فقراء نہ آداب شاہی سے واقف اور نہ امور سلطنت، و
ت سے آشنا اسلئے ہم معذرت خواہ ہیں، شہا بجر دما بلامت
اقبال نے اسی یکسوئی و گوشہ نشینی کو اپنے شعر میں اسطرح بیان فرمایا ہے
ہے قائم تو فقیری درویشی ہے سلطانی : فقط احساس کی پستی سے لٹتا ہے وقار اپنا
باوجود اگر کوئی سیاسی ہستی اور دنیوی شخصیت اکابر سے عقیدت و
بنیاد پر، ملاقات، وزیارت کے شوق میں نعم الامیر علی باب الفقیر
پر آہی گئی تو اکابر نے ان کی عظمت، ووجاہت کو ملحوظ رکھتے ہوئے
اخلاق کا ثبوت پیش کیا اور ان کی شایان شان اکرام واعزاز فرمایا۔
مو مظاہر علوم کے اس طرز عمل کی عمدگی کا احساس اب ہوتا ہے جبکہ
کھلی آنکھوں ایسے اداروں کی تباہی و بربادی کا مشاہدہ کر رہے ہیں
ن "اہل سیاست"، کی بے تحاشا آمد و شد کا سلسلہ ہو گیا ہے۔
باوجود کہ یہ حضرات اہل دنیا کی نگاہ میں بالکل غیر سیاسی، نور یہ
اور ملکی معاملات سے بے تعلق و بے خبر رہے ہیں۔ لیکن جب بھی خالص
شرعی، اور اخلاقی بنیادوں پر مشتمل مسائل کو سیاسی رنگ دیکر
سامنے اس انداز میں پیش کیا گیا کہ ان سے شرعی اقدار کو خطرات
لیکنے لگے۔ یا کسی دینی و شرعی مسئلہ کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی
اسلامی شعار کو مٹانے کیلئے کوئی سازش تیار کی گئی تو ایسے مواقع پر یہ
ہیں اور قلندر صفت ہستیاں گوشہ گمنامی میں خاموش نہیں بیٹھیں
وقت انہوں نے مسلم سیاست دانوں کی رہبری کی ان کو سوجھا دیا
تبجک میدان میں اتر آئے۔

یہ جملہ ارباب مظاہر علوم کا طرز عمل رہا ہے۔ جن کے ترجمان، مجبر دکنوینر اپنی زبان و قلم سے نصف صدی سے زائد مدت تک قیادت و امامت حجۃ الاسلام حضرت مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ر یہاں ان تحریکات۔ اور اکابر مظاہر علوم و حضرت حجۃ الاسلام کی خد تفصیلات کو بیان کرنا دشوار بھی ہے اور ان کی تفصیلات کا یہ مو بھی نہیں ان امور کے چند نمونے "تاریخ مظاہر" اور "علمائے مظاہر سہارنپور اور انکی علمی و تصنیفی خدمات" میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ البتہ اس سلسلہ کے چند اشارات اور مذکورہ دونوں کتابوں کے چند اقت ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

تحریک خلافت اور مسئلہ قربانی

تحریک خلافت کے زمانہ میں برادران وطن کے ساتھ اتحا کی تجاویز پاس ہوئیں اور اسکی اہمیت و افادیت کے چرچے ہوئے تو ذ کے ترک کی تحریک بھی اٹھی اور متعدد علماء اور سیاسی رہنماؤں نے ا تائید بھی کردی اسوقت علمائے مظاہر علوم نے ترک ذبیحہ کی سخت کی اور حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر ع ترک ذبیحہ کی حرمت کا فتویٰ دیا اور دلائل سے یہ بات ثابت ف اس سے اسلامی شعائر کو نقصان پہنچے گا اور کفر کی ترویج ہوگی۔ ا اور فتویٰ کی وجہ سے علمائے مظاہر علوم کو بہت مطعون کیا گیا اور س کی ان پر بوچھار ہوئی اور توہین آمیز خطابات دیئے گئے مگران ح نے ان سب چیزوں کی کوئی پرواہ نہیں کی اور اپنی عادت کے مطا پر ڈٹے رہے حضرت سہارنپوری کے فتویٰ کی آخری سطور یہ ہ "ہر مسلمان کو ایسی درخواست پر دستخط کرنا اور انسدادِ گاؤکشی کے امر میں اعا سخت حرام قریب کفر ہے مسلمانوں کو لازم ہے کہ اس سے نہایت پرہیز کر جن لوگوں نے ناواقفیت سے یا طمع نفسانی سے دستخط کر دیئے ہیں وہ تو اور اپنے دستخطوں سے ایک اعلان شائع کریں کہ ہم سے خطا ہوئی ہم

ب نہیں فقط (تذکرۃ الخلیل عکسی ص۲۹۱)

فتوی نے لوگوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور بہت سے لوگوں نے اپنی رائے
جوع کیا۔ حضرت اقدس سہارنپوریؒ نے علمائے دارالعلوم دیوبند کو ایک تفصیلی
بھی تحریر فرمایا تھا جس میں یہ بھی تھا کہ:

ے نزدیک سب سے اول مسلمانوں کیلئے ہر حالت میں شریعت کا اعتقادی اور عملی
ام ہے۔ محض زبانی احترام کافی نہیں مسلمانوں کی دنیوی ترقی و فلاح کا ذریعہ
نما مل اتباع شریعت ہی ہو سکتا ہے جبتک اس اتباع کی روح مسلمانو
بالاتفاق پورے طور پر موجود نہیں ہو گی اسوقت تک مسلمان دنیوی مصا
ام سے کبھی نجات نہیں پا سکتے۔ اگر دنیوی مصائب دور کرنے کے
اتباع شریعت سے غافل ہو کر عقل انسانی پر اعتماد کیا گیا تو یقینا
انوں کے لئے ناکامیاں اور غیر متوقع مشکلات و تکالیف رونما ہوں گی
ت حاضرہ میں مسلمانوں کے لئے صبر و استقلال کی بھی ضرورت ہے اور
سکی بھی سخت ضرورت ہے کہ آپس کی فضول منازعت و منافرت بالکل تر
ئے کہ ارشاد ہے وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا صبر و تحمل اور اخلاص کے ساتھ مسلمانو
بہبودی کے لئے جد و جہد کرنا نہایت مبارک ہے اور کامیابی انشاء اللہ
ر ہمرکاب رہے گی۔

بت خلافت اور حفاظت مقامات مقدسہ تو ایک بڑے مرتبہ کی چیز ہے
ے نزدیک دارالاسلام کی ایک انچ زمین پر بھی کفار کا قبضہ یا اقتدار ہو
مسلمانوں کے اوپر شرعاً عرباً بتدریج واجب ہو جاتا ہے کہ بقدر
ستطاعت اسکی حفاظت کریں اور اگر اسکی حفاظت و حمایت میں باوجود
ستطاعت کوتاہی کریں گے تو گنہگار ہوں گے اور حق تعالیٰ شانہ
یہاں مواخذہ دار ہوں گے۔

کے ساتھ موالات خواہ وہ نصاری ہوں یا مشرک قطعاً حرام ہے اسمیں
مسلمان کو چون و چرا کی گنجائش نہیں اور ترک تعلقات خواہ وہ بطور قربت
نا جیسے نکاح اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ یا بطور لین دین کے ہوں

یا بطور ملازمت کے یا کسی دوسری طرح سے ہوں اگر وہ شرعًا ناجائز
تب تو ان کا ترک واجب ہے ہی اور اگر وہ فی نفسہ جائز ہی ہوں تو
بھی مسلمانوں کے لئے ہر ملک اور ہر زمانے میں عمومًا اور بلادِ اسلامی اور
مفسدہ کے خطرہ کی حالت میں خصوصًا ان سب کا ترک مفید اور مستحسن ہے
ہوں بالخصوص جب کہ مسلمانوں کے حقوق کے خلاف دشمنانِ اسلام
کی تقویت یا ایسی تدابیر میں معاونت کا باعث ہوں جن سے مذہب یا
اسلام کو کسی قسم کا نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو بشرطیکہ حدودِ استطاعت
سے خارج نہ ہو۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا۔

میرے نزدیک اِنَّمَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ قَاتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ
وَاَخْرَجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ وَظَاھَرُوْا عَلٰٓی اِخْرَاجِکُمْ کا مصداق فقط
ہی نہیں بلکہ مشرکین ہنود بھی ہیں۔

چند روز ہی گذرے ہیں کہ جو واقعات دلخراش ضلع اعظم گڑھ اور
صوبہ بہار اور کٹار پور میں ایک فرض مذہبی قربانی کے روکنے کے متعلق
ہنود کی طرف سے مسلمانوں پر اور ان کی عورتوں اور بچوں پر ہوئے
ہیں۔ وہ کبھی سچے مسلمان کے دل سے فراموش نہیں ہو سکتے اور
ابھی اہل ہنود کھلم کھلا اس کوشش میں منہمک ہو رہے ہیں کہ ہر جگہ
گاؤکشی صلحًا یا جبرًا بند کرادی جائے چنانچہ اخبار پڑھنے والے اصحاب
واقف ہیں کہ بہت جگہ بند ہو چکی۔

لیکن اگر ہنود آئندہ اس مسئلہ قربانی میں (جو اسلامی شعار ہے) مزاحمت نہ
کریں اور مذہبی معاملات کو بجائے خود اس سے علیحدہ رکھ کر صرف دنیاوی
اور معاشرتی تعلقات میں مسلمانوں کے ساتھ اتحاد و اتفاق کریں تو ایسی حالت
ہنود کے ساتھ بپابندی حدود شرع دنیوی امور میں مصلحت و اتفاق مناسب
تصور کرتا ہوں۔ بشرطیکہ مسلمانوں کے ادنیٰ سے ادنیٰ مذہبی امر پر اب یا آئندہ
کسی قسم کا اثر قطعًا نہ ہو۔

ا وقت جو مسلمان ترکِ قربانیٔ گاؤ کے معاملہ میں معاونت
رہے ہیں اور اس کے ترک پر عام مسلمانوں کو برانگیختہ کر رہے
وہ لوگ قطعاً حدودِ شرع سے آگے بڑھ گئے ان پر
ب ہے کہ حدودِ شرع سے ذرا بھی قدم نہ بڑھا دیں۔
ن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ،
ہمیشہ اس کا خیال رکھنا چاہیئے کہ اس مصالحت و اتفاق
خدا نخواستہ آگے چل کر ایسے نتائج مرتب نہ ہوں جو
انوں کے لئے دینی یا دنیوی مضرت کا باعث ہوں۔
ازاں اگر اصول سیاست سے کبھی یہ اتفاق مستحسن ہو
یا پائیدار معلوم ہوتا ہو تو میرے خیال میں اس پر عمل
ت مناسب ہے مگر شرائط اتفاق بکمال حزم و احتیاط
ین اکابر فریقین طے ہونے چاہئیں۔ اور ایسے تصفیہ
عد کہ جس میں ذرا بھی شرعی نقطۂ نظر سے نقص نہ رہے
ن پر پوری طرح عمل کیا جائے۔
فریقین کو شکایت پیدا نہ ہو۔ افسوس ہے کہ ایسی
رداد کی طرف میں توجہ کم دیکھتا ہوں جو شرعی شکوک
ل کردے اور سیاسی خطرات کے لئے بھی سدّ باب کا باعث
اب تک مسلمانوں کو عام طور پر معلوم نہیں کہ اتفاق کن شرائط
دود کے اندر کیا گیا اور اسی وجہ سے غلط فہمیاں کثرت
پیدا ہو رہی ہیں۔
ں تعلیم جس کا بیڑا میرے اکابر نے اٹھایا اور جس میں تمام

ر جو اللہ کی حدود سے آگے بڑھے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا ۱۲

شبیر احمد عثمانی مظاہری

عمر منہمک رہے ہیں اس کو نہایت ضروری اور مہتم بالشان
ہوں اور ہر اس تحریک کا سختی سے مخالف ہوں جو ا
میں نقصان پہنچانے والی ہو۔
میں نے سنا ہے کہ بعض علمائے اسلام جوش کے
یہ فرماتے ہیں کہ مدارس دینیہ بند کردو اور سب
سب خلافت کی طرف متوجہ ہوجاؤ۔ میرے نزد
یہ نہایت غلط راستہ ہے۔
دونوں امر فرض کفایہ ہیں علماء اور ہادیانِ ملت
دونوں کی طرف توجہ فرمانا اور دونوں کو یکساں
ضروری خیال کرتا ہوں۔ اور نیز ہر ایسے امر کو جو
میں تفریق واختلاف کا باعث ہو۔
یا حدودِ شرع سے متجاوز ہو مثلاً کسی جزوی ا
پر یا محض گمان مخالفت پر کسی زندہ یا مردہ مسلما
تذلیل وتوہین یا تقلید یورپ میں ایسے اصولوں
عمل جو اسلام کی تعلیم کے مطابق نہیں ان سب
نہایت مکروہ اور غیر مستحسن خیال کرتا ہوں۔
مگر عرض کرتا ہوں کہ اگر پابندی اسلام نظر ا
کرکے دنیاوی بہبودی کی تدبیریں کی گئیں تو
کو اور ترقی ہوگی۔ اور مسلمانوں کے لئے بدترین مص
اور غیر متوقع آلام پیدا ہوں گے۔
ہمارے لئے صحیح راستہ وہی ہے جسکی مذہب ہا
رب ذوالجلال والاکرام ہم سب کو اسپر چلنے کی توفیق
فرمائے[۱]، اسلام کا ادنیٰ خادم اور مسلمانوں کا دعاگو
خلیل احمد انبہٹوی مقیم سہارنپور

[۱] اس مکتوب گرامی کے ایک ایک جملہ کو پڑھئے حقائق کا کھلی آنکھوں مشا
کیجئے اور ملت ہندیہ کی قسمت پر آنسو بہائیے ۱۲ ن

ب گرامی اپنے اندر بہت سی حقیقتیں اور خبریں اور مسلمانوں کیلئے
ہیں ایک رہنما کی حیثیت رکھتا ہے نیز علمائے مظاہر علوم کے
سلک کا عمدہ ترجمان اور ان کے نظریات کا بہترین آئینہ دار بھی ہے
حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا اس وقت دور شباب تھا اور وہ
ستاذ محترم حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے نظریات
میں ساتھ ساتھ تھے۔ بلکہ حضرت سہارنپوری موصوف کے
ن اور معتمد آپ ہی تھے۔ چنانچہ ۱۵ رجب ۱۳۳۹ھ م ۱۵ مارچ
کو محلہ چوبفروشان سہارنپور میں ایک جلسہ خلافت منعقد
ن کے صدر حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہ تھے اس جلسہ
حضرت سہارنپوری کے ارشاد سے حضرت موصوف کی جانب سے خطبہ
نے حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ ہی نے پیش فرمایا تھا۔ یہ خطبہ
ت "علمائے مظاہر علوم" جلد اول میں موجود ہے۔ اختصار کے پیش
اس کو یہاں ترک کرتے ہیں۔ اسکے علاوہ عام طور پر حضرت سہارنپوری
الات آپ ہی پڑھتے اور ان کی جانب سے اکثر ترجمانی آپ ہی
تھے۔

آزادی میں | تحریک آزادی کے دور میں برادران وطن سے
اتحاد اور یگانگت کی بنیاد پر بہت سی چیزیں
ر پر مسلمانوں سے ایسی سرزد ہوئیں جو اسلامی تعلیمات اور شرعی
کے خلاف تھیں ملک حضرات کے اخلاص اور مسلمانوں سے ان کی ہمدردی
ہونے کے باوجود اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ ان کے سامنے
ستان کی آزادی، برطانوی تسلط سے گلو خلاصی اور قومی ہمدردی کا
اہمیت تو حاصل تھی لیکن وہ اس جذبہ آزادی میں احکام شرعیہ کی
ں کے روادار نہ تھے بلکہ بسا اوقات ان حضرات کے اقوال و افعال
یل کرنا اور ان کے جواز کو تلاش کرنا ممکن نہ ہوتا تھا۔ ان حالات
ن نظر ضروری ہوا کہ خصوصی طور پر علماء مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت کی

طرف متوجہ ہوں۔ اس مقصد کے تحت حضرات علمائے دارالعلوم دیو
و مظاہر علوم سہارنپور نے اجتماعی طور پر جمعیۃ علمائے ہند اور اس کے
حضرات کو توجہ دلائی کہ وہ اپنے مقاصد کے جہد و عمل میں احکام ش
کو اہمیت دیں اور اصولِ دین کو فراموش نہ کریں اور موجودہ حالا
مسائل شرعیہ کو صاف صاف بتائیں۔ ان دونوں اداروں کے
علماء حضرات نے جو، توجہ دلاؤ، مضمون اکابر جمعیۃ علماء ہند کی
میں پیش کیا وہ ہم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے مجموعۂ فتاو
"فتاویٰ مظہریہ" کے حوالہ سے یہاں پیش کرتے ہیں۔
(مختصراً از "علمائے مظاہر علوم") اس مضمون پر دیگر علمائے دیوبند کے
کے ساتھ حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب رحمۃ ا
کے دستخط بھی تھے۔ اس مضمون کی نقل حسب ذیل ہے۔

قابلِ توجہ جمعیۃ علماء ہند دہلی

جمعیتِ علماء کے قیام کی اصلی غرض و غایت مسلمانوں کو مقاصدِ عامہ
اور امورِ سیاسیہ میں مذہبی رہنمائی کرنا اور حوادث و نوازل میں احکام
بتلانا اور مسلمانوں کو اس راہ پر چلنے کی تلقین کرنا ہے اور اس میں شک
کہ یہ مقصد بہت ہی اعلیٰ و ارفع ہے ایسا ہونے سے مذہب و ملت
ملک و قوم کو بڑی فلاح ہو سکتی ہے۔ لیکن ملک اور مسلمانوں
حالت اور رفتار کو دیکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ بہترین مقاصد کے
..... کے لئے جو طریقہ اختیار کیا جارہا ہے وہ شرعاً یقینی طو
مذموم اور حالاً و اعتقاداً و عملاً مسلمانوں کے لئے مضر اور
کو سخت نقصان پہنچانے والا ہے جو واقعات اور حالا
ملک میں پیش آرہے ہیں ان میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے
اول:۔ امسال بہت جگہ خلافت کمیٹیوں نے گائے کی قربانی کو ترک د
دوم:۔ بعض مواقع میں قربانی کی گائے لیکر اور اسے خوب سجا کر رضاکارانِ خلافت

ں کی گئوشالہ میں داخل کی
بعض اضلاع میں بہت سے مسلمانوں نے اسلئے قربانی نہیں کی کہ گائے کی
سے تو خلافت کمیٹی نے نہایت شدت سے روک دیا اور بکرے وغیرہ
راسکی قربانی کی ان میں استطاعت نہ تھی۔
:۔ بعض جگہ خلافت وغیرہ کے جلوس کے موقع پر مسلمانوں نے بلکہ
ں نے تلک لگائے یا غیر مسلموں کی ارتھیوں کے ساتھ گئے ان کو کندھا
بعض نے "رام رام ست" بھی کہا اور غضب یہ ہے کہ بعض حامیان
نے مطبوعہ رسالوں میں اسکے جواز پر بھی زور دیا۔
ان تحریکات کے بعض مقتدر علم برداروں نے تقریر کرتے ہوئے
ر مسلمان یقین رکھتے ہیں کہ اس نازک وقت میں امام مہدی تشریف
گے اور پیغام حق پہنچائیں گے اب یہاں ان کی جگہ امام گاندھی
یف لائے ہیں۔ حال ہی میں ایک تحریر کے اندر لکھا گیا ہے کہ
لیٰ نے اپنے لامحدود فضل وکرم سے ہم مسلمانوں کو ایک اعلیٰ روحانی
مہاتما گاندھی عطا فرمایا ہے ایک اور تقریر میں کہا گیا ہے کہ
ختم نہ ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے۔
:۔ غیر مسلموں نے جن کو ہم اپنا حلیف کہتے ہیں محض کثرت تعداد سے فائدہ
علوں میں ذبیحہ گائے بالکل بند کر دیا۔
۔ بعض جگہ رام لیلا کے موقع پر ہندوؤں کے اوتاروں کے ساتھ
...عبہ کی تصاویر نکالی گئیں اور اس پر ان لوگوں نے کوئی ناپسندیدگی
ر نہیں کیا۔
ہوا اور بھی جزئیات ہیں جو اس وقت پوری مستحضر نہیں۔ ممکن ہے کہ
مذکورہ میں کوئی واقعہ غلط ہو یا اس طرح نہ ہو جیسا کہ دیکھا
گیا ہے۔

یا وہ نام حذف کر دیئے گئے اصل تحریر میں موجود ہیں ۱۲ ان

لیکن اس میں شک نہیں ہے کہ اسباب سے اکثر صحیح ہیں اور ممکن قریب یقینی کے ہے کہ آئندہ ایسے واقعات کا ظہور اور بھی خطرناک صورت میں ہو۔

اگرچہ اساس اتحاد واختلاط کے لئے سیاسی حیثیت اور ومعاشرتی لحاظ سے بھی یہ طریقہ مضر اور ناپائیدار ہوتا ہے اور احتمال مقصد کے گم ہو جانے کا ہوتا ہے۔ مگر ہم اسوقت اس حیثیت سے ان حالات کو معرض میں لانا نہیں چاہتے ہیں۔ ہماری غرض صرف شرعی جہت سے ہے اور ہم یقیناً جانتے ہیں کہ علماء تو درکنار کوئی عامی بھی ان کفریات پر چشم پوشی واغماض کو جائز نہ سمجھے غیر قطعی الحصول نتیجہ کے لئے قطعی احکام شرع سے اعراض عالی بھی گوارا نہ کیا جائے گا۔

اس لئے ہماری گذارش ہے کہ جمعیت کو خلافت اور ترک وغیرہ کی تبلیغ کے ساتھ ہی ساتھ ان مسائل اور حالات طریقۂ عمل پر بھی مسائل شرعیہ اور احکام مذہب صاف بیان کرکے مسلمانوں کو افراط وتفریط سے بچانا اور پوری قوت ووضاحت کے ساتھ شرعی حکم بتلا کر راستہ قائم کر دینا چاہئے اور ہر مسئلہ میں حدود بتلانا چاہئے۔ یہ گذارش اجلاس جمعیۃ علماء میں صرف اس لئے پیش کی جاتی ہے کہ حضرات علماء غور کے بعد اپنا متفقہ شائع فرما دیں۔

(اس کے بعد اکابر دار العلوم ومظاہر علوم کے دستخط ہیں)

۱۵ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ

(۱) [illegible] مظاہر علوم، [illegible] مظاہری

عہ یہ پیشینگوئی حق ثابت ہوئی اور جن واقعات کیطرف اشارہ کیا گیا تھا ہندستان کا خون اور کوئی علاج نہ ہوسکا۔ خود کردہ را علاجے چیست ۱۲ (ن)

ار سے موالات، غیر مشروط اتحاد و اختلاط، اور امور قطعیہ
سلمانوں ان سے ناجائز محبت کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقسیم ملک
سیکولر حکومت قائم ہونے کے بعد اسلامی احکامات، دینی شعائر
ہیت کی زد میں آنے شروع ہو گئے مساجد، معابد، مدارس
ہوئے اور قربانی، حج، نماز، اذان غرض کہ جملہ عبادات پر
تنگ ممکن ہوا پابندیاں لگیں۔ اسلامی نشانات کو تحریکی صورت
مٹایا گیا اور مٹایا جا رہا ہے اس سیکولر آزاد ملک میں مسلمانوں
جان مال، آبرو، دین، تہذیب سب کچھ نذر بغاوت اس
نسبت اور ناجائز اتحاد کی بھینٹ چڑھ گیا اور وہ حالات
ہو گئے جن کو اکابر ملت اپنی فراست ایمانی سے محسوس کر رہے
اور آئینہ تصور میں جن کا مشاہدہ کر کے بار بار ان ارباب جنون
آگاہ کر رہے تھے۔ ابتدائی طور پر مسئلہ قربانی کو نشانہ بنایا گیا
اس کو ایک تحریک کی صورت میں مٹانے کی کوشش کی گئی۔
لاعلان اخبار و اشتہار کی طرف سے کہا جاتا تھا کہ یہ قربانی
ت ہماری دل آزاری کے لئے کی جاتی ہے۔ مذہبی اعتبار
مسلمانوں کے یہاں اس کی کوئی اہمیت نہیں لہٰذا یہ سلسلہ ختم
کئے یا محدود دائرہ میں ہونا چاہئے۔

ر جامعہ مظاہر علوم نے اس خیال باطل اور اس فاسد نظریہ کی
تقریراً و تحریراً سخت تردید کی اور دلائل سے اس کا اسلام کے
واجبات میں سے ہونا ثابت کیا۔ اس سلسلہ میں اس وقت
شیخ الاسلام حضرت مولانا سید عبد اللطیف صاحبؒ ناظم اعلیٰ
ر، حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحبؒ
مرتب سوانح بابا شیر شاہ سہارنپوری مولانا منظور الٰہی صاحب
ظاہری اور دیگر علمائے سہارنپور کے دستخطوں کے ساتھ جو
شائع ہوا وہ مندرجہ ذیل ہے۔

قربانی کے متعلق ایک بہت ضروری اعلان

"قربانی اسلامی شریعت میں اہم واجبات سے ہے اسلام سے بھی دوسرے انبیاء کی امتیں اس واجب کو بجا لاتی رہی ہیں۔ قرآن شریف نے اس کا حکم دیا ہے فصل لربک[۱] وانحر۔ والبدن جعلنا ھا لکم من شعائر اللہ[۲]۔ حدیث شریف نے بکثرت اس کی تاکید کی ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہر سال ترغیبًا وعملاً اس میں کافی حصہ لیا ہے یہ پرلے سرے کی غلط فہمی ہوگی کہ اس امر واجب کا مقصد یہ سمجھا جائے کہ ہندؤوں کی دل آزاری کے لئے قربانی کیجاتی ہے یا یہ کہ اس سے لہو ولعب اور تفریحی رسم ورواج کی تکمیل مقصود ہے۔ ہماری قومی حکومت اپنے برسر اقتدار آنے سے پہلے یہ اعلان کرتی رہی ہے کہ ہر جماعت کے مذہبی حقوق محفوظ رہیں گے۔ اب بھی حکومت نے کوئی اعلان اس کے خلاف نہیں کیا لہٰذا ہمیں بجا طور پر امید ہے کہ حکومت ہمارے بنیادی حقوق کی پوری حفاظت کریگی فقط (از علمائے مظاہر علوم جلد اول)

جبریہ تعلیم ۱۹۲۸ء ہندستانیوں کیلئے جبریہ تعلیم کا قانون نافذ کیا جس کی رو سے چھ سے گیارہ سال تک کی عمر کے بچوں کو سرکاری یا منظور شدہ اسکولوں میں داخل کرنا ضروری تھا اور جہاں اس قانون کی مخالفت کی گئی وہاں جرمانے ہوئے سزائیں دی گئیں اور مقدمات چلائے گئے۔ ریاست الور وغیرہ میں تمام مدارس ومکاتب اسلامیہ کو توڑ کر اسلامی تعلیم ختم کی گئی شہر دہلی تک کے مدارس ومکاتب اس سے متأثر ہوئے۔

روزنامہ البیان دہلی نے لکھا تھا کہ!

---

[۱] پھر آپ نماز پڑھیے اور قربانی کیجیے ۱۲ ن

[۲] اور قربانیوں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کے دین کے نشانات قرار دیا ہے ۱۲

ن بچوں کو سرپرست بجوشی قرآن چھڑا کر ان کو پرائمری اسکولوں میں بھیجنے
ِتناب کرتے ہیں ان کے خلاف میونسپل کمیٹی کیطرف سے فوجداری مقدما
ئے جاتے ہیں شہر دہلی میں قرآن پاک کی تعلیم کے ساتھ بڑے بڑے
تھے جن میں دو ہزار چھ سو چھبیس بچے تعلیم پاتے تھے لیکن میونسپل کمیٹی
لمان ممبروں کی داروگیر اور ظلم و بیداد کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ دسمبر ۱۹۲۸ء
اکھ میں سے بیس مکتب جن میں ایکہزار ستانوے بچے قرآن پاک
رہے تھے لوٹ چکے تھے اور اب باقی ماندہ مکاتب کے خلاف
تعدی دراز کیا جارہا ہے جس رفتار سے قرآن پاک کے معلمین کو
د کا میعادی نوٹس دے کر انکی مذہبی درسگاہوں کو بجبر بند کیا جارہا
س سے اندازہ لگایا گیا ہے کہ نہ صرف دہلی بلکہ اگر انسداد نہ ہوا
دوستان سے کچھ تھوڑے ہی دنوں کے اندر قرآن پاک کی تعلیم
اٹھ جائیگی اور مسلمانوں کی آئندہ نسلیں اسلام اور تعلیم اسلام سے
بہرہ ہوجائیں گی (مختصراً)

قانون سے بڑے مدارس پر زد پڑنا بھی ناگزیر تھا کیونکہ جب ابتدائی
ر قرآن پاک کی تعلیم نہ ہو گی تو اس کے آگے تفسیر و حدیث و فقہ
کسطرح ہوسکتی تھی۔ گویا یہ قانون مسلمانوں کے علوم و فنون، اسلام
اور ان کی تہذیب پر زبردست حملہ تھا جس کا مقابلہ حضرت
امت مولانا تھانوی اور اکابر دارالعلوم و مظاہر علوم نے کیا۔
سلسلہ میں مولانا مفتی عبدالکریم صاحب مظاہری گمتھلوی نے چند
ت لکھ کر حضرت اقدس مولانا تھانوی، حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی
العلوم، علمائے مظاہر علوم اور علماء دہلی و میرٹھ ... ان کے جوابات لیے گئے اور
عمر، جبریہ تعلیم، کے نام سے مرتب کرکے شائع کیا گیا۔ اس فتویٰ پر
علماء کے دستخط ہیں حضرت حجۃ الاسلام نے بھی اسپر اسطرح دستخط فرمائے
قول مولائی التھانوی عمت فیوضہ وانا العبد الضعیف
الله المدرس والمناظر والواعظ للمدرسۃ مظاہر علوم سہارنفو

مولوی فاضل پنجاب یونیورسٹی۔

علاوہ ازیں دہلی میں ایک انجمن خادم القرآن قائم کی گئی جس کے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب دہلوی بنائے گئے۔ اس انجمن نے بھی مکاتب قرآنیہ و مدارس دینیہ کی حفاظت کے سلسلہ میں نمایاں خدمات انجام دیں مختلف مقامات پر جلسے ہوئے متفقہ طور پر متعدد ریزولیوشن پاس کرکے حکومت کو بھیجے گئے ۲۷ ستمبر ۱۹۲۹ء میں اس انجمن کا ایک عظیم الشان اجلاس مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کی زیر صدارت جامع مسجد میں منعقد ہوا جس میں حضرت مولانا مدنی، حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث اور مناظر اسلام حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحبؒ وغیرہ اکابر علماء شریک ہوئے تقریریں کیں میونسپل کمیٹی دہلی اور اسکی تعلیمی سب کمیٹی کے طرز عمل کے خلاف زبردست احتجاج کیا گیا۔ حاصل یہ ہے کہ دیگر اکابر علماء کے دوش بدوش حضرت مجدد نے بھی اپنے زبان و قلم سے اس منحوس قانون کی مخالفت اور کامیاب جہد کی جزاہم اللہ خیر الجزاء۔

وقف بل کا قضیہ

ہندوستان میں بے شمار اوقاف ہیں حکومت کی جانب سے ہمیشہ ان کی حفاظت کی ضمانت دی جاتی رہی اور اسی کی نگرانی میں اوقاف ضائع بھی ہوتے رہے اور موجود ہیں اس سے زیادہ اوقاف سیاست اور زمانے کی دست برد و شرارت سے برباد بھی ہو چکے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ ہر دور کی حکومت کچھ ایسے خوبصورت پھندے اور زر خرید غلام رکھتی ہے وہ کام کرا لیتی ہے جو وہ براہ راست نہیں کر سکتی اور ہندوستان میں دور اول ہی سے ایسے منافقین رہے ہیں جنہوں نے اور مسلمانوں کے اندر رہتے ہوئے اسلام و مسلمین کو سخت نقصانات پہنچائے ہیں بہرحال انہیں گندم نما جو فروشوں نے اقلیتوں کی ملت کی حیثیت سے آزاد آقا کا شکار

کا وجود بھی ایسے ہی غلامانِ سیاست کیوجہ سے ہمیشہ خطرات
بار رہا۔ اور دورِ حاضر میں تو اس طبقہ نے کمالِ جرأت اور دین و
ے عداوت کا ایسا ثبوت دیا کہ ع

انگشتِ حیرت در دہاں نیمے دروں نیمے بروں

بل، برسر اجلاس، ایوانِ عدالت میں، بیانات حلفیہ کے ساتھ، جبہ
نوس ہوکر، قطبیت و مشیخت کی کرسی پر تشریف رکھکر دارالعلوم دیوبند
یم سہارنپور جیسی درسگاہوں کے متعلق اعلان فرمادیا گیا بار بار فرمادیا گیا تحریری طور
تقریری طور پر بھی ہر طرح ارشاد فرمایا گیا کہ یہ ادارے وقف
املاک وقف نہیں یہ ادارے مذہبی نہیں بلکہ وقف نہیں تو تولیت کا مسئلہ ختم
مہتمم ان کا متولی بھی نہیں لہٰذا یہ ادارے سوسائٹی کی ملک ہیں
سلمانوں کے نہیں بلکہ قومی اور سیکولر ادارے ہیں گورنمنٹ کی
شریف میں ہدیہ ہیں وہ جو ارشاد فرمائے ہم غلامان باد ام
عالی میں دست بستہ کھڑے ہیں۔ ان سب چیزوں سے کسی کے
پر کوئی۔۔۔ آنچ نہیں آئی بلکہ یہ سب کچھ مصلحتوں پر مشتمل
اور ان کے بچاریوں، اندھے معتقدوں اور پلاؤ شریف کے مجنونوں
ان حرکات کی خوب تابندہ س کیں۔ قلم توڑ دیئے۔ زبانیں موڑ دیں
ں کو یہ باور کرایا کہ یاد رکھو کہ دلیوں اور بزرگوں کا پیشاب
ا ہے، خبردار اللہ تعالیٰ خفا نہ ہو جائے۔ اس کا دین مٹ جائے تو
رج نہیں مگر ہمارے ان حضرات کی دنیا نہ مٹ جائے ورنہ کفر لازم
یا اور شطرنج کے انھیں مہروں نے ان لوگوں کو جنھوں نے ان قبلوں
لی،، کے خلاف ایک لفظ بھی کہہ دیا مجرم قرار دیا، فاسق، نافرمان، گستاخ
ن ہونے کا فیصلہ کر دیا۔ ہماری اس تحریر سے ایسی بد باطن مخلوق بہت
لیکن ہم ایسے لوگوں کو جو دین اور اس کے احکام سے بغاوت کرتے ہوں
ملعون و مردود یقین کرتے ہیں۔ چاہے ان کی توندیں کتنی ہی ضخیم ہوں!
ں کتنی ہی عظیم ہوں اور جبے تلے اور تسبیح و مصلے کتنے ہی طویل ہوں

ہم تو عبداللہ بن ابی کے مقتدیوں کو وہی سمجھیں گے جو قرآن نے ہمیں اور حدیث نے ہمیں سمجھایا ہے۔

بہر حال کسی کو گوارا ہو یا ناگوار ایسی بستیاں ہر دور میں رہی ہیں اور حاضر میں پہلے زمانوں سے زائد موجود ہیں۔ خدائے پاک امت مسلمہ کو ان کے فتنوں سے محفوظ رکھے آمین ۔

دریں آشوبِ غم عازم بنہ گرنالہ زن گریم ؛ جہاں را جگر خون شد ہمیں تنہا نہ من گریم

۱۹۳۴ء میں بھی وقف کے متعلق ایک ایسا مسودہ پیش کیا گیا اور رائے معلوم کرنے یا ہموار کرنے کیلئے اس کو شائع کیا گیا کہ جس کی رو سے کو زبردست خطرات پیش آسکتے تھے۔

علمائے جامعہ مظاہر علوم و دارالعلوم نے حضرت اقدس مولانا تھانویؒ کی طرف اس سلسلہ میں رجوع کیا حضرت نے مفتیوں کی ایک جماعت غور و خوض کیلئے مقرر فرمایا ایک ماہ مسلسل اس مسودہ کے ہر پہلو کو بنظر دیکھا گیا اور آپس میں علمائے کرام کے مشورے اور مباحثے ہوتے رہے ۲۳ رذی الحجہ ۱۳۵۲ھ م ۸ راپریل ۱۹۳۴ء کو اس مسودہ پر تبصرہ مکمل ہو کر حضرت تھانویؒ کے تکمیلی دستخط ہوئے اور ۲۵ رذی الحجہ ۱۳۵۲ھ دارالعلوم دیوبند و مظاہر علوم سہارنپور کے مفتیان کرام کا اجتماع ہوا اور تبصرہ غور و فکر کے بعد اس کو منظور کیا گیا۔ اور مزید تبیین مع پابندی دستخط کے ساتھ اسکو کونسل میں بھیجدیا گیا۔ اس بل کے اصل محرک حافظ حسین صاحب تھانہ بھون آئے اور حضرت تھانویؒ سے اس مسئلہ پر گفتگو کے بعد مشائخ دارالعلوم و مظاہر علوم کی موجودگی میں بہت سی ترمیم کو انھوں نے قبول کرلیا اور بعض کے متعلق غور کا وعدہ کیا۔

انہی ایام میں ایکہ مسودہ پر تبصرہ کی تکمیل کے دن جامعہ مظاہر علوم کا سالانہ جلسہ بتاریخ ۲۳ رذی الحجہ ۱۳۵۲ھ م ۸ راپریل ۱۹۳۴ء یکشنبہ جامع مسجد سہارنپور میں منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ محمد صاحب نے ایک نہایت مفصل و مدلل تقریر فرمائی اور اس بل کے مندرجات سے عوام کو خبر

...شرعی اعتبار سے ان کے خطرات اور خدشات سے عوام کو آگاہ فرمایا
...بل کی جملہ خامیوں پر گرفت فرماتے ہوئے اعلان فرمایا کہ موجودہ حالت
...مسودہ ناقابل قبول و نالائق نفاذ ہے۔ اس اجلاس کی کارروائی ملک کے
...سے اخبارات نے شائع کی۔

...ت حجۃ الاسلامؒ کی اس احتجاجی و تردیدی تقریر میں جو ریزرولیوشن
...ہوا اس کی بہت سی نقلیں انگریزی میں ٹائپ کراکر ارباب اقتدار
...ن گئیں۔ اس متفقہ ریزرولیوشن کا متن حسب ذیل ہے۔

متفقہ ریزرولیوشن کا متن

سہارنپور ۸ر اپریل ۱۹۳۴ء

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کا یہ سالانہ جلسہ جو ہر خیال کے مسلمان ...دں پر مشتمل تھا اور جس میں مسلم علماء، خطیب، شرفاء، امراء ...پبلک شامل تھی اور جو زیر صدارت خان بہادر حاجی وجیہ الدین صاحب ...اے آج جامع مسجد میں منعقد ہوا۔

...وقف بل جو خان بہادر حافظ ہدایت حسین صاحب ایم ایل سی نے لیجسلیٹو کونسل ...پیش کر رکھا ہے اس کو موجودہ صورت میں اندیشہ اور خطرہ کی نظر سے ...ہے۔ کیونکہ وہ اسلامی شرع میں ایک کھلی مداخلت اور ...کے بنیادی اصول کے بالکل متضاد ہے۔

...اس جلسہ کی رائے ہے کہ یہ بل مسلمانوں کے لئے بالکل ناقابل ...ہے اور یہ جلسہ ممبران لوکل کونسل سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس کی ...تائید نہ کریں اور مسلم پبلک سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس کے ساتھ ...عدم تعاون کا مظاہرہ کرے اور موجودہ غیر اسلامی صورت میں ...مخالفت کرے فقط۔ (از علمائے مظاہر علوم جلد اول)

...بل ۲۴ر ستمبر ۱۹۲۹ء کو دہلی سنٹرل اسمبلی کے ممبر مسٹر ...ہربلاس شاردا نے ایک قانونی مسودہ حکومت

کو پیش کیا۔
یہ مسودہ "شاردا ایکٹ" اور "شاردا بل" کے نام سے
ہوا، اس بل کی رو سے اٹھارہ سال سے کم عمر
اور اکیس سال سے کم عمر کا لڑکا قانوناً شادی
کر سکتے تھے۔ خلاف ورزی کی صورت میں دولہا
اور دلہن اور دونوں کے ولیوں کو دو دو ماہ
بامشقت کی سزا اور ایک ایک ہزار روپے
کیا جا سکتا تھا۔
۲۸ دسمبر ۱۹۲۹ء کو یہ بل پاس ہوا اور یکم
۱۹۳۰ء سے اس پر عمل درآمد ہونا طے ہوا۔
پورے ملک میں اس قانون کو ناپسند کیا گیا ا
شریعت میں دخل اندازی شمار کی گئی احتجا
ہوئے ریزرولیوشن پاس ہوئے۔
مسلم جماعتوں نے بطور ردِ عمل ہزاروں کی تعدا
نابالغ بچوں اور بچیوں کے نکاح کرائے اور اس
قانون کی دھجیاں اڑائیں۔
علمائے مظاہر علوم نے بھی اس قانون کی کھل کر سخت مذمت
اس کے خلاف جد و جہد کی۔ چنانچہ ۲۷ر نومبر ۱۹۲۹ء کو
ایک احتجاجی جلسہ ہوا جسمیں شیخ الاسلام حضرت مولانا
عبد اللطیف صاحبؒ ناظم مدرسہ و حجۃ الاسلام حضرت
شاہ محمد اسعد اللہ صاحبؒ و دیگر اساتذۂ کرام نے تقریر
اس کے خلاف قرار داد پاس کرکے حکومت کو خبردار کیا۔
تاریخ ہی میں بعد نماز عصر طلبا کا احتجاجی جلسہ ہوا
حضرت حجۃ الاسلامؒ و دیگر مقررین نے اس قانون کی
اور اسکی مضرت سے طلبہ و اہل شہر کو متنبہ کیا۔

ان بنائی گئیں۔ جمیعۃ علمائے ہند کی جانب سے سہارن پور میں
ی قائم ہوئی اس کے صدر مولانا نور محمد صاحبؒ مناظر و استاذ
منظاہر علوم بنائے گئے ان کی سرکردگی میں جلوس نکلا
ہر میں ہڑتال ہوئی۔
غرض یہ ہے کہ پورے طور پر جم کر حکومت پر دباؤ ڈالا
کہ وہ اس قانون کو واپس لے۔
ی زمانے میں مسٹر تصدق حسین خاں صاحب شروانی بیرسٹر
اسمبلی نے شاردا ایکٹ، کی حمایت اور حکومتِ وقت
ت مد میں ایک رسالہ "صغرسنی کی شادی اور مسلمان"، لکھ
نائع کردیا۔ ع پاسباں مل گئے کعبہ سے صنم خانے کو۔
یہ کتاب عوام نے پڑھی تو ارباب جامعہ منظاہر علوم سے
کا جواب طلب کیا گیا۔ ارباب مدرسہ کے حکم سے مولانا
محمد صاحب نے اسکی تردید میں ایک کتاب "تنویر البصائر فی
یح الصغائر" تالیف کی اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا
محمد اسعد اللہ صاحبؒ نے انجمن ہدایت الرشید کی طرف
اس کو ۲۰×۲۶ سائز کے ۷۶ صفحات پر اسکو شائع کرایا۔

سری تحریکیں

تحریک مدح صحابہ میں ۱۹۳۹ء
میں اور دوسری تحریکات میں
کارہائے نمایاں اور خدمات جلیلہ
انجام دیں۔ غرض یہ ہے کہ ہر موڑ پر علمائے منظاہر علوم
نشانہ بشانہ رہ کر بلکہ ان کے قلب و دماغ اور زبان وقلم
ر نصف صدی تک قائدانہ انداز میں حضرت والاؒ نے
ناق حق اور ابطال باطل کیا۔
اپنی تمام تر توانائیوں اور صلاحیتوں کو مذہب اسلام
قربان کردیا۔

حق تعالیٰ ان کو اسکی بہترین جزائے خیر اپنی شان کے
مطابق عطا فرمائے آمین۔

زندگی کا قابلِ تقلید پہلو | حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ

وہ تمام اوصاف اور عمدہ صفات موجود تھیں جو
اول کے علماء، اکابر مشائخ اور اونچے اولیاء ال
ہوتی ہیں لیکن ہر قدم پر، احقاقِ حق و ابطال با
حضرت والاؒ کی وہ خصوصیت تھی جس میں آپکا
شریک و سہیم نہیں تھا آپ کی عادت تھی کہ
پیش آنے والے مسئلہ میں حق کے پہلو کو عقلی د
مستحکم ومضبوط اور ٹھوس دلائل سے برجستہ
اور روشن فرماتے اور باطل پہلو کو الزامی جوابات سے
رد فرماتے تھے کہ اہل باطل کا ناطقہ بند ہو جاتا تھا۔ حض
حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ حق کے مقابلہ میں رواجی مص
کے قائل نہ تھے ان کا خیال تھا کہ ہماری مصلحت تو صرف حق
اور باطل کی تردید ہے۔ اس سلسلہ میں رواداری، تعلقات
مصالح، دنیوی فوائد ان کے نزدیک بالکل بے معنی اور لغو چیزیں تھ
اور وہ کسی کی ناراضگی و ملامت وغیرہ کی پرواہ بھی اسمیں نہ
تھے۔ درحقیقت وہ نہایت مستحکم موحد تھے اور ان کے ہر قدم
توحید نمایاں تھی۔ ؎

موحد چہ در پائے ریزی زرش | چہ شمشیر ہندی نہی بر سرش
(توحید پرست کے قدموں پر سونا ڈالدو | یا اس کے سر پر تیز تلوار رکھدو)
امید و ہراسش نباشد زکس | برین است بنیادِ توحید و بس
(اسکو کسی سے توقع ہوتی ہے نہ کسی کا خوف، توحید کی بنیاد اسی پر ہے اور بس)

بیعت و ارادت

حجۃ الاسلام حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ
مادر ہی سے شروع ہو گیا تھا پھر آپ اپنی کمسنی ہی میں جب کہ
عمر تقریباً چودہ سال کی تھی، حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ
علیہ کی آغوش تعلیم و تربیت میں پہنچ گئے تھے۔ یہ معلوم
ہے کہ حضرت تھانویؒ کو حضرت اقدس مفتی محمد سعید اللہ صاحبؒ
خانوادہ سعادت سے خاص تعلق تھا آپ رام پور میں حضرت مفتی
سعید اللہ صاحبؒ بن حضرت مفتی محمد سعید اللہ صاحبؒ کے مکان پر ہی قیام
فرماتے تھے۔ خانوادہ سعدی کو بھی حضرت حکیم الامتؒ سے خاص وابستگی
اور عقیدت حاصل تھی۔ حضرت حجۃ الاسلامؒ کے چچا حضرت مولانا حکیم فضل الحق
حضرت حکیم الامت علیہ الرحمہ کے مرید باصفا تھے۔ حضرت والا اپنے چچا کی معیت
میں ہی تھانہ بھون حضرت تھانویؒ کی خدمت بابرکت میں ۱۳۲۶ھ میں
پہنچے اور اپنی تعلیم کا سلسلہ کتب فارسی و ابتدائی عربی سے تھانہ بھون ہی سے شروع
کیا۔ حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بیعت ہونا کوئی آسان
کام نہ تھا۔ اس سلسلہ میں کافی سختی تھی، شرائط و قیود کڑی تھیں خصوصاً طلبہ کو آپ طالب علم کے
زمانے میں بیعت نہ فرماتے تھے لیکن یہ حجۃ الاسلام حضرت والاؒ کی خصوصیت ہے کہ انھوں نے
حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ابتدائی طالب علمی کے دوران نوعمری کے زمانہ میں بیعت
کی درخواست کی تو حضرت حکیم الامت نے آپ کی درخواست کو شرف قبولیت سے نوازا
اور آپ کو بیعت فرما لیا۔ اس طرح حضرت والا نے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ سے
کم سنی کے ساتھ باقاعدہ اپنا اصلاحی تعلق بھی قائم فرما لیا تھا۔ حضرت حکیم الامت
کے یہاں تھانہ بھون میں ۱۳۲۹ھ سے لیکر شوال ۱۳۳۳ھ تک مسلسل چار سال قیام رہا۔ شوال ۱۳۳۳ھ
میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ ہوا اور ۱۳۳۶ھ تک یہاں آپ نے بحیثیت طالب علم
تعلیم حاصل کی۔ پھر آپ کا عہدۂ تدریس پر مظاہر علوم ہی میں تقرر ہوا لیکن زمانہ تعلیم و تدریس کے
دوران بکثرت تھانہ بھون حاضری ہوتی رہی اور موقع بموقع طویل قیام بھی ہوتا رہا۔
مظاہر علوم ۱۳۳۰ھ جلد ۲ پر ہے کہ آپ نے اپنا اصلاحی تعلق حضرت اقدس تھانویؒ

سے قائم کیا۔ کثرت کے ساتھ خدمت والا میں حاضر ہوئے بعض مرتبہ طویل
کی نوبت بھی آجاتی حصول علم کے دوران حضرت تھانوی سے بیعت کی
کی حضرت حکیم الامت طلبار کو بیعت نہیں کرتے تھے فرما دیا کرتے تھے
تعلیم مکمل کرلو اس کے بعد بیعت ہونا۔ لیکن آپ کی صلاحیتوں اور درخ
مستقبل کو محسوس فرماکر اسی وقت بیعت فرماکر داخل سلسلۂ عالیہ کرلیا۔

تجدیدِ بیعت

حضرت والا نوعمری اور ابتدائی طالب علمی میں حضرت حکیم الامت علیہ الرحمۃ کے دست پرست پر بیعت کرکے سلسلۂ مقدسہ میں داخل ہو چکے تھے اور اصلاح و تربیت کا سلسلہ جاری ہو چکا تھا۔ آپ کی گوناگوں کی بنا پر حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ خاص اور مخصوص توجہ پر تھیں تاہم علوم و فنون سے فراغت کے بعد حضرت والاؒ نے دوبارہ حضرت حکیم الامتؒ سے تجدید بیعت کی اور باقاعدہ اوراد و اذکار اور معمولات فرمائے اور ان صبر آزما حالات میں جو ردار تداد اور مناظروں، مباحثوں پیش آئے اور شب و روز دوسری مختلف ذمہ داریوں کے ساتھ باطل پر مختلف گروہوں اور فرقوں سے نبرد آزما رہے اور بار بار معرکۃ الآرا کرنے پڑے ان سب حالات کے باوجود، آپنے تمام معمولات اور اوراد و وظائف کو ایسی ہمت مردانہ کے ساتھ نباہا کہ آپ کے مربی و مرشد کے یہاں آپکا مقام پیدا ہوگیا اور حکیم الامت آپ کے بارے میں بلند کلمات ارشاد فرمانے لگے آپکا مکتوب پڑھکر فرمایا کہ "ایک نوجوان عالم کا خط آیا ہے جو بہت اچھے ہیں" ایکمرتبہ مجمع میں ارشاد فرمایا کہ مولوی اسعد اللہ کو کم نہ سمجھو۔ فریدی فرماتے ہیں کہ "حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب کے بارے میں حضرت مولانا محمد صاحب سے میں نے ایسے بلند کلمات سنے ہیں کہ جو مشائخ اکابر کیلئے ہی کہے جا حضرت والا کی علمی، عملی رفعتوں اور زہد و تقا کی بلندیوں اور دینی بر مختوں نے تمام اکابر وقت کے قلوب میں حضرت والاؒ کی ایک خاص عظمت اور محبت پیدا فرما دی تھی اور سب ہی حضرات آپ کی عظمت و بزرگی کے قائل ہوگئے تھے جسوقت عموماً لوگ پہچانتے بھی نہیں جاتے یعنی دور شباب میں طور پر وہ عظمت و شہرت اور مقبولیت کم حاصل ہوتی ہے جو حق تعالیٰ نے حضرت کو اپنے فضل خاص سے عطا فرمادی تھی

حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ کی چونکہ اپنے مرشد اقدس

کتابت - حضرت حکیم الامت کیخدمت میں بکثرت آمد ورفت رہتی اور بار بار
ن بھی آتی تھی، اس لئے خط وکتابت کی زیادہ نوبت نہیں آئی حضرت والا
ں ایکبار تھانہ بھون حاضر ہوتے اور ایک دن قیام فرماتے تھے۔ مدرسہ کی
ں اور گاہے چھٹی لیکر طویل قیام بھی ہوتا تھا۔ لیکن اتنی جدائی بھی حضرت
ذرنج تھی جیساکہ آپکی منظومات میں اس کا اظہار ہے۔ مثلاً ؎

ن سے کامیاب لذت دیدار ہیں — ہم کم ازکم حسرت دیدار کی باتیں کریں
مجھ سے نہ کچھ تیمار داری آپ کی — داغ حسرت میرے دل میں شوق خدمت ہوگیا
ب جلد میری دستگیری کیجئے — میرے حق میں آپکا چھٹنا قیامت ہوگیا
صبر وضبط کا دامن چھٹا جاتا ہے اب — روز افزوں میرے دل میں جوش وحشت ہوگیا
ے محسن مرے مرشد عنایت کیجئے — آپکا اسعد شکار رنج وآفت ہوگیا
آپ سن لیں گے کہ فرط رنج سے — اسعد اندوہگیں دنیا سے رخصت ہوگیا
لو سے چھٹ کر آپ سے ہوکر جدا — میں اسیر دام آلام ومصیبت ہوگیا
زاہدی کسی کی آستیں ہوتی — وفا پرورده دل مرہون لطف آستیں ہوتا
قسمت کہ میں رہوں محروم — اور سن لیں جناب کی باتیں

و اجازت - حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ جس طرح بیعت کے
زائد محتاط تھے اور یہ چاہتے تھے کہ طالب صادق اور اپنی اصلاح حال کا متمنی ہی
وارادت کا تعلق قائم کرے اسی طرح وہ اجازت وخلافت کے مسئلہ میں بہت
ے - آپ نیتی کے صلے یہ ہے کہ :-
رت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں معیار قابلیت، اجازت مندرجہ

ت امدادیہ صفحہ ۳۰۹ کے حاشیہ پر فرماتے ہیں کہ وہ امور بنائے خلافت یہ
احیت ظاہر قدر مستدبہ (۲) مناسبت طریق علماً وعملاً (۳) توقع اہتمام

صلاحیت در سوخ حال "، غالباً رسوخ حال کی معنوی وسعت میں "ملکۂ یادداشت" ہے جس کا امور مذکورہ کے ساتھ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ لحاظ فرماتے تھے اور اجازت بیعت و خلافت عطا نہ فرماتے تھے۔

"ملکۂ یادداشت" کی تعریف صراط مستقیم میں حسب ذیل الفاظ میں کی گئی۔

"حقیقتش التفات دائمی ست بسوئے ذاتِ بے چون و بے چگون در نشست و برخاست و عرضِ مکاسب و معائب واز تجارت خوردن و آشامیدن کہ ہیچ امر مانع التفات نہ گردد بمثابہ آنکہ ہرگاہ محبتِ چیزے یا شخصے در دل راسخ می گردد پس در عینِ اشتغال بحوائج ضروریہ وا کما ینبغی بسوئے ہمہ امر متوجہ می ماند (ص ۱۰۸)"

یعنی ہر وقت ذات مقدسہ جناب باری عز وجل کی طرف متوجہ رہے بلا رنگ و ریب تمام کمالات سے متصف اور تمام نقائص سے منزہ و مبرا کہ وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے، دیکھنے والا، سب سے زیادہ قریب اور ہے اسی کو ملکۂ یادداشت کہتے ہیں کہ اپنے تمام دنیوی و دینی کاروبار بھی التفات اور دھیان اسی کا رہے اور سب کچھ اسی کی طرف سے کرے فقط۔

حضرت قطب عالم فرماتے ہیں کہ "اس ناکارہ کو جب میرے سہارنپوری نور اللہ مرقدہ نے اجازت دی تھی اس کے بعد تو خدمت میں قیام کی بہت کم نوبت آئی، اور اس کے ساتھ ساتھ پوچھتے ہوئے کرانتے سے شیخت کے خواب دیکھنے لگا، البتہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ سے بعد اس سیہ کار نے پوچھا تھا کہ اجازت کن چیزوں پر دی جاتی ہے تو حضرت نے نہایت مختصر الفاظ میں بڑی جامع بات ارشاد فرمائی تھی کہ :-

"شیخ کے قلب پر بلا کسی محرک ظاہری کے بار بار تقاضا ہو۔ اسکو اول ٹال جائے اسکے بعد بھی اگر یہ تقاضا غالب رہے تو اجازت دیجائے" فقط (آپ بیتی

ت حضرت مولانا تھانوی رح کے یہاں تو خلافت واجازت کے بعد بھی خلفاء کے
نگرانی کی جاتی تھی۔ اگر بعد اجازت مجاز میں شرائط معتبرہ کی کمی آجاتی تو
ر لیجاتی تھی ،، رسالہ النور تھانہ بھون ،، میں ہر سال خلفاء و مجازین کے
ت شائع ہوتی اور جس سے سلب اجازت ہوجاتی اس کا نام اس فہرست میں
ر ایک خاص عنوان ۔۔ ،، ضمیمہ تنبیہات وصیت ،، کے تحت بعض خلفاء کے
تا تھا۔ کہ اب وہ دوسرے کام میں لگ گئے یا اب اہل نہیں رہے لہذا اب
نہیں رہی۔ غالباً اسی وجہ سے حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے خلفاء ممتاز
ہیں اور ان حضرات میں عبادات، معاملات، اخلاقیات وغیرہ ہر لائن میں
بکا خاص لحاظ دیکھا جاتا ہے نیز اتباع سنت و پابندی شریعت اور کامل
ب صفات میں پختگی انہیں حضرات میں نظر آتی ہے اور یوں تو سب ہی
ے اور سارے بزرگ قابل قدر اور ایک دوسرے سے افضل ہیں، نہ معلوم
کے نزدیک کس کا مرتبہ بڑا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی اور اپنوں کی محبت نصیب
پنے دوستوں کی دشمنی اور دشمنوں کی دوستی سے حفاظت فرمائے۔ آمین
یں کوئی امتی معصوم نہیں، خصوصاً دور حاضر میں تیزی کیساتھ ظاہری و باطنی
نما ہورہے ہیں، اس لئے اگر کسی سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ سرزد ہوجائے
کرنا چاہیئے اور اگر کسی خلیفہ میں اہلیت مفقود ہوجائے یا شرائط معتبرہ عند
کمی آجائے تو اجازت دینے والا شیخ مورد الزام نہیں کیونکہ غالب گمان یہی ہے کہ
اس کا حال قابل اجازت تھا بعد میں بدل گیا۔ اس لئے مشائخ ربانی و علمائے
اض نہ کرنا چاہیئے کیونکہ یہ انتہائی خطرناک ہے اور فساق کو عشاق اور نا اہلوں
منا اس سے بھی زیادہ خطرناک اور گمراہی کا سبب ہے اس لئے اس راہ میں
دیکھ بھال کر غور درست ہے۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ:

سے بیعت ہونیکے لئے یہ کافی نہیں کہ یہ فلاں کا مجاز ہے بلکہ اس کے موجودہ حالات
لے کہ اتباع شریعت کس درجہ میں ہے کہ اصل مدار اتباع شریعت ہے۔ اتباع

سنت میں جو شخص جتنا عالی ہوگا اتنا ہی مقتدا بننے کے قابل ہے (آپ بیتی ص ۱۰۱)
اللہ تعالیٰ بدگمانی سے حفاظت فرمائے لیکن تجربہ یہ ہے (اور یہ کلیہ نہیں) کہ اس زمانہ میں
"شرافت" شر و آفت ہے "خلافت" خالی آفت ہے اور "مجاز" بالفتح المیم یعنی
خلافت و اجازت کے بعد اکثر لوگ بے پرواہ ہو جاتے ہیں، خود کو بلا شک
کی قیود سے آزاد خیال کرنے لگتے ہیں اور اپنی شخصیت کو بنانے اور اپنی پیری چمکانے
ایسی حرکتیں کرنے لگتے ہیں کہ اَلْاَمَانُ وَالْحَفِیْظ۔ اگر گویم زباں سوزد۔ الا ماشاء اللہ

اے بسا ابلیس در رو آدم است   پس بدست ہر کس نباید داد دست

ہونا یہ چاہئے کہ ؎

از دروں شو آشنا وز بروں بیگانہ وش   ایں چنیں زیبا روش کم تر بود اندر جہاں

اور اب ہوتا یہ ہے کہ ؎

از بروں شو آشنا وز دروں بیگانہ وش   ایں چنیں بد روش اکثر بود اندر جہاں

بہر حال ہم کسی کی تنقیص یا کسی کی خلافت و اجازت پر تنقید نہیں کرتے نعوذ باللہ مگر
مشائخ کے حالات سے آگہی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قطب الارشاد حضرت مولانا
و حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہما کا معیار اس سلسلہ میں زائد بلند تھا
واللہ اعلم بالصواب۔ ع نظر اپنی اپنی، پسند اپنی اپنی

مجاز صحبت و مجاز بیعت: حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رح
اور ان کے خلفائے کرام کے یہاں دو قسم کی اجازتیں ہوتی ہیں ایک اجازت بالصحبۃ
دوسری اجازت بالبیعۃ۔ اجازت بالصحبۃ جس کو ملتی ہے اس کو مجاز بالصحبۃ یا مجاز صحبت
کہتے ہیں اور جس کو بیعت کی اجازت ملتی ہے اس کو مجاز بالبیعۃ اور مجاز بیعت کہتے
اجازت صحبت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس کو یہ اجازت دی گئی ہے وہ اس کا
کہ لوگ اس کے پاس بیٹھیں اور دین کی باتوں اور اس کی ہمنشینی و صحبت سے فائدہ اٹھائیں
مجاز بالصحبت کو شیخ کی طرف سے امر ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو دین کی باتیں سنائے اور
طرف ان کی رہبری کرے۔ اور مجاز بالبیعت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مجاز بیعت

ان کی اصلاح و تربیت کرے اور طریقت و معرفت میں ان کی رہبری کرے حضرت
رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں سے دونوں قسم کے مجازین کی دو فہرستیں ہر سال
ہوتی تھیں۔ جن کی اجازت سلب ہو جاتی اس کا نام فہرست سے حذف ہو جاتا اور
کو دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی اجازت ہوتی انکے نام کا فہرست میں اضافہ ہو جاتا تھا

حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو اجازت

حجۃ الاسلام حضرت اقدس
شاہ محمد اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ
بیعت کی صف اول کے حضرات میں سے تھے۔ خلفاء کرام میں آپ کا اسم گرامی
میں اول بار شائع ہوا نہ معلوم کس وجہ سے اس سے پہلے دو سال تک ماہنامہ
مجازین کی فہرست شائع نہیں ہوئی تھی۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کو کبھی تاریخ اجازت
نہ آپ نے کہیں اس کو تحریر فرمایا تھا۔ تواضع اور اخفاء حال کی عادت کی
یہ بھی دیگر احوال کی طرح مستور ہو گئی اس لئے تاریخ اجازت یقینی طور پر
نہیں لکھی جا سکتی لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا ممکن ہے
آئندہ معلوم ہو جائے۔

لیکن اندازہ یہ ہے کہ ۱۳۵۱ھ میں آپ کو اجازت ہوئی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ
والا رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت کا قصہ حضرت مولانا بشیر احمد صاحب مبارکپوری نے ۲ شوال ۱۳۵۰ھ
تھا۔ اس قصہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۳۵۱ھ ہی میں حضرت والا کو اجازت
دی گئی واللہ تعالیٰ اعلم ——— وہ قصہ درج ذیل ہے۔

اجازت کا قصہ: حضرت مولانا بشیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں حضرت
صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بحیثیت خادم مقیم تھا حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی عادت مبارکہ تبلیغ دین
کی تھی ہی جہاں آپ کو معلوم ہوا کہ فلاں جگہ پر کوئی باطل پرست لوگوں کو گمراہ
ہے آپ بلا طلب فوراً وہاں پہنچکر لوگوں کو گمراہی سے بچاتے اور باطل پرست سے
مباحثہ کر کے وہاں سے بھگا دیتے تھے۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوا کہ فلاں گاؤں میں
قادیانی امام آگیا ہے اور اس نے پورے گاؤں کو قادیانی بنا دیا ہے۔ مولانا بشیر احمد

صاحب نے اس گاؤں کا نام بھی بتایا تھا۔ جو اس وقت ذہن میں نہیں رہا
ضلع سہارنپور ہی میں ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اس کا علم ہوتے ہی حضرت نے وہاں ک
بنالیا اور جمعرات کے دن اسباق پڑھا کر چند طلبہ کو ہمراہ لے کر اس گاؤں میں پہنچ
طلبہ میں سے ایک میں بھی تھا۔ لیکن اتفاق سے اس گاؤں کا وہ قادیانی امام
گیا ہوا تھا۔ حضرت نے رات کو تمام گاؤں والوں کو مسجد میں جمع کر کے ایک
تقریر کی اور سمجھایا کہ قادیانی کافر ہے۔ اس کو ماننا کفر ہے آپ لوگوں کو آپ
نے کافر بنا دیا۔ گاؤں والوں کی سمجھ میں آگیا کہ امام نے واقعی ہم لوگوں کو گمراہ ک
چنانچہ حضرت والا کی تقریر کے بعد سب نے قادیانیت سے توبہ کی۔ ہم سب نے
دیا کہ ان لوگوں کا دوبارہ نکاح بھی پڑھایا جائے تاکہ ان کے دلوں میں اس کا اح
اور اہمیت بیٹھ جائے چنانچہ سب کا دوبارہ نکاح پڑھایا گیا۔ ہم لوگوں نے عرض کی
ان لوگوں کو بیعت بھی فرمالیں تاکہ یہ لوگ مضبوط ہو جائیں اور توبہ ان کو خوب
نصیب ہو جائے، حضرت نے فرمایا کہ میں کیسے بیعت کر سکتا ہوں مجھے اسکی اجاز
ہے ہم نے عرض کیا کہ اس وقت مصلحت اور ان لوگوں کی بھلائی اسی میں
ان کو بیعت کیا جائے یہ مسئلہ بعد میں حل ہوتا رہے گا کہ اجازت ہے یا نہیں ح
کی سمجھ میں ہمارا مشورہ آگیا اور تمام گاؤں والوں کو حضرت والا رح نے بیعت فرما
دن سہارنپور واپسی ہوئی تو حضرت والا رح نے صورت حال سے ایک خط کے ذریعہ
حضرت تھانوی رح کو آگاہ کیا۔ اس خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ احباب نے یہ مشورہ د
یہی مصلحت بھی سمجھی گئی کہ ان لوگوں کو بیعت کر لیا جائے تو مجھ سے انکی دینی م
کی خاطر یہ تصور ہو گیا کہ میں نے ان کو بیعت کر لیا ہے۔ جب کہ مجھ کو بیعت کی اجازت ن
اس کے جواب میں حضرت حکیم الامت رح نے حضرت والا رح کو دعائیں دیں اور تحریر فر
آپ نے یہ تصور نہیں کیا ہے بہت بڑے اجر کا کام کیا ہے آپ بیعت کے اہل ہیں
آپ کو ارشاد باقاعدہ بیعت کی اجازت ہے۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہے اور عدالت راوی
صحت کا تقاضا کرتی ہے تو اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ۱۳۵۱ھ میں حضرت

ت حکیم الامت رح کی طرف سے اجازت بیعت ہوئی ہے۔ کیونکہ مولانا بشیر احمد صاحب
غت ۱۳۵۲ھ کی ہے اور اس سن مذکور کے فضلار کی فہرست میں ان کا نام ہے جیسا کہ
مظاہر جلد دوم ص۱۰۵ پر درج ہے اور ۱۳۵۱ھ کی فہرست میں رسالہ النور میں حضرت والا
ی خلفار کی فہرست میں شائع ہوا ہے اور مولانا بشیر احمد صاحب دو سال
والا رح کی خدمت میں بحیثیت خادم مقیم رہے ہیں ۱۳۵۱ھ میں اور ۱۳۵۲ھ میں واللہ اعلم۔
لیکن ۱۳۵۱ھ کے کس ماہ اور کس تاریخ کو اجازت ہوئی ہے اس کے بارے میں کچھ
ہا جاسکتا۔ خانقاہ اشرفیہ میں اگر حضرت حکیم الامت کا ریکارڈ محفوظ ہے یا خلفاء
ے کسی کے پاس یاد داشت میں تحریر ہے تو تاریخ و ماہ اور سن کی یقینی تعیین
سکتی ہے۔

تکمیل سلوک :- در اصل سلوک و طریقت میں اصلاح نفس اور حسن کمالات
) کے حصول کی مزاولت ہوتی ہے حضرت حجۃ الاسلام رح کو ان چیزوں کے لئے مجاہدات کرنے
پڑے کیونکہ آغوش مادری اور پھر تربیت تھانوی رح سے کم سنی ہی میں یہ جوہر
عظمیٰ و مجلیٰ ہو چکا تھا۔ اس کے باوجود بیعت و ارادت کا باقاعدہ رشتہ ہو جانیکے
ان جملہ کمالات سے آپ آراستہ و پیراستہ ہو چکے تھے جو ایک عالم باعمل، مصلح
کیلئے ضروری ہیں اور ابتدائے عمر ہی سے حق تعالیٰ نے مواظبت اور پابندی کی
جو حضرت والا رح میں ودلیعت رکھی تھی اس نے ان محاسن و کمالات کو آخری نقطۂ
پر پہنچا دیا تھا، حضرت حکیم الامت رح حضرت حجۃ الاسلام رح کے بارے میں لوگوں
ید کلمات آغاز عمر و عنفوان شباب ہی سے فرماتے تھے تاہم اجازت بیعت و خرقہ
یں شاید اس مصلحت سے تاخیر فرمائی گئی کہ حضرت حجۃ الاسلام اعلیٰ کمالات
ُم ہوں اور ترقیات کرتے چلے جائیں۔ حضرت اقدس حکیم الامت رح کے یہاں
وظائف اور مراقبات وغیرہ سب کچھ تھے لیکن سب سے زائد زور اچھے اخلاق
معاشرت، صفائی معاملات اور اتباع سنت و پابندی شریعت پر ہوتا تھا۔ حضرت
ت رح کے متوسلین و مجازین میں یہی صفات نمایاں ہوتی ہیں اور یہی تصوف و سلوک کے

اور مجاہدات و ریاضات کے مقاصد میں اور حضرت والا رح کے سلسلہ میں بہ
میں تفصیل سے یہ سب امور آچکے ہیں لیکن اس کا علم شاید کسی کو نہیں کہ حضرت ح
کی تربیت اور اصلاح و تکمیل میں کیا ترتیب ملحوظ رہی اور کن خصوصیات کا لحا

حضرت حجۃ الاسلامؒ کی حضرت حکیم الامتؒ سے آخری

حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ مبارکہ
میں خصوصاً اس کا اہتمام فرماتے تھے کہ ہر ہفتہ تھانہ بھون اپنے مرشد و مربی کی خ
حاضر ہوں اور دوسری چھٹیوں کے اوقات بھی انھیں کی خدمت میں گذاریں ا
کسی اہم دینی ضرورت مناظرہ وغیرہ کی وجہ سے تخلف ہو سکتا تھا۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے دامن فیض سے تمام علمائے مظاہر علوم وا
اور بارگاہِ تھانوی رح میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقد
مرض کی شدت کی خبریں جب عام ہو رہی تھیں وقت مدرسہ کا تعلیمی سال بالکل
اس وقت ہر استاذ کو متعلقہ کتابیں ختم کرانے کی فکر تھی ہر استاذ چاہتا تھا کہ
اسباق وقت مقررہ پر یا اس سے پہلے ہی ختم کرا کر اپنے فرض تعلیمی سے سبک
ہو جائے اور فارغ ہو کر اپنے مربی و مرشد کی خدمت میں حاضر ہو جائے۔ چن
صدر العلماء حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب کامل پوری رئیس الاساتذہ اور
حضرت مولانا عبد الشکور صاحب کامل پوری رح نے کوشش کر کے اپنے اپنے اسباق و
پہلے ہی ختم کرا دیئے اور حضرت حکیم الامت رح کی زیارت کے لئے یہ دونوں حضرات تھ
حاضر ہو گئے غالباً دو دن ان حضرات کا وہاں قیام رہا، حضرت حجۃ الاسلام رح کے
ہنوز ختم نہ ہو پائے تھے اس لئے وہ تھانہ بھون حاضر نہ ہو سکے۔ اس کا ان کو بہ
احساس و افسوس تھا لیکن حضرت والا رح نے بھی جلد ہی متعلقہ اسباق پورے
اور بالکل مطمئن اور فارغ ہو کر مذکور الصدر دونوں حضرات کی واپسی کے بعد تھ
تشریف لے گئے۔ حضرت حجۃ الاسلام رح کے ہمراہ الحاج شیخ مہربان احمد صاحب رئیس
حاجی شمس احمد صاحب پہاڑ والے اور صاحبزادۂ محترم مولانا محمد اللہ صاحب مدظلہ بھی

مہربان احمد صاحب کے ہمراہ ان کے ایک ملازم بھی تھے، یہ پانچ حضرات کی
مانہ بھون پہنچی ۔ حضرت حجۃ الاسلام رح نے مدرسے سے چھٹی اس طرح لی تھی کہ میں
ں تھانہ بھون رہوں اتنے دنوں کی چھٹی رہے گی ۔ حضرت حکیم الامت نوراللہ مرقدہٗ
ان صاحبہ کے مکان میں تشریف فرما تھے مکان کے باہر چھپّہ میں چارپائیاں
تھیں اور ان پر اطراف و جوانب سے زیارت کیلئے حاضر ہونیوالے حضرات ہمہ
رہتے تھے، اسی ماحول میں حضرت حجۃ الاسلام رح معہ رفقاء پہنچے، سب سے
عزیز الحسن صاحب مجذوب سے ملاقات ہوئی، انھوں نے ملاقات کرتے
یا ع بڑی دیر کی مہرباں آتے آتے ـــــ اندر مکان میں حضرت
ن رح کے پاس مخصوص خدام ہوتے تھے، جن میں انتہائی ممتاز و مخلص خادم
ج بابو بشیر الدین صاحب ٹکٹ کلکٹر اسٹیشن سہارنپور بھی تھے، موصوف اپنی
نے چھٹی لیکر کئی روز سے دائر خدمت تھے ۔ غالباً حضرت حکیم الامت رح نے انھیں
ٹھے ہوئے منتظرین زیارت کے متعلق پوچھا ۔ تو بابوجی نے حجۃ الاسلام حضرت
بؒ کا نام حضرت حکیم الامت رح کی خدمت میں عرض کیا ، حکم ہوا کہ بلا لیا جائے
جی نے حضرت حکیم الامت رح کا پیغام حضرت حجۃ الاسلام تک پہنچایا، چنانچہ
ی حضرت اقدس معہ صاحبزادۂ محترم حضرت مولانا محمد اللہ صاحب حاضر خدمت
حضرت حکیم الامت رح ایک چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے جسکی پائتی نماز کی وجہ سے
بانب تھی، حاضری کے وقت حضرت حکیم الامت نے سلام سبقت اور انتہائی ضعف
، ہاتھ کے اشارہ سے سلام کیا، ادھر جواب میں بیساختہ حضرت حجۃ الاسلام ـــ کے
تھ اٹھ گئے، پائتی کی جانب لوہے کی ایک کرسی تھی، حضرت حکیم الامت رح
کے لئے اشارہ فرمایا، حضرت حجۃ الاسلام کرسی پر بیٹھ گئے اور دونوں حضرات
رسے کو دیکھتے رہے ۔ یہ منظر بہت عجیب اور بڑا رقت آمیز تھا ۔ بابوجی موصوف
الامت رح کے سر مبارک پر تیل کی مالش کرتے رہے ۔ اور صاحبزادۂ محترم مولانا
حب کھڑے ہوئے برابر زیارت کرتے رہے ۔ چند منٹ اسی طرح گذرے کہ بعض

خدام کے اشارہ پر حجۃ الاسلام حضرت ناظم صاحبؒ اٹھ گئے اور باہر تشریف
(مولانا محمد اللہ صاحبؒ کا خیال ہے کہ) یہ حضرت والاؒ کی بھی آخری ملاقات تھی
کے بعد کسی زیارت کے لئے آنے والے کی ملاقات بھی نہ ہو سکی یہ واقعہ دن
بجے پیش آیا اور اسی دن یا اگلے دن شب میں حضرت حکیم الامت نور اللہ مر
وصال ہو گیا۔ اور آناً فاناً تھانہ بھون اور نواح کے لوگ جمع ہو گئے۔ سہارنپور
کے لئے بس سروس نہ تھی، چھوٹی لائن کی ٹرین چلتی تھی، اس حادثہ کی
ٹرینیں چلائی گئیں مگر بہت سے لوگ شریک جنازہ نہ ہو سکے، نماز جنازہ
حکیم الامت رح کے بھانجے حضرت مولانا ظفر احمد صاحبؒ تھانوی (شیخ الاسلا
نے پڑھائی۔ اور قبر میں اتارنے والے دیگر علماء و مشائخ میں حضرت حکیم الام
برادر زادہ حضرت مولانا شبیر علی صاحبؒ بھی تھے، کئی روز سے بارش ہو رہی
کوچوں میں پانی اور کیچڑ تھا اور اس قدر ہجوم تھا کہ شاید کہیں دوسری جگہ
نہ ہوا ہو، وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ افسوس ہے کہ صدر العلماء حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاح
شیخ التفسیر حضرت مولانا عبد الشکور صاحب اور بابو بشیر الدین صاحب وغیرہ جو ایک
دن پہلے ہی تھانہ بھون سے سہارنپور واپس چلے گئے تھے شریک جنازہ نہ ہوئے
البتہ قطب عالم حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور نماز
شریک ہو گئے تھے۔ حضرت قطب عالم تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت کی علالت میں تو حاضری اکثر اور بار بار ہوتی رہی ۱۶؍رجب ۶۲ھ
علی الصباح میں اپنے کمرہ میں تھا۔ بھائی اکرام نے اوپر پہونچ کر حادثے کی اطلاع
میں اسی حال میں اٹھ کر سب طرف کے کواڑ لگا کر سیدھا اسٹیشن دوڑ گیا۔ و
جا کر معلوم ہوا کہ گاڑی کا وقت بہت قریب ہے بلکہ چھوٹ رہی تھی ٹکٹ لیکر جا
میں بیٹھ گیا۔ مدرسہ کے دوسرے احباب اس گاڑی تک نہ پہنچ سکے معلوم ہوا کہ ا
کی کوشش پر چھوٹی لائن کے افسروں نے دو اسپیشل تھانہ بھون کیلئے چند ڈبو
منظور کر لئے، پہلا اسپیشل تو تقریباً دو گھنٹے کے بعد پہنچ گیا اور دوسرا اسپیشل بعد فا

مولانا ظفر احمد صاحب نے عیدگاہ میں جنازہ کی نماز پڑھائی (کچھ آ گئے ہے)
کی درمیانی شب میں دس بجکر چالیس منٹ پر وصال ہوا۔ نور اللہ مرقدہ و اعلیٰ
نہ۔ وصال سے چند روز پہلے اس دار الحزن والمحن سے طبیعت اکتا گئی تھی، کئی
بار یا "یا اللہ میں اس سنڈاس میں کب تک پڑا رہوں گا"

ارشاد و تربیت اور اصلاح خلق

(شیخ) الاسلام حضرت اقدس مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی جانب
(خوا)ص اور مسلمین و غیر مسلمین کا رجوع تو حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی حیات
(ہی م)یں شروع ہو گیا تھا۔ اور آپ کے دامن فیض سے کافی لوگ وابستہ
(ہو گئے)۔ علماء ادباء، شعراء اور جدید طبقہ کے حضرات خصوصاً آپ سے وابستگی اور
(تعلق) فخر و باعث عزت سمجھنے لگے تھے، اور حضرت والا رح بھی ان تمام حضرات پر
(ن)ظر عنایت فرماتے تھے اور حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ کی وفات حسرت
(آیات) کے بعد تو آپ کا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ اور حضرت والا کی ذات
(سے) سلسلۂ اشرفی کو روز افزوں ترقی ہوتی چلی گئی۔ شیخ المشائخ حضرت مولانا
(عبد ال)غنی صاحب پھولپوری رح، مصلح الامت حضرت مولانا شاہ محمد وصی اللہ صاحب
، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رح مہتمم دار العلوم دیوبند،
(اور) حضرت اقدس مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب رح ناظم اعلیٰ جامعہ
(مظاہر علو)م سہارنپور، مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب مدظلہ بانی و مہتمم
(مفت)اح العلوم جلال آباد، سید الابرار حضرت مولانا شاہ سید ابرار الحق صاحب مدظلہٗ
(بانی) دعوۃ الحق ہردوئی جیسے حضرات اکابر و اساطین کی وجہ سے سلسلۂ اشرفی پورے
(ہندوستا)ن میں خصوصاً اور عالم اسلام میں عموماً بڑی تیزی اور قوت کے ساتھ پھیلا۔ اور ان
(کے طفیل) پاک کے تمام مدارس اسلامیہ کو ترقی و قوت حاصل ہوئی۔
(پاکستان) میں مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رح کی برکت سے زیادہ فیض

ہوا۔ حضرت حکیم الامتؒ کے خلفاء و مجازین میں ایک سے ایک عجیب ہستی سے ممتاز شخصیت ہوئی ہے۔ حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی ذات خصوصیات اور اوصافِ عالیہ کی جامعیت کے اعتبار سے ایک عجیب اد کی حامل تھی۔ بایں ہمہ تواضع و انکساری اور ایثار کا اس قدر غلبہ تھا کہ پوری قوت کے ساتھ اپنے ہمعصروں خصوصاً اپنے رفیقِ شفیق قطبِ عالم محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم و مہاجر مدنی کی جانب متو رہتے اور اپنی ذات کو ہیچ در ہیچ کر کے عوام و خواص کے سامنے پیش فر تھے۔ لیکن جو طالبِ صادق حضرت والا کے دامنِ فیض سے وابستگی پر مصر کو بیعت فرما کر داخلِ سلسلہ فرما لیتے اور اس کے حالات، طبیعت اور مزاج کو اس کی تربیت فرماتے۔ آپ کے یہاں اوراد و وظائف سے زائد تقویٰ پر زور تھے تقویٰ آسان ہے کیونکہ وہ ایک سلبی چیز ہے اور فعل سے ترکِ فعل آ۔ اس کے بعد اتباعِ سنت و شریعت کا اہتمام تھا، تیسرے نمبر پر اوراد و وظائ ابتدائی معمولات کی تو سب کو تلقین و تاکید ہوتی تھی۔ جو لوگ دین کی اہ تعلیم و تدریس وغیرہ میں مصروف ہوتے ان کے لئے ان میں کبھی تخفیف کرد اس سے آگے طالبین کو حسبِ طلب بڑھایا جاتا تھا، منتہی حضرات کو مرا اعتکاف وغیرہ بھی کراتے تھے۔ اور جس میں اہلیت محسوس فرماتے اور اس قابلِ اطمینان ہوتے تو اس کو اجازت بھی عطا فرما دیتے تھے۔ اجازت حس ہوتی تھی بعض کو آپ مجاز بالصحبۃ بناتے اور بعض کو اجازتِ بیعت عطا فر مجازین کو اجازتِ بیعت غیر علماء کے لئے ہوتی تھی یعنی آپ ان کو اس شرط اجازتِ بیعت عطا فرماتے تھے کہ وہ علماء حضرات کو بیعت نہ کریں گے۔ ان کو علماء کی بیعت و اصلاح کی اجازت ہوتی تھی۔

حضرت والاؒ کے یہاں مریدین و مجازین کی تکثیر کا مسئلہ بالکل نہ تھا فرمانے میں بھی احتیاط تھی اور اجازت میں بھی وہ محتاط تھے اور اجازت کے

فرماتے اور لکھواتے تھے۔

بیعت۔ ہمارے جملہ اکابر کا طریقۂ بیعت ملتا جلتا رہا ہے۔ مردوں کو بیعت
اگر ایک دو کی تعداد ہوتی تو بیعت بالمصافحہ ہوتی اور زیادہ حضرات کے لئے
ل پکڑوا کر بیعت فرماتے تھے۔ عورتوں کی بیعت میں کپڑے ہی کا استعمال ہوتا
ہوتی کہ عورتیں پردہ میں ہوتیں اور کوئی کپڑا ان کی طرف کو ڈالدیا جاتا جس کو
لیتیں دوسری طرف سے حضرت والا رح کپڑے کو پکڑ کر الفاظ بیعت کہلوا دیتے۔
اگر خط کے ذریعہ بیعت کی درخواست کیجاتی تو حضرتِ والا رح جواباً ان کو قبولیت
داخلِ سلسلہ کر لینے کی اطلاع اور ضروری ہدایات تسبیحات و معمولات وغیرہ کے
پر فرمادیتے۔ اور حالات کی اطلاع کرتے رہنے کی تاکید بھی فرما دیتے۔ بیعت کے
والا رح کفر و شرک۔ بدعت، چوری، زنا حق تلفی، نماز چھوڑنے۔ پرایا مال
، اور ہر گناہ سے توبہ کراتے تھے۔ اگر بیعت ہونے والے میں کوئی خاص بری
فرماتے تو خاص طور پر اس سے بھی توبہ کراتے تھے۔ اور آئندہ گناہ نہ کرنے
لئے توجلد توبہ کرنے اور اتباع شریعت و پیروی سنت پر عہد لیتے اور خاص خاص
استقامت کی دعا کے بعد ابتدائی معمولات اور خاص خاص ہدایات حسبِ حال
عموماً ایمانِ مفصل کا مضمون بھی کہلواتے تھے۔ بیعت ایسی خاص توجہ
نیز لہجہ میں ہوتی کہ بیعت ہونے والوں پر رقت و لرزہ طاری ہو جاتا بہتے
ذوں اور اخلاص کے ساتھ توبہ کی توفیق ہو جاتی تھی، بیعت کا ماحول بڑا
یف ہوتا تھا۔

معمولات۔ ابتدائی معمولات جو مریدین کو تلقین کیے جاتے تھے وہ
رسالہ "اسعاد الطالبین" میں شائع ہو چکے ہیں جس کو بعینہٖ آئندہ ہم درج
یں لیکن قضاء نمازوں، قضاء روزوں، اگر حج فرض ادا نہ کیا ہو تو اس
اور اگر مالدار ہو تو زکوٰۃ کی ادائیگی کی تاکید، نیز غیبت سے اجتناب، بدگوئی،
سے احتراز، لوگوں سے بیفائدہ میل جول سے پرہیز اور حضرت مولانا

تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کی کتابوں (خصوصاً حیوۃ المسلمین، آداب معاشرت اور معاملات وغیرہ) کا مطالعہ کرنے اور نماز باجماعت کا صف اول و تکبیر اولیٰ کے ساتھ اہتمام کی خوب تاکید فرماتے تھے۔ ان کے علاوہ چند امور ذیل کا خاص طور پر حکم فرماتے تھے (۱) معاملات بالکل صاف ہوں (۲) ایذا رسانی قطعاً نہ ہو (۳) دوسرو کے کاموں میں بے جا مداخلت ہرگز نہ کی جائے (۴) روزانہ اپنے نفس کا محاسبہ کیا جائے نیکیوں پر شکر اور غلطیوں پر ندامت و توبہ کا اہتمام کیا جائے (۵) کسی وقت بھی اپنے نفس سے مطمئن نہ ہوا جائے اور اپنے ظاہری و باطنی اعمال پر نگاہ رکھی جائے (۶) بتائی ہوئی نصیحتوں پر عمل، معمولات کی پابندی کی جائے (۷) اپنے حالات مطلع کرتے رہیں۔

منتہی حضرات کو نصائح

۔ منتہی حضرات کو بار بار فرماتے تھے کہ الہامات و مکاشفات کی طرف قطعاً التفات نہ کریں، اس قسم کی چیزوں میں الجھنے سے مقصود فوت ہو جاتا ہے مقصد پر نظر رکھیں۔ راستہ کی بہاروں پر فریفتہ نہ ہوں منزل کی جانب بڑھتے رہیں۔ مکائد نفس سے غافل نہ ہوں۔ شیطان کے مکر سے بے خوف نہ ہوں اس سلسلہ میں اسلاف کے واقعات بھی سناتے تھے۔ مثلاً رغا حضرت جنید کا یہ واقعہ اکثر سناتے تھے کہ ان کو آواز آئی السلام علیکم یا ولی اللہ انہوں نے جواب میں فرمایا لاحول ولا قوۃ الا باللہ تو شیطان نے کہا کہ تجھے تیرے علم نے بچالیا۔ انہوں نے فرمایا کہ کم بخت، مردود پھر دھوکہ دیتا ہے۔ میرے علم نے نہیں بلکہ اللہ کے فضل نے مجھے تیرے دھوکے سے بچایا وغیرہ حاصل یہ ہے کہ کبھی مرتبہ کید نفس و مکر شیطان سے منتہی بھی گمراہی میں پھنس جاتا ہے۔ اس لئے ہر وقت ان سے خبردار رہنا چاہئے۔

خلفاء کو خصوصی ہدایات

۔ خلفاء و مجازین میں سے ہر ایک کو حسب حال اجازت کے وقت ہدایات فرماتے تھے جو خلفاء و مجازین کی تفصیلی فہرست کے ساتھ آگے آرہی ہیں

اِسعادُ الطّالبین

ہدایات برائے متوسلین

سلام اسعدالامت حضرت اقدس سیدنا و مرشدنا مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب
ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور۔ نور اللہ مرقدہ

یہ رسالہ نافعہ حجۃ الاسلام حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کے خلیفۂ اجل حضرت مولٰنا صدیق احمد صاحب باندوی مدظلہٗ نے ترتیب دیکر حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کیا اور حضرت والا رح نے اس کو پسند فرمایا تھا اور حضرت والاؒ کے متوسلین کے لئے اس کو طبع کرا دیا گیا تھا۔ لیکن یہ رسالہ متوسلین و غیر متوسلین سب کے لئے نافع و مفید ہے۔ یہاں بھی سلسلۂ عالیہ سے وابستگان کے لئے خصوصاً اور سب مسلمانوں کے لئے عموماً اس کو درج کیا جاتا ہے۔ اس نافع و مفید رسالہ کو حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی دامت برکاتہم نے ملاحظہ فرما کر چند کلمات تحریر فرمائے تھے جو مطبوعہ رسالہ کے آخری صفحہ پر شائع ہو چکے ہیں ذیل میں پہلے ہم ان متبرک کلمات کو لکھتے ہیں اور پھر رسالہ "اِسعادُ الطّالبین"، ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں

ارشاد گرامی

حضرت مولانا الحاج الحافظ الشاہ مفتی محمود حسن صاحب دامت برکاتہم

حامداً و مصلیاً۔ رسالہ مبارکہ (اسعاد الطالبین) کے مطالعہ سے احقر مشرف ہوا۔ اس میں سالکین کے لئے ابتدائی معمولات اور بہترین نصائح کو جمع کیا گیا ہے کہنے کو تو یہ حضرت الاستاذ مولانا الحاج الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ ناظم اعلےٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے متوسلین کے لئے ہے جیسا کہ اسکے نام میں بھی اشارہ ہے مگر حقیقۃً سب ہی کے لئے نافع اور مفید ہے۔ حق تعالےٰ شانہٗ اس کے مؤلف، محب محترم مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی دام مجدہم کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اپنے قرب کی مخصوص نعمتوں

سے زائد سے زائد مالا مال فرمائے اور عامۃ المسلمین کو اس سے نفع بخشے۔ آمین

احقر محمود حسن عفی عنہ

رسالۂ نافعہ اسعاد الطالبین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہ الطیبین الطاہرین۔ اما بعد

ہر زمانے میں مشائخ عظام اور صوفیاء کرام اپنے متعلقین اور متوسلین کے تزکیۂ قلب کیواسطے کچھ معمولات اور وظائف مقرر کرتے رہے ہیں جن پر مداومت کرنیکے بعد انکو مقصود تک رسائی حاصل ہوتی ہے اسی سنت سنیہ پر آجکل بھی مشائخ کا عمل ہے۔ جن حضرات کو حضرت اقدس سیدنا و شیخنا الحاج الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب دامت برکاتہم کی خدمت بابرکت میں کچھ دن بھی رہنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ انھوں نے اس کا اچھی طرح مشاہدہ کیا ہے کہ حضرت والا ایک عظیم ادارہ کی اہم ذمہ داری اور درس و تدریس کی مشغولی کے باوجود معمولات کی کس قدر پابندی فرماتے ہیں اور اپنے متعلقین کو برابر اس کی تاکید فرماتے رہتے ہیں۔

یوں تو چند منٹ کیلئے بھی کسی کو حاضری نصیب ہوئی وہ بھی پند و نصائح کا ایک بے بہا خزانہ لیکے واپس ہوتا ہے مگر اپنے مسترشدین کے لئے حضرت اقدس کچھ معمولات کی خاص طور پر ہدایت فرماتے ہیں کبھی زبانی اور کبھی تحریر کرکے ان کو مرحمت فرما دیا۔ مگر اب روز بروز ضعف بڑھتا جا رہا ہے۔ ارتعاش کا بھی عارضہ ہے۔ اور طرح طرح کے امراض لاحق ہیں جس سے لکھ کر دینا تو در کنار معمولات کی فہرست زبانی طور پر بتانا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔

اس کو دیکھ کر حضرت والا کے بعض خدام کو اس کا احساس ہوا کہ اگر ان کو منضبط کرا دیا جائے اور چند مفید باتوں کا اضافہ کرکے طبع کرا لیا جائے تو بڑی سہولت ہو جائے حضرت والا نے بکمال شفقت منظور فرمایا اب یہ رسالۂ نافعہ اسعاد الطالبین بعد اصلاح حضرت اقدس زید مجدہم ہدیۂ ناظرین ہے اللہ پاک اسکو قبول فرما کر نافع طالبین فرما دے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔ صدیق احمد

اثبات بیعت

آج کل اس قسم کا رجحان ہوتا جارہا ہے۔ اور عام طور پر تصوف اور سلوک کے منکرین
ن کو گمراہ کرنیکے لئے کہتے ہیں کہ مشائخ کے یہاں جو بیعت کا سلسلہ جاری ہے یہ بدعت ہے
قت ہے کہ ایک جماعت نے اس کو صرف رسم کا درجہ دے رکھا ہے۔ اور دست بوسی اور
انہ وصول کرنا ہی ان کا مقصود ہے نہ مرید کو پیر کی خبر اور نہ پیر کو مرید کی فکر لیکن ایک مخصوص
قہ کی غلط کاری کی بنا پر سرے سے اس کا انکار کر دینا اور اس کو بدعت اور گمراہی کہنا یہ
ع نہیں ذیل کی حدیث سے واضح ہو جائیگا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اس قسم کی بیعت لی ہے

ن عوف بن مالک الاشجعیؓ قال کنا ند النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعة او ثمانية او سبعة فقال الا تبايعون سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسطنا ايدنا وقلنا علی ما نبايعک رسول اللہ قال علی ان تعبدوا اللہ لا تشركوا به شيئا وتصلوا الصلوات لخمس وتسمعوا وتطيعوا۔ (مسلم۔ ابوداؤد۔ نسائی)

حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نو یا آٹھ یا سات آدمی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم اللہ کے رسول سے بیعت کیوں نہیں کرتے ہم نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور عرض کیا کہ ہم کس چیز پر بیعت کریں۔ آپ نے فرمایا کہ اس پر کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کروگے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گے، پانچوں وقت کی نماز پڑھو گے احکام سنو گے اور اطاعت کروگے۔

ظاہر ہے کہ یہ نہ تو بیعت اسلام ہے اور نہ بیعت جہاد بلکہ اعمال کے التزام اور اہتمام
ا بیعت ہے، مشائخ کے یہاں بھی اسی قسم کی بیعت متعارف ہے

بیعت کی ضرورت: جس طرح امراض ظاہری کا علاج بسا اوقات دشوار ہو جاتا ہے۔ اور کتابوں سے نسخے دیکھ کر خود علاج کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا بلکہ اور خرابی میں پڑ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے جیسا کہ تجربات شاہد ہیں۔ اسی طرح بعض پوشیدہ امراض

ایسے ہوتے ہیں کہ بغیر شیخ کامل کے ان کا علاج سمجھ میں نہیں آتا اور کبھی سمجھ میں آگیا تو اس پر عمل کرنا مشکل ہوتا ہے۔ شیخ کامل چونکہ ان تمام حالات سے گذر چکا ہوتا ہے، نیز اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اعانت شامل ہوتی ہے اس لئے اس کا بتایا ہوا علاج سہل اور نافع ہوتا ہے۔

شیخ کامل کی پہچان: جس سے بیعت ہونے کا ارادہ ہو پہلے اسکے اندر یہ علامات دیکھ لے۔ جس کے اندر یہ علامات موجود ہوں اور اس سے مناسبت بھی ہو تو اس سے بیعت ہو جائے یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں کہ وہ صاحبِ تصرف ہو۔ کشف و کرامات اس سے صادر ہوتی ہوں اس لئے کہ بزرگی کے لئے یہ سب چیزیں لازم نہیں یہ تو ایک نفسانی تصرف ہے جو مشق سے بھی ہو جاتا ہے۔

شیخ کامل کی علامات یہ ہیں۔

(۱) علم شریعت سے بقدر ضرورت واقف ہو خواہ باقاعدہ اس کی تعلیم حاصل کی ہو یا علماء کی صحبت سے حاصل کیا ہو (۲) عقائد، اخلاق، اعمال میں شریعت کا پابند ہو (۳) تارکِ دنیا، راغب آخرت ہو، ظاہری و باطنی طاعات پر مداومت رکھتا ہو (۴) اپنے اندر کسی کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو (۵) کسی شیخ کامل کی صحبت میں رہ کر اس سے فیوض و برکات حاصل کئے ہوں (۶) تعلیم و تلقین میں اپنے مریدوں کے حال پر شفقت رکھتا ہو اور انکی خلاف شرع بات پر روک ٹوک کرتا ہو (۷) جو لوگ اس سے بیعت ہوں ان میں سے اکثر کی حالت شریعت کے مطابق ہو۔ ان میں دنیا کی حرص نہ ہو (۸) اس زمانہ کے منصف علماء اور مشائخ اس کو اچھا سمجھتے ہوں (۹) بہ نسبت عوام کے خواص یعنی فہیم اور سمجھدار لوگ اس کی طرف زیادہ مائل ہوں۔ (۱۰) اس کے پاس چند بار بیٹھنے سے دنیا کی محبت میں کمی۔ اور اللہ کی محبت میں ترقی محسوس ہوتی ہو (۱۱) خود بھی ذاکر و شاغل ہو (۱۲) مصلح بھی ہو۔ صرف صالح ہونا کافی نہیں۔

آدابِ مرید (۱) اپنے پیر کا ادب اور احترام کرے۔ اور زندگی گذارنے کا جو طریقہ بتائے اس پر عمل کرتا رہے، اپنی طرف سے خود کوئی راستہ نہ تجویز کرے۔ (۲) تمام بزرگوں کا احترام کرے، ان کی شان میں کسی قسم کی گستاخی نہ کرے البتہ اپنے پیر کے متعلق

اعتقاد رکھے کہ مجھ کو جتنا نفع ان سے ہو سکتا ہے اتنا کسی سے نہیں حاصل ہو سکتا (۳) اگر
کوئی کسی خلاف شرع پیر سے مرید ہو جائے یا پہلے وہ اچھا تھا بعد میں بگڑ گیا تو مریدی توڑ
دے۔ اور کسی اچھے بزرگ سے مرید ہو جائے۔ لیکن کوئی معمولی غلطی کبھی ہو جائے تو ایسی
ذرا سی بات پر اعتقاد نہ خراب کرے آخر پیر بھی تو آدمی ہے فرشتہ نہیں ہے۔
سے ایک غلطی ہو گئی ہے جو توبہ سے معاف ہو سکتی ہے (۴) اگر پیر خلاف شرع
بات بتلائے تو اس پر عمل نہ کرے اور اگر وہ اس پر اصرار کرے تو اس سے بیعت کا
ختم کر دے (۵) ذکر کی برکت سے دل میں کوئی بھی حالت پیدا ہو یا اچھے خواب نظر آویں
لگتے میں کوئی آواز یا روشنی معلوم ہو تو بجز اپنے پیر کے کسی سے ذکر نہ کرے نہ کبھی
اپنے وظیفوں اور عبادت کا کسی سے اظہار کرے اس سے وہ دولت جاتی رہتی ہے۔
(۶) اگر پیر نے کوئی وظیفہ یا ذکر بتلایا اور کچھ مدت تک اس کا اثر دل پر کچھ معلوم نہ ہو تو اس
سے تنگدل یا پیر سے بد اعتقاد نہ ہو بلکہ یوں سمجھے کہ بڑا اثر یہی ہے کہ اللہ کے ذکر کی توفیق
ہو رہی ہے یہی کیا کم ہے (۷) ذکر سے اس قسم کی خواہش نہ ہونا چاہئے کہ مجھ کو ہونے والی
باتیں معلوم ہو جایا کریں یا جس کی چاہوں خواب میں زیارت ہو جائے۔ خوب رونا آئے عبادت
میں ایسی بیہوشی ہو جائے کہ دوسری چیزوں کی خبر نہ رہے (۸) اگر پیر کی مہربانی کسی
پیر بھائی پر زیادہ ہو یا اس کو وظیفہ اور ذکر سے زیادہ فائدہ ہو تو اس پر حسد نہ کرے۔
(۹) ہر وقت پیر کے پاس نہ بیٹھا رہے جس وقت وہ بلائے اس وقت حاضر ہو۔
(۱۰) پیر سے تعلق اپنی اصلاح کے لئے ہو کسی دنیوی غرض کی وجہ سے نہ ہو۔

ضروری کام مرید کا ۔ مرید بلکہ ہر مسلمان کو اپنی زندگی اس طرح گزارنی چاہئے
(۱) ضرورت کے مطابق دین کا علم حاصل کرے خواہ کتاب پڑھ کر یا عالموں سے دریافت کرے۔
(۲) سب گناہوں سے بچے (۳) اگر گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کرے (۴) کسی کا حق نہ رکھے
کسی کو زبان سے یا ہاتھ وغیرہ سے کسی قسم کی تکلیف نہ دے اور نہ کسی کی برائی بیان کرے
(۵) مال کی محبت اور نام کی خواہش نہ رکھے نہ بہت اچھے کھانے کپڑے کی فکر میں رہے۔
(۶) اگر اس کی خطا پر کوئی ٹوکے تو اپنی بات نہ بنائے فوراً اقرار اور توبہ کر لے (۷) بغیر سخت

ضرورت کے سفر نہ کرے اس میں معمولات کی پابندی مشکل ہوجاتی ہے (۸) زیادہ ہنسی
فضول گفتگو سے پرہیز کرے خاص کر عورت اپنے نامحرم سے بے تکلفی سے بات نہ کرے (۹)
کسی سے جھگڑا فساد نہ کرے (۱۰) شریعت کا ہر وقت خیال رکھے (۱۱) عبادت میں سستی
کرے (۱۲) بغیر ضرورت لوگوں کے پاس نہ بیٹھے (۱۳) اگر لوگوں سے ملنا پڑے تو سب سے
عاجز ہوکر رہے، سب سے اپنے آپ کو چھوٹا سمجھے سب کی خدمت کرے۔ (۱۴) امیروں
اور حاکموں سے بہت کم ملے (۱۵) بددین آدمی سے دور رہے (۱۶) دوسروں کا عیب نہ ڈھونڈ
کسی پر بدگمانی نہ کرے اپنے عیبوں کو دیکھا کرے اور ان کی درستی کیا کرے (۱۷) نماز اچھی طر
وقت پر جماعت کے ساتھ ادا کرے۔ عورتوں پر جماعت نہیں وہ وقت پہ گھر ہی میں نماز پڑھ لیا کر
(۱۸) دل یا زبان سے اللہ کی یاد میں رہے کسی وقت غافل نہ ہو (۱۹) اگر ذکر میں مزہ آئے او
دل خوش ہو تو اس پر اللہ کا شکر ادا کرے اس سے اپنے کو بڑا نہ سمجھنے لگے (۲۰) بات
نرمی سے کرے (۲۱) سب کاموں کے لئے وقت مقرر کرلے اور پابندی سے اس پر عمل کرے
(۲۲) اگر رنج و غم اور نقصان پیش آئے اس کو اللہ کی طرف سے جانے پریشان نہ ہو
اور اس میں ثواب کی امید رکھے (۲۳) بلا ضرورت دنیا کی باتیں نہ کرے اور دل میں بھی ہر وقت
دنیا کا دھیان نہ رکھے (۲۴) جہاں تک ہوسکے دوسروں کو فائدہ پہونچائے خواہ دنیا کا ہو یا دین
(۲۵) کھانے پینے میں نہ اتنی کمی کرے کہ کمزور ہوجائے یا بیمار ہوجائے نہ اتنی زیادتی کرے کہ
عبادت میں سستی ہونے لگے (۲۶) خدائے تعالیٰ کے سوا کسی سے طمع نہ کرے نہ کسی کی طرف
خیال دوڑائے کہ فلاں جگہ سے ہم کو یہ فائدہ پہونچ جائے (۲۷) خدائے تعالیٰ کی تلاش
میں بے چین رہے (۲۸) نعمت تھوڑی ہو یا بہت اس پر شکر بجالائے اور فقر فاقہ سے تنگدل
نہ ہو (۲۹) اپنے ماتحتوں پر رحم کرے۔ اگر ان سے قصور ہوجائے تو معاف کردیا جائے (۳۰)
کسی کا عیب معلوم ہوجائے اس کو چھپائے اور اگر کسی کو نقصان پہنچانا چاہے تو اس
کو اطلاع کردے (۳۱) مہمانوں، مسافروں، غریبوں، عالموں، درویشوں کی خدمت
کرے (۳۲) نیک صحبت اختیار کرے (۳۳) ہر وقت خدائے تعالیٰ سے ڈرا کرے (۳۴)
موت کو یاد رکھے (۳۵) روزانہ کسی وقت بیٹھ کر اپنے کاموں کو سوچا کرے جو نیکی یاد آئے

شاکر کرے اور گناہ ہو گیا ہو تو توبہ کرے (۳۶) جھوٹ ہرگز نہ بولے (۳۷) جو محفل خلاف
شرع ہو وہاں ہرگز نہ جائے (۳۸) شرم و حیا۔ بردباری اختیار کرے (۳۹) اپنی خوبیوں
کا بیان نہ ہو (۴۰) اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ نیک راہ پر قائم رکھیں

ہدایات برائے متوسلین

شیخ الاسلام حضرت اقدس سیدنا ومقتدانا مولانا الحاج الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب دامت برکاتہم

ناظم اعلیٰ مظاہر علوم سہارن پور

(۱) متوسلین کو چاہیے کہ احکام مذکورہ پر عمل کرنے کے ساتھ امور ذیل کا بھی اہتمام رکھیں۔
(۲) مرد نماز پنجگانہ باجماعت مسجد میں ادا کریں۔ عورتیں وقت مستحب میں گھر میں ادا کریں۔
(۳) اشراق چار رکعت، چاشت آٹھ رکعت، اوابین چھ رکعت، تہجد بارہ رکعت یا جس قدر ہو سکے
(۴) عصر چار رکعت قبل عشاء اور اس کے بعد چار چار رکعت۔ صلوٰۃ التسبیح بروز جمعہ (صلوٰۃ التسبیح
کی ترکیب بہشتی زیور وغیرہ میں دیکھ لیا جائے) (۳) ذی الحجہ کے اول نو دن بالخصوص نویں تاریخ۔ محرم
کی ۹-۱۰ شعبان کی پندرہویں تاریخ کے روزہ کا خاص طور پر لحاظ رکھیں اور ہو سکے تو ہر ماہ میں
ایام بیض یعنی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ، نیز پیر و جمعرات کا روزہ بھی رکھا کریں۔
تعلیم، تبلیغ وغیرہ دین کے اہم کاموں میں جو لوگ مشغول ہیں وہ اس کا لحاظ رکھیں کہ ان
نفل روزوں کی وجہ سے دین کے ان کاموں میں حرج نہ ہو (۴) قرآن پاک کی تلاوت پابندی
کے ساتھ کریں جو لوگ حافظ ہیں وہ کم از کم تین پارے اور ناظرہ خواں ایک پارہ۔ حافظ
کے لیے بہتر ہے کہ اوابین تہجد میں ترتیب کے ساتھ قرآن پاک پڑھا کریں (۵) مناجات
مقبول کی ایک منزل روزانہ پڑھا کریں (۶) بعد فجر سورۂ یٰسین ایک بار، استغفار سو بار
کلمہ طیبہ سو بار، درود شریف سو بار۔ بعد ظہر کلمہ طیب سو بار۔ درود شریف سو بار، سورہ انا فتحنا
ایک بار، بعد عصر سورہ نبأ ایک بار، آیۃ کریمہ سو بار، بعد مغرب اوابین سے فارغ ہو کر سورہ
واقعہ ایک بار، کلمۂ طیب سو بار، درود شریف سو بار، بعد عشاء سورۂ سجدہ اور سورۂ ملک ایک
ایک بار کلمۂ طیب سو بار، درود شریف سو بار، سوتے وقت آیۃ الکرسی اور چاروں قل پڑھ کر

اپنے اوپر دم کرلیا کریں۔ ہر روز جمعہ سورۂ کہف ایک بار، درود شریف جس قدر زیادہ ہوسکے
(۷) کبھی کبھی قبرستان جاکر کم از کم گیارہ بار قل ہو اللہ پڑھ کر سب مسلمانوں کے لئے دعا
مغفرت کریں۔ (۸) روزانہ بعد تلاوت قرآن مجید اپنے سلسلہ کے تمام مشائخ کے لیے
ایصالِ ثواب کیا کریں (۹) قربانی کے زمانہ میں حسبِ وسعت بزرگانِ دین کی طرف
عموماً اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خصوصاً قربانی بھی کیا کریں۔

(۱۰) حضرتِ اقدس کی مغفرت، اور درجاتِ عالیہ کے لئے روزانہ دعا کرتے رہیں۔

(۱۱) اپنے حالات کی برابر اطلاع دیتے رہیں اور حسبِ ہدایت عمل کرتے رہیں۔

(۱۲) حضرت حکیم الامت رح کے مواعظ و ملفوظات اور بمشورہ دوسرے اکابر کی تصنیفات کا مطالعہ
اور اگر خود پڑھے ہوئے نہیں ہیں تو پابندی کے ساتھ کسی سے سنا کریں

(۱۳) ذیل میں درج کیا ہوا شجرہ بھی روزانہ پڑھ لیا کریں۔

شجرۂ منظومہ

یاالٰہی کن مناجاتم بفضلِ خود قبول
بہر شاہِ اسعد اللہ سیّدی و مرشدی

اُحْیِنِیْ ثُمَّ اَمِتْنِیْ مُسْلِمًا یَا رَبَّنَا
بہر قطبِ عالم اشرف علی تھانوی

بہرِ امداد و بہر نورِ حضرتِ عبدالرحیم
عبدِ باری، عبدِ ہادی، عضدِ دیں مکی ولی

ہم محمدی و محب اللہ و شاہ بوسعید
ہم نظام الدین، جلال و عبدِ قدوس احمدی

ہم محمد عارف و ہم عبدِ حق، شیخ جلال
شمسِ دیں ترکِ علاؤ الدین، فرید جود عنی

قطبِ دیں و ہم معین الدین و عثمان شریف
ہم مودود و ابو یوسف محمد، احمدی

بو سحاق و ہم بہ ممشاد و ہبیرہ نامور
ہم حذیفہ و ابن ادھم، ہم فضیلِ مرشدی

عبد واحد، ہم حسن بصری، علی فخر دیں
سید الکونین فخر العالمیں بشری نبی

پاک کن قلبِ مرا تو از خیالِ غیر خویش
بہر ذاتِ خود شفا یم دہ ز امراضِ دلی

نوٹ: یہ ابتدائی معمولات ہیں، انھیں پر قناعت کرلی جائے۔ اس راہ میں سب سے

ضروری یہ ہے کہ اپنے شیخ کو اپنے احوال کی اطلاع دیتے رہیں اور جو کچھ شیخ کی جانب
ان کے لئے تجویز کیا جائے اس پر عمل کرتے رہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ان
خلفاء میں سے جن سے مناسبت ہو ان سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کر کے ان کو اپنے حالات
کی اطلاع دیتے رہیں۔ کیونکہ سلوک وطریقت میں مرید کو دو ہی چیزیں لازم ہیں۔ اپنے احوال
کی شیخ کو اطلاع، اور شیخ کے فرمان کی اتباع۔ فقط

دیگر از خدام حضرت رحمۃ اللہ علیہ

خلفاء ومجازین کرام

شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ وجعل الجنۃ مثواہ

خلفاء ومجازین کی تفصیلی فہرست سے پہلے چند امور ذیل قابل ملاحظہ ہیں۔
(۱) شیخ اپنے مریدین ومتوسلین میں سے کسی ایک شخص یا متعدد اشخاص کو ایک وقت میں یا مختلف اوقات میں اپنے الہام وکشف یا القاء غیبی وتقاضائے قلبی کی بنیاد پر یا اہلیت محسوس ہونے کے ظن غالب کی بنا پر اجازت صحبت یا اجازت بیعت دیتا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ باقی متوسلین ومریدین نا اہل ہیں۔ ممکن ہے کہ جن کو اجازت دی گئی ان سے زائد اہل دوسرے لوگ ہوں جن کو اجازت نہیں ملی۔ اسی طرح یہ ضمانت نہیں ہوتی کہ جن کو اجازت دی گئی ہے ان کے حالات میں بعد میں تبدیلی نہیں آسکے گی۔ اور وہ ہمیشہ خرقۂ خلافت اور مسند شیخت کے اہل رہیں گے۔ اسی لئے بیعت ہونے والا بیعت ہونے سے پہلے اس بات پر پہلے خوب غور کرے کہ جس سے بیعت ہونا چاہتا ہے اس کی زندگی شریعت کی قیود سے آزاد اور اتباع سنت سے ہٹی ہوئی تو نہیں ہے، بہرحال مسئلہ اجتہادی ہے جس کا مدار ظن غالب اور شیخ کی رائے پر ہوتا ہے۔ کسی یقینی نص پر اس کا مدار نہیں ہوتا جس میں غلطی کا احتمال نہ ہو یا مستقبل کے متعلق مکمل ضمانت ہو۔
(۲) بیعت کے وقت اپنی عقیدت ومحبت، طبیعت کے میلان اور قلبی رجحان پر نظر کرنی

چاہئے۔ اور جس سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کر لے اس کے متعلق یہ خیال کرے کہ مجھ کو سب سے زائد اصلاحی فائدہ اپنے اسی شیخ سے ہوگا، یہ ہرگز اعتقاد نہ کرے کہ میرا شیخ سارے دنیا کے مشائخ سے افضل اور بڑا ہے اس کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کہ کون کتنا بڑا اور افضل ہے۔

(۳) مرید کو ادب لازم ہے اپنے شیخ کا بھی اور تمام دوسرے مشائخ کا بھی بلکہ جملہ اہل سلوک اور تمام اہل ایمان کا درجہ بدرجہ ادب کرنا بھی ضروری ہے بے ادب سے محرومی کے سوا کچھ نہیں ملتا ع بے ادب محروم گشت از فضلِ ربّ۔

(۴) اپنے شیخ کو یا کسی بھی شخص کو معصوم نہ سمجھے، عصمت حضرات انبیاء علیہم السلام پر ختم ہے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو بخشے بخشائے اور جنتی ہیں اس لئے اپنے شیخ سے یا کسی اور سے کوئی منکر سرزد ہو جائے تو منصب کا خیال کرتے ہوئے نکیر لازم ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر درجہ بدرجہ ضروری ہے یہی اصل خیر خواہی ہے اور اپنا شیخ دوسرے مشائخ کی بہ نسبت خیر خواہی کا زیادہ مستحق ہے۔ اس لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بھی اپنا شیخ دوسروں سے زائد مستحق ہے ہاں اس میں بھی شیخ کا ادب ملحوظ رہے۔

(۵) مرید ہونے کے بعد شیخ کا اتباع اور اپنے حالات کی اس کو اطلاع کرتا رہے اور شیخ کے ہاتھ میں اس طرح ہو جائے جیسے مردہ غسل دینے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے لیکن شریعت کے خلاف امور میں شیخ، استاذ اور ماں باپ کسی کی بھی اطاعت جائز نہیں۔ لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق (مخلوق کی اطاعت خالق کی نافرمانی میں جائز نہیں) یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور مشہور شعر ہے

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید   کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

کوئی نص نہیں ہے جس کو نص کے مقابلہ میں مانا جائے اور لایزنی الزانی حین یزنی وھو مومن۔ الحدیث کی رو سے نافرمانی کا حکم کرتے وقت یہ شیخ اپنے مقام شیخیت پر (پیر مغاں) ہی کب رہتا ہے۔

رت حجۃ الاسلام رح کے خلفاء و مجازین میں سب حضرات اہم اور اپنی اپنی خصوصیات
ات کے اعتبار سے سب ہی بہتر ہیں، حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے رتبہ و مقام کے
ے کوئی ترتیب قائم نہیں فرمائی اور نہ ہی آپ نے اس کا حکم فرمایا اس لئے ہمیں ترتیب
ن سے قائم کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ لیکن حضرت والا رحمۃ اللہ نے حضرت مولانا قاری
احمد صاحب باندوی مدظلہ العالی کے بارے میں متعدد بار بلند کلمات ارشاد فرمائے ہیں
نے اپنے منظوم رسالے "ذکر اسعد" میں بیان کردیا ہے جو اسی کتاب "حیاتِ اسعد"
میں درج کردیا گیا ہے۔ اور حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم
رن پور کا ادب بہت زیادہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ ان کے علاوہ پاکستان میں سلسلۂ اسعدیہ
کے اہم رکن حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی ہیں۔ باقی تمام حضرات اپنی
صیات میں ممتاز و صاحب فضیلت ہیں اور جزوی اعتبار سے بعض کو بعض دوسروں
ت و فوقیت حاصل ہے۔

حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے بعض بعض خلیفہ و مجاز کو اجازت کے وقت کچھ خاص
اور ہدایات فرمائی ہیں جو مندرجہ ذیل فہرست میں ان کے ناموں کے ساتھ بیان کیگئی ہیں
ذیل میں خلفاء و مجازین کی فہرست حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی بیاض سے
نقل کیجاتی ہے۔ جس میں ہر خلیفہ و مجاز کا نام و پتہ، تاریخ و وقتِ اجازت بتم
اور مخصوص نصائح و ہدایات مندرج ہیں

فہرست خلفاء و مجازین

الاسلام، حضرت اقدس مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ

موافق بیاضِ خاص

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

½ ۱۰ بجے شب جمعہ ۹ ؍ رجب ۱۳۶۲ھ کو مولوی شبیر احمد خان صاحب ولد حضرت
رحیم اللہ خان صاحب، محلہ قصبہ، مقام ٹانڈہ، ضلع فیض آباد کو اجازت

بیعت وتلقین دی گئی ۔ محمد اسعد اللہ بقلم خود

② پہلے ۱۲ بجے یوم شنبہ دس ربیع ۲ ۱۳۶۶ھ مطابق ۴ مارچ ۱۹۴۷ء کو عزیزم مولوی محمد یوسف صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ مدرسہ اشرف العلوم ڈاک خانہ فاضل خاں ضلع چاٹگام (بنگال) کو اجازت بیعت وتلقین دی گئی ۔ محمد اسعد اللہ بقلم خود

③ دن کے ۱۰ بجے مسجد کلثومیہ میں یوم چہارشنبہ ۵ ۲ ربیع الاول ۱۳۷۶ھ ۳۱ اکتوبر ۱۹۵۶ء عزیز محترم مولوی حافظ سید صدیق احمد صاحب باندوی سلمہ اللہ کو اجازت بیعت وتلقین دی گئی ۔ مکمل پتہ یہ ہے ۔ مدرسہ عربیہ موضع ہتھورا ضلع باندہ ،، محمد اسعد اللہ

④ ۱۴ محرم الحرام ۱۳۸۲ھ جو یوم دوشنبہ ۱۸ جون ۱۹۶۲ء دس اور گیارہ بجے کے درمیان صبح جناب حاجی نظیر احمد خاں صاحب راج پوت رئیس موضع شیخپورہ ضلع سہارنپور کو غیر علماء کو بیعت کرنے کی اجازت دی گئی اور موصوف کو مجاز بالصحبۃ پہلے بنا دیا گیا
(۲۴ اپریل ۷۳ء بروز شنبہ رحلت فرما گئے ۔ مظفر) محمد اسعد اللہ

⑤ آج پندرہ شوال المکرم ۱۳۸۳ھ مطابق ۲۸ فروری ۱۹۶۴ء لیلۃ السبت دس بجکر ۱۵ منٹ پر عزیز محترم مولوی حافظ عبدالوہاب خانصاحب بستوی سلمہ اللہ تعالیٰ کو اجازت صحبت دی گئی ۔ مکمل پتہ یہ ہے ۔ موضع دالوکوئیاں ڈاک خانہ بھینی ضلع بستی (یوپی)، مولوی صاحب کے والد صاحب حیدر خانصاحب ہیں ۔ محمد اسعد اللہ

ذیل میں وہ مکتوب گرامی درج ہے جس کے ذریعہ مولانا عبدالوہاب صاحب موصوف کو اجازت سے مطلع کیا گیا ۔ اور جس میں مناسب ہدایات دی گئیں ۔ (نسیم احمد غازی مظاہری)

نقل مکتوب گرامی

۷۸۶

عزیزم محترم مولوی وحافظ محمد عبدالوہاب صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ ابن حیدر خانصاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حسب عادت اہل طریق بغرض نفع رسانی خلق آپ کو توکلاً علی اللہ اجازت صحبت د

پنے پاس اٹھنے بیٹھنے والوں کو دین کی باتیں بتاتے رہیں اور بطور تحدیث بالنعمۃ
نباب کو بھی مطلع کر دیں اور امور ذیل کا خیال رکھیں ۔

اپنے دوستوں کو مندرجہ ذیل کتابوں کے مطالعہ یا سننے کا مشورہ دیں ۔
زیور، بہشتی ثمر، اصلاح الرسوم، قصد السبیل۔ آداب معاشرت اور سلسلہ
المواعظ یا دعوتِ عبدیت کے وعظ ۔

اگر کوئی فہیم یا ذی استعداد ہو تو انفاس عیسیٰ، کمالات اشرفیہ، تربیت السالک
، مواعظ رسالہ التبلیغ کے مطالعہ کرنے کا مشورہ دیں

قصد السبیل کو پڑھ کر اس کے مطابق عمل کیا جائے ۔

حتی الوسع سب کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں اور بلا ضرورتِ شدیدہ تحریراً
تقریراً سختی نہ کریں ۔

تقلیل طعام ومنام کا مشورہ نہ دیں، معاملات، معاشرت اور اخلاق کی درستگی
وظائف پر مقدم رکھیں ۔

زبان، آنکھ اور کان کی پوری حفاظت کیجائے ۔ اور نماز باجماعت کا
پورا پورا اہتمام کریں

اوراد واذکار کی بہت پابندی رکھیں۔ اس سے تعلیم میں برکت ہوتی ہے۔

ہمیشہ اپنی تکمیلِ اصلاح اور ترقی دین کی فکر میں مشغول رہیں کسی حالت پر
نہ کریں نہ اندریں رہ می تراش و می خراش ۔ تادم آخر دمے فارغ مباش

اپنے مطالعہ میں حسب ذیل کتب رکھیں ۔ تعلیم الدین، انفاس عیسیٰ، کمالات اشرفیہ
تربیت السالک، تکشف، مواعظ حکیم الامت خصوصاً اور جملہ تصنیفات حکیم الامت عموماً۔

مجھ سے مکاتیب جاری رکھیں انشاء اللہ تعالیٰ بہت مفید ہوگا۔

صلحاء خصوصاً حضرت مولانا وصی اللہ مدظلہ العالی کی صحبت کو کیمیا تصور کریں۔

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ط

(۱) محض اس اجازت پر کسی کو بیعت نہ کریں کہ اس اجازت سے یہ مقصود نہیں

ہے کہ آپ ترقی کریں۔ یکشنبہ ۱۵رشوال المکرم ۳۸ھ مطابق ۲۰ر فروری ۱۰ بجکر ۱۵ منٹ۔ مکمل پتہ یہ ہے۔

موضع دالو کوئیاں ڈاک خانہ بھینی ضلع بستی (یوپی)

(۶) حضرت مولانا جمیل احمد صاحب تھانوی جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور دیاک کو مجاز بالصحبت توکلاً علی اللہ بنا دیا گیا ہے مگر دست اجازت صحبت دی گئی اور بہت ہے کہ جلد ہی اجازت بیعت و تلقین بھی دیجائے ۹ ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ مطابق ۹ر ۱۹۶۸ء یوم شنبہ ۱۰ بجکر ۵ منٹ دن۔ بذریعۂ خط اطلاع دیگئی۔ اسعد بقا خط سے آج ۱۰ صفر ۸۸ھ ۹ مئی ۱۹۶۸ء کو مطلع کیا گیا۔

۱۶ر جمادی الاخری ۱۳۸۸ھ ۱۰ ستمبر ۱۹۶۸ء یکشنبہ سوا گیارہ بجے دن ممکن تھا کہ میں ابھی اور انتظار کرتا لیکن میری طبیعت خراب رہتی ہے اس لئے کسی انتظار کے بغیر جناب کو متوکلاً علی اللہ بیعت و تلقین کی اجازت دی جاتی ہے درخواست کی جاتی ہے کہ اپنی حالت کو ترقی دیتے رہیں اور بیعت و تلقین فرمایا کریں

محمد اسعد بقلم خود

(نوٹ) تاریخ بالا کو جو خط مولانا جمیل احمد صاحب کو لکھا گیا ہے اجازت بیعت و تلقین کے متعلق اس کے یہ جملے درست نقل کر دیئے گئے۔ محمد اسعد اللہ

۱۲ر اپریل ۱۹۷۰ء ۶ صفر المظفر ۹۰ھ کو گیارہ بجے دن یہ تحریر لکھی جا رہی ہے مولانا الحاج . . . . صاحب احمد آباد ملک احمد مسجد کالو پور لولی نے بتایا کہ تقریباً سال بیشتر حضرت ناظم صاحب مدظلہ نے ان کو اجازت صحبت عطا کی ہے۔ اور یہ واقعہ میرے اور کئی حضرات کے سامنے کا ہے۔ ۲۴ مارچ ۱۹۷۰ء ۱۲ محرم ۹۰ھ جب . . . . صاحب، حضرت ناظم صاحب کی بیماری کی خبر پر تشریف لائے ہیں تو حجرہ ان کے داخل ہوتے ہی بہت عجلت کیساتھ ہم سب کو حجرہ سے باہر جانیکا حکم دیا۔ حجرہ اس وقت حضرت ناظم صاحب مدظلہ تھے، مظفر الحسن تھے اور مولانا . . . . صاحب تو ان کو حضرت ناظم صاحب مدظلہ نے اپنی مستعمل ٹوپی شریف عنایت فرمائی مگر زبان

ں فرمایا۔ اور پھر ہم سب کو حجرہ میں بلالیا۔
ن) حضرت ناظم صاحب مدظلہ کی طبیعت بہت ہی ناساز ہے اس لئے یہ سطور برائے
ت میں نے لکھ لی ہیں۔ محمد اللہ عبد۔
ردی کا نوٹ) مجھ سے حضرت ناظم نے ۲۴ اپریل ۷۰ء، ۱۷ صفر المظفر ۹۰ھ یوم جمعہ
ذنہ کی کوٹھی پر تنہائی میں کچھ بیعت و خلافت کے متعلق گفتگو فرمائی۔ پھر اس موضوع کے
ت سے میں نے مولانا ۔۔۔۔ صاحب کی اجازت صحبت کے متعلق بہت سے لوگوں کی
یں استصواب کیا۔ جن میں نمایاں حاجی عرفان احمد صاحب عرف حاجی متی صاحب
اعبد الجلیل صاحب جھبیرن والے تھے۔ اس پر حضرت ناظم صاحب نے فرمایا کہ مجھے یاد
ں میں نے اجازت صحبت دی ہو لہذا اس کا اعتبار نہیں اور اس بیماری میں جو
یں نے انھیں دی تھی اس کا مطلب قطعاً اجازت نہیں ہے۔ بلکہ از راہ محبت
اد سمجھ کر میں نے انھیں ٹوپی دی تھی۔ نیز یہ فرمایا کہ یہ کوئی وراثت نہیں پھر تھوڑی
بعد فرمایا کہ میں انھیں (مولانا ۔۔۔۔ صاحب کو) متہم نہیں کرتا ہوں۔ لیکن جب
نہیں لہذا اس کا اعتبار نہیں ہے۔ اور جیسے تم نے پہلا بیان لکھا تھا یہ بھی
بعد میں مجھ سے دستخط کرالینا فقط۔ محمد اللہ۔ محمد اسعد اللہ عفی عنہ
آج بروز دوشنبہ ۱۱ رجادی الاولیٰ ۹۱ھ ۵ جولائی ۷۱ء ۴ بجکر ۲۵ منٹ
یہ رجسٹری خط جناب مولانا عبد القیوم صاحب مدرس مدرسہ اصلاح المسلمین ڈاک
امیر حمد اشاہی ضلع بستی کو بیعت و تلقین کی اجازت دی گئی فقط محمد اسعد اللہ
) جس تحریر پر میرے دستخط نہ ہوں اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ محمد اسعد اللہ ۵ ر۷؍۷۱ء م ۱۱ ؍۵ ؍۹۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آج مورخہ ۱۳ رشعبان المعظم ۹۱ھ مطابق ۴ راکتوبر ۷۱ء بروز دوشنبہ جناب
الحاج علی احمد صاحب مانڈے والے کو حضرت مفتی محمود داؤد یوسف صاحب برمی
ط سے بذریعہ رجسٹری خط متوکلاً علی اللہ بیعت و تلقین کی اجازت دی گئی ہے۔
پتہ ہے۔ جناب علی احمد صاحب پر ونیسر ۵۹۔ ۴۲ راسٹریٹ مانڈے برما فقط محمد اسعد اللہ

(۹) آج ۸ ر ذی قعدہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۷ر ستمبر ۱۹۷۱ء بروز دوشنبہ جناب محمد عمر صاحب عمر تقریباً ۲۷ سال ولد جناب عبد اللہ عرف جھوٹا صاحب مقام گیلانی ڈاک خانہ خاص ضلع سہارنپور کو متوکلاً علی اللہ لغیر العلماء بیعت وتلقین کی اجازت جاتی ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی کتابوں کے مطالعہ کا معمول فرما دیں۔ فقط

(۱۰) آج ۱۴ر جنوری ۱۹۷۲ء مطابق ۲۶ر ذیقعدہ ——— محمد اسعد اللہ
۱۳۹۱ھ بروز جمعہ ۱۱ بجکر ۵ منٹ پر اپنے کمرہ میں بہت ہی غور وفکر کے بعد جناب حافظ الحاج عبد الجلیل صاحب ولد جناب الحاج الحافظ محمد عمر خاں صاحب موضع جھ ڈاک خانہ کلسیہ ضلع سہارنپور کو متوکلاً علی اللہ اجازت صحبت دیتا ہوں اپنے اٹھنے بیٹھنے والوں کو دین کی باتیں بتاتے رہیں اور بطور تحدیث بالنعمۃ اپنے احباب مطلع کر دیں اور امور ذیل کا لحاظ رکھیں۔

۱ اپنے دوستوں کو مندرجہ ذیل کتابوں کے مطالعہ کرنے اور سننے کا مشورہ دیں۔ بہشتی زیور، بہشتی ثمر، اصلاح الرسوم، قصد السبیل، آداب معاشرت اور سلسلۃ المواعظ یا دعوات عبدیت کے وعظ۔

۲ اگر کوئی فہیم اور ذی استعداد ہو تو۔ انفاس عیسیٰ، کمالات اشرفیہ، تربیۃ السالک رسالہ التبلیغ کے مطالعہ کا بھی مشورہ دیں ۳ تعلیم الدین کو پڑھ کر اسکے مطابق عمل کیا جائے۔

۴ حتی الوسع سب کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں اور بلا ضرورت شدیدہ تحریراً وتقریراً سختی

۵ تقلیل طعام ومنام کا مشورہ نہ دیں معاملات، معاشرت اور اخلاق کی درستگی کو وظائف مقدم رکھیں۔ ۶ زبان، آنکھ، کان کی پوری حفاظت کیجائے اور نماز باجماعت پورا پورا اہتمام کیا جائے۔

۷ خود اوراد واذکار کی بہت پابندی رکھیں، اس سے تعلیم میں برکت ہوتی ہے ہمیشہ اپنی تکمیل اصلاح وترقی دین کی فکر میں مشغول رہیں کسی حالت پر قناعت نہ

۸ اندریں رہ می تراش ومی خراش تا دم آخر دمے غافل مباش

۹ اپنے مطالعہ میں حسب ذیل کتب رکھیں۔ تعلیم الدین۔ انفاس عیسیٰ، کمالات اشرفیہ

السالک، مواعظ حکیم الامت، اور جملہ تصانیف حضرت حکیم الامت۔
ن) محض اس اجازت پر کسی کو بیعت نہ کریں۔ اس اجازت سے یہ بھی مقصود ہے
ترقی کریں فقط۔ محمد اسعد اللہ بقلم خود۔

آج مورخہ ۲۲ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ مطابق ۷ مئی ۱۹۷۲ء کو جناب الحاج القاری
یسین صاحب پنشنر اکاؤنٹنٹ پوسٹ آفس محلہ قانون گویان قصبہ نہٹور
ر کو متوکلاً علی اللہ لغیر العلماء بیعت و تلقین کی اجازت دیجاتی ہے اور درخواست
ہے کہ اپنی حالت کو ترقی دیتے رہیں اور بیعت و تلقین فرماتے رہیں۔
ں) موصوف کو مجاز بالصحبت پہلے ہی بنایا جاچکا تھا۔ اور غالب گمان یہ تھا کہ اجازت
الی تحریر بھی اس کاپی پر موجود ہے۔ مگر آج تلاش کیا تو اس تحریر کو نہ پایا۔
سمجھا گیا کہ اجازت صحبت کو اسی تحریر کے ساتھ شامل کردیا جائے فقط محمد اسعد اللہ
جناب حاجی عاشق الٰہی صاحب ماجری ڈاک خانہ اسلام نگر رام پور منہیاران ضلع
ر۔ جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ و مجاز جناب حاجی شمشاد صاحبؒ کے
مجاز ہیں۔ جناب حاجی شمشاد صاحبؒ کے وصال کے بعد جناب حاجی
الٰہی صاحب نے مجھ سے مراجعت فرمائی اور مجھ سے فرمایا کہ آپ حاجی شمشاد علی صاحب
ہوئی خلافت و اجازت کو چاہے باقی رکھیں یا منسوخ فرمائیں میں نے حاجی
الٰہی صاحب کے لئے حاجی شمشاد صاحب کی دی ہوئی اجازت کی تصدیق کی
ی رکھا۔ اس کو منسوخ نہیں کیا۔
اجی عاشق الٰہی صاحب ۱۹۶۵ء میں حج کو گئے۔ ان کے قول کے مطابق
انب سے دی ہوئی وہ تحریر جو اجازت و خلافت پر مشتمل تھی وہ ان کی
مقبول کی جلد میں رکھی ہوئی تھی۔ جہاز ہی میں وہ مناجات مقبول گم
سی کے ساتھ وہ اجازت نامہ بھی گم ہوگیا لہٰذا ضرورت پڑی کہ ایک اور
مدی جائے۔ اب یہ تو یاد نہیں کہ کس تاریخ کو وہ تحریر لکھی گئی تھی جو
بیعت و تلقین پر مشتمل تھی لیکن اس بات کا یقین ہے کہ حاجی عاشق الٰہی صاحب

کو اجازت بیعت اور خلافت دی گئی ہے۔

اور حاجی عاشق الٰہی صاحب نے وہ خطوط دکھائے ہیں جو میں نے انھیں قلم سے لکھے ہیں ان سے صاف طور پر اجازت و خلافت کی تصدیق ہوجاتی ہے انھیں کبھی احتیاطاً نقل کیا جاتا ہے

کارڈ ۱۷ رجب سنہ؁

آپ نے تعلیم کا کام شروع فرمادیا ہے اللہ تعالیٰ انجام بہتر کرے اور ترقی فرمائے۔ تعویذ دیدیا کیجئے اور ساتھ ساتھ کچھ نصیحت و تبلیغ بھی کردیا کیجئے اگر کوئی غرض فاسد نہ ہو مرید ہونیوالی کی تو مرید کرلیا کیجئے

لفافہ ۲۷ رمضان سنہ ۱۳۸؁ھ۔ آپ ماشاء اللہ شیخ ہیں۔ اچھا یہ ہے کہ جس ذاکر کو منتخب فرمائیں اس کے متعلق مشورہ فرمالیں۔

خلفاء کے متعلق ایک سوال کے جواب میں تحریر ہے:۔

ایک تو خود آپ ہیں ایک مولوی سید صدیق احمد صاحب ہیں۔ پتہ: جامع ہتھورا ضلع باندہ (یو۔پی)، ایک مولوی شبیر احمد صاحب ہیں۔ الخ

ایک اور جگہ لکھا ہے۔ سب معمولات وغیرہ اور طریق بیعت درست ہے۔

لفافہ ۹ شوال المکرم سنہ ۱۳۷۵ھ اس میں ایک جگہ میں نے لکھا ہے،

اسی کا نتیجہ آپ کو ملا ہے۔ آپ کو اجازت ملی۔ فقط محمد اسعد اللہ بقلم خود

۹ شعبان المعظم سنہ ۱۳۹۲ھ ۱۹ ستمبر ۱۹۷۲ء شنبہ بقلم محمد اسعد اللہ

(۱۳) آج مورخہ ۱۲ رجب المرجب سنہ ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۰ اگست ۱۹۷۶ء بعد نماز جمعہ مولوی احمد مرتضیٰ ابن جناب محمد اظہار حسین صاحب مقام وڈاک خانہ اور گیردا ضلع ہزاری باغ صوبہ بہار، جو کہ میرے پاس مسلسل تقریباً ایک سال رہے اس زمانہ میں ان سے اچھی امیدیں وابستہ ہوگئی ہیں۔ ان کو صرف اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے بیعت و تلقین کی اجازت دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمادے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کے مطالعہ کو اپنا معمول بنائے رکھیں اور اسی پر حتی الامکان

ش کریں۔ اس کی اطلاع اپنے بعض احباب کو بھی کر دیں فقط
محمد اسعد اللہ ۱۲ رجب المرجب ۹۲ھ ۲۰ اگست ۷۲ء جمعہ
مورخہ ۱۶ ستمبر ۷۲ء مطابق ۱۰ شعبان ۹۲ھ بروز جمعہ قبل از نماز جمعہ حسب
طریق بغرض نفع رسانی خلق۔ مولوی حافظ قاری اطیعوا اللہ صاحب بن شیخ
نب جہنکائی۔ ڈاک خانہ خاص ضلع چمپارن (بہار) کو توکلاً علی اللہ تعالیٰ بیعت
اجازت دیتا ہوں ... اپنے پاس اٹھنے بیٹھنے والوں کو یہ مضمون سنا دیں۔
ین کی باتیں بتاتے رہیں۔ اور بطور تحدیث بالنعمۃ اپنے احباب کو بھی مطلع کریں
ن کا خاص خیال رکھیں۔
دوستوں کو مندرجہ ذیل کتابوں کے مطالعہ کرنے یا سننے کا مشورہ دیں بہشتی زیور
اصلاح الرسوم، آداب معاشرت اور سلسلہ تسہیل المواعظ یا دعوت عبدیت کے وعظ
ی فہیم اور ذی استعداد ہو تو۔ انفاس عیسیٰ، کمالات اشرفیہ، تربیت السالک،
اعظ رسالہ التبلیغ کے مطالعہ کا بھی مشورہ دیں۔
تسہیل کو پڑھ کر اس کے مطابق عمل کیا جائے۔
ست سب کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں اور بلا ضرورت شدیدہ تحریراً یا تقریراً
ریں
ب طعام و منام کا مشورہ نہ دیں، معاملات، معاشرت اور اخلاق کی درستی کو ذوظائف
یں۔ علاوہ زبان، آنکھ، کان کی پوری حفاظت کیجائے اور نماز با جماعت
تمام کریں
ورا د و اذکار کی بہت پابندی رکھیں اس سے تعلیم میں برکت ہوتی ہے اور ہمیشہ
صلاح اور ترقی دین کی فکر میں مشغول رہیں کسی حالت پر قناعت نہ کریں ؎
اندرہ می تراش و می خراش تا دم آخر دمے فارغ مباش
مطالعہ میں حسب ذیل کتب رکھیں، تعلیم الدین، انفاس عیسیٰ، کمالات اشرفیہ،
ت، تکشف، مواعظ حضرت حکیم الامت خصوصاً اور جملہ تصانیف حکیم الامت عموماً

۹۔ مجھ سے مکاتبت جاری رکھیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ یہ مفید ہوگا۔
۱۰۔ اس اجازتِ بیعت وتلقین سے یہ بھی مقصود ہے کہ آپ خود ترقی کریں فقط
محمد اسعد اللہ بقلم خود

(۱۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ حامداً ومصلیاً کم وبیش ساڑھے تین سال کے رہنے سہنے تجربہ کے بعد متوکلاً علی اللہ مولوی ضیاء اللہ خاں صاحب ولد حاجی بشیر علی خاں صاحب مرحوم قوم افغان مقام ڈاکخانہ پوسٹ تری کیرہ ضلع چیک بنگلور کو بیعت وتلقین اور ارشاد کی اجازت دیتا ہوں اور وصیت کرتا ہوں کہ حضرت تھانوی رحؒ کی کتابوں کا ہمیشہ مطالعہ کرتے رہیں، شریعت کی پابندی کریں۔ اور تکبیر اولیٰ کا بہت ہی دھیان رکھیں
(نوٹ) مجازین کے ناموں پر میرے دستخط ہیں۔ جن پر میرے دستخط نہ ہوں گے ان کا اعتبار نہیں ہے۔ اس کی اطلاع اپنے بعض احباب کو بھی کردیں یا یہ تحریر دکھلا دیں۔
فقط محمد اسعد اللہ ۲۰ر اپریل ۷۵ء مطابق ۷ر ربیع الثانی ۹۵ھ

[۱۶] بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حامداً ومصلیاً
بہت غور وفکر کے بعد برادرم حافظ محمد یعقوب صاحب سلمہٗ سابق بریلی ثم بارہ بنکی کو ان کی صالحیت وصلاحیت اور تقویٰ وسنجیدگی کی بناء پر بیعت وتلقین وارشاد کی اجازت دی۔ اور وصیت کرتا ہوں کہ حضرت تھانوی رحؒ کی کتابوں کا ہمیشہ مطالعہ کرتے رہیں۔ شریعت کی پابندی کریں۔ اور تکبیر اولیٰ کا بہت ہی اہتمام رکھیں۔ اس کی اطلاع بعض اپنے احباب کو بھی کردیں۔ یا یہ تحریر دکھلا دیں۔
(نوٹ) یہ اجازتِ بیعت زن کو بغیر العلماء ہے فقط
محمد اسعد اللہ ۱۱ر ذی الحجہ ۹۵ھ مطابق ۱۲ر جنوری ۷۶ء جمعہ قبل از زوال

[۱۷] بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ حامداً ومصلیاً۔
مؤرخہ ۵ر محرم الحرام ۹۶ھ بروز پنجشنبہ قبل از اذانِ عصر حضرت مفتی مظفر حسین نائب ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کو اجازت بیعت وتلقین دی گئی فقط محمد اسعد اللہ

[۱۸] بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ حامداً ومصلیاً۔
مورخہ ۵ر محرم الحرام ۹۶ھ بروز پنجشنبہ قبل اذان عصر حضرت مولانا محمد یو

ب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور کو اجازت بیعت و تلقین دی گئی۔ فقط
محمد اسعد اللہ۔

تسع عشرہ محرم الحرام ۱۳۹۶ھ ۱۳ر جنوری ۱۹۷۶ء منگل کے دن صبح کو محض اللہ کے
، تاکہ اللہ کا دین پھیلے مولانا عبدالوہاب خان صاحب بستوی کو جنھیں پہلے سے اجازت
ں بھی ہے (جیسا کہ ص پر آگیا ہے) بیعت و تلقین اور ارشاد کی اجازت و خلافت بھی دیتا
۔ ان کو اجازت صحبت شب شنبہ ۱۵ ر شوال المکرم ۱۳۸۳ھ مطابق ۲۸ ر فروری ۱۹۶۴ء
ل بجکر ۱۵ ر منٹ پر دی گئی تھی۔ میرے لئے کچھ قرآن پڑھ کر بخشا کریں۔ اصل معاملہ اللہ
تھ ہے فقط محمد اسعد اللہ۔

لے) مجاز طالب کی طلب پر نہیں مجیز کے دل کی گواہی پر ہے۔

بر بستر مرگ اجازت دی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥ حامداً و مصلیاً ۔ ۱۱ر محرم الحرام ۱۳۹۶ھ ۱۴ر جنوری ۱۹۷۶ء
کے دن تقریباً ساڑھے دس بجے مولوی حافظ عبداللطیف صاحب نلہیڑوی کو
ں برس سے بیعت ہیں) بیعت و ارشاد و تلقین کی اجازت و خلافت محض اللہ کے واسطے
ہوں اصل معاملہ اللہ کے ساتھ ہے۔ اس شرط پر کہ حقوق عباد و رب العباد کو ادا کریں
ہ پہلے حقوق ہوں یا بعد اور آخر کے شریعت پر عمل کریں۔ اتباع سنت کی پابندی
، حضرت تھانوی کی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہیں۔ ہمارا تصوف فقیہانہ ہے۔ شریعت کی
اس کا خلاصہ ہے، قوالی، ڈھولک اور کشف و کرامات ہمارے یہاں نہیں ہے بس
ہی وصیت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ بنیں۔ میں نے زبانی بھی ہر طرح
یت اور نصیحت کر دی ہے۔ غیبت سے بچیں، مخلوق خدا کو فائدہ پہنچائیں، سختی نہ کریں
برتیں، اللہ کے معاملات میں سستی نہ کریں۔ اللہ کے معاملات کے مقابلہ میں اجازت و خلافت
چیز نہیں فقط محمد اسعد اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥ حامداً و مصلیاً ۔ آج شب ۸ر صفر المظفر ۱۳۹۶ھ کو حضرت اقدس
سید حکیم محمد ایوب صاحب کو بہت ہی ایذا کرتا ہوں متوکلاً علی اللہ عرض کرتا ہوں کہ اگر کوئی صاحب
ت ہونے کے لئے آئیں تو ان کو رد نہ فرمائیں۔ گو میں اس قابل نہیں ہوں تاہم میری

طرف سے اجازت بیعت وتلقین ہے فقط محمد اسعد اللہ

[۲۲] آج مورخہ ۲۸ ذی الحجہ ۹۶ھ ۱۹ دسمبر ۱۹۷۶ء شب دوشنبہ (بعد مغرب) کو حافظ ظفر کو اجازت بیعت وتلقین دی جاتی ہے (انکے حالات معلوم کرکے) فقط محمد اسعد اللہ۔

[۲۳] بسم اللہ الرحمن الرحیم ○ حامداً ومصلیاً ۶ جمادی الاولیٰ ۹۷ھ ۱۵ اپریل ۱۹۷۷ء شنبہ قبل عصر مولوی رئیس الدین ولد جمیل الدین موضع بھے پور ڈاک خانہ راجپور رسا بجنور مدرس مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ کو متوکلاً علی اللہ بیعت وتلقین کی اجازت دیتا ہے ہمیشہ شریعت کی پابندی رکھیں اور حضرت تھانوی کی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہیں فقط

[۲۴] آج مورخہ ۲ رمضان ۹۸ھ یکم ستمبر ۱۹۷۸ء بروز جمعہ ڈھائی بجے دن اپنے کمرہ میں بہت غور وفکر کے بعد مولوی محمد نعیم الدین پسر علاؤالدین موضع پاناچک ڈاک خانہ دھیر ضلع ہزاری باغ کو متوکلاً علی اللہ اجازت صحبت دیتا ہوں (بیعت کرنے کی اجازت نہیں ہے) پاس اٹھنے بیٹھنے والوں کو دین کی باتیں بتاتے رہیں اور بطور تحدیث بالنعمت اپنے احباب کردیں اور مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھیں۔

ﻋ۱ اپنے دوستوں کو مندرجہ ذیل کتابوں کے مطالعہ کرنے اور سننے کا مشورہ دیں بہشتی بہشتی ثمر، اصلاح الرسوم، قصد السبیل، صفائی معاملات اور رسالہ تسہیل المواعظ یا دعوت عبدیت کے وعظ ﻋ۲ اگر کوئی فہیم وذی استعداد ہو تو انفاس عیسیٰ، کمالات تربیت السالک، رسالہ التبلیغ کے مطالعہ کا بھی مشورہ دیں۔

ﻋ۳ قصد السبیل کو پڑھ کر اس کے مطابق عمل کیا جائے۔

ﻋ۴ حتی الوسع سب کے ساتھ نرمی کریں اور بلا ضرورت شدیدہ تحریراً وتقریراً سختی نہ کر

ﻋ۵ تقلیل طعام ومنام کا مشورہ نہ دیں۔ معاملات ومعاشرت اور اخلاق کی درستگی نوافل پر مقدم رکھیں۔ ﻋ۶ زبان، آنکھ، کان کی پوری حفاظت کیجئے نماز باجماعت کا پورا اہتمام کریں ﻋ۷ خود اوراد اور اذکار کی بہت پابندی رکھیں اس تعلیم میں برکت ہوتی ہے۔ ﻋ۸ اور ہمیشہ اپنی تکمیل اصلاح وترقی دین کی فکر میں مشغول کسی حالت پر قناعت نہ کریں شعر۔ اندریں رہ می تراش و می خراش۔ تا دم آخر دمے غافل مباش

ﻋ۹ اپنے مطالعہ میں حسب ذیل کتب رکھیں۔

ین، انفاس عیسیٰ، کمالات اشرفیہ، تربیت السالک، مواعظ حکیم الامت اور جملہ تصانیف
مرتے۔ (نوٹ) محض اس اجازت پر کسی کو بیعت نہ کریں اس اجازت سے یہ
مقصود ہے کہ آپ ترقی کریں۔ فقط محمد اسعد اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۵ ۴ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ ۲۳ فروری ۱۹۷۹ء بروز جمعہ بعد نماز جمعہ
یل الرحمن صاحب ناظم شاخ مظاہر علوم سہارنپور کو بیعت کیا صحبت کا مجاز کیا اور مجاز
بھی بنایا کیونکہ میں ان کو بچپن سے جانتا ہوں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں
ہیں، شریعت پر چلتے رہیں، اور اچھی باتیں کریں (۲) لوگوں کے پاس نہ بیٹھیں اور
کی اجازت دی فقط محمد اسعد اللہ

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے یہ کل ۲۴ خلفاء ہیں
بدالوہاب خانصاحب بستوی کا نام دو نمبروں ۵ اور ۱۹ میں آیا ہے اس لئے نمبر شمار
رگئے، ان میں سے سولہ ۱۶ علماء ہیں اور باقی آٹھ غیر علماء ہیں، پھر ان میں سے
مجاز بیعت ہیں اور دو مجاز صحبت اور ان میں سے دو تین حضرات کی وفات ہو چکی
تحریر اکیس ۲۱ بائیس حضرات بقید حیات بابرکات ہیں۔

فہرست خلفاء موجودین بوقت تحریر سطور

حضرات علمائے کرام

(۱۰) حضرت مولانا عبداللطیف صاحب ہیروی مجاز بیعت	
مولانا سید صدیق احمد صاحب باندوی مجاز بیعت	(۱۱) ،، شبیر احمد خانصاحب فیض آبادی ،،
،، مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی (پاکستان) ،،	(۱۲) ،، محمد یوسف صاحب چاٹگام ،،
،، مظفر حسین صاحب ناظم معین جامعہ مظاہر علوم سہارنپور ،،	(۱۳) ،، احمد مرتضیٰ صاحب ہزاری باغ ،،
،، محمد یونس صاحب شیخ الحدیث ،،	(۱۴) ،، اطیع اللہ صاحب چمپارنی ،،
،، حکیم محمد ایوب صاحب سہارنپور ،،	(۱۵) ،، ضیاء اللہ خان صاحب بنگلور ،،
،، عبدالقیوم صاحب بستوی ،،	غیر علماء حضرات
،، عبدالوہاب خانصاحب بستوی ،،	(۱) جناب حافظ ظفر احمد صاحب سہارنپور مجاز بیعت
،، رئیس الدین صاحب بجنوری گنگوہ ،،	(۲) ،، پروفیسر علی احمد برمی ،،
،، محمد نعیم الدین صاحب ہزاری باغ مجاز صحبت	(۳) ،، حافظ حاجی محمد عمر صاحب سہارنپوری ،،

(۴) جناب حاجی حافظ عبدالجلیل صاحب سہارنپوری مجاز صحبت (۵) جناب حاجی عاشق الٰہی صاحب سہارنپوری
(۶) جناب حافظ محمد یعقوب صاحب بارہ بنکوی مجاز بیعت ✧ ✧

ان سب حضرات کو اجازت غیر علماء کیلئے ہے۔ زیر نظر کتاب "حیات اسعد" کے خلفاء کرام کی فہرست معہ مکمل پتہ ناظرین کی سہولت کے لئے درج ہے۔ جن صاحب کیطرف مناسبت ہو انکی طرف رجوع کر کے مستفید ہوں۔ فقط نسیم احمد غازی مظاہری

✧ ✧ ✧

اور یہ حضرات خلفاء رحلت فرما گئے (۱) حضرت مولانا جمیل الرحمٰن صاحب امروہی شارح جامعہ مظاہر علوم سہارنپور (۲) حضرت حاجی نظیر احمد خانصاحب رئیس سہارنپور (۳) قاری اشفاق حسین صاحب نہٹوری

تقویٰ اور پرہیزگاری

"تقویٰ" کا عنوان اتنا اہم ہے کہ اس پر لکھنے کیلئے جس صلاحیت و احتیاط کی ضرورت ہے۔ وہ اہلیت ہم اپنے اندر نہ پاکر نہایت شرمندگی اور زبردست الجھن محسوس کر رہے ہیں اور یہ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ حضرت والا رحمہ کی زندگی کے تقویٰ و پرہیزگاری سے متعلق کو کس طرح ضبط قلم بند کیا جائے۔ حضرت کی پوری زندگی اور زندگی کا ہر قدم تقویٰ سے ہے۔ گذشتہ اوراق میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ حضرت والا کا خاندانی ماحول دینی ماحول تھا۔ اور بہت ہی بچپن میں آپ کو حق تعالیٰ نے مجدد الملت حکیم الامت مولانا تھانوی علیہ الرحمہ کے دامن تربیت تک پہنچا دیا تھا۔ آپ نے حکیم الامت جیسے محقق و مرشد کامل کی آغوش پر نور میں نو عمری ہی سے تعلیم و تربیت کی دولت حاصل کی اور ماہر و حاذق، معلم و مربی نے اپنے لائق و فائق تلمیذ و مرید کی ذاتی صلاحیتوں کو توجہات سے خوب منور فرمایا۔ مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمہ کے تقویٰ و احتیاط اور پرہیزگاری کے متعلق تو کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کے مرادف سمجھا جاتی ہے کہ حضرت تھانوی رحمہ کے تمام مریدین، خلفاء و مجازین گوناگوں صفات کے علاوہ "تقویٰ" کی صفت میں بہت ممتاز و نمایاں ہیں۔

رت والاابھی حضرت حکیم الامت رح کے ممتاز مجازین میں سے ہیں اور حضرت تھانوی رح
ں وخلافت ہی تقوی کی ایک مضبوط دلیل وسند ہے۔ حضرت والارح کی پوری زندگی تقوی
ار ہے۔ بلاشبہ آپ نے تقوی واحتیاط کے پہلو کا احاطہ انتہائی دشوار ہے۔ اس لئے
کی چند چیزیں بطور "نمونہ از خروارے" بہت احتیاط کے ساتھ پیش کرنے کی
رہا ہوں۔ حق تعالیٰ ہم سب کو متقین وصالحین میں اپنے فضل وکرم سے شامل

ضرت والارح کی عادت تھی کہ آپ فتوی پر تقوی کو اور رخصت پر عزیمت کو ترجیح دیتے
ں اگر کسی معاملہ میں فتوی کی رو سے وسعت ورخصت کی گنجائش نکلتی اور احتیاط و
س کے مقابل پہلو میں ہوتی تو آپ ہمیشہ عزیمت کے پہلو پر عمل فرماتے اور رخصت
میں عزیمت کو اختیار فرماتے تھے۔

یف خداوندی وخشیت وعظمت حق پر تقوی وپرہیزگاری کا مدار ہے حضرت والارح کی
یں حاضر ہونے والے خوب جانتے ہیں کہ حضرت پر "صفت خشیت" کا کسقدر غلبہ
ہم ایسے صدہا واقعات سے واقف ہیں، جو اس صفت کے غلبہ پر شاہد عدل ہیں۔
تاب "حیات اسعد" ہائیں سینکڑوں واقعات اس قسم کے موجود ہیں جن
بت والارح کے تقوی اور خشیت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

ضرت مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم مجاز بیعت حضرت والا نے
ال ۱۴۰۵ھ میں ختم بخاری کے جلسہ عام میں مدرسہ امدادیہ کے اندر اور لیکٹ
مظاہر علوم میں راقم کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا کہ حضرت والارح کے پاس میں
ت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب مدظلہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے، حضرت پر رقت طاری
فرمایا کہ ایک بات کہدوں، ہم نے عرض کیا فرمایئے۔ آپ نے فرمایا آپ سے
ہوں کسی اور سے نہ بتایئے "الحمد للہ میں نے کبھی کوئی گناہ کبیرہ نہیں کیا"
بہت روئے اور پھر یہی فرمایا اور پھر خوب روئے۔ ہم نے عرض کیا حضرت اس
مضائقہ ہے اللہ کا فضل ہے (رونے کا سبب بھی غالباً یہی تھا کہ باری تعالیٰ
بڑا فضل وانعام فرمایا کہ میری زندگی کو ارتکاب کبیرہ سے پاک رکھا سبحان اللہ)

مولانا محمد منظور صاحب نعمانی ماہنامہ الفرقان لکھنؤ بابت جولائی ۱۹۷۹ء کے شمارہ میں لکھتے ہیں کہ :- "راقم سطور اپنے بشری اندازہ کے مطابق کہہ سکتا ہے کہ قریباً ۳۰/ ۴۰ سال کی گذشتہ مدت میں غالباً ان سے کوئی صغیرہ گناہ بھی سرزد نہ ہوا ہوگا۔

اور اسی میں لکھتے ہیں کہ " بلاشبہ حضرت مولانا مرحوم کی ذات حضرت حکیم الامت رح کی اصلاح و تربیت کا عجیب و غریب نمونہ تھی اور اَللّٰهُ يَجْتَبِىٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ کا مظہر"

(۴) ناظم مدرسہ ہونیکی حیثیت سے مطبخ میں تیار شدہ کھانا جانچ کے لئے چکھنے کی گنجائش تھی۔ لیکن ہمیشہ دوسروں کو چکھا کر جانچ کرتے اس طرح نگرانی اور جانچ کے فرض کی تکمیل فرماتے غایتِ احتیاط کیوجہ سے کبھی طعامِ مدرسہ کا نمک بھی نہیں چکھا۔

(۵) ایک مرتبہ عید کے چاند کے متعلق سہارنپور میں سخت اختلاف ہوگیا۔ دیوبند میں عید تسلیم کرلی گئی۔ مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی جو اس زمانہ میں دیوبند میں مقیم تھے وہ اور مولانا اسعد صاحب مدنی دفتر کی مسجد میں آگئے۔ مولانا اسعد صاحب مدنی پان کھائے ہوئے تھے۔ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث کا رجحان ان دونوں حضرات کے افطار کرلینے کی وجہ سے یہ تھا کہ عید کو تسلیم کرلیا جائے لیکن یہ دونوں حضرات رویت ہلال کے عینی شاہد نہ تھے اور نہ کوئی مضبوط ثبوت ان حضرات کے پاس تھا حضرت والا رح کے جانشین حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب مفتی اعظم مظاہر علوم سہارنپور کو اس صورتِ حال کیوجہ سے عید تسلیم کرلینے میں سخت تردد تھا۔ لیکن شدتِ انکار کے باوجود اس بات کا اندیشہ تھا کہ شاید حضرت شیخ الحدیث صاحب عید کے تسلیم کرلینے پر زور دیں۔ فوراً حضرت والا رح نے فرمایا کہ مفتی محمود حسن صاحب مظاہر علوم کے مفتی نہیں ہیں۔ اور شہادتِ شرعی بھی موجود نہیں ہے لہٰذا عید کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا چنانچہ حضرت کے اس محتاط فیصلہ پر روزہ پورا کیا گیا۔ یہ بھی تقوی کی ایک عظیم مثال ہے کہ احتیاط کے پہلو کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

(۶) پھلوں کے بارے میں آپ بہت محتاط تھے۔ فرماتے تھے کہ عموماً ان میں بیع فاسد ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں کافی چھان بین کرتے تھے اور فساد بیع کے شائبہ سے بھی آپ گریز فرماتے تھے، چنانچہ چاند پور کے دو حضرات کچھ آم لے کر حاضر خدمت

ئے۔ اور یہ آم وہ لوگ بازار سے خرید کر لے گئے تھے۔ حضرت نے ان کو قبول کرنے سے
عذرت فرمائی۔ اور ارشاد فرمایا کہ بازار میں جو آم آتے ہیں اکثر ان کی بیع وشراء صحیح نہیں ہوتی
(۷) مولانا عبدالمالک صاحب (مہتمم مالیات مظاہر علوم سہارنپور) فرماتے ہیں کہ حضرت نے
ایک مرتبہ ایک نوٹ تڑایا اور مجھ سے ریزگاری طلب فرمائی میں نے باحتیاط شمار کرکے پیش
کی۔ فرمایا کہ "میری طرف سے وکیل بن کر ایک بار اور شمار کر دیجئے یہ شرعی مسئلہ ہے
گرچہ مجھے آپ کا اعتبار ہے۔"
(۸) انتہائی کمزوری تھی اس لئے مولوی رئیس الدین صاحب نے اصرار کیا کہ نماز بیٹھ کر
پڑھی جائے۔ حضرت چاہتے تھے کہ کھڑے ہوکر پڑھیں۔ آخر یہ طے ہوا کہ دو رکعت کھڑے ہو کر
پڑھیں گے اور دو رکعت بیٹھ کر ادا فرمائیں گے۔ حالانکہ ڈاکٹروں کی بھی ہدایت یہی تھی
کہ نماز بیٹھ کر پڑھی جائے۔ مگر چاروں رکعتیں کھڑے ہوکر پڑھ لیں اور فارغ ہوکر فرمایا کہ
دو رکعتیں کھڑے ہوکر پڑھنے کے بعد مجھے یہ شبہ ہوا کہ مجھے باقی دو رکعتیں بھی کھڑے ہو کر
پڑھنے کی قدرت حاصل ہے۔ اس لئے میں نے چاروں رکعات کھڑے ہوکر پڑھ لیں
آپ مجھے معاف فرمادیں کہ مجھ سے وعدہ خلافی ہو گئی۔
(۹) آپ کی مجلس میں غیبت کرنے کی کسی کی مجال نہ ہوتی تھی۔ حضرت کے یہاں
غیر موجود لوگوں کا تذکرہ ہی نہیں ہوتا تھا۔ اگر ضرورت سے کسی کا تذکرہ ہوتا بھی تو اچھائی
کے ساتھ ہوتا۔ حتیٰ کہ غیر مسلک والوں کا تذکرہ بھی برائی کے ساتھ آپ پسند نہ فرماتے
تھے۔ اگر اتفاق سے کسی کی گفتگو میں غیبت کا شائبہ بھی ہوتا تو آپ احسن طریقہ
سے اس سے بچ جاتے یا تو اس کو روک دیتے یا کوئی تدبیر فوری طور پر ایسی فرماتے
کہ غیبت نہ ہو پاتی تھی۔ مثلاً مولانا عبدالقیوم صاحب لکھتے ہیں کہ "ایک مرتبہ اس
ناکارہ نے مولانا حافظ حکیم خلیل احمد صاحب مظاہری بستوی رحمہ کا ذکر خیر چھیڑا اور ان
کے محاسن و کمالات اور زہد و تقوی کا ذکر ہوتا رہا۔ دوران تذکرہ میری زبان سے
یہ جملہ نکل گیا کہ حکیم صاحب "مراقی" ہیں۔ حضرت والا رحمہ نے ڈانٹ کر فرمایا چپ رہو
غیبت کرتے ہو۔ ناکارہ نے اپنی کم علمی کی بنا پر عرض کیا حضرت مراق بھی کوئی عیب
ہے۔ فرمایا عیب نہیں تو کیا ہنر ہے۔ عقل کا اعتدال سے ہٹ جانا مراق ہے

اور اس کی زیادتی جنون کہلاتی ہے۔

حضرتِ والا رحؒ نے ارشاد فرمایا کہ بزمانہ قیامِ رنگون ایک ڈاکٹر صاحب سے میرے بہت ہی مخلصانہ تعلقات تھے وہ ڈاکٹر صاحب بہت شریف و ذہین اور جملہ اوصافِ حمیدہ سے متصف تھے۔ بالفرض اگر کوئی شخص بغیر ڈاڑھی رکھے ولی ہو سکتا تو وہ ولی تھے۔ ایک مرتبہ میرے پاس تشریف لائے اور ایک شخص کا تذکرہ برائی کے ساتھ شروع کر دیا زبان سے منع کرنا تو میں نے خلافِ مصلحت و مروت سمجھا۔ لیکن جس طرح غیبت کرنا گناہ ہے اس کا سننا بھی تو گناہ ہے اس لئے اس سے بچنے کی صورت یہ نکالی کہ میں نے اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ڈال کر ہلانا شروع کر دیں گویا کانوں کی کھجلی کو دفع کر رہا ہوں اور مقصود یہ تھا کہ ان کی بات مجھے سنائی نہ دے۔ ڈاکٹر صاحب بلا کے ذہین اور انتہائی شریف الطبع و کریم النفس آدمی تھے فوراً سمجھ گئے اور فرمایا کہ "حضرت انشاء اللہ اب زندگی بھر کسی کی غیبت نہ کروں گا۔ آپ نے ایسی حکمت و دانائی سے نصیحت فرمائی کہ اس سے میرا دل بے حد متاثر ہوا"۔

حضرت والا رحؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں اس شخص کو اس زمانہ کا ولی سمجھتا ہوں جو غیبت سے محفوظ ہو۔ اس زمانہ میں اس بیماری میں ابتلائے عام ہے۔

آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جو نماز باجماعت کا اہتمام کرے، غیبت سے احتیاط رکھے اور اس کے معاملات و اخلاق اچھے ہوں۔ اگر میرے اختیار میں ہو تو میں اس کو جنت کا ٹکٹ دیدوں۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص جس میں یہ تین صفات موجود ہوں وہ مؤمن کامل ہے۔ جس کے جنتی ہونے میں تردد نہیں۔

(۱۰) مدرسہ کے اوقات میں حضرت والا رحؒ متعلقین و متوسلین اور معتقدین سے مدرسہ کی بات تو کرتے تھے، دوسری کوئی بات نہیں فرماتے تھے۔ جو لوگ ذکر و تسبیح اور اوراد و وظائف پوچھنا چاہتے یا مشورہ کے لئے آتے اُن کو مدرسہ کے اوقات کے علاوہ دوسرے اوقات میں بلاتے۔ اسی طرح دعا، تعویذ وغیرہ بھی مدرسہ کے اوقات میں نہ کرتے مدرسہ کے تمام اوقات مدرسہ ہی کے کاموں میں صرف فرماتے تھے

(۱۱) آپ ناظم مدرسہ تھے اور اوقاتِ مدرسہ کے علاوہ بھی نظم و نسق میں مصروفیت

رہتی تھی۔ مدرسہ کے کمرہ ہی میں قیام تھا۔ لیکن اپنی قیام گاہ میں بجلی کی فٹنگ اپنے مصارف سے کرائی تھی، بلب، ٹیوب وغیرہ اپنے ہی صرفہ سے لگوائے تھے، پنکھا بھی اپنا ہی لگوایا تھا۔ اور ہر ماہ بجلی کا خرچ مدرسہ میں داخل فرماتے تھے اس کے لئے آپ نے اپنے کمرہ میں میٹر علیحدہ سے لگوایا تھا تاکہ صرف شدہ بجلی کا صحیح اندازہ ہوجایا کرے۔

(۱۲) آپ کا قیام مدرسہ کے کمرہ ہی میں رہتا تھا۔ عصر کے بعد اہل وعیال کی ضروریات معلوم کرنے کے لئے تھوڑی دیر کے واسطے مکان تشریف لے جاتے گاہے گاہے کسی اور وقت خبرگیری کسی اور ضرورت سے چلے جاتے تھے ورنہ تمام اوقات مدرسہ ہی میں رہتے تھے طلبہ کی نگرانی، نظم ونسق وغیرہ کے امور کی انجام دہی ہوتی رہتی تھی اور آپ کا مدرسہ،، میں تشریف فرما ہونا ہی بہت بڑی بات تھی، لیکن اس کے باوجود اپنی تنخواہ میں سے ،، کوتاہی ملازمت،، کی مد میں ایک معتدبہ رقم ماہ بماہ مدرسہ میں داخل فرماتے رہتے تھے حالانکہ ضروریات کے اعتبار سے تنخواہ بھی ہمیشہ قلیل ہی رہی۔

(۱۳) حضرت والا رح مدرسہ کے قلم، کاغذ اور روشنائی وغیرہ بالکل استعمال نہیں فرماتے تھے خصوصاً اپنا کوئی ذاتی تحریری کام آپ نے مدرسہ کی روشنائی اور قلم وغیرہ سے کبھی نہیں کیا۔

(۱۴) استاذ محترم حضرت مولانا قاری محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے ناظم صاحب کو تو تقوی نے مستقل بیمار کردیا ہے، تندرستی جاتی رہی جب سے نظامت کی ذمہ داری دی گئی ہے ان کی صحت خراب ہوگئی اس سلسلہ میں حضرت قاری صاحب رح نے مجھ کو اپنا ایک واقعہ سنایا کہ:

،، ایک مرتبہ دفتر کے منشیوں نے میری رخصتوں کا حساب جوڑ کر میری تنخواہ سے چودہ (۱۴) روپے کاٹ لئے اور اس میں ان کو میرے نزدیک مغالطہ تھا۔ میں نے حضرت ناظم صاحب کو آگاہ کیا۔ حضرت نے دفتر والوں سے معلوم کیا انہوں نے کہا حضرت ہم نے حساب اچھی طرح لگالیا ہے اور چودہ (۱۴) روپے صحیح وضع کئے ہیں۔ حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ حضرت قاری صاحب وہ لوگ ایسے ایسے کہہ رہے ہیں اور سب جگہ اندراج بھی ہوچکا ہے اب صبر کیجئے رہنے دیجئے میں نے کہا بہت بہتر ہے

پھر ایک دن حضرت والا رح میرے گھر کے دروازہ پر رات کے وقت پہنچ گئے اور کنڈی بجائی میں نکل کر آیا دیکھا تو حضرت ہیں۔ میں نے عرض کیا حضرت مجھے بلوالیا ہوتا فرمایا نہیں میرا ہی کام تھا۔ یہ بطور ہدیہ پیش کرتا ہوں اس کو قبول فرمالیجئے یہ فرما کر کپڑے کا ایک تھان میرے ہاتھوں میں تھما دیا جس کی قیمت اندازاً چودہ روپے سے زائد ہی ہوگی۔ میں فوراً سمجھ گیا کہ حضرت کو ان چودہ روپوں کی وجہ سے بہت پریشانی ہوگی۔ جس کا حل انہوں نے یہ نکالا ہے پھر بھی میں نے عرض کیا کہ حضرت کیا یہ زکوٰۃ کا ہے۔ فرمایا "نہیں نہیں یہ زکوٰۃ کا نہیں میں اپنی طرف سے ہدیہ پیش کر رہا ہوں۔ آپ قبول فرمالیں،، سبحان اللہ! مدرسہ سے روپے اس لئے نہیں دلوائے کہ شاید مدرسہ کے روپے مغالطہ میں زائد نہ چلے جائیں۔ اور حضرت قاری صاحب کو بھی اُن کی رقم کا بہتر معاوضہ اپنے پاس سے دیدیا ایسا نہ ہو ان کا حق رہ جائے۔ دورِ حاضر کے اربابِ اہتمام وانتظام بھی کاش اس قسم کے واقعات سے سبق لیں اور احتیاط وتقوی کو اپنائیں۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝

(۱۵) راقم السطور دورۂ حدیث شریف کے سال تک بے ریش تھا۔ دورہ کے سال قدرے ریش برآمد ہونی شروع ہوئی تھی اس لئے حضرت نے کبھی بدنی خدمت کی اجازت نہیں دی۔ اگر پیر دبانے کے ارادہ سے دوسرے خدام کی موجودگی میں پیر کو چھو دیتا تو فرماتے بیٹا تم ایک طرف بیٹھ جاؤ ابھی تم سے بدنی خدمت لینا احتیاط کے خلاف ہے۔ اسی طرح بغیر کسی دوسرے آدمی کی موجودگی کے تنہا کمرہ میں حاضری کی کبھی اجازت نہیں دی حالانکہ آپ اس وقت بہت کافی بوڑھے اور ضعیف ہو گئے تھے۔

(۱۶) موقوف علیہ اور دورۂ حدیث کے دو سالوں میں حضرت نے مسجدِ کلثومیہ کی امامت بندہ کو حکم دیدیا تھا۔ اس لئے پنجگانہ نمازوں کی امامت بندہ ہی کرتا رہا۔ ایک دن حضرت نے فرمایا، بیٹا! تمہارا قرآنِ پاک کا پڑھنا مجھ کو بہت پسند ہے لیکن مجھے یہ شبہ ہے کہ تمہارے پیچھے نماز میں کراہت تو نہیں ہے کیونکہ تم بے ریش ہو۔ میں نے عرض کیا حضرت میں اس کو نہیں جانتا۔ اس کو آپ جانیں میں تو حکم کا بندہ ہوں جیسے حضرت ارشاد فرمائیں گے تعمیل کروں گا۔ لیکن پھر کبھی حضرت نے اس بات کا اظہار

بس فرمایا۔ اور میں مستقل امامت کرتا رہا۔ شاید وہ شبہ زائل ہوگیا ہوگا۔ ممکن ہے کہ اپنی
عادت کے مطابق مفتیانِ کرام سے مشورہ کیا ہو۔ واللہ اعلم۔

(۱۷) حضرتِ والا رح اپنے معاملہ میں ہمیشہ دوسرے علماء سے مسئلہ معلوم فرماتے تھے اور فرمایا
کرتے تھے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ اپنا فیصلہ خود نہ کیا جائے بلکہ دوسرے علماء سے اپنے
بارے میں معلوم کیا جائے، ممکن ہے کہ نفس کی شرارت اس میں شامل ہو جائے چنانچہ
نماز میں بھی اگر کوئی گڑبڑ ہو جاتی تو دوسرے ان علماء سے جو وہاں موجود ہوتے مشورہ
فرماتے اور بعض اوقات دارالافتاء استفتاء فرماتے تھے اس کے بغیر آپ مطمئن نہ ہوتے تھے

(۱۸) حضرت رح نے کسی ایسے آدمی کو مدرسہ میں ملازم نہیں رکھا جس سے آپ کو خاص
تعلق ہوتا۔ چنانچہ حضرت مولانا قاری محمد سلیمان صاحب رح نے حضرت سے اس کا
اظہار کیا کہ آپ حضرات ایسے ایسے لائق لوگوں کو مدرسہ میں نہیں رکھتے جن کی مدرسہ
کو ضرورت ہے اور حضرت قاری صاحب نے راقم السطور کا نام پیش کیا میں اس
زمانہ میں گنگوہ مدرسہ اشرف العلوم میں مدرس تھا۔ سہارنپور جانا ہوا تو مجھ کو اس
کا علم ہوا بلکہ حضرت قاری صاحب نے مجھ کو تاکیدی حکم کیا کہ تم حضرت ناظم صاحب کو
خط لکھو میں نے معذرت کی مگر قاری صاحب نے حکماً فرمایا چنانچہ میں نے حضرت
ناظم صاحب کو خط لکھدیا۔ مگر حضرتِ والا رح نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ ان کے
تعلق سے مدرسہ میں میرا تقرر ہو۔ صاحبزادہ محترم کا بھی (جہاں تک مجھے معلوم
ہے) حضرت شیخ رح نے تقرر کرایا تھا۔ حضرتِ والا رح نے خود اس کی پیشکش نہیں کی
افسوس ہے کہ آجکل ابتلائے عام ہے۔ کہ جس کے ہاتھ میں کسی مدرسہ کا نظام آجاتا ہے
وہ اپنوں ہی کو اس میں بھرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس سلسلہ میں اہلیت
و نااہلیت کوئی معیار باقی نہیں رہتا۔ اس مقام پر عموماً تقویٰ نام کی کوئی چیز بڑے
ایسے بڑوں کے پاس نہیں پائی جاتی بلکہ "مصلحت" کے بت کی پرستش شروع
ہو جاتی ہے اناللہ الخ۔

(۱۹) حضرتِ والا رح واردین و صادرین کو خصوصاً طلبہ و تلامذہ اور متعلقین کو بار بار
پاکیزہ زندگی، تقویٰ اور اتباعِ سنت کی نصیحت و وصیت فرماتے تھے اور اِنَّ اَکْرَمَکُمْ

عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ (تم میں سب سے بڑا بزرگ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا متقی ہے)
پڑھ کر ارشاد فرماتے کہ بزرگی تقویٰ ہے لیکن تقویٰ و پرہیزگاری پر پندار و ناز کے سخت
خلاف تھے بلکہ اس کو تقویٰ کے خلاف سمجھتے تھے اس سے بھی بچنے کی وصیت فرماتے
آپ ہی کا اس سلسلہ میں یہ شعر ہے کہ ؎

جاہل ترقیات میں حائل ہے ایک چیز … پندار زہد و نازش تقویٰ کہیں جسے

آپ فرمایا کرتے تھے کہ اپنے تقویٰ اور اپنی تواضع کا احساس آدمی کو تکبر میں گرفتار کر
لعنت کا طوق پہنا دیتا ہے۔ کیونکہ جس کو اپنے تقویٰ کا احساس ہے وہ خود کو پاکیزہ
غیر متقیوں سے بہتر سمجھے گا۔ یہی تکبر ہے اسی طرح جس کو یہ احساس ہو کہ میرا حق
تو اوپر بیٹھنے کا تھا (مثلاً) اور میں نیچے بیٹھ رہا ہوں یہ میری تواضع ہے تو وہ شخص ا
آپ کو موجودہ مرتبے ارفع و اعلیٰ اور بلند سمجھتا ہے۔ یہی تکبر ہے۔ اور یہی حقیقت
شیطان کے اس قول اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ میں پوشیدہ تھی جس کی وجہ سے وہ راندہ
درگاہ ہوا۔ (اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْہُ)

اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰهَا وَزَکِّهَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰهَا اَنْتَ وَلِیُّهَا وَمَوْلَاهَا

عشقِ رسول و اتباعِ سنت

ہمارے اکابر کا سب سے بڑا وصف اور اعلیٰ کمال علمِ ظاہری اور بصیرت تامہ کے
ساتھ اخلاص و للّٰہیت اور جذبۂ حبِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اس اہم خصوصیت
و عظیم الشان صفت کے نتیجہ میں انھیں کمالِ اتباعِ سنت بھی حاصل ہوا۔ جو ہر کمال
کا سرچشمہ و اصل الاصول ہے۔ اطاعتِ رسول کے جذبات انکی رگوں میں خون کی
طرح دوڑتے اور وہ شریعتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ) کے ہر ہر عمل پر
مرمٹنے کو باعثِ عزت و فخر سمجھتے ہیں۔

حبِ نبوی میں سرشار ہونا، شریعتِ مطہرہ کے رنگ میں رنگین ہونا ان کا سرمایۂ
زندگی رہا ہے انمیں سے ہر ایک کا حال یہ ہے کہ ؎

در کفے جامِ شریعت در کفے سندانِ عشق … ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

اس بے بہا سرمایہ ہی کی وجہ سے وہ کمالات کی بلندیوں اور حیرت ناک رفعتوں
سرفراز ہوئے ہیں۔ اللہ جل شانہٗ اور اس کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی الفت
کی بے نظیر نعمت نے اُن کو کلامِ ربانی اور احادیث رسول کے ساتھ ایسا والہانہ
بخشا تھا کہ انہوں نے ان کو اپنا وظیفۂ زندگی بلکہ جانِ حیات بنالیا تھا انہوں
ہی زندگی کا مقصد و نصب العین خدمت کلام حق و اشاعت سنت رسول برحق کو
ے کر اپنی تمام تر قوتوں اور صلاحیتوں کو اسی پر قربان و نثار کیا۔ قَالَ اللّٰه
الرسول کے الفاظ ہی ان کی زبان پہ نہ تھے بلکہ ان کے انوار و تجلیات سے
ے قوالب و قلوب معمور و مجلّٰی تھے ان کی ہر ادا سے محسوس ہوتا تھا کہ واقعی
لت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے سچے عاشق اور شمع رسالت کے جانباز
نے ہیں۔ حضرت اقدس مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے
بہ انداز میں ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ ؎

ذا قالَ الرَّسول فصَدقوہٗ   فَاِنَّ القول مَا قالَ الرسولُ

ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں تو اس کی تصدیق کرو کیونکہ بات وہی بات ہے
کی زبانِ مبارک سے نکلی ہو) ان حضرات کی صحبت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم
تازہ کردیتی۔۔ اور بے پناہ عشق رسول کے جذبات ہم نشینوں کے دلوں کی گہرائیوں
بھر دیتی تھی۔ ان کے خدام زیارت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے مشتاق
کہ جان و مال قربان کرکے اس دولت کو حاصل کرنا ان کے نزدیک غنیمت
تھا۔ شمع رسالت کے ایک ایک پروانے کی عظمت و محبت سے ان کے
لبریز تھے۔ صحابۂ کرامؓ کی محبت و عقیدت ان کی جانِ ایمان اور خاص پہچان
ان کی محبت و اتباع کو وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اتباع
کی زندگی کو حق کا معیار و نور کا مینار سمجھتے تھے وہ حضرات رسمی عالم یا محدث
اجی مفتی و مرشد نہ تھے بلکہ شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت کے بحر
اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پورے طور پہ ہمکنار تھے ؎

اتباعِ سنت خیر الوریٰ ہی ہے   ہوسناکوں کو یارب یہ حقیقت کون کھائے

حبِّ خدا و عشقِ رسول اور اتباعِ شریعت و سنت کی بدولت ہی ان کو کلامِ ربانی کی خدمت اور احادیثِ رسول کا شغف حاصل ہوا تھا اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ان کی لکھی ہوئی تفاسیر، شروحِ احادیث، کتبِ سیرت، دنیا میں مشہور و متداول ہیں اور تمام عالم ان سے فیضیاب و سیراب ہو رہا ہے ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(راقم الحروف کا یہاں تک کا یہ مضمون امداد الباری شرح بخاری ص۵۵۴ و ۵۵۵ ج ۱ پر شائع ہو گیا ہے یہاں اسکو قدرے تغیر کے ساتھ درج کر دیا گیا ہے ۱۲ نسیم احمد غازی مظاہری)

حضرت والارحمہ کی ہر ادا سے عشقِ خداوندی و عشقِ رسول عیاں ہوتا اور ہر عمل و اتباعِ سنت و شریعت کی پابندیوں کے ساتھ وجود میں آتا تھا اور انھیں سچے جذبات اور اچھے اعمال نے ان کو کمالات کی ان رفعتوں تک پہنچایا تھا جہاں کم لوگ پہنچتے ہیں ؎

رہتی ہے تیرے اسعدِ بے خود کے سامنے وہ بزمِ خاص عالمِ بالا کہیں جسے

نامِ مبارک کی عظمت

کتبِ حدیث کی عبارت پڑھنے والوں کو خاص طور پر آپ ہدایت فرماتے کہ جب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی زبان پر آئے تو دل عظمتِ رسول سے پُر ہو اور آپ کے نامِ مبارک سے لذت و حلاوت محسوس کر رہے ہو پھر نہایت ادب و احترام کے ساتھ درود پاک مزے لے لے کر پڑھو اگر کوئی طالبِ علم لفظ "محمد" یا لفظ "رسول اللہ" کو صحیح ادا نہ کرتا یعنی ادائیگی میں مخارجِ حروف کا خیال نہ رکھتا یا درود پاک کے پڑھنے میں جلدی کرتا تو آپ اس کو تنبیہ فرماتے اگر پھر غلطی کرتا تو آپ ناراض ہو جاتے، چہرۂ مبارک سرخ ہو جاتا۔ بعض مرتبہ انتہائی غم سے آنسو بہ پڑتے اور فرماتے افسوس ہے کہ ادب و احترام کو ملحوظ نہیں رکھتے اور تمہیں محبوب کا نام لینے میں لذت نہیں آتی"۔ آپ حدیث کی عبارت پڑھتے تو عجیب والہانہ انداز ہوتا تھا، نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک نام زبان پر ہوتا اور رقت طاری ہو جاتی۔ آبدیدہ ہو جاتے جو آپ کی کیفیت ہوتی وہ تحریر میں نہیں آسکتی۔

درود شریف کا اہتمام حضرت والا آخر وقت بھی درود شریف کا بہت اہتمام فرماتے تھے، اور مریدین و متوسلین کو خاص طور پر اور عامۃ المسلمین کو عام طور پر درود شریف کی طرف متوجہ اور راغب فرماتے تھے۔ مریدین کے ابتدائی معمولات میں درود شریف کی تعداد چار سو بار سے زائد ہوتی تھی۔

عظمت و محبت رسول آپ کے ہر ہر قول و عمل سے اس بات کا پتہ چلتا تھا کہ آپ کے قلب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ کی عظمت و محبت بدرجۂ اتم ہے۔ آپ کی ہر بات والہانہ تھی اور ہر عمل عاشقانہ تھا۔ حضرت والا رح کا ارشاد ہے کہ: ~~

ہوتی ہے جن کو محبت رسول کی   کرتے ہیں قول و فعل سے عظمت رسول کی

حضرت والا رح کی مبارک زندگی واقعی اس شعر کی آئینہ دار تھی کبھی کبھی آپ زبان میں نعتیہ کلام کی صورت میں بھی اپنے دلی جذبات کو ظاہر فرماتے تھے بطور نمونہ آپ چند نعتیں لکھتا ہوں۔

نعت (۱)

شہا علم، کیا تم ہو، خدا جانے کہ کیا تم ہو	بس اتنا جانتا ہوں محترم بعد از خدا تم ہو
کسی کی آرزو کچھ ہو، کسی کا مدعا کچھ ہو	ہماری آرزو تم ہو، ہمارا مدعا تم ہو
قدرت زباں میں ہے نہ یہ طاقت بیاں میں ہے	خدا جانے تو جانے، کوئی کیا جانے کہ کیا تم ہو
نبوت کو شرف ہے ذاتِ عالی کے تعلق سے	نبوت ناز کرتی ہے کہ ختم انبیا تم ہو
نا ممکن تمہاری نعت حضرت مختصر یہ ہے	دو عالم مل کے جو کچھ بھی کہیں اس سے سوا تم ہو

نہیں شرمندۂ اظہار، اوصافِ گرامی قدر
بتاؤں کیا کہ کیا تم ہو، سناؤں کیا کہ کیا تم ہو

جانتا ہے صاحب لولاک لما تم ہو	جہاں کی ابتدا تم ہو، جہاں کی انتہا تم ہو
بزبان دیں "نظم فطرت" یہ نہیں مخفی	یہ سب ہنگامۂ عالم "خبر" ہے "مبتدا" تم ہو
نعت کو حیرت ہے۔ بلاغت کو پریشانی	کہ لفظوں سے بہت بالا جناب مصطفیٰ تم ہو
عاصیان امت کا سہارا ذات والا ہے	خوشا قسمت کہ حضرت شافع روز جزا تم ہو
بسیط باہمی امت کو وجہ صد تفاخر ہے	تمہارا ہے خدا محبوب، محبوبِ خدا تم ہو

ہمارے واسطے اسعد کہیں بہتر ہے شاہی سے
کہ ایک ادنیٰ غلام بارگاہِ مصطفیٰ تم ہو

نعتِ فارسی (۲)

بروں از خیالم ثنائے محمد　　بدر از قیاسم بقائے محمد
محمد بخوانم برائے خدایم　　خدایم بخوانم برائے محمد
تمنائے کبریتِ احمر ندارم　　چہ دارم بسر خاکپائے محمد
ستائش نیائش چہ گوئی تو اسعد
خدا خود بگوید ثنائے محمد

نعت (۳)

رشکِ جنان و عرشِ معلیٰ کہیں جسے　　ہے وہ مکان گنبدِ خضرا کہیں جسے
وہ بات ٹھیک ہے شہ بطحا سے جو سنو　　وہ قولِ راست ہے شہ بطحا کہیں جسے
جس نے بصدق پائے منور کو چھو لیا　　اس کا وہ ہاتھ ہے یدِ بیضا کہیں جسے
منت کش بیاں نہیں طیبہ کی رفعتیں　　جس کی ثریٰ بھی وہ ہے ثریا کہیں جسے
وہ ذات ہے جنابِ رسالت مآب کی　　الفاظ کی حدود سے بالا کہیں جسے
ایماں فروز کیف کی فردوس ہے نہاں　　اس عشق میں رسول کا سودا کہیں جسے
رہتی ہے تیرے اسعدِ بیخود کے سامنے
وہ بزمِ خاص، عالمِ بالا کہیں جسے

چند متفرق نعتیہ اشعار

انوار جہاں تاب برستے ہیں وہاں پر　　ہوتا ہے جہاں تذکرۂ روئے محمد
کیفِ روحانی اسے حاصل نہیں　　جو نبی کے عشق میں کامل نہیں
گو ہزاروں شغل ہیں دن رات میں　　لیکن اسعد آپ سے غافل نہیں
کمالاتِ محمد کو بیاں کرتا مگر افسوس　　نہ اس قابل بیاں میرا نہ اس قابل زباں میری

رسولوں سے برتر ہمارا نبی ہے	نبیوں سے بڑھ کر ہمارا نبی ہے
امیروں کا ملجا، فقیروں کا ہادی	غریبوں کا یاور ہمارا نبی ہے

اتباع سنت کا شوق ہے۔ عشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے آپکو اتباع رسول و پیروی سنت کے سانچے میں ڈھال دیا تھا اس حقیقت کا بیان آپ کے ایک شعر میں بھی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

شوق ہے اقتدائے ملت کا	عشق ہے اتباع سنت سے

سنت پر عمل آپ کی عادت مستمرہ و طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ اگر اتفاقاً کوئی عمل سنت کیخلاف سرزد ہو جاتا تو اس پر رنج و افسوس کرتے اور اس کی مکافات کی پوری کوشش کرتے۔ مولانا عبدالقیوم صاحب لکھتے ہیں کہ "ایکمرتبہ حضرت والا قضائے حاجت سے فارغ ہو کر بیت الخلاء سے نکلے اور فوراً ہی بیت الخلاء واپس تشریف لےگئے اور جلد ہی نکل آئے (ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی قیمتی چیز رہ گئی ہو اس کو اٹھا کر لائے ہوں)، ناکارہ نے دریافت کیا کہ حضرت کیا کوئی چیز بیت الخلاء میں رہ گئی تھی خادم کو حکم دیتے تو خادم اٹھا کر حاضر خدمت کر دیتا۔ فرمایا نہیں بلکہ بیت الخلاء سے نکلنے کی دعائے مسنون پڑھنا بھول گیا تھا اس لئے میں نے اپنے نفس کو یہ سزا دی ہے کہ دوبارہ جا کر بیت الخلاء سے نکلا اور دعائے مسنون پڑھی۔

اذکار مسنونہ و ادعیہ ماثورہ کا اہتمام ہے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کو اذکار مسنونہ اور ادعیہ ماثورہ کا بہت ہی اہتمام تھا۔ اس اہتمام کی ایک مثال ابھی اوپر کی سطروں میں آئی خدام و متوسلین کو بھی ماثورہ دعاؤں کی پابندی کرنیکی بہت تاکید فرماتے تھے۔ بسا اوقات خدام کی تعلیم و تنبیہ کے لئے کھانے پینے، مسجد میں آنے جانے اور خاص موقعوں کی دعائیں جہراً (آواز سے) پڑھتے تھے ؎

نرالے واردات عشق کے عنوان ہوتے ہیں	مکمل ترجمانی ہو سکی اسکی نہ کی جائے

⁂ ⁂ ⁂

کشف و کرامات

ہمارے اکابر و سلف کے نزدیک یہ عنوان کوئی اہم اور قابلِ التفات عنوان نہیں اس کے باوجود کہ ہمارے اکابر کا اور ہمارا عقیدہ ہے کہ کَرَامَاتُ الْاَوْلِیَاءِ حَقٌّ (اولیاء اللہ کی کرامتیں حق ہیں) اور مکاشفات و الہامات بھی ناقابلِ انکار حقائق ہیں مگر یہ چیزیں طریقت و تصوف کے مقاصد میں سے ہرگز نہیں ہیں۔ اس لئے کہ کرامت ولی کا فعل نہیں ہوتا بلکہ حق تعالیٰ شانہٗ بطور خرقِ عادت کسی متبع سنت ولی کے ذریعہ جب چاہیں اپنی قدرت کا اظہار فرما دیتے ہیں۔ یہی فعل باری اگر کسی مدعیٔ نبوت (نبی و رسول) کی ذات سے ظاہر ہوتا ہے تو معجزہ کہلاتا ہے۔ معجزہ و کرامت نبی و ولی کا اپنا فعل نہیں ہوتا بلکہ فعل باری کا مظہر نبی و ولی کی ذات ہوتی ہے اسی طرح کشف و الہام جو غیر نبی (یعنی کسی ولی) سے صادر ہوتے ہیں تو انکو معیار شریعت پر جانچا جائے گا اگر وہ شرعی معیار کے موافق ہیں تو مقبول ورنہ قابلِ رد ہوتے ہیں تصوف کا مقصود اخلاص و للہیت اور اتباع شریعت و سنت پر استقامت ہے یا دوسرے الفاظ میں کلمۂ طیبہ کے دونوں اجزاء لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے تقاضوں پر زندگی کا آجانا ہے۔ جس کو توحید و اخلاص میں رسوخ اور اتباعِ شریعت و سنت میں کمال حاصل ہو جاتا ہے وہی صوفیٔ کامل، طریقت میں ماہر اور صاحبِ نسبت سچا پکا مسلمان کہلانے کا مستحق ہے خواہ کشف و کرامت اور الہام و رسند مشیخت اس کو حاصل ہو کہ نہ ہو۔ اور ان تمام مساعی کا مقصود صرف حق تعالیٰ کی رضا و خوشنودی ہے اور کچھ نہیں اس لئے یہ چیزیں ہمارے مشائخ کے نزدیک نہ مقصود ہیں اور نہ ان کی کچھ زائد اہمیت ہے بلکہ بسا اوقات یہ چیزیں سالک کے لئے خطرہ بن جاتی ہیں اگر ان چیزوں کی طرف وہ ملتفت ہو جاتا ہے تو اصل مقصود سے اس کی نگاہیں ہٹ جاتی ہیں۔ اور دنیا میں بھی پریشانیوں اور فتنوں کا باعث بن سکتی ہیں اسی وجہ سے مشائخ حقانی ان چیزوں کو عوام الناس سے خصوصاً بہت چھپانے کی کوشش کرتے ہیں

حضرت والا رحؒ کی زندگی کا مطالعہ اگر ان کے معمولات کی پابندی، معاملات کی صفائی، اخلاق کی پاکیزگی، تقویٰ و تقدس پر استقامت، شریعت و سنت پر مداومت اور علوم و اعمال کی بلندیوں کے اعتبار سے کیا جائے تو آپ کی ذات والا ان تمام صفات میں یکتائے روزگار اور اپنی پاکیزہ عادات و عمدہ خصوصیات و جامعیت کے اعتبار سے بےمثال و شاندار نظر آئے گی۔ لیکن جہاں تک اصطلاحی کشف و کرامات کا تعلق ہے ان کے اخفار کی حضرت والا رحؒ نے بے انتہا کوشش کی ہے، اس کے باوجود خاص خدام پر جو بہت سے واقعات ظاہر ہو ہی گئے ہیں ان میں سے چند واقعات کو یہاں بطور نمونہ لکھدینا ہم مناسب سمجھتے ہیں۔

(۱) حکیم محمد ایوب صاحب نے فرمایا کہ ہم لوگوں کو حدیث کی ایک کتاب میں ایک خاص حدیث کی تلاش تھی وہ کتاب حاصل کی گئی لیکن اب یہ سوچ رہے تھے کہ اس حدیث کو اس میں کہاں دیکھا جائے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ہاتھ میں لی اور ہاتھ میں کتاب کے کچھ اوراق پکڑ کر کتاب کھولتے ہوئے فرمایا، لیجئے آپ کی مطلوب حدیث یہاں ہے، چنانچہ آپ نے جس جگہ اشارہ فرمایا تھا حدیث وہیں مل گئی۔

(۲) بھائی محمد ایوب صاحب فرماتے ہیں کہ میں حاضر خدمت ہوا ایک اور صاحب پہلے سے بیٹھے تھے۔ حضرت وضو فرما رہے تھے پانی کا پورا گھڑا بھرا ہوا آپ کے پاس رکھا تھا اور مسلسل کلیاں فرما رہے تھے ہمارے ذہن میں یہ آیا کہ یہ اسراف ہے اور اسراف ممنوع و مکروہ ہے، حضرت نے فوراً خود ہی ارشاد فرمایا کہ "میں بیمار ہوں دانتوں سے خون آتا ہے جب تک وہ خون بند نہیں ہو جاتا میں کلیاں کرنے پر مجبور ہوں" ہم لوگ حیران رہ گئے کہ ہم ابھی تک اس بات کو زبان پر نہیں لائے تھے اور حضرت نے جواب دیدیا۔ اسی لئے بزرگوں کی خدمت میں قلب کو وساوس سے پاک رکھنا چاہیئے ارشاد ہے اِتَّقُوْا فِرَاسَۃَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ (مؤمن کی فراست سے محتاط رہنا چاہیئے وہ خداداد نور سے دیکھتے ہیں)

(۳) شیخوپورہ قدیم کے رہنے والے جناب مہربان خاں صاحب مرحوم کی پانچ لڑکیاں تھیں اور ان کی اہلیہ صاحبہ کی عمر ساٹھ سال سے متجاوز ہو چکی تھی۔

خود خانصاحب بھی کافی معمر تھے، انھوں نے حضرت والا رحمہ سے عرض کیا، حضرت ہم دونوں میاں بیوی بوڑھے ہو چکے ہیں اولاد میں لڑکیاں ہی لڑکیاں ہیں ہم اولاد نرینہ سے محروم ہیں حضرت رحمہ نے فرمایا خانصاحب ناامید نہ ہوں انشاء اللہ تعالیٰ لڑکا بھی پیدا ہوگا۔ چنانچہ اللہ کے فضل وکرم اور حضرت والا رحمہ کی دعا کی برکت سے لڑکا پیدا ہوگیا۔ جس کا نام مظفر خاں ہے اور الحمد للہ وہ بصحت وسلامتی موجود ہے۔

(۴) خانقاہ تھانہ بھون کے مہتمم و سابق استاذ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب کسولوی) مجاز صحبت حضرت تھانوی و مجاز بیعت حضرت الہ آبادی کا انتقال ہوا تو حضرت والا رحمہ کے ضعف ومرض کے پیش نظر خدام نے اس حادثہ کی اطلاع نہیں دی۔ دوسرے روز حضرت والا کو معلوم کس طرح اطلاع ہوگئی تو خدام نے بھی عرض کرنا چاہا تاکہ حضرت یہ خیال نہ فرمائیں کہ انہوں نے اس سانحہ کو مجھ سے چھپایا ہے۔ اس وقت حضرت نے انتقال، تجہیز وتکفین، نماز جنازہ و تدفین کی سب کیفیات اور نماز جنازہ کے امام کی تعیین بیان فرما کر ناراضگی کے لہجہ میں خدام سے فرمایا بس آپ حضرات تکلیف نہ فرمائیں اطلاع دینے کی۔ حضرت والا رحمہ کی زبانِ مبارک سے یہ تفصیلات سن کر سب لوگ حیران رہ گئے کہ حضرت کو بغیر کسی کی اطلاع کے یہ سب کیسے معلوم ہو گیا۔؟

(۵) حضرت مولانا محمد یوسف صاحب امیر تبلیغ کے صاحبزادے مولوی محمد ہارون صاحب کا عین جوانی میں انتقال ہوا۔ ان کی طبیعت کافی دنوں سے خراب چل رہی تھی۔ ایک دن بالکل اچانک مولوی رئیس الدین صاحب بجنوری کو حضرت والا رحمہ نے مولوی نصیر الدین صاحب خادم حضرت شیخ الحدیث صاحب کے پاس مولوی محمد ہارون صاحب کے حال کی تحقیق کیلئے بھیجا۔ مولوی نصیر الدین صاحب مرحوم نے مولوی رئیس الدین صاحب سے کہا کہ مولوی محمد ہارون صاحب کا کل انتقال ہو چکا ہے۔ اور یہ بھی ہدایت کر دی کہ حضرت والا رحمہ سے یہ نہ کہنا کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے بلکہ یہ کہنا کہ مولوی نصیر الدین صاحب نے یہ کہا ہے کہ وہ اب بہت اچھے ہیں۔ مولوی رئیس الدین صاحب نے آکر حضرت سے

حسب ہدایت یہی عرض کر دیا کہ "وہ اب بہت اچھے ہیں" اس پر حضرت والا نے فرمایا ہاں ہاں بہت اچھے ہیں اور یہ فرما کر رو دیئے۔

(۶) اخیر زمانے میں حضرت کی مجلس میں پابندی سے حاضر ہونے والوں میں جناب عبدالرحمٰن صاحب شوقؔ مالوی اور جناب ماسٹر اختر علی صاحب بھی تھے ان دونوں حضرات کا بیان ہے کہ ہمارے دلوں میں پیدا ہونے والے سوالات و اشکالات کے جوابات پوچھے بغیر حضرت کے ملفوظات سے مل جاتے تھے

(۷) انھیں شوقؔ صاحب نے جناب شو کھارام صاحب کا واقعہ سنایا اور یہ شو کھارام صاحب ایک نوجوان غیر مسلم ہیں جن کی آمد و رفت حضرت کے پاس رہتی تھی حضرت سے بہت سے غیر مسلم بھی عقیدت و محبت رکھتے تھے اور حاضر خدمت ہوتے تھے۔ ان میں سے شو کھارام موصوف بھی ایک ہیں۔ شو کھارام کا جو واقعہ شوقؔ صاحب نے سنایا تھا اس واقعہ کا تعلق ایک اور گذشتہ واقعہ سے ہے۔ پہلے نمبر ایک پر اس کو سنیئے پھر نمبر دو پر شوقؔ صاحب کے سنائے ہوئے واقعہ کو سنیئے (۱) پہلا واقعہ یہ ہے کہ حضرت والا نے شو کھارام کو ہدایت کی تھی کہ "نظر کو محفوظ رکھا کرتے ہیں اِدھر اُدھر نہیں دیکھتے"، کیونکہ شو کھارام صاحب سے اس قسم کی غلطی ہوتی تھی اس لئے حضرت نے ان کو تنبیہ کی۔ شو کھارام اس مخلصانہ نصیحت سے جو خالص کشف پر مشتمل تھی بہت زائد متاثر ہوئے اور ایسی غلطی سے احتیاط رکھنے کا عہد کر لیا (۲) دوسرا واقعہ یہ ہے کہ دو تین روز بعد ہی ان شو کھارام صاحب کو دیوبند کے قریب کسی گاؤں میں جانے کا اتفاق ہوا۔ گاڑی سے اترتے ہوئے رات شروع ہو چکی تھی اور جس اسٹیشن پر اترے ہوئے تھے وہاں سے اس گاؤں کے لئے جہاں جانا تھا کوئی سواری نہ تھی، یہ بہت پریشان تھے۔ کچھ دیر میں ایک رکشہ مل گیا۔ اس سے بات کی رکشہ والے نے کہا کہ اگر دوسری سواری مل گئی تو جاؤں گا ورنہ نہیں اتنے میں ایک برقعہ پوش خاتون نے جو ابھی اسی گاڑی سے اتری تھی آواز دی، رکشہ والا اب جانے کے لئے تیار ہو گیا کیوں کہ دوسری سواری بھی اس کو مل گئی۔

چنانچہ ایک جانب وہ خاتون بیٹھ گئی اور دوسری جانب بادلِ ناخواستہ بہت دب کر ایک طرف کو اس طرح سے کہ اس عورت کے بدن سے بدن مس نہ ہو یہ شوبھارام بیٹھے پھر وہ خاتون ایک ایسی جگہ اتر گئی جہاں کوئی آبادی نہ تھی۔ اور یہ ذرا فاصلے سے اس گاؤں میں اترے جہاں ان کو جانا تھا اور خاتون اتر کر کہاں گئی اس کا ان کو کوئی علم نہیں۔ اگلے دن شوبھارام وہاں سے سہارنپور واپس آئے تو حضرت والا رح کی خدمت میں حسبِ معمول حاضری دی جوں ہی انہوں نے دروازے میں قدم رکھا تو حضرت والا رح نے بہت مسرت کے ساتھ فرمایا شوبھارام! مجھے آپ سے یہی امید تھی۔

(نوٹ) حضرت والا رح سے بہت سے غیر مسلم حضرات عقیدت و محبت رکھتے اور حاضرِ خدمت ہوتے رہتے تھے اور حضرت والا رح بھی ان کی بتدریج باندازِ حکیمانہ تربیت و اصلاح فرماتے تھے جیسا کہ واقعہ مذکورہ سے معلوم ہوا۔

(۸) محلہ ٹوپیا سرائے سہارنپور کے ایک صاحب نے یہ قصہ سنایا کہ میں اپنے ایک دوست کے ساتھ حضرت والا رح کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت والا رح نے فرمایا کہ "بھئی جیسی میری بیٹی ہے بالکل اسی طرح اس شخص کی بیٹی ہے جس کو بھنگی کہا جاتا ہے۔ ہمیں تو اس کی عزت بھی اسی طرح پیاری ہے جس طرح اپنی بیٹی کی ہوتی ہے" اور یہ فرما کر رونے لگے میرا وہ دوست گھبرا گیا کیونکہ اس کو کوئی معاملہ اس قسم کا پیش آیا تھا اور پھر اس نے سچی پکی توبہ کر لی

(۹) شیخ پورہ قدیم کے ایک رئیس و بزرگ جناب حاجی نذیر محمد خاں صاحب رح تھے جو حضرت والا رح کے خلیفہ و مجاز بھی تھے اور غالباً ۱۳۵۱ھ تک بریلوی عقائد و جاہلی رسوم کے بہت معتقد و پابند تھے۔ مگر اس وقت بھی نمازِ جمعہ جامع مسجد ہی میں ادا فرماتے تھے انہی دنوں کسی جمعہ کو ہولی کے موقع پر فساد ہوا۔ اور حضرت والا رح نے بغیر کسی تعارف کے حاجی صاحب سے فرمایا کہ آپ ہمارے ساتھ مدرسہ تشریف لے چلیں اور گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے"

چنانچہ وہ چلے آئے اور شب کو مدرسہ میں قیام کیا اس ایک ہی شب

ں خدا جانے کیا بات ہوئی کہ ان میں ایک عظیم انقلاب پیدا ہو گیا اپنے تمام جاہلانہ
اور بدعات و رسوم سے توبہ کر لی اور بیعت و خلافت سے سرفراز ہوئے حقیقت
یہ ہے بہت سے شکم پرور قسم کے لوگوں نے مسلمانوں کو ہمارے اکابر سے بدظن کر رکھا
ہے اور ان کے قریب نہیں آنے دیتے لیکن اتفاق سے اگر کوئی قریب سے حالات
دیکھ کر دونوں قسم کے لوگوں کا موازنہ کرتا ہے تو اس پر حقیقت عیاں ہو جاتی
ہے۔ اور دونوں طرف کے حضرات کا فرق و امتیاز کھل کر سامنے آجاتا ہے اور
صحیح راہ مل جاتی ہے۔ نسیم احمد غازی مظاہری)

(۱۰) ایک مرتبہ صاحبزادہ محترم حضرت مولانا محمد اللہ صاحب کو شرح وقایہ کے
سبق "زوال و طلوع و غروب شمس" کی بحث میں الجھن محسوس ہوئی اور
سبق مکمل طور پر حل نہ ہو سکا حضرت والا رح سے عرض کیا تو فرمایا "یہاں چارپائی
بیٹھ جاؤ"۔ حضرت والا رح سرہانے کی طرف تکیہ لگا کر بیٹھ گئے اور صاحبزادہ محترم
پائنتی کی جانب بیٹھ گئے۔ حضرت رح نے مولانا محمد اللہ صاحب کے دائیں ہاتھ کی انگشت
شہادت پکڑ لی اور فرمایا پڑھو۔ مولانائے موصوف نے پڑھنا شروع کیا۔ اور وہ
الجھا ہوا سبق جو کسی طرح سمجھ ہی میں نہیں آرہا تھا خود بخود سمجھ میں آتا چلا گیا۔
شاید ہی حضرت نے ایک دو لفظ ارشاد فرمائے ہوں گے یہ حضرت کی کرامت
تھی۔ اور توجہ کی برکت و تاثیر تھی جو انگشت شہادت کے ذریعہ مولانا کے ذہن کیطرف
منتقل ہو رہی تھی۔ راقم السطور کو اس کا بارہا تجربہ ہے کہ الجھے ہوئے مسائل اور
اشکالات حضرت والا رح کی خدمت میں پہنچ کر سمجھ میں آجاتے تھے۔

(۱۱) حضرت والا رح نے ایک مرتبہ خود بیان فرمایا کہ پٹنہ (عظیم آباد) میں جب میرے
والد صاحب کا انتقال ہوا تو میں وہاں گیا۔ غالباً میری عمر اس وقت
بارہ سال کی ہو گی۔ تو ٹرین میں شروع ہی رات میں میری ٹوپی میرے سر
سے اڑ گئی۔ اور کھڑکی سے باہر نکل گئی۔ مجھ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ ٹوپی کو تلاش
کرتا میں اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ لوگ اسٹیشنوں پر اترتے چڑھتے رہے۔ صبح
جب میں ٹرین سے باہر نکلا تو میری وہ ٹوپی ٹرین کے پائدان پر ایسے

محفوظ طریقہ پر رکھی ہوئی تھی کہ اس پر کسی کے پاؤں پڑنے کا نشان بھی نہ تھا۔
(۱۲) سیتاپور ہسپتال میں جب حضرت والاؒ کی آنکھ کا آپریشن ہوا تو دستور کے مطابق چھوٹے ڈاکٹروں کے علاوہ بڑا ڈاکٹر روزانہ ایک مرتبہ پورے وارڈ کا چکر لگاتا اور مریضوں کا معائنہ کرتا تھا اس زمانے میں حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے حلقۂ متوسلین میں سیتاپور تشریف فرما تھے وہ بھی روزانہ ہسپتال میں حضرت والاؒ کے پاس تشریف لاتے تھے۔ آخری دن جس میں آنکھوں سے مستقل طور پر پٹی کا کھلنا طے تھا۔ حضرتؒ بار بار فرماتے تھے۔ کہ میری خواہش یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب اس وقت آئیں۔ جب حضرت شاہ صاحب یہاں تشریف فرما ہوں تاکہ پٹی کھلنے پر میری پہلی نظر حضرت کے چہرہ پر پڑے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کا راؤنڈ شروع ہو گیا۔ اور حضرت شاہ صاحب ابھی تشریف نہیں لائے تھے۔ تیمارداروں اور خادموں کا خیال یہ تھا کہ اب ڈاکٹر صاحب دیکھ کر اور پٹی کھول کر چلے جائیں گے۔ اور حضرت شاہ صاحب موجود نہ ہوں گے۔ لیکن اس کو کرامت کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب آئے اور پورے وارڈ میں راؤنڈ لگا کر اور مریضوں کا معائنہ کر کے چلے گئے اور حضرت والاؒ کے کمرہ ۵ میں آنا بھول گئے۔ کچھ دیر بعد حضرت شاہ صاحب تشریف لے آئے۔ ادھر ڈاکٹر صاحب کو خیال آیا یا ان کے کسی آدمی نے یاد دہانی کی کہ پرائیوٹ وارڈ میں کمرہ ۵ دیکھنے سے رہ گیا ہے تو ڈاکٹر صاحب اپنی کوتاہی کی تلافی کے لئے فوراً وارڈ میں دوبارہ واپس آئے۔ اور کمرہ ۵ میں حضرت والاؒ کو دیکھا اس وقت حضرت شاہ صاحب حضرت والاؒ کے پاس تشریف فرما تھے۔ حضرت والاؒ کی مسرت کی انتہا نہ رہی کہ ان کی تمنا کے مطابق

حضرت شاہ صاحب کی موجودگی میں بڑی کھلی اور اپنی بنی ہوئی آنکھ سے
آپ سے پہلے حضرت شاہ صاحب کے مقدس دلنورانی چہرہ کی زیارت کی۔

(۱۴) حضرت والا رحمہ گو حافظ نہ تھے۔ لیکن قرآن کریم پوری صحت کیساتھ
اس طرح محفوظ تھا۔ کہ کسی حافظ کی مجال نہ تھی کہ وہ قرآن کریم
سناتا اور زیر وزبر کی غلطی کرکے بھی آگے نکل جاتا۔ یہاں تو یہ کہا
جا سکتاہے کہ یہ بات تجربہ علمی کی وجہ سے تھی۔ لیکن اس
سے زائد حیرت انگیز بات یہ ہے کہ تراویح میں الجھتے ہوئے حفاظ
کو ...نہ آگے بتادیا کرتے تھے۔ قرآن کریم نبوت کا عظیم معجزہ ہے
حفظ نہ ہونے کے باوجود اس کا اس اسقدر مستحضر ہونا قرآن
کریم سے بے حد تعلق ووابستگی اور انتہائی عشق کی دلیل بھی
ہے۔ اور بجائے خود ایک کرامت بھی ہے۔ قرآن کریم کے سلسلہ
میں حضرت کا مزاج الفاظ ومعانی تک ہی محدود نہ تھا۔
قواعد تجوید، اوقاف قرآن کی رعایت بالخصوص جہاں وقف
کرنا ضروری اور خصوصاً عجمیوں کو اس کی رعایت اہم ہوتی ہے
ایسی باریک چیزوں پر بھی حضرت والا رحمہ کو پورا عبور حاصل تھا
ائمہ وحفاظ کو اسطرف متوجہ فرماتے رہتے تھے۔

(۱۵) سہارنپور میں ایک افغان پٹھان صاحب مجذوب
رہتے تھے، لوگ ان کو خان صاحب یا میاں صاحب کہتے تھے،
ان کا قد چھ فٹ سے اونچا تھا، قدآور تناور اور مضبوط و
توانا آدمی تھے۔ جب وہ کسی چائے کی دوکان میں گھس جاتے
تو گاہک اُن سے ڈر کر دوکان سے بھاگ جاتے تھے۔ انھیں
سوالوں اور کتوں سے بہت چڑھ تھی۔ اور نہ سمجھ میں آنے والی
خوفناک آوازیں ان کے حلق سے نکلتی رہتی تھیں جن سے
ان کی ہیبت ناکی میں اور اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ

پل کمبوہان کی دو منزلہ مسجد سے مغرب کی طرف جانے والی سڑک پر مغرب کے بعد مولانا محمد اللہ صاحب ایک طالب علم اور اپنے صاحبزادے کے ہمراہ جا رہے تھے۔ ان تینوں حضرات کا رخ مغرب کی جانب تھا۔ وہ سڑک کیوں کہ زائد چوڑی نہ تھی اور کچھ رش بھی زیادہ تھا۔ اس لئے تینوں حضرات آگے پیچھے چل رہے تھے انہوں نے دیکھا کہ اس طرف سے مشرق کی سمت کو سڑک کے ایک کنارے پر ایک برقعہ پوش عورت تیزی سے جا رہی ہے۔ اور اس کے پیچھے پیچھے وہ مجذوب خاں صاحب اپنی خوفناک آوازوں کے ساتھ دوڑ رہے ہیں۔ سڑک پر چلنے والے سب لوگ دم بخود تھے، مولانا محمد اللہ صاحب کا خیال تھا کہ اس صورت حال سے ان دولوں میں سے کسی کو ہنسی نہ آجائے۔ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ اس ہمراہی طالب علم کو ہنسی آگئی۔ ہنسی آنی تھی کہ خاں صاحب فوراً اس طالب علم کی طرف متوجہ ہوئے پل جھپکا ہی اس کے پاس پہنچ گئے۔ اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اس طرح اس کو اوپر اٹھا لیا جیسے کوئی تنکے کو اٹھاتا ہے۔ مولانا محمد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے خطرہ کا احساس ہوا۔ اور میں نے ان کی طرف رخ کیا تو خاں صاحب نے لڑکے کو تو چھوڑ دیا اور میری طرف بڑھے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ میں ناتوان و کمزور ہوں لیکن اس وقت خدا جانے کہاں سے مجھ میں ہمت و قوت آگئی کہ میں نے خانصاحب کے ممکنہ حملہ کو روکنے کے لئے اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیئے۔ لیکن وہ اس وقت بالکل خاموش ہو چکے تھے۔ البتہ وہ تیز تیز آنکھوں سے گھور رہے تھے اور میں بھی ان کو دیکھ رہا تھا۔ اور خوف زدہ بھی تھا کہ اگر خانصاحب نے دھکا بھی دے دیا تو میرا حشر کیا ہوگا۔ مگر اللہ

تضل ہوا کہ ایک منٹ کی خاموشی کے بعد خاں صاحب ہاتھ چھوڑ جھاڑ کر چپ چاپ ایک طرف کو چلے گئے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ میں نے یہ پورا واقعہ حضرت والد صاحب کو سنایا تو حضرت نے فرمایا کہ تم نے ان کو ڈانٹا نہیں؟ حضرت رح کے اس جملہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ حضرت والا رح کی توجہ کی برکت اور قوت روحانی کا کرشمہ تھا کہ اس خطرناک اور دہشت ناک خاں صاحب سے مقابلہ کرلیا اور شاید ان خان صاحب کی زندگی کا یہ پہلا ہی واقعہ ہوگا۔

(۱۵) بن کہے طلبہ کی ضروریات پوری کر دینا۔ اور ان کے احوال سے خبر داری تو ایسی چیزیں ہیں کہ بیشتر طلبہ و تلامذہ اس کے شاہد ہیں۔ مولوی صدیق احمد صاحب شریف نگری کا واقعہ عنوان "عنایت و اعانت" میں گذر چکا ہے کہ اساتذہ کی تقریر لکھنے کے لئے کاپی نہ تھی۔ اور پیسے بھی نہ تھے۔ کمرہ میں مایوس بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت نے خادم کے ذریعہ ان کو بلا کر کاپی کے لئے چپکے سے پیسے عطا فرما دیئے۔

(۱۶) ۱۴۰۱ھ میں قصبہ اجھاری ضلع مراد آباد یہ راقم الحروف ایک جلسہ میں تقریر کرنے کے لئے گیا تھا۔ دیگر علماء کرام میں مولانا آفتاب علی صاحب سنبھلی بھی تھے انہوں نے مجھ سے یہ واقعہ اپنا چشم دید بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ سنبھل میں ہندو کا جلسہ تھا۔ جس میں غالباً "پنڈت دھرم بھکشو" تقریر کر رہا تھا اور اپنی عادت کے مطابق اسلام کے خلاف بول رہا تھا۔ کہ اچانک ایک رتھ جلسہ گاہ کے قریب آکر رکا اور اس میں سے ایک آدمی تیزی سے نکل کر اسٹیج پر پہنچا اور پنڈت جی کا گریبان پکڑ کر کہا "کیوں صاحب میں نے آپ

سے عہد نہیں لیا تھا کہ آئندہ آپ اسلام کے خلاف زبان نہیں کھولیں گے۔ آپ یہ سمجھ کر کہ میں یہاں نہیں ہوں بے فکر ہو گئے،، اتنا کہنا تھا کہ پنڈت جی گریبان چھڑا کر فوراً جلسہ سے فرار ہو گئے۔ لوگوں نے دیکھا کہ یہ گریبان پکڑنے والے مناظر اسلام حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب رح تھے۔ واللہ اعلم

(۱۷) صاحبزادہ محترم مولانا محمد اللہ صاحب رام پور میں مقیم تھے۔ وہاں ان کو کوئی خاص بات پیش آگئی تو حضرت والا رح نے سہارنپور سے اس سلسلہ میں ایک والا نامہ تحریر فرمایا اور یہ شعر بھی اس میں لکھا تھا ؎

سرِ خدا کہ عارفِ کامل بکس نگفت   در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

(وہ خدا کا بھید جو عارف کامل نے کسی سے نہیں کہا تھا مجھے حیرت ہے کہ بادہ فروش نے کہاں سے سن لیا)

(۱۸) شعبان ۱۳۷۷ھ میں جب کہ سالانہ امتحان چل رہا تھا۔ یہ حادثہ پیش آیا کہ ایک طالب علم کے اوپر ایک کتا بھونک رہا تھا اس نے اس کتے کے ایک ڈنڈا اٹھا کر مار دیا اس پر ایک غیر مسلم نے اس طالب علم کے ایک تھپڑ رسید کر دیا، حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو جب یہ معلوم ہوا تو تن تنہا ان لوگوں سے معلوم کرنے کے لئے چل دیئے ہم لوگ ساتھ ہو گئے حضرت نے منع کیا ہم نے عرض کیا ہم آپ کو تنہا ہرگز جانے نہیں دیں گے اس پر آپ واپس ہو گئے اور ان لوگوں کو بلایا۔ انہوں نے حاضر ہو کر معذرت کی طلبہ نے ارادہ کیا کہ ان لوگوں پر حملہ کر دیں۔ ہم نے کہا کوئی حملہ نہیں کر سکتا کیوں کہ حضرت ناظم صاحب کی پناہ میں وہ لوگ ہیں۔ حضرت والا رح نے ان کو بلایا ہے۔ چنانچہ وہ حملہ آور نہیں ہوئے۔ جب وہ لوگ چلے گئے تو طلبہ نے جا کر ان

لوگوں پر حملہ کر دیا۔ اور ایک دو کو خوب زدو کوب کیا اور واپس ہو گئے۔ مدرسہ کا گیٹ ۱۱ بجے بند ہوتا تھا تو وقت پر گیٹ بند ہو گیا اس کے بعد ایک بہت بڑا ریلا غیر مسلموں کا دارالطلبہ قدیم پر حملہ آور ہونے کے لئے آیا۔ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم لوگ نہیں مانتے اور ایک مصیبت کھڑی کر دی یہ فرما کر حضرت نے پانی منگایا اور وضو فرما کر مشغول ہو گئے۔ ادھر طلبہ نے مقابلہ کا پورا انتظام کر لیا تھا۔ لیکن اوپر سے جھانک کر دیکھا گیا کہ وہ ہزاروں لوگ جو حملہ کے لئے آئے تھے دارالطلبہ کے دروازہ کی طرف بڑھتے ہیں اور فوراً گھبرا کر پیچھے ہٹ جاتے ہیں ان کی یہ کیفیت ہم لوگ کمرہ ۳ فوقانیہ سے دیکھ رہے تھے ان لوگوں میں زبردست انتشار و تردد تھا اور کسی کی حملہ کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی تقریباً آدھے پونے گھنٹہ کے بعد ملیٹری پہنچ گئی۔ اور لاٹھی چارج کر کے سب کو بھگا دیا۔ اور مدرسہ کی حفاظت کے لئے ملیٹری کے جوانوں کو مقرر کر دیا گیا اگلے دن شہر کے معزز لوگ اور نیتا وغیرہ جمع ہو گئے اور طرفین میں صلح ہو گئی بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ وضو فرما کر متوجہ الی اللہ ہو گئے تھے حضرت والا کی توجہ اور تصرف سے مدرسہ اتنے زبردست خطرہ سے محفوظ رہا اور اس لڑائی کا انجام بخیر ہوا۔

(۱۹) ہمارا دورۂ حدیث شروع ہوا تو طلبہ میں یہ سوال پیدا ہوا کہ امسال اوّل نمبر کون آئے گا۔ چنانچہ بعض طلبہ نے امیر العلماء حضرت مولانا امیر احمد صاحب سے اس بارے میں سوال کیا تو حضرت موصوف نے برجستہ ارشاد فرمایا نسیم اوّل نمبر آئے گا۔ طلبہ کرام اس بات سے خوب واقف تھے کہ ان زبانوں پر حق ہی جاری ہوتا ہے۔ ادھر حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ

نے مجھ سے آہستہ سے فرمایا بیٹا امسال آپ کو اوّل نمبر آنا ہے۔ میں نے عرض کیا حضرت میں تو کسی قطار و شمار میں نہیں ہوں۔ میرے کئی ساتھی معقول و منقول میں ماہر اور بڑے ذہین و ذکی ہیں۔ فرمایا یہ کچھ نہیں آپ کو آنا ہے میں نے عرض کیا حضرت دعا آپ فرمادیں اور محنت کرنا میرا کام ہے۔ حضرت والا رحہ نے اطمینان دلادیا اور بفضلہٖ تعالیٰ سہ ماہی ششماہی اور سالانہ تینوں امتحانات میں سب سے زیادہ نمبرات راقم السطور کے آئے اور دورۂ حدیث میں سب سے زائد نمبرات کا بھی انعام راقم السطور کو حاصل ہوا۔ اور جامعہ مظاہر علوم کے تمام طلبہ میں سب سے زائد نمبرات کا انعام بھی اسی فقیر ہی کو حاصل ہوا۔ جیسا کہ مدرسہ کی روداد بابت ۱۳۷۷ھ میں بھی طبع ہوچکا ہے۔ یہ سب کچھ حضرت والا رحہ کی دعا و توجہ اور فضلِ خداوندی سے ہوا۔ ورنہ "یہ منھ اور مسور کی دال"۔

(۲۰) حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ اخیر عمر میں خاص طور پر اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میری پیدائش پیر کے دن ہوئی ہے ان شاء اللہ میرا انتقال بھی پیر ہی کے دن ہوگا۔ کبھی فرماتے کہ مجھے امید ہے کہ میں پیر کے دن مروں گا۔ چنانچہ شدت مرض میں آپ پیر کے دن کا شدت سے انتظار فرماتے تھے اور پیر ہی کی شب میں آپکی وفات ہوئی۔

(۲۱) جب بہت انتظار، پس و پیش، رد و کد اور انتہائی مایوسی کے بعد حضرت والا رحہ کی سوانح کا کام راقم السطور کے حوالہ کر دیا گیا، اور شہزادۂ محترم حضرت مولانا محمد اللہ صاحب کے حکم سے اس عظیم ذمہ داری اور بارِ گراں کو میں نے اپنے ناتواں کاندھوں پر اٹھالیا۔ تو مجھ کو اس بارے میں بڑا تردد تھا کہ حضرت کے حالات تو مخفی و مستور ہیں۔ آخر میں اتنی بڑی ذمہ داری سے کس طرح عہدہ بر

سکوں گا۔ تو حضرت والا رح کی خواب میں زیارت ہوئی اور بیداری کے بعد تردد کا
نشان باقی نہ رہا۔ اور قلم رواں دواں ہو کر پیش نظر ضخیم سوانح عمری
"حیات اسعد"، وجود میں آگئی
) بالکل یہی صورت "ذکر اسعد"، لکھتے وقت پیش آئی کہ مطالعہ
طبیعت نہیں چل رہی تھی تو خواب میں حضرت والا رح نے تین بڑے کاغذ
فرمائے اور بیداری پر طبیعت میں جولانی وروانی پیدا ہوگئی اور فی
بدیہہ ایک طویل نظم وجود میں آگئی جو "ذکر اسعد" کے نام سے علیحدہ بھی
شائع ہوئی۔ اور زیر نظر کتاب "حیات اسعد" کے اخیر میں بھی یہ طویل
ایکسو چوالیس ۱۴۴ اشعار پر مشتمل، ملحق ہے۔ (۲۳) مولانا محمد مرتضی فرماتے ہیں کہ
حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق ہونے کے کافی عرصہ بعد دل میں خیال بد
پیدا ہوا۔ وہ یہ کہ بعد نماز عشاء لیٹتے ہوئے دل میں یہ بات پیدا ہوئی کہ
حضرت کی خدمت میں رہتے ہوئے اتنے دن ہو گئے کوئی کرامت نہیں دیکھی۔
میں تو غلط پھنس گیا۔ اب حضرت اقدس سے تعلق ختم کرنا چاہئے۔
پھر آنکھ لگ گئی خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ ہیں۔ کہ آسمان سے
نور ان کے سر پر برس رہا ہے۔ اب یقین ہو گیا کہ میرا خیال بالکل صحیح تھا
تھوڑی دیر بعد حضرت اقدس کو بھی دیکھا کہ آسمان سے نور حضرت کے سر پر برس رہا
ہے اور حضرت سراپا نور بن گئے ہیں اور تمام کمرہ میں نور ہی نور ہے اور کمرہ سے نور باہر
نکل آرہا ہے۔ فوراً آنکھ کھل گئی، پھر فوراً اٹھ کر وضو کیا اور دو رکعت صلوٰۃ توبہ پڑھ
کر کافی دیر تک استغفار کرتا رہا۔ جب صبح خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو حضرت اقدس نے
فرمایا کون؟ جواب میں عرض کیا کہ میں ہوں محمد مرتضیٰ حضرت اقدس نے فرمایا کہ بھائی میرے پاس
کچھ نہیں کیوں میرے پاس آکر وقت ضائع کرتے ہو میں نے کہا حضرت میں تو رات ہی کو توبہ کر
چکا ہوں آئندہ ایسا خیال ہرگز نہیں کروں گا۔
(۲۴) اتوار کے دن قبل نماز عصر میرے علاوہ کمرہ میں کوئی نہیں تھا حضرت اقدس نے فرمایا کون؟ جواب میں
عرض کیا میں ہوں محمد مرتضیٰ تو حضرت نے کئی بار فرمایا کہ ابدال و قطب چل بسے ابدال و قطب چل بسے جب
حضرت خاموش ہو گئے تو میں نے عرض کیا کہ ابدال و قطب چل بسے کا کیا مطلب ہے تو حضرت اقدس پیٹنے لگے
اور فرمایا کہ کل کو معلوم ہوگا۔ پھر پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی اور آنے والی اگلی رات شب دوشنبہ میں حضرت اقدس

ہم سے جدا ہو گئے (انا للہ و انا الیہ راجعون)

یہ چند نمونے اس سلسلہ کے پیش کر دیئے گئے ہیں۔ ورنہ تو حضرت والا رح کی زندگی کا ہر پہلو (علمی عملی، اخلاقی، معاشرتی اور عبادتی) ایک مستقل کرامت ہے اور فراست وکشف کی حالت تو بڑی عجیب وغریب تھی۔ حاضر باش خدام اس سے خوب واقف ہیں اس بارمیں اس سے زائد لکھنا طول لاطائل ہے۔

یہ کرامتیں ہیں کھلی ہوئی ترے حسن عشق نواز میں
کہ نہاں ہیں کیف کی جنتیں مرے دل کے سوز وگداز میں

یہ نگاہِ حضرت تھانوی، کا اثر ہے اسعد خستہ جاں
نظر آ رہی ہیں حقیقتیں، مجھے اس جہان مجاز میں

دوسری جگہ اس حقیقت کو اس طرح آشکارا فرمایا ہے کہ!

اپنی دلکش زندگی جب سامنے لاتا ہوں میں
عاشقی کی مستند تاریخ دہراتا ہوں میں
عشق کا راز نہاں دنیا کو سمجھاتا ہوں میں
حسن کی رنگینیوں میں گم ہوا جاتا ہوں میں
کیوں نہ آئے رشک میری رندیوں پہ زاہد کو
سر جھکا کر عرش کے پایوں کو چوم آتا ہوں میں
دل کی دنیا جگمگا اٹھتی ہے نور حسن سے
یہ کتاب عشق میں لکھا ہوا پاتا ہوں میں

حضرت والا رح کے اس قسم کے اشعار محض ادعا اور تعلی نہیں ہیں۔ بلکہ ایسی حقیقت ثابت ہے کہ ہر وہ شخص جو حضرت والا کے قریب رہا ہے اسکی گواہی دینے پر مجبور ہے کہ حضرت کی زندگی اس نوع کے واقعات سے لبریز ہے اور اس قسم کے واقعات کو دیکھنے اور سننے والے اتنے زائد ہیں کہ ان کا احاطہ و احصار بہت دشوار ہے۔ یہاں تو صرف یہ بتانا ہے کہ اس نوع کے واقعات کی طرف نہ ہمارے مشائخ التفات کرتے ہیں۔ اور نہ ان کے خدام کے نزدیک باعث حیرت واستعجاب ہوتے ہیں۔ حضرت والا رح کی سب سے بڑی کرامت تو اتباع سنت و شریعت پر استقامت تھی۔ اور اکابر دیوبند میں سب سے اونچی کرامت یہی شمار ہوتی ہے۔ اگر کشف وکرامات کوئی بزرگی کی دلیل ہے جیسا کہ

عام طور پر ان کو بزرگی کا معیار سمجھا جاتا ہے تو یہ چیزیں بھی ہمارے حضرات کے یہاں اتنی کثرت سے ہیں ان کا احاطہ ممکن نہیں۔ ویسے ہمارے حضرت بھی ان چیزوں کو کمال نہیں سمجھتے تھے۔ باوجود اخفاء خدام اگرچہ اس قسم کی چیزیں ظاہر ہو جاتیں۔ اور حضرت کو شبہ ہو جاتا کہ ایسی غیر مقصود چیزوں کو اہمیت دی جا رہی ہے۔ تو تنبیہ فرماتے کہ یہ چیزیں اصل کمال نہیں ہیں۔ اسی لئے اکثر فرمایا کرتے اَلْکَرَامَاتُ حَیْضُ الرِّجَالِ۔ ایک مرتبہ اسی مفہوم کو واضح کرنے کے لئے حضرت سرمدؒ کا ایک واقعہ سنایا سرمدؒ کا کشف بہت مشہور تھا۔ تو حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ لوگوں کو کشف سرمدؒ کی تحقیق کے لئے بھیجا ان لوگوں میں سے ایک نے اس سلسلہ میں یہ شعر حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کیا ؎

بر سرمد برہنہ کرامات تہمت است　　کشفے کہ ظاہر است ازو کشف عورت است

(ننگے سرمد پر کرامت ایک تہمت ہے۔ اور جو کشف ان سے ظاہر ہوتا ہے اس کو کشف عورت سے تعبیر کرنا چاہئے)

اس سے واضح ہوا کہ حضرت والاؒ نہ خود کشف و کرامات کی جانب متوجہ تھے۔ نہ اس طرف کسی کی توجہ کو پسند فرماتے تھے۔ وہ شریعت و سنت کی پابندی ہی کو کمالات و کرامات خیال فرماتے تھے۔

⁂　⁂　⁂

حضرت والارحؒ کی ایک خاص کرامت

حضرت والارحؒ جب بہت زیادہ مریض رہنے لگے بغیر سہارے کے چلنا، پھرنا، اٹھنا، بیٹھنا دشوار ہوگیا۔ تب بھی جماعت کے شوق میں مسجد تشریف لے جاتے۔ صورت یہ ہوتی کہ آپ کے خادم جناب قاری گل صاحب آپ کو کمرہ میں وضو کراتے، گود میں اٹھا کر مسجد لے جاتے اور مصلّے کے پیچھے صف میں بٹھا دیتے اگر جماعت میں کچھ وقت ہوتا تو آپ حسب عادت بیٹھکر نوافل پڑھتے رہتے۔ اور جب جماعت کھڑی ہوتی تو آپ کو پکڑ کر کھڑا کردیا جاتا۔ پھر آپ پوری نماز اس طرح ادا فرماتے تھے کہ یہ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ آپ اتنے مریض ہیں۔ رکوع، سجود، قیام وغیرہ تمام ارکان باقاعدہ ادا فرماتے تھے۔ اور نماز کے بعد آپ کو اٹھا کر کمرہ میں لایا جاتا تھا۔ سالہا سال یہی معمول رہا اور اس کرامت کا مشاہدہ ہزاروں آدمیوں نے کیا۔ دیکھنے والوں کو حیرت تھی کہ حالت نماز میں حضرت والارحؒ کی کمزوری کہاں چلی جاتی ہے کہ آپ بالکل تندرست معلوم ہوتے ہیں اور جب نماز سے فارغ ہوجاتے ہیں تو وہ طاقت نہیں رہتی۔

چند خصوصیات یہاں چند ایسی حیرت انگیز خصوصیات اور حضرت والارحؒ کی خصوصی صفات کا تذکرہ کیا

جاتا ہے۔ جن میں حق تعالیٰ شانہ نے حضرت والا رح کو ایک زبردست امتیاز بخشا تھا۔ بلا مبالغہ کم از کم ہمارے علم میں اکابر متقدمین و متأخرین میں کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جو ان تمام خصوصیات و اوصاف کو جامع ہو۔ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا ہوں کہ حضرت والا رح تمام اکابرین میں سب سے بڑے عالم یا سب سے اونچے درجہ کے انسان تھے۔ درجات و علوم کی رفعتوں کا فیصلہ تو وہی لوگ شاید کر سکیں جو خود علوم و عرفان میں ان سے زائد کمال رکھتے ہوں اور ع

ہمارا کیا ہے اے بھائی نہ مسٹر ہیں نہ مولانا

بہر حال ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مندرجہ ذیل اوصاف و خصوصیات میں حضرت والا رح یگانۂ زمانہ و یکتائے روزگار تھے واللہ اعلم

اور اس جامعیت کو بھی ہم کرامت ہی سمجھتے ہیں کیونکہ ان میں سے بعض امور کوتاہ فہم لوگوں کے لئے ناقابلِ یقین ہیں۔ لیکن مشاہدہ کو آخر کس طرح جھٹلایا جا سکتا ہے؟ ولیس الخبر کالمعاینۃ

(۱) آپ بیک وقت چار زبانوں (عربی، فارسی، اردو اور انگریزی) پر پوری دسترس اور ایسا قابو رکھتے تھے کہ ان میں سے جس زبان میں وہ چاہتے بے تکلف منظوم و منثور کلام کر سکتے تھے۔

آپ نے ایک مخلص خادم سے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھکو یہ قدرت دی ہے کہ میں نظم و نثر میں یکساں گفتگو کر دوں

میں چاہوں تو زبان شعر میں مسلسل گفتگو کرسکتا ہوں مگر میں اس کو خلافِ سنت ہونے کی وجہ سے پسند نہیں کرتا ہوں۔

(۲) کسی عالم کو کسی فن میں مہارت ہوتی ہے اور کسی کو کسی فن میں اور جسکو جس فن میں مہارت ہوتی ہے اس کے علاوہ دوسرے فنون میں وہ کمال اس کو حاصل نہیں ہوتا اسی طرح کسی کی طبیعت منقول کی طرف چلتی ہے۔ تو وہ معقول میں ناقص رہجاتا ہے۔ اور اگر معقول کی طرف رجحان طبعی ہوتا ہے تو منقول میں کمال مہارت حاصل نہیں ہوتا اسی طرح انشاء وادب، نظم و نثر، غزل، قصید وغیرہ میں سے کسی ایک لائن سے ادیب وشاعر کو زیادہ مناسبت ہوتی ہے، دوسری سے کم، فنونِ شعر میں سے کسی ایک طرف اگر طبیعت کا میلان ہوتا ہے تو دوسری نوع سے دلچسپی نہیں ہوتی۔ لیکن حق تعالیٰ نے جملہ علوم وفنون معقول و منقول، انشاء و ادب، نظم و غزل، قصائد وغیرہ تمام انواع علوم وفنون اور جملہ انواع شعر سخن میں ایسی مہارت وحذاقت عطا فرمائی تھی کہ آپ جس نوع علم وفن میں کلام فرماتے معلوم ہوتا کہ آپ اسی علم یا فن کے امام ہیں۔ علوم دینیہ میں یہی حال تھا۔ حدیث، تفسیر، فقہ، اصول، کلام، وغیرہ جملہ علوم میں آپکو یکساں کمال حاصل تھا معلوم یہ ہوتا تھا کہ علوم مذکورہ میں سے ہر علم آپکی نظروں کے سامنے ہے۔ جن حضرات نے منظر انصاف حضرت والا کی زندگی کا مطالعہ کیا ہوگا وہ اس پر شاہد عدل ہوں گے

سلہ علوم و فنون میں اگرچہ آپ کے جدِ اکبر حضرت علامہ مفتی سعد اللہ
ب رام پوری رحمۃ اللہ علیہ یدِ طولیٰ اور جامعیت رکھتے تھے۔ اور
ت و سلوک، زہد و عرفان میں بھی حضرت والا رح کی طرح
ال رکھتے تھے۔ مگر دونوں میں ظاہری فرق یہ ہے کہ آپ کے
بر رح کی تصنیفات آپ سے زائد ہیں اور تصوف و اصلاحِ خلق
حضرت والا رح کی خدمات اپنے جدِ اکبر سے زائد ہیں۔ اسی
زبانِ انگریزی میں آپ مہارت رکھتے اور آپ کے جدِ اکبر رح نے
رف التفات نہیں فرمایا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ العالم۔

آپ نے چوّن ۵۴ سال کی عمر میں ایک خادم خاص سے ارشاد
یا کہ آج میری عمر چوّن ۵۴ سال کی ہوگئی اور چوّن ۵۴ سال میں جتنے
ہوتے ہیں۔ آج صلوٰۃ التسبیح بھی الحمد للہ اتنی ہی بار پڑھ چکا ہوں
ۃ التسبیح کا یہ سلسلہ اس کے بعد بھی خوب جاری رہا۔ آپ اندازہ
کہ ایک ایسا انسان جو تعلیم و تعلم، دعوت و تبلیغ مناظرو ں سے
اصلاحِ خلق کے کاموں میں بھی اپنے ہم عصروں سے پیش پیش
ور تلاوت و ذکر و تسبیح و دیگر معمولات بھی اس کے طویل و عریض
ں۔ پھر اس نے اتنی بار صلوٰۃ التسبیح کا بھی اہتمام کیا ہو
و اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت اور کرامت کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔
ات کی ایسی برکت بجائے خود ایک بڑی کرامت ہے۔

زندگی میں جتنے سانس لیے گئے اتنی بار لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پڑھ لیا گیا بلکہ
نے کلمۂ طیبہ اتنی بار پڑھا کہ اگر عمر سو سال سے بھی متجاوز ہو جاتی تو زندگی
ر سانس کے عوض ایک بار کلمہ طیبہ ہو جاتا جبکہ آپ کی عمر شریف تقریباً ۸۰
ل ہوئی ہے۔ اور آدمی ایک دن میں کئی ہزار سانس لیتا ہے۔ آپ غور کیجیے کہ حضرت والا رح
رف کلمہ توحید کی کتنی مقدار پوری فرمائی۔ آپ کی مشغول زندگی کو سامنے رکھ کر یہ عظیم مقدار
ا قیاس کی گرفت سے باہر ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور حضرت والا رح کی بے شبہ کرامت ہے۔

(۵) تابعین میں سے حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کتابوں میں لکھا ہے کہ انہوں نے پچاس ۵۰ سال تک نماز کا ایسا اہتمام فرمایا تھا کہ وہ اذان کے وقت مسجد میں ہوتے تھے اور اس عرصہ میں رات کو وہ کبھی نہ سوئے تھے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا شب بیداری و نماز کا اہتمام بھی مشہور ہے۔ صحابہ و تابعین میں نماز کا شوق و شغف بہت ملتا ہے۔ متاخرین علماء و صوفیاء میں بھی شوق و عشق نماز کی بہت مثالیں موجود ہیں۔ حاجی محمد عابد صاحبؒ (جو دارالعلوم دیوبند کے بانیوں میں سے ہیں انہوں) نے نماز کا ایسا اہتمام فرمایا کہ اٹھائیس ۲۸ برس تک تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز با جماعت پڑھی۔ لیکن حضرت والا رح نے تکبیر اولیٰ کا ایسا اہتمام والتزام فرمایا کہ عنفوانِ شباب سے لیکر آغوشِ قبر تک یہ تسلسل باقی رہا۔ اور ہوش و حواس کی حالت میں کبھی اس کا ناغہ نہیں ہوا۔ اڑتالیس ۴۸ سال سے زائد عرصہ تک آپ نے جماعت کی ایسی پابندی کی کہ کبھی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔ سفر، مرض، وغیرہ ہر حال میں یہ پابندی قائم رہی۔

یہ مواظبت و اہتمام اگر کرامت نہیں تو کیا ہے۔ اَلْاِسْتِقَامَۃُ خَیْرٌ مِنْ اَلْفِ کَرَامَۃٍ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے، حضرت والا رح کا ارشاد ہے کہ سہ

کیوں نہ ہوں ہم نماز کے پابند
عشق ہے مذہب و شریعت کا

واقعہ یہی ہے کہ عشق کے بغیر اتنا بڑا مجاہدہ اور اتنی زبردست استقامت ممکن نہیں یہ عشق صادق و محبت کاملہ ہی کی برکت و کرامت ہوتی ہے کہ مجاہدات اور مشقتوں کی تلخیاں، حلاوتوں اور لذتوں سے بدل جاتی ہیں سہ

الفت میں برابر ہے وفا ہو کہ جفا ہو
ہر چیز میں لذت ہے اگر دل میں مزہ ہو

عقل ہے مصلحت نگر عقل ہے کرنہ ساز باز
دل جو کہے وہ کر گزر عشق نہیں بہانہ ساز

شعر و ادب

حضرتِ والا کے جدِ امجد حضرتِ اقدس مولانا مفتی قاضی محمد سعد اللہ صاحب معقول و منقول علوم و فنون میں مہارت اور ظاہری و باطنی اوصاف و کمالات کے امتیازات کے علاوہ علوم شعر و ادب میں نیز فن عروض میں بھی بصیرت افروز و حیرت افزا مذاقت و مہارت رکھتے تھے۔ فن عروض میں ان کی تصانیف تمام عنوانات پر حاوی و مشتمل ہیں اور اُن میں جملہ اصطلاحاتِ فن کا احاطہ ان کے حل کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ان سب تصانیف میں ممتاز محقق طوسی کی کتاب "میزان الافکار" کی شرح "معیار الاشعار" ہے۔

اس کتاب "تجلیاتِ اسعد" کے شروع میں حضرت مفتی صاحب کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں، ان میں حضرت موصوف کی مہارتِ ادب اور مختلف زبانوں میں شعر و سخن پر قدرت کا ذکر بھی آچکا ہے۔

یہاں مقصودِ تحریر یہ ہے کہ جس طرح حضرتِ والا رحمہ کو دیگر علوم و فنون اور ظاہری و باطنی کمالات و اوصافِ خاندانی دولت میں ملے تھے، اسی طرح شعر و ادب کی مہارت میں بھی آپ اپنے اکابر کے وارث اور سچے جانشین تھے۔ آپ کے جدِ امجد حضرت مفتی صاحب موصوف کے چھوٹے صاحبزادے حضرت علامہ مفتی بشارت اللہ صاحب بیتاب کلی علوم و فنون میں مہارت تامہ کے باوصف ممتاز ماہر فن اور صاحبِ دیوان شاعر بھی تھے۔ جیسا کہ شروع کتاب میں ان کے حالات کی تفصیلات میں ہم لکھ چکے ہیں۔ پھر امتیازی طور پر یہ ذوق "شعر و ادب" و "مہارتِ عروض" کی وراثت صاحبِ تذکرہ حضرتِ اقدس ناظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچی تھی۔

طبیعت کی موزونیت اور نشو و نما

حضرتِ والا کا مشہور مقولہ ہے کہ میں نے محقق طوسی کی طرح فنِ عروض کی جد و جہد سے اپنی طبیعت کو موزوں بنایا ہے" اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرتِ والا کا یہ ذوق فطری نہ تھا بلکہ اس کے شواہد موجود ہیں کہ آپ ازکین

ہی سے صاحب ذوق تھے۔ جیسا کہ آپ نے اپنی نو عمری ہی میں تھانہ بھون میں آمد کی تاریخ کہی تھی ؏ جب آیا تھا رام پور سے فخر رام پور" مطلب اس جملہ کا یہ ہے کہ انہوں نے محنت و ریاضت کے بعد اپنے حق وراثت کو قائم رکھا، اپنے ذوق شعری کو اس تقدیر کے ساتھ جلا بخشی اور اپنی جد و جہد سے فنون شعر میں کمال و تفوق حاصل کیا۔

ادب سے تعلق، زبان کی صحت کا خیال، صحیح تلفظ کی کوشش اور لغوی تحقیق کا ذوق جو وراثت میں ملا تھا اس نے بھی ذوق شاعری کو نکھارنے میں کافی مدد دی، پھر حضرت تھانویؒ کی بارگاہ میں تربیت و پرورش کا نادر و قابل فخر موقع نصیب ہوا اور وہاں علوم دینیہ، تصوف و سلوک کی تعلیم کے ساتھ ساتھ چشتیت کے غلبہ کے بنا پر ذوق شاعری اپنے عروج پر پہنچا ہوا تھا۔ جس کا ثبوت حضرت تھانویؒ کے "ملفوظات" اور اُن کی تصنیفات و تالیفات میں جگہ جگہ خوب صورت و کیف آور اشعار کا موجود ہے حضرت تھانویؒ کی بلند پایہ تصنیف "مثنوی زیر و بم" بزبان فارسی جو انہوں نے اپنے عنفوان شباب (۱۸ سال کی عمر) میں تصنیف فرمائی تھی ان کے ذوق شاعری کے کمال پر شاہد عدل ہے، ایسے استاذ کامل و مربی باذوق کی آغوش تعلیم و تربیت اور حسین و پُربہار علمی و ادبی ماحول میں حضرت والاؒ کا فطری ذوق نہ صرف اُبھرا بلکہ اسکو قوت و شوکت اور وسعت کے چار چاند لگ گئے اور پھر آپ کی محنت و ریاضت نے اس کے نشو و نما کو نقطۂ عروج پر پہنچا دیا۔

تھانہ بھون کے زمانہ قیام میں آپ نے خود حضرت تھانویؒ سے حضرت مولانا رومؒ کی مثنوی شریف سبقاً سبقاً باقاعدہ پڑھی۔ وہ عشق جو ذوق شعری میں تھا اور اس کو اُبھارنے میں خصوصیت کا حامل ہے مثنوی شریف کے ہر ہر شعر میں اس کا رنگ بھرا ہوا ہے۔ اس کے الفاظ و معانی کیف آور شراب عشق و شوق سے لبریز ہیں اور حضرت تھانویؒ جیسا عشق حقیقی میں ڈوبا ہوا معلم نور علیٰ نور اور متعلمین حضرت والاؒ جیسے صاحب ذوق و اہل دل حضرات اس کیف آفریں انجمن کے کیمیاوی اثرات کیا مرتب ہو سکتے ہیں؟ اس کا صحیح اندازہ و احساس کچھ اہل دل حضرات ہی کر سکتے ہیں۔

محبت کے لئے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں
یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پر گایا نہیں جاتا

مظاہر علوم میں عروض و ادب کا عروج

آپ کی جامعیت آفریں طبیعت نے اوائل عمر ہی میں آپ کو فنِ عروض کی تدریس کی طرف اس طرح مائل کیا کہ جامعہ مظاہر علوم کی تدریس میں فنِ عروض بھی شامل ہو گیا۔ آپ سے پہلے فنِ عروض باقاعدہ داخلِ نصاب نہ تھا۔ آپ نے مدتوں فنِ عروض کی تعلیم دی، اور آپ کی مساعی سے اس فن میں بہت سے حضرات نے مکمل مہارت حاصل کی۔ آپ نے ادبی کتب مقامات، سبع المعلقات، متنبی، حماسہ، قصیدہ بردہ اور قصیدہ بانت سعاد وغیرہ جملہ ادبی کتب بڑے اہتمام و انہماک سے ایک عرصہ تک پڑھائیں۔ گو مؤخر الذکر دونوں قصیدے داخلِ نصاب نہ تھے، مگر ادبی ذوق و دلچسپی کی وجہ سے آپ نے یہ کتب پڑھائیں اور فنِ ادب مظاہر علوم میں بامِ عروج تک پہنچایا۔ مذکورہ کتب عربی ادب کی بڑی ممتاز اور اہم کتب ہیں جن کے ادبی مقام اور مرتبے سے اہلِ علم خوب واقف ہیں

اردو ادب سے دلچسپی و وابستگی

علوم و فنون سے فراغت کے بعد جب آپ کا تقرر مادرِ علمی میں بحیثیت استاذ ہوا اور آپ کے فیوض سے خواص و عوام سیراب ہونے لگے۔ علمی و تحقیقی مواعظ اور کامیاب مناظروں اور مباحثوں کی وجہ سے آپ کی شہرت اور عوام و خواص میں مقبولیت عام ہو گئی آپ کے ادبی ذوق و کمالِ شعر و سخن سے قدردانوں کو واقفیت حاصل ہوئی تو سہارنپور کے شعراء و ادباء نے آپ کی طرف رجوع کیا۔ اس طرح آپ نے ادبی حلقوں کو بھی رونق و زینت بخشی، اس زمانہ میں شہر سہارنپور میں بہت سے ادبی حلقے تھے اور بہت سے اساتذۂ سخن بھی تھے جن کی زیرِ نگرانی یہ ادبی حلقے قائم تھے۔ اور ترقی کر رہے تھے۔ حضرت والا کے شمول اور سرپرستی سے ان کو مزید فروغ حاصل ہوا۔

ان اساتذۂ فن میں سے چند حضرات یہ ہیں (۱) حکیم غلام مصطفےٰ صاحب مرحوم شعر و سخن میں بہت ممتاز و فائق تھے (۲) مولانا غریب صاحب سہارنپوری (۳) مرزا عزیز بیگ صاحب محلہ میر کوٹ سہارنپور جنہوں نے دیوانِ غالب کی تضمین کی اور سہارنپور کے ادبی حلقوں میں وہ بہت ہی احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ موصوف کا مشہور و ممتاز علمی خاندان شعر و شاعری میں نمایاں اور وقیع اہمیت کا حامل تھا۔

ادبی نشست سہارنپور کے ان ادبی و علمی ماحول میں حضرت والا کی شاعرانہ صلاحیتیں اور شعر و سخن کی خوبیاں اُبھر نکھر کر سامنے آنے لگیں تو حضرت حکیم صاحب مرحوم کے دولت کدہ پر روزانہ بعد مغرب ادبی نشست طے ہو گئی، اس نشست میں کبھی تخلف نہیں ہوتا تھا، خواہ سردی ہو گرمی ہو برسات ہو یا کوئی اور بات اس مجلس کا روزانہ منعقد ہونا لازمی تھا۔ چاہے بارش کیوں نہ ہو رہی ہو اور سڑک پر گھٹنوں گھٹنوں پانی بھرا ہوا ہو۔ اور پھر حضرت والا کے مزاج میں تو پابندی و مواظبت ہمیشہ رہی ہے اسلئے مجلس کا ناغہ ہو جانا آپ کیسے گوارا فرماتے۔ اس نشست میں اکثر و بیشتر شہر کے باذوق شعراء جمع ہوتے زیادہ تر کوئی ایک مصرعہ طرح" پیش کیا جاتا اور سب حضرات اس پر طبع آزمائی کرتے۔"طرحی غزلیں" کہنے کے لئے جس فنی مہارت و قابلیت کی ضرورت ہے اس سے کچھ وہی لوگ واقف ہیں جو طرحی غزلوں کی دشوار گزار گھاٹیوں اور اُن کی پیچ در پیچ راہوں سے گذرے ہیں، یہ مجالس شعر و شاعری کی عوامی مجلس نہ تھی بلکہ مہذب اور سہذب پڑھے لکھے مخلص ہستیوں کی پُربہار و باوقار اور شائستہ مجلس تھی، ادب و تہذیب اور شائستگی ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ اس میں حضرت والا کے علاوہ جناب حاجی زندہ حسن صاحب نائب۔ حضرت احمد سہارنپوری جیسی باوقار ہستیاں اور سہارنپور کے دوسرے مشہور اساتذۂ فن شریک ہوتے اور اپنے اپنے نتائج فکر کو نقد و نظر کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد ان کو مشاعروں میں پیش کرتے تھے۔

مشاعروں کی صدارت اس زمانہ میں آپ نے اکثر مشاعروں کی صدارت بھی فرمائی ہے۔ اس دور کے مشاعرے علم و ادب کے اعتبار سے تو ممتاز ہوتے ہی تھے تہذیب و شائستگی کی مثالی درسگاہیں بھی ہوتی تھیں۔ غیر معیاری شعراء اور غیر مہذب لوگوں کو ان مجالس میں شرکت کی دعوت نہ دی جاتی تھی۔ سنجیدہ و باوقار ارباب فن ان مشاعروں میں رونق افروز ہوتے تھے جو علم و ادب اور تہذیب و شائستگی کی ان پاکیزہ مجالس میں اپنی ذہانت و لیاقت اور فصاحت و بلاغت کا مظاہرہ

کے داد و تحسین اور تکریم و آفرین کے تمغے حاصل کرتے، اپنے اپنے نتائج فکر کو ان امتحان گاہوں میں پیش کر کے شعر و سخن کے معیار کو بڑھاتے اور نفاست و بلاغت کے نئی ان کو منزلوں سے ہمکنار کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔ اس کاروان ادب میں حضرت والاؒ نے جامعہ مظاہر علوم کی تدریسی شان، اپنے علمی وقار اور دینی خصوصیات باقی اور قائم رکھتے ہوئے ایک ایسا امتیازی مقام حاصل کیا تھا کہ تمام اساتذۂ فن ارباب شعر و سخن اور شرکاء مشاعرہ آپ کا بدل و جان احترام و اکرام کرتے اور آپ کی خصوصیات و اوصاف کا کھلے دل سے اعتراف و اقرار کرتے تھے، اور آپ ہی امیر کارواں صدر مشاعرہ قرار پاتے تھے۔

آپ اس ماحول میں بھی اپنے معمولات اور نماز کے زبردست اہتمام سے کبھی غافل نہ ہوتے جو اُن کی تابناک زندگی کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ اس حقیقت مذکورہ کی وضاحت سے ارباب علم و دانش حضرت والاؒ کی گوناگوں متضاد خصوصیات و جامعیت کمالات کا احساس فرما کر اظہار حیرت و استعجاب کرتے ہیں۔ اس کے لئے "لفظ کرامت" کے سوا اور کونسا لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے ۔؟

مشاعروں کی شرکت سے کنارہ کشی

ان مجالس ادب کی شان اور معمول کے بالکل خلاف سہارنپور کے کسی ایسے مشاعرہ میں جس کی صدارت حضرت والاؒ ہی فرما رہے تھے ایک عورت آگئی، اس عورت کی شرکت کو مجلس کی پاکیزگی کے خلاف سمجھ کر حضرت وہاں سے فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کے ساتھ پورے کا پورا مجمع بھی اُٹھ گیا۔ غالباً اسی واقعہ کے بعد حضرت والاؒ نے ان مجالس سے کنارہ کشی اختیار فرمائی تھی۔ آپ کے ہمعصر، علم دوست اور رفیق ادب بلکہ تلمیذ مہذب سہارنپور کی صاحب ذوق شخصیت جناب حاجی زاہد حسن صاحب نائب درویشی نے فرمایا کہ جب واقعہ پیش آیا تو مجھے یہ شعر یاد آرہا تھا ؎

زاہد نداشت تاب جمال پری رُخاں
کنجے گرفت و ترس خدا را بہانہ ساخت

ہمعصر شعراء میں حضرت کا مقام

سہارنپور میں شعر و سخن کا ذوق رکھنے والے وہ حضرات جو حضرت والا سے عمر میں کم تھے یا بڑے تھے یا ہم عمر تھے۔ اپنے تمام رفقاء و اصحاب سے تہذیب و ادب کا معاملہ اور اکرام و احترام کا برتاؤ کرتے اور ایک دوسرے کے مقام کو خوب ملحوظ رکھتے تھے۔ شعر و شاعری کی مجلسوں اور ادبی بحث کی محفلوں میں طبع آزمائی کا عجیب معاصرانہ مقابلہ رہتا۔ حضرت ناظم کی غزلوں میں قافیہ پیمائی و مضمون آرائی اور نکتہ آفرینی کے اندر یہ مقابلہ زیادہ نمایاں ہوجاتا تھا لیکن ادیب حضرات شعراء حضرت ناظم صاحب سے عمر میں کم ہوتے یا زیادہ مگر اپنے آپ کو حضرت کا شاگرد ہی سمجھتے تھے اور حضرت کا شاگرد کہلانے میں عزت و فخر محسوس کرتے تھے۔ سب حضرات اہل ادب آپ کو استاذ الشعراء و امام الادباء کا مقام دیتے تھے۔ وہ حضرات نہ صرف زبانی احترام کرتے بلکہ اپنا اپنا کلام بھی اصلاح کے لئے حضرت والا کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ کیونکہ ذوق سخن کے ساتھ ساتھ فن عروض میں بھی حضرت والا کو مہارت تامہ اور عبور کامل حاصل تھا اور اس میدان میں بھی ژرف نگاہی کا امتیازی مقام حضرت والا ہی رکھتے تھے، اس لئے وہ کلام جس کو آپ دیکھ لیتے اور اصلاح فرما دیتے تھے فنی خامیوں اور دوسرے عیوب سے پاک و صاف ہوکر منظر عام پر آتا تھا۔

وہ شعراء جن کو آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے

ہم عصر شعراء اور ہم عمر معاصرین میں جناب حکیم غلام مصطفےٰ صاحب حکیم۔ جناب حاجی زندہ حسن صاحب تائب۔ جناب حکیم عبد الغفور صاحب بیتاب، جناب منشی احمد صاحب احمد سہارنپوری نمایاں اور ممتاز ہیں۔ وہ شعراء بھی جنہوں نے حضرت سے کسب فیض کیا ہے کم ممتاز نہیں ہیں۔ مثلاً جناب مولوی محمد زکریا اسعدی مدیر اخبار "مبارک" سہارنپور، جناب منشی طفیل احمد صاحب طفیل اسعدی، جناب حافظ محمد اسحٰق صاحب حافظ سہارنپوری، ماسٹر نذیر احمد صاحب نذیر سہارنپوری، جناب محمد یٰسین صاحب تسکین قریشی میرٹھی۔ جناب مولانا علیم اللہ صاحب[عہ] شیخ مظاہر

عہ ۲۷ رجب ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۸ فروری ۱۹۵۶ء (بروز دوشنبہ) حرکت قلب بند ہوجانے سے مولانائے موصوف اچانک آسودۂ رحمت ہوگئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مصرع تاریخ "مولوی علیم اللہ فنا در دل جنت شد" ۱۳۷۵ھ

جناب مولانا انعام الرحمٰن صاحب انعام تھانوی، جناب مولانا قاری عبدالعزیز صاحب
ذوقی اسعدی (فاضل دیوبند) جناب مولوی غلام مصطفےٰ صاحب ذوقی اسعدی چاندپوری
جناب مولانا عبدالقیوم صاحب شاکر الاسعدی بستوی اور جانشین جناب سرشار صاحب
جناب بدھ پرکاش صاحب جوہر دیوبندی۔ (جن کی شاہکار تصنیفات مجموعہ
"رنگ و چمن" "جوہرِ سخن" اور "تذکرہ شعرائے ہنود" ہیں۔ جناب منشی سادھو رام
صاحب آرزو۔ جناب غلام محی الدین صاحب کوتوال سہارنپور۔ یہ چند اسماء وہ
ہیں جو تھوڑی سی فکر سے نوکِ قلم آ گئے ہیں ورنہ یہ فہرست کافی طویل ہو سکتی ہے
جن میں ایسے مسلم اور غیر مسلم بہت سے حضرات ہیں جنہوں نے فنِ شعر میں آپ سے باقاعدہ
شرفِ تلمذ حاصل کیا یا وقتاً فوقتاً اپنا کلام پیش کر کے اصلاح لی اور کسبِ فیض کیا ہے
حضرتِ والا سے فنِ عروض باقاعدہ پڑھنے والوں کی تعداد تو سیکڑوں سے بھی
تجاوز ہے۔

شعرائے معاصرین سے ملاقات و تعلقات

حضرت تسکین قریشی جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے جو ہندوستان کے مایۂ ناز غزل گو
شعراء میں بلند مقام رکھتے تھے۔ حضرتِ والا کو اپنی غزل سنانے میں فخر محسوس کرتے تھے
حضرت جگر مراد آبادی سے ان کے نہایت گہرے دوستانہ تعلقات تھے تسکین صاحب
کے توسط سے حضرتِ والا کے جگر مراد آبادی سے بھی گہرے تعلقات تھے۔ تسکین صاحب
سے حضرتِ والا کی مراسلت مسلسل رہتی تھی اور انہیں کے ذریعہ طرفین (حضرتِ والا
و جگر) کے پیام و سلام جاری رہتے تھے۔ اس کا اظہار "صحائفِ اسعد" کے
مقدمہ میں تسکین صاحب نے اس طرح کیا ہے کہ:-

"ان خطوط میں میرے محبوب و مخلص دوست الحاج حضرت جگر مراد آبادی
ذکرِ خیر بھی بار بار آیا ہے موصوف بھی جناب مولانا سے ارادت دلی رکھتے تھے۔ جس
زمانہ میں یہ سلسلہ مکاتبت شروع ہوا تھا میرا قیام لکھنؤ میں تھا۔ جگر صاحب اکثر لکھنؤ
آتے اور میرے یہاں قیام فرماتے تھے۔ اس لئے (حضرت کے) تمام خطوط موصوف (جگر)
کی نظروں سے گزرے ہیں اور انھوں نے بھی ان کو پڑھ کر لطف اٹھایا ہے۔ بلکہ کبھی کبھی کسی
شعر یا ادبی استفسار پر اظہارِ خیال بھی فرمایا ہے اور میرے توسط سے مولانا کے محترم

کی خدمت میں اکثر سلام و پیام بھی پیش کیا ہے" (مقدمہ صحیفہ نعت)

حضرت جگر مرحوم جب سہارن پور کے مشاعروں میں شرکت فرماتے تو حضرت والا کی خدمت میں ضرور حاضری دیتے اور اپنا کلام بھی پیش فرماتے تھے۔ ۱۲ جنوری ۱۹۵۵ء کو میں نے دیکھا کہ بہت سے شعراء حاضر خدمت ہوئے جن میں حضرت جگر بھی تھے ہر ایک نے ایک ایک غزل سنائی۔ حضرت جگر دوزانو نہایت ادب کے ساتھ بڑے عاشقانہ انداز میں بیٹھے ہوئے تھے والہانہ انداز میں اپنی غزل ع

عاشقوں کے خون کی چھینٹیں دور تک جایا کرتی ہیں الخ

سنا رہے تھے۔ حضرت جگر مرادآبادی، ندرت میرٹھی اور وہ تمام شعراء ہند جو کسی مشاعرے میں شرکت کے لئے سہارنپور تشریف لاتے تھے وہ حضرت والا کی خدمت میں اپنا اپنا کلام پیش کرتے اور اس کو باعث افتخار سمجھتے تھے۔ ان میں مسلم غیر مسلم سب ہی شعراء ہوتے تھے۔ ایسی تمام مجلسوں کے روح رواں بالخصوص آخری دور میں بابو راجہ لال ہوتے تھے جن کی نغمگی و لطائف سے محفل زعفران زار رہتی تھی۔ حضرت سکین، حضرت جگر اور حضرت والا ان کو چچا کہتے تھے۔ چچا راجہ لال صاحب ایک قدیم و شریف کائستھ خاندان کے شریف اور اچھے فرد تھے۔ انگریزی کے علاوہ فارسی میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے اور اردو تو گویا ان کے گھر کی زبان تھی۔ ۱۹۴۷ء کے بعد جب تک اُن کی صحت اچھی رہی، "انجمن ترقی اُردو" سہارنپور کے صدر رہے، اُردو کے تحفظ و ترقی کے پُرجوش حامی تھے۔ ذوق شعری بہت پاکیزہ اور بلند تھا۔ "نقاد، سخن سنج، بسیار داں اور بسیار گو" تھے یعنی طوالت کلام میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ مذہب و مسلک کے لحاظ سے اسلام سے قریب تر تھے۔ تمام عمر مسلمانوں ہی سے تعلقات رہے۔ خصوصاً حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے فیض صحبت سے بہت نفع اٹھایا تھا ۱۹۴۷ء میں جب بڑے بڑے روشن خیال ہندوؤں کی ذہنیت اور روش بدل گئی تھی چچا راجہ لال صاحب کی وضعداری میں فرق نہیں آیا تھا، اُن کے متعصب برادران وطن نے ان کو اس روش سے روکنے کے لئے قتل تک کی دھمکیاں دیں مگر انہوں نے کوئی پرواہ نہیں کی۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۵۸ء کی صبح کو دو تین سال کی طویل و شدید علالت کے بعد انتقال کیا۔

جناب مولانا شعیب احمد صاحب ندرت میرٹھی (م جون ۱۹۵۴ء) ماہر فن اور خوش کلام شاعر تھے

تکلف خوش مزاج، باہمہ اور بے ہمہ (تسکین صاحب فرماتے ہیں کہ) مجھ سے اختصاص رکھتے تھے میرے سلام کے جواب میں مولانا مرحوم نے ایک فارسی قطعہ لکھ کر بھیجا تھا بطور یادگار درج کیا جاتا ہے

قطعہ

بادا بلند تر بدو عالم مقام تو | از ما ہمیں دعاست جواب سلام تو
سامان صد مسرت تسکین پیام تست | از ما دعائے خیر جواب سلام تو

(ندرت ۱۴ اپریل ۱۹۵۳ء)

ندرت صاحب کے علاوہ مولانا حسرت موہانی اور مولانا طباطبائی صاحبیان سے ... حضرت والا کی ملاقاتیں ہوئیں، مذکورہ بالا تینوں حضرات احباب ندرت ... حضرت جناب طباطبائی کی ملاقاتوں کا تذکرہ حضرت والا نے اپنے ایک مکتوب ... بھی فرمایا ہے۔ دلچسپ و مفید اور معلومات افزا ہونے کی بنا پر جی چاہتا ہے کہ ... کو بعینہٖ یہاں نقل کر دیا جائے

"اس وقت ۷ ستمبر ۱۹۶۵ء کا والانامہ میرے سامنے موجود ہے جناب نے اس والانامہ میں ... دہ ذوق پرور بھی تحریر فرمایا تھا کہ آج کل جگر صاحب اپنا تازہ مجموعۂ کلام "النسیم جگر" ... انے کا انتظام کر رہے ہیں (پھر رائے بدل گئی اور یہ مجموعۂ کلام "آتش گل" کے ... سے شائع ہوا۔ "بار روئے آفتاب یا آفتاب روئے" والطلیفہ بھی جناب نے اس ... والانامہ میں تحریر فرمایا ہے۔ میں اس والانامہ کا جواب نہیں دے سکا۔ جس کے لئے میں ... ہت متاسف ہوں میں نے ندرت صاحب میرٹھی کا ایک شعر لکھا تھا۔

بگولے اس لئے منڈلا رہے ہیں میرے مدفن پر
کہ یہ دھبہ بھی کیوں باقی رہے صحرا کے دامن پر

اس سلسلہ میں جناب نے حضرت عزیز لکھنوی کا یہ شعر رقم فرمایا ہے ؎

بتا اے خالق ارض و سما کیا کام آئے گی
مری ہستی کہ اک دھبہ سا ہے دنیا کے دامن پر

مجھے میرٹھ میں ندرت صاحب سے شرف نیاز حاصل کرنے کا موقع ملا ہے "سادہ مزاج" اور "بے تکلف" انسان ہیں۔ اس کے بعد بارہا سہارنپور ملاقاتیں رہیں یہ جناب

سمجھتا ہوں کہ ان کے والد ماجد جناب مولانا شوکت میرٹھی کے متعلق بھی دو چار باتیں پڑھنے کی جناب کو زحمت دوں۔ مختلف حضرات سے سنا ہے کہ مولانا شوکت رامپور منھاران ضلع سہارنپور کے باشندے تھے، عموماً میرٹھ میں قیام رہتا تھا۔ مولانا نے دیوان غالب کی شرح بھی تحریر کی تھی۔ میں نے اس شرح سے اس وقت فائدہ اٹھانے کی سعی کی جب میرے ہوش و شعور کا ابتدائی زمانہ تھا۔ دیوان غالب کے متعلق سب سے پہلے میں نے اس شرح کو دیکھا تھا، پھر مجھے دو شرحوں کے مطالعہ کا موقع ملا۔ ایک مولانا طباطبائی کی دوسری مولانا الحاج حسرت موہانی کی۔ اول الذکر بزرگ سے میں نے حیدرآباد میں شرف نیاز حاصل کیا تھا۔ گفتگو سے معلوم ہوا تھا کہ وہ میرے خاندان کے بزرگوں سے واقف ہیں نظم صاحب نے فرمایا تھا کہ سب سے پہلے ہم نے دیوان غالب کی شرح کے لئے قلم اٹھایا تھا، اب تو بہت شارح پیدا ہو گئے ہیں۔ حسرت صاحب سے ایک مرتبہ بریلی میں، اور دوسری مرتبہ مکہ معظمہ میں ملاقات ہوئی تھی، لیکن ایسی ملاقات جس کو مشکل ہی عرف عام میں ملاقات کہا جا سکتا ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ حسرت صاحب نے اپنی شرح میں تحریر فرمایا ہے کہ مجھ کو مولانا شوکت صاحب کی شرح سے کم فائدہ ہوا اور نظم صاحب کی شرح سے زائد۔ میں نے مولانا شوکت کا شرح دیوان غالب ہی میں یہ اعلان دیکھا تھا کہ جو صاحب جس درجہ کا کلام بھیجیں گے اسی درجہ کی اصلاح دی جائے گی۔ کلام خواہ فارسی کا ہو خواہ اردو کا۔ میں نے مولانا کی اصلاحات کے متعلق بہت سنا ہے، اب جو محفوظ ہے، وہ جناب کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ جناب ذوق کا شعر ہے ؎

جانور جو ترے صدقے میں رہا ہوتا ہے
اے شہ حسن وہ اڑتے ہی ہما ہوتا ہے

مولانا نے تحریر فرمایا، یہ غلط ہے جانور کے عموم میں تو گائے، بیل، کتا اور بلی بھی آتے ہیں لیکن ان کو ہما سے کوئی نسبت نہیں، یقیناً انہوں نے یوں فرمایا ہوگا ؎

زاغ بھی گر ترے صدقے میں رہا ہوتا ہے
اے شہ حسن وہ اڑتے ہی ہما ہوتا ہے

"آب حیات" میں جناب آزاد نے جناب ذوق کو سپاہی زادہ تحریر کیا ہے لیکن صاحب "خم خانۂ جاوید" نے اس کی تردید کی ہے، میرے ایک دوست فرماتے ہیں کہ اس

اس اصلاح کے پیشِ نظر شاید زاغ سے بوم بہتر ہے۔

کس نیاید بزیرِ سایۂ بوم
ور ہما از جہاں شود معدوم

امیر احمد صاحب لکھنوی نے فرمایا تھا ؎

غضب داغ تو نے دیئے اے فلک
کلیجہ گلِ نیلوفر ہو گیا

مولانا شوکت نے فرمایا پہلے مصرع کو یوں بدل دیجئے ؎

غضب چٹکیاں ہیں تری اے فلک
کلیجہ گلِ نیلوفر ہو گیا

داغ صاحب نے فرمایا تھا ؎

لگا ہے سنگِ مقناطیس گویا ‏ جبیں اٹھتی نہیں اس آستاں سے

مولانا نے فرمایا مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے نہ کہ سر کی کھال کو۔
(میں نے داغ و امیر کے متعلق مختلف اہلِ قلم و اہلِ فن حضرات کے مضامین دیکھے ہیں اور ان دونوں نامور شاعروں کے مزارات کی بھی حیدرآباد میں زیارت کی ہے۔ شاید دونوں مزاروں کے درمیان دس بارہ گز کا فاصلہ ہوگا۔)

غالباً بیتاب شاہجہانپوری کا شعر ہے ؎

وہ بلبل خوش لہجہ ہوں مَیں کہ مرے نغمے ‏ ہیں جھومتے لگتے شجر کوئے محمدؐ

مولانا نے دوسرے مصرع میں تصرف فرما کر شعر کو اس طرح بنایا ؎

وہ بلبل خوش لہجہ ہوں سن کر مرے نغمے ‏ جھوما کئے برسوں شجر کوئے محمدؐ

میں نے جو سنا تھا وہ عرض کر دیا ہے۔

اسی مضمون کے مناسب ایک اور سنی ہوئی بات یاد آگئی۔ جناب آتش کا شعر ہے ک

ہر ایک دل میں پیارے ترا مقام نکلا ‏ تو ہم سے بھی زیادہ رسوائے عام نکلا

خواجہ وزیر نے فرمایا کہ جب دل میں مقام ہوا تو رسوائی کے کیا معنی؟ یوں ہونا چاہئے۔

ہر ایک کی زباں سے تیرا ہی نام نکلا ‏ تو ہم سے بھی زیادہ رسوائے عام نکلا

نیاز ناموں کی رسید کا انتظار رہے گا ‏ محمد اسعد اللہ

اس مکتوب گرامی سے شعراء سے ملاقاتوں کے علاوہ حضرت والا کا پاکیزہ ذوق وسیع معلومات، قوت حافظہ وغیرہ بہت سے امور پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ حضرت کا وہ دور تھا جبکہ "شعر و سخن" سے مکمل کنارہ کشی فرما چکے تھے۔

آمدم برسر مطلب۔ حضرت والا کو دہلی کئی بار نواب سراج احمد خاں سائل دہلوی داماد و جانشین حضرت داغ سے بھی شرف نیاز حاصل کرنے کا موقع ملا۔ حضرت والا اُن کی بزرگانہ اور مشفقانہ شخصیت سے بہت متاثر تھے اور سفر حیدرآباد میں حضرت والا کو اُستاذ نظام حضرت حافظ جلیل احمد صاحب جلیل سے بھی ملاقات کا موقع ملا دہلی میں علامہ سید حیدر علی طباطبائی (مذکور) شارح دیوان غالب کی خدمت میں بھی پہنچے تھے۔ اور جب علامہ کو یہ معلوم ہوا کہ آپ حضرت علامہ مفتی سعد اللہ صاحب کی اولاد میں سے ہیں تو فرمایا کہ اپنے آپ کو لکھنوی لکھا کرو، کیونکہ انتیس ۲۹ برس کے طویل عرصہ تک بیت آقا معین کے ساتھ مفتی صاحب کے وہاں قیام رہا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت والا کو ہندوستان کے اکثر مشہور و متعارف شعراء سے ملنے کا بھی اتفاق ہوا۔ اور غیر مشہور کاملین سے بھی آپ کی ملاقاتیں ہوئیں اور شعراء و ادباء کے ایک بڑے طبقہ سے حضرت والا کے خاص تعلقات اور مراسم بھی رہے ہیں جن میں مذکورہ بالا حضرات بھی شامل ہیں صرف عالم اسلام کے مشہور شاعر علامہ اقبال سے ملنے کا موقع نہ ہو سکا جس کا حضرت کو ہمیشہ افسوس رہا اکثر فرماتے تھے کہ میں مولوی فاضل کا امتحان دینے کے لئے لاہور گیا تھا اگر کوشش کرتا تو علامہ اقبال سے بھی نیاز و شرف ملاقات حاصل ہو سکتا تھا، مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوا۔

شاہ درویش سے تعلق۔ جناب حاجی زندہ حسن صاحب تائب کے توسط سے حضرت شاہ درویش احمد صاحب گنگوہی سے بھی اختلاف مسلک کے باوجود تعارف و تعلق تھا۔ شاہ صاحب عمر میں حضرت والا سے بہت زائد تھے لیکن وہ بھی حضرت والا کی بلند و پاکیزہ زندگی سے بہت متاثر تھے اور علمی و ادبی اور اخلاقی خصوصیات اور وسعتوں کی وجہ سے آپ کا بہت ہی احترام کرتے تھے۔ شاہ صاحب تصوف کے ان خانوادوں سے تعلق رکھتے تھے جن میں سماع کی محفلوں کی بنیاد پر ذوق شعر و شاعری نشو و نما پاتا۔۔۔ اور اُن کے ذہن و فکر میں رچ بس جاتا ہے، اس اشتراک ذوق و مناسبت باہمی نے دونوں کے تعلق کو

ستحکم اور مضبوط کر دیا تھا لیکن اس باہمی تعلق کی وجہ سے کبھی حضرت والا نے ایسے
رسیں اُن کی تائید کی نہ اُن میں شرکت فرمائی۔

حضرت والا کی ایک خصوصیت حضرت والا نے زندگی کا ایک بہت بڑا حصہ کفر و ارتداد علیبا
ئیت، رضاخانیت، شیعیت اور مشرقیت وغیرہ تمام فرقِ باطلہ وضالہ کی تردید میں سینہ سپر
گذارا ہے، آپ کے اندر باطل کے مقابلہ میں کبھی لچک محسوس نہیں کی گئی اس کے باوجود
کے بلند کردار اور اعلیٰ اخلاق سے مخالفین بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے بلکہ آپ سے محبت
لگتے اور آپ کے علم وادب اور اخلاق کی وجہ سے آپ کے اسقدر گرویدہ ہو جاتے کہ
ضرباش خدام کی صف میں نظر آتے تھے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ آپ کی خدمت میں جس طرح
ن مسلمان خادمانہ وعقیدت مندانہ حاضر ہوتے اسی طرح شیعہ، غیر مسلم وغیرہ بھی بڑی
رت ومحبت سے حاضر ہوتے اور حضرت والا ہر ایک کے ظرف کے مطابق نصیحتوں، وصیتوں
یر کے کلمات سے نوازتے تھے۔ اور وہ لوگ حضرت والا کی باتوں پر خوشدلی کے ساتھ
یلر ہوتے تھے جس کی نظائر انھیں اوراق میں موجود ہیں

ہر اور اوبار کا احترام حضرت والا بلاتفریق مذہب وملت سبھی کا درجہ بدرجہ
مراتب کے اعتبار سے احترام واکرام فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ
ب موقع پر ارشاد فرمایا کہ:۔

طرح مجھے اپنی حقیقی بیٹی کی عزت عزیز ہے بالکل اسی طرح اس کی بیٹی کی عزت عزیز ومحبوب ہے جس کو لوگ
ی،، سمجھتے ہیں،، ــــ انسانی رشتے اور بھائی چارگی کا جتنا لحاظ ہم نے حضرت کی بارگاہ میں
لاشبہ کسی اور جگہ نہیں پایا خصوصاً اہلِ کمال کا بدرجہ کمال احترام واکرام فرماتے تھے۔
ہیں سے ارباب شعر وادب بھی ہیں آپ ان کی دل سے قدر کرتے اور عزت افزائی و
ت افزائی فرماتے تھے۔ - - - - - - -

حضرت والا حضرت تسکین کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ

یہ بات میرے اختیار سے باہر ہے کیونکہ تقاضائے عقلی کی طرح طبعًا بھی
مجھے مخلص اصحاب کمال، اکابر واحباب کا غیب وشہود میں تحریرًا وتقریرًا
بہت زیادہ احترام ملحوظ رہتا ہے۔ (مکتوب نمبر ۴)

اور مکتوب میں ہے کہ "امید ہے کہ گزشتہ قسطیں ملاحظہ سامی سے مشرف ہو چکی ہوں گی

بسلسلۂ ماسبق عرض ہے کہ جناب کے اس نوالانامہ سے اتنا اثر ضرور ہوا کہ میں اس
گذشتہ درخواست کا اعادہ کرنے میں ایک خاص قسم کی جھجک محسوس کرتا ہوں۔ اس
میں اگرچہ ابھی کچھ گوشے ایسے رہ گئے ہیں جو بے نقاب نہیں ہوئے۔ لیکن اس اند
سے مبادا طبع والا پہ گرانی ہو اس کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ ایک مرتبہ حسرتی
نواب مصطفےٰ خاں صاحب کے مکان پر مشاعرہ ہوا غالب، مومن، مفتی صدرالدین وغیر
سب اس میں شریک تھے مرزا نے مصرعہ طرحہ کو مقطع میں تضمین کیا ؎

گفت بحکم حسرتی غالب خستہ ایں غزل
شادبہ ہیچ می شود طبع دنا سرشت ما

میں نے اس واقعہ کو مصرعۂ ثانی کی وجہ سے نقل کیا ہے۔ جناب کا بلند مزاج مجھ کو مجبور
ہے کہ میں عرفی کا یہ شعر بھی تحریر کرا دوں۔ الخ

ایک اور والا نامہ میں حضرت والاؒ لکھتے ہیں کہ :-

مومن کا مطلع ملاحظہ فرمائیے ؎

یہ عذر امتحان جذب دل کیسا نکل آیا
ہم الزام اُن کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

مومن ہی کا یہ شعر بھی ہے ؎

مرزا ہے مرنا ہمیں بس اب تو کہ اس نخط ترد کے نامہ برسے
کہا اگر سچ یہ حال ہوتا تو دفتر اتنا رقم نہ ہوتا

میں جسطرح تمام اساتذۂ فن کا احترام کرتا ہوں اسی طرح جناب مومن کا بھی خا
معتقد ہوں۔ مجھے ان کا یہ شعر بہت ہی پسند ہے جو انہوں نے اپنی محبوبہ کے مرثیہ
فرمایا ہے ؎

دل میں جگہ نہ ہونے کا کس سے گلہ کروں
وہ قدردانِ شکوۂ بیجا نہیں رہا

(میں نے لفظ "شکوہ" کا یہ املا، تقلیداً لکھا ہے) قدردانِ شکوۂ بیجا"
آغوش میں بے پناہ معنویت لئے ہوئے ہے۔ معشوق تو شکوہ سے گھبراتا ہے اور
تو کیا ہوگا۔ اور پھر "شکوۂ بیجا" کا، اس پر طرہ یہ کہ شکوۂ بیجا یہ تھا کہ د

لیکن وہ ہمارے گلہ و شکوہ کو مانتا تھا۔ اس کی نذر کرتا تھا، نباہ اور وفا کے وعدے کرتا تھا۔ ہماری دلجوئی میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھتا تھا، نظیری کا کیسا اچھا شعر ہے ؎

تا منفعل ز رنجش بیجا ببینمش — می آرم اعتراف گناہ نبودہ را

عشق کی جو معراج ہے کہ معشوق عاشق بن جائے وہ ہم کو حاصل تھی، جناب کی رائے اس شعر کے متعلق کیا ہے؟ مومن نے "مقاطع" میں جسقدر اپنے تخلص سے فائدہ اٹھایا شاید دوسرے شعراء کو ایسا موقع نہیں ملا۔

محمد اسعد اللہ اصحالتف اسعد (مکتوب ۱۵)

اس مکتوب سے جہاں حضرتِ والا کی بلندیٔ ذوق وغیرہ پر روشنی پڑتی ہے "اہلِ سخن" کی زبردست قدردانی بھی معلوم ہوتی ہے۔

اہلِ ادب کی خیرخواہی حضرتِ والا کا تعلق "اصحابِ شعروسخن سے صرف "شعروادب" کے رشتہ سے نہ تھا بلکہ اسی تعلق سے حضرتِ والا اس کی اصلاح پیش نظر رکھتے تھے۔ غیر مسلم حضرات کی دعوت و تبلیغ اور مسلمانوں کی تذکیر و تربیت کا یہ ایک اچھا طریقہ تھا۔ آپ نے اس راستہ سے بہت افادہ وانا فرمایا آپ اُن کی علمی، ادبی دینی اور دنیوی خیرخواہی میں کوشاں رہتے — مفید مشوروں سے نوازتے اور اُن میں اس دوستانہ انداز سے اخلاص و صدق نیت، دینداری و نابت پیدا کرنے کی پوری کوشش فرماتے تھے۔ لیکن اندازِ اصلاح و تبلیغ بڑا حکیمانہ ہوتا کیونکہ یہ طبقہ "واعظانہ انداز سے چونکتا اور "خشک ملائیت" وغیرہ کے القاب دیتا ہے، اس لئے آپ اُن کے ساتھ ادیبانہ دوستانہ اور حکیمانہ طرز اختیار فرماتے تھے۔ تسکین صاحب کو تحریر فرماتے ہیں۔

"مجھے جناب کے علمی ذوق سے بجا طور پر قوی امید ہے کہ لکھنؤ کے قیام سے علومِ عربیہ کی تحصیل میں بیش از بیش فائدہ اُٹھا رہے ہونگے اب تو غالباً مشافہۃً تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری ہوگا۔ آج کل کونسی کتابیں زیر مطالعہ ہیں۔ میری دلی خواہش ہے کہ میں اس سلسلہ میں جناب کی علمی ترقیات سے جلد مطلع ہوں۔ جگر صاحب کی

خدمت میں سلام و پیامِ شوق۔" (صحائف اسعد مکتوب نمبر ۳)
ایک اور والا نامہ میں موت و آخرت کی طرف اس انداز میں متوجہ فرماتے ہیں۔
"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ایک مرتبہ شیخ ابو الفضل نے اپنے والد ملا مبارک کو ایک خط میں لکھا تھا۔

سلامے چو اخلاقِ تو مشکبو — سلامے چو الفاظِ تو دُرفشاں

میں اس کے ساتھ ساتھ اپنے مخلص و محترم کو یہ بھی لکھتا ہوں ؎

سلامے چو نامِ تو تسکین دل — سلامے چو ذکرِ تو آرام جاں

حسب وعدہ مفصل عریضہ لکھنے والا تھا کہ ایک اندوہناک سانحہ پیش آگیا۔ میرے ایک دوست مشرقی پنجاب کے خونیں ہنگامہ میں مع اپنے برادر کے شہید کر دیئے گئے۔ میں اُن کی آگاہی حال کے لئے مدت سے منتظر تھا، حتیٰ کہ اخبارات اور ریڈیو پر بھی ان کے متعلق اعلانات شائع کئے گئے۔ تین چار یوم ہوئے یہ دل ہلا دینے والی خبر سنی، دماغ اس حادثہ سے بیحد متاثر ہوا۔ اس لئے یہ مختصر عریضہ ارسال کر رہا ہوں کہ جناب کو زحمتِ انتظار نہ ہو۔ مجھے جسقدر جناب سے ملاقات کا اشتیاق ہے وہ منت کشِ اظہار نہیں۔ حسبِ موقع خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب کا ایک شعر سنیئے۔ خوب کہا ہے ؎

بس اتنی سی حقیقت ہے فریبِ خوابِ ہستی کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

آجکل ہمارے طلبہ آپ کے اس شعر کو بہت زیادہ "داد و تحسین" کے ساتھ پڑھتے ہیں ؎

گدا کو بھی اہلِ کرم کم نہ سمجھیں
بہت کچھ دیا جس نے دل سے دعا دی

جگر صاحب کی خدمت میں اخلاص میں ڈوبا ہوا اسلام مسنون اور اُن کی بے پناہ غائبانہ ہمدردیوں کا دلی شکریہ۔ ابو الفضل کے ایک شعر سے مضمونِ عریضہ کا آغاز کیا تھا اور فیضی کے اس شعر پر ختم کرتا ہوں۔

اے سفر کردہ کہ از خاطرِ ما میگذری
ہیچ دانی کہ کجائی و کجا می گذری

(محمد اسعد اللہ صحیفہ نمبر ۱)

ں والا نامہ میں دیگر مفید اشارات کیساتھ مخاطب کو موت کی یاد کس عجیب حکیمانہ انداز میں
ئی اور دنیا سے بے رغبتی کی تعلیم کیسے عمدہ اسلوب سے دی گئی ہے۔ ایک اور مکتوب گرامی میں ہے کہ
"یہ بھی ایک دلکش اور لذت آفریں حقیقت ہے کہ کبھی کبھی تاویلوں کا تو ذکر کیا واقعی اعذار
ں کرنے سے بھی "اعترافِ جرم" و "اقرارِ خطا" کہیں زیادہ بامزہ، پُر لطف اور ادب و احتیاط کا
مع ہوتا ہے۔ ؎

گناہ گرچہ نبود اختیارِ ما حافظ ۔۔۔ تو در طریقِ ادب کوش و گو گناہِ من است
(حافظ)

تا منفعل ز رنجشِ بیجا نہ بینمش ۔۔۔ می آرم اعترافِ گناہِ نبودہ را
(صحائفِ اسعد مکتوب نمبر ۳) (نظیری)

ں مذکورہ عبارت میں مخاطبِ عاقل کو توبہ اور اس کی حکمت کی طرف کیسے عجیب حکیمانہ انداز
ں متوجہ فرمایا ہے۔ سبحان اللہ۔ ایک اور گرامی نامہ میں ہے۔ کہ:

"دو ملفوفِ گرامی یکے بعد دیگرے عزت بخش ہوئے، میں نے جنابِ والا کے والانامے کو، گرامی نامہ کو مزید بھی محفوظ رکھا۔ وجہ یہ تھی کہ میں اس وقت مدرسہ کے دفتر میں تھا جسطرح میرے لئے اس دفتر کو "دفترِ بے معنی" کہنا دشوار ہے، بالکل اسی طرح "بامعنی" کہنا بھی مشکل ہے ؎

دیکھا اسعد کو خلوت و جلوت میں بارہا ۔۔۔ دیوانہ گر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں

بلکہ واقعہ یہ ہے کہ بامعنی کہنا بے معنی کہنے سے دشوار تر ہے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ، "اخلاص و تصحیحِ نیت" کی دولت سے مالامال فرمائیں تو دفتر کی دیکھ بھال تکفیرِ سیئات کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ باقی میں کہاں اور یہ وبال کہاں" (والا نامہ)

ں گرامی نامہ میں اپنے مخاطب کو اخلاص و تصحیحِ نیت کی طرف کس عجیب طریقہ سے متوجہ
یا گیا ہے۔؟ ایک خط میں ارشاد ہے کہ

"مرزا غالب کے شعر، "حریفِ جوششِ دریا نہیں خود داریِ ساحل" الخ کے متعلق جناب
ستاد، لیکن اس قسم کے استفہام سے کس کا کلام پاک ہے؟ مجھ کو بہت زیادہ پسند آیا

ماشاء اللہ بہت ہی پُرمغز اور سنجیدہ بات ہے۔ میں اس بہترین جواب کے شریف و مہ
ماثر کو ظاہر نہیں کر سکتا۔ یہ اسقام اگر اسقام ہیں تو اسقام قولی اور اسقام شعری ہیں
سے کیا نقصان ہے۔ اگر اسقام بدنی ہوں تو وہ بھی بہت زیادہ وجہ تشویش نہیں۔ ا
اور واجب الاحتراز اسقام، اسقام قلب و روح ہیں۔ اگر روح پاکیزہ اور قلب
ہو تو ان اسقام کو بھی مفید بنایا جا سکتا ہے۔ (مکتوب نمبر ۲۵)

ملاحظہ فرمائیے کہ کس قدر حسنِ تدبیر، سلیقہ اور سوز دروں سے مکتوب الیہ کو
قلب و پاکیزگی روح کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔ ایک والانامہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ

"میں اچھا ہوں لیکن کیا اچھا ہوں، روح بیمار ہے دل بیمار ہے۔
مولانا فرماتے ہیں کہ: ع "نیست بیماری چو بیماریٔ دل"
مجھے تو یہی مصرع لکھنا مقصود تھا۔ اب پورا شعر لکھتا ہوں ؎

عاشقی پیداست از زاریٔ دل ۔ نیست بیماری چو بیماریٔ دل

(از مکتوب نمبر ۲۷)

ان چند نمونوں سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ شعرا اور ادبا سے
تعلق بھی اس گروہ کی تعلیم و تربیت اور بہی خواہی کے پیش نظر تھا۔ اور وہ اس طبقہ کی
اصلاح و تربیت بڑے سلیقہ اور حکیمانہ انداز سے فرماتے رہتے تھے۔ اور زبان و قلم،
توجہات سے ہر طرح ان کی تربیت و اصلاح کا خیال رکھتے تھے۔

شعر و ادب میں حضرت الاکابر کا مقام

مولانا محمد اللہ صاحب مدظلہ لکھتے ہیں کہ:۔
"شاعری بہت سے ماہرین فن کے نزدیک
منظوم کلام ہی سے متعلق نہیں بلکہ نثر میں بھی شاعری ہوتی ہے۔ حضرت والا" نظم پر پوری
قدرت و کامل مہارت کے ساتھ ساتھ نثر میں بھی مکمل قدرت و حذاقت رکھتے تھے۔ اس
ثبوت وہ خطوط ہیں جو حضرت والا نے حضرت تسکین قریشی کو مسلسل لکھے ہیں اور جن کو حضر
تسکین صاحب نے مکاتیب جگر کے ساتھ "صحائف اسعد" کے نام سے شائع کرا دیا تھا۔

مولانا عتیق احمد صاحب لکھتے ہیں کہ:

"مولانا کے تمام مکاتیب شعر و ادب، لغت و انشاء کے اسرار و رموز سے لبریز ہیں،

...ی ہے برجستگی بھی، زبان کی نزاکت و حلاوت ہے اور ادب کی چاشنی بھی ظاہری ...رنگ ہے اور سوزِ دروں کی آنچ، تفکر کی گہرائی بھی۔ میرے خیال میں اُردو ادب کے مکاتیب کا مقام "غالب کے خطوط" اور "غبارِ خاطر" کے برابر نہیں تو ان کے ...ر ضرور آ لگا ضرور ہے۔ اُردو کے قدیم و جدید لٹریچر اور ذخیرۂ اشعار پر مولانا کی ...ری اور وسیع ہے۔ موصوف اُردو ادب کے جدید رجحانات سے بھی اچھی طرح باخبر ... اپنی مستقل ایک رائے رکھتے تھے۔

آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ فارسی، عربی شعر و ادب پر مولانا کو اُردو سے کم دسترس نہ تھی۔ عربی زبان کی تدریس و مطالعہ میں تو انہوں نے عمرِ عزیز کا بڑا حصہ خرچ کیا ...لئے اس میں اُستادانہ مہارت زیادہ موجبِ حیرت نہیں۔ لیکن فارسی کے لٹریچر پر مولانا کی محققانہ اور ناقدانہ نظر ان کے وسیع و عمیق مطالعہ اور زبان ...سے فطری لگاؤ کا نتیجہ ہے۔ ہندوستان میں فارسی شعر و ادب کا ذوق تھوڑا اب بھی باقی ہے۔

حضرت کا مکتوب نمبرا ہے "السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ"

ایک مرتبہ ابو الفضل نے اپنے والد ملا مبارک کو ایک خط میں لکھا تھا ؎

سلامے چو اخلاق تو مشکبو   سلامے چو الطافِ تو در فشاں

...ن کے ساتھ ساتھ اپنے مخلص محترم کو یہ بھی لکھتا ہوں ؎

سلامے چو نامِ تو تسکینِ دل   سلامے چو ذکرِ تو آرامِ جاں

(ماہنامہ دارالعلوم دیوبند نومبر ۱۹۷۰ء)

...ت والا تسکین صاحب کو دلا ناموں میں اس قسم کے القاب منظوم بھی بے تکلف تحریر فرماتے تھے

صاحبِ علم و عقل و ذوقِ سلیم   مستحقِ کرامت و تکریم ما (ریا)

ناظمِ رنگیں خیال و ناثرِ شیریں مقال   مولوی تسکین صاحب مرجعِ اہلِ کمال

...شعار و عبارات کے نمونے بھی ان اوراق میں جا بجا آچکے ہیں جن کی آمد آپ ...ی بازکِ قلم پر بے تکلف ہوتی۔ اور آپ کا منظوم و منثور ہر قسم کا کلام تکلف ...سے برجستہ اور رواں زبان ہوتا تھا۔

حضرت والاؒ نے اپنی فراغت سے اگلے ہی سال جامعہ مظاہر علوم کے باونویں جلسہ میں ۲ رجب ۱۳۵۳ھ م ۱۵ مارچ ۱۹۳۴ء یکشنبہ کو حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحبؒ و حضرت مولانا تھانویؒ و دیگر اکابر کی موجودگی میں اپنا عربی کا ایک عمدہ مقالہ پڑھا جس میں حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب (م ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ) کے سانحہ ارتحال پر حزن و ملال کا اظہار تھا (تاریخ مظاہر جلد ۲ صفحہ ۱) اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو عربی ادب کا ذوق اور اس میں دلچسپی کیسا تھ مہارت عنفوان شباب ہی سے تھی، جیسا کہ سابقہ اوراق سے بھی یہ حقیقت عیاں ہو چکی ہے۔

مولانا محمد اللہ صاحب مد ظلہٗ لکھتے ہیں کہ حضرت والا کا مطالعہ شعر و سخن کے تمام اصناف پر مشتمل اور حاوی ہے تقریباً اردو کے سبھی حضرات اساتذہ متقدمین کا کلام دیکھا تھا عربی و فارسی ادب پر بھی حضرت کی نظر بہت وسیع و عمیق تھی عربی فارسی اور اردو کے ہزارہا اشعار حضرت والا کو ازبر تھے جن کو موقع بموقع اپنے تلامذہ و خدام کے سامنے پڑھتے تھے اور حاضرین مجلس کو سنا کر مجلس کو گرما دیتے تھے حضرت والا کو مثنوی شریف کے بھی بہت سے حصے محفوظ تھے۔ اور حق تعالیٰ نے حضرت والا کو ذہن رسا کے ساتھ ساتھ عجیب و غریب قوت حافظہ بھی عنایت فرمائی تھی۔

صحائف اسعد کے مقدمہ میں حضرت تسکینؔ رقمطراز ہیں کہ :-

" مجموعۂ خطوط کے اس حصہ (صحائف اسعد اردو) میں مخدومی محترمی جناب الحاج مولانا اسعد اللہ صاحب قبلہ مد ظلہٗ کے مکاتیب عالیہ نقل کئے جاتے ہیں۔ جناب مولانا آج کل سہارنپور کے مشہور و معروف قدیم جامعہ مظاہر علوم کے ناظم ہیں، موصوف کی زندگی اس درسگاہ کی چار دیواری کے اندر درس و تدریس اور گوشہ نشینی میں گذر رہی ہے میں جناب مولانا کا دیرینہ عقیدت گذار اور نیاز مند ہوں اس لئے موصوف کے تبحر علمی اور مکارم اخلاق کو تفصیلاً قلم بند کرنا " چھوٹا منہ بڑی بات" ہونے کے علاوہ یوں بھی غیر ضروری سا ہے کہ ان مکاتیب کا مقصد ترتیب مناقب نگاری نہیں۔ بمصداق " مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید" جہاں مولانا کے کمالات علمی اور فضائل اخلاق کے گہرے نقوش ان خطوط میں نمایاں ہیں وہیں یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ موصوف ایک بلند پایہ ادیب و شاعر ہیں۔ اگرچہ ۲۰-۲۵ سال سے شعر و سخن ترک فرما چکے ہیں، لیکن شعر و ادب کے متعلق موصوف کی پاکیزگی ذوق کا

معیار، نکتہ گوئی و نکتہ سنجی اور ادبی لطائف و ظرائف کے نادر و دلکش نمونے ان مکتوبات میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔

آجکل عام خیال ہے کہ قدیم عربی و دینی مدارس کے ماحول میں ذوقِ شعری کی گنجائش بہت ہی کم ہے، درجۂ عموم تک تو میں بھی اس رائے سے متفق ہوں لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس خشک اور زاہدانہ ماحول میں "سخن داں و سخن شناس" حضرات کی کمی نہیں۔ لیکن یہ حضرات "شعر و سخن" سے اس لئے زیادہ دلچسپی نہیں رکھتے کہ اس فن کو علومِ دینیہ کے مقابلہ میں ناقابلِ اعتنا سمجھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ شعری و ادبی دنیا ایسے حضرات سے غیر متعارف ہے (مقدمہ صحائف اسلاف)

زبان و املاکی تصحیح کا اہتمام

زبانِ عربی کیونکہ کتاب اللہ، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اہلِ جنت کی زبان ہے اس سے شغف اور عشق تو ظاہر ہے کہ ایمان کا تقاضا ہے۔ اسی لئے حضرت والا کو عربی ادب سے بے پناہ عشق و شغف۔ اور انتہائی لگن تھی۔ لیکن زبانِ اُردو بھی چونکہ مادری زبان ہے اس لئے حضرت والا کو اس سے بھی بے حد محبت تھی، آپ کی زبان مبارک سے جو لفظ نکلتا صحیح نکلتا کبھی کوئی غلط لفظ نہ بولتے اور نہ لکھتے، آپ کی دلی خواہش تھی کہ سب لوگ صحیح بولیں اور صحیح لکھیں۔ جامعہ مظاہر علوم کے اساتذۂ کرام آپ کی زبان کو حجت ثابتہ سمجھتے۔ ایک مرتبہ کسی غلط لفظ کے سلسلہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحؒ کے یہاں بحث تھی حضرت شیخ الحدیث نے فرمایا کہ یہ دیکھو حضرت ناظم صاحب رحؒ اس کو کس طرح بولتے ہیں جو وہ بولتے ہیں بس وہی درست ہے۔ جو لوگ آپ کی بارگاہ میں اردو غلط بولتے آپ کو اس سے تکلیف ہوتی۔ آپ اس کی تصحیح و اصلاح فرما دیتے تھے۔ اگر کوئی غلط سلط بولنے والا دیہاتی یا بنگالی . . . بات کرتا تو آپ کو اس سے بہت تکلیف ہوتی اور آپ اس کو ضبط و برداشت کرتے۔ مطبخ میں ایک ملازم تھے ملا بشارت مرحوم وہ دیہاتی زبان بولتے تھے۔ حضرت فرماتے بس بھائی بس اب خاموش ہو جاؤ پھر کسی سے معلوم فرماتے انہوں نے کیا کہا ہے ذرا ان کے مطلب کو سمجھ کر مجھے بتاؤ چنانچہ ایسا ہوتا اور آپ اُن کی درخواست یا شکایت کے مطلب کو پورا فرماتے۔

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ مسلسل اگر کوئی غلط بولتا تو تکلیف کی وجہ سے آپ کے آنسو نکل آتے (کیونکہ حضرت والا بے حد نازک مزاج بھی تھے۔) اپنے خدام و تلامذہ سے فرماتے "اردو پر ظلم نہ کرو۔ یہ میری زبان ہے" اکثر فرمایا کرتے تھے ؎

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

حضرت والا چونکہ اپنے دور کے ممتاز محدث، یکتا مفسر، مشہور مناظر اور عظیم الشان شیخ طریقت تھے اس لئے ملک و بیرون ملک سے تلامذہ، مریدین، متوسلین متعلقین اور معتقدین کے خطوط بکثرت آپ کے پاس آتے تھے۔ بہت سے ادب آموز اور شعراء بھی آپ سے مراسلت کا سلسلہ رکھتے تھے، آپ ان خطوط کے جوابات میں زبان و املا کی غلطیوں کی بھی نشاندہی فرماتے اور زبانی نیز تحریری طور پر اپنے شاگردوں، مریدوں، اور متعلقین کو زبان و تحریر کی صحت و سلاست اور پاکیزگی و فصاحت کی ترغیب و ہدایت فرماتے۔ تحریر اور دستخط کے متعلق فرماتے کہ دونوں چیزیں اس انداز کی صاف۔ ستھری ہونی چاہئیں کہ بے تکلف پڑھی جا سکیں۔ اسی طرح گفتگو بھی ایسی آواز کے ساتھ ------- ہونی چاہیئے کہ مخاطب کو دوبارہ دریافت کرنے کی زحمت نہ ہو۔ جو آنے والا اپنا پورا تعارف آمد کا مقصد اور نظام صاف اور مختصر لفظوں میں بیان کر دیتا تو آپ اس سے بہت مسرور ہوتے اس سے محبت فرماتے اور دعائیں دیتے تھے۔

اسی طرح عمدہ صاف اور واضح تحریر کو بہت پسند فرماتے تھے۔ مولانا عبدالقیوم صاحب بستوی لکھتے ہیں کہ:

"حضرت والا کو اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں دستگاہ کامل حاصل تھی۔ "شعر و ادب" کا ایسا بلند و پاکیزہ ذوق آپ کو ملا تھا کہ مدرسہ کی چہار دیواری میں کسی ایسی باکمال و با ذوق شخصیت کی مثال ملنی مشکل ہے۔ خلوت و جلوت میں ہمیشہ فصیح اور ٹکسالی اردو میں گفتگو فرماتے تھے۔ تقریر کے وقت ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ

دہنِ مبارک سے پھول جھڑ رہے ہیں۔ ہمیشہ کوثر و تسنیم سے دُھلی ہوئی زبان میں گفتگو فرماتے تھے۔ اور بالکل نپے تلے جملے استعمال فرماتے تھے۔ ہم پورب کے رہنے والے اکثر غلط اردو بولتے اور لکھتے اور حضرتِ والا برابر اصلاح فرماتے رہتے تھے۔

انڈے دینے کا قصہ :۔ ایک مرتبہ حضرتِ والاؒ دار الطالبہ کے صحن میں موسم سرما میں لحاف اوڑھ کر دھوپ میں لیٹے تھے ایک مولوی صاحب لفافہ میں کچھ انڈے لے کر آئے۔ حضرتِ والاؒ نے اُن سے کچھ آہستہ سے فرمایا۔ مولوی صاحب نے انڈوں کا لفافہ ہاتھ میں لیا اور مجھ سے فرمایا کہ حضرت کے گھر جا رہا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرتِ والاؒ نے مجھ (مولانا عبد القیوم) سے اُن کے بارے میں پوچھا کہ وہ کہاں گئے؟ ناکارہ نے عرض کیا "انڈے دینے گھر گئے ہیں"۔ اس وقت تو حضرتِ والاؒ مسکرا کر خاموش ہو گئے، لیکن جب مولوی صاحب واپس آ گئے تو اُن سے مزاحاً فرمایا کہ "مولوی صاحب آپ انڈے دیتے ہیں یا دودھ بھی"، اس کے بعد میری طرف دیکھ کر فرمایا "لاحول ولا قوۃ الا باللہ آپ نے کیا غلط محاورہ استعمال کیا" انڈے دینے گئے ہیں"، یہ صحیح نہیں، بلکہ یہ کہنا چاہیئے "انڈے پہنچانے گئے ہیں"۔

ایک مرتبہ یہ ناکارہ حضرتِ والاؒ کے پاس مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ مسجد کی چٹائی سے ایک کھٹمل نکلا حضرتِ والاؒ نے میری طرف اشارہ فرمایا۔ میری بدذوقی اور بدفہمی تھی کہ میں نے کھٹمل کو مسجد کے فرش پر ہی جھٹ مَل دیا، کھٹمل کا خون فرش پر لگ گیا۔ حضرتِ والاؒ نے فرمایا آپ نے مسجد کے فرش کو آلودہ کر دیا۔ ناکارہ نے عرض کیا حضرت! کیا کھٹمل کا خون ناپاک ہوتا ہے۔ حضرتِ والاؒ نے فرمایا کہ کیا ناپاکی ہی سے آلودگی ہوتی ہے" اس وقت میں حضرتِ والاؒ کے جملہ کی معنویت و جامعیت کو سمجھا۔ ناکارہ نے ایک عریضہ میں لکھا تھا کہ گرامی نامہ نے عزت بخشا تھا، جواب میں حضرتِ والاؒ نے اصلاح فرمائی کہ "بخشی تھی" اور لکھا کہ ایسے موقع پر فعل متعدی اور دونوں تذکیراً و تانیثاً مفعول کے تابع ہوتا ہے مثلاً گرامی نامہ نے افتخار بخشا، عزت بخشی، ہم لوگ اکثر غلط زبان استعمال کرتے تو حضرتِ والاؒ فرماتے کہ لوگ اُردو مٹانے کی کوشش بلاوجہ کر رہے ہیں، تم لوگوں کے سپرد ہو گی تو یہ بیچاری خود ہی مٹ جائے گی۔" اپنی بدذوقی و بداستعدادی کے باوجود حضرتِ والاؒ کی

کی مجلس میں ادبی ماحول کی وجہ سے ہمارے ذوق میں بھی تھوڑا بہت نکھار آہی گیا تھا کہ "میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے"۔ چنانچہ اس ناکارہ نے بھی کئی نظمیں لکھیں اور بعض کو حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی پیش کرکے اصلاح چاہی۔ حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ نے اصلاح بھی دی اور ہمت افزائی بھی فرمائی۔ ایک مرتبہ میری ایک نعت ماہنامہ "نظام" کانپور میں چھپی تو حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے خط لکھا اور مبارکباد دی۔ ایک مرتبہ یہ داعیہ پیدا ہوا کہ حضرتِ والا کی خدمت میں منظوم عریضہ ارسال کروں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل خط خدمتِ گرامی میں ارسال کیا

جامع المعقول والمنقول ہر فن کے امام
پیش کرتا ہوں بصد آداب خدمت میں سلام

آج میری شامِ غم صبحِ مسرت ہو گئی
آپ کا مکتوب آیا دل کو راحت ہو گئی

بندۂ ناچیز پر چشمِ عنایت ہو گئی
رشکِ مہر و ماہ اک ذرہ کی قسمت ہو گئی

آگیا مکتوب بن کر باعثِ آرامِ جاں
دل کو اطمینان آنکھوں کو طراوت ہو گئی

آپ کی تحریر پُر تنویر ہے پیشِ نظر
نور سے معمور ہوں کافور ظلمت ہو گئی

عید ہو جائے گی میری طالبِ صحت ہوں میں
جوں ہی آئیگی خبر آپ کو صحت ہو گئی

میں ہر اک معمول پابندی سے کرتا ہوں ادا
شکر ہے اللہ کا حاصل یہ دولت ہو گئی

شب کو توبہ اور استغفار بھی کرتا ہوں میں
شومئ اعمال سے جب کوئی زلت ہو گئی

عمر گذری ہے اسی گتھی کو سلجھاتے ہوئے
توبہ کرکے توڑ دینا میری عادت ہو گئی

کر گذرتا ہوں کبھی میں حکمِ مولیٰ کے خلاف
کسقدر بیباک افسوس میری طبیعت ہو گئی

میں یہ سمجھوں گا کہ ہفت اقلیم مجھ کو مل گئیں
نفسِ امّارہ پہ گر میری حکومت ہو گئی

پھر تو ہو جائیں گی میری راہ میں آسانیاں
نفسِ بد ہی سے اگر مجھ کو عداوت ہو گئی

آپ کے رندوں سے بھی کی نفس نے اُف چھیڑ چھاڑ
اس رقیبِ روسیہ کی اتنی جرأت ہو گئی

لا پلا ساقی مجھے وہ شے کہ ہمت ہو جواں
جب ہوئی ہمت جواں اسکو ہزیمت ہو گئی

جاں بلب ہوں میرے ساقی مجھ پہ بھی کوئی نظر
میری تشنہ کامیوں کو ایک مدت ہو گئی

کیوں نہ وہ ذرہ بنے رشکِ نجوم و ماہتاب
جس پہ آقا آپ کی چشمِ عنایت ہو گئی

مل گیا ہادی مجھے کتنا شفیق و مہرباں
راہ طے کرنے میں اب کتنی سہولت ہو گئی

سعدی ہو جائے گا اک دن سعید و نیکخو
گر میسر حضرتِ والا کی صحبت ہو گئی

رہا ہوں دل میں ہر دم ایک پاکیزہ خلش
اپنے آقا سے مجھے شاید محبت ہو گئی

لی آقا نے مری "نذرِ محبت" گر قبول
اُن کو کیا حاصل مگر خادم کی عزت ہو گئی

آپ کی ذرّہ نوازی وجہِ بہجت ہو گئی
صد سپاس صد شکر دل کو راحت ہو گئی

آپ کے لطف و کرم کا میں بہت ممنون ہوں
شاکرِ عاصی کی گردن زیرِ منت ہو گئی

یہ عریضہ بس دعا کی التجا پر ختم ہے
جو تمنا تھی دلی عرضِ خدمت ہو گئی

بھائیوں سے اور آپا جان سے میرا سلام
اُن سے بھی جن کا لکھا کرتا تھا میں ہر خط میں نام

حضرتِ والا نے اس عریضہ کا جواب باظہارِ مسرت دیا اور حسبِ عادت اصلاحات و ہمت افزائی سے نوازا۔

چند اصلاحی نمونے: مولانائے موصوف کے خطوط سے چند اصلاحی نمونے اور پیش کئے جاتے ہیں۔

اغلاط	اصلاح
آپ کے علالت ہے	علالت یعنی مرض غلط ہے (علالت مونث ہے)
میرے اندر تقویت پیدا فرما دیں	ء قوت
ایک جوارش دیا ہے	ء جوارش دی ہے۔ جوارش مونث ہے
جیوں جیوں استغنیٰ	ء جوں جوں استغنا
نسبتاً	ء نسبتہ
نزلاوی کیفیت	ء نزلوی، نزلی
بہت سی باتیں غیر ضروری تحریر کر دیا	ء کر دیں۔ اردو کا لحاظ رکھا کریں۔

حاصل یہ ہے کہ آپ اصلاحِ حال بھی فرماتے اور اصلاحِ قال بھی اور تحریر کی صحت کا بھی۔ ایک والا نامہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ

"علامہ سیماب نے اپنی مشہور نظم "موحدِ اعظم مِنْ اَعُوذُ بِاللّٰہ" تحریر فرمایا ہے غالباً یہ سہو ہے۔ اسی نظم میں ایک جگہ ہے "سرشتا" یہ بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اس

ترکیب سے صرف عربی الفاظ آتے ہیں جیسے عقلاً، نقلاً، وقتاً فوقتاً، فطرۃً، نسبتاً قیمتاً وغیرہ فارسی، اردو اور دوسری زبانوں کے الفاظ میں یہ ترکیب جاری نہیں ہوتی اور سرشت فارسی لفظ ہے جس طرح عقلاً اور وقتاً فوقتاً کی جگہ خرداً اور ہنگاماً ہنگاماً غلط ہے بالکل اسی طرح "فطرۃً" کی بجائے سرشتاً غلط ہے۔ یہ دونوں باتیں میں نے حافظ کی مدد سے لکھی ہیں۔ مدت ہوئی جب اس نظم کے دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا اس وقت تو بہت سے امور "موضوعِ نظم" کے متعلق قلب میں کھٹکے تھے۔ موضوعِ نظم کے متعلق دلائل و براہین کی روشنی میں اب تک تحقیق کیا تھا وہی عقیدہ ہے جو ایک قدامت پسند کٹھ "ملّا" کا ہونا چاہیئے۔ یکم جولائی ۱۹۴۷ء کے رسالہ "آجکل" میں امین حزیں صاحب سیالکوٹی کی دو غزلیں شائع ہوئی ہیں۔ مقطع میں ارشاد فرماتے ہیں ؎

نگاہِ عشق رہتی ہے امیںؔ امروز و فردا پر
محبت کے لغت میں دوش ہے تکوینِ پارینہ

غالباً "تقویمِ پارینہ" کی مسخ شدہ شکل ہے۔ بہت ممکن ہے کاتب صاحب کی عنایت ہو۔ کسی صاحب کا شعر ہے ؎

رہرو راہِ محبت کا خدا حافظ ہے
اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں

اور شعرا کے کلام میں بھی "رہرو راہِ اخلاق" دیکھا گیا ہے۔ مجھے اس پر اشکال ہے کیونکہ لفظ "راہ" بلاوجہ مکرر رہ جاتا ہے۔ اس کی اردو نثر یہ ہوئی کہ "اے محبت کے راستہ کے راستہ چلنے والے"۔ میرے خیال میں "راہ" کے ساتھ اگر وزن پورا کرنے کے لئے "رہرو" کی ضرورت ہو تو "سالک" لکھنا چاہیئے۔ جناب کی رائے گرامی درکار ہے

(از مکتوب نمبر ۹)

حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ برکت، حرکت، عظمت کی راء اور ظاء کو فتحہ کے ساتھ پڑھنا صحیح ہے سکون کے ساتھ غلط ہے۔ اسی طرح موقع کے قاف اور لفظ مقصد کے صاد کو بالکسر پڑھنا اور بولنا چاہیئے نہ کہ بالفتح۔ نیز فرماتے تھے کہ لفظ "جہالت" میں جیم پر فتحہ ہے بالکسر بولنا جہالت ہے۔ اسی طرح شکوہ ہا کے ساتھ لکھنا غلط ہے۔ لفظ شکویٰ الف مقصورہ کے ساتھ ہے وغیرہ وغیرہ

ایک مکتوب میں ارشاد ہے کہ:۔

"اوّلاً سالِ نَو کی مبارکباد پیش کرتا ہوں، پروردگارِ عالم جناب کو اور جناب کے جملہ متعلقین کو تمام بلیات سے محفوظ و مصئون رکھے (میں نے لفظ مصئون کو قصداً بلا ہمزہ لکھوایا ہے کیونکہ "مصئون" ہمزہ کے ساتھ بالکل غلط ہے (مکتوب نمبر ۱۳)

لطائف وظرائف:۔ ہمہ وقت مصروفیت، گوناگوں مشاغل اور ہر آن ذکر و فکر میں انہماک کے باوجود خندہ پیشانی، نکتہ گوئی، بذلہ سنجی آپ کی عادتِ ثانیہ و فطرتِ ثابتہ تھی۔ آپ مجلس و مراسلت میں مخاطب کی رعایت سے اس کے مزاج و طبیعت اور استعداد و لیاقت کے لحاظ سے خطاب فرماتے۔ آپ کی گفتگو و تحریر دونوں پہلوؤں میں عبرت و نصیحت، علم و معرفت، سنجیدگی و سلاست اور طراوت و فصاحت کے ساتھ ساتھ خوش طبعی و ظرافت کی نمکینی اور کیف و فرحت کی چاشنی بھی ہوتی تھی، آپ جو کچھ بھی لکھتے یا بولتے اسکو پہلے عقل و شرع کی میزان میں تولتے تھے۔ آپ ظرافت اور خوش مزاجی کے انداز میں بڑے بڑے حقائق و اسرار سے مخاطب کو مالا مال فرماتے۔ کیف آفرین و نشاط انگیز گفتگو کے ذریعہ آپ اپنے ہم نشینوں کے دلوں کو موہ لیتے اور اس کو سعید ہدایات قبول کر لینے کے لئے آمادہ فرما لیتے تھے۔ ذیل میں ہم اس کے چند نمونے پیش کرتے ہیں۔ اوّلاً آپ کا ایک مکتوب گرامی ملاحظہ کیجئے جو آپ کے ذوق و انتقادِ طبع کا آئینہ دار ہے۔

سلامے ہمچو آبِ زندگانی سلامے خوشتر از عہدِ جوانی

سلامے چوں نویدِ شادمانی سلامے چوں امیدِ کامرانی

عافیت خواہ مزاجِ سامی کو بحمدہ تعالیٰ اب وہ عافیت حاصل ہے جو اس خاص زمانہ اور مخصوص ماحول میں حاصل ہو سکتی ہے، میں ایک پراگندہ حال قوم کا فرد ہونے کے بجائے خود مستقل طور پر منتشر الخیال، پراگندہ دل اور پریشان روزگار انسان ہوں اس لئے لازمی طور پر میرے عریضہ کے اجزا باہم مرتبط نہ ہونے چاہئیں۔ امید ہے کہ میری اس کمزوری پر نظر نہیں فرمائی جائے گی، معمولی مناسبت سے مرزا غالب کا یہ شعر یاد آ گیا ؎

وہ مری چینِ جبیں سے غمِ پنہاں سمجھا
رازِ مکتوب بہ بے ربطیِ عنواں سمجھا

عنوان کے لفظ سے حسرت صاحب کا مطلع بھی زبانِ قلم پر آ گیا ؎

شکوۂ جور جو ہم سے کسی عنوان نہ ہوا
حشر میں بھی وہ جفا کار پشیماں نہ ہوا

اوّل تو مجھے پہلے ہی سے بہکنے کی عادت ہے اور اس عریضہ میں خصوصیت مخاطب کی وجہ سے زیادہ بہک رہا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس زمانۂ قحط الرجال میں مخاطب صحیح کا ملنا عنقائے مغرب سے کم نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب مجھے کوئی مخاطب صحیح مل جاتا ہے تو میں اس کو عموماً زبان و قلم سے کافی پریشان کرنے کی کامیاب کوشش کرتا ہوں۔ مجھے جناب کے علمی ذوق سے بجا طور پر توی امید ہے کہ لکھنؤ کے قیام سے علوم عربیہ کی تحقیق میں بیش از بیش فائدہ اٹھائے ہونگے۔ الخ۔ (مکتوب نمبر ۳)

(۱) "گلستاں کے باب پنجم میں شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے ایک حکایت کا آغاز ان الفاظ میں کیا ہے۔ "یاد دارم کہ در ایام جوانی چنانکہ افتد و دانی گذر داشتم در کوئے و نظر بر روئے" حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی فرماتے تھے کہ بعض ایرانی نژاد اس عبارت کو پڑھ پڑھ کر وجد کرتے اور جھومتے تھے۔

آں محترم یقین فرمائیں کہ تقریباً تمام والا نامہ نے یہی وجد آور اور مسحور کن کیفیت پیدا فرمائی۔ میرے لئے اب صرف یہ چارہ کار رہ جاتا ہے کہ جناب ہی کے الفاظ کا اعادہ کروں غالباً اس موقع پر مندرجہ ذیل واقعات کا اجمالی تذکرہ بے محل نہ ہوگا۔

سہارنپور کے ایک بزم مشاعرہ میں جو نواب عادل خانصاحب کے یہاں اب سے کم و بیش پچیس سال قبل منعقد ہوئی تھی بد قسمتی سے احقر بھی شریک ہوا تھا۔ دو پارٹیاں نبرد آزما تھیں۔ کھلم کھلا ایک دوسرے پر حملے اور چوٹیں ہو رہی تھیں سب بے تکلف نا موزوں فقرے کسے جا رہے تھے کہ ایک صاحب نے اسی ہنگامۂ کارزار میں یہ مصرع پڑھا۔

پڑھنے کا جب مزہ ہے کہ اپنا کلام ہو

دوسری پارٹی کے ایک کسی قدر سنجیدہ فرد نے مخصوص لہجے میں اور خاص جنبش چشم و ابرو کے ساتھ اسی مصرع کا اعادہ کر دیا۔ کہ جی ہاں "پڑھنے کا جب مزہ ہے کہ اپنا کلام ہو"۔

(۲) تھانہ بھون میں ایک مرتبہ خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب تشریف فرما تھے ہم لوگ اُن کو عام طور پر "خواجہ صاحب" کہا کرتے تھے ان کے ایک بہت بے تکلف دوست نے ایک خاص مجمع میں اُن کو ان لفظوں سے خطاب کیا "خوجہ صاحب، خوجہ صاحب"

راجہ صاحب نے بیساختہ فرمایا "الف کہاں کھاگئے" یہ آخری زائد محض حاضرجوابی اور کھانہ کھانے کی مناسبت سے نقل کر دیا گیا۔

(۳) جناب نے جگر صاحب کے تذکرہ میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے۔ "اکثر فرماتے ہیں میری زندگی مسلسل بدعملی اور بے عملی میں اتنی زیادہ بسر ہوئی ہے کہ کوئی مستقل طور پر نہیں سکتا،، جگر صاحب کا یہ قول اُن کے ایک اچھے اور مستحسن صلاحیتوں والے انسان ہونے کا ثبوت ہے مگر باوجود اس کے مجھے موصوف کی یاس وقنوط سے اختلاف ہے جس شخص کے احساسات اس قدر بیدار ہوں اور وہ قدرت کی تربیت وامداد سے مایوس ہو جائے سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ میں دعویٰ سے عرض کرتا ہوں کہ جگر صاحب نہ صرف یہ کہ ہر کام مستقل طور پر انجام دے سکتے ہیں بلکہ قابل تقلید طریقہ پر باحسن وجوہ ایک مثالی کام فرما سکتے ہیں ؎

وہ کونسا عقدہ ہے جو وا ہو نہیں سکتا — ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد — اگر خارے بود گلدستہ گردد

عشق کی دشواریوں نے کر دیا کامل مجھے
اب کوئی مشکل نظر آتی نہیں مشکل مجھے

یہ شعر میرا ہی کہا ہوا ہے۔ جگر صاحب اس کا تو انکار نہیں فرما سکتے کہ ان میں استقلال کا کافی مادہ ہے ورنہ بقول ان کے مسلسل بے عملی کیسے استقلال ہوتا اب استقلال کی ایک دوسری جانب موڑ دیں۔ صرف اتنا کام کیا مشکل ہے" دل پا در" کی حاجت ہے ہاں غالباً ذہنی تربیت وتصور کے ساتھ ساتھ ایسی صحبت کی بھی قدرے ضرورت ہے جس میں استقلال مطلوب عملاً ہو۔ مجھے احساس ہے کہ ان الفاظ کی نگارش میں اپنے حدود سے بڑھ گیا ہوں معاف فرمایا جائے مگر میرے اخلاص وصدق نیت پر کوئی شبہ نہ کیا جائے۔

اب بسلسلہ تفریحات لکھتا ہوں (۴) کسی رسالہ میں نارسی کا یہ شعر نظر سے گذرا۔

یارم سحانہ آمد وجام شراب بخست
در حیرتم کہ صبح دمید آفتاب منیست

مجھے اچھا معلوم ہوا جناب کی ضیافت طبع کے لئے لکھا گیا ہے اس سلسلہ میں تین شعر درج کرتا ہوں جو مجھ کو نہ معلوم کب سے یاد ہیں ؎

آں شوخ سرخ جامہ سوار سمند شد
یاراں حذر کنید کہ آتش بلند شد۔ — لا اعلم

بگولے اس لئے منڈلا رہے ہیں میرے مدفن پر
کہ یہ دھبا کبھی کیوں باقی رہے صحرا کے دامن پر — (ندرت میرٹھی)

یہ بھی واقعہ ہے جگر ہو گیا دو نیم
یہ بھی ہے سچ کہ ان کی نظر تھی چھری نہ تھی — (ندرت)

مجھے ان چاروں شعروں میں شعر اول نسبتاً بہتر معلوم ہوتا ہے (از مکتوب نمبر ۱)

(۵) سردی تو گویا شباب پر آگئی، یہ لکھواتے وقت ادھر میری زبان پر لفظ سردی آیا ادھر جناب کے "آفتاب ؎۵ رو" والے لطیفے کا خیال آگیا اور اس سلسلہ میں کئی لطیفے یاد آگئے۔ کم و بیش پندرہ سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ ایک صاحب نے داد طلب لہجے میں مجھ سے فرمایا کہ "آج ثابت ہوا کہ جناب جامی کانے تھے" میں نے سادگی سے عرض کیا کہ کیا کسی تاریخ میں لکھا ہے؟ فرمایا کہ ان کے ایک شعر سے معلوم ہوتا ہے ؎

پرسی کہ کرا خواہم از خیل بتاں جامی
چشمے است مرا آخر غیر از تو کرا خواہم

دیکھئے "چشمے است" فرمایا ہے جس میں یائے وحدت ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ وہ یک چشم تھے۔ میں نے یہ سن کر ان کی شان میں نثر میں ایک معقول سا قصیدہ پڑھا۔ (از مکتوب نمبر ۱۲)

؎۵ سہارن پور میں موسم سرما کبھی کبھی شدت اختیار کر لیتا ہے اسی زمانہ کا ذکر ہے کہ ایک ذی علم ڈاکٹر بزرگ نے مجھے فارسی کا ایک شعر سنایا افسوس کہ اس وقت پہلا مصرع بالکل بھول رہا ہوں مگر اس کا مفہوم یہ تھا کہ سردی کی شدت کو دو چیزیں دور کر دیتی ہیں یعنی (مصرع ثانی) یار روئے آفتاب یا آفتاب روئے میں نے فوراً عرض کیا کہ اس مصرع میں "آفتاب رو" بہت معنی خیز ترکیب ہے اس سے کھلی ہوئی مراد تو "نگار آتشیں رخ" ہے۔ لیکن اس کے علاوہ قدیم زمانہ میں ایک قسم کی گول آفتاب نما "انگیٹھی" ایران میں بہت مستعمل تھی اور اس کو "آفتاب رو" کہتے تھے۔ انھوں نے بہت حیرت کا اظہار کیا اور فرمایا "واقعی یہ تحقیق میرے علم میں نہ تھی" میں نے یہ لطیفہ مولانا کو بھی سنایا تھا اور پھر لکھ کر بھی بھیجا تھا۔
(مکتوب نمبر ۴، تسلیمی)

(۶) میں نے ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی سے سنا تھا کہ ایک صاحب
کسی رئیس کے دروازے پر زنجیر ہلائی، ملازم باہر آیا اور نام پوچھ کر اندر چلا گیا، آقا نے
دریافت کیا، کون صاحب ہیں؟ جواب دیا "عبد اللہ" آقا نے کہا بندۂ خدا عبد اللہ بھی کہیں نام
ہوتا ہے؟ عبد اللہ کہا ہوگا۔ ظریف اور بذلہ سنج ملازم نے کہا بیشک اس نے تو عبد اللہ ہی کہا ہوگا
مگر اس کی عین (آنکھ) نقطہ دار ہے اس لئے میں نے صحیح تلفظ کیا۔ (بیچارے کی آنکھ میں پھولا تھا)
(مکتوب نمبر ۱۲)

(۷) اب سے کم و بیش ۲۵ سال بیشتر مجھ کو پٹنہ عظیم آباد جانے کا اتفاق ہوا (اسی عظیم آباد
کے متعلق مرزا داغ نے فرمایا ہے ؎ عظیم آباد میں ہم منتظر ساون کے بیٹھے ہیں۔
جناب امیر لکھنوی نے بھی داغ کی اس غزل کی تعریف کی ہے (مفتی امیر احمد صاحب
امیر میرے جدِّ اعلیٰ جناب مفتی سعد اللہ صاحب کے علومِ عربیہ میں تلمیذ تھے۔ مجھ کو اس تلمذ کی خبر
جناب جلیل نے حیدر آباد میں دی تھی، کیا عرض کروں کہ جلیل صاحب کس قماش کے آدمی تھے۔
یقیناً ایک فرشتہ صورت، فرشتہ سیرت انسان تھے عموماً حیدر آباد کے حضرات جلیل صاحب
کو حافظ صاحب کے لفظ سے یاد کرتے تھے۔ حافظ صاحب اور امیر صاحب کے صاحبزادے
لطیف مینائی صاحب مرحوم مجھ سے ایسی تواضع کے ساتھ پیش آتے تھے کہ میں باوجود اٹھارہ سال
کی طویل مدت گزر جانے کے اس کو فراموش نہ کر سکا۔ ان دونوں بزرگوں کے طرزِ عمل
سے مجھ کو معلوم ہوا کہ متقدمین اپنے اساتذہ، آباء اور اُن کے متعلقین سے کس قسم کا
مشفقانہ معاملہ کیا کرتے تھے۔ (افسوس کہ میں موضوع سے دور نکل گیا) عظیم آباد کے متعلق
کہنا یہ تھا کہ وہاں پر میرے والد کے ایک دوست (سدا سہاگن) درویش "پیاری" نام
پرانے تعلیم یافتہ منشی قسم کے آدمی تھے۔ غالباً کچھ انگریزی بھی جانتے تھے۔ ان درویش
صاحب نے ازراہِ خلوص یا امتحاناً مجھ کو اپنی قیام گاہ پر بلانا چاہا جو شرعی حیثیت سے
قابلِ اعتراض اور اخلاقی حیثیت سے ناپسندیدہ تھی۔ میں نے ادب اور تہذیب سے معذرت
کی۔ اس کو فراخ حوصلگی سے بلا پس و پیش قبول فرما لیا۔ ان بزرگ نے میری استعداد کا اندازہ
کر کے بہت سے فارسی کے آسان اشعار سنائے اور موقع بموقع کچھ تصوف کے نکات بھی بیان فرمائے

۵؎ سدا سہاگ یا سدا سہاگن فقیروں کی اس جماعت کا نام ہے جو اپنے آپ کو خدا کی بیویاں کہتے
ہیں اسی لئے وہ لوگ زنانہ لباس اور چوڑیاں پہنتے ہیں اور اپنے نام بھی اسی انداز کے رکھ لیتے ہیں جیسے پیاری وغیرہ ۱۲

بیان فرماتے۔ "قہر درویش بجان درویش" میں اُن کے نکات سنتا تھا اور کبھی جا و بے جا سر بھی ہلا دیتا تھا اگو بہت سے اشعار اور اُن کے نکات فراموش کر چکا ہوں۔ لیکن ایک شعر اور اس کا نکتہ اب تک دماغ میں محفوظ ہے۔ فرمایا تھا "کریما" کا دوسرا شعر ہے ؎

نداریم غیر از تو فریاد رس
توئی عاصیاں را خطا بخش و بس

کریما کے متعلق دلائل کی روشنی میں میری رائے یہ ہے کہ یہ شیخ سعدی علیہ الرحمہ کی تصنیف نہیں ہے۔ مجھ سے اس شعر کا مطلب دریافت فرمایا۔ میں نے جو کچھ جانتا تھا بے تکلف عرض کر دیا۔ فرمایا نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ گناہگاروں کے لئے تو خدا خطا بخش ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم"۔ میں تو بلا سمجھے ہی آمنا و صدقنا کہنے کے لئے تیار تھا مگر جناب ممدوح نے میری بے مائگی پر نظر فرما کر خود ہی اس کی وجہ بیان فرمائی کہ دیکھو بس کے عدد بحساب جمل باسٹھ ہیں (۶۲) اور "نبی" کے بھی باسٹھ ہی عدد ہیں، لہٰذا ثابت ہو گیا کہ خدا اور نبی دونوں خطا بخش ہیں۔ (محمد اسعد اللہ (از مکتوب نمبر ۱۱)

(۸) مخلصانہ مگر ترجمان شوق سلام مسنون قبول فرمایئے۔ منوچہری نے اپنے استاذ عنصری کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا ہے اس کا ایک شعر ہے ؎

شعر او چو طبع او ہم بے تکلف ہم بدیع
طبع او چو شعر او ہم باملاحت ہم حسن

میں معمولی تصرف کے ساتھ جناب کے لئے نقل کرتا ہوں ؎

شعر تسکیں مثل طبعش بے تکلف ہم بدیع
طبع تسکیں مثل شعرش باملاحت ہم حسن

یہ چار سطریں تو بطور جملہ معترضہ تھیں اب گزشتہ سے پیوستہ مضمون املا کراتا ہوں۔ مشہور شعر ہے ؎

روز محشر کہ جاں گداز بود — اولیں پرسش نماز بود

ایک محقق ارشاد فرماتے تھے کہ یہ باز پرس ہوگی کہ نماز کیوں پڑھی تھی۔ (مکتوب نمبر ۱۲)

(۹) تھانہ بھون میں ایک بزرگ تھے حضرت حافظ ضامن صاحب جنہوں نے ہنگامۂ غدر میں جام شہادت نوش فرمایا اب تک تھانہ بھون میں اُن کا مزار مرجع خواص و عوام ہے

انھوں نے کھانا نہ کھیں کے ایک بے نمازی نوجوان کو نصیحت فرمائی کہ "بھائی نماز پڑھا کرو"، اس نے ادب سے عرض کیا "حضرت میرے بھائی صاحب پڑھتے ہیں"، حضرت نے فرمایا کہ "بھائی اُن کے نماز پڑھنے سے تم کو کیا فائدہ؟ نوجوان نے جواباً عرض کیا تو پھر میرے نماز نہ پڑھنے سے حضرت کا کیا نقصان۔؟

(۱۰) مشہور ہے کہ ایک محقق صاحب کے دوست کی لڑائی کسی دوسرے شخص سے ہو رہی تھی، دوست مقابلہ میں پہلے ہی سے کچھ کمزور تھا، اس پر محقق صاحب نے یہ ستم ڈھایا کہ جا کر اس کے ہاتھ پکڑ لیے، لوگوں کی بازپرس پر محقق صاحب نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ میں نے حضرت سعدیؒ کی نصیحت پر عمل کیا تھا یعنی ؎

دوست آں باشد کہ گیرد دستِ دوست
در پریشاں حالی و درماندگی

(۱۱) مرزا غالبؔ کا شعر ہے ؎

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

ایک صاحب کی تحقیق ہے کہ مرزا صاحب نے تاریخی واقعہ نظم فرمایا ہے اور یہ انگریزوں کی دہلی میں آمد سے متعلق ہے۔ بمطلب یہ ہے کہ افسوس ہے ایسے قدم ہمارے گھر میں آئیں کہاں ہمارا اسلامی گھر (یہ انھیں کے لفظ ہیں) اور کہاں یہ منحوس قدم۔

(۱۲) مرزا داغؔ کا ایک شعر ہے

ستم ہی کرنا جفا ہی کرنا، نگاہِ اُلفت کبھی نہ کرنا
تمہیں قسم ہے ہمارے سر کی ہمارے حق میں کمی نہ کرنا

ایک صاحبِ ذوق نے فرمایا کہ اس شعر میں دو خرابیاں ہیں ایک تو یہ کہ اپنے سر کی قسم دی حالانکہ یہ کہنا چاہیے تھا۔ ع

تمہیں قسم ہے عدو کے سر کی ہمارے حق میں کمی نہ کرنا

اور دوسری یہ کہ اس شعر کے آخر میں لفظ "کینہ" پیدا ہو جاتا ہے۔ (۱۱ مکتوب نمبر ۱۲)

(۱۳) مرزا غالبؔ نے فرمایا اور بہت خوب فرمایا ہے ؎

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ مرزا غالب کا مذکورہ بالا شعر میر کے مندرجہ ذیل مقطع سے ماخوذ ہے ؎

بعد مرنے کے مری قبر پہ آیا وہ میر
یاد آئی مرے عیسیٰ کو دوا میرے بعد

ایک منطقی صاحب نے غالب کے شعر کے متعلق فرمایا تھا کہ غالب کو یوں کہنا چاہیئے تھا ؎

کی مرے قتل سے قبل اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

اور توجیہہ یہ فرمائی تھی کہ غالب کے شعر میں معشوق پر بیجا طعن و تشنیع ہے اور اپنے قتل پر اظہار افسوس ہے حالانکہ دونوں باتیں عاشق کی شان کے خلاف ہیں۔ نیز "اَن نیچرل" بھی ہے کہ قتل ہونے کے بعد بول رہے ہیں۔ اب اصلاحی تصرف کے بعد نہ صرف یہ کہ دونوں ستم دور ہو گئے بلکہ تمنا و شوق قتل کا بھی اظہار ہو گیا۔ محمد اسعد اللہ (از مکتوب نمبر ۱۴)

(۱۴) تسکین صاحب لکھتے ہیں کہ مولوی انعام الرحمٰن صاحب نے جو ان خطوط کے کاتب ہیں دفتر کی ف کو کچھ اس طرح لکھا تھا کہ میں نے اس کو دختر پڑھا۔ عبارت شاید کچھ اسطرح تھی کہ خدا کا شکر ہے کہ میں دفتر کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گیا۔" بہر حال یہ بات میرے حافظہ و ذہن سے نکل گئی کہ جناب مولانا مدرسہ کے دفتر کا تذکرہ کئی خطوط میں فرما چکے ہیں اور میں نے قلم برداشتہ جناب مولانا کی خدمت میں "دختر کے عقد مناکحت" کی تہنیت پیش کر دی کہ سب سے پہلے نور چشمی کی تقریب عقد پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں اگرچہ خود اولاد سے محروم ہوں۔ لیکن زمانۂ حاضرہ میں والدین کی مشکلات بے پایاں کا دلی احساس رکھتا ہوں۔

اس خط کو اجتماعاً و انفراداً پڑھا گیا لیکن تہنیت کا مسئلہ سمجھ میں نہ آسکا کوئی کہتا کہ سہارنپور کا کوئی شاعر مزاج مل گیا ہو گا۔ "زیب داستاں" کیلئے اپنی طرف سے یہ بڑھا دیا گیا۔ یہ بھی خیال ہوا کہ مذاق میں سہارن پور سے کسی نامعقول نے یہ لطیفہ پیدا کرنے کے لئے غلط مخبری کی ہوگی۔ غرض یہ ہے کہ حضرت والا نے جواباً لکھوایا کہ "جناب حاجی تسکین صاحب میرے یہاں کوئی لڑکی نہیں اور نہ میں کسی کے عقد سے فارغ ہوا ہوں۔ بہر حال جناب کی مبارکباد کا دل سے شکر گذار ہوں کیونکہ اس سے قلبی اتصال اور روحانی تعلق کا اظہار ہوتا ہے۔" تسکین صاحب فرماتے ہیں کہ پھر جب اصل غلط فہمی کا مجھے علم ہوا

سخت ندامت ہوئی۔ اس احساسِ ندامت کو رفع کرنے کے لئے جناب مولانا نے کئی دلچسپ قصے قلم بند فرمائے تھے۔

اس کے بعد ایک مکتوب نمبر ۴۱ میں ہے۔ کہ

"آج کی ڈاک میں جناب والا کا صحیفۂ گرامی امتیازی حیثیت سے نمایاں تھا۔ بعد اشتیاق کھولا گیا، یکایک اپنے کارڈ پر نظر پڑی، میں نے فوراً کہا کہ اس کارڈ پر مبارکباد عقد کی بنیادیں قائم ہوئی ہوں گی۔ مولوی الطاف نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ مسکین صاحب نے دفتر "دختر" پڑھا ہے اور واقعی یہ "دفتر" اگر "دختر" نہیں تو دختر نما ضرور ہے" اس کے بعد والا نامہ کو بآوازِ بلند پڑھنا شروع کیا، ہر فقرہ کو دو دو تین تین مرتبہ پڑھتے تھے اور بقدرِ ذوق حظ اٹھاتے تھے۔ واقعہ کی مخصوص نوعیت نے ہماری سنجیدگی کو اولاً ایک معنی خیز تبسم میں تبدیل کر دیا پھر بلند بانگ قہقہے لگے۔ مجھے جناب کی اس رائے سے کامل اتفاق ہے کہ " یہ بات اب مستقل لطیفہ بن چکی ہے اور اس کو بھی اسی سلسلۂ لطائف و ظرائف میں شامل کر لیا جائے۔

(د ۱) لفظ تبسم کی مناسبت سے مجھے یاد آیا کہ کسی جگہ قاضی عبدالنبی نے اپنی کتاب "دستور العلماء" میں یہ شعر نقل کیا ہے ؎

پری رُخے لبِ شکر خندہ قتلِ عالم کرد
بگفتمش کہ مراہم بکش تبسم کرد

اصل شعر غالباً اس طرح ہوگا ؎

پری رُخے لبِ شکر خندہ قتلِ مردم کرد
بگفتمش کہ مراہم بکش تبسم کرد

میں سمجھتا ہوں کہ اس شعر کے دو مطلب ہیں اور شاعر نے دونوں مراد لئے ہیں (۱) "مراہم بکش" کی درخواست اس پری رخ نے قبول کر لی اور فوراً تیغِ تبسم سے جس کو مصرعۂ اولیٰ میں "لبِ شکر خندہ" کہا ہے قتل کر دیا۔ (۲) "مراہم بکش" کی درخواست ٹھکرا دی گئی اور لبوں پر تحقیر آمیز مسکراہٹ نمودار ہوئی کہ "سبحان اللہ، آپ بھی قتل ہونگے؟" ؎

ناز پروردِ تنعم نہ برد راہ بدوست
عاشقی شیوۂ رندانِ بلاکش باشد

میں جناب کو عریضہ لکھتے ہوئے کسی طرح موضوع کی پابندی نہیں کر سکتا، افسانہ ز افسانہ می خیزد، کا مصداق ہو جاتا ہے۔ محمد اسعد اللہ (مکتوب نمبر ۱۸)

اس سلسلہ میں جناب مولانا نے میری تالیفِ قلب اور احساسِ ندامت رفع کرنے کے لئے سہو و نسیان اور قلمی و زبانی لغزشات کے چند ذیل کے پُر لطف واقعات قلم بند فرمائے۔ (رفیق)

(۱۶) چند سال کی بات ہے کہ سیتاپور (اودھ) سے ایک مکرم دوست نے تحریر فرمایا تھا کہ "چھ ماہ سے پنشن ہو گئی ہے۔" میں نے ضعف بصر اور عجلت کی وجہ پنشن کو پیچش پڑھا اور ان کو عیادت نامہ لکھنا شروع کر دیا جب آدھا خط لکھ چکا تو پھر غور سے ممدوح کی تحریر دیکھی اور اپنی غلطی پر متنبہ ہوا۔ بقیہ خط میں اصل واقعہ لکھ کر معذرت کی۔ موصوف نے بھی میری خفت مٹانے کو تحریر فرمایا۔ "میں اپنی بدخطی کے لئے دوستوں میں بدنام ہوں۔"

(۱۷) ایک مرتبہ مجھ سے ایک دوست نے جو انگریزی تعلیم یافتہ ہیں، فارسی داں ہیں اور مذاقِ شعری بھی رکھتے ہیں حسنِ ظن کی بنا پر دریافت فرمایا کہ مولانا "پیارہ" کے کیا معنی ہیں، میں نے لاعلمی ظاہر کی اور وہ عبارت دیکھنی چاہی جہاں یہ لفظ استعمال ہوا تھا۔ انہوں نے مجھ کو یہ مصرعہ دکھایا ع "پیارہ الفت میں تدبیر نظر آئی"

(۱۸) حضرت مولانا تھانوی رحمہ نے اپنے زمانہ امراض میں ایک خط کسی دوسرے صاحب سے لکھوایا۔ خط میں یہ جملہ بھی تھا کہ "ہمت کی ضرورت ہے"، چنانچہ انہوں نے حضرت کو لکھا کہ میں بیعت کے لئے تیار ہوں۔ حضرت کو یہ بات بہت تعجب معلوم ہوئی کیونکہ حضرت کے یہاں بیعت کے معاملہ میں بہت تنگی تھی۔ درخواست بھی بمشکل منظور ہوتی تھی چہ جائیکہ خود کسی کو مشورہ دیا جائے۔ پھر اصل خط کو دیکھ کر واقعہ سمجھ میں آیا۔ (از مکتوب نمبر ۲)

(۱۹) آج کا یہ عریضہ صرف تفریح طبع گرامی کے لئے وقف ہے۔ ایک مرتبہ جناب کو فیضی کا یہ شعر لکھا تھا ؎

اے سفر کردہ کہ از خاطرِ ما می گذری
ہیچ دانی کہ کجا تی و کجا می گذری

جناب نے اور جگر صاحب نے اس کو بہت پسند فرمایا تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے "کاروانِ خیال" میں اسی مضمون کا فیضی کا یہ مطلع نقل کیا ہے ؎

اے ہم نفسانِ محفلِ ما
رفتید ولے نہ از دلِ ما

مجھ کو سفر کے متعلق صائبؔ کا یہ شعر بہت پسند ہے ؎

جائے کہ می روی کہ دلِ بدگمانِ ما ۔ تا بازگشتن تو بصد جا می رود

صائبؔ کا ایک دوسرا شعر بھی ملاحظہ فرمائیے ؎

خود را شگفتہ دار بہر حالتے کہ ہست
خونے کہ میخوری بدلِ روزگار کن

سفر کے متعلق مجھ کو ایک اور شعر یاد آیا ؎

چو عزمِ سفر کردی و رفتی زبرِ ما
بستی کمرِ خویش و شکستی کمرِ ما

"آتشکدہ" کے متعلق آذرؔ نے یہ شعر لکھا ہے ؎

بہ ماجز عشق ہرخوباں نیاموخت
خانہ اینکی دہد استادِ ما را

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے "تحفۂ اثنا عشریہ" میں ایک موقعہ پر بحرِیہ فرمایا ہے ؎

روحِ پدرم شاد کہ می گفت بہ استاد
فرزندِ مرا عشق بیاموز، دگر ہیچ

حافظ صاحب فرماتے ہیں ؎

ما قصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم
از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس

اور کہتا ہے ؎

ما ہرچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الّا حدیثِ یار کہ تکرار می کنیم!

گمان غالب ہے کہ جنابِ والا اس تطویل لاطائل سے ضرور اُکتا گئے ہوں گے مگر
ے انصاف اس کا الزام صرف مجھی پر عائد نہیں ہوتا۔ ع
اس میں کچھ شائبۂ خوبیِ اخلاق ہے

غالباً جناب کو یاد ہوگا کہ سنہ ۱۹۴۸ء کے اوائل میں میں نے لکھا تھا کہ اس زمانہ قحط الرجال میں اگر مجھ کو کوئی "مخاطب صحیح" مل جاتا تو میں تقریراً و تحریراً اپنی پرگوئی سے پریشان کر دیتا ہوں۔ سنہ ۱۹۴۸ء کے آغاز میں دعویٰ کیا تھا اور سنہ ۱۹۴۹ء کی ابتدا میں اس کا مکمل ثبوت بہم پہنچا رہا ہوں۔ معذرت خواہ ہوں لیکن باوجود اس احساس کے میرا نفس اس پر راضی نہیں ہے کہ بہت جلد اس جاذب توجہ گرامی سلسلہ کو منقطع کر دوں۔

(۲۰) جناب نے لکھا ہے کہ آج مشاعرہ ہے اور جگر صاحب آنے والے ہیں اور ان کے دوران قیام میرا ہر پروگرام ختم ہو جاتا ہے"۔ اس سے جناب کی جگر صاحب سے والہانہ دلبستگی کا پتہ چلتا ہے اس قسم کے بہترین اور شریف ترین تعلقات طرفین کے کمال دخلوص کی روشن دلیل ہیں۔ اگر میں ان امتیازی تعلقات پر رشک کرتا تو غالباً قابل ملامت نہیں کھہرتا۔ میں طرفین کی خدمت میں تہنیت پیش کرتا ہوں۔ صدیق صدوق (سچا دوست) دنیا میں ایک ایسی نعمت ہے کہ کم از کم میرے خیال میں تو اس وقت اس سے بہتر کوئی دوسری شئے نہیں ہے لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرًا۔ (ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی دوسری صورت پیدا فرمادیں۔)

لفظ "تہنیت" پر مجھ کو رنگون کا ایک لطیفہ یاد آیا کہ جب رنگون میں اردو اخبارات کی ابتدا ہوئی تو ایک بزرگ اخبار نویس نے عید کے موقع پر "تعزیت" کو "تہنیت" کے معنی میں سمجھ کر جلی حروف میں "عید کی تعزیت" کا عنوان قائم کیا تھا۔ (محمد اسعد اللہ (مکتوب نمبر ۱۲)

(۲۱) اس وقت آسمان ابر آلود ہو رہا ہے اور خان آرزو کا یہ مصرع یاد دلا رہا ہے

ع میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و لبیار آمد

مرزا غالب نے اب سے ۹۵ سال پیشتر محمد حسین دکنی کی مشہور کتاب "برہان قاطع" پر کچھ اعتراضات کرکے "قاطع برہان" کے نام سے شائع کیے تھے اور اس کے آخر میں مختلف فوائد لکھے ہیں۔ خان آرزو کے اس مصرع کے متعلق جو فائدہ لکھا ہے اس کا خلاصہ اردو میں پیش کرتا ہوں۔

برسات کی ایک رات میں سراج علی خاں آرزو (غالباً سہو کاتب ہے صحیح نام سراج الدین علی خاں ہے) کے خیال میں ایک مصرع آیا، غالب کہتے ہیں ... نہ مصرع بلکہ نشتر ہے نشتر سے ملکستان آبلہ چنانکہ نگارش ہمی پذیرد مصرع میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و لبیار آمد۔ حقا کہ اگر گویند ایں زمزمہ

از نغاتی ست یا از نظیری کیست کہ یاد نکند" خان آرزو نے کلیم پر پیش مصرع بہم پہنچایا
ع تند و پر شور و سیہ مست ز کہسار آمد

اور اسی شب تاریک میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں کی خدمت میں حاضر ہو کر پورا شعر سنایا حضرت مرزا صاحب نے داد دی، تحسین کی، دو تین دن کے بعد تمام شہر میں یہ مطلع مشہور ہو گیا۔ اتفاقاً خان آرزو کی کسی محفل میں ایک نووارد شیرازی سوداگر سے ملاقات ہو گئی خان آرزو نے مطلع سنایا لیکن شیرازی نے پہلا مصرع سنتے ہی قہقہہ لگا کر کہا کہ میں سمجھ گیا جناب مصرع ثانی میں کیا فرمائیں گے۔ خانصاحب نے فرمایا فرمائیے میں کیا عرض کرونگا ؟ شیرازی نے کہا مخواہی گفت" "خرس دریچہ آمد" خانصاحب نے زہر خند کے بعد اپنا مصرع پڑھا۔ شیرازی نے اس مصرع کی تعریف کے بعد کہا "پیش مصرع پر نازیباست اگر ایں چنیں بودے خوش بودے"

ع قطرہ افشان بہ سر شہر ز کہسار آمد

غالب نے شیرازی کے مصرع کو ترجیح دی ہے۔

(۲۲) شارح دیوان غالب جناب نظم لکھنوی سے کسی صاحب نے فرمائش کی کہ اس مصرع پر پیش مصرع لگا دیجئے۔

جھومتی قبلہ سے گھنگھور گھٹا آتی ہے

نظم صاحب نے مندرجہ ذیل دو مصرعے فرمائے۔

(۱) لطف جب ہے کہ برسنے لگے میخانے پر
جھومتی قبلہ سے گھنگھور گھٹا آتی ہے

(۲) کیا عجب ہے کہ صراحی بھی کرے سجدۂ شکر
جھومتی قبلہ سے گھنگھور گھٹا آتی ہے

مضطر مرزا پوری کا یہ شعر پہلے نقل کر چکا ہوں ؎

نہ یہ اودی گھٹائیں ہیں نہ ساقی بخت پریوں کے
ہوا کے دوش پر اڑتا ہوا میخانہ آتا ہے

(از مکتوب نمبر ۲۸)

(۲۳) میں نے حیدرآباد میں حضرت جلیل کو اُن کے ارشاد پر اپنے کچھ شعر سنائے تھے

اس شعر کو انہوں نے بہت پسند فرمایا تھا ؎

کسی کو ظلم کا مجھ کو کرم کا شکوہ ہے
نگاہِ لطف کسے پہلے مرا یہ حال نہ تھا

اسی طرح جناب نے اس نعتیہ شعر کو سراہا ہے ؎

وہ ذات ہے جنابِ رسالت مآب کی
ادراک کی حدود سے بالا کہیں جسے

میرے ایک دوست تھے مولوی غلام مصطفےٰ صاحب ذوقی، جوان صالح، تہجد گذار شریف المزاج، نیک طبع، مجھ سے انہوں نے پڑھا بھی تھا، قدرت نے اُن کو شاعر پیدا کیا تھا۔ کبھی کبھی میں اُن کے اشعار کو سن کر کچھ کچھ مشورہ بھی دیدیا کرتا تھا، اگر وہ آج زندہ ہوتے تو غالباً ان کے لئے صفِ اول میں جگہ ہوتی۔ ان کا سب سے پہلا شعر مجھ کو یاد ہے ؎

وہ نظریں پھیرتے ہیں اور میری رُوح کھنچتی ہے
بلا کا ربط ہے تارِ نظر کو رشتۂ جاں سے

اُنھوں نے شاید تیسری غزل میں لکھا تھا ؎

جنوں میں قیس کے نقشِ قدم سے بچ کے چلتا ہوں
مری آزادی فطرت مانعِ تقلید ہوتی ہے

اُن کا خیال تھا کہ عمر مستعار میری معیت ہی میں بسر کریں گے لیکن ع

ما در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال

حدیث شریف کے سالانہ امتحان سے فارغ ہوتے ہی بخار میں مبتلا ہوئے جس نے بہت جلد تپ دق کی صورت اختیار کر لی اور ان کو شہادت کے مرتبہ سے مشرف کر دیا۔ ان ہی ذوقی صاحب نے میرا یہ شعر سنا ؎

آؤ بیٹھیں مرکزِ انوار کی باتیں کریں نور برسائیں رخِ دلدار کی باتیں کریں

مجھ کو یاد ہے کہ سن کر کھڑے ہوگئے اور شاید تھوڑی سی رقص کی شکل بھی پیدا ہوگئی تھی۔ آج گلستانِ محبت دیکھ رہا تھا کہ یہ شعر نظر پڑا ؎

باغباں گل نگرفتم ز من آزردہ مشو بارہا کے جگرِ خویش بداماں کردم

چونکہ جناب "نسیم جگر" کی طباعت کا انتظام و انصرام فرما رہے ہیں اس لئے فوراً اس جانب میرا ذہن منتقل ہوا کہ جناب سعادت مآب میں کسی موقع پر اس شعر کو تحریر فرمائیں گے تو غالباً ناموزوں نہ ہوگا۔ اس شعر کا قائل معلوم نہیں "گلستان مسرت" میں لا اعلم لکھا ہے۔ (محمد اسعد اللہ۔ مکتوب نمبر ۲۷)

۵ باغباں گل نہ گرفتیم الخ کو جناب نے پسند فرمایا مجھے مسرت ہوئی۔ "نسیم جگر" نام میں مجھ کو بھی تردد تھا، لیکن چھوٹا منہ بڑی بات "سمجھ کر کچھ عرض نہیں کیا گیا" (مکتوب ۲۵)

(۲۳) ۷ ار فروری ۱۹۵۹ء کا والا نامہ پیش نظر ہے ایک مصرع ملاحظہ فرمائیے!

ع مارا ازیں جہاں بجہان دگر رسانند

اس وقت اس کی تفصیل دل میں ہے لیکن زبان قلم پر لانا دشوار ہے۔ مولانا محمد علی جوہر مرحوم نے ایک مرتبہ جیل سے باہر آکر یہ شعر پڑھا تھا۔

صد سالہ دور چرخ تھا ساغر کا ایک دور
ہم میکدے سے نکلے کہ دنیا بدل گئی

میکدے کے لفظ سے غالب کا شعر یاد آیا ؎

جب میکدہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید
مسجد ہو، مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو

آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔ "لیکن میں بصد احترام و ادب یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے اپنے جذبات و خیالات کے لئے اور کیا پیرایہ بیان اختیار کرنا چاہئے۔ حقیقت کا اظہار آپ کو پسند نہیں، تنزل کی حقیقت آپ سے پوشیدہ نہیں رہتی تو اب میرے لئے بجز صبر و شکر کوئی چارہ کار نہیں رہا۔"

میں نے اس فقرے کو بار بار پڑھا اور لطف اٹھایا۔ جناب کے کسی فقرہ کے جواب میں قلم اٹھانا میرے لئے تو بہت دشوار ہے لیکن جواب سے کوئی انحراف کرنا بھی غالباً مناسب نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اظہار حقیقت سے تو ناگواری کی وجہ نہیں لیکن گفتگو اس میں ہے کہ حقیقت ہے یا نہیں۔ اگر ایسی حقیقت ہے کہ جسکا مجھے علم نہیں تو میں معذور ہوں اور جب حقیقت ہی غائب ہے تو تاویل کس کی ہو۔" محمد اسعد اللہ

تبصرہ ۱:-

یہ چند علمی، ادبی اور تفریحی لطائف و ظرائف بطور "مشتے نمونہ از خروارے" ذکر کئے گئے جن سے امور ذیل پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

(۱) حق تعالیٰ نے حضرت والا کو ذکاوت و ذہانت اور ذہن ثاقب کے ساتھ ساتھ حیرت انگیز قوت حافظہ عطا فرمائی تھی۔ ہزارہا اشعار مع حوالہ جات، ادبی لطیفے، واقعات، شعراء کے احوال علمی نکات آپ کو ایسے از بر تھے کہ ہر موقع کے مناسب اشعار، لطیفے اور نکتے ذکر کے بغیر آپ کی نوکِ زبان و قلم پر آتے چلے جاتے تھے اور کسی ایک موضوع یا کسی ایک نکتے پر آپ متعدد اشعار اور اشعار کی حسین توجیہات بے تکلف فرماتے تھے۔

(۲) آپ کلموا الناس بقدر عقولھم (لوگوں سے ان کی سمجھ کے مطابق گفتگو کرو) کے اصول کو پیش نظر رکھتے۔ صاحب علم و فہم "مخاطب صحیح" کے مخاطب سے آپکو ایسی مسرت ہوتی کہ علمی و ادبی جواہرات کی ایسی بارش فرما دیتے۔ آپ مراسلات میں مخاطب کو مسرور و مست اور مجلس کو زعفران زار بنا دیتے۔ آپ اپنے مخاطب کو ملول نہ ہونے دیتے بلکہ وہ آپ کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔

(۳) آپ سب کا احترام و اکرام فرماتے۔ کسی کی توہین و دلآزاری اور ایذا رسانی یا بدگوئی آپ کو ہرگز گوارا نہ تھی۔ خصوصاً ارباب علم و اصحاب فن کی تعظیم و تکریم آپ کا شیوہ اور عادت مستمرہ تھی۔

(۴) آپ اشارۃً اور صراحتاً اپنے مخاطب کو نصیحت فرماتے اور خیر خواہی و محبت اور اخلاص کی وجہ سے مخاطب آپ کی نشاندہی سے ضرور متاثر ہوتا۔

(۵) دوسروں کی خوبیوں کا کھلے دل سے اعتراف فرماتے۔ کسی پر ضرورتاً تنقید و تبصرہ بھی اس انداز سے فرماتے کہ اس کے احترام میں کوئی فرق نہ آتا۔ اور مخاطب کی غلط فہمی پر اس کی دلجوئی فرما کر احساس ندامت کو اس کے قلب سے دھو ڈالتے تھے۔

(۶) وسعتِ علم و وسعتِ مطالعہ، ادبیات سے والہانہ دلچسپی، اساتذہ کے کلام پر عبور کے ساتھ عبور، اساتذہ ادب اور شعراء کے مراتب اور مبلغ علم سے آگاہی۔ نظم و نثر پر بے تکلف دسترس، زبان و قلم پر یکساں قدرت، لطافت اور زبان و بیان میں مکمل وقار و سنجیدگی، حقائق کا اعتراف اور ان سب امور میں شریعت و ... کی پابندی وغیرہ ایسے امور

ہیں جو مذکورہ ادبی نمونوں سے ادنیٰ تامل و غور سے معلوم ہو جاتے ہیں۔

(۷) مصلحانہ شان اور مجتہدانہ انداز خصوصًا ادب میں حق تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔

(۸) غرور سے نفرت، تواضع و انکسار کی عادت اور نمائش و آرائش سے دوری آپ کے کلام سے بہت عیاں ہیں۔ ؎

یہ حسنِ سخن کا ہے معیار اسعدؔ
معانی ہوں رنگین الفاظ سادے

شعری نمونے

حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندوی فرماتے ہیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بیک وقت جلیل القدر محقق عالم اور کامیاب مدرس اور مناظر ہونے کے ساتھ ساتھ شیخِ کامل بھی تھے اور بلند پایہ شاعر بھی، لیکن حضرت کی زندگی درس و تدریس اور اصلاحِ امت اور مذاہبِ باطلہ کی تردید میں صرف ہوئی، شعر و شاعری کو مشغلہ نہیں بنایا۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ اللہ پاک نے مجھے یہ ملکہ عطا فرمایا ہے کہ میں چاہوں تو شعر میں کلام کروں اور لوگوں کے کلام کا جواب شعر ہی میں دوں۔ لیکن میں اس کو پسند نہیں کرتا۔ اس کے بعد یہ شعر پڑھا ؎

ولولا الشعر بالعلماء یزری — لکنت الیوم اشعر من لبید
(اگر شعر و شاعری علماء کے لئے نازیبا نہ ہوتی — تو میں آج شاعر عرب لبید سے بھی بڑا شاعر ہوتا)

اس کے باوجود حضرت والا جملہ علوم و فنون ادب و اصنافِ شعر و سخن میں مہارتِ کاملہ رکھتے تھے آپ اپنے دور کے سراج الادباء و تاج الشعراء تھے۔ ہمعصر شعراء آپ کو اپنا استاذ مانتے اور شعراء کی جس مجلس و محفل یا مشاعرہ میں آپ ہوتے تو مسندِ صدارت پر آپ ہی رونق افروز رہتے۔ لیکن چونکہ شعر و شاعری آپ کا مشغلہ نہ تھا اس لئے آپ نے اپنے نتائجِ فکر کو محفوظ رکھنے کا چنداں اہتمام نہ فرمایا، آپ کا بیشتر کلام ضائع ہو گیا، آپ کی ایک مختصر سی بیاض باقی رہ گئی ہے جو مختلف اصنافِ کلام (غزلیات، قصائد و مدحیات، مبارکباد یعنی تہنیات، نصائح و ہدایات اور منظوم گرامی نامے وغیرہ) پر مشتمل ہے۔ اسی میں سے کچھ منتخب کلام "کلامِ اسعدؔ" کے نام سے شائع بھی ہو چکا ہے

(جس کی مزید تفصیل عنوان "تصنیفات و تالیفات" کے ذیل میں مذکور ہے) اگرچہ زیر نظر کتاب "حیاتِ اسعد" میں جا بجا حضرتِ والاؒ کے اشعار و منظومات کافی مقدار میں موجود ہیں تاہم عنوان کی مناسبت سے ذیل میں حضرتِ والاؒ کے کلام بلاغت نظام کے چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں حضرتِ والاؒ کے نزدیک اچھے شعر کا معیار یہ ہے کہ:

یہ حسنِ سخن کا ہے معیار اسعدؔ معانی ہوں رنگین الفاظ سارے

آپ کی غزلوں میں بیانِ حقیقت بصورتِ مجاز ہوتا ہے۔ بہت سی غزلوں میں اپنے مربی و مرشد کی خصوصیات و کمالات اور عنایات کی طرف بھی اشارات فرماتے ہیں۔

چونکہ آپ نظم و نثر میں یکساں کلام فرمانے کی قدرت رکھتے تھے اس لئے بعض غزلیں کافی طویل بھی کہی گئی ہیں، اسی لئے آپ گاہے خطوط منظوم تحریر فرماتے اور بعض اوقات بچوں کے ساتھ عام فہم زبان میں منظوم کلام فرماتے جن کے کچھ نمونے اسی کتاب میں موجود ہیں:

غزل

اپنی دلکش زندگی جب سامنے لاتا ہوں میں عاشقی کی مستند تاریخ دہراتا ہوں میں
عشق کا رازِ نہاں دنیا کو سمجھاتا ہوں میں حسن کی رنگینیوں میں گم ہوا جاتا ہوں میں
کیوں نہ آئے رشک میری رندیوں پر زہد کو سر جھکا کر عرش کے پایوں کو چوم آتا ہوں میں
آج تک میں یہ نہیں سمجھا کہ اُن کو دیکھ کر ہوش جاتے ہیں مرے یا ہوش میں آتا ہوں میں
ہوں اگرچہ رونق افزائے کنشت و میکدہ وعظ کہنے کے لئے مسجد کو بھی جاتا ہوں میں
دل کی دنیا جگمگا اٹھتی ہے نورِ حسن سے یہ کتابِ عشق میں لکھا ہوا پاتا ہوں میں
ہو رہا ہے حیرتوں کا کس قدر دل پر ہجوم حسن کے اسرار سے غافل ہوا جاتا ہوں میں
طالبِ صادق ہوں ترکِ مدعا ہے مدعا وصل کے دھندلے تصور سے بھی گھبراتا ہوں میں
آہ پھر مجروح کرتا ہوں وقارِ عشق کو بے بلائے پھر کسی کی بزم میں جاتا ہوں میں

آپ کے اشعار پڑھ کر اسعدِ رنگیں نوا
مست ہو جاتا ہوں میں مدہوش ہو جاتا ہوں میں

غزل

تری نگاہ سے ہر چیز میں زمانے کی
سمٹ کے آ گئی مستی شراب خانے کی

مذاقِ عشق کو بخشی ہے گرمیٔ تازہ
ہمیں ہے قدر بلا وجہ روٹھ جانے کی

گناہ گار ہوں، لیکن مرا عقیدہ ہے
خدا کے لطف کو حاجت نہیں بہانے کی

کسی کے حسنِ دل آویز کا ہے آئینہ
جہاں میں دھوم نہ ہو کیوں مرے فسانے کی

مرا دماغِ محبت لطیف و نازک ہے
نہیں ہے تاب کڑی بات کے اٹھانے کی

خدا کرے اُسے اتنا ہی علم ہو جائے
ہمارا دل بھی ہے اک چیز آزمانے کی

وفا غرض ہے، محبت ہوس، خلوص نفاق
ہر ایک چیز بُرائی ہے اس زمانے کی

ہمیں حقیر نہ سمجھیں جنابِ شیخِ حرم
ہمارے دم سے ہے رونق شراب خانے کی

وفا شعار ہوں کچھ تو ملے صلہ مجھ کو
خدا کرے تجھے عادت رہے ستانے کی

رگوں میں خون کا دوران ہو گیا افزوں
خبر ہے جب سے کسی مہرباں کے آنے کی

مجھے معاف ہی رکھیں کرم کی نظروں سے
کہ مجھ میں تاب نہیں اب ستم اٹھانے کی

بیانِ رازِ محبت ہو کس طرح رنگیں
زبانِ شوق میں جرأت نہیں سنانے کی

جنابِ شیخِ حرم ہیں مقیم بت خانہ
تری نگاہ نے بدلی روش زمانے کی

یہ ظلم و جور طریقِ قدیم ہے اب تو
جدید طرز نکالو مرے ستانے کی

ہمارے سامنے تو دُون کی نہ لے واعظ
عیاں ہے ہم پہ ترا زہد، اتقا، نیکی

بجھا دیا مری تربت کی شمع کو ظالم
یہ خوب کی ہے تلافی مجھے جلانے کی

بڑا مزہ ہو کہ ہم بات بات پر روٹھیں
وہ بار بار کریں کوششیں منانے کی

جنھیں ہے فکر مری قبر کے مٹانے کی
مٹائیں پہلے وہ شہرت مرے فسانے کی

چراغِ بزمِ عدو تو نہیں ہوں میں اسعد
وہ کیوں اٹھاتے ہیں زحمت مرے جلانے کی

غزل

ذرا رُوئے روشن سے پردہ اُٹھا دے
مِرے دل کی تاریکیوں کو مِٹا دے

دکھا دے مجھے خاص جلوہ دکھا دے
مجھے دین و دُنیا سے غافل بنا دے

مجھے قتل کر دے، ذرا مسکرا دے
جہانِ محبت کو رنگیں بنا دے

مِرے دِل کی گہرائیوں میں اُتر جا
خدا را مِری رُوح کو جگمگا دے

ذرا رُوئے تاباں سے بُرقع اُٹھا کر
مجھے نور کی چادروں میں چھپا دے

مَے و نغمہ و روئے رنگین و حسرت
پلا دے، سنا دے، دکھا دے، مِٹا دے

عدو کی طرح قتل کر دے مجھے بھی
مجھے بھی ستمگر جزائے وفا دے

سمجھے دعوئ رہنمائی ہے واعظ
کمالِ محبت کی راہیں دکھا دے

تِری کیف آور نگاہوں پہ قرباں
مجھے دین و دُنیا سے غافل بنا دے

یہ حُسنِ سخن کا ہے معیار اسعدؔ
معانی ہوں رنگین الفاظ سادے

غزل

اس عشق میں کہ درد کی دُنیا کہیں جسے
وہ لطف ہے کہ توشۂ دُنیا کہیں جسے

اُلفت بھی کیا بلا ہے تماشا کہیں جسے
قاتل مرا وہی ہے مسیحا کہیں جسے

کیوں محترم نہ ہو مِرے دل میں جمال و حسن
حبِ دین وہ ہے مِلّتِ بیضا کہیں جسے

تکمیل فنِ عشق میں زاہد نہ کر قصور
یہ وہ کمال ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

کیسے نہ مجھ کو فخر ہو کہتا ہوں جب وہ شعر
رنگیں تخیلات کی دُنیا کہیں جسے

ہوتا نہیں ہے دامنِ عشق لطیف پر
وہ داغ بدنما کہ تمنا کہیں جسے

ممکن نہیں کبھی کہ تماشائے غیر ہو
میرا وہ دِل کہ طورِ تجلا کہیں جسے

نایابیٔ خمار کا عنواں ہے وہ خمار
ممنونِ رسمِ بادہ و مینا کہیں جسے

مجھ کو دیا ہے مصدرِ محبت نے وہ دماغ
بیگانۂ تخیلِ شکوہ کہیں جسے

بہتا ہے ہجر میں مری آنکھوں سے دم بدم
وہ سیلِ اشکِ خونِ تمنا کہیں جسے

کیوں کر مجھے عزیز نہ ہو تیرے عشق میں
وہ دردِ دل نشاط کی دنیا کہیں جسے

کھولا ہے میکدے کے فقیروں نے بارہا
وہ رازِ حسن و عشق معمہ کہیں جسے

میرا بھی عاشقی میں وہ طغرائے امتیاز
پامالیٔ مذاقِ تمنا کہیں جسے

اُف اُف خرامِ ناز سے فتنہ ہائے کفر
کیا چال ہے قیامتِ کبریٰ کہیں جسے

جاہل ترقیات میں حائل ہے ایک چیز
پندارِ زہد و نازشِ تقویٰ کہیں جسے

دکانِ میفروش پہ کوئی نہ اُٹھ سکی
میرے جنونِ زہد کی اتقویٰ کہیں جسے

اسعدؔ اسی زمین میں اک اور بھی ہمیں
ایسی غزل سناؤ کہ یکتا کہیں جسے

غزل

ایسا بنائے دل کہ مجلیٰ کہیں جسے
ہر شے میں ہے وہ بات تجلیٰ کہیں جسے

میں وہ ہوں عقل و نقل کا دریا کہیں جسے
ہر فن میں صاحبِ یدِ طولےٰ کہیں جسے

کیسے نہ مجھ کو ناز ہو پہلو میں ہے وہ دل
پاکیزگیٔ ذوق کی دنیا کہیں جسے

عیش و نشاط کے لئے ظالم اسے نہ توڑ
یہ دل ہے وہ کہ درد کی دنیا کہیں جسے

اُف اُف غضب غضب وہ نگاہِ سبو بدوش
شرمندہ سازِ مستی مہیا کہیں جسے

چمکا رہا ہے روح کو وہ نورِ تابناک
عکسِ تجلیِ رخِ زیبا کہیں جسے

تیری ہر اک ادا سے عیاں ہے وہ ماجرا
بدمستیٔ شباب کی دنیا کہیں جسے

مجھ سے اگر کسی نے وفا کی تو کیا ہوا؟
یہ بھی ہے کوئی بات تماشا کہیں جسے

مجھ کو نہیں پسند وہ عشقِ ہوس اثر
شرمندۂ خیالِ تمنا کہیں جسے

پیدا ہے دل میں پیرِ مغاں کی نگاہ سے
وہ وسعتِ خیال کہ صحرا کہیں جسے

مستی میں دیکھئے مری فکرِ بلند کو
ادنیٰ ہے وہ مقام ثریا کہیں جسے

رسمی تشکرات سے بہتر ہے لاکھ بار — وہ نازِ پُرخلوص کہ شکوہ کہیں جسے
دیدے جنابِ شیخ کو ساقی غریبِ خلد — ایسی پلا طہور مصفا کہیں جسے
اسعدؔ نے سامعین کو مسحور کر دیا — ایسی غزل سنائی سب اچھا کہیں جسے

اسعدؔ لکھو اک نعت رسولؐ کریم کی
امراضِ روح و دل کا مداوا کہیں جسے

نعتیہ غزل

رشکِ جنان و عرشِ معلّیٰ کہیں جسے — ہے وہ مکان گنبدِ خضرا کہیں جسے
وہ بات ٹھیک ہے شہ بطحا سے جو سنو — وہ قول راست ہے شہ بطحا کہیں جسے
جس نے بصدق پائے منور کو چھو لیا — اس کا وہ ہاتھ ہے یدِ بیضا کہیں جسے
منت کشِ بیاں نہیں طیبہ کی رفعتیں — جس کی ثریٰ بھی وہ ہے ثریا کہیں جسے
وہ ذات ہے جنابِ رسالت مآبؐ کی — الفاظ کی حدود سے بالا کہیں جسے
ایماں فروز کیف کی نزدوس سے نہاں — اس عشق میں رسولؐ کا سودا کہیں جسے

رہتی ہے تیرے کرا اسعدؔ بے خودی کے سامنے
وہ بزمِ خاص عالمِ بالا کہیں جسے

غزل

(بچوں کے لئے)

اس علمِ دین میں نعمتِ مولیٰ کہیں جسے — ایسا مزہ ہے حاصلِ دنیا کہیں جسے
تعلیم ہم کو دی ہے خدا و رسولؐ نے — وہ ہے ذلیل و خوار کہ چھوٹا کہیں جسے
پاتا ہے دو جہان میں عزت کی زندگی — وہ آدمی کتاب کا کیڑا کہیں جسے
بچہ وہی ہے خوب ہمارے خیال میں — بچے، جوان، بوڑھے سب اچھا کہیں جسے
ممکن نہیں کہ آئے ہماری زبان پر — وہ لفظ دلخراش کہ کڑوا کہیں جسے

ہم تم کو کیا بتائیں کہ میٹھا ہے کس قدر — وہ لفظِ دل فریب کہ بیٹا کہیں جسے
فردوس کی کلید ہے عزت کا زینہ ہے — وہ کارِ پر بہار کہ پڑھنا کہیں جسے
بچو! تمہارے واسطے تحصیلِ علم میں — وہ لطف ہے مٹھائی سے اچھا کہیں جسے

اسعدؔ غزل یہ خوب ہے بچوں کے واسطے
کوزہ میں وعظ و پند کا دریا کہیں جسے

یہ ایک ہی ردیف و قافیہ اور ایک ہی زمین پر مشتمل ہے۔ مذکورہ ۸ ہم رواں رواں اور بلند معیار اشعار ہیں جن میں پاکیزگی عشق و محبت، بیانِ معرفت و حقیقت اور نعت و نصیحت وغیرہ کے مضامین کو نہایت خوش اسلوبی سے بے تکلف طلاقت و جزالت کے ساتھ سمو دیا گیا ہے اس سے قادرالکلام ہونے کے ساتھ ساتھ حضرتِ والاؒ کے بلند مقام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

آپ کی غزلیات و ہزلیات بھی واہیات مضامین سے پاک، حقائق و اسرار پر مبنی اور لطف و لذت و حلاوت سے لبریز ہوتی تھیں جن سے سخن سنج و ادب نواز آزاد طبیعتے ترک بھی حقائق و پند و نصائح کا پایہ ایک عجیب و لطیف انداز میں پہنچ جاتا تھا، اس لئے آپ کی شاعری برائے شاعری نہ تھی بلکہ آپ اپنے ذوقِ سلیم و بلند پروازِ تخیلات کو عبث سخن گوئی اور حسینانِ جہاں کی ثنا خوانی کے بجائے مفید و کارآمد بناتے اور اسیرانِ مجاز کو حسن و عشقِ مجازی کی قید و بند سے آزاد کر کے حسنِ حقیقی کی جانب ان کی رہبری ایسے انداز میں فرماتے کہ وہ غیر محسوس طریقہ پر مقصودِ زندگی کی راہوں پر آ کھڑے ہوتے اس لئے آپ حقیقت کو مجاز کی صورت میں پیش فرماتے تھے۔ حضرتِ والاؒ نے فرمایا ؎

دل میں اثرِ صدقِ طلب پیدا کر
ہر بات میں سامانِ طرب پیدا کر
وسعت نہیں بیباکی و گستاخی کی
عشق کا دعویٰ ہے تو ادب پیدا کر

غزل

اسعدؔ کو عاشقی میں حاصل ہیں دستگاہیں — پہچانتا ہے ظالم ہر طرز کی نگاہیں

ساقی دکھا کے تو نے مستی بھری نگاہیں
پُر کیف بیخودی کی کھولی ہیں سیکڑوں راہیں

جب ہیں تری ادائیں فطرت کی جلوہ گاہیں
ذوقِ سلیم والے پھر کیوں سجھے نہ چاہیں

میں جانتا ہوں ساقی کیا ہیں تری نگاہیں
عشرت کی جانمائیں، جنت کی جلوہ گاہیں

کس درجہ کیف زا ہیں ساقی تری نگاہیں
رندوں کے میکدے ہیں زاہد کی خانقاہیں

یہ کون مست آیا زاہد کی محفلوں میں
کھلنے لگے عمامے گرنے لگیں کلاہیں

آباد ان میں کر دے خدّامِ میکدہ کو
ویران پڑی ہیں ساقی دنیا کی خانقاہیں

محشر میں کیا سناؤں جور و جفا کا قصہ
کچھ مجھ سے کہہ رہی ہیں وہ سُرمگیں نگاہیں

معلوم کس طرح ہو ان کو ہماری حالت
لب پر ہے مسکراہٹ دل میں بھری ہیں آہیں

شوخی ہے میرا مشرب رندی ہے میرا مذہب
میں جانتا ہوں واعظ حسنِ عمل کی راہیں

یارب یہ کیا ستم ہے اے دل یہ کیا غضب ہے
ہم حسن کو چاہتے ہیں وہ دوسروں کو چاہیں

آتا ہے وجد اُن کو کرتا ہے رقص دشمن
شاید بدل گئی ہیں نغموں سے میری آہیں

واعظ کی انجمن تو کچھ چیز ہی نہیں ہے
دنیا اُلٹ کے رکھ دیں وہ سحر زا نگاہیں

میکش بہک رہے ہیں میخانہ کیا بلا ہے
دنیا کا ماحصل ہیں ظالم تری نگاہیں

شاید کوئی حسینہ آمادۂ کرم ہے
تبدیل ہو رہی ہیں نغموں میں میری آہیں

لب پر ہے دین و ایماں دل میں ہے کفر و ظلمات
زاہد کے مدرسے ہیں عبرت کی درسگاہیں

جو تیرا مدعا ہے وہ اپنا مدعا ہے
فرقت میں ہم ہیں راضی نالے کریں نہ آہیں

عشقِ بتاں میں اسعدؔ کرتے ہو فکرِ راحت
دوزخ میں ڈھونڈتے ہو جنت کی خوابگاہیں

دنیا کی مستیوں کی دنیا بنا رہی ہیں
وہ بادہ بار آنکھیں وہ کیف زا نگاہیں

قسمت چمک رہی ہے وہ حور وش ہے مہماں
رضواں سے کوئی لا دے جنت کی خوابگاہیں

کرنا پڑے گی اسعدؔ توبہ سے اب تو توبہ!
ساقی نے ڈال دی ہیں میرے گلے میں باہیں

ابو طالب کو دعوتِ اسلام

ہوئے جب نزع کی پُرخوف حالت میں ابو طالب
رُخِ بارعب پر رنگِ فنا ہونے لگا غالب
رسول اللہ وہاں تشریف لائے اور سمجھایا
نہایت مہربانی اور عنایت سے یہ فرمایا

چچا کر لیجئے اقرار توحید و رسالت کا
کہ مجھ کو حیلہ مل جائے قیامت میں شفاعت کا

ابو طالب نے فرمایا یقیناً آپ سچے ہیں
بھتیجے ہیں مرے لیکن زمانے بھر سے اچھے ہیں
مگر اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے مجھے بیٹا
کہے دنیا ابو طالب بوقتِ موت گھبرایا
مجھے شبہ نہیں ہے آپ کے اخلاص نیت پر
عمل کرتا خوشی سے اس گراں قیمت نصیحت پر
مسلماں ہو کے دل سے آپ کو مسرور کر دیتا
خوشی کے موتیوں سے آپ کے دامن کو بھر دیتا
مگر ڈر ہے کہیں اس سے نہ زائل عزِ سابق ہو
مرے اسلام سے سب خانداں کو عار لاحق ہو

ابو طالب نے پھر حسرت سے پڑھ کر ذیل کے اشعار
باندازِ عجیب و نو کیا اسلام کا اقرار

اشعار ابی طالب

ولقد علمت بان دین محمد من خیر ادیان البریة دینا
ولا الملامة او حذاری مسبة لوجدتنی سمحا بذاک مبینا

مجھے معلوم ہے اثبات کی برہانِ محکم سے
کہ مذہب آپ کا بہتر ہے کل ادیانِ عالم سے
اگر مجھ کو نہ ہوتا خوف دشنام و ملامت کا
تو میں باقاعدہ اقرار کر لیتا رسالت کا

مگر اب میں مروں گا اپنے آبائی طریقہ پر
چنانچہ ہو گئے سچے وہ اپنے قول پر مر کر

تہنیت نامہ

(شادی خانہ آبادی عزیزم اسمٰعیل قاسم گراباوا)

(۱)

خدا نے اپنی رحمت سے خوشی کا دن دکھایا ہے
امینہ بی سے اسمٰعیل کا جوڑا ملایا ہے

جدھر دیکھو مسرت ہے خوشی ہے شادمانی ہے
جہاں دیکھو دلوں کو عیش نے سکر پلایا ہے

مصیبت ہے نہ کلفت ہے نہ آفت ہے نہ زحمت ہے
جہاں بھر کے غموں کو شادمانی نے کھلایا ہے

ہویدا ہیں در و دیوار سے آثار فرحت کے
جناب والدہ نے اس طرح گھر کو سجایا ہے

فلک پر مشتری نے گیت گائے فرطِ بہجت سے
کہ اسمٰعیل نے اپنا دلی مقصود پایا ہے

طرب انگیزیوں سے اس نگاہِ لطف پرور کی
سرور و عیش و عشرت کا سماں عالم پہ چھایا ہے

بزرگوں کی متانت میں بھی کچھ کچھ رنگِ شوخی ہے
مذاقِ شادمانی نے دلوں کو گدگدایا ہے

فلک بھی رشک کرتا ہے نشاطِ کامرانی سے
زمیں پر آج وہ مملو سے راحت روز آیا ہے

تمنائیں جناب والدہ کی ہو گئیں پوری
کہ اسمٰعیل کا رب العلا نے گھر بسایا ہے

جناب والدہ کو جس کی مدت سے تمنا تھی
وہی جشن طرب ذات حق تعالیٰ نے دکھایا ہے

محمد شاد باش، ہمشیرہ تم بھی لیجئے خوش خوش
خوشا قسمت عجب وقت سعادت آج آیا ہے

دلھن دولھا کو ایسے ہی ہمیشہ شادماں رکھے
کہ جیسے آج خالق نے انھیں شاداں بنایا ہے

کہیں چاندی کی چیزیں ہیں کہیں سونے کی چیزیں ہیں
نمونہ جنت الفردوس کا گھر کو بنایا ہے

نہ ہوں یعقوب کیسے لطف اندوز طرب افروز   کہ جب مسرور دنیا میں ہر اک اپنا پرایا ہے
منصور زار منشی احمد داد ادریس عبداللہ
مسرت سے ہر اک نے حظِ وافر آج پایا ہے

(۲)

زہے قسمت خدا کی آج ہم پر خاص رحمت ہے   خوشا طالع کہ اسمٰعیل وقفِ عیش و عشرت ہے
مسرت سے نہیں آتا سمجھ میں دور بینوں کی   فلک پر یہ ستارے ہیں کہ عکسِ بزمِ عشرت ہے
جنابِ والدہ نے گھر کو کچھ ایسا سجایا ہے   کہ اس کا گوشہ گوشہ رشکِ گلزارِ جنت ہے
ہجومِ شادمانی سے اگر یعقوب بیخود ہے   محمد بھی زسرتا پا نشاط و عیش و عشرت ہے
اِدھر ہر دوست جامے میں نہیں پھولا سماتا ہے   اُدھر ہر دشمن بد غرقِ دریائے ندامت ہے
جہاں میں ہر طرف رنگینیاں ہیں لطفِ تجدید کی   کہ ہر منظر نگاہوں کے لئے گلزار صورت ہے
رہیں دولہا دلہن مسرور و شاداں عمر بھر یارب   یہی اسعد کا ارماں ہے یہی اسعد کی حسرت ہے
جہاں دیکھو مسرت ہے جدھر دیکھو مسرت ہے   احبا محو فرحت ہیں ہر اک دل وقفِ عشرت ہے
جہاں پر انبساطِ روح پرور کی حکومت ہے   جہاں دیکھو مسرت ہے جدھر دیکھو مسرت ہے
جو دل پژمردہ رہتا تھا خیالاتِ پریشاں سے   سکونِ قلب کی حاصل اُسے بھی آج صورت ہے
منصور زار منشی احمد وادریس عبداللہ   فراواں شادمانی سے ہر اک تصویرِ حیرت ہے
تری شادی سے اسمٰعیل بیشک باغ جنت میں   روانِ حضرت قاسمؒ نشاط اندوزِ راحت ہے
مسرت جھومتی ہے ناز کرتی ہے اکڑتی ہے   کہ اس عقدِ مبارک سے مسرت کو مسرت ہے
صمیمِ قلب سے فرحت مبارکباد دیتی ہے   یہ شادی مایۂ صد افتخار و نازِ راحت ہے
ہمارے بھائی اسمٰعیل سا دولہا ملا اس کو   بحمداللہ امینہ کی نہایت نیک قسمت ہے
بحمداللہ جنابِ والدہ کے دل کا ہر گوشہ   تری ہمشیر کا ہر سانس فرحت کی حقیقت ہے
جنابِ محترم ہمشیر گوری لعل گوری سب
دلِ عمدیدہ اسعد نشاط اندوزِ راحت ہے

قصیدۂ مدحیہ

زندہ باش اے مولوی صولت علی خاں زندہ باش
داند ایں راہِ سیاست می تراش و می خراش
تیری پوزیشن رہی ہے ہر جگہ پاک و صاف
ہے ہمارا فرض تیری خدمتوں کا اعتراف

ہیں ثبت صفحات عالم پر تیری قربانیاں
تیرے زریں کارنامے ہیں زمانہ پر عیاں
اے علمبردارِ حریت پلٹ دے عہدِ جور
صد جہنم زارِ لعنت ہے غلامی کا یہ دور

تو غلامی سے چھڑا دے مصطفےٰ آباد کو
سعی پیہم سے مٹا دے ظلم و استبداد کو
گاز کی صورت کتر دے جا بجا نے ذور کو
توڑ دے قوت سے اٹھکر گردنِ مغرور کو

تیرے ایثار و عمل کوشی سے مستبعد نہیں
روکشِ فردوس بنجائے ریاست کی زمیں
کہہ رہی ہے تجھ سے رو رو کر زمینِ رام پور
اپنی صولت سے بنا دے مجھ کو تو دار السرور

ہو چمن زار ریاست میں بہار انقلاب
اہلِ نخوت کو دکھا دے شاہکار انقلاب
کمترین، غمگین اسعد کا یہی ہے مدعا
تیری تعمیر مساعی پر رہے فضلِ خدا

مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ

جناب مولانا محمود صاحب پسر حاجی داؤد ہاشم صاحب کی فرمائش پر یہ چند اشعار جناب مفتی کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ العلماء ہند کی شان میں بمقام تھانہ لکھے گئے جب جناب مفتی صاحب بعد رمضان رنگون تشریف لے جائیں گے تو مدرسہ دارالعلوم تابنوے" رنگون کے جلسہ میں وہاں کے طلبہ اس نظم کو پڑھیں گے۔ انشاء اللہ

اسعد شب ۱۲ر رمضان ۱۳۵۰ھ

علامۂ جہاں ہیں مفتی کفایت اللہ
فہامۂ زماں ہیں مفتی کفایت اللہ

ملت کے ترجماں ہیں مفتی کفایت اللہ
اسلام کی زباں ہیں مفتی کفایت اللہ

قدرت کے راز داں ہیں مفتی کفایت اللہ
سیاحِ لامکاں ہیں مفتی کفایت اللہ

رنگون کی فضائیں رنگین ہو گئی ہیں
جس دن سے میہماں ہیں مفتی کفایت اللہ

غازی مجاہدوں کی روحِ رواں ہیں بے شک
ہاں مرگِ دشمناں ہیں مفتی کفایت اللہ

بے امتیازِ مذہب، بے امتیازِ مشرب
مخدوم و مہرباں ہیں مفتی کفایت اللہ

دارالعلوم تابنوے ہم پایۂ فلک ہے
قسمت سے ضو فشاں ہیں مفتی کفایت اللہ

منقول میں ہیں اکمل معقول میں ہیں افضل
ہر فن کے نکتہ داں ہیں مفتی کفایت اللہ

احباب جانتے ہیں دشمن بھی مانتے ہیں
علم و عمل کی جاں ہیں مفتی کفایت اللہ

کس درجہ رفعتیں ہیں کیسی بلندیاں ہیں
محمودِ آسماں ہیں مفتی کفایت اللہ

یکمشت استخواں ہیں، یہ یہ کمال یارب
قدرت کا اک نشاں ہیں مفتی کفایت اللہ

محمود کیوں نہ ہوتا مشغولِ مدح گوئی
فخرِ جہانیاں ہیں مفتی کفایت اللہ

حیران ہے فصاحت قربان ہے بلاغت
کس درجہ خوش بیاں ہیں مفتی کفایت اللہ

چند اشعار قلم برداشتہ

انعام اللہ خاں کی فرمائش پر کہے گئے، احمد اللہ کے نام سے "الفاروق" میں شائع ہوئے
(حضرتِ والا) رنگون ۲۴ جنوری ۱۹۵۱ء

اے نظامِ حیدرآباد و برآرِ زرفشاں — آپ کے قدموں سے وابستہ ہے اردو کا نظام
ہوگیا اردو کا بھی علمی زبانوں میں شمار — آپ نے جب سے کیا ہے جامعہ کا انتظام
نور افشاں کارناموں نے کیا ہے مقتدر — کافر و مسلم پہ واجب ہوگیا ہے احترام
آپ کی ذاتِ گرامی پر فضائل مختتم — آپ کے نقشِ مقدس پر شرف کا اختتام
بے نظیر و بے عدیل و بے مثال و بے مثیل — جُودِ خاص و فضلِ عام و فضلِ خاص و جودِ عام

حق تعالیٰ آپ کو رکھے ہمیشہ محترم
روز افزوں عزتِ دارین حاصل ہو مدام

چند تاریخی قطعات

حضرتِ والاؒ جس طرح جملہ اصنافِ سخن میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے اور غزلیات منظومات اور قصائد وغیرہ میں آپ کی بدیہہ گوئی و نکتہ آفرینی مشہور و مسلم تھی، اسی طرح آپ تاریخی قطعات و اشعار اور تاریخی مواد برجستہ کہتے تھے۔ شروع کتاب میں آچکا ہے کہ آپ تھانہ بھون تشریف لائے اور وہ وقت آپ کی کم سنی کا تھا آپ نے مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون میں درجۂ فارسی میں داخلہ لیا تھا، اس وقت اپنی آمد تھانہ بھون کی تاریخ کہی تھی ع

"آیا تھا رام پور سے جب "فخرِ رام پور""

تو ظاہر ہے کہ سن شعور اور کمالات سے آراستہ ہونے کے بعد آپ کو تاریخ گوئی کس قدر آسان ہوگی
حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کے تعمیرِ مکان کی جب حضرتِ والاؒ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے برجستہ ذیل کا قطعہ فرمایا تھا ؎

بن گیا جب بفضلِ ربانی — قصرِ محمود خوشنما و رفیع

سالِ ہجری و عیسوی کے لئے — عونِ حق سے کہ ہے بشیر و سمیع
مصرعے دو کہے یہ اسعد نے — جن میں ہر ایک ہے لطیف و بدیع
رشکِ فردوس ہے یہ قصرِ بلند — رُوکشِ خلد ہے یہ کاخِ وسیع

۱۳۷۶ھ — ۱۹۵۷ء

مناظرِ اسلام مولانا نور محمد خاں صاحب مبلغ و مناظر و مدرس مظاہرِ علوم سہارنپور نے مرزائیت (قادیانیت) کی تردید میں ایک کتاب نامی "مغلظاتِ مرزا"، لکھی تو حضرت والا نے اسیر فی البدیہہ یہ قطعۂ تاریخ کہا تھا ۔

خانصاحب مولوی نور محمد نے لکھی — جب کتاب جامعِ اثبات کافر اجرا
لکھ دی یہ تاریخ اسعد نے قلم برداشتہ — اجتماعِ فنِ دشنام جنابِ میرزا

۱۳۵۴ھ

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر حضرت والا کے ایک وقیع مضمون کے ساتھ مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ بھی "شیخ الاسلام نمبر الجمعیۃ" میں شائع ہوا تھا ۔

قطعۂ تاریخ وفاتِ حضرت شیخ الاسلام رح

ز دارِ مجازی بملکِ حقیقت — چو سید حسین احمدِ متقی رفت
حقیقت شناسانِ مذہب بگفتند — کہ دانائے رازِ خدا و نبی رفت
بچشمانِ ما روئے عالم سیہ شد — کہ از زندگی رونقِ زندگی رفت
امامِ شریعت چو رخت از جہاں بست — ز دلہائے دنیا ہمہ خرمی رفت
چو آں نیرِ اعظمِ دانش فرو شد — ز بزمِ جہاں نور و تابندگی رفت
پئے سالِ تاریخ بنوشت اسعد — بدارالبقا پارسا مولوی رفت

۱۳۷۷ھ

تاریخہائے بنائے مسجد اسلامیہ اسکول سہارنپور

(۱)

محسنہ رحمتِ الٰہی ہست — معدنِ جود و منبعِ حسنات
بہرِ اسلامیہ اسکول بساخت — مسجدِ خوب و مطلعِ برکات
گفت اسعدؔ ز بہرِ تاریخش — ثانیِ کعبہ مجمعِ نفحات

۱۳۵۰ھ

(۲)

محسنہ رحمتِ الٰہی ہست — معدنِ جود و مخزنِ خیرات
بہرِ اسلامیہ اسکول بساخت — مسجدِ خوب و مرکزِ برکات
گفت اسعدؔ ز بہرِ تاریخش — مسجدِ تازہ مرجعِ حسنات

۱۳۵۲ھ

محسنہ رحمتِ الٰہی ہست — صاحبِ جود و محسنِ ہر کس
بہرِ اسلامیہ اسکول بساخت — مسجدِ خوب و اطہر و اقدس
گفت اسعدؔ ز بہرِ تاریخش — ہست ثانیِ قبلۂ انفس

۱۳۵۴ھ

محسنہ رحمتِ الٰہی ہست — طالبِ خیر و طالبِ مولیٰ
بہرِ اسلامیہ اسکول بساخت — مسجدِ خوب اوسع و اعلیٰ
گفت اسعدؔ ز بہرِ تاریخش — خلّدَ اللہ مسجد التقویٰ

۱۳۵۴ھ

(نوٹ) "محسنہ" مسجد بنوانے والی خاتون تھیں اور غالباً (۱) تاریخ تاسیس (۲) تاریخ تعمیر (۳) (۴) تاریخ تکمیل ہے۔ واللہ اعلم۔ نسیم احمد غازی مظاہری

حکیم ناظر حسن صاحب نے جب پندرہ روزہ پرچہ "محقق" نکالا تو حضرت والاؒ نے موصوف کی دلجوئی کے لئے چند اشعار برجستہ فرمائے تھے جن میں سے آخری قطعہ تاریخی ہے

کیسے نہ ہو انداز "محقق" نادر — کیونکر نہ ہو دُنیا کو پسندِ خاطر
بغض و حسد و کینہ سے ہو کر پامال — کتنا ہی کہے کوئی غم و رنج و ملال
مشکل سے ملے گی بگمانِ غالب — دُنیا کے صحافت میں "محقق" کی مثال

زندبیر ناظر حسن شد عیاں — "محقق" کہ باشد بدیع الزمن
پئے سالِ آغاز ہاتف بگفت — بگو کامیابیٔ ناظر حسن

۱۳۵۳ھ

سجع گوئی

حضرت والا کی عادت تھی کہ جب کوئی صاحبِ علم یا طالب علم زیارت و ملاقات کے لئے حاضر خدمت ہوتا اُن کا نام دریافت فرماتے اور اُن کے نام کا مصرع سجع فرماتے تھے. مثلاً محمد اکرم کے نام کا مصرع

جملہ انبیاء کریم اند محمد اکرم

محمد انور کا ع — انبیاء جملہ منور اند محمد انور

نسیم احمد کا ″ — دل کی کلیوں کو کھلاتی ہے نسیم احمد

اور بعض نام پر پورا شعر فرماتے تھے. اور بعض نام پر کئی کئی شعر فرما دیتے تھے مثلاً محمد محسن کے نام پر کئی رباعیاں فرمائیں۔

رباعی نمبر ا

چشم مہ و مشرق کے تارے ہیں محمد محسن — ہر چیز سے پیارے ہیں محمد محسن
کس چیز کی دُنیا میں کریں ہم خواہش — ہر طرح ہمارے ہیں محمد محسن

رباعی (۲)

سو جان سے پیارے ہیں محمد محسن — اور راج دلارے ہیں محمد محسن
ہم کو نہیں حاجت کسی تیسرے کی اسعد — ہر طرح ہمارے ہیں محمد محسن

رباعی (۳)

تم زینتِ جسم و جاں ہو محسن — تم کاشفِ اسرارِ نہاں ہو محسن
دنیائے دنی سے نہیں مطلب ہرگز — اسعد کو تمہیں زیبِ جہاں ہو محسن

رباعی (۴)

ظاہر ترا اچھا ہے تو بہتر باطن — آرام سے ہے قلب ہمیشہ ساکن
اسعد تجھے کیا فکر دو عالم ہوگی — دارین میں تیرے ہیں محمد محسن!

فرد

گر دشمن دہر کا ہم کو نہیں خطرہ اسعد — دین و دنیا میں ہمارے ہیں محمد محسن

چند منتخب اشعار

اگر شمع تجلائے جہاں لساں نہیں بنتے — نہ یہ فرش زمیں ہوتا نہ وہ عرش بریں ہوتا
تلون آپ کا ہر آن شان افزائے الذین ہے — کہ نغمہ سازِ تارِ زیر و بم اچھا نہیں ہوتا

نگاہِ قیس شوقِ نازنازی سے پریشاں تھی — کبھی چڑھتی تھی محمل پر کبھی گرتی تھی محمل سے
مکرر بوسہ قندِ مکرر جب لیا میں نے — تو فرمایا کہ کیا حاصل ہوا تحصیلِ حاصل سے

شرمندگیٔ ذوق کو مجھ سے نہ پوچھیے — ہم جس مکاں پہ پہنچے وہ اس کا مکاں نہ تھا
کب تیرا حسن عشق کا آرام جاں نہ تھا — کب میرا عشق حسن کی روحِ رواں نہ تھا
میں بدگمانیوں سے وہاں تھا جہاں نہ تھا — تو اپنی شوخیوں سے وہاں تھا جہاں نہ تھا

یارب کہیں یہ شورشِ اعراض تو نہیں — وہ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ تو ناراض تو نہیں

قلب بے چین ہے جانسوز نگاہوں کے لئے — برق کے واسطے بیتاب ہے خرمن میرا
پھول پھرتا ہے نہ کانٹوں میں الجھتا ہے کبھی — کوشش سے کسی قابل نہیں دامن میرا
خواہش پھر خویش ہے گو غیر کا تابع ہی سہی — خون ہو کر بھی ہے دل زینتِ دامن میرا

ٹوٹ کر گرتا ہے اسعدؔ نگہِ یار پہ دل
برق کو اڑ کے لپٹتا ہے نشیمن میرا

حور تو حیاتی نہیں ہے نار ہیں — کیوں گئے ہم محفلِ اغیار میں

اک اور ستم دیکھئے گو فال ہے اچھی — اس مرتبہ خط میں مجھے مرحوم لکھا ہے

کسی کو ظلم کا مجھ کو کرم کا شکوہ ہے — لگا دل لطف سے پہلے مرا یہ حال نہ تھا

وطن میں ہو نہیں سکتی ہے عزت باکمالوں کی — نہیں ہوتی ہے گوہر کی کبھی توقیر پانی میں
نکالو چارہ سازو تیرِ غم سے پھر کرو چارہ — کہیں ڈوبے ہوئے کی ہوتی ہے تدبیر پانی میں
نجاست دل کی دھل جائے گی دل اشکِ ندامت سے — خدا نے رکھی ہے خاصیتِ تطہیر پانی میں
زوالِ رفعت پسندوں کو یونہی نیچا دکھاتا ہے — نظر آتا ہے جیسے آسماں پیر پانی میں
رخِ روشن کا ہر چشمِ تر میں عکس پڑتا ہے — زمانہ دیکھتا ہے نور کی تحریر پانی میں
شرابِ تند نے میرے جگر کو پھونک ڈالا ہے — تماشا ہے نہاں تھی آگ کی تاثیر پانی میں

ہے دست نگر نیرِ اعظم کا فلک پر — ظلمت نظر آتی ہے جو نورِ قمر میں

تو مہرباں ہے تو جہاں مہرباں ہے — تو مہرباں نہیں تو جہاں مہرباں نہیں

تکلیف سے کر دیتے ہیں جس کو ربطِ خاص — ہم جانتے ہیں جو کرشمہ ہائے یار کی

ناکامیِ حیات و بد وفا کا ہے نتیجہ — ہم اپنے ہی ہاتھوں سے کیا کیا دیکھتے ہیں
مرتے تو ہیں لیکن ہمیں مرنا نہیں آتا — دشوار ہی تعلیمِ فنا دیکھتے ہیں

آپ کیا پہلو سے اُٹھے دم ہی رخصت ہو گیا — آہ پیغامِ اجل لفظِ اجازت ہو گیا
دیکھیے آئینِ اُلفت کی لطافت دیکھیے — عرضِ مطلب داغِ دامانِ محبت ہو گیا

مجھے مایوس کرتے ہیں، مجھے مانوس کرتے ہیں — کبھی زحمت اثر ہو کر، کبھی رحمت فشاں ہو کر

نظامِ زندگانی ہے پریشانی اسے وابستہ — اسی کا نام مرنا ہے کہ دل کو پرسکوں کر لوں

اُن سے ہم طالبِ وفا کیوں ہوں — ہم کو عادت نہیں گدائی کی
پیمانِ نقضِ عہد کیوں توڑتے نہیں — جب تم ہو نقضِ عہد کا پیمان کیے ہوئے

آپ کو اعتبارِ دشمن ہے — آپ کا اعتبار کون کرے

مجھے قتل کرنا تو کیا ٹھہرا کبھی نہ بنا — سبکدوش ہونا سبکدوش کر کے

سرِ جاناں میں سر جانا محبت کا اثر جانا — اسے ہم مبتدا سمجھے اسے ہم نے خبر جانا

کوکب نہیں ہے شمس نہیں ہے قمر نہیں — رہتا ہے کیوں بتوں کا دماغ آسمان پر

کہیں صورت بنانے سے کبھی اکسیر بھی بنتی ہے — نہیں دیتے ہیں بو کے گلِ خوش رنگ پتھر کے

قرآن کی ابتدا میں الف لام میم ہے — اس واسطے ہوں نذرِ الم جاں کیے ہوئے

ہمیشہ کو صاحب سلامت رہوں گا — اگر تم سے صاحب سلامت رہے گی

عار ہے حسن جو منت کش بینائی ہے — ننگ ہے عشق جو شرمندۂ گویائی ہے
جاہ و ثروت کے لئے غیر خدا کے در پر — روح فرسا سجدۂ ناصیہ فرسائی ہے

آفتاب شرف جوہر انساں کا غروب — فکر دنیا کے لئے سر بگریباں ہونا

محفلِ زیست میں خلوت کا نہیں نام و نشاں — آمد و رفت نفس انجمن آرائی ہے

تم جو پہلو سے اٹھے جان لبوں پر آئی — یاد آیا مری جاں اب تو مری جاں ہونا

اُن کے زانو سے رہا کرتی ہے اکثر ہمکلام — "قابلِ صد رشک ہے تقدیر پشت آئینہ"

مجھے دنیا میں راحت ہے امید باغ رضواں سے — قفس میں دل کو بہلاتا ہوں میں یادِ گلستاں سے
نہیں کچھ چل سکی صیاد کی حسنِ تخیل پر — قفس میں دل کو بہلاتا ہوں میں یادِ گلستاں سے

کیوں جلائیں آتشِ حسد میں ہم — اپنے دل کو کباب کون کرے

عشق کا لطف مٹا جاتا ہے — وہ وفادار ہوئے جاتے ہیں

وصل میں کیوں وفورِ حسرت ہے — بحر میں وجہ تشنگی کیا ہے ؟

مے و نغمہ و روئے رنگین و حسرت — پلادے، سنادے، دکھادے، اٹھادے

وفا غرض ہے، محبت ہوس، خلوص نفاق — ہر ایک چیز بڑائی ہے اس زمانے کی

طالبِ صادق ہوں ترکِ مدعا ہے مدعا وصل کے ڈھنڈے لغور سے بھی گھبراتا ہوں میں

آؤ بیٹھیں مرکزِ انوار کی باتیں کریں نور برسائیں رخِ دلدار کی باتیں کریں

وہ ذات ہے جنابِ رسالتمآب کی ادراک کی حدود سے بالا کہیں جسے

رشک کرتا ہے فلک ایسی زمیں پر اسعد جس پہ دو چار گھڑی ذکرِ خدا ہوتا ہے

یہ حجۃ الاسلام حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے دیوان "کلامِ اسعد" سے اپنی پسند کے مطابق چند اشعار کا انتخاب ہے اور یوں تو "پسند اپنی اپنی نظر اپنی اپنی" اس باب کو ہم ایک ایسے لطیفہ پر ختم کرتے ہیں جو حضرت والا کی فراست و بدیہہ گوئی کا آئینہ دار ہے اور اس کا بھی کہ اہل فن جن چیزوں پر فخر کرتے ہیں اور دُنیا کو حیرت میں مبتلا کر دیتے ہیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایسی چیزیں بھی کوئی خاص کمال کی نہ تھیں

عجیب لطیفہ

اخبار الجمعیۃ دہلی میں ۲۶ رشوال ۱۳۴۷ھ مطابق یکم ستمبر ۱۹۲۸ء کو گرونانک کی ایک رباعی شائع ہوئی تھی (بعض لوگوں نے اس کو بابا کبیر داس کی طرف بھی منسوب کیا ہے) اس میں ایسا حساب دیا ہے کہ کسی چیز کے بھی عدد نکالو تو اس حساب سے لفظِ محمد کے عدد (۹۲) اس سے نکل آئیں گے

رباعی

ہر عدد کو چوگن کر لو دو کو اس میں دو بڑھائے اور پوری ہو جڑ کو پانچ گن کر لو بیس سے اس کو بھاگ لگائے
باقی بچے کو نو گن کر لو دو اس میں اور ملائے گرونانک یوں کہتے ہر شے میں محمد کو پائے

مثلاً لفظ انسان کے عدد ۱۶۲ ہیں۔ اس کا چار گنا ۶۴۸ ہے اور دو بڑھا کر ۶۵۰ ہوئے اس عدد کو پانچ گنا کر لیا جائے تو کل ۳۲۵۰ ہو جاتے ہیں پھر اس کو بیس سے تقسیم کیا جائے تو باقی

(۱۰) سمجھتے ہیں (۱۰) کو ۹ گنا کیا جائے تو ۹۰ ہوگئے اس میں ۲ ملاکر ہو جاتے ہیں اور یہ عدد لفظِ محمد کے ہیں

حضرت والا نے ان دونوں (رباعی) کو سن کر فرمایا یہ کوئی کمال کی بات نہیں ہے جس عدد سے جو چاہو نکال سکتے ہو، اور فرمایا لو ہم تمہیں اسی رباعی میں تغیر کر کے دکھاتے ہیں کہ ہر چیز سے اللہ کے عدد برآمد ہوں گے اسی رباعی کو اس طرح پڑھو۔

ہر عدد کو جو گن کر لو دو کو اس میں دو بڑھائے — اور لو رتی جوڑ کو پنج گن کر لو بس سے اکیس کھا کر لگائے
باقی بچے کو چھ گن کر لو چھ کو اس میں دو بڑھائے — حضرت اسعد یوں بولے ہر شے میں اللہ کو پائے

حضرت والا نے دوسرا شعر بدل دیا تو ہر عدد سے اللہ نکلنے لگا۔ پچھلے حساب یا تقسیم کے بعد باقی ۱ بچے تھے اس کو چھ گنا کر کے چھ بڑھانے سے چھیاسٹھ ہو جاتے ہیں جو لفظ اللہ کے عدد ہیں

یہ چند نمونات سخن بطور نمونہ پیش نظر ہیں، اختصار کو ملحوظ رکھ کر انہیں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ہر نوعِ سخن میں آپ کی طبیعت رواں دواں تھی۔ بلاشبہ طلاقت، روانی، جدت آفرینی اور نکتہ سنجی میں آپ لاثانی تھے، آپ کے بہت سے اشعار "حیاتِ اسعد" کے صفحات پر بکھرے ہوئے ہیں اور منظومات مختلف عنوانات کے تحت مناسب مضامین کے ساتھ لکھی گئی ہیں اور آپ کے کلام کا انتخاب ان شاء اللہ العزیز عنقریب منظر عام پر جلوہ افروز ہونے والا ہے، یہاں موضوع کی مناسبت سے "نمونہ از خروارے" کے طور پر اسی پر اکتفا مناسب ہے۔

استاذ الفنون — فنونِ شعر و ادب میں آپ مسلم استاذ ہیں، اس کا تذکرہ مذکورہ اوراق میں آچکا ہے لیکن حق تعالیٰ نے فنونِ شعر و سخن اور علوم ادبیہ انشاء میں آپ کو جوہرِ طبعی و مقامِ اعلیٰ عطا فرمایا۔ وہ مقام و مرتبہ آپ کو اللہ کے فضل و کرم اور ذاتی محنت و مطالعہ سے حاصل ہوا، فنی شعر و سخن میں آپ کا کوئی استاذ نہیں۔ علمِ عروض میں بھی آپ نے اپنے ہی مطالعہ سے مہارتِ تامہ حاصل فرمائی تھی۔ گویا اس فطری ذوق کو جو آپ کی جدی میراث تھی آپ نے نہ صرف محفوظ و باقی رکھا بلکہ اپنی سعی اور جد و جہد سے اسکو ترقی دیکر ایسے کمال تک پہنچایا کہ آپ کو ماہرین شعر و سخن "امام الکلام" "سراج الادباء" "تاج الشعراء" جیسے القاب و خطابات سے یاد کرتے تھے ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ

یوسع بیتیا من تیشاء اس کے باوجود آپ نے "شعروادب" کو کبھی مقصودِ زندگی نہیں بنایا اور نہ اس میں اپنے سرمایۂ حیات وبے بہا ذہانت کو صرف فرمایا۔ بلکہ بالمشقت وبے تکلف گاہے منظوم کلام فرما دیا اور وہ بھی فضول اور بے مقصد نہیں بلکہ مفید اور کارآمد، پھر آپ نے فنونِ "شعروسخن" اور علومِ ادبیہ کو بھی پند ونصیحت اور تبلیغ وتذکیر کا ذریعہ ہی بنایا اور اس طبقہ کو دین سے قریب فرمایا جن کے لئے دوسرے طریقے اثر انداز نہیں ہوتے۔

الحدیث المسلسل بالشعراء قطب العالم، مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے تین رسالے ہیں (۱) الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین" (۲) الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین" (۳) النوادر فی احادیث سید الاوائل والاواخر۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے ان تینوں رسالوں کو یکجا طبع کرایا اور اہتمام سے اس مجموعہ کی اجازت وسند کا سلسلہ جاری فرمایا۔ ہمارے شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب ہر سال اس مجموعہ کا ایک دن اہتمام کے ساتھ درس دیتے جس میں اخیر عمر میں ہزاروں طلباء وعلماء شرکت کرتے اور سند حاصل کرتے تھے۔ رمضان المبارک میں بھی اخیر دور میں حضرت اس کی اجازت کا اہتمام فرمانے لگے تھے۔ جامعہ مظاہر علوم کے مشکوٰۃ و دورہ حدیث کے طلبہ اس میں خصوصیت سے شرکت کرنے اور اجازت وسند حاصل کرتے تھے۔ احادیث مسلسلات" میں الحدیث المسلسل بالاسودین الماء والتمر الحدیث المسلسل بالمصافحہ اور الحدیث المسلسل بالقراء وغیرہ ہیں ایک حدیث المسلسل بالشعراء بھی ہے۔ حضرت شیخ جملہ روایات تسلسل پر اجازت فرماتے اور الحدیث المسلسل بالشعراء پر فرما دیتے کہ بھائی میں شاعر نہیں ہوں۔ جسے اس کا تسلسل باقی رکھنا ہو کسی شاعر سے اسے پڑھے اور اجازت لے اور کبھی حضرت ناظم صاحب وحضرت والاؒ کی طرف متوجہ فرما دیتے

یوں تو ہم نے بیسیوں مرتبہ حضرت سے یہ کتاب پڑھی اور اجازت لی لیکن پہلی بار جب اس کتاب کو پڑھا اور سند حاصل کی تو ہم لوگ حضرت اقدس ناظم صاحب کی خدمت

میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت شیخ نے حدیث مسلسل بالسطر اور یہ فرمایا ہے کہ میں شاعر نہیں حضرت والا اس کی اجازت مرحمت فرمائیں چنانچہ حضرت والا کے سامنے یہ حدیث پڑھی اور باقاعدہ حضرت والا سے اجازت حاصل کی۔

(نوٹ) اس مجموعہ رسائل ثلاثہ میں بہت سی روایات محدثین کے قواعد کی رو سے متکلم فیہ بلکہ روایات موضوع بھی ہیں۔ رتن ہندی اور ابوالدنیا وغیرہ سے جو روایات منقول ہیں وہ سب موضوع ہیں۔ رتن ہندی کی صحابیت ہی محدثین کے نزدیک ثابت نہیں۔ اصابہ میں ان کے متعلق طویل کلام کیا گیا ہے اور ابو الدنیا کو لسان المیزان میں سخت الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ الدنیا اور اور مسلسلات کے رواۃ و روایات پر محدثین کے سخت کلام ہیں۔ لیکن روایت کرنا اور بات ہے اور اس پر ثبوت اور صحت کا حکم لگانا امر آخر ہے۔ اس لئے روایت کی حد تک اس مجموعہ میں کوئی مضائقہ نہیں۔ البتہ روایت کر کے اس کے عدم ثبوت کو مع درجہ عدم ثبوت کے ظاہر کر دینا ضروری ہے اور اس طرح موضوعات کی روایت بالاجماع جائز ہے فقط (از آپ بیتی ع۵)

طلبہ کیلئے شعر گوئی ناپسند تھی حضرت والا شعر کہتے تھے، پسند فرماتے اور ذوق شعر و سخن سے خوش ہوتے تھے جن طلبہ میں یہ ذوق محسوس فرماتے نوٹ کرتے ہے ان کو خاص خاص اشعار سنا کر لطف اندوز فرماتے تھے لیکن اس مشغلہ کو جس طرح آپ نے اختیار نہیں فرمایا اسی طرح کسی اہل علم خصوصاً کسی طالب علم کے لئے پسند نہ فرماتے کیونکہ اس سے اصل مقصد و تعلیم و تعلم اور تکمیل و تعمیل علوم دینیہ میں خلل اور حرج ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے ؎

اثر جب طالبان علم پر ہوتا ہے سشیاں کا
خیال شاعری میں وقت کو برباد کرتے ہیں

ایک مشہور شعر کا قصہ:۔ حضرت والا کے ایک ایسے شعر پر اس بحث کو ختم کرتا ہوں جو عوام و خواص میں مشہور و معروف ہے۔ اور درحقیقت وہ حضرت والا کی زندگی کا ترجمان و آئینہ دار ہے۔ آپ کے خادم و شاگرد مولانا عبدالقیوم صاحب لکھتے ہیں۔ کہ:۔

"لبا اوقات خارجی حالات کا حضرت والا کی طبیع نازک پر اس قدر اثر ہو جاتا تھا کہ معلوم ہوتا کہ آپ بیمار ہو جائیں گے چنانچہ ایک مرتبہ ایسی ہی حالت کی بنا پر طبیعت بہت ہی ضمحل اور سست تھی اور چار پائی پر لحاف اوڑھے ہوئے لیٹے تھے، ناکارہ پاؤں دبا رہا تھا۔ سابقہ تجربہ کی بنیاد پر ناکارہ نے کچھ اشعار اس غرض سے سنانے کا ارادہ کیا کہ شاید طبیعت میں انشراح پیدا ہو جائے۔ چنانچہ ڈرتے ڈرتے عرض کیا کہ اجازت ہو تو نظامی گنجوی کا ایک قطعہ سناؤں۔ حضرت نے نہایت بے دلی سے فرمایا "سناؤ" ناکارہ نے نظامی کے ۹ اشعار سنا دیئے جن میں کا پہلا شعر یہ ہے ؎

دوش رفتم بخرابات و مرا رہ نبود
می زدم ۱۱۱ فریاد و کس از من نشنود

فرمایا کیا زبانی سنا رہے ہو؟" عرض کیا۔ حضرت کوئی اچھی چیز پسندیدہ ہوتی ہے تو وہ یاد رہ جاتی ہے۔ مجھے محسوس ہوا کہ ان اشعار کو سن کر حضرت والا کی طبیعت میں کچھ فرحت ہوئی۔ ناکارہ نے عرض کیا کہ مصلح الامۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب وانت برکاتہم کی خانقاہ میں حضرت سرمد کی رباعیات کے دو کتبے لگے ہوئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے ؎

سرمد اگمہ اختصار می باید کرد — یک کار ازیں دو کار می باید کرد
یا تن برضائے دوست می باید داد — یا قطع نظر ز یار می باید کرد

سرمد غم عشق بوالہوس را ندہند — سوز غم پروانہ مگس را ندہند
عمرے باید تا یار آید بکنار — ایں دولت سرمد ہمہ کس را ندہند

ان اشعار کو سن کر حضرت والا اٹھ کر بیٹھ گئے۔ ناکارہ نے عرض کیا کہ حضرت ایک بہت ہی عمدہ شعر کا کتبہ (بھی) وہاں لگا ہوا ہے۔ فرمایا سناؤ، میں نے عرض کیا ؎

آسماں سجدہ کند پیش زمینے کہ برو — یک دو کس یک دو نفس بہر خدا بنشینند

حضرت والا نے اس شعر کو بہت پسند فرمایا۔ قدرے زیر لب گنگنا کر فرمایا۔ "ہم بھی اسی کمرے میں لکھ کر لگا دیں گے لیکن فارسی شعر کے بجائے اردو میں اس کا ترجمہ لکھ کر لگا دو ؎

رشک کرتا ہے فلک ایسی زمیں پر اسعد
جس پہ دو چار گھڑی ذکرِ خدا ہوتا ہے

ناکارہ نے فوراً ہی باریک قلم سے لکھ کر لگا دیا۔ اس کے بعد دوبارہ حاضری ہوئی تو وہ کتبہ نہایت خوشخط آیت کریمہ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ کے اضافہ کے ساتھ نظر نواز ہوا۔ اس شعر نے وہ شہرت حاصل کی کہ اصل شعر کو بھی وہ شہرت نصیب نہ ہوئی ہوگی۔"

حضرتِ والاؒ اخیر عمر میں ذکرِ سخن و شعر گوئی کو بالکل ترک فرما چکے تھے۔ لیکن حیات کے آخری لمحات تک دماغ حاضر اور قوتِ حافظہ بحال رہی ان میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا تھا اور ہزاروں اشعار اس طرح زبان زد تھے کہ گویا آپ منتخب اور عمدہ اشعار کا ایک زندہ و تابندہ دیوان تھے۔ اسی طرح شعر گوئی سے قصداً بے التفاتی فرمائی تھی ورنہ اخیر تک آپ کی شاعری محتاجِ فکر و منت کشِ تصنع نہ تھی۔ گاہے بلا تکلف اور بلا تفکر اشعار فرما دیتے تھے

غالب چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی
پیتا ہوں روزِ ابر و شبِ ماہتاب میں

پند و نصائح

حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی مبارک زندگی ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (اپنے پروردگار کی راہ کی جانب بلایئے دانائی اور عمدہ نصیحت کے ذریعہ اور اس سے بہترین اخلاق کے ذریعہ مقابلہ کیجئے۔) کی مصداق و آئینہ دار تھی۔ آپ بلا تفریق مذہب و ملت اور بلا امتیاز بیگانہ و یگانہ سب ہی لوگوں کو دین کی دعوت ایسی حکمت و دانائی سے دیتے تھے کہ جن لوگوں کو دعوت دی جلد ہی سے وہ اس کو بخوشی قبول و منظور کرتے اور اس پر عمل پیرا ہوجاتے تھے۔ اور غیر محسوس طریقہ پر ان کی زندگی میں ایک صالح انقلاب بپا ہوجاتا تھا

کلمہ گو حضرات کی زندگی شریعت کے سانچے میں ڈھل جاتی اور اُن کو اتباعِ سنت کا شوق پیدا ہو جاتا تھا اور غیر مسلم حضرات میں عمدہ عادتیں پیدا ہو جاتیں اور وہ رفتہ رفتہ اسلام سے قریب تر ہونے چلے جاتے تھے۔ کمال یہ تھا کہ ہر ایک کی حیثیت کو سامنے رکھ کر اور نفسیاتی اعتبار سے مخاطب پر نظر فرما کر اسی کے ذہن سے قریب تر کر کے نصیحت فرماتے۔ حضرات علمائے کرام و طلبہ کو ان کے شایانِ شان کوئی مفید بات، عمدہ نصیحت، بہترین ہدایت اور کلمۂ حکمت ارشاد فرماتے تھے۔ اہلِ علم حضرات کے ساتھ خطاب فرماتے تو نصوص، اقوالِ سلف اور عربی، فارسی یا اُردو کے عمدہ اشعار ضرور پیش فرماتے۔ حقائق و نکات اسرار و رموز بیان فرماتے، کبھی کبھی کسی واقعہ کی روشنی میں کوئی خاص نصیحت فرماتے تھے، عوام الناس کو سیدھے سادے انداز اور عام فہم کلمات سے نصیحت فرماتے تھے۔ آیاتِ قرآنیہ و نصوصِ حدیثیہ پڑھتے تو اُن کے سہل ترین مطالب ان کے ذہن نشین کر دیتے۔ اسلاف و اکابر کے اقوال و واقعات بھی سناتے تھے۔ غیر مسلموں کو ایمانیات کی کوئی اہم ہدایت فرماتے اور اُن کے ذہن نشین فرما دیتے۔ مثلاً پیدا کرنے والے کی قدرت و عظمت کا بیان آسمان، زمین، چاند، سورج ستاروں اور خود انسان کی اپنی ذات میں غور و فکر کراتے اور اس طریقہ سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی معرفت کی راہیں اُن پر کھل جاتیں۔ تقدیر و قسمت کی بات فرماتے اور اس پر اُن کے ذہن کے قریب کر کے کلام فرماتے وہ لوگ دعا کی درخواست کرتے تو اللہ کی قدرت، عظمت اور اختیار وغیرہ کو بیان فرماتے مثلاً دعا کریں گے اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے، اور اسی کے حکم سے سب کام ہوتے ہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ اسی کو راضی کرنے کی کوشش کرے اسی کے سامنے جھکے، اسی سے مانگے اُسی پر بھروسہ کرے وغیرہ۔ بعض بُری عادتوں سے باز رکھنے کی کوشش فرماتے مثلاً شراب کے خوگر کو شراب کے دنیاوی نقصانات بتاتے اور بدنظری کی دُنیوی تباہیوں سے آگاہ فرماتے زنا وغیرہ کا اگر کوئی مریض آتا تو اس کو ایسے انداز سے سمجھاتے کہ اس کو ایسی حرکتوں سے نفرت ہو جاتی اور یہ بھی محسوس نہ ہوتا کہ حضرت پر میرے عیوب کھل گئے ہیں۔ ایک صاحب ایسے ہی مریض آئے جن کا تعلق ایک کھنگوں سے تھا۔ آپ نے فرمایا کہ جیسے اپنی ماں باپ کی عزت کی جاتی ہے اور دوسرے کے ماں باپ کی بھی عزت کی جائے۔ اپنی بہن بیٹی کی عزت جس طرح محبوب

ہوتی ہے دوسروں کی بہن اور بیٹیوں کی بھی ایسی ہی عزت کرنی چاہئے اور اُن کی عزت کو بھی اسی طرح محبوب رکھنا چاہئے کیونکہ سب لوگ اسلامی رشتہ سے یا انسانی رشتہ سے بھائی ہیں اور بھائیوں کی سب کی عزت ایک ہوتی ہے اور پھر آپ پر رقت طاری ہوگئی، آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور فرمایا کہ میں جس طرح اپنی بیٹی اور بہن کی عزت کرسکتا ہوں ایک اس شخص کی بیٹی اور بہن کی عزت بھی مجھے اتنی ہی محبوب ہے جس کو لوگ بھنگی کہتے ہیں۔ حضرت والا کے ان دردبھرے کلمات اور قلبی توجہ سے وہ چند منٹ ہی میں ایسا تائب ہوگیا کہ اس گناہ سے اس کو نہایت شدید نفرت ہوگئی۔ اسی لئے شاید اولیاء اللہ کی صحبت کو "اکسیر اعظم" اور مخلصانہ عبادت سے بہتر فرمایا گیا ہے

یک زمانہ صحبتے با اولیاء　　بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

(اولیاء اللہ کی تھوڑی دیر کی صحبت سیکڑوں سال کی مخلصانہ عبادت سے بڑھ کر ہے)

ایک نوجوان ہندو آپ کے پاس آتے تھے اور بدنظری کا ان کو مرض تھا حضرت والا نے ایک دن اُن سے ارشاد فرمایا، بیٹا نظر کی حفاظت کرنی چاہئے ادھر اُدھر دیکھنا شرافت کے خلاف ہے۔ بس اسی ایک جملہ نے کایا پلٹ کردی اور اس نوجوان نے اس حرکت سے نہایت پختہ توبہ کرلی۔

غیر مسلموں کو دعوت و نصیحت نہایت اہتمام و توجہ اور دلسوزی و ہمدردی سے فرماتے تھے اور اس کے لئے آپ کافی محنت و مشقت اٹھاتے تھے۔ چنانچہ آپ ہر جمعہ کو جامع مسجد پیدل آمد و رفت کرتے اور آتے جاتے راستہ میں خاص طور سے غیر مسلموں سے ملتے، مزاج پرسی فرماتے اور کوئی نہ کوئی کلمۂ خیر ضرور فرماتے تھے۔ غیر مسلم حضرات بھی آپ کے منتظر رہتے اور دیکھتے ہی اپنی اپنی دکانوں سے اُتر آتے اور سڑک پر ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہوجاتے، سلام کرتے اور دعا کے لئے درخواست کرتے تھے۔ حضرت اُن کے لئے ایسی جامع دعا فرماتے جو اُن کی ہدایت اور ایمان پر بھی مشتمل ہوتی۔

خاص نصیحتیں حضرت والا کی خاص طور پر مندرجہ ذیل امور کے متعلق تاکیدیں اور نصیحتیں ہوتیں اور اُن کی تعبیرات مختلف طریقوں سے حسب موقع فرماتے تھے۔ (۱) توحید اور اللہ جل شانہٗ کی معرفت، عظمت اور محبت (۲) رسالت، عظمتِ رسولؐ اور اتباع شریعت و سنت۔ (۳) نماز کی پابندی اور باجماعت ادائیگی۔

(۴) علماء ... اور سالکین کو جماعت کی پابندی کے ساتھ تکبیرِ اولیٰ اور صفِ اول کی تاکید (۵) متمول حضرات کو ادائیگی زکوٰۃ و حج کی تلقین (۶) اسلامی وضع اور صلحاء سے مشابہت اور اُن کی پیروی (۷) تقویٰ اور پاکیزہ زندگی (۸) معاملات کی صفائی (۹) ذکر و تسبیحات کی ترغیب و برکات (۱۰) ہمدردی، ایثار، محبت اور انسانوں کے ساتھ درجہ بدرجہ اچھا سلوک۔ (۱۱) والدین اگر زندہ ہوں تو اُن کے ساتھ حسنِ سلوک اور وفات پاگئے ہوں تو دعائے خیر و ایصالِ ثواب کا تسلسل (۱۲) گفتگو کا اعتدال نہ اتنی آہستہ کہ مخاطب کو سمجھنے میں دقت ہو اور دوبارہ معلوم کرنا پڑے اور نہ اتنے زور سے کہ مخاطب پریشان ہو جائے (۱۳) بات پوری کہی جائے جس میں تشنگی اور مخاطب کے سمجھنے میں کمی نہ رہ جائے (۱۴) لغو و فضول اور بیہودہ گفتگو سے اجتناب۔ (۱۵) بڑوں کا احترام، والدین کی قدر، اساتذہ کی عظمت و احترام۔ ساتھیوں اور ہم عمروں سے مروت و خوش اخلاقی چھوٹوں پر شفقت و محبت سب سے محبت اور سب کا ادب و احترام (۱۶) فحش گوئی و بداخلاقی سے پرہیز (۱۷) حق تلفی سے اجتناب (۱۸) قرض لینے سے احتیاط (۱۹) کام میں محنت و مشقت (۲۰) امانت و دیانت (۲۱) اخلاص و للہیت (۲۲) حوصلہ و ہمت و عزم اور صبر (۲۳) قناعت اور تسلیم و رضا (۲۴) موت کی تیاری (۲۵) آخرت کی فکر (۲۶) اللہ کی خوشنودی (۲۷) اپنی زندگی کی قدر (۲۸) ذمہ داریوں کا احساس (۲۹) تکبر و تعلّی اور فخر و غرور سے نفرت (۳۰) علماء، صلحاء، مشائخ و اساتذہ اور والدین کی خدمت (۳۱) بندگانِ خدا کی خدمت (۳۲) تعلیم میں ترقی اور علومِ نبویہ میں محنت (۳۳) اپنے محسنوں کا شکر اور اُن کے لئے دعائے خیر (۳۴) قرآن پاک سے تعلق اس کی تلاوت (۳۵) رزقِ حلال کی کوشش (۳۶) اپنے آپ کو ذلتوں سے بچانا (۳۷) جو کام کریں شرعی حکم کے تحت کریں اور اس پر مواظبت و پابندی کی جائے (۳۸) چھوٹی سی نیکی اور چھوٹے گناہ کو حقیر نہ سمجھیں (۳۹) ہر حال میں توبہ و استغفار کی پابندی (۴۰) زندگی کی فرصت کو غنیمت جانیں اور اس کو صحیح مصرف میں صرف کریں (۴۱) ظاہر و باطن کی پاکیزگی وغیرہ وغیرہ

یہ وہ خاص نصیحتیں ہیں جو حضرت والا سے عام طور پر سننے میں آئی ہیں۔ ان کے علاوہ مخاطب کی ضرورت و مصلحت کے اعتبار سے آپ نصیحت فرماتے اور ہر موقع پر کوئی ایک شعر یا چند اشعار اکثر پڑھتے تھے۔ حضرت والا کا یہ معمول تھا کہ آپ سے جو بھی ملاقات کرتا اس کو محروم نہ فرماتے ضرور اس کو کوئی مفید بات اور عمدہ نصیحت کا ہدیہ عطا فرماتے تھے۔ آخر عمر میں ملاقات اور نصیحت کے وقت

آپ پر رقت زیادہ طاری ہوتی اور بے اختیار آنسو بہہ پڑتے تھے۔ نصیحت فرما کر اکثر فرماتے تھے کہ آپ کو میری بات ناگوار ہوئی ہو تو آپ مجھے معاف فرما دیں، آپ کو تکلیف پہنچی ہو تو آپ معاف فرما دیں

جاہل بیوی بیوی شوہر کے گھر کی پوری ذمہ دار، امانت دار، بلکہ اس چھوٹی سی حکومت کی ملکہ ہوتی ہے۔ نسلوں کی سب سے پہلی معلمہ یہی ہوتی ہے۔ اس لئے بیوی کا انتخاب بہت دیکھ بھال کر سوچ سمجھ کر ہونا چاہیئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عورت سے نکاح چار چیزوں میں سے کسی ایک پر ہوتا ہے یعنی کشش کا باعث یہ چیزیں ہوتی ہیں (۱) مال (۲) جمال (۳) حسب ونسب یعنی ذاتی شرافت (۴) دین۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیندار عورت پر کامیاب ہو جا یعنی دیندار عورت کا انتخاب نکاح کے لئے کیا جائے۔ اسی لئے حضرت والاؒ نوجوانوں کو اسی کی ترغیب دیتے تھے اور فرماتے تھے جاہل عورت سے شادی کرنا وبال جان ہوتا ہے۔ حضرت والاؒ نے فرمایا ؎

حاصل نہیں ہوتی کبھی اس کو خوشی فرصت نہیں پاتا ہے مصائب سے کبھی
دن رات پریشان رہا کرتا ہے ملتی ہے جسے غیب سے جاہل بیوی

حقیقت یہی ہے کہ جاہل بیویوں سے نسلیں بگڑ رہی ہیں اور خاندان خراب ہو رہے ہیں، مگر افسوس کہ لوگ مال وجمال وغیرہ کو دیکھتے اور اُن پر ریجھتے ہیں اور دینداری کو تلاش نہیں کرتے

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

زن بد در سرائے مرد نکو در ہمیں عالم است دوزخ او
(نیک آدمی کے گھر میں بری عورت اسی دنیا میں اس کی دوزخ ہے)
زنہار از زن بد زنہار وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّار
(خدا کی پناہ خدا کی پناہ بری عورت سے پروردگار دوزخ کے عذاب سے ہمیں بچا لیجئے)

استاذ کی خدمت والدین کی خدمت سے عمر میں اور استاذ کی خدمت سے علم میں برکت ہوتی ہے۔ حضرت والاؒ بچوں، نوجوانوں اور طلبہ کرام کو اس کی بھی تاکید فرماتے تھے۔ والدین کی خدمت وعظمت کے سلسلہ میں تو حضرت والاؒ کی منظوم آ رہی ہے استاذ کے ادب واحترام کے سلسلہ میں بھی آپ نے فرمایا ؎ اپنے دل پہ نقش کر لو جانِ من ... کیمیا ہے خدمتِ آموزگار
زندگی کا کچھ نہیں ہے اعتبار

فرماتے کہ استاذ کی سختی اور جور و زیادتی پر بھی صبر کرنا چاہیئے اس کا نتیجہ بہت عمدہ ہوتا ہے آپ کا ارشاد ہے کہ ؎

گر پہ جو پڑتے میں کھاتا ہے ڈنڈا
وہی گاڑتا ہے لیاقت کا جھنڈا

زدوکوب نہ کی جائے :- آپ طلبہ کو زدوکوب کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ اب وہ زمانہ نہیں کہ شاگرد استاذ کی زدوکوب کو برداشت کریں۔ اس زمانے میں زدوکوب بالکل نہ کرنی چاہیے۔ حضرت والا خود شفقت و مہربانی کے خوگر تھے اور یہی دوسروں سے پسند فرماتے تھے۔

دوسروں کیلئے وہ پسند کرو جو اپنے لئے کرتے ہو { اس مضمون کی حدیث لکھی ہے ما احب للناس ما تحب لنفسک (لوگوں کے لئے وہ پسند کرو جو اپنے لئے کرتے ہو) ایک اور حدیث میں ہے، ان تحب لاخیک ما تحب لنفسک (ایمان کی علامت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کے لئے وہ پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو۔) حضرت والا کا ارشاد ہے کہ دوسروں کے ساتھ جو معاملہ کرو تو یہ خیال کر لو کہ اگر اس کی جگہ میں خود ہوتا تو اپنے لئے کیا پسند کرتا۔ پس جو کچھ اپنے لئے پسند کرتے اسی انداز سے اس کے ساتھ برتاؤ کرو۔

متوسلین و متعلقین کو نصائح { عنوان۔ "ارشاد و تربیت اور اصلاح خلق" کے تحت وہ نصیحتیں گذر چکی ہیں جو حضرت والا اپنے مریدین و متوسلین کو بیعت کے وقت اور اس کے علاوہ دوسرے اوقات میں فرماتے تھے۔ اسی طرح جو نصائح خلفاء و مجازین کو فرماتے تھے وہ بھی فہرست خلفاء و مجازین میں گذر چکی ہیں۔ وہاں ملاحظہ فرمائی جائیں۔ دراصل حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حیات بابرکات پوری کی پوری علم و عمل کی محنت اور خلق خدا کو مختلف ذریعوں سے فائدہ رسانی میں گذری ہے دیگر دائمی وظائف کے ساتھ ایک مستقل وظیفہ پند و نصیحت تھا، کسی ملاقاتی کسی حاضر خدمت ہونے والے بڑے چھوٹے، عالم، غیر عالم اور مسلم و غیر مسلم کو آپ خالی واپس نہ فرماتے تھے۔ بلکہ کوئی نہ کوئی عمدہ پند اور اچھی نصیحت ضرور فرماتے تھے۔ خود حضرت حجۃ الاسلام

رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ؎

عجب پُر لطف میری عاشقی کی زندگانی ہے
نصیحت کی نصیحت ہے کہانی کی کہانی ہے

آخری دور کی نصیحت:- پاکیزہ زندگی تقویٰ، اتباعِ سنت و شریعت جیسی جامع نصائح تو آپ کی مستقل نصائح تھیں۔ زمانۂ ضعف میں حضرت والاؒ اکثر یہ شعر پڑھتے تھے ؎

ہماری یہ نصیحت یاد رکھو — کہ ہر شے میں شریعت یاد رکھو

دیگر خاص خاص نصائح کا ذکر آئندہ عنوان "عادات، معمولات اور ملفوظات" کے تحت آرہا ہے۔

آخری نصیحت:- حضرت والاؒ نے اپنے لختِ جگر نورِ نظر صاحبزادۂ محترم حضرت مولانا محمد اللہ صاحب مدظلہٗ سے ارشاد فرمایا کہ ہم تمہارے واسطے سب کچھ چھوڑے جا رہے ہیں ہو سکے تو اس سے فائدہ اٹھاتے رہنا اور میرے ملنے والوں سے تعلق قائم رکھنا۔

وفات کے بعد:- وفات حسرت آیات کے بعد خدام و متوسلین نے حضرتِ والاؒ کی خواب میں بار بار زیارت کی۔ بہت سوں کو آپ نے نصیحتیں فرمائیں مثلاً ایک خادم کو تاکید کی کہ جھوٹ سے پرہیز کرو۔ ایک کو استقامت کی ترغیب دی۔ اس سلسلہ کی بہت سی تحریری اطلاعات ہمارے پاس موجود ہیں مگر اختصار کے پیش نظر ان کو درج نہیں کیا گیا

منظوم نصائح

پند سود مند

(رنگون ۲۰ $\frac{۹}{۴۴}$)

بزدل نہ بن شعارِ شجاعت کبھی نہ چھوڑ — ڈر کر کسی سے حق کی حمایت کبھی نہ چھوڑ
غیظ و غضب میں شانِ شرافت کبھی نہ چھوڑ — رنج و تعب میں آن و مروّت کبھی نہ چھوڑ
رستہ خدا کی مان، عبادت کبھی نہ چھوڑ — دامانِ اتقاء شریعت کبھی نہ چھوڑ
محنت کبھی نہ چھوڑ مشقت کبھی نہ چھوڑ — ہاں ہاں نہ چھوڑ دامنِ ہمت کبھی نہ چھوڑ
یارانِ بد خصال کے سائے سے دور بھاگ — مردانِ برگزیدہ کی صحبت کبھی نہ چھوڑ
احباب پر خلوص کا ہر وقت پاس کر — آئینِ لطف و مہر و مروّت کبھی نہ چھوڑ

بے کسوں یا یتیموں کا ہمیشہ خیال رکھ — بیکس، یتیم، رانڈ کی خدمت کبھی نہ چھوڑ
گو جھیلنا پڑیں تجھے لاکھوں مصیبتیں — لیکن نہ چھوڑ فکرِ سعادت کبھی نہ چھوڑ

اسعدؔ گرہ میں باندھ لے یہ پند سودمند
پابندیِ نمازِ جماعت کبھی نہ چھوڑ

(رنگون ۲۱ ؍ ۹ ؍ ۴۶ء)

بیوقوفی پہ ہے بنائے ژاژ عہ — کیوں مرے لب ہوں آشنائے ژاژ
یاوہ گوئی سے مجھ کو کیا مطلب — میرے دشمن ہوں مبتلائے ژاژ
لغو باتوں سے اجتناب کرو — عمدہ باتیں کرو بجائے ژاژ
ژاژ خائی خلافِ دانش ہے — جہل ہوتا ہے رہنمائے ژاژ

یہ دعا ہے زبانِ اسعدؔ سے
دور رکھے خدا بلائے ژاژ

گھمنڈ

ہے حماقت زہد و طاعت پر گھمنڈ — بے وقوفی ہے عبادت پر گھمنڈ
مال و دولت کا نہیں کچھ اعتبار — رائگاں ہے مال و دولت پر گھمنڈ
کیا مناسب ہے گناہوں پر غرور — جب ہے ناجائز عبادت پر گھمنڈ
علم و حکمت روکتے ہیں فخر سے — ہے جہالت علم و حکمت پر گھمنڈ
زہد و طاعت بھی اُسی کا فیض ہے — لغو ہے پھر زہد و طاعت پر گھمنڈ
چار دن کی چاندنی ہے بے گماں — کیجئے کیا حسنِ صورت پر گھمنڈ
زور و طاقت چلتی پھرتی چھاؤں ہے — کیجئے کیوں زور و طاقت پر گھمنڈ
کیجئے ہرگز نہ قوت پر گھمنڈ — جاہ پر نازش نہ عزت پر گھمنڈ
جن کو دیتا ہے خدا عقلِ سلیم — وہ نہیں کرتے لیاقت پر گھمنڈ
دیکھئے قارون کا انجامِ بد — کیجئے کیا مال و دولت پر گھمنڈ
قابلیت پہلے پیدا تو کرو! — پھر ہی کرنا قابلیت پر گھمنڈ
عزت و رفعت پہ کر شکرِ خدا — بدنما ہے عز و رفعت پر گھمنڈ

عہ بیہودہ بکواس ۱۲

علم پر بھی ناز کرنا عیب ہے
لوگ کرتے ہیں جہالت پر گھمنڈ

غزل

رنگون ۲۶ ۳/۴۷ء

ہے خطا صحبتِ اربابِ جفا سے عراض | ہے بُرا خدمتِ اصحابِ ہُدیٰ سے اعراض
زہر ہے سنتِ محبوبِ خدا سے اعراض | عقل والے کہیں کرتے ہیں دوا سے اعراض
رونقِ دینِ پیمبر ہے گروہِ علماء | سمِّ قاتل ہے گروہِ علماء سے اعراض
باعثِ قہرِ خدا ہے جہلاء کی صحبت | موجبِ لطفِ خدا ہے جہلا سے اعراض

اہلِ تقویٰ کی تو صحبت ہے غنیمت اسعدؔ
بے وقوفی ہے فیوضِ صلحا سے اعراض

غزل

رنگون ۱۶ ۳/۴۸ء

ہے اگر اعزاز و عظمت کی طمع | کیجئے صبر و قناعت کی طمع
مذہب و دین و دیانت کی طمع | امن و ایمان و امانت کی طمع
طاعت و زہد و شرافت کی طمع | مصحفِ حق کی تلاوت کی طمع
حکمت و علم و فضیلت کی طمع! | کسبِ آدابِ شرافت کی طمع

بخشش و جود و سخاوت کی طمع
قوتِ قلب و شجاعت کی طمع

غزل

اس کو لطفِ زندگی حاصل نہیں | جو نبیؐ کے عشق میں کامل نہیں
کیف کی جنت ہے ذوقِ انہماک | سعی لاحاصل بھی لاحاصل نہیں
پار رہنے کا تصور ہی غلط | بحرِ الفت کا کہیں ساحل نہیں
سن، کرشمے اسنجِ حسنِ خوش ادا | تیرا دل ہی عشق کے قابل نہیں

ماجرا کیا ہے نہیں کھلتا ہے کچھ — آج تک قابو میں ہمارا دل نہیں
پوچھتا ہوں راہِ تکمیلِ مجاز — ہیں مذاقِ شیخ سے غافل نہیں
قدردانِ مدعائے دوستاں ہوں — کوئی بھی مشکل مجھے مشکل نہیں
گم رہا کرتا ہوں زاہد حسن میں — اب بتا عاقل ہوں یا عاقل نہیں
اس کو کیا ہو کیف ذوق و ذوقِ کیف — میکدہ والوں میں جو شامل نہیں
امتیازِ معنیِ جود و کرم — شیوۂ دلدادۂ کامل نہیں
اس کرم کی بھی ہے کوئی انتہا! — وہ خفا اس سے ہیں جو سائل نہیں
وائے قسمت کوئی صورت عشق میں — وجہِ تکمیلِ نشاطِ دل نہیں
اس میں مضمر ہے نشاطِ زندگی — کیفِ روحانی سے دردِ دل نہیں
خاک سمجھے گا وہ رازِ کن فکاں — مذہبِ رنداں میں جو شامل نہیں

عشقِ اسعد کی بلندی دیکھیے
آشنائے آرزوئے دل نہیں

غزل

کیفِ روحانی اسے حاصل نہیں — جو بنی آدم کے عشق میں کامل نہیں
گوشہ گوشہ دل کا ہے فردوسِ کیف — بے بہا نعمت ہے دردِ دل نہیں
کیوں نہ ہو دنیا سے غافل کیوں نہ ہو — جو تمہاری یاد سے غافل نہیں
ذوق و شوقِ رہ نوردی دیکھیے — آرزوئے ساحل و منزل نہیں
وہ خدا کی رحمتوں سے دور ہے — مذہبِ برحق میں جو داخل نہیں
کیا کرے گا دوسروں کو وعظ و پند — علم پر اپنے جو خود عامل نہیں
جس کو ہو اپنے کمالوں پر غرور — وہ مرے نزدیک تو کامل نہیں
جو چھپا سکتا نہیں ہے رازِ دل — جاہل و احمق ہے وہ عاقل نہیں
وہ کسی تکریم کے قابل نہیں — جس کو کچھ علم و ہنر حاصل نہیں
جو کفایت سے نہیں کرتا ہے خرچ — اور کیا ہے وہ اگر جاہل نہیں

گو ہزاروں شغل ہیں دن راتیں
لیکن اسعد آپ سے غافل نہیں

ناصحانہ چند اشعار

معارف اس سے پوشیدہ حقائق اس سے مخفی ہیں
جو عالم میں فدائے ملتِ بیضا نہیں ہوتا
تمہارے واسطے اسعد کہیں بہتر ہے شاہی سے
کہ اک ادنیٰ غلامِ مصطفیٰ تم ۔۔ ہو

نہ یوں ڈر ڈر رہو در در نہ یوں مارے پھرو گھر گھر — کسی کے ہو رہو تم یا کسی کو اپنا کر رکھو

خویش پھر خویش ہے گو غیر کا تابع ہی سہی — خون ہو کر بھی ہے دل زینتِ دامن میرا

وطن میں ہو نہیں سکتی ہے عزت باکمالوں کی — نہیں ہوتی ہے گوہر کی کبھی توقیر پانی میں
خدا رفعت پسندوں کو یوں ہی نیچا دکھاتا ہے — نظر آتا ہے جیسے آسمان زیر پانی میں
نجاست دل کی دھل جائے نہ کیوں اشکِ ندامت سے — خدا نے رکھی ہے خاصیتِ تطہیر پانی میں

ہے دست نگر نیرِ اعظم کا فلک پر — ظلمت نظر آتی ہے نظر تو رخِ قمر میں

بہت دقت سے ہوتی ہے کسی کی آرزو پیدا — بڑی مشکل سے ارمانِ دلِ مضطر نکلتے ہیں

عشق سے مقصود ہے کیفیت سوز و گداز — بوالہوس محوِ خیالِ لطف و لذت ہو گیا
دیں فروشی عادتِ اربابِ ملت ہو گئی — کثرتِ کثرت میں گم مقصودِ وحدت ہو گیا

آپ کو اعتبارِ دشمن ہے — آپ کا اعتبار کون کرے

سرِ جاناں میں سر جانا محبت کا اثر جانا — اسے ہم مستند سمجھے اسے ہم نے خبر جانا

کوکب نہیں ہے شمس نہیں ہے قمر نہیں — رہتا ہے کیوں بتوں کا دماغ آسمان پر

کہیں صورت بنانے سے بھلا سیرت بھی بنتی ہے — نہیں دیتے ہیں بُو گلِ خوش رنگ پتھر کے

جاہ و ثروت کے لئے غیرِ خدا کے در پر — رُوح فرسا بخدا ناصیہ سائی ہے

آفتابِ شرفِ جوہرِ انساں نفس کا غروب — فکرِ دنیا کے لئے سر بگریباں ہونا

چھوڑ بھی ذکرِ بتاں یادِ خدا یاد آئی — تجھ سے دانا کو مناسب نہیں ناداں ہونا

مجھے دُنیا میں راحت ہے امیدِ باغِ رضواں سے — قفس میں دل کو بہلاتا ہوں میں یادِ گلستاں سے

یہ جہانِ رنگ و بو ہوگا ترے دل پر فدا — جب ترا دل بے نیازِ رنگ و بو ہو جائیگا

تجھ کو کیا علم شیخ ظاہر بیں — جلوۂ حسنِ سرمدی کیا ہے؟
اے پرستارِ شیوۂ مغرب — غور کر اسوۂ نبیؐ کیا ہے؟
مکر و تزویر کذب و عیاری — اور تہذیبِ مغربی کیا ہے؟

حاصل نہیں ہوتی کبھی اس کو خوشی — فرصت نہیں پاتا ہے مصائب سے کبھی
دن رات پریشان رہا کرتا ہے
ملتی ہے جسے نصیب سے جاہل بیوی

بچوں کے لئے منظوم نصیحتیں

حضرت والا بچوں سے بہت پیار کرتے، ہمیشہ اُن کو ادب و تہذیب سکھاتے اور اُن کی تربیت کی پوری پوری سعی فرماتے تھے۔ حضرت والا چھوٹے بچوں کو فارسی کا مشہور شعر زبانی یاد کراتے اس کا مطلب ذہن نشین کراتے اور اس کو بار بار سن کر بچوں کے دل میں نماز کی اہمیت بٹھلاتے تھے وہ شعر یہ ہے ؎

روزِ محشر کہ جاں گداز بود اولیں پرسشِ نماز بود

(محشر کے دن جب غم و مصیبت سے جان پگھل رہی ہوگی، سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا۔)

حضرت والا فرماتے تھے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بچوں سے بہت پیار کرتے تھے اس لئے بچوں سے پیار کرنا سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں نماز شروع کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ نماز کو طویل کروں، لیکن جب کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز کو مختصر کر دیتا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ بچے کے رونے سے اس کی ماں کو کس قدر تکلیف ہوتی ہے (مشکوٰۃ صفحہ ۱۰۱ بحوالہ بخاری)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بچوں کو تحنیک کے لئے لایا جاتا تھا۔ (تحنیک کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برکت کے لئے چھوارہ چبا کر اس کا لعاب بچے کے تالو کو لگا دیتے تھے) تو آپ بچے کو اپنی گود میں لے لیتے تھے۔ بعض مرتبہ بچہ آپ کی آغوش میں پیشاب بھی کر دیتا تھا، آپ اس کو دھلوا لیتے تھے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ پانچ بچوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوشِ مبارک میں پیشاب کیا ہے اور ان کو ذہن نشین کرانے کے لئے حضرت والا طلبہ کو یہ شعر یاد کرا دیتے تھے۔

بائل بحجر احمدی ابن الزبیر ہست
ہم ابن ام قیس، سلیمان حسین، حسن

(یعنی آغوشِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں پانچ بچوں نے پیشاب کیا اور ان کے نام یہ ہیں۔ عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن ام قیسؓ، سلیمانؓ، حسنؓ، حسینؓ)

آپ اپنے بچوں سے تو بہت ہی پیار کرتے تھے۔ ہم نے کبھی اُن پر سختی کرتے نہیں دیکھا آپ کے پوتے سعد اللہ مرحوم ابن مولوی حافظ مختار اسعد عزیزہ حضرت کے پاس کمرے میں آتے تو اُن کو خوب پیار کرتے اور کھڑے ہوتے تو اُن سے کھیلتے اور اُن سے فرماتے بیٹا کھیلو کبڈی کبڈی کبڈی۔ ان کو گود میں لے کر فرماتے سہ

کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں   تمناؤں میں اُلجھایا گیا ہوں

چونکہ حضرتِ والاؒ کے خاندان کے بچے بچے کو ذوقِ شعری قدرتی طور پر عطا ہوا ہے اسلئے آپ اپنے چھوٹے بچوں سے بھی بسا اوقات زبانِ شعر میں خطاب فرماتے اور اُن کو اسی میں قیمتی پند و نصائح سے نوازتے تھے۔ یہ ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے کہ حضرتِ والاؒ کے نزدیک کلام میں نظم و نثر دونوں اسلوب برابر تھے اور کسی ایک میں بھی کلام کرنے میں آپ کو تکلف نہ ہوتا تھا اسلئے اپنے بچوں سے اکثر مزاح و خوش طبعی بھی زبانِ شعر میں فرماتے تھے۔ ذیل میں حضرتِ والاؒ کے وہ مکتوباتِ منظوم جو انہوں نے اپنے بچوں کے نام ارسال فرمائے تھے اور بعض وہ منظومات جو آپ نے اپنے بچوں سے براہِ راست گفتگو فرماتے ہوئے کہی تھیں درج کی جاتی ہیں اور بچوں سے خوش طبعی کے چند نمونے بھی ان کے بعد پیش کیے جاتے ہیں۔

"اپنے بچوں سے پیار کرتا ہوں" (از زبخون)

اپنے بچوں سے پیار کرتا ہوں   جان اُن پر نثار کرتا ہوں
اُن کی تعلیم و تربیت میں مدام   کوشش بے شمار کرتا ہوں
صادق القول ہیں مرے بچے   اُن کا میں اعتبار کرتا ہوں
جب وہ لکھتے ہیں مجھ کو اچھا خط   شکرِ پروردگار کرتا ہوں
جب مجھے اُن کا خط نہیں ملتا   میں بہت انتظار کرتا ہوں

جب وہ غفلت سے کام لیتے ہیں
اُن کو میں ہوشیار کرتا ہوں

خط بنام احمد اللہ

(از رنگون)

عزیز و جگر گوشۂ نیک نام — سعید و ادب پیشہ و شادکام
شریف الخصال و کریم المقام — فصیح البیان و بلیغ الکلام
فتوت مآب و مروت پناہ — شرافت نشان و سعادت نظام
نگارش ہے تم کو بہ بعد السلام — پڑھو جی لگا کر مرے یہ پیام
تمہیں یاد کرتا ہوں میں روز و شب — مجھے یاد آتے ہو تم صبح و شام
دعا مانگتا ہوں یہ لیل و نہار — تمہارا زمانے میں روشن ہو نام
مجھے آج کوئی شکایت نہیں — بفضل خدا ہوں بخیر تمام
مگر مچھروں سے بہت تنگ ہوں — پریشان کرتے ہیں ظالم مدام
ہمیشہ رہو شاد و خورسند و خوش — پیو تم شراب مسرت کے جام
مدینے کی زیارت ہو تم کو نصیب — خدا تم کو لے جائیں بیت الحرام
نصیحت کی اب چند باتیں سنو — جو دیں گی تمہیں وقت بے وقت کام
ہمیشہ جہالت کے دشمن رہو — کرو اپنی تعلیم کا انتظام
عزیزم پڑھو شوق سے فقہ کو — کہ حاصل ہو علم حلال و حرام
عبادت سے بہتر نہیں کوئی چیز — دیانت سے خوشتر نہیں کوئی کام
نہ دبنا کبھی نفس بد ذات سے — نہ ہونا کبھی نفس کے تم غلام
پڑھو وقت پر تم ہمیشہ نماز — جماعت کا دائم کرو اہتمام
یہ ہے بوحنیفہ کا قول صریح — نہ پڑھنا تم الحمد خلف امام
بلاشبہ ہم کیوں نہ مانیں اسے — کلام الامام امام الکلام
وہی ہے شریعت میں بہتر عمل — کہ تم کر سکو جس پہ کامل دوام

جو رکھو گے راضی خداوند کو ۔۔۔ تو خوش ہونگے تم سے خواص و عوام
سنو حکم باری اطیعوا الرسول ۔۔۔ رہو تابع حکم خیر الانام
کرو اس طرح زندگانی بسر ۔۔۔ رہیں تم سے مسرور سب خاص و عام
جہاں تک ہو ممکن کرو عفو تم ۔۔۔ جہاں تک ہو ممکن نہ لو انتقام
ادھورا نہ چھوڑو کسی کام کو ۔۔۔ نہ چھوڑو کسی کام کو نا تمام
کرو اپنے ماں باپ کا تم ادب ۔۔۔ کرو اپنے استاد کا احترام
وہ ملتے ہیں چھوٹوں سے اچھی طرح ۔۔۔ خدا جن کو دیتا ہے اونچا مقام
نہ بیٹھو کبھی تم شریروں کے پاس ۔۔۔ تمہیں ان سے مطلب نہ ان سے ہے کام
بیلی! اے عزیز گرامی منش ۔۔۔ چہ خوش گفت احمد علیہ السلام
نہ تم جھوٹ بولو نہ غیبت کرو ۔۔۔ نہ باندھو کسی پر کوئی اتہام
نہ دھوکے میں ڈالو کسی کو کبھی ۔۔۔ نہ پھیلاؤ ہرگز فریبوں کا دام
ہمیشہ کرو راستی اختیار ۔۔۔ نہ ہو تند خو تلخ گو بد کلام

یہی ہے اسی امر رسول کریم
علیہ الصلاۃ و علیہ السلام

وہ کرتے ہیں لوگوں سے گالی گلوچ ۔۔۔ جو ہیں بے تمیز و خسیس بدلگام
ذرا جلد لکھو مجھے فکر ہے ۔۔۔ جناب شفاعت کا حال زکام
زمانے پہ ہمت سے چھا جاؤ تم ۔۔۔ بدل دو زمانے کا سارا نظام
ذرا کھنیوں کا بھی رکھنا خیال ۔۔۔ بہت تم نے انساں کھائے ہیں آم
کرو عقل و دانش سے جو کچھ کرو ۔۔۔ پکاؤ نہ ہرگز خیالات خام
کہاں شب کو سوتی ہیں خانزدبن ۔۔۔ کہاں دن کو رہتا ہے ان کا قیام
کرو یہ دعا تم مرے واسطے ۔۔۔ کہ ایماں پہ ہو میرا اختتام
کہو اسعد اللہ سے میری دعا ۔۔۔ کہو اپنی آپا سے میرا سلام
ہمیشہ خدا سے تمہارے لئے ۔۔۔ دعا مانگتا ہوں فقط والسلام

یہ خط اسعد اللہ نے لکھا تمہیں
جسے عاجز و کمترین نام

خط (۳)

اے عزیز و باتمیز و باوقار　　خوش نصیب و نیک بخت و بختیار
حق تعالیٰ تم کو رکھے عمر بھر　　کامیاب و کامران و کامگار
تم کو دنیا میں میسر ہو شرف　　دین میں حاصل ہو تم کو اقتدار
بعد مدت کے تمہارا خط ملا　　ہو گئے حالات مجھ پر آشکار
میں تو بیٹا ہو چلا تھا نا اُمید　　تھک گیا تھا کرتے کرتے انتظار
خیر تم نے اب تو یہ تاخیر کی　　لیکن آئندہ نہ کرنا زینہار
بھیجنے میں خط کے یہ رکھو خیال　　اے عزیز ہوشمند و ہوشیار
ایک ہفتہ میں سہارن پور سے　　ڈاک آتی ہے یہاں پر تین بار
لکھے دیتا ہوں دنوں کے نام بھی　　یاد رکھو جمعہ، منگل، سوموار
تم کو بیٹا یاد رکھنا چاہیئے　　میں کیا کرتا ہوں خط کا انتظار
دھیان رہتا ہے تمہارا روز و شب　　یاد کرتا ہوں تمہیں لیل و نہار

چند باتیں اب نصیحت کی سنو
اور سن کر اُن کو کرلو اختیار

علم کی کچھ خوبیاں لکھتا ہوں اب　　غور سے ان کو پڑھو اے نامدار
علم سے ہوتا ہے انساں محترم　　علم سے ہوتا ہے انساں باوقار
علم سے ہے آدمیت کا فروغ　　علم باغِ زندگی کی ہے بہار
علم سے ہوتی ہے شہرت دہر میں　　علم ہے عالم کا سچا اشتہار
علم کر دیتا ہے انساں کو حلیم　　علم سے ہوتا ہے انساں بردبار
علم سے رنگین ہو جاتی ہے رُوح　　علم کر دیتا ہے دل کو پربہار
علم روحانی مزوں کا ہے کفیل　　آسمانی رحمتوں کا ذمہ دار

غیب سے پڑتی ہے نورانی پھوار
علم کرتا ہے تجلّی آشکار

بختِ خفتہ جاگتا ہے علم سے　　علم سے ہوتا ہے غافل ہوشیار

علم سے بہتر نہیں ہے کوئی شے
علم ہی ہے انتخابِ روزگار

علم کرتا ہے معطر رُوح کو — علم کیا ہے ؟ جنتی پھولوں کا ہار
علم کیا ہے ؟ آدمیت کا بناؤ — علم کیا ہے ؟ آدمیت کا سنگار
علم کیا ہے ؟ ایک لعلِ بے بہا — علم کیا ہے ؟ ایک دُرِّ شاہوار
علم کیا ہے ؟ آدمیت کا شرف — علم کیا ہے ؟ آدمیت کا وقار
علم کیا ہے ؟ ایک لطفِ پُرنشاط — علم کیا ہے ؟ ایک کیفِ پُربہار
علم کیا ہے ؟ کل جہاں کا ماحصل — علم کیا ہے ؟ انتخابِ روزگار

علم سے ہوتی ہے دل میں تازگی
علم کر دیتا ہے دل کو لالہ زار

علم کیا ہے ؟ رازدانِ کائنات — حسنِ فطرت کا حقیقی رازدار
علم کے جھولوں میں ذوق و شوق سے — جھولتے ہیں لطف و فضلِ کردگار
علم کے نغموں سے ہو کر مست و خوش — جھومتی ہے رحمتِ پروردگار

کون لکھ سکتا ہے ساری خوبیاں
علم ہے دریائے ناپیداکنار

مچھروں کی کالی پلٹن الاماں — اس کے ظلموں کے ہیں گورے بھی شکار
ہر گھڑی آمادۂ پیکار ہیں — ہر گھڑی ہیں مستعدِ کارزار
جانتی ہے اپنی خالہ جی کا گھر — میرے دفتر کو یہ فوجِ نابکار
گوشہ گوشہ میں ہیں یہ پھیلے ہوئے — ہر جگہ پر ہیں قطار اندر قطار
کیا کروں کچھ ہو گیا ہے خط میں طول — گو کیا تھا میں نے قصدِ اختصار
والدہ سے اپنی کہہ دینا سلام — اور کرنا تم مرے بچوں کو پیار

راقمِ نامہ تمہارا باپ ہے
بندۂ محتاج، عاجز، خاکسار

خط (۳)

از رنگون

السلام علیکم

عزیزم احمد اللہ خوش رہو تم — سمجھ کر سوچ کر یہ خط پڑھو تم
یہ خط میں نظم میں لکھتا ہوں تم کو — پڑھو پھر اپنے بھائی کو سناؤ
بزرگوں کی نصیحت یاد رکھو — کہ رہنے میں شرافت یاد رکھو
ہمیشہ تم خدا کو ایک جانو — ہمیشہ تم خدا کو ایک مانو
جہاں اٹھو اسی کو یاد رکھو — خدا کی یاد سے دل شاد رکھو
پڑھو لکھو ہمیشہ دل لگا کر — ادب سیکھو ہمیشہ دل لگا کر
پڑھو لکھو گے اچھا کام ہوگا — زمانے میں تمہارا نام ہوگا
تمہاری لوگ تعریفیں کریں گے — محبت کا تمہاری دم بھریں گے
برے لڑکوں کی صحبت زہر سمجھو — بچو ان سے خدا کا قہر سمجھو
بڑوں سے بات کرنا بھی برا ہے — خطا ہے ہاں خطا ہے ہاں خطا ہے
بری عادت سے بیٹا دور رہنا گو — بری حالت سے بیٹا دور رہنا گو
کسی سے تم کبھی ہرگز نہ لڑنا — بری عادت ہے لوگوں سے جھگڑنا
مری اس بات کو دل میں بٹھا لو — کبھی گالی نہ دینا تم کسی کو
کرو عزت تم اپنی والدہ کی — اسی میں ہے تمہاری نیک بختی
ہمیشہ ان کے کہنے پر چلو تم — لگا کر کان بات ان کی سنو تم
کسی سے تم کبھی "تو" سے نہ بولو — کرو جو بات وہ تہذیب سے ہو
سمجھ لو تم جو سچے آدمی ہیں — وہی دنیا میں اچھے آدمی ہیں
جہاں جس نے ذرا سا جھوٹ بولا — ہوا مشہور دنیا میں وہ جھوٹا
نہ کرنا تم کسی سے بد زبانی — نہ کرنا تم کسی پر بدگمانی
تمہارے حق میں جیسے ہے یہ بہتر — کرو شفقت تم اپنے بھائیوں پر
یہاں رنگون میں بے حد ہیں مچھر — بڑی تکلیف دیتے ہیں ستمگر
یہ موذی کاٹ لیتے ہیں جہاں پر — جلن رہتی ہے گھنٹوں تک وہاں پھر

کٹھن کر دی انہوں نے زندگانی — نہیں کرتے کسی پر مہربانی
خدا غارت کرے ان ظالموں کو — نہیں ڈرتے ستا کر عالموں کو

دعائیں مانگتا ہوں میں خدا سے
تمہیں محفوظ رکھے ہر بلا سے

(از رنگون) خط (۴)

السّلام علیکم

نورِ چشم و عزیز و برخوردار — نیک بخت و سعید خوش اطوار
علم حاصل کرو ادب سیکھو — اور دونوں جہاں میں سکھ سے رہو
دین و دنیا کے تم کرو وہ کام — جس سے روشن ہو خاندان کا نام
تم نے ہفتوں سے خط نہیں لکھا — ہم کو شاید بھلا دیا بیٹا!
رات دن انتظار رہتا ہے — غم سے دل بے قرار رہتا ہے
دیکھتا ہوں جہاں کوئی لڑکا — یاد آتے ہو مجھ کو تم بیٹا
پہلے تم کو بخار آتا تھا — اب تمہارا مزاج ہے کیسا؟
تم نے بیٹا کبھی نہیں لکھا — حال کیسا ہے سب عزیزوں کا
گوشِ دل سے سنو مرے دلبند — ایسی باتیں مجھے نہیں ہیں پسند
چاہتا ہوں تمہاری خیریت — جلد لکھو تم اپنی کیفیت
حال لکھو محمد اللہ کا — اپنی آپا کا ارشاد اللہ کا
تاکہ دل کو سکون حاصل ہو — رنج زائل ہو شکر زائل ہو
چند لکھتا ہوں کام کی باتیں — میری جانب سے ہیں یہ سوغاتیں
علم عزت ہے علم رفعت ہے — علم قوت ہے، علم طاقت ہے
علم راحت ہے علم رحمت ہے — علم دولت ہے، علم شوکت ہے
علم اللہ سے ملاتا ہے — علم شیطان سے بچاتا ہے
علم سے دل میں نور ہوتا ہے — جان کو حاصل سرور ہوتا ہے
اپنی تعلیم کا خیال کرو — گھر کی تنظیم کا خیال کرو

لکھنے پڑھنے کا اہتمام کرو — اچھی باتوں کا التزام کرو
تم ہمیشہ رہو مرے فرزند — باجماعت نماز کے پابند
باجماعت نماز سے بہتر — کوئی طاعت نہیں جانِ پدر
روز قرآں پڑھو، کتاب پڑھو — خوشخطی اور حساب بھی سیکھو
یاد ہوتا نہیں ہے جس کو سبق — ایسے لڑکے کا نام ہے احمق
وقتِ حاجت زباں کھولو تم — بے ضرورت کبھی نہ بولو تم
بے سبب تم نہ ہو کسی پر تیز — ایسی باتوں سے چاہیئے پرہیز
بے ادب بے نصیب ہوتا ہے — اپنی قسمت کو آپ روتا ہے
بے ادب خود ذلیل ہوتا ہے — اپنی عزت کو آپ کھوتا ہے
با ادب بانصیب ہوتا ہے — ذاتِ حق کے قریب ہوتا ہے
غور سے تم سنو مرا کہنا — قرض سے دور دور ہی رہنا
سخت آفت ہے قرض کا لینا — سخت زحمت ہے قرض کا دینا
قرض کنجی ہے رنج و نفرت کی — قرض قینچی ہے حبِ واُلفت کی
قرض کرتا ہے زندگی کو کٹھن — قرض کرتا ہے دوست کو دشمن
قرض بے حد خراب ہوتا ہے — جان و دل کا عذاب ہوتا ہے
قرض کرتا ہے آدمی کو خوار — قرض کھوتا ہے آدمی کا وقار
تم سے ممکن ہو مفت دے دینا — نام لیکن نہ قرض کا لینا
ہاں شریعت نے جب کیا ہو فرض — پھر تو لازم ہے کاروبارِ قرض
صاف رکھنا ہمیشہ سینے کو — دل میں دینا جگہ نہ کینے کو

میں نہ بیمار ہوں نہ اچھا ہوں — رات دن سست سست رہتا ہوں
مچھر اب تک مجھے ستاتے ہیں — خون پیتے ہیں غم کھلاتے ہیں
اپنی مردانگی جتاتے ہیں — کان پر آ کے بھنبھناتے ہیں
اپنی ہمت کے گیت گاتے ہیں — شور کرتے ہیں سر اٹھاتے ہیں
ایک اخبار ہے یہاں فاروق — خوب کرتا ہے خدمتِ مخلوق
اس کے مالک ہیں پیر سرور شاہ — نیک مرد شریف و علم پناہ

لطف فرما و مہربان و شفیق
خیر اندیش و خیر خواہ و خلیق

خاکساری ہے اُن کی طینت میں
کبر بالکل نہیں طبیعت میں

وہی مالک وہی مدبر بھی ہیں
دفتری کام کے امیر بھی ہیں

لکھ دیا میں نے حال ظاہر کا
حال باطن کا جانتا ہے خدا

اپنا یہ نامہ ان کی خدمت میں
پیش کر دوں گا وقتِ فرصت میں

اُن کے اخلاق سے یقیں ہے مجھے
اس کو "فاروق" میں جگہ دیں گے

بعد چھپنے کے تم کو بھیجوں گا
باقی سب سے سلام کہہ دینا

اور لکھتا مگر کہاں مہلت
نہیں ملتی ہے کام سے فرصت

محمد اللہ کو
(از رنگون)

آتا ہے یاد مجھ کو پیارا محمد اللہ
میرے دل و جگر کا ٹکڑا محمد اللہ

کس کا محمد اللہ؟ میرا محمد اللہ
کیسا محمد اللہ؟ اچھا محمد اللہ

پڑھتا ہے جی لگا کر لکھتا ہے جی لگا کر
کرتا ہے گو شرارت بیٹا محمد اللہ

پھرتا ہے ناچتا ہے چلتا ہے کبڑا کبڑا
لڑتا ہے بھائیوں سے موٹا محمد اللہ

ہمارا لاڈلا ہے بیٹا ہمارا
بہت ہم کو پیارا ہے بیٹا ہمارا

جہاں بیٹھتے ہیں کوئی چھوٹا بچہ
نہیں باز آتا ہے بیٹا ہمارا

وہ پڑھتا ہے محنت سے اپنے سبق کو
بہت خوب بنتا ہے بیٹا ہمارا

مرا پیارا محمد اللہ ہے
مرا بیٹا محمد اللہ ہے

خوب لکھتا ہے خوب پڑھتا ہے
بہت اچھا محمد اللہ ہے

دل کی ٹھنڈک اور آنکھ کا تارا
میرا پیارا محمد اللہ ہے

ہے نورِ نظر محمد اللہ — ہے لختِ جگر محمد اللہ
پیارا ہے بہت ہی والدہ کا — ہے جانِ پدر محمد اللہ
پڑھتا ہے اگرچہ جی لگا کر — لڑتا ہے مگر محمد اللہ
رنگون ہم جو آ گئے ہیں — رہتا ہے نڈر محمد اللہ

کرتا ہے بہت بہت شرارت
بے خوف و خطر محمد اللہ

رباعی

جو بچے نہیں لکھتے ہیں سچا تختی — بد بختی ہے ان کی یہ بڑی بد بختی
ماں باپ ہوا کرتے ہیں اُن سے ناخوش — استاد کیا کرتے ہیں ان پر سختی

نصائح پدر

رنگون ۱۳۳۳/۳۷ھ

کر کے روشن اپنے دل میں علم و حکمت کا چراغ
تم جہالت کا مٹا دو اپنی پیشانی سے داغ

علم و دانش سب ہمارا گم شدہ سامان ہے
خوب کوشش سے لگانا چاہیئے اس کا سُراغ

دھوکا دینا بد معاشوں کا طریقِ کار ہے
نیک انساں کب دکھاتا ہے کسی کو سبز باغ

بد خصال انساں خدا کی رحمتوں سے دور ہے
تم نہ ہونا شعلہ طبع و بد مزاج و خر دماغ

تندرستی اور قوت کی حفاظت کے لئے
روز بعد عصر کرنا چاہیے گلگشتِ باغ
ہے یقیناً شانِ اربابِ شرافت کے خلاف
خود تو ہوں فرشِ زمیں، پر آسماں پر ہو دماغ

روز و شب مشغول رہتے ہیں نوشت و خواند میں
ہم کو کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے فراغ
جب کیا کرتے ہو سستی مدرسہ کے کام میں
بے مزہ ہے سیرِ نہر و آبشار و باغ و راغ

کیوں نہ ہو اچھے برے کی گفتگو میں امتیاز
کیا برابر ہے نوائے بلبل و آوازِ زاغ
ہم کو اے اسعد اس میں کوتاہی نہ کرنا چاہئے
فرض ہے احکامِ توحید و رسالت کا بلاغ

غزل

(بچوں کے لئے)

علم دل کا سرور ہوتا ہے — چشمِ بینا کا نور ہوتا ہے
علم سے رنج دور ہوتا ہے — دل کو حاصل سرور ہوتا ہے
جس کے دل میں غرور ہوتا ہے — عز و رفعت سے دور ہوتا ہے
وہ کبھی مخلص گو نہیں ہوتا — جس کو کچھ بھی شعور ہوتا ہے
مصحفِ پاک کی تلاوت سے — قلب دار السرور ہوتا ہے
عقل ملتی ہے جس کو قدرت سے — جہل سے وہ نفور ہوتا ہے
نیک ہوتا ہے جس کے ہونٹوں پر — نامِ ربِّ غفور ہوتا ہے
اس کو ہوتا ہے شوقِ علم و عمل — جس کا گھر رام پور ہوتا ہے
قول کیا خوب ہے بزرگوں کا — نیک انسان غیور ہوتا ہے
میر اگرچہ وہاں نہیں ہوتا — ذکر لیکن ضرور ہوتا ہے

جسکو ہوتی نہیں قدرِ مجاز — وہ حقیقت سے دور ہوتا ہے
بزمِ واعظ میں کیوں نہیں جاتی — ذکرِ حور و قصور ہوتا ہے

عقل چھپتی ہے شرم کے مارے
عشق کا جب ظہور ہوتا ہے

علاج

(رنگون ۲۶ ۱۰/۳۶ء)

کون کرسکتا ہے دُنیا میں حماقت کا علاج — ہو نہیں سکتا کسی سے اس مصیبت کا علاج
عقلمندوں نے ہمیشہ یہ کیا ہے تجربہ — ہر مرض میں نفع دیتا ہے شریعت کا علاج
ہے اگر پیشِ نظر قومی ترقی کا خیال — ہم کو کرنا چاہیئے اپنی جہالت کا علاج
کام کرنا چاہیئے ہاں کام کرنا چاہیئے — صرف رونے سے نہیں ہوتا ہے نکبت کا علاج
کیجئے ہرگز نہ سنیئے دوسروں کا تذکرہ — سب سے بہتر ہے یہی بہتان و غیبت کا علاج
چھوڑیئے کفار کے سارے طریقے چھوڑیئے — کیجئے قرآن سے امراضِ اُمت کا علاج

مولوی صاحب یہ شاگردوں سے فرماتے تھے کل
ہم کیا کرتے ہیں قمچی سے شرارت کا علاج

غزل

(بچوں کے لئے)

اس علمِ دیں میں نعمتِ مولیٰ کہیں جسے — ایسا مزہ ہے حاصلِ دنیا کہیں جسے
تعلیم ہم کو دی ہے خدا اور رسولؐ نے — وہ ہے ذلیل و خوار جو ہوا کہیں جسے
پاتا ہے دو جہان میں عزت کی زندگی — وہ آدمی کتاب کا کیڑا کہیں جسے
بچہ وہی ہے خوب ہمارے خیال میں — بچے، جوان، بوڑھے سب اچھا کہیں جسے
ممکن نہیں کہ آئے ہماری زبان پر — وہ لفظِ دلخراش کہ کڑوا کہیں جسے
ہم تم کو کیا بتائیں کہ میٹھا ہے کسقدر — وہ لفظِ دلفریب کہ میٹھا کہیں جسے
فردوس کی کلید ہے عزت کا زینہ ہے — وہ کاہ پر ہمارا کہ پڑھنا کہیں جسے
بچو! تمہارے واسطے تعلیمِ مسلم میں — وہ لغو ہے مٹھائی سے اچھا کہیں جسے

اسعدؔ غزل یہ خوب ہے بچوں کے واسطے
کوزہ میں وعظ و پند کا دریا کہیں جسے

غزل

دل لگا کر اگر پڑھیں گے آپ　　حق تعالیٰ کو خوش کریں گے آپ
لوگ سمجھیں گے جاہل و احمق　　اپنی ماں سے اگر لڑیں گے آپ
اور سمجھیں گے عاقل و دانا　　ان کا کہنا اگر کریں گے آپ
دوسروں کو بُرا کہیں گے گر　　دوسروں سے بُرا سنیں گے آپ
غالبؔ میرے شعر پڑھ پڑھ کر　　یاد مجھ کو کیا کریں گے آپ
کیجئے نیک کام اے اسعدؔ
کام آئیں گے جب مریں گے آپ

غزل

پاس جب امتحاں میں ہونگے آپ　　خوش بہت ہونگے آپکے ماں باپ
کسی محفل میں ہو اگر شرکت　　تو سلیقے سے بیٹھئے چپ چاپ
دیکھئے کیوں کسی کو نفرت سے　　سوچئے کس لئے یہ کیا رتی پاپ
کیوں نہ ہو آپ کے شکم میں درد　　آپ کھاتے ہیں جب اناپ شناپ
نامناسب ہے عقلمندوں کو　　اپنی تعریف اور آپ ہی آپ
ہم نے دیکھا ہے یہ گنواروں میں
اٹھتے بیٹھے ہیں فضول آپ ہی آپ

ماں باپ کی اطاعت

نہیں ہوتے ہیں جن سے شاد ماں باپ
نہیں کرتے ہیں اُن کو یاد ماں باپ

نہیں جائے گا کوئی قبر میں ساتھ
بہن، بھائی، زن و اولاد، ماں باپ

لگا کر دل اسی میں کام کر لو
مقرر جو کریں میعاد ماں باپ

خبر بھی ہے تمہاری پرورش میں
اُٹھاتے ہیں ہر اک افتاد ماں باپ

خوشی سے جھیلتے ہیں ہر مصیبت
نہیں کرتے ذرا فریاد ماں باپ

گزارو اس طرح سے عمر بچو!
رہیں مسرور ماں، شاد ماں باپ

نہ ہو ان کی اطاعت فرض کیوں کر
کہ جب ہیں علتِ ایجاد ماں باپ

دعاؤں سے کریں گے یاد ماں باپ
جو تم سے پائیں گے امداد ماں باپ

ستم کا رُوپ دیتے ہیں کرم کو
نہیں کرتے کبھی بیداد ماں باپ

کرو برداشت از راہِ سعادت
کریں بالفرض گو بیداد ماں باپ

اگر تعلیم میں کرتے ہیں تقصیر
تو بیشک ہیں بڑے جلاد ماں باپ

وہ ہیں بدبخت، احمق، بدسلیقہ
ہوئیں ہیں جن سے خوش استاد ماں باپ

جھوٹ کی بُرائی

(رنگون ۲ ۹/۳۶ ء)

کیا بتاؤں تمہیں کہ کیا ہے جھوٹ
کچھ نہ پوچھو بڑی بلا ہے جھوٹ
یاد رکھو بہت بُرا ہے جھوٹ
یاد رکھو بڑی خطا ہے جھوٹ
ہر بُرائی کی ابتدا ہے جھوٹ
فتنہ انگیز و فتنہ زا ہے جھوٹ
سچ تو یہ ہے بُری بلا ہے جھوٹ
موجبِ لعنتِ خدا ہے جھوٹ
وجہ خوشنودیٔ خدا ہے سچ
وجہ ناراضیٔ خدا ہے جھوٹ
دین و دنیا میں خوار کرتا ہے
کیا بتاؤں کہ کیا بلا ہے جھوٹ
کھینچتا ہے اسی سے دوزخ میں
راہ "ابلیس" پُرجفا ہے جھوٹ
اس کی عزت کہیں نہیں ہوتی
جو حماقت سے بولتا ہے جھوٹ

شرفا احتراز کرتے ہیں   کار او باش و بے حیا ہے جھوٹ
دل کی پاکیزگی کو کھوتا ہے   داغِ دامانِ اتقا ہے جھوٹ

جھوٹ بولے مری بلا اسعد
جانتا ہوں بُری بلا ہے جھوٹ

مثلث

زنگون ۱ ۹/۳۶ ء

میرے پیارو کبھی نہ بولو جھوٹ   میرے لڑکو! کبھی نہ بولو جھوٹ
میرے بچو! کبھی نہ بولو جھوٹ

جھوٹ سے اقتدار جاتا ہے   جھوٹ سے اعتبار جاتا ہے
بات مانو! کبھی نہ بولو جھوٹ

جھوٹ آفت ہے، جھوٹ زحمت ہے   جھوٹ ذلت ہے جھوٹ لعنت ہے
یاد رکھو کبھی نہ بولو جھوٹ

زندگی کی ہر ایک حالت میں   عیش و عشرت میں رنج و کلفت میں
سچ ہی بولو کبھی نہ بولو جھوٹ

جھوٹ دل کو تباہ کرتا ہے   جھوٹ دل کو سیاہ کرتا ہے
عقل والو! کبھی نہ بولو جھوٹ

جھوٹ کھوتا ہے آدمی کا وقار   جھوٹ کرتا ہے آدمی کو خوار
میری مانو کبھی نہ بولو جھوٹ

ہے مہایت بُری بدی کی بیخ   یاد رکھو کبھی نہ چھوڑو سچ
خوب سن لو! کبھی نہ بولو جھوٹ

غزل

روز کیوں رونے ہو لے بچو! عبث   جان کیوں کھوتے ہو لے بچو عبث

وقت جب کھوتے ہو اے بچو عبث ۔۔۔ شاد کیوں ہوتے ہو اے بچو عبث
بے ادب ہو کر تم اپنی راہ میں ۔۔۔ خار کیوں بوتے ہو اے بچو عبث
جب خطا ہو جائے تم مانا کرو ۔۔۔ جھوٹ سے دھوتے ہو اے بچو عبث
جی لگا کر کیوں نہیں پڑھتے ہو تم ۔۔۔ عمر کیوں کھوتے ہو اے بچو عبث
کام جب پورا نہیں کرتے ہو تم ۔۔۔ چین سے سوتے ہو اے بچو عبث

کام ہوتا ہے استقلال سے
مضطرب ہوتے ہو اے بچو عبث

محنت کرو بیٹا محنت

تعلیم میں جن سے نہیں ہوتی ہمت ۔۔۔ رہتے ہیں ہمیشہ وہ اسیر ذلت
منظور اگر تم کو ہے عزت و رفعت ۔۔۔ محنت کرو، محنت کرو بیٹا محنت
مقصود اگر تم کو ہے مال و دولت ۔۔۔ مرغوب اگر تم کو ہے عز و صحت
مطلوب اگر تم کو ہے خلد و جنت ۔۔۔ محنت کرو محنت کرو بیٹا محنت
جس قوم کے بیٹے نہیں کرتے ہمت ۔۔۔ اس قوم کو حاصل نہیں ہوتی عزت!
کرنا ہے اگر قوم کی تم کو خدمت ۔۔۔ محنت کرو محنت کرو بیٹا محنت
دینا ہے اگر قوم حزیں کو راحت ۔۔۔ کرنا ہے اگر خدمت دین و ملت
ہم نسخۂ بے مثل بتاتے ہیں تمہیں ۔۔۔ محنت کرو محنت کرو بیٹا محنت
کرتے ہو اگر دل سے ہماری عزت ۔۔۔ رکھتے ہو اگر دل میں ہماری عظمت
سچی ہے اگر دل میں ہماری الفت ۔۔۔ محنت کرو محنت کرو بیٹا محنت

جن بچوں کی ہوتی ہے مبارک سیرت ۔۔۔ جن بچوں کی ہوتی ہے مبارک خصلت
کرتے ہیں بزرگوں کی ہمیشہ تعظیم ۔۔۔ کرتے ہیں بزرگوں کی ہمیشہ عزت
جن بچوں کی ہوتی ہے منور فطرت ۔۔۔ جن بچوں کی ہوتی ہے درخشاں طینت
استاد کو رکھتے ہیں ہمیشہ راضی ۔۔۔ ماں باپ کی کرتے ہیں ہمیشہ خدمت
جن بچوں پہ ہوتی ہے خدا کی رحمت ۔۔۔ جن بچوں پہ ہوتی ہے خدا کی شفقت

تہذیب کی کرتے ہیں ہمیشہ کوشش — تعلیم میں کرتے ہیں ہمیشہ محنت
جو مرد نہیں ہوتے ہیں عالی ہمت — جن سے نہیں ہوتی ہے مشقت محنت
جن کے نہیں ہوتے ہیں ارادے محکم — وہ مرد نہیں بلکہ ہیں بوڑھی عورت

لکھتے ہیں یہی سب حکمائے اُمت — کہتے ہیں یہی کل علمائے ملت
آرائش و زینت ہیں زنانی چیزیں — مردوں کو ہوا کرتی ہے اُن سے نفرت
مردانِ اولوالعزم و گرامی ہمت — ہوتے ہیں کہیں درپئے عیش و عشرت
محنت کو بناتے ہیں وہ اپنا شیوہ — کرتے ہیں مشقت کو وہ اپنی عادت

غزل

جو پڑھنے میں کرتے ہیں محنت زیادہ — خدا ان کو دیتا ہے عزت زیادہ
وہ دنیا میں پاتے ہیں عزت زیادہ — جو کرتے ہیں لوگوں کی خدمت زیادہ
وہی جھیلتے ہیں مصیبت زیادہ — کہ ہوتی ہے جن میں جہالت زیادہ
شریفوں میں ہوتی ہے غیرت زیادہ — فتوت زیادہ، مروت زیادہ
کریں گے جو دنیا میں طاعت زیادہ — وہ پائیں گے عقبیٰ میں راحت زیادہ
خدا جن کو دیتا ہے ہمت زیادہ — وہ کرتے ہیں لوگوں کی خدمت زیادہ
شریفوں کا شیوہ ہے دل صاف رکھنا — نہ رکھو کسی سے کدورت زیادہ
جو رکھتے ہیں ماں باپ کو اپنے راضی — خدا ان پہ کرتا ہے رحمت زیادہ
جو ہوتے ہیں نیک و شریف اور مہذب — بزرگوں کی کرتے ہیں عزت زیادہ
ہمیشہ خدا ان سے رہتا ہے ناخوش — جو کرتے ہیں شوخی شرارت زیادہ
وہ رہتے ہیں دونوں جہاں میں مزے سے — جو کرتے ہیں صبر و قناعت زیادہ
نہ کرنا کبھی بھول کر تم کسی سے — عداوت زیادہ نہ اُلفت زیادہ!
وہ ہرگز نہیں دوست بننے کے قابل — نہ ہو جس میں شرم و حمیت زیادہ
عجب آج کل ہے زمانے کی حالت — شرافت تو کم ہے شرارت زیادہ

خدا سے جو ڈرتا ہے دنیا میں اسعد　　خدا اس سے کرتا ہے الفت زیادہ
اگر خواہشِ عز و رفعت ہے اسعد
تو پیدا کرو تم لیاقت زیادہ

غزل

کیوں کریں ہم شراب کی باتیں　　یہ ہیں قہر و عذاب کی باتیں
آؤ سن لو ثواب کی باتیں　　آں رسالت مآب کی باتیں
کیوں نہ چھیڑیں رخِ رسول کا ذکر　　کیوں کریں آفتاب کی باتیں
ہم کو پختہ یقیں ہے اللہ پر　　کیوں کریں ارتیاب کی باتیں
اچھے بچے کبھی نہیں کرتے　　دوسروں سے عتاب کی باتیں
سب سے بہتر حساب کا قصہ　　سب سے اچھی کتاب کی باتیں
حق تعالیٰ پہ ہے ہماری نظر　　کیوں کریں اضطراب کی باتیں
بچے کہتے ہیں مجھ سے مولانا　　ہیں نصیحت خطاب کی باتیں
یاد آتی ہیں ہم کو رہ رہ کر
گوسفند و کباب کی باتیں

غزل

شغلِ جامِ شراب کون کرے　　کارِ قہر و عذاب کون کرے
جس کو دیکھو شکارِ غفلت ہے　　فکرِ روزِ حساب کون کرے
علم سے اجتناب کون کرے　　زندگانی خراب کون کرے
کوششِ ناصواب کون کرے　　عاقبت کو خراب کون کرے
بات کرتے ہیں با ادب سے　　بے ادب سے خطاب کون کرے
کیوں جلیں آتشِ حسد میں ہم　　اپنے دل کو کباب کون کرے
کھیل میں تم تو وقت کھوتے ہو
فکرِ علم و کتاب کون کرے

بھلی بات کی صلاح

دیتے ہیں دوستوں کو بھلی بات کی صلاح
ہم جانتے نہیں بُری بات کی صلاح

دشمن ہے وہ رفیق نہیں مہرباں نہیں
دیتا ہے جو کسی کو بُری بات کی صلاح

بے علم ہیں جہاں کے نشیب و فراز سے
کیا خاک دیں کسی کو کسی بات کی صلاح

افسوس آہ شومیٔ قسمت تو دیکھئے
دیتے ہیں ہم کو دوست بُری بات کی صلاح

کہتے ہیں نیک بات ہم اپنے خیال میں
جو پوچھتا ہے ہم سے کسی بات کی صلاح

المستشار مؤتمن کا کر خیال
جب تم سے کوئی پوچھے کسی بات کی صلاح

دُنیا کی اور دین کی ہو جس میں بہتری
دیتے ہیں دوستوں کو اسی بات کی صلاح

بچوں سے مزاح و خوش طبعی

حضرت والاؒ بچوں سے مزاح و خوش طبعی فرماتے اور ان کو مانوس فرما کر ان کی زبان میں اور ان کی عقل و فہم کے مطابق ادب و تہذیب اور سلیقہ کی باتیں سکھا دیتے تھے، کھیل کھیل میں بچوں کو کچھ کلماتِ حکمت، دلائلِ توحید، سبق آموز قصے، تجربے کی باتیں مفید نصیحتیں اور اچھے اشعار یاد کرا دیتے تھے۔

راقم السطور جب شرح جامی وغیرہ پڑھتا تھا تو حضرت والا کے چھوٹے صاحبزادے عزیز گرامی محمد احمد دامت سلمہ جو اس وقت بہت کمسن بچے تھے ہمارے کمرے میں آئے، اور راقم السطور سے سوال کیا کہ مولانا اللہ کے ایک ہونے کی دلیل کیا ہے؟ اور فوراً قرآن پاک کی آیت لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا (اگر زمین آسمان میں اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ اور معبود ہوتے تو آسمان اور زمین برباد ہو جاتے) پڑھ کر توحید پر اس طرح تقریر کر ڈالی کہ ہم لوگ حیران رہ گئے۔ یہ بھی حضرت والاؒ کی توجہ کی برکت کہ اتنی کمسنی میں بچوں کو پیار

پیار میں اتنا علم پلا دیا تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے ہم خود یہ سوچتے تھے کہ حضرت بچوں کے ساتھ عجیب بے تکلفی کا برتاؤ کرتے ہیں کہ بعض مرتبہ اپنے پوتوں کے ساتھ کھڑے ہو کر کبڈی کھیلنے لگتے ہیں لیکن جب بچوں میں اس مزاح دلبے تکلفی کے یہ خوش آیند نتائج دیکھے تو ہم حضرت کی اس عجیب و غریب تدبیر اور حکیمانہ انداز کے قائل ہو گئے اور اس بات کو سمجھ گئے کہ حضرت والاؒ نفسیات کے اصول کو نظر انداز نہیں فرماتے اور مخاطب کی نفسیات کو سامنے رکھ کر آپ اس کو علم و عمل کا آبِ حیات اور حقیقی عشق و محبت کی شرابِ طہور پلاتے تھے۔ اور حضرتِ والا کا یہ طرز صرف اپنے بچوں کے ساتھ مخصوص نہ تھا۔ ہم لوگ کمسنی کی وجہ سے شرارت کرتے رہتے تھے۔ اور کبھی کبھی اپنے کمرے ہی میں کھیل کود کرنے لگتے تھے۔

ایک دن حضرت والاؒ کمرے کے سامنے عین اس وقت آ کھڑے ہوئے جبکہ ہم نے کمرہ کو کبڈی کا میدان بنا رکھا تھا۔ حضرت والاؒ پر نظر پڑتے ہی ہم لوگ سہم گئے اور مارے خوف کے کونوں میں گھس کر بیٹھ گئے۔ حضرت والا مسکرا رہے تھے۔ جب ہم چھپ گئے تو حضرتِ والا اندر داخل ہوئے اور ہنس کر فرمایا، ہاں بیٹا! کبڈی کبڈی اس کے بجائے کہ مار پیٹ کرتے سخت سست کہتے، آپ نے ایسا عجیب انداز اختیار کیا کہ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ حضرت والا قلب کے اندر اتر گئے۔ اور پھر ہم نے حضرت والا کے احترام میں کمرے کے اندر کبھی کبڈی نہیں کھیلی بلکہ عصر بعد میدان میں جا کر کبڈی کھیلتے تھے۔ اور یہ بات حضرت کے علم میں تھی۔ حضرتِ والا بچوں کے کھیل کود اور شرارت سے ناراض نہیں ہوتے تھے بلکہ اس میں ان کو ترکیب سے مہذب شائستہ اور سلیقہ مند فرما دیتے تھے۔ فرماتے تھے کہ یہ ذہانت کی علامت ہے اور اس میں صحت کی ضمانت ہے ایک مرتبہ فرمایا۔ میں طلبہ کی شرارت سے ناخوش نہیں ہوتا ہوں۔ یہ تو بچوں کی فطرت کا تقاضا ہے۔ ہاں مجھے خباثت سے چڑھ ہے۔ شرارت میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں خباثت ناقابل برداشت ہے۔ شرارت کا مفہوم چنچل پن اور خباثت کے معنی خلاف شرع کوئی حرکت ہیں۔

ایک مرتبہ کبڈی میں ہمارے ایک ساتھی کی ٹانگ میں چوٹ لگ گئی تو حضرت والا کو اطلاع دی گئی۔ حضرت والاؒ نے تشریف لا کر تسلی دی اور خوش طبعی بھی

فرمائی اور پھر ان کو پکڑ کر رکشہ پر بٹھلا کر ڈاکٹر صاحب کے پاس خود لے جا کر پٹی کرائی اور کئی روز تک حضرت والا خود ہی ان کو ڈاکٹر صاحب کے پاس لے جاتے اور رکشہ اور علاج میں اپنی جیب خاص سے خرچ فرماتے رہے۔ ان چند سطور سے اس کا بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا کہ حضرت والا کا بچوں کے ساتھ بہت عجیب اور انوکھا مشفقانہ برتاؤ تھا اور اسی میں آپ اُن پر خاص توجہ اور نظر تربیت فرماتے تھے۔ یہ بات ہم لکھ چکے ہیں کہ حضرت والا کو شعر کہنے میں غور و فکر کی زائد ضرورت نہ تھی۔ چنانچہ آپ کے اشعار، قصائد اور غزلیں فی البدیہہ اور قلم برداشتہ ہیں جو تکلف و تصنع سے قطعاً پاک ہوتی ہیں اسی لئے حضرت والا نے اپنی منظومات اور غزلوں کی حفاظت نہیں فرمائی۔

ہم ذیل میں چند مزاحیہ منظومات و اشعار لکھتے ہیں جو آپ نے بچوں کو خوش کرنے کے لئے اور ان کو نصیحت فرمانے کے لئے کہی تھیں۔ ہمارے پیش نظر یہ ہرگز نہیں کہ سب حضرات ناظرین کتاب کے جملہ مندرجہ مضامین کو پسند ہی فرمائیں ع "نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی"۔ ہمارا مقصد تو حضرت والا کی بے تکلف و پاکیزہ زندگی کے مختلف گوشے بغیر کسی تصنع و مبالغہ آرائی کے اجاگر کرنا ہیں۔

غزل

(جو حضرت والا نے رنگون سے ایک خط کے جواب میں بچوں کو تحریر فرمائی تھی)

مرے بچوں نے خط بھیجا ، آہاہا ، اوہو ہوہو
مزہ آیا مزہ آیا آہاہا، اوہو ہوہو

بہت محنت سے پڑھتے ہیں، بہت محنت سے لکھتے ہیں
مرے بچوں کا کیا کہنا آہاہا، اوہو ہوہو

نہ وہ غیروں سے لڑتے ہیں، نہ آپس میں جھگڑتے ہیں
طریقہ ہے بہت اچھا آہاہاہا اوہو ہوہو

مزے لے کے پڑھتے ہیں، مرا خط اور کہتے ہیں
اوہو ہوہو، آہاہا، آہاہاہا، اوہو ہوہو

سبق کو یاد کرتے ہیں، میرا دل شاد کرتے ہیں
کرم ہے حق تعالیٰ کا، آہا ہا ہا، اوہو ہو ہو

مجھے ان سے محبت ہے انھیں مجھ سے محبت ہے
تماشا ہے محبت کا آہا ہا ہا، اوہو ہو ہو

بحمد اللہ مرے بچے سعادت مند بچے ہیں
انھیں ہے شوق پڑھنے کا آہا ہا ہا اوہو ہو ہو

گوسفند نامہ

ایک مرتبہ بچوں نے بکری خرید لی تھی آپ نے بچوں کی دلچسپی کے لئے زبان شعر میں بکری کی تعریف بھی فرمائی۔ لیکن جب اس کا اندازہ ہوا کہ اس کے چارہ وغیرہ میں پڑھنے کا نقصان اور وقت ضائع ہوتا ہے اور کما حقہٗ اس کی خدمت بھی نہیں ہو پاتی تو آپ نے اس کی شرارت کا پہلو بھی مذمت کے انداز میں بیان فرمایا چنانچہ حسب ذیل ہے

تمہاری بکری

باحمیت ہے تمہاری بکری — باعزت ہے تمہاری بکری
خوبصورت ہے تمہاری بکری — خوب سیرت ہے تمہاری بکری
نیک خصلت ہے تمہاری بکری — نیک عادت ہے تمہاری بکری
دل کی راحت ہے تمہاری بکری — بیش قیمت ہے تمہاری بکری
شان قدرت ہے تمہاری بکری — حور جنت ہے تمہاری بکری
ایک نعمت ہے تمہاری بکری — گھر میں رحمت ہے تمہاری بکری
اس کو پالا ہے تمہاری ماں نے — ذی سعادت[1] ہے تمہاری بکری
دودھ دیتی ہے وہ تازہ تازہ — گنج دولت ہے تمہاری بکری
خوب گاتی ہے وہ میں میں کرکے — وجہ فرحت ہے تمہاری بکری

خوب صورت ہے سیاہی اس کی
شام عشرت ہے تمہاری بکری

[1] سعادت النساء حضرت والا کی اہلیہ محترمہ کا اسم گرامی ہے۔ اس شعر میں معنوی لطف پیدا ہو گیا۔ ۱۲ ن

(۲)

خوبیِ حسن میں یکتا ہے تمہاری بکری — خالۂ ناقۂ لیلیٰ ہے تمہاری بکری
دلبر و دلکش و زیبا ہے تمہاری بکری — خوشتر و بہتر و رعنا ہے تمہاری بکری
زور آور ہے توانا ہے تمہاری بکری — سچ ہے بکری نہیں بکرا ہے تمہاری بکری
لوگ کہتے ہیں کہ بڑھیا ہے تمہاری بکری — میں یہ کہتا ہوں کہ بڑھیا ہے تمہاری بکری
مکھیاں کھاتی ہیں اس کو یہ کھڑی رہتی ہے — واہ کس درجہ شکیبا ہے تمہاری بکری
شیر خونخوار کی نانی ہے بلاشک و گماں — کون کہتا ہے کہ کتیا ہے تمہاری بکری

دیکھتی ہے مگر اندھی سی نظر آتی ہے
واہ کیا خوب تماشا ہے تمہاری بکری

(۳)

باعثِ غم ہے تمہاری گوسفند !
موجبِ ہم ہے تمہاری گوسفند
ہر گھڑی رہتا ہے چارے کا خیال
فکرِ اعظم ہے تمہاری گوسفند
روز و شب کرتی ہے میں میں بے حیا
رنجِ پیہم ہے تمہاری گوسفند
کیا ضرورت ہے کہ کتا پالیئے
گھر میں کیا کم ہے تمہاری گوسفند
اس کو احمد انشاء اللہ کھائے گا
رزقِ ضیغم ہے تمہاری گوسفند

(۴)

بے حمیت ہے تمہاری بکری
بے مروت ہے تمہاری بکری
سخت زحمت ہے تمہاری بکری
وجہِ وحشت ہے تمہاری بکری

رات کو نیند اُڑا دیتی ہے
کیسی آفت ہے تمہاری بکری
دودھ کم دیتی ہے کھاتی ہے بہت
کیا قیامت ہے تمہاری بکری
گندگی سارے مکاں میں پھیلی
اک مصیبت ہے تمہاری بکری
دیکھ کر سبز سی چھریاں گھر میں
غرقِ حیرت ہے تمہاری بکری
میں اسے بھون کے کھا جاؤں گا
میری دعوت ہے تمہاری بکری

(۵)

حیف ہے صد حیف ہے بکری کے بچے مر گئے
میری بیوی اور بچوں کو پریشاں کر گئے
کاش بے جان وہ بکری کو بھی اپنے ساتھ ساتھ
اور دھو لیتے مرے معصوم بچے اس سے ہاتھ
یا الٰہی جلد بکری کو بھی تو برباد کر
اور بے چاروں کو فکرِ چارہ سے آزاد کر
یا الٰہی ہم کو اس کالی بلا سے دے نجات
یا الٰہی اس پہ جلدی سے مسلط کر عذاب

خط (... رنگون)

(۶)

اے عزیز خوش خصال و دل پسند
نیک بخت و خوش نصیب و ارجمند

آپ کی بکری سے میں راضی نہیں
آپ کی بکری ہے مجھ کو ناپسند
ہے مثل "گر غم نداری بز بخر"
کیوں خریدی آپ نے یہ گوسفند
آپ سے بے حد تعجب ہے مجھے
آپ تو ہیں ہوشیار و عقلمند
کاش لیتے عاقبت بینی سے کام
عقل کے فتوے پہ ہوتے کاربند
کاش چلتے آپ میری رائے پر
اور سنتے تجربہ کاروں کی پند
نفع کیسا ہے ماسوائے فکر و غم
فائدہ کیا ہے بجز رنج و گزند
آپ کی بکری غموں کا دام ہے
اور گوناگوں مصائب کی کمند
آپ کی بکری ہے نادانی کا خر
اور جہل و بے وقوفی کا سمند
راقم نامہ ہے والد آپ کا
خیر خواہ و غمگسار و دردمند

رباعی

کمزور ہے مریل ہے تمہاری بکری
مجہول ہے، اجہل ہے تمہاری بکری
ہر وقت کیا کرتی ہے بیں بیں کم بخت
دیوانی ہے پاگل ہے تمہاری بکری

فائدہ

حضرت والاؒ اپنے بچوں کو منظوم خطوط بھی لکھتے اور بچوں کے سامنے اشعار بھی پڑھتے رہتے اس سے بہت سے فائدے تھے

(۱) خاندانی ذوقِ شعری کی نشو ونما۔

(۲) بچوں کو خوش کرنا۔

(۳) ان کی استعداد بڑھانا، کیونکہ اشعار کو بار بار پڑھنے سے اردو پڑھنے میں پختگی پیدا ہونا ضروری نتیجہ ہے۔ پھر جن الفاظ کے معنی بچوں کو معلوم نہ ہوتے، اپنی والدہ محترمہ یا اور کسی سے معلوم کرتے اس سے ان کو بہت سے الفاظ کے معانی بلا مشقت حاصل ہو جاتے

بچوں کو جو بات پسند آتی ہے نمونتاً وہ اس کو لکھنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح تحریری استعداد میں بھی مضبوطی ہو جاتی ہے۔

(۴) اسی شوق ونشاط میں بہت سی نصیحتیں، ضروری معلومات اور تجربات و ہدایات کا بھی علم ہو جاتا اور دل ودماغ پر اُن کے حاصل کرانے میں زائد بار نہ ہوتا تھا۔

(۵) نثر کی بہ نسبت نظم کو آسانی سے یاد کر لیا جاتا ہے خصوصاً بچوں کو جو نظم پسند آتی ہے اس کو کھیل کھیل میں اس طرح یاد کر لیتے ہیں کہ ان کے دماغ پر اس کا قطعاً بوجھ نہیں ہوتا۔

(۶) حضرت والا سے والہانہ محبت اور تعلق میں بھی اضافہ ہوتا اور استفادہ کی راہیں ہموار ہو جاتیں وغیرہ۔

اس قسم کی مصالح آپ کے اس نرالے طرز میں مضمر تھیں۔ ماہرین نفسیات کے نزدیک یہ طرزِ تعلیم، انداز تربیت نہایت پسندیدہ شمار ہوتا ہے کہ بچوں کے دل ودماغ پر بار نہ ہو اور اُن کی تعلیم وتربیت میں پیش رفت اور ترقی ہوتی چلی جائے۔ یہ پند ونصائح اور مزاح وخوش طبعی کے دو باب خاص طور پر بچوں کے معلموں اور مربیوں کے لئے اپنے اندر بہت بڑی عبرت اور عمدہ سبق رکھتے ہیں۔

نسیم احمد فاروقی مظاہری

عملیات و تعویذات

اکابر امت کے طریقہ پر حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی عملیات و تعویذات کی کوئی خاص اہمیت نہ تھی اور اس سلسلہ میں چلہ کشی وغیرہ کو پسند نہ فرماتے تھے نیز نجوم و سیارات، ساعات، ترکِ حیوانات جیسی چیزوں کو شریعت کے خلاف اور ناروا سمجھتے تھے۔ البتہ اگر کوئی شخص تعویذ طلب کرتا تو آپ اس کو تعویذ عنایت فرما دیتے تھے۔ اور تعویذات میں قرآنی آیات یا ادعیہ ماثورہ لکھتے تھے۔ اپنے متوسلین و متعلقین سے بھی آپ فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص کسی جائز کام کے لئے تعویذ طلب کرے تو اس کو تعویذ دے دیا کریں، اور جو آیت یا حدیث ذہن میں آجائے لکھ دیا کریں اور کوئی نہ کوئی نصیحت بھی کر دیا کریں مثلاً نماز کی پابندی شریعت کی اتباع سنت کی پیروی، بندگانِ خدا سے ہمدردی اور صدقہ وغیرہ کی ترغیب دیا کریں۔ نیک نیتی سے تعویذ دے دینا لینے والے کے لئے مفید ہوگا۔ حق تعالیٰ نیک نیتی کی برکت سے اس کا جائز کام پورا فرما دیں گے اور اس بہانے سے آپ کو تبلیغ کا موقعہ میسر آجائیگا۔ گویا اس سے بھی حضرت والا کا مقصود یہ ہوتا تھا کہ دعوت و تبلیغ اور نصیحت و تذکیر کا سلسلہ جاری رہے اور کسی غلط کار کے پھندے میں خدا کے بندے نہ پھنسیں۔

اسلئے حضرت علیہ الرحمۃ کے پاس کوئی خاص بیاض بھی ایسی نہ تھی جس میں حضرت والا کے عملیات و تعویذات جمع ہوں اور ان کو ہم یہاں پیش کر دیں۔ ہاں چند اعمال اس سلسلہ کے جو حضرت والا نے زبانی ارشاد فرمائے یا آپ کی ایک بیاض میں لکھے ہوئے پائے وہ یہاں ہم پیش کئے دیتے ہیں۔

بچوں کے ہر مرض کے لئے: حضرت والا خود بھی لکھتے اور متعلقین کو بتاتے بھی تھے

حدیث شریف کی ان تین دعاؤں میں سے کوئی ایک یا تینوں دعائیں کاغذ پر لکھ کر تعویذ بنا کر بچے کے گلے میں ڈال دیا جائے تو بچہ اکثر امراض و آفات سے محفوظ رہتا ہے

(۱) "بِسْمِ اللّٰهِ خَيْرِ الْأَسْمَاءِ بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْأَرْضِ وَالسَّمَاءِ بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ٥

(۲) أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۔

(۳) أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَشَرِّ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ

(۲) آنکھوں کی روشنی کے لئے

ہر نماز فرض کے بعد گیارہ بار "یا نُورُ" پڑھ کر دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلیوں پر دم کر کے آنکھوں پر پھیر لیا کریں آنکھوں کی روشنی کے لئے مفید ہے

(۳) نابینا ہونے سے حفاظت

حضرت والا کی بیاض خاص میں لکھا تھا کہ:-

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى أَخِيهِ سَيِّدِنَا جِبْرِيلَ الْمُطَوَّقِ بِالنُّورِ وَعَلٰى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلِّمْ

من قرأ ثلاث مرات ونفخ على يديه ومسح بها عينيه لم يعم ابدا (یعنی مذکورہ درود شریف) کو جو شخص تین بار (ہر نماز کے بعد) پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم کر کے آنکھوں پر پھیر لیا کرے وہ نابینا نہ ہوگا۔

(۴) لڑکا پیدا ہونے کیلئے

بیاض خاص میں یہ عمل بھی مندرجہ ذیل عبارت میں لکھا ہوا تھا۔

ومن اراد ان اللہ امرأته ذكرا فليضع يده حين كون الجنين مضغة والأولى ان يضع في يوم كل اربعين يوما على بطنها فليقل اني سميت محمدا او احمد باسم نبيك عليه السلام وان كان انثى فحول

ذکر ہے (دستور جلد ۲ صفحہ ۹)

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کی خواہش ہو کہ اس کی بیوی کے لڑکا پیدا ہو تو حمل کے تیسرے چلہ میں اور بہتر یہ ہے کہ ہر چلہ میں ایک دن اپنی بیوی کے پیٹ پر (داہنا) ہاتھ رکھ کر یہ دعا پڑھے۔

اِنِّیْ سَمَّیْتُ مُحَمَّدًا وَّ اَحْمَدَ بِاِسْمِ نَبِیِّکَ عَلَیْہِ السَّلَامْ

اگر پیٹ میں لڑکی بھی ہوگی تو ان شاء اللہ وہ لڑکا ہو جائے گا۔

اس عمل کا متعدد بار تجربہ کیا اور کرایا گیا صحیح ثابت ہوا

(نسیم احمد غازی مظاہری)

(۵) قوتِ حافظہ کے لئے

ایک مرتبہ ایک طالب علم کو جس کی یادداشت کمزور تھی یہ عمل ارشاد فرمایا کہ ہر نماز کے بعد سات سات بار اول و آخر درود شریف اور درمیان میں سات بار سورۂ اَلَمْ نَشْرَح پڑھ کر سینہ پر دم کیا کریں۔ ان شاء اللہ یادداشت مضبوط ہو جائے گی۔

(۶) قوتِ دماغ کے لئے

ضعفِ دماغ کی اگر کوئی شکایت کرتا تو آپ فرماتے کہ ہر فرض نماز کا سلام پھیر کر داہنا ہاتھ سر پر رکھ کر گیارہ بار یَا قَوِیُّ پڑھا کریں۔

(۷) قوتِ ایمان کے لئے

کلمہ طیبہ

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

کو بکثرت پڑھا جائے

(۸) فلاحِ دارین کے لئے

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اتباعِ سنت کی توفیق اور دین و دنیا

کی فلاح و کامیابی کے لئے آپ درود شریف کی کثرت کی ہدایت فرماتے اور بعض خاص مقاصد کی کامیابی کے لئے درود شریف کی مخصوص مقداریں تلقین فرماتے تھے۔

(۹) ہر مرض کا علاج

آپ ہر مرض کے لئے یہ وظیفہ ارشاد فرماتے تھے کہ ہر نماز کے بعد یَا سَلَامُ ۱۱۱ بار پڑھ کر دونوں ہاتھوں پر دم کریں اور جہاں تک ہاتھ پہنچیں اپنے بدن پر پھیر لیا کریں۔

یہ عمل نہایت مجرب ہے۔ سیکڑوں کو راقم السطور نے بتایا، اور فائدہ ہوا۔

(۱۰) اولاد کے مطیع ہونے کے لئے

ہر نماز کے بعد ایک بار یہ پڑھے

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔

حضرت والا دعا و تعویذ پر نہ اجرت لیتے تھے اور نہ اس کو پسند فرماتے تھے بلکہ اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ بندگانِ خدا کو ہر طرح نفع پہنچایا جائے

نسیم احمد غازی مظاہری

عاداتِ معمولات اور ملفوظات

سراپا ہے سوز یہ سازِ ہستی — میں وہ راگ اب چھیڑنا چاہتا ہوں
زبان عشق سے نکلے ہیں وہ الفاظ پُر معنی ۔ زمانہ عمر بھر کرتا رہے گا جنکی تفسیریں

حق تعالیٰ نے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی ذات عالی میں ایک خاص کمال یہ ودیعت فرمایا تھا کہ آپکے قال وحال دونوں یکساں تھے یعنی جو کچھ زبانِ مبارک سے ارشاد فرماتے اس پر خود عمل پیرا ہوتے اور جس چیز پر آپ عامل ہوتے وہی زبان فیض ترجمان سے ارشاد فرماتے تھے مختصر یہ ہے کہ آپکے ارشادات آپکے معمولات تھے آپکی طبیعتِ ثانیہ اور عادتِ ثابتہ ہوتی تھی معمولات میں تکلف اور ناغہ کو آپ پسند نہ فرماتے تھے ۔ اسطرح آپکے معمولات، عادات اور آپکی عادات، ارشادات وملفوظات تھے اسی وجہ سے ہم نے ان تینوں چیزوں کو ایک عنوان میں جمع کر دیا ہے اور اپنی یادداشت معلومات کے موافق ہم ان کو سپردِ قلم کرکے ناظرین کرام کی ضیافت قلب ونظر اور عبرت وموعظمت کا سامان مہیا کرتے ہیں ؎

بظاہر مری چھوٹی چھوٹی ہیں باتیں — جہاں سوز لیکن یہ چنگاریاں ہیں
بڑی عشق میں ہیں بہاریں مگر — گذری خار زاروں سے پھلواریاں ہیں

کتابی اصول زندگانی ۲۳ اپریل سنہ ۱۹۷۳ء م ماہ ربیع ۲ سنہ ۱۳۹۳ھ کو بندہ نے اپنی تصنیف "حکمت لقمان" (جو لقمان حکیم کی بیش بہا پند ونصائح کی تقریباً ساڑھے بارہ اشعار پر مشتمل منظوم مجموعہ ہے اس) کا ایک نسخہ پیش خدمت کرکے دعا کی درخواست کی حضرت والاؒ عرصہ سے علیل وصاحبِ فراش تھے حضرت والاؒ نے یہ کتاب اپنے مبارک ہاتھوں میں لی اور بہت خوش ہوئے مسرت سے چہرہ کھل گیا اور رُخِ انور پر گویا انوار برسنے لگے بہت دعائیں دیں اور نبیرۂ محترم مولانا حافظ مختار

اسعد بن مولانا محمد اللہ صاحب سے فرمایا اس کو پڑھو کئی مقامات سے اس کو پڑھوا کر بغور سنا اور فرمایا بیٹا اگر میں صحت مند و تندرست ہوتا تو میں خود آپ کا یہ زرّیں نصیحتوں کا گلدستہ "ومرقع" اپنے بچوں (پوتوں اور پوتیوں) کو پڑھاتا پھر ترقی علم و عمل، برکت دین و دنیا اور افزونی عمر و درجات کی دعا دے کر ارشاد فرمایا ؎ میرے بیٹے نسیم احمد نے ۔ خوب لکھی ہے "حکمت لقمان"، نیز اس بات کی تاکید فرمائی کہ میں تصنیف و تالیف کا کام برابر اہتمام کے ساتھ جاری رکھوں۔ میں نے دعا لینے کی غرض سے کچھ مشکلات اور دشواریوں کا تذکرہ کیا تو ارشاد فرمایا ؎

تندیِ بادِ مخالف سے نہ حیراں ہو عُقاب .:. یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

(حضرتِ والا کی دعاؤں اور توجہات کی برکت ہے کہ مصروفیات و موانع کے باوجود تقریباً ساٹھ ۶۰ کتب و رسائل اس ناکارہ کے قلم سے معرض وجود میں آچکی ہیں جن میں سے بعض کافی ضخیم بھی ہیں مثلاً درسی تفسیر پ ۲۹ و پ ۳۰ تقریباً نو سو ۹۰۰ بڑے صفحات پر مشتمل ہے مرآۃ الانوار شرح مشکوٰۃ الآثار کی ضخامت بھی تقریباً اتنی ہی ہے اور "محرم پر ماتم" تقریباً ساڑھے تین سو ۳۵۰ صفحات پر ہے اور "تحفہ عید رمضان" بھی تقریباً تین سو ۳۰۰ صفحات پر مشتمل ہے وغیرہ (فالحمد للہ الذی ھدانا لھٰذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ)

اس کے بعد حضرتِ والا نے ارشاد فرمایا۔ بیٹا! ہر کام کے چار اصول ہیں وہ کام خواہ دنیوی ہو یا دینی۔

(۱) اخلاص و للّٰہیت (۲) حوصلہ و ہمت (۳) صحیح محنت (۴) امانت و دیانت۔

جس کام میں یہ چاروں اصول ملحوظ رہیں گے۔ اس میں کامیابی یقینی ہے اور جس کام میں یہ نہ ہوں گے یا ان میں سے بعض نہ ہوں گے اس میں کامیابی غیر یقینی بلکہ ناکامی کا سخت اندیشہ ہے ؎

بندہ نے مزید نصیحت کی درخواست کی تو ارشاد فرمایا ؎

ہماری یہ نصیحت یاد رکھو .:. کہ ہر شئی میں شریعت یاد رکھو

اخلاص وللّٰہیت | ہماری طالبعلمی کے دور میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ

ٰیٰ واخلاص کی ہم کو ہمیشہ تاکید فرماتے رہتے تھے جب بھی کوئی خادم حاضر
ِمت ہوا تو باتوں باتوں میں اکثر فرمایا کرتے بیٹا! تقویٰ اختیار کرو بیٹا
کیزہ زندگی اور اخلاص للٰہیت حق تعالیٰ کو پسند ہے۔ اخلاص و للٰہیت
ِیب و غریب دولت ہے وغیرہ اخلاص کی تاکید فرماتے ہوئے عموماً فرماتے

تعلیم علمِ دیں کا خلاصہ یہی تو ہے ؎ سب کچھ ملا اسے جسے اللہ مل گیا
جو تم ہی مل گئے تو دونوں جہاں ملے مجھے ؎ کس بات کی کمی ہے کسی بات کی نہیں

حضرت والاؒ کا ایک شعر ہے کہ ؎

آپ جو کچھ کریں، کریں اسعدؔ حسن تدبیر و صدق نیّت سے

حضرت والاؒ کو قریب سے دیکھنے والے اہل بصیرت حضرات آپ کے اخلاص، حسنِ
ِت اور للٰہیت کا کھلے دل سے اقرار واعتراف کرتے ہیں ؎

لوگ کہتے ہیں ذکرِ اسعدؔ پر ایک فرشتہ ہے آدمی کیا ہے

حوصلہ و ہمت یہ صفت تو حضرت والاؒ میں اسقدر نمایاں تھی کہ اغیار
ِنے بھی اس کی داد دی ہے ہندوستان کا گوشہ
ِشہ شاہد ہے کہ آپ نے کس اولوالعزمی اور ہمت و شجاعت سے باطل اور
اہل پرستوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ راجپوتانہ، متھرا وغیرہ میں فتنۂ ارتداد
و کتنی بلند حوصلگی سے فرو کیا، آریوں، عیسائیوں، رضاخانیوں، قادیانیوں
ِشرقیوں کے کسطرح چھکے چھڑا دیئے، ہمیشہ باطل پر قہرِ آسمانی بن کر
ٹ پڑتے تھے باطل پرستوں کو اگر یہ معلوم بھی ہو جاتا کہ اسد اللہ الغالب،
ِ الاسلام حضرت اسعدؔ تشریف لا رہے ہیں تو وہ اس بستی سے فوراً راہ
ِرار اختیار کر لیتے اور اپنا جلسہ تک کرنے کی ان کی ہمت نہ ہوتی تھی آپ نے
اپنے بڑے صاحبزادے مولانا احمد اللہ صاحب مدظلہٗ کو ان کے بچپن میں رنگون
سے جو ایک مکتوب منظوم تحریر فرمایا تھا اسمیں یہ شعر بھی ہے ؎

زمانے پہ ہمت سے چھا جاؤ تم ؎ بدل دو زمانے کا سارا نظام

ہم لوگوں کو بھی بار بار اسی کی ترغیب و تاکید فرماتے تھے ایسے موقع پر زیادہ
تر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

ہمّت بلند دار کہ نزدِ خدا و خلق
باشد بقدرِ ہمّت تو اعتبار تو

اور کبھی کبھی یہ فرمایا کرتے ؎

جو ہچکچا کے رہ گیا سو رہ گیا ادھر
جس نے لگائی ایڑ وہ سو خندق کے پار تھا

حضرتِ والا کی ایک رباعی ہے جسمیں انھوں نے خود اپنی اس صفت کا اظہار فرمایا ہے ؎

دنیا کے حوادث سے نہیں کرتا آہ
سہمی ہیں بھی رہتی ہے مرے لب پر واہ
ہیں، اور کسی کام سے ہمت ہاروں؟
لاحول ولا قوۃ الا باللہ

نیز فرماتے ہیں ؎

جگمگاتا ہے مری تخئیلِ رنگیں کا جہاں
جب سے وہ تنویرِ پیکر مجھ پہ مائل ہوگیا
عزم والو! حوصلہ کی داد دینا چاہیئے
مجھ کو منزل پر گمانِ گردِ منزل ہوگیا

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ہے ؎

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشہ میرے آگے
اک کھیل ہے اورنگِ سلیماں مرے نزدیک
اک بات ہے اعجازِ مسیحا مرے آگے

صحیح محنت ہر محنت کامیابی کی ضامن نہیں ہوتی ہے۔ ہر سفر سے منزل تک رسائی ضروری نہیں۔ محنت و سفر کی صحیح سمت ہی کامرانیوں کی منزلوں سے ہمکنار کرتی ہے مثلاً اگر ایک شخص مراد آباد سے لکھنؤ جانے کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اس کو لکھنؤ جانے والی گاڑی سے سفر کرنا ضروری ہے اور اگر اس نے مشرقی سمت کو چھوڑ کر مغربی سمت اختیار کرلی اور سہارنپور جانے والی گاڑی میں سوار ہوگیا تو وہ اپنی منزل مقصود کے قریب بھی نہ ہوسکیگا بلکہ ہر لمحہ دور ہوتا چلا جائے گا۔ اسلئے محنت کے ساتھ سمت کی قید ضروری ہے۔ محنت ہو اور صحیح ہو،،

صحیح محنت ہی پر اللہ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے اسی پر کامیابی مرتب ہوتی ہے اور راحت کا پھل آتا ہے۔ صحیح محنت کی تعریف یہ ہے کہ،، اس کے اصول و آداب اور شرائط و مناسبات کو پورے طور پر ملحوظ رکھکر اس پر اپنے مال و جان اور وقت کو صرف کیا جائے،،

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے علم وعمل، تعلیم وتبلیغ، دعوت ونصیحت، سلوک وطریقت دین کی اشاعت اور تردید باطل وضلالت وغیرہ پر جو کامیاب وحیرت انگیز محنتیں کی ہیں کیونکہ ان کی ہر محنت اصول کی پوری پابندیوں کے ساتھ ہوتی تھی اسلئے حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت سے ان کو ہر لائن میں اعلیٰ کمالات اور کامرانیوں کے بابرکت ثمرات نصیب ہوئے آپنے ایکطرف تو علوم دینیہ عقلیہ ونقلیہ اور علوم عالیہ وآلیہ میں وہ کمال حاصل کیا کہ ہمیشہ اپنے رفقاء اور ہم عصروں پر فائق رہے۔ اسی وقت میں انگریزی زبان پر بھی پوری دسترس حاصل کرلی جس نے اشاعت اسلام، اصلاح خلق، رفع شبہات اور کفر ودہریت و بدعت کے رد میں بہت کام دیا اور وہ کارہائے نمایاں کرگئے جو آپکے دوسرے ہم عصر نہ کرسکے آپ فرماتے تھے کہ فلاسفہ کا یہ اصول غلط ہے کہ النفس لا متوجہ الی شیئین فی آن واحد (نفس بیکوقت دو چیزوں کیطرف متوجہ نہیں ہوسکتا ہے) آپ فرماتے تھے کہ کاملین کا نفس آن واحد میں دو چیزوں کیطرف متوجہ ہوسکتا ہے بلکہ ہوتا ہے چنانچہ آپ نے اپنے شاگرد رشید مولانا بشیر اللہ صاحب ننگولی کو جو اجتماع تبلیغ وتعلیم کے سلسلہ میں خط لکھا تھا (جو تبلیغی جماعت سے تعلق رکھنے کے عنوان کے تحت مندرج ہے) اس میں فلاسفہ کے اسی مذکورہ نظریہ کی مدلل تردید فرمائی تھی آپ طلبہ عزیز کو ہمیشہ محنت کیطرف متوجہ فرماتے رہتے تھے۔

فرماتے ہیں ؎ مردان اولوالعزم وگرامی ہمت ... ہوتے ہیں کہیں دریئے عیش وعشرت!
محنت کو بناتے ہیں وہ اپنا پیشہ ... کرتے ہیں وہ مشقت کو اپنی عادت

طلباء اور بچوں سے فرمایا کرتے تھے کہ یہ وقت محنت سے کام کرنے کا ہے اسوقت محنت سے کام کروگے تو زندگی سکون وآرام سے گذرے گی اور اگر اوقات عزیز کو ضائع کردیا تو آئندہ پچھتاؤگے اور وہ افسوس بھی لاحاصل رہے گا آپ کا ارشاد ہے ؎

بچپن کے زمانے کو غنیمت جانو ... تعلیم میں کوشش کرو کہنا مانو
جو کچھ تمہیں کرنا ہے ابھی کرلو ... پھر عمر بھر آرام سے چادر تانو

حضرت والاؒ پر صفتِ محنت کا اسقدر غلبہ تھا کہ آپ کو اپنی عمرِ عزیز کا ایک لمحہ بھی ضائع کر دینا گوارا نہ تھا چنانچہ آپ نے اس حقیقت کا زبانِ شعر میں بھی اسطرح اظہار فرمایا ہے۔ ؎

ہم خدا کے فضل سے ہیں حقیقت آگاہ ، کرتے نہیں اوقاتِ گرامی کو تباہ
ہم اور کریں علم و عمل میں سستی ۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ

وقت کی قدر و قیمت کے اظہار اور نعمتِ وقت کو غنیمت سمجھنے کی ترغیب کے لئے یہ دو شعر بھی آپ اکثر پڑھتے تھے۔

من نگویم زیاں کن یا بفکرِ سود باش ۔ اے ز فرصت بے خبر در ہر چہ باشی زود باش
(میں نہیں کہتا ہوں کہ نقصان کر یا فائدہ کی فکر میں رہ ۔ اے خوشی سے بے خبر جس کام میں بھی لگے لگا رہ)

ہر وقت خوش کہ دست دہد مغتنم شمار ۔ کس را وقوف نیست کہ انجام کار چیست
(جو اچھا وقت بھی ہاتھ لگے اسکو غنیمت شمار کر ۔ کسی کو معلوم نہیں کہ کام کا انجام کیا ہے)

اسی وجہ سے آپ بے فائدہ بحث و مباحثہ اور لایعنی گفتگو میں وقت ضائع کرنے کو بے حد ناپسند فرماتے تھے۔ اور اپنے متعلقین کو خصوصًا اس سے بچنے کی بہت تاکید فرماتے تھے آپ کی مجلس بلکہ آپ کی زندگی لایعنی بحث و مباحثہ سے ہمیشہ پاک رہی ہے۔

مولانا عبدالقیوم صاحب بستوی لکھتے ہیں کہ ایکمرتبہ یہ ناکارہ مظاہر علوم کے ایک نوجوان استاذ سے کسی موضوع پر گفتگو کر رہا تھا تھوڑی دیر بعد اس گفتگو نے بحث کا رنگ اختیار کرلیا حضرت والاؒ ذرا فاصلہ سے دفتر میں تشریف فرما تھے ہماری گفتگو کے اس رنگ کو دیکھ کر مجھے بلایا اور سخت تنبیہ فرمائی۔ فرمایا کہ "بحث و مباحثہ تو ہر جگہ مضر ہے لیکن یہاں کا ماحول تو اس کے لئے بالکل سازگار نہیں۔ اسلئے آئندہ اس سے احتیاط رکھو یہ بھی فرمایا کہ اپنی رائے کو دوسروں پر لادنا اور بزور کلام اپنی بات کو منوانا تکبر کی علامت ہے۔ حضرت حکیم محمد مصطفےٰ صاحب بجنوریؒ جو فن طب کے امام تھے اگر کوئی معمولی درجہ کا طبیب بھی ان کی رائے سے اختلاف کرتا تو فرماتے یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ہی کی رائے درست ہو،،

امانت ودیانت

رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکثر وبیشتر اپنے خطبوں میں ارشاد فرمایا کرتے تھے لا ایمان لمن لا امانۃ لہ وَلَا دینَ لمن لا عہد لہٗ (اس کا ایمان نہیں جو امانت دار نہیں اور اس کا دین نہیں جسکو پاس عہد نہیں) اس فرمان عالیشان پر ہر وہ شخص ضرور عمل پیرا ہوگا جسکو ایمان و دین محبوب ہوں گے۔ اس ارشاد سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مومن و دیندار آدمی کی پہچان یہ ہے کہ وہ صاحب امانت و دیانت اور وفادار ہو یہ صفات عام اہل ایمان کے لئے بھی ضروری ہیں ورنہ ایمان ودین خطرہ میں ہیں۔ یہ بات تو ظاہر ہے کہ اولیاء اللہ میں یہ صفات بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں۔ امانت کے مفہوم میں محبتِ خداوندی، معرفت باری، اور احکامِ الٰہیہ کا مکلف ہونا۔ مال وجان وغیرہ میں خیانت نہ کرنا۔ راز داری اختیار کرنا یعنی چھپانے والی بات کو چھپانا۔ وغیرہ سب چیزیں داخل ہوسکتی ہیں۔ اور عہد سے بھی عام معنی مراد ہیں وہ بندہ وخدا کے درمیان ہو یا مخلوق کے درمیان ایسی عہد ہو۔

اسکی تشریح و وضاحت یہاں مقصود نہیں یہاں یہ بتانا ہے کہ حضرتِ والاؒ کی مراد امانت و دیانت سے یہ ہے کہ معاملات میں خیانت، بے ایمانی، بدعہدی وغیرہ نہ ہوں۔ اسکو "درستگی معاملات" اور "صفائی معاملات" سے بھی تعبیر کرسکتے ہیں۔ امانت و دیانت اور صفائی معاملات پر تھانوی مشرب میں بہت زور دیا جاتا ہے۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ عبادات اور اذکار واوراد سے زیادہ اہمیت، معاملات اور حقوق العباد کو ہے۔ حضرتِ والاؒ افسوس کے انداز میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ:

"آجکل ذکر وتسبیح کو طریقت وتصوف سمجھ لیا گیا ہے اور معاملات واخلاق کو نظر انداز کردیا گیا ہے حالانکہ معاملات و اخلاق کی شریعت میں زائد اہمیت ہے" اور بلاشبہ واقعہ بھی ایسا ہی ہے کہ دورِ حاضر میں عموماً متصوفین ان دونوں اہم ترین چیزوں کیطرف التفات نہیں کرتے۔ حالانکہ بدمعاملہ و بداخلاق آدمی کی عبادات قیامت کے دن اہلِ حقوق لوٹ لیں گے اور یہ

عابد و زاہد جس کے پاس صاف معاملات اور اچھے اخلاق نہ تھے کفِ افسوس ملتا رہ جائے گا

حضرتِ والاؒ خود بھی سب سے زائد ان چیزوں کا اہتمام فرماتے اور عموماً سب کو اور خاص طور پر خدام و متوسلین کو امانت و دیانت اور صفائی معاملات کی بار بار تاکید فرماتے رہتے تھے ؎

رہ حیات میں روشن جو اہل دل نے کیے
وہ آندھیوں کے مقابل بھی مشتعل ہیں دیے

قابلِ تقلید پاکیزہ عادتیں

حضرتِ والاؒ نے بچوں کو نصیحت فرماتے ہوئے اپنی بعض عادات کا زبانِ شعر میں اسطرح اظہار فرمایا ہے کہ ؎

ہم کو نفرت ہے کفر و بدعت سے
ہم کو الفت ہے دین و ملت سے

خاکساری ہمارا شیوہ ہے
سب سے ملتے ہیں مہر و الفت سے

دل ہمارا ہے مثل آئینہ
سخت بیزار ہیں کدورت سے

کیوں نہ ہوں ہم نماز کے پابند
عشق ہے مذہب و شریعت سے

آپ جو کچھ کریں، کریں اسعدؔ
حسنِ تدبیر و صدقِ نیت سے

ہم کو نفرت ہے بغض و نفرت سے
ہم کو وحشت ہے کبر و نخوت سے

ہے محبت ہمیں محبت سے
ہے عداوت ہمیں عداوت سے

ہم کو عادت ہے سعی و محنت کی
ہم کو الفت ہے سعی و محنت سے

خوگر محنت و جفاکش ہیں
جی چراتے نہیں مشقت سے

شوق ہے اقتدائے ملت کا
عشق ہے اتباعِ سنت سے

کیوں نہ مانیں ہم ان مسائل کو
جو ہوں ثابت کتاب و سنت سے

ہم کو چڑھ ہے لغویت اسعدؔ
طعن و تشنیع و لعن و غیبت سے

آدمیوں کی چار قسمیں ہیں

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ آدمی چار قسم کے ہوتے ہیں

(۱) اکمل (۲) کامل (۳) ناقص (۴) انقص

- اکمل (کامل ترین) آدمی وہ ہے جو صاحب الرائے اور صائب الرائے ہو اور مشورہ بھی کرتا ہو
- کامل آدمی وہ ہے جو صاحب الرائے اور صائب الرائے ہو اور مشورہ نہ کرتا ہو یا دونوں سے ایک صفت رکھتا ہو یعنی صاحب الرائے یا صائب الرائے ہو لیکن مشورہ کرتا ہو
- اور جو صاحب الرائے یا صائب الرائے ہو یعنی جس کو دونوں صفتوں میں سے صرف ایک صفت حاصل ہو لیکن مشورہ نہ کرتا ہو ایسا شخص ناقص ہے۔
- اور اگر نہ صاحب الرائے ہے نہ ہی صائب الرائے ہے یعنی دونوں صفتوں سے محروم ہے اور مشورہ کبھی نہیں کرتا تو ایسا شخص ناقص ترین (بہت ہی گھٹیا درجہ کا آدمی ہے۔

اس لئے ضروری ہے کہ صاحب الرائے اور صائب الرائے ہونے کے ساتھ ساتھ معاملات و حادثات میں دوسروں سے بھی مشورہ ضرور کیا جائے تاکہ کامل ترین لوگوں میں شمار و شمولیت ہو سکے۔ اسی لئے حق تعالیٰ شانہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کا حکم فرمایا۔ ارشاد ہے وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ہوئی ہے جن سے کتاب حیات کی تکمیل — جو حیات نے وہ میری زندگی سے لئے (نوٹ) ـ صاحب الرائے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسا سمجھدار آدمی ہے کہ غور و فکر کی اس میں پوری صلاحیت موجود ہے اور صائب الرائے سے مراد یہ ہے کہ فکر صحیح و عقل سلیم والا آدمی ہے یعنی وہ ٹھیک ٹھیک سوچتا سمجھتا ہے۔

چار چیزوں کا کم کر دینا مفید ہے

حضرت والا رحمہ متعلقین کو خاص طور پر سالکین کو یہ نصیحت فرماتے تھے کہ:

"حضرات صوفیہ کرام سالکین و متصوفین کو چار تقلیلوں کا حکم دیتے تھے اور یہ قلتیں غیر سالکین کے لئے بھی مفید ہیں۔ لیکن کیونکہ اس زمانہ میں قویٰ کمزور اور ہمتیں متاثر و مضمحل ہو گئیں۔ اس لئے اب دو تقلیلوں کا امر نہیں کیا جاتا۔ وہ چار قلتیں یہ ہیں۔ قلۃ الطعام (کم کھانا)، قلۃ المنام (کم سونا)، قلۃ الکلام (کم بولنا)، قلۃ الاختلاط مع الانام (لوگوں سے میل جول کم رکھنا)، اول الذکر دو تقلیلوں کو موقوف

کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ اب ان کا تحمل نہیں ہوتا۔ البتہ مؤخر الذکر دو قاعدے سب کے لئے خصوصاً طلبہ و سالکین کیلئے اب بھی بہت ضروری ہیں

قلتِ طعام

اس کا حضرت والا اگرچہ حکم نہیں فرماتے تھے لیکن خود اس پر عامل تھے۔ آپ صحت کی حالت میں بھی ہلکی پھلکی دو ڈھائی چپاتیاں صرف ایک سالن کیساتھ تناول فرماتے تھے۔ اور صبح کو ناشتہ کا کوئی اہتمام نہ ہوتا تھا۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ ۔ ندارند تن پروراں آگہی ۔ کہ پُر معدہ باشد ز حکمت تہی ۔ زیادہ کھانے والوں کو معلوم نہیں ۔ کہ پیٹ بھرا حکمت سے خالی ہوتا ہے۔

قلتِ منام

کم سونا بھی فی نفسہ مطلوب ہے۔ کیونکہ زیادہ سونے سے ایک تو عمر عزیز برباد ہوتی ہے۔ اور اکثر ان دنیوی اور دینی مقاصد کے انجام دہی سے قاصر رہتا ہے۔ پھر زیادہ سونے سے قلب پر غفلت بھی طاری ہوتی ہے لیکن اب عموماً لوگ کمزور ہیں۔ خصوصاً طلبہ و سالکین ضعفِ اعصاب و ضعفِ دماغ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ان کو بقدر ضرورت مقدار میں سونا چاہیئے تاکہ متعلقہ امور کی انجام دہی میں دقت پیش نہ آئے۔ حضرت والا فرماتے تھے کہ کم از کم چھ گھنٹے سونا چاہیئے۔ جوانوں کو اس سے کم سونے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ بچوں کے لئے مقدار اس سے زائد ہے مثلاً چھ ماہ سے کم عمر بچوں کو اٹھارہ گھنٹے سلانا چاہیئے۔ اور اسی عمر کے لحاظ سے بتدریج کم ہوتے ہوتے جوانی میں چھ گھنٹے مقدار کر لینی چاہیئے۔ اور بڑھاپے میں تو جتنی بھی نیند آجائے غنیمت ہے۔ حضرت والاؒ کو اس اصول پر بھی پورے طور پر کاربند دیکھا گیا ہے۔ البتہ آپ رات کا اکثر حصہ عبادات، نوافل اور مطالعہ کتب میں گذارتے تھے۔ گویا اول شب میں آرام فرماتے ہوئے دیکھا گیا۔ اور جب سب سو جاتے تو آپ بیدار ہو جاتے تھے ۔

خوشبو زمانہ کو بخشی بہار بن کے سالک نے
یہ اور بات کہ ہم سوگوار بیٹھے

دنیا پہ عیش کر دنیا حرام ہے میری طرف
خواہش نہیں خوشی دنیا غم کی کیا بعد [illegible]

قلت کلام آپ فضول گفتگو کو بہت ہی ناپسند فرماتے تھے۔ اور ارشاد فرماتے تھے کہ یہ آفت تعلقات اور دوستی سے پیدا ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں فرماتے تھے کہ دشمنی بھی عموماً دوستی سے پیدا ہوتی ہے ؎ جس نے دوستی نہ کی دشمنی نہ ہوئی۔ زیادہ گوئی کا علاج کثرت ذکر اور مفید کاموں میں انہماک بتلاتے تھے حضرت شیخ سعدیؒ کا ارشاد ہے۔ دو چیز تیرگی عقل است لب فروبستن بوقت گفتن وگفتن بوقت خاموشی (دو چیزیں حماقت کی علامتیں ہیں۔ کہنے کے وقت خاموش رہنا اور خاموشی کے وقت بولنا) کمال یہ ہے کہ وقتِ ضرورت ضرور بولے اور پہلے تولے پھر بولے اور بےضرورت خاموش رہے۔ حدیث میں ہے مَنْ صَمَتَ سَلِمَ وَمَنْ سَلِمَ نَجَا۔ (جو چپ رہا سالم رہا اور جو سالم رہا وہ نجات پا گیا۔ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ ؎

سینہ بار خاموشی گنجینۂ گوہر کنند — یاد دارم از صدف ایں نکتۂ سربستہ را

(خاموشی دلوں کو گوہر ہائے اسرار کا خزانہ بنا دیتی ہے۔ میں نے یہ پوشیدہ راز سیپی سے محفوظ کیا ہے)

حضرت والا ارشاد بقدرِ ضرورت بقدرِ ضرورت کلام فرماتے تھے مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدیر الفرقان لکھنؤ نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب سے ایک مرتبہ فرمایا کہ "حضرت ناظم صاحب بہت سوچ کر بولتے ہیں اور یہ بزرگی و تقدس کا اعلیٰ مقام ہے جس پر کم لوگ فائز ہوتے ہیں۔ حضرت والا بیہودہ گوئی سے باز رہنے کی نصیحت فرماتے ہوئے یہ شعر بھی پڑھتے تھے کہ ؎

لب ببند و چشم بند و گوش بند — گر نہ بینی سرِ حق بر من بخند

(ہونٹ، آنکھ اور کان بند رکھو۔ پھر اگر حق کا بھید نہ دیکھ لو تو مجھ پر ہنسو)

قلۃ الاختلاط مع الانام یعنی لوگوں کے ساتھ میل جول کم کرنا بھی اوپر معلوم ہوا کہ حضرت لوگوں سے زائد میل جول اور ملاقاتوں کو پسند نہ فرماتے تھے۔ دوستی اور فضول تعلقات سے آپ کو سخت نفرت تھی آپ نصیحت کے طور پر ارشاد فرماتے تھے ؎

لِقَاءُ النَّاسِ لَيْسَ يُفِيدُ شَيْئًا — سِوَى الْهَذَيَانِ مِنْ قِيلٍ وَقَالِ

(لوگوں کی ملاقات سے کوئی فائدہ نہیں۔ بجز بیہودہ اور فضول گفتگو کے)

یہ شعر بھی اکثر پڑھتے تھے ۔ راحت جاوید ترکِ اختلاط مردم است ۔ چوں خضر باید زچشم خلق پنہاں زیستن (دائمی راحت لوگوں سے میل جول نہ رکھنے میں ہے ۔ حضرت خضر کی طرح مخلوق کی نگاہ سے چھپکر جینا چاہئیے)

مولانا عبد القیوم صاحب لکھتے ہیں کہ " حضرت والا، طلبہ کو اس بات کی بہت تاکید فرماتے تھے کہ وہ تعلقات کم سے کم رکھیں ۔ فرماتے کہ دشمنی تو ہمیشہ سب کیلئے مضر ہے ہی ۔ لیکن طالبعلم کیلئے دوستی بھی نہایت مضر ہے اسی لئے طلبہ کے دیوبند وغیرہ جانے کو پسند نہیں فرماتے تھے کہ یہ لوگ وہاں جاکر طلبہ کے مہمان بنیں گے اور طرفین کا وقت برباد ہوگا ۔ پھر اسکے جواب میں وہ لوگ بھی ان کے پاس آئیں گے اور پھر دونوں کا وقت ضائع ہوگا تعلیم کا حرج ہوگا ۔ آمد ورفت اور مہمان نوازی میں مصارف ہوں گے جسکی وجہ سے طلبہ پر تنگی ہوگی یا والدین اور سرپرستوں پر بوجھ پڑے گا غرض ان کی دوستی کا اثر دور تک پہنچیگا بعض ناواقف اور اس حقیقت سے بے خبر لوگ حضرت کے متعلق بدگمانی کرتے اور اس کو دارالعلوم دیوبند وغیرہ کی مخالفت پر محمول کرتے تھے ۔ حالانکہ اس میں طلبۂ کرام کی انتہائی خیر خواہی تھی ۔ اور حضرت والا، دارالعلوم دیوبند اور تمام دینی اداروں کی بقاء وترقی کیلئے روزانہ بلاناغہ دعائیں فرماتے تھے خصوصاً روزانہ بعد عصر ختم خواجگان میں ۔

عیادت عبادت سے بہتر ہے

آپ بیماروں کی مزاج پرسی اور تیمارداری کو اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے اور عیادت کا بہت ہی اہتمام فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی اسکی تلقین فرماتے تھے ۔ آپ ارشاد فرماتے تھے ۔ کہ العیادۃ خیر من العبادۃ (بیمار پرسی بہتر ہے عبادت سے) اور فرماتے کہ عیادت میں یا ہے اور عبادت میں با ۔ یا میں دو نقطے ہیں اور با میں ایک تو عیادت میں ایک نقطہ عبادت سے زائد ہے ۔ اسی طرح ی کے عدد دس ہیں اور بے کے دو ۔ تو حساب ابجد عیادت کے عدد عبادت سے آٹھ زائد ہوئے ۔ تو گویا عیادت کی خیر عبادت (نافلہ) سے آٹھ گنے بڑھی ہوئی ہے ۔ نیز عیادت میں نفع رسانی (اور دلجوئی) ہے اور عبادت میں نفع اندوزی ہے اور ظاہر ہے کہ اول افضل ہے لہٰذا والعیادۃ خیر من العبادۃ لفظاً ومعنیً وعدداً ورتبۃً" عیادت عبادت سے لفظوں میں معنی میں اور عدد ومرتبہ میں ہر طرح بڑھی ہوئی ہے ۔

سالک مجذوب سے افضل ہے فرمایا کہ مجذوب سے سالک کا درجہ اونچا ہوتا ہے۔ اسی لئے کبھی کوئی نبی مجذوب نہیں ہوا مجذوبوں کی صحبت سے بھی گریز کرنا چاہئے کیونکہ ان سے اکثر نقصان پہنچ جاتا ہے (انتہی)۔

بعض حضرات کو یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ مجذوب جو زبان سے کہدیتا ہے عموماً وہ پورا ہو جاتا ہے اور سالک کا معاملہ ایسا نہیں ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اگر کسی شخص کے چند بیٹوں میں سے ایک معذور ہو تو گھر میں معذور کی بات جلد سنی اور مانی جاتی ہے اس سے معذور و بیمار کا تندرستوں اور غیر معذوروں سے بہتر یا والدین وغیرہ کے نزدیک ان کے زائد محبوب ہونے پہ استدلال نہیں ہو سکتا بس اسی طرح سالک و مجذوب دونوں اللہ کے چہیتے بندے ہیں لیکن سالک غیر معذور زیادہ ہے اور مجذوب معذور ہے اسلئے اکثر اس معذور کی بات جلد سنی اور مانی جاتی ہے (نسیم احمد غازی مظاہری)

مولانا محمد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ:۔ " حضرت والا کے پاس مجاذیب و فقراء اور بعض ایسے حضرات کو اکثر آتے دیکھا گیا ہے کہ جن کے متعلق خود حضرت والا کے فرمانے سے خدام کو معلوم ہوا کہ وہ صاحب خدمت ہیں "

ایکدن حضرت کی طبیعت ناساز تھی ایک دیوانہ آکر حضرت کے کمرہ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور یہ کہہ کر بھاگ گیا کہ وہ یہاں ایک آدمی نماز پڑھتا ہے جس دن اس میں گڑبڑ ہو جاتی ہے تو وہ بیمار ہو جاتا ہے "

خدمت خلق حضرت والا خدمت خلق کو بہت ہی اہمیت دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی خیر الناس من ینفع الناس (انسانوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو انسانوں کو نفع پہنچائے) سے خدمت خلق و نفع رسانی کی عظمت و اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ خدمت خلق خود عبادت حق ہے اور اکثر عبادات سے بڑھکر ہے پھر جتنی اونچی خدمت ہوگی اور جس قدر نفع پہنچایا جائیگا اتنی ہی فضیلت و خیریت کا حصول ہوگا۔ مثلاً کسی کو ایک گلاس پانی پلادیا جائے یہ بھی خدمت ہے اور کسی کو جنت دلوادی جائے یہ بھی خدمت ہے مگر دونوں میں اتنا ہی فرق ہے جتنا ایک گلاس پانی اور جنت میں فرق ہے، حضرت والا

کی الحمد للہ پوری زندگی ہی عبادت، دین کی اشاعت اور خلقِ خدا کی خدمت میں گذری ہے
آپ خدمتِ خلق کی ترغیب دیتے ہوئے اکثر یہ شعر پڑھتے تھے ؂

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست ۔۔۔ بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

(تصوف خدمتِ خلق کے سوا کچھ بھی نہیں۔ تسبیح و مصلے اور گدڑی کا نام طریقت نہیں)

اذیت رسانی سے پرہیز اس کے مقابلے میں خلقِ خدا کو تکلیف پہنچانا اور لوگوں کا دل دکھانا بدترین گناہ ہے فرماتے تھے کہ کسی کو اذیت نہ پہنچاؤ کہ اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں۔ اس موقع پر فرماتے تھے ؂

مباش درپئے آزار و ہرچہ خواہی کن ۔۔۔ کہ در شریعتِ ما غیر ازیں گناہے نیست

(کسی کو اذیت دینے کا ارادہ بھی نہ کرو اور جو چاہو کرو کیونکہ ہماری شریعت میں اس کے علاوہ کوئی گناہ نہیں ہے)

اگر غور کیا جائے تو یہ بڑی عجیب بات ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچاؤ نہ خود کو نہ دوسروں کو اگر خود کسی گناہ کا ارتکاب کیا یا کسی فرض و واجب کو ترک کیا تو اپنی روح کو تکلیف پہنچائی اور غضبِ خداوندی کا نشانہ بن کر دنیا و آخرت میں خود اپنے آپ کو اذیت پہنچائی کیونکہ سزا کا مستحق ہوا۔

خصوصاً اللہ والوں کو اذیت پہنچانا بڑا خطرناک ہے۔ آپ اس پر خدام کو تنبیہ فرماتے تھے اور اس موقع پر یہ شعر پڑھتے تھے ؂

بس تجربہ کردیم دریں دارِ مکافات ۔۔۔ با دُرد کشاں ہر کہ درافتاد برافتاد

(ہم نے اس دنیا میں بہت تجربہ کیا ہے کہ جو عاشقانِ حق سے الجھا وہ منہ کے بل گر پڑا)

حضرت والا بڑی دلسوزی اور اہتمام کے ساتھ خدام و تلامذہ کو بہ تاکید نصیحت فرماتے تھے کہ کسی کو ایذا نہ دو تکلیف نہ پہنچاؤ ایسے مواقع پر مذکورہ بالا اشعار کے علاوہ یہ شعر بھی سناتے تھے ؂

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد ۔۔۔ کسے را با کسے کارے نباشد

(اس جگہ جنت ہے جہاں کسی کو کسی سے تکلیف نہ پہنچے اور کسی پر کسی کی شکایت نہ ہو)
اگر سب لوگ اس حقیقت پر عمل کر لیں تو یہ دنیا جنت نہیں تو جنت کا نمونہ ضرور بن جائے گی۔

تحملِ اذیت حضرت والا بہت حساس اور نہایت لطیف المزاج و نازک طبع انسان تھے۔ نزاکتِ طبع کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی بے خود کشیدہ

شاگرد کمرہ میں داخل ہو جاتا تو آپ کو چھینکیں آنے لگتیں اور اس سے آپکو بہت تکلیف پہنچتی۔ اگر کوئی الجھی ہوئی بات کہتا یا بہت آہستہ یا بہت زور سے لیتا یا غیر فصیح زبان بولتا تو آپ کو اسقدر ناگوار ہوتی کہ چہرۂ انور پر پریشانی کے آثار نمایاں ہو جاتے اور سر میں درد ہو جاتا۔ خدام کو انکی اصلاح کیلئے ڈانٹ ڈپٹ تنبیہ فرماتے رہتے لیکن عموماً آپ برداشت فرماتے خصوصاً غیر متعلقین و اجانب سے آپ اذیتوں کو نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کرتے اور مخاطب کو محسوس بھی نہ ہوتا لیکن مزاج داں خدام کو آپ کی تکلیف کا احساس ہو جاتا تھا تو آپ تسلی کے لئے بکثرت یہ شعر پڑھتے تھے ؎

حافظ از باد خزاں در چمن دہر مرنج فکر معقول بفرما گل بے خار کجاست

(اے حافظ چمن میں بادِ خزاں سے رنجیدہ نہ ہو۔ خوب غور کر کہ پھول کانٹے کے بغیر کہاں ہوتا ہے) یعنی تکلیفوں کو برداشت کرنا چاہئے اس پر ثواب کی بہاریں آتی ہیں کیونکہ خزاں کے بعد بہار آتی ہے۔ گویا جس طرح خزاں بہاروں کی خوشخبری دیتا ہے۔ اسی طرح دنیا کی مصیبتیں بھی صابروں کو اجر و ثواب کی بہاروں سے ہمکنار کریں گی۔ اور اس دنیا میں سرور و غم و راحت و آفت دونوں یکجا رہتی ہیں یہاں ہر شخص کو دونوں چیزوں کا پہنچنا ضروری ہے ہاں دارِ آخرت میں دونوں جدا جدا ہو جائیں گی۔ دوزخ میں صرف غم و مصیبت اور جنت میں صرف آرام و راحت ہوں گے

زبان کی حفاظت حضرت والا فرماتے تھے کہ اپنی زبان کو آلودگیوں سے پاک رکھو۔ کوئی ناشائستہ لفظ زبان پر نہ آنے دو اس سلسلہ میں صائب کا یہ شعر سنایا کرتے تھے ؎

دہن خود بدشنام میالا صائب زیں زر قلب ہر کس کہ دہی باز دہد

(اپنی زبان سے کسی کو گالی نہ دو اے صائب۔ کیونکہ یہ ایسا کھوٹا سونا ہے کہ جسکو دوگے وہ واپس کر دیگا)

ہم لوگ مناظرہ کی مجلس میں جب "بحث" پر کلام کرتے اگر کسی کی زبان پر کوئی دل آزار یا توہین آمیز کلمہ جاری ہو جاتا یا مقابل کی تحقیر و بے ادبی کا اس میں شائبہ ہوتا تو آپ فوراً تنبیہ فرما دیتے اور فرماتے کہ مناظرہ صرف اظہار و احقاق حق کیلئے ہوتا ہے طعن و تحقیر کو اس سے کیا تعلق ہے کبھی کسی مقابل و مخالف کو تکلیف دہ اور تحقیر و

توہین آمیز لفظ نہیں کہنا چاہیئے۔ بلکہ مخاطب کا پورا پورا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے گفتگو کرنی چاہیئے۔ بلکہ کلام پر حلاوت ہونا چاہیئے اس سے مخاطب پر اچھے اثرات پڑتے ہیں اور اکثر یہ شعر فرماتے تھے ؎

لَاخَیلَ عِندَكَ تُهْدِیْهَا وَلَا مَالَ ۔ فلیسعد النطق ان لم تسعد الحال

(یعنی اگر تمہارے پاس دینے کیلئے دھن دولت کچھ نہیں تو اچھے کلام ہی سے مدد کرو اگر کسی کے حال کو نہیں سنوار سکتے)

دل آزار باتوں سے آپکو انتہائی نفرت تھی خدام کو بار بار نصیحت فرماتے کہ ایسی بات ہرگز نہ کہو جس سے کسی دوسرے کی دلآزاری ہو اور گلستاں کے یہ دو شعر سناتے ؎

شنیدم کہ مردان راہ خدا ۔ دل دشمناں ہم نہ کردند تنگ

(میں نے سنا ہے کہ راہ خدا کے لوگ۔ دشمنوں کا دل بھی تنگ نہیں کرتے)

ترا کے میسر شود ایں مقام ۔ کہ با دوستانت خلاف است و جنگ

(تجھے یہ مرتبہ کیسے نصیب ہو سکتا ہے جب کہ تو دوستوں ہی سے لڑتا ہے)

بزرگوں کی نصیحت نوجوانوں کو بزرگوں کے تجربات سے فائدہ اٹھانا چاہیئے اور ان کی نصیحتوں کی (جو ان کے تجربات کی روشنی میں ہوتی ہیں) قدر کرنی چاہیئے اسکی طرف متوجہ فرماتے ہوئے اکثر یہ شعر پڑھتے تھے ؎

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند ۔ جوانان سعادت مند پند پیر دانا را

(پیارے نصیحت سنو کیونکہ خوش بخت جوان تجربہ کار بوڑھوں کی نصیحت کو جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتے ہیں)

کجروی و خود سری پر نصیحت اگر طالبین میں سے کسی نے بے راہ روی اور کجروی محسوس فرماتے تو نصیحت فرماتے اور بڑی دل سوزی سے ارشاد فرماتے ؎

إِذَا كَانَ مِنَّا الدَّمْعُ يَجْرِي صَبَابَةً ۔ لِغَيْرِ سَلْمَى فَهُوَ دَمْعٌ مُضَيَّعٌ

(یہ آنسو خاص محبوب کے سوا اگر کسی اور کی محبت میں جاری ہوں تو بیکار ہیں) یعنی زندگی اگر محبوب حقیقی کی رضا سے ہٹ کر بسر ہو تو وہ زندگی کی بربادی ہے۔ اور فرماتے تھے کہ عربی کا یہ شعر بہت اچھا ہے

تَقُولُ وَقَدْ تَوَدَّنَا مُسَلِّمَةً ۔ أَتَبْكِي بِعَيْنٍ تَرَانِي بِهَا

(یعنی محبوبہ نے تعجب بھری بات کہی ہے کہ تم اس آنکھ سے روتے ہو جس سے مجھے دیکھتے ہو) یعنی آنکھ کو بے مقصد استعمال نہ کرو اسی طرح ہماری زندگی اگر مقصد سے ہٹ کر

بسر ہوتی ہے۔ تو ظاہر ہے کہ غلط اور بیکار ہے کیونکہ جس کا مقصد فوت ہوجاتا ہے وہ شئے بے فائدہ ہو جاتی ہے

بد اصلوں سے بھلائی کی امید نہیں جو لوگ بلند حوصلہ و عالی ہمت نہیں ہوتے ان سے کسی قسم کی توقع رکھنا بے سود ہوتا ہے۔ اس بارے میں نصیحت فرماتے ہوئے یہ اشعار بھی سناتے تھے ؎

زبد اصل چشم بہی داشتن　　　بود خاک در دیدہ انباشتن

(کمینوں سے بھلائی کی امید رکھنا۔ اپنی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مرادف ہے)

سر ناسزایاں برافراشتن　　　وزیشاں امید بہی داشتن

(نالائقوں کا احترام کرنا۔ اور ان سے نیکی کی امید رکھنا)

سررشتۂ خویش گم کردن است　　　بجیب اندروں مار پروردن است

(خود اپنی ہلاکت مول لینا ہے اور اپنے دامن میں سانپ کو پرورش کرنا ہے)

پرستار زادہ نیاید بکار　　　اگرچہ بود زادۂ شہریار

(غلامانہ ذہنیت والے سے کوئی اہم کام نہیں ہو پاتا گو وہ بادشاہ کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو)

بعض لوگوں کو تعلیم و تربیت سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ ان کی فطرت و جبلت تربیت پر غالب آجاتی ہے اور تعلیم و تربیت کی محنت ان پر رائگاں ہو جاتی ہے اس حقیقت کو واضح فرمانے کے لئے ایک قصہ سناتے تھے کہ "ایک شہزادہ کے مزاج میں نسوانیت غالب تھی لوگوں نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ اس کو "شاہنامہ فردوسی" پڑھوایا جائے شاید بہادروں کے قصے پڑھ کر اس کے مزاج میں کوئی تبدیلی آجائے۔ چنانچہ جب وہ شاہزادہ "شاہنامہ" پڑھ چکا تو بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ تمہیں "شاہنامہ" کا کوئی شعر پسند آیا اگر یاد ہو تو سناؤ۔ تو شاہزادہ نے سنایا ؎

منیژہ منم دخت افراسیاب　　　برہنہ ندیدہ تنم آفتاب

(میں افراسیاب کی بیٹی منیژہ ہوں۔ اور ایسی پردہ نشیں ہوں کہ میرا بدن آفتاب نے کبھی نہیں دیکھا)

بس بادشاہ کو اس سے مایوسی ہو گئی۔

بعض لوگوں کو بنانے اور سنوارنے کی مخلصین بہت کوشش کرتے ہیں مگر پھر بھی ناکامی رہتی ہے۔ ایسے موقع پر ارشاد فرماتے ؎

گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ — بآب زمزم و کوثر سفید نتواں کرد

(جسکی قسمت کی گدڑی ہی سیاہ بُنی ہوئی ہے۔ اسکو زمزم و کوثر کے پانی سے سفید نہیں کر سکتے)

اظہارِ دردِ اذیت اگر آپ کو کسی سے تکلیف پہنچتی اور آپ زیادہ بے چین ہو جاتے تو فرماتے

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد — وگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

(میرے دل میں ایسی تکلیف ہے اگر کہوں تو زبان جل جائے۔ اور نہ کہوں تو ہڈیوں کا گودا جل جائے)

درد و کلفت کے اظہار کی یہ انتہا ہوتی تھی۔

رویہ کی سختی بعض مرتبہ کسی کی سرکشی اور حد سے بڑھ کر گستاخانہ بے راہ روی پر مزاج و مسلح اور طبیعت پر لطافت کے خلاف رویّہ کو کچھ زائد سخت کرنا پڑتا تو آپ اظہارِ خفگی فرماتے ہوئے عموماً یہ شعر پڑھتے تھے۔

دل ایسی چیز کو ٹھکرا دیا نخوت پرستوں نے — بہت مجبور ہو کر ہم نے آئین وفا بدلا

چونکہ حضرت والا رحمہ کے دل پر لغزش سے ہی کی قدر و منزلت اور محبت تھی اس لئے اس شعر کا ہر لفظ اس موقع پر پورے طور پر چسپاں ہوتا تھا۔

ادب اظہارِ حقیقت میں تصادم مولانا محمد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب ادب کے تقاضوں اور اظہارِ حقیقت میں تضاد ہوتا یعنی ادب اظہارِ حقیقت سے مانع ہوتا۔ اور اظہارِ حقیقت کیضرورت ادب احترام کے بظاہر خلاف ہوتی تو آپ اکثر یہ تین اشعار پڑھا کرتے اور بضرورت اظہارِ حقیقت فرماتے

از ادب خاموش ہستم ورنہ در ہر داوری (۱) — لتیمہ شاگردی من نیست استاد مرا

ہم خوشی کے اجتک تو ادب مانع تھا (۲) — ورنہ آتا ہے ہمیں حرفِ تمنا کہنا

گفتگو آئین درویشی نہ بود (۳) — ورنہ با تو ماجرا ہا داشتیم

حسن و عشق کا رابطہ باہمی حضرت والا رحمہ فرماتے کہ محب و محبوب میں ایک خاص مناسبت اور حسن و عشق میں زبردست رابطہ باہمی ہوتا ہے اور اس حقیقت کو ان مندرجہ ذیل اشعار سے واضح فرماتے تھے۔

عاشقاں ہر چند مشتاق جمال دلبر اند — دلبراں از عاشقاں بر عاشقاں عاشق تر اند

(عاشق لوگ یقیناً معشوق کے جمال کے محتاج ہیں لیکن محبوب عاشقوں سے بڑھ کر عاشقوں کے عاشق ہوتے ہیں)

عشق می نازد بحسن و حسن می نازد بعشق   آرے آرے ایں دو معنی عاشق یک دگر اند

عشق و حسن ایکدوسرے پر ناز کرتے ہیں۔ درحقیقت یہ دونوں حقیقتیں ایکدوسرے کی عاشق ہیں

ایک لطیفہ ربط باہمی کے سلسلہ میں ایکمرتبہ یہ لطیفہ سنایا کہ حضرت مولانا تھانوی ؒ ایک الگ کمرہ میں تصنیف و تالیف کا کام کرتے تھے حضرت نے کسی ضرورت سے حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب کو اپنے پاس بلایا۔ خواجہ صاحب پر کیفیت جذب غالب تھی اور تخلص بھی مجذوب ہی تھا مگر جذب پر عشق غالب تھا؛ طلب پر والہانہ دوڑے ہوئے گئے وہاں سے واپسی پر روشنائی بھری ہوئی دوات اس کمرہ کی چوکھٹ پر رکھ آئے جسمیں حضرت تھانوی ؒ تصنیف و تالیف کیلئے تشریف فرما تھے اور خیال کچھ نہ رہا۔ بڑے اہتمام سے بیان القرآن کی تالیف چل رہی تھی اس زمانہ میں حضرت تھانوی ؒ خود نماز پڑھاتے اور جماعت سے پانچ منٹ پہلے مسجد میں تشریف لاتے تھے۔ چنانچہ حضرت حسب معمول اٹھے بے خیالی میں پاؤں دوات سے ٹکرا گیا اور حضرت رح کے کپڑوں پر روشنائی پڑ گئی۔ دریافت فرمایا کہ یہ دوات کس نے رکھی تھی معلوم ہوا کہ حضرت خواجہ صاحب نے رکھی تھی۔ انکو بلوایا گیا اور ڈانٹ پڑنی شروع ہو گئی خدام کپڑے بدلوا رہے تھے اور خواجہ صاحب پر مسلسل ڈانٹ پڑ رہی تھی کہ وہ پانچ منٹ ختم ہو گئے۔ نماز کا وقت ہو گیا حضرت نے نماز پڑھائی اور خواجہ صاحب کو بعد نماز بلوا کر پھر ڈانٹنا شروع کیا اور جب خواجہ صاحب سے برداشت نہ ہوا تو حضرت کو لپٹ گئے اور یہ شعر پڑھا ؎

تو ہے گر ترش تجھے گالی ہزار دے   یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

اس پر حضرت رح کو ہنسی آگئی اور خواجہ صاحب کو گلے لگا لیا۔

نہ شبم نہ شب پرستم حضرت والا رح جیتی جاگتی حقیقتوں کے قائل تھے خوابوں پر اس دنیاوی زندگی کی تعبیر کو پسند نہ فرماتے اور خواب و خیال پر زیادہ التفات نہ فرماتے تھے اکثر اس کے اظہار کیلئے یہ مشہور شعر پڑھتے تھے ؎

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم   چوں غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

نہ میں رات ہوں نہ رات کا پجاری کہ خواب کی بات کہوں چونکہ آفتاب کا غلام ہوں سب اسی کی کہتا ہوں یعنی بندۂ حق ہوں یا حقیقت کا قائل ہوں۔ خواب و خیال تو خواب و خیال کی حد تک رہتے ہیں۔

ہمت افزائی

خدام و تلامذہ کا حوصلہ بڑھاتے اور ہمت بلند فرماتے رہتے تھے اور بلند ہمتی و عالی حوصلگی پر ابھارنے کیلئے عموماً فرماتے تھے ؎

ہمت بلند دار کہ نزد خدا و خلق — باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو

(ہمت بلند رکھ کہ خالق و خلوق کے نزدیک تیرا اعتبار بقدر ہمت ہوگا) اور کبھی فرماتے تھے کہ

؎ بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد — اگر خارے بود گلدستہ گردد

(جس کام کیلئے ہمت باندھ لیجاتی ہے۔ اگر کانٹا ہوتا ہے تو وہ بھی گلدستہ بن جاتا ہے) یعنی ہمت سے مشکل کام بھی آسان ہوجاتے ہیں اور ہمت و حوصلہ سے دشواریاں آسانیوں میں تبدیل ہوجاتی ہیں

؎ مشکلے نیست کہ آساں نہ شود — مرد باید کہ ہراساں نہ شود

(کوئی مشکل نہیں جو آسان نہ ہو جائے۔ مرد کو مایوس نہ ہونا چاہیئے

تکلفات ناپسند تھے

آپ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ کی جیتی جاگتی تفسیر تھے کسی چیز میں تکلف کو پسند نہ فرماتے تھے آپ کو سادگی پسند تھی ؎

اے ذوق تکلف میں ہے تکلیف سراسر — آرام میں ہیں وہ لوگ جو تکلف نہیں کرتے

خصوصاً لباس میں آپ تکلف کو بالکل پسند نہ فرماتے اور آپ کبھی پر تکلف لباس زیب تن نہ فرماتے۔ آجکل عام طور پر پر تکلف لباس علماء کا شعار سمجھا جاتا ہے حضرت والا اس سلسلہ میں شیخ سعدیؒ کے یہ اشعار سناتے تھے ؎ دلقت بچہ کار آید و تسبیح و مرقع — خود را ز عملہائے نکوہیدہ بری دار

(جبہ، قلعہ اور تسبیح سے کام نہیں چلتا — خود کو بد اعمالیوں سے بچاؤ)

حاجت بکلاہ برکی داشتنت نیست — درویش صفت باش و کلاہ تتری دار

(صوفیانہ ٹوپی سر پر رکھنے کی ضرورت نہیں — درویش صفت بنو ٹوپی کیسی بھی اوڑھ لو)

نظافت و پاکیزگی کو آپ پسند فرماتے تھے اور تکلفات آپ کو گراں تھے۔

سوال پورا نہ ہونے پر افسوس

کسی سائل کے سوال کو پورا نہ کرنے پر قلب اطہر پر جو کیفیت گذرتی تھی اسکا اظہار صائبؒ کے شعر میں اسطرح فرماتے تھے ؎

صائبا خجلت سائل بزمینم در کرد — بے زری کرد بمن آنچہ بقاروں زر کرد

(اے صائب سائل کی شرمندگی نے مجھے تو زمین میں دھنسا دیا۔ مال نہ ہونے نے میرے ساتھ وہ سلوک کیا جو قارون کے ساتھ مال نے کیا تھا۔

انتظام اور باضابطگی حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ زندگی میں نظم و ضبط اور احتیاط و باقاعدگی کو پسند فرماتے تھے۔ بے احتیاطی و بے قاعدگی اور بدنظمی آپ کو سخت ناپسند تھی۔ آمد و خرچ میں بھی توازن و احتیاط کو ملحوظ رکھتے اور خدام و متعلقین کو اس کی ترغیب دیتے تاکید فرماتے بے احتیاطی و بے قاعدگی کے نتائج و عواقب سے خبردار فرماتے تھے۔ آپ ہدایا وصول کرنے میں بھی بہت محتاط تھے، اخفائے حال کے بھی خوگر تھے اپنی حاجت و پریشانی کے افشاء و اظہار کو خودداری و عزت نفس کے خلاف تصور فرماتے تھے۔ آپ نے کبھی ایسا اقدام نہیں کیا جس سے آپ کی خودداری پر آنچ آسکتی یا نمائش و شہرت کا ادنیٰ شبہ و شائبہ ہو سکتا تھا۔ شاید اسی لئے آپ نے اپنے دسترخوان کو وسعت و عمومیت نہیں دی اور باقاعدہ لنگر جاری فرما کر خانقاہیت کا ٹھاٹ باٹ نہیں ڈالا۔ آنے والے مہمانوں کی قدرے اہتمام کے ساتھ ماحضر سے ضیافت فرما دیتے تھے۔ حضرت شیخ کا قیام جب تک سہارنپور رہا۔ آپ نے ادب و احتیاط کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے باقاعدہ حلقۂ ذکر بھی قائم نہیں فرمایا۔ بیعت کی درخواست کرنے والوں کو بھی حضرت شیخ کی طرف متوجہ فرماتے تھے اگر کوئی شخص زیادہ مصر ہوتا تو آپ اس کو بیعت فرما لیتے تھے۔ غرض حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اشرفی خانقاہ کی طرح ہر چیز باقاعدہ و باضابطہ تھی۔ ادب و احتیاط کے جملہ اصول ملحوظ تھے اور تکلف و تصنع بھیڑ بھاڑ اور ٹھاٹ باٹ سے انتہائی متنفر تھے اور قطب العالم حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں ہدایا کا تسلسل، مہمانوں کا زبردست ہجوم۔ ذکر کے حلقوں کی دھوم دھام اور آنے جانے والوں کے لئے نہ کچھ اصول نہ خاص قاعدے بلکہ وہاں تو یہ منظر تھا کہ

ہر کہ خواہد گو بیاید، ہر کہ خواہد گو برو بر در ما نارد گیر و حاجب و دربان نیست

(جو آنا چاہے آجائے جانا چاہے چلا جائے۔ ہمارے دروازے پر پکڑ دھکڑ، چوکیدار اور دربان نہیں ہیں)

اور حقیقت یہ ہے کہ ؎ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است۔ چمن میں ہر رنگ کے پھول ہوتے ہیں۔ مزاج، طبیعتیں اور نیتیں جدا جدا ہوتی ہیں۔ اہل اللہ کا ہر طرز اللہ کا پسندیدہ ہوتا ہے اور ان کے تمام کاموں میں اخلاص و جذبہ صادق پنہاں ہوتا ہے ذیل کی حکایت سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ طرز الگ الگ اور جذبات بلند و بالا۔

حکایت بقرعید کے موقع پر قطب العالم حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ تین دن گوشت خوب کھاتے اور روٹی قریب نہ آنے دیتے بلکہ آپ کے گھر تین دن تک صرف گوشت ہی پکتا اور سب اسی کو کھاتے۔ حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ تین دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعوت کے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے گوشت کی دعوت

کی ہے لہذا قربانی کا گوشت خوب کھاؤ۔ ہضم کا ذمہ دار وہی ہے جس نے دعوت کی ہے اور خود بھی معمول سے بہت زائد کھاتے اور اتنے مزے لے لے کر کھاتے کہ دیکھنے میں بھی مزہ آجاتا۔ اور یہ کہہ کہہ کر خوب کھلاتے کہ محبوب کی دعوت ہے کسر مت چھوڑنا اور ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضرت شیخ کے یا ان کے دسترخوان پر کھانے والوں میں سے کسی کو اس سے بہ تقریب ماکولی اپنا یا کسی کا سوء ہضم کا شکار ہو گیا ہو ایک شخص نے اسی بات کو حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا اور کہا کہ حضرت یہ سنا ہے کہ بقر عید کا گوشت نقصان نہیں دیتا یہ اللہ کی طرف سے دعوت ہے اور متبرک چیز ہے، حضرت نے فرمایا قرآن شریف اللہ کا کلام ہے۔ اور بقر عید کے گوشت سے زیادہ متبرک ہے۔ اس نے کہا بے شک، حضرت والا رح نے فرمایا اٹھا کر لاؤ میں تمہارے سر پر مار دوں دیکھوں سر ٹوٹتا ہے نقصان ہوتا ہے یا نہیں۔ اسی شخص نے کہا حضرت بات سمجھ میں آگئی۔ بزرگوں کے احوال جدا جدا ہوتے ہیں کوئی عشق و محبت میں ڈوبا ہوا ہے اور مجبوبانہ انداز رکھتا ہے۔ تو کسی کی عاشقانہ شان ہے اور آداب شریعت اور نظم و انتظام پر اسکی نظر ہے وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ۔ ہر معاملہ میں بزرگوں کی ریس مناسب نہیں اپنے ظرف کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے۔

اہل اللہ کی ترجیحات

بزرگوں کی ہر آن ترقیات اور ہر لحظہ بدلتی ہوئی شان کا اظہار فرماتے رہتے یہ شعر اکثر پڑھتے تھے جیسے حضرت خواجہ باقی باللہؒ کا بجالت سماع استغراق ہو گیا تھا۔

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر است

(عشق و محبت کے خنجر سے مارے ہوؤں کیلئے۔ ہر آن غیب سے ایک اور جان ملتی ہے)

اشعار کی بلندی و بیقدری

اشعار کی بلندی و قدر دانی اور ناقدری کے معیار کو اس طرح سمجھاتے تھے کہ:۔

صائب دو چیز می شکند قدر شعر را تحسین ناشناس و سکوت سخن شناس

(دو چیزوں سے شعر کی قدر گھٹ جاتی ہے ایک تو جاہل کی داد سے اور دوسرے جاننے والے کی خاموشی سے)

اس شعر سے اشعار کی ناقدری تعلیم اور قدر دانی بھی اشارۃً مفہوم ہو گئی کہ سخن شناس کی داد و تحسین سے اشعار کی قدر بلند ہو جاتی ہے۔ حضرت والا رح کا ارشاد ہے سہ

بدلیاقت سے مجھے حاجت نہیں ہے داد کی جنبش ابرو ہی کافی ہے مجھے نقاد کی

خودداری اور عزتِ نفس

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ میں خودداری اور عزت نفس بہت تھی۔ اپنے تلامذہ و خدام کو بھی مختلف عنوانات سے اس کی ترغیب فرماتے رہتے تھے اور مشہور حدیث لَا يَنْبَغِيْ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ يُّذِلَّ نَفْسَهٗ (مومن کیلئے یہ بات نازیبا ہے کہ وہ خود کو ذلیل کرے) اکثر پڑھا کرتے تھے۔ اور مخاطب کی سطح ذہن کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس سلسلہ میں اشعار بھی بکثرت پڑھتے تھے ان میں سے چند اشعار یہ ہیں ؎

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی — جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

ملے خشک روٹی جو آزاد رہ کر — وہ ہے خوف و ذلت کے حلوے سے بہتر

بستر اٹاٹ کا، دو پارچے، کمبل کی کلاہ — تاج خسرو ہے یہی، تخت سلیماں ہے یہی

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے — خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

لیکن آپ کو کبر و نخوت سے بہت ہی نفرت تھی۔ اکثر لوگ خودداری و تکبر میں فرق نہیں کرتے بلکہ تکبر کو خودداری و خودی سمجھتے ہیں حالانکہ دونوں میں بڑا فرق ہے اپنے آپ کو ذلتوں سے بچانا۔ ایسی دشواریوں سے بچا رکھنا جن پر صبر نہ ہو سکے۔ اور استغناء و بے نیازی کے اصول پر کاربند ہونا یعنی ماسوی اللہ کی احتیاج کو قلب سے نکال دینا خودداری و خودی کے مفہوم میں داخل ہے۔ اور تکبر کے مفہوم میں دوسروں کو اپنے آپ سے حقیر اور کم سمجھنا اور حق کا انکار کرنا داخل ہے۔

دولتِ نیم شبی

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ تہجد کے خود بھی عاشق تھے اور خدام و مریدین کو بھی اس کی ترغیب و تاکید فرماتے تھے آپ کا معمول تھا کہ اول شب میں آرام فرماتے اور آخر شب میں تہجد گذاری۔ تلاوت و ذکر سے فارغ ہو کر فجر کی نماز سے پہلے مطالعہ وغیرہ سے فارغ ہو جاتے تھے۔ فرماتے تھے کہ "دولت نیم شبی" عجب شئے ہے یہ تمام صالحین کی سنت ہے اور جس کو جو مرتبہ ملا ہے وہ شب بیداری ہی سے ملا ہے ؎

بِقَدْرِ الْكَدِّ تُكْتَسَبُ الْمَعَالِيْ — وَمَنْ طَلَبَ الْعُلٰى سَهِرَ اللَّيَالِيْ

(محنت کی بقدر مراتب نصیب ہوتے ہیں — اور بلندیوں کا طلبگار راتوں کو جاگتا ہے)

شبینہ عبادت کی ترغیب دیتے ہوئے اور "دولت نیم شبی" کی رفعتوں کو واضح کرتے ہوئے فرماتے تھے

چو چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد — در دل اگر بود ہوس ملک سنجرم

(سنجری جھنڈے کی طرح میرا نصیب بھی سیاہ ہو جائے۔ اگر میرے دل میں ملک سنجر کی ہوس ہو)

آنگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب — من ملک "نیمروز" بیک جو نمی خرم

(جب سے مجھے "دولت نیم شب" کی خبر ملی ہے تو ملک نیمروز کا میں ایک جو کے دانے کے بدلے بھی خریدار نہیں ہوں)

سنجر اور نیمروز دو سلطنتوں کے نام ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آدھی رات اٹھ کر عبادتِ خداوندی

اتنی بھی نہیں ہے کہ دنیا کی سلطنتیں اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ راتوں کو اگر حق تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی بندۂ خدا کو حضوری نصیب ہوجائے تو وہ دنیا کی دولتوں کی طرف التفات نہیں کرتا، دنیائے فانی دنیا پائدار اس کی نظروں میں حقیر ہوجاتی ہے اور وہ دنیا کی ہوس کو اپنے پاکیزہ و نورانی دامن پر ایک سیاہی دار داغ نازیبا سمجھنے لگتا ہے۔ حق تعالیٰ ہمیں بھی اپنے فضل و کرم سے یہ دولت نصیب فرمائے آمین۔

چھ انمول ہیرے لقمان حکیم رضؓ نے اپنے بیٹے کو بہت سی عمدہ نصیحتیں اور بیش بہا وصیتیں فرمائی ہیں۔ قرآن مقدس میں بھی سورۂ لقمان میں باری تعالیٰ نے حضرت لقمان حکیم اور انکے بیٹے کا ذکر فرمایا اور حضرت لقمان کی منتخب نصائح کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ راقم السطور نے نوعمری کے زمانے میں حضرت لقمان حکیم کی "صد پند" اور دیگر چند نصیحتوں کو ایک رسالہ "حکمت لقمان" میں زبان شعر میں جمع کردیا تھا۔ جو تقریباً ساڑھے بارہ سو اشعار پر مشتمل ہے متعدد بار شائع بھی ہوچکا ہے اور حضرت والاؒ نے اسکو پسند بھی فرمایا ہے۔ حضرت لقمان کی نصیحتوں ہی میں سے چھ نصیحتوں کا تذکرہ حضرت والارحؒ بہت فرمایا کرتے اور اپنے خدام و تلامذہ کو خاص طور پر بتاتے تھے وہ یہ ہیں (۱) خود کو دنیا میں بس اتنا مشغول رکھنا جتنی زندگی ہے (اور وہ آخرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں) (۲) اللہ تعالیٰ کی اتنی عبادت کرنا جتنی تجھکو اسکی محتاجی ہے (ظاہر ہے کہ انسان ہر حال میں ہر وقت اللہ کا محتاج ہے (۳) آخرت کے لئے اتنا عمل کرنا جتنا وہاں رہنا ہے (اور مرنے کے بعد ہمیشہ وہیں رہنا ہے (۴) جبتک جہنم سے نجات کا یقین نہ ہوجائے اس وقت تک نجات کی کوشش کرتے رہنا۔ اور یہ معلوم ہے کہ اگر کوئی کسی سنگین مقدمہ میں ماخوذ ہے تو جبتک اس سے چھوٹ نہیں جاتا برابر کوشش کرتا رہتا ہے (۵) گناہوں پر اتنی جرأت کرنا جتنی جہنم میں جلنے کی ہمت ہو (اور یہ ہمت کس کو ہوسکتی ہے) (۶) جب کوئی گناہ کرنا ہو تو ایسی جگہ کرنا جہاں اللہ اور اس کے فرشتے نہ دیکھیں (ظاہر ہے کہ ایسی جگہ کوئی نہیں ہے) حکمت لقمان ص۲۳

پابندی و استقلال کسی کام کا کر لینا تو آسان ہے لیکن اس کو وظیفۂ حیات بنالینا اور اس پر ایسی پختگی سے پابندی کرنا کہ وہ چھوٹنے نہ پائے یہ بڑے دل گردہ، اولوالعزمی اور عالی حوصلگی کا کام ہے۔ اسی کو استقلال کو استقامت کہا جاتا ہے۔ اسی پر اسی کو کرامت ہے جو ہزاروں کراموں سے بڑھ کر ہے ؎

کون کہتا ہے کہ چاہ مشکل ہے چاہ کر کے نباہ مشکل ہے

حضرت والارحؒ فرمایا کرتے تھے۔ اَلْاِسْتِقَامَةُ فَوْقَ الْكَرَامَةِ (استقامت ہزار کرامتوں

ـے بڑھ کر کرامت ہے)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر بوڑھاپے کے آثار محسوس کر کے بعض صحابۂ
ـام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ تو بوڑھے ہو گئے ہیں۔ تو ارشاد
ـرمایا شَیَّبَتْنِیْ سُوْرَۃُ ھُوْدَ (سورہ ہود نے مجھے بوڑھا کر دیا) شراح حدیث نے اس کا
ـطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ سورۂ ہود میں استقامت کا حکم ہے فَاسْتَقِمْ کَمَا اُمِرْتَ (اللہ
ـے حکم پر کما حقہٗ ثابت قدم رہیے) اور استقامت سے بڑھ کر کوئی حکم گراں اور دشوار تر نہیں ہے
ـی حکم کی تعمیل پر قرآن کریم میں جنت کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے کہ:
ـنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ (بے شک جو لوگ اس بات کے قائل ہو گئے کہ
ـلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا الآیۃ ہمارا پالنے والا اللہ ہے۔ پھر اسی پر دہ جمے
ـہے تو (موت کے وقت) ان کے پاس فرشتے آتے ہیں (اور یہ کہتے ہیں کہ) تم نہ اندیشہ کرو اور نہ ملال
ـرو اور اس جنت کی خوشخبری سن لو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے)

اولیاء اللہ کو اول حق تعالیٰ کی جانب سے صفت استقامت عطا ہوتی ہے اور اسی صفت
ـبادت پر ان کو مقام ولایت حاصل ہوتا ہے ـــــ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ میں یہ
ـفت بھی بڑی نمایاں تھی۔ آپ ایسی معمولی چیزوں پر بھی مداومت ومواظبت اور استقامت
ـے قائل تھے اور نہایت پابند تھے جن کی طرف اکثر التفات بھی نہیں کیا جاتا۔ آپ مستحبات پر ایسی پابندی
ـاتے تھے کہ بہت سے لوگ فرائض کے بھی اتنے پابند نہیں۔ اگر کسی شخص نے حضرت والا رح کا
ـوئی معمول کسی وقت دیکھا۔ اور چند سال کے بعد وہ حاضر خدمت ہوا تو اس معمول میں کوئی
ـغیر محسوس نہیں کیا۔ حضرت کا ارشاد ہے۔ ؎

دنیا میں رہے گا وہ ہمیشہ پامال   ناکام ہنرمندی و محروم کمال
مضبوط نہیں جس کی قوت ارادی   حاصل نہیں جس کو شرف استقلال

ـندہ کے چند عنوانات کے تحت حضرت والا رح کی شان استقلال کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیے۔

ـداومت واستقامت کی تاکید

مولانا عبدالقیوم صاحب شاکر القاسمی فرماتے ہیں کہ "ہمارے حضرت کے یہاں پابندی وقت
ـستقامت کی بڑی اہمیت تھی فرمایا کرتے تھے قال افلاطون ان اعظم المصائب
ـضاعۃ الوقت (افلاطون کا قول ہے کہ سب سے بڑی مصیبت وقت کا برباد کرنا ہے) اور اکثر
ـرماتے تھے اَلْاِسْتِقَامَۃُ فَوْقَ الْفِ کَرَامَۃٍ (ثابت قدمی ہزاروں کراموں سے بڑھ کر ہے)
ـپنے تلامذہ وخدام کو برابر اس کی تاکید فرماتے رہتے تھے کہ لایعنی اور فضول باتوں میں

اپنا وقت ضائع نہ کریں "یا تو کام کریں یا آرام" اس موقع پر میر کا یہ شعر پڑھتے تھے ؎

غیرت یوسف ہے یہ وقت عزیز — میر اس کو رائگاں کھوتا ہے کیا

صاحبزادہ محترم حضرت مولانا محمد اللہ صاحب جناب الحاج علی میاں صاحب پٹھے والے ساکن احمد آباد (گجرات) نے بیان کیا کہ حضرت والا رح بہت پر حسرت و پرسوز انداز میں یہ شعر پڑھتے تھے (غالباً یہ شعر حفیظ جونپوری کا ہوگا)

کچھ وقت کٹ گیا تھا تری یاد کے بغیر — ہم پر تمام عمر وہ لمحے گراں رہے

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت والا رح کے نزدیک لمحات زندگی کس قدر عزیز تھے۔ اور وہ اپنے اوقات عزیز کی کتنی قدر فرماتے اور انکو مقصد حیات پر صرف فرمانے کی کوشش فرماتے تھے اس کو آپ بہت ہی پسند فرماتے تھے کہ "اچھا کام" اگرچہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو مگر پابندی و استقامت کے ساتھ کیا جائے اس میں بڑی خیر و برکت ہوتی ہے۔

ہمارے حضرت والا رح کے یہاں اگر کوئی شخص صرف پانچ منٹ کیلئے پابندی سے آتا رہتا تو آپ اسکی بڑی قدر فرماتے تھے کیونکہ اس کے اس عمل سے استقامت جھلکتی تھی اسکے برخلاف اگر کوئی شخص بلا عذر معقول پابندی نہ کرتا تو آپ اس کو بجد ناپسند فرماتے تھے۔ یہ ناکارہ بھی ابتداءً بڑی پابندی سے تھوڑی دیر کیلئے خدمت گرامی میں حاضر ہوتا رہا پھر ایکدن ناغہ ہوگیا دوسرے دن بھی کچھ شرم اور کچھ خفگی کا خوف حاضری سے مانع رہا اس طرح مسلسل کئی دن کا ناغہ ہوگیا۔ اب حاضری کا ارادہ کرتا تو ہمت ہی نہیں ہوتی تھی اسطرح ایک ماہ کی مدت گذر گئی۔ اور عید الاضحیٰ کا دن آگیا عید الاضحیٰ کے دن حضرت والا رح ہم لوگوں کے کمرہ میں تشریف لائے۔ اور عید سعید کی "مبارکبادی" سے سرفراز فرمایا۔ بندہ شرم و ندامت سے زمین میں گڑا جا رہا تھا۔ ناکارہ نے سویاں پکائی تھیں حضرت کی خدمت میں پیش کر دیں حضرت والا رح نے دلجوئی فرمائی اور ایک دو چمچے سویاں تناول فرمائیں اور ارشاد فرمایا کہ (میں اس عید سعید کی خوشی میں تمہاری کوتاہی کو معاف کرتا ہوں) ۔۔ اسکے بعد پھر مسلسل حاضری کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ معمولات میں استقامت و پابندی کی نصیحت فرماتے اگر کسی مرید سے معمولات میں کچھ کمی محسوس فرماتے تو اس کو استقامت کی ترغیب دیتے ہوئے یہ شعر پڑھتے تھے ؎

بر دل سالک ہزاراں غم بود — گر ز باغ دل خلالے کم بود

سالک کے دل پر ہزاروں غم ہوتے ہیں۔ اگر اس کے دل کے باغ سے ایک تنکا بھی کم ہوتا ہے۔

معمولات میں جی نہ لگنے کا علاج

اگر کوئی مرید لکھتا کہ معمولات کی پابندی تو کر رہا ہوں لیکن اس میں دل نہیں لگتا تو اسکو لکھتے اور اگر وہ زبانی عرض کرتا تو سناتے ؏ کوشش بیہودہ بہ از خفتگی یعنی بیکار کوشش بیکار رہنے سے بہتر ہے

فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سعدیؒ کا شعر ہے ؎

برزباں تسبیح ودل در گاؤ خر ۔۔۔ ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

زبان پر ذکر اور دل دنیا کی چیزوں میں ہے۔ ایسی تسبیح بے اثر ہوتی ہے۔
حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اس شعر کے ثانی مصرع کو یوں پڑھنا چاہیئے
ع ایں چنیں تسبیح ہم دارد اثر ۔۔۔ یعنی غفلت کے ساتھ بھی ذکر اپنا اثر کئے بغیر نہیں رہتا
یہ سنا کر فرمایا کرتے تھے کہ معمولات کا پابند ہونا چاہیئے کیونکہ عبادت تو حقیقت میں وہی ہے کہ جی نہ لگتا ہو مگر نفس کے خلاف کر رہا ہو اسی کو تو مجاہدہ کہتے ہیں۔ اگر نفس کو مزہ آرہا ہے تو اس میں حظ نفس کا شائبہ ہو سکتا ہے۔ کام کرتے رہو گو شروع میں ریا ہو، ریا سے عادت ہوگی اور عادت پھر عبادت میں تبدیل ہو جائیگی۔ فرماتے تھے کہ ہم نے ہمیشہ پابندی کا خیال رکھا جب مشاعروں میں شرکت اور انکی صدارت کا دور تھا تب بھی اذان ہوتے ہی مشاعرہ گاہ سے نماز کیلئے اٹھ جاتا تھا اور مسجد میں چلا جاتا تھا۔ جس کی وجہ سے دوسرے مسلمان شعراء بھی اکثر نماز کو چلے جاتے تھے

ختم خواجگان

نماز عصر کے بعد مسجد تکلومیہ میں حضرت والاؒ ختم خواجگان کا اہتمام فرماتے تھے۔ یہ ختم خواجگان آپ نے مجدد الملت حضرت مولانا تھانویؒ کے دور سے شروع فرمایا تھا جو تاحیات جاری رہا۔ آپ کی وفات کے بعد بھی ایک عرصہ تک حضرت مولانا سید وقار علی صاحب نے اس کا اہتمام فرمایا لیکن مدرسہ مظاہر علوم کے بعض اہم اساتذہ نے فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ مستقبل میں اس عمل کو وجوب ولزوم کا درجہ دیدیا جائے۔ اور ارتکاب بدعت لازم آجائے اس لئے احتیاط یہ ہے کہ اب اس کو بند کر دیا جائے۔ چنانچہ اس کو بند کر دیا گیا اس ختم شریف کے بعد حضرت والاؒ دارالعلوم دیوبند، جامعہ مظاہر علوم سہارنپور، مرکز تبلیغ نظام الدین اور تمام اسلامی مدارس، مکاتب، مراکز کے لئے، تمام مسلمانوں اور سارے مسلم ممالک کیلئے، معلمین متعلمین ومبلغین عام کیلئے، مشائخ واکابر اور تمام بیماروں، مقدمات وقرض میں گرفتاروں اور پریشان حالوں کے لئے دعائیں فرماتے تھے خصوصاً ان حاجتمندوں اور بیماروں کیلئے نام بنام دعا فرماتے تھے جنہوں نے دعا کی درخواست کی ہو یا آپ کے علم میں ان کا حال کسی طرح سے آگیا ہو۔ اخیر میں فرماتے تھے کہ "تمام محبین، محسنین، متعلقین اور معاونین کے دونوں جہاں کے جائز مقاصد پورے فرما۔ خصوصاً جن لوگوں نے ہم سے دعاؤں کیلئے کہا ہے یا لکھا ہے یا ان کا ہمارے اوپر حق ہے ان کی دونوں جہاں کی جائز مرادیں پوری فرما۔ دعا کے شروع میں یہ جملہ بھی خاص طور سے ہمیشہ فرماتے "ہماری، ہمارے ماں باپوں کی، ہمارے مشائخ واساتذہ کی، محبین ومعاونین ومحسنین اور متعلقین کی اور تمام مسلمانوں کی پوری پوری مغفرت فرما یا مغفرۃ"

تامۃً وعامۃً وکاملۃً سواء کالنا احیاءً وامواتاً مغفرۃً لا تغادر معصیۃً ولا ذنباً۔ علاوہ ازیں حوادث نازلہ وغیرہ کیلئے خاص طور پر دعائیں فرماتے تھے۔ دعا آپ کی بالجہر ہوتی اور تمام حاضرین طلبہ وغیر طلبہ آمین کہتے رہتے۔ اور بسا اوقات آپ پر اور مجمع پر ایک خاص کیفیت ورقت طاری ہوتی تھی اس سلسلہ میں حضرت کے پاس بہت سے خطوط آتے جن میں لوگ اپنے مختلف مقاصد کیلئے دعا کی درخواست کرتے بعض لوگ کسی کے ذریعہ زبانی درخواست کرلیتے اور بہت سے حضرات خود مسجد کلثومیہ میں نماز عصر پڑھتے اور حضرت سے دعا کی درخواست کرتے تھے۔ اسکولوں اور کالجوں کے مسلم طلبہ (اسٹوڈینس) امتحانات کی کامیابیوں کے لئے دعا کی درخواست کرتے تھے۔ نماز عصر مسجد کلثومیہ میں پڑھتے اور حضرت والا رح کے حکم کیمطابق حضرت کے سامنے بیٹھتے۔ آپ ان پر متوجہ ہوتے اور ان کے لئے دعا فرماتے تھے۔ اس طبقہ کو حضرت والا رح سے بہت ہی مناسبت تھی۔ یہ لوگ آپ کی طرف بکثرت رجوع کرتے آپ ان سے انگریزی زبان میں اکثر گفتگو فرماتے اور ان کی خوب دلجوئی فرماتے تھے ان کے مزاجوں کی رعایت رکھتے ہوئے انکی اصلاح کی کوشش فرماتے تھے۔ حال یہ تھا کہ جو ان میں سے ایک دو بار حاضر خدمت ہوجاتا وہ بدل جان حضرت سے محبت کرنے لگتا تھا اور بتدریج دینی رنگ میں رنگین ہوتا چلا جاتا تھا۔ اسطرح "ماڈرن" طبقہ اور انگریزی طلبہ کو بھی آپ کی ذات عالی سے بہت فائدہ پہنچا۔ ورنہ یہ جدت پسند طبقہ چونکہ ایک الگ ماحول اور مزاج رکھتا ہے اور "ملائیت" سے تقریباً متنفر ہوتا ہے اس لئے ان کی اصلاح نہیں ہو پاتی۔ حضرت والا رح کو حق تعالیٰ نے یہ کمال عطا فرمایا تھا کہ ایسے لوگوں کو بھی بڑی محبت وحکمت سے دین کا جام شفا پلا کر دین برحق کا متوالا اور شیدا بنا دیا کرتے اسی لئے شعرائے کرام اور "ماڈرن ٹائپ" حضرات نے خصوصاً آپ سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ اور یوں تو کوئی طبقہ بھی ایسا باقی نہیں رہا جس نے حضرت والا رح کے دریائے فیض سے سیرابی حاصل نہ کی ہو۔ غیر مسلم حضرات بھی اکثر آپ کے پاس دعا کیلئے حاضر ہوتے تھے اور آپ ان کے لئے دعائیں فرماتے اور خیر وصلاح اور بھلائی کا ان کو بھی کوئی نہ کوئی سبق دیتے، ان کی خیر خواہی کرتے اور انکے دامن کبھی نصیحتوں کے انمول موتیوں سے بھرتے تھے

بعد عصر کے معمولات

نماز عصر اور ختم خواجگان ودعا سے فراغت کے بعد حضرت والا رح دولتکدہ پر تشریف لیجاتے اور اہل خانہ کی خیریت اور ضرورت دریافت فرماتے تھے اور وہاں سے حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی مجلس میں تشریف لیجاتے تھوڑی دیر وہاں بیٹھ کر (جسکی تفصیل "شیخین کے تعلقات ور وابط" میں مذکور ہے) دارالطلبہ قدیم واپس تشریف لاکر نماز مغرب مسجد کلثومیہ میں ادا فرماتے۔ اس آمد ورفت میں ایک دو خادم بھی

ایک بجے لوٹتے تھے۔ آپ کا یہ معمول اس وقت تک باقی رہا جبتک آپ سہارے سے بھی چل پھر سکے اور جب آپ اس قدر ضعیف ہوگئے کہ چلنا پھرنا دشوار ہوگیا تو آپ نے دولتکدہ پر بھی تشریف لے جانا موقوف کر دیا اور حضرت شیخ کی مجلس میں بھی۔ گھر کی خبر گیری صاحبزادہ محترم حضرت مولانا محمد اللہ صاحب فرماتے رہے اور حضرت شیخ تاقیام سہارنپور خود حضرت والا رحمہ کے پاس ملاقات کیلئے آتے رہے۔ حضرت شیخ عموماً بعد مغرب تشریف لاکر ملاقات فرماتے تھے

شبینہ معمولات

مغرب کی نماز فرض مسجد میں ادا فرماکر آپ اپنے حجرہ میں تشریف لاتے اور وہیں سنن ونوافل ادا فرماتے مغرب کے بعد کافی دیر تک نوافل میں مصروف رہتے اندازہ یہ ہے کہ کم از کم بیس رکعات اوابین کی ادا فرماتے تھے اس کے بعد طعام سے فراغت فرماتے اور گاؤتکیہ سے ٹیک لگاکر بیٹھ جاتے ہاتھ میں تسبیح ہر وقت رکھنے کا معمول تھا تسبیح پڑھتے رہتے۔ ملاقات کرنے والوں سے ملتے اور گفتگو فرماتے پھر عشاء کی نماز کی تیاری میں مشغول ہوجاتے عشاء کے فرض مسجد میں ادا فرماکر اکثر سنن ونوافل اور دیر تک اپنے حجرہ میں پڑھتے اور آرام فرماتے تھے رات کو ذرا جلدی سونے کا اور پچھلے پہر جلدی اٹھنے کا آپ کا مستقل معمول رہا ہے

اخیر عمر شریف میں بھی جبکہ آپنے کتب بینی کم فرما دی تھی صبح صادق سے تقریباً ایک گھنٹہ پہلے بیدار ہونیکا معمول تھا۔ بیدار ہو کر ضروریات سے فارغ ہوتے اور تہجد کی نوافل وغیرہ کے بعد مطالعہ اور تلاوت میں مصروف ہوجاتے تھے۔ یہ معمول آپ کا انتہائی معذوری تک جاری رہا۔ نیز جبتک آپ مشقت کیساتھ بھی کھڑے ہو سکے نوافل کھڑے ہوکر ادا فرماتے رہے۔ البتہ انتہائی معذوری میں بیٹھکر اور ایسے امراض میں کہ آپ بیٹھ نہ سکتے تھے لیٹ کر ہی نوافل کے معمولات کو بھی جاری وقائم رکھا۔ آپ رخصت کی بجائے عزیمت پر عمل کرنے کے عادی تھے ورنہ مرض، سفر اور بڑھاپے میں تو شرعاً بھی بڑی گنجائش ہے بلکہ ان اعذار کی وجہ سے تو شباب وصحت اور اقامت کی حالت اور معمول کے مطابق ہی اجر وثواب ملتا ہے گو عمل بالکل بھی نہ ہوسکے۔ حدیث شریف میں مذکور ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

إِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ أَوْ سَافَرَ كُتِبَ لَهُ بِمِثْلِ مَا كَانَ يَعْمَلُ مُقِيمًا صَحِيحًا (مشکوٰۃ ص۱۳۵)

جب بندہ بیمار یا مسافر ہوجاتا ہے تو اس کا اجر اس کے مثل لکھا جاتا ہے جیسا کہ وہ اقامت وصحت میں عمل کرتا (اور اس کا اجر وثواب ملتا) تھا

ایک اور حدیث میں بڑھاپے کے متعلق بھی یہی آیا ہے مگر حضرت والا رحمہ صحت، مرض، اقامت،

سفر اور حضر جوانی اور بڑھاپے ہر حالت میں اپنے فرائض وواجبات نوافل ومستحبات وغیرہ جملہ معمولات پر اسطرح قائم رہے کہ گویا یہ سب چیزیں آپکی عادت ثانیہ بن چکی تھیں اور انمیں انکو راحت ولذت ایسی نصیب ہوتی تھی کہ ان کو چھوڑنا ان پر دو بھر تھا۔

صبح کے معمولات

حضرت والاؒ زمانہ صحت میں اذان فجر کے بعد دار الطلبہ قدیم کے تمام کمروں کا چکر لگاتے اور طلبہ کو نماز کیلئے بیدار فرماتے تھے پھر نماز فجر کے فوراً بعد ایک چکر لگاکر جائزہ لیتے کہ کوئی طالبعلم نماز سے تو نہیں رہ گیا اگر ایسا کوئی طالبعلم ہوتا تو اسکو تنبیہ فرماتے ڈانٹ ڈپٹ بھی فرماتے اور فہمائش بھی کرتے جسکو تنبیہ فرماتے تو دوسرے وقت اسکو بلاکر دلجوئی فرماتے اور اس سے تکلیف کی بے تکلف معافی مانگتے لائق طلبہ پر اس شفقت ومحبت کا بہت اثر ہوتا اور وہ دل وجان سے آپ پر گرویدہ ہوجاتے تھے اس چکر کے بعد صحت کے زمانہ میں اپنے کمرہ میں تشریف لاکر ورزش کرتے جسمیں دو بھاری بھاری مونگریاں دیر تک گھماتے تھے اس کے بعد اقلیدس یا شرح مفتاح المفتاح کا سبق پڑھاتے تھے۔ یہ سبق تقریباً بیس پچیس منٹ کا ہوتا تھا۔ طلبہ کو فارغ کرکے آپ ذکر تلاوت یا مطالعہ میں مصروف ہوجاتے، اسی وقت میں معمولی ناشتہ کرلیتے جو اخیر عمر میں ایک آدھ پیالی چائے۔ اور ایک آدھ بسکٹ پر مشتمل ہوتا بڑھاپے سے پہلے آپکا چائے پینے کا معمول نہ تھا۔ پھر مدرسہ کا وقت شروع ہوتے ہی امور متعلقہ تدریس ونظامت وغیرہ کی طرف متوجہ ہوجاتے تھے انتہائی معذوری تک یہ معمولات برقرار رہے، ضعف وعلالت کے دوران، ان میں سے اکثر امور دوسرے حضرات انجام دیتے تھے۔ مثلاً دار الطلبہ قدیم کے طلبہ کی نگرانی اور انکی نمازوں کی دیکھ بھال وغیرہ مولانا سید وقار علی صاحب استاذ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور فرماتے رہے اور اقلیدس وغیرہ کے اسباق موقوف ہوگئے۔

"مولانا" اور "حضرت ناظم صاحب"

مخدوم العلماء حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب کامل پوریؒ کا قیام جبتک جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں رہا تو لفظ "مولانا" کا مصداق وہ تھے۔ حضرت موصوف رمضان کی تعطیلات میں وطن تشریف لیگئے تھے کہ ۱۳۶۶ھ کا ہنگامہ قیامت خیز برپا ہوگیا اور حضرت موصوف آزادی ہند کی افراتفری میں پاکستان رہ گئے تو یہ لقب حضرت والا کا ہوگیا یعنی جب مطلق لفظ "مولانا" بولا جاتا تو حضرت والا کی ذات گرامی مراد ہوتی مگر نظامت علیا کے عہدہ پر آجانے کے بعد ۱۳۷۳ھ سے آپ "حضرت ناظم صاحب" کے لقب سے مشہور ہوئے اور اسی لفظ سے آپ پہچانے جاتے تھے۔

سادگی اور بے تکلفی

۔ سابقہ صفحات میں معلوم ہوچکا ہے کہ حضرت والاؒ کو تکلفات

ناپسند تھے اس کے مقابل آپ بے تکلفی و سادگی کو پسند فرماتے تھے آپ کی مقدس زندگی وَمَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْن کی زندہ تفسیر و حسین تصویر تھی۔ کسی چیز میں آپ ٹھاٹ باٹ اور بناؤ سنگار کو پسند نہ فرماتے تھے بلکہ اس کو زنانہ پن سے تعبیر فرماتے تھے۔ حضرت والا فرماتے ہیں کہ ؎

آرائش و زینت ہیں زنانی چیزیں — مردوں کو ہوا کرتی ہے ان سے نفرت
مردانِ اولو العزم و گرامی ہمت — رہتے ہیں کہیں در پئے عیش و عشرت
محنت کو بناتے ہیں وہ اپنا شیوہ — کرتے ہیں مشقت کو وہ اپنی عادت

پوشاک و خورد و نوش، گفتگو وغیرہ تمام امور میں آپ بے تکلفی اور سادگی کے اصول پر کاربند تھے اور ایسی سادگی میں حقیقت کا حسن، حقائق کے انوار اور پاکیزگی کی رنگینی موجود ہوتی تھیں۔ آپ شعر و شاعری میں بھی تکلف کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ نے اچھے کلام کا معیار ہی ایسی سادگی کو قرار دیا ہے جس میں ظاہری سادگی و بے تکلفی اور معنوی رنگینی موجود ہو۔ فرماتے ہیں کہ: ؎ یہ حسنِ سخن کا ہے معیار اسعد — معانی ہوں رنگین الفاظ سادے

ناشتہ اور خوراک

ضمناً یہ بات آچکی ہے کہ آپ ناشتہ معمولی کرتے تھے طالبعلمی کے دور میں تو ناشتہ کا کوئی انتظام و اہتمام ہی نہ تھا۔ حق تعالیٰ نے آپ کو یتیمی کی سنت سے بھی سرفراز فرمایا تھا اور کسی یتیم پر جن حالات کا آنا ضروری ہوتا ہے آپ ان سے دوچار ہوئے لیکن حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی قدرت و رحمت کا کرشمہ دکھایا کہ آپ کو اس یتیمی میں "دریتیم" جامع الصفات و مجمع الکمالات بنا دیا اور آپ کو بلند لوا اور رفعتوں پر باوجود شکستہ اسباب فائز فرمایا۔ آپ نے ایام شباب اور دورِ جوانی میں ناشتہ وغیرہ کا قابلِ ذکر اہتمام نہیں فرمایا۔ کیونکہ آپ کا عہدِ شباب بہت ہی مصروف و کارآمد گذرا ہے اور اس میں آپ نے بڑی جلیل القدر خدمات دینیہ اور ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں جن کیساتھ خورد و نوش اور لباس و پوشاک کے تکلفات جمع نہیں ہو سکتے تھے۔ جیسا کہ فتنہ ارتداد کے مقابلہ کا ذکر آچکا ہے۔ آپ کی خوراک بھی بہت کم تھی اور کھانے میں تکلفات نہیں ہوتے تھے ہلکی ہلکی تین چپاتیاں اور ایک قسم کا معمولی سالن گھر سے آتا تھا۔ اگر کوئی مہمان ہوتا تو اس کے اعزاز میں دوسرا سالن یا کباب وغیرہ کا اضافہ ہو جاتا تھا۔ آپ دو ڈھائی چپاتیاں تناول فرما کر باقی ماندہ کھانا کسی خادم یا طالب علم کو عنایت فرما دیتے تھے اور آخر میں تو خوراک گھٹ کر ایک آدھ چپاتی پر آ گئی تھی۔ کبھی کوئی اور میٹھی چیز یا پھل بھی بہت تھوڑی مقدار میں کھاتے تھے۔ ایک دن راقم الحروف حاضر خدمت ہوا تو آپ کی خدمت میں خربوزہ کے چھوٹے چھوٹے قتلے پیش کئے گئے غالباً ذائد سے زائد وہ سو گرام ہوں گے۔ آپ نے

اتنی مقدار ہی تناول فرمائی۔ ان کے علاوہ دوسری قاش چھیلنے اور کاٹنے کا حکم نہیں دیا پھلوں کے سلسلہ میں بہت احتیاط فرماتے تھے۔ کیوں کہ پھلوں کی زیادہ تر بیع فاسد ہوتی ہے تو جب تک آپکو بیع کی صحت کا یقین نہ ہو جاتا آپ پھلوں کا ہدیہ بھی قبول نہ فرماتے تھے "تقوی" کے بیان میں ہم اس کا قصہ بھی لکھ چکے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ آپ سلوک کے اصول اربعہ (قلت طعام، قلت کلام، قلت منام اور قلت اختلاط مع الانام) پر تادم آخر گامزن و ثابت قدم رہے اور ان اصول پر عمل آپ کی حیات بابرکات میں اتنا نمایاں و ممتاز تھا کہ ہر شخص اس کا بخوبی مشاہدہ کرتا تھا۔

آپ دعوتوں میں شرکت کے عادی نہ تھے، حضرت شیخ رح سے نہایت مخلصانہ روابط و تعلقات کے باوجود کبھی حضرت شیخ کے دستر خوان پر بھی حضرت والا رح کو کھانا کھاتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ حضرت شیخ رح اساتذۂ جامعہ مظاہر علوم کی دعوت فرماتے رہتے تھے۔ مگر اسمیں حضرت والا رح کو کبھی شریک ہوتے نہیں دیکھا گیا۔ اور عوامی نیز تقریبات کی دعوتوں میں موجودہ دور میں تقوی و تدین اور احتیاط کی خلاف ورزی اکثر ہوتی ہے اور کم از کم وقت کی بربادی اور اختلاط مع الانام کا ارتکاب تو ضرور ہوتا ہی ہے۔ حضرت والا رح کی ایک مسلسل و مکمل نظام میں بندھی جڑی زندگی میں اس کی گنجائش ہی کہاں تھی حضرت والا رح کی تو عادت اور دائمی کیفیت یہ تھی کہ ؎

مجھے فصل گل سے نہیں غرض مجھے چڑ ہے نام بہار سے ٭ مرے دل میں قدر خزاں کی ہے کہ جو ہو ہر پردۂ راز میں
ستم و کرم کی تمیز سے مرا ذوق حسن بلند ہے ٭ ترا ہر شعار حسین ہے مری چشم عشق نواز میں

(حضرت والا رح)

پوشاک ؎

کہیں صورت بنانے سے بھلا سیرت بھی بنتی ہے
نہیں دیتے ہیں بوئے خوش گل خوش رنگ پتھر کے

یہ شعر حضرت والا رح ہی کا ہے جو آپکی بے تکلف طبیعت اور سادگی مزاج کا ترجمان ہے۔ آپ لباس میں بھی سادگی و بے تکلفی کو پسند فرماتے تھے اور اوپر گذر چکا ہے کہ آپ خدام کو اسی کی ترغیب بھی دیتے تھے۔ جبہ، تلہ اور دستار و عصا کے تکلفات آپ کے یہاں نہیں تھے۔ ایک لنگی آدھی پنڈلیوں تک۔ ایک باریک کرتا جو گھٹنوں سے نیچا نہ ہوتا تھا، اور پنج کلیا ٹوپی صرف یہ تین کپڑے دو با تھ سے دھلے

ہوئے ہوتے اور جن پر نہ کلف ہوتا نہ پریس) آپ موسم گرما میں زیب تن فرماتے تھے جاڑوں کے موسم میں کرتا قدرے موٹا ہوتا اور اس پر ایک جرسی اور ایک جواہر کٹ اور سر پر ایک رومال کا اضافہ ہو جاتا تھا۔ آپ سر پر رومال کو اس طرح باندھتے تھے کہ پیشانی پوری اور سر مبارک کا تھوڑا سا اگلا حصہ کھلا رہتا۔ اور دونوں کان بھی کھلے رہتے اور رومال کو لپیٹ کر عمامہ کی طرح باندھتے تھے۔ زائد سردی میں ایک چادر کا اضافہ بھی ہو جاتا تھا مگر اس سادہ لباس میں نظافت و نفاست پورے طور پر ملحوظ رہتی تھی۔ ٹوپی ہمیشہ سفید استعمال فرماتے، البتہ موسم سرما میں کبھی کبھی رنگین گرم ٹوپی پنج کلیا بھی استعمال فرماتے تھے۔ رومال اکثر سفید کالی دھاریوں والا چوخانہ ہوتا تھا۔ کبھی کبھی اور کسی رنگ کا بھی ہوتا تھا۔ اور لنگی مدراسی چوخانہ دار ہوتی تھی۔ آپ کے کپڑے دھوبی کے یہاں یا ڈرائی کلینک پر نہیں دھلتے تھے۔ بلکہ ہمیشہ ہاتھ سے دھلتے تھے۔ جوانی کے دور میں تو آپ نے پائجامہ پہنا تھا۔ اور وہ بھی علیگڑھی وضع کا۔ لیکن اس کے بعد دور جوانی سے اخیر حیات تک آپ نے ہمیشہ لنگی ہر موسم میں استعمال فرمائی اور پائجامہ ترک فرما دیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پوری عمر شریف میں تہبند ہی استعمال فرمایا ہے کبھی آپ نے پائجامہ نہیں پہنا۔ گو پائجامہ خریدنا ثابت ہے، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پائجامہ پسند بھی فرمایا اور ارشاد فرمایا تھا هٰذا أَسْتَرُ (یعنی اس میں پردہ زیادہ ہے) مگر پہننا چونکہ ثابت نہیں ہے۔ غالباً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی سنت برکت کے شوق میں آپ نے لنگی ہی کو اختیار فرمایا ہوگا۔

پائجامہ کا لطیفہ ۱۳۷۷ھ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحؒ کی وفات کے بعد دارالعلوم دیوبند میں جب شاہ افغانستان محمد ظاہر شاہ آئے تو حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے قطب عالم الشیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحؒ کے پاس

خط لکھا کہ "حضرت شیخ الاسلام رح کی وفات حسرت آیات سے ایک زبردست خلا محسوس ہو رہا ہے، شاہ محمد ظاہر خاں کی ہر پہ آپ جیسی مقتدر ہستی ہی اس خلاء کو پُر کر سکتی ہے، ہماری بصد آرزو درخواست ہے کہ حضرت والا رح اس موقع پر دارالعلوم دیوبند تشریف لاکر خدام کی سرپرستی فرمائیں"، حضرت حکیم الاسلام رح کے اس والا نامہ کے آنے پر حضرت شیخ رح نے حجۃ الاسلام حضرت ناظم صاحب رح سے فرمایا کہ میری طبیعت تو بھیڑ بھاڑ سے گھبراتی ہے جھمیلوں سے مجھے بہت ہی وحشت ہوتی ہے اور یہ مکتوب حضرت قاری صاحب رح کا ہے۔ انکار بھی مناسب نہیں اس لئے میری بجائے آپ تشریف لے جائیں۔ حضرت حجۃ الاسلام رح نے منظور فرمالیا اور حضرت شیخ نے حضرت حکیم الاسلام کے والا نامہ کا جواب بھی لکھدیا کہ "میری طبیعت اژدھام سے گھبراتی ہے اس لئے میری بجائے حضرت اقدس ناظم صاحب تشریف لا رہے ہیں۔

ادھر حضرت والا رح جس حالت میں تھے وہی کرتا، لنگی، تنگ کلیا ٹوپی اور ہاتھ میں تسبیح۔ اسی حالت میں چل دیئے، نہ لباس تبدیل کیا نہ کوئی اہتمام کیا۔ ہم لوگ، نوعمر، نوجوان، ناتجربہ کار، ظاہر بیں اور "صد۔ ہر جا کہ بہ نشیند صدر است" کے راز سے ناواقف تھے اور حضرت والا رح کی شفقتوں سے منہ چڑھے بھی تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ حضرت والا رح با ایں ہمہ عظمت خدام کی دلجوئی فرماتے ہیں اس لئے راقم السطور نے لباس تبدیل کرنے کی درخواست کی تو فرمایا بیٹا تکلفات ہم لوگوں کے لئے مناسب نہیں ہیں۔ بندہ نے اصرار کیا تو دلجوئی کی خاطر لباس تبدیل کرنے پر آمادہ ہو گئے، پھر کیا تھا بندہ نے حضرت والا رح کا صندوق کھول کر تلاشی شروع کر دی۔ اسمیں ایک عمدہ سا علیگڑھی سفید پائجامہ مل گیا میں نے اس میں کمربند ڈال کر پیش کر دیا۔ حضرت والا رح اگرچہ پائجامہ نہ پہنتے تھے۔ مگر ذرا سے تأمل کے بعد مسکراتے ہوئے پہن لیا۔ ایک نہایت نفیس چوغہ بھی مل گیا بندہ نے وہ بھی پیش کیا تو ذرا تکلف فرماتے ہوئے اس کو بھی زیب تن

فرمایا۔ اور یہ فرماتے ہوئے فوراً اتار دیا کہ یہ تو ٹخنوں سے نیچا ہے۔ بندہ نے سوئی دھاگہ لے کر فوراً نیچے سے موڑ کر سلائی کردی۔ اور اب وہ ٹخنوں سے اونچا ہو گیا تو عرض کیا لیجئے، حضرت اب پہن لیجئے۔ اب ٹھیک ہو گیا ہے۔ آپ نے وہ پہن لیا۔ پھر ایک لمبا سا خوش رنگ رومال جو عمامہ کے مطلب کا تھا۔ اور جوغہ کے حسن کو دوبالا کر رہا تھا صندوق سے برآمد ہوا۔ وہ بھی پیش کیا۔ آپ نے اس کا عمامہ باندھ لیا۔ اس وقت حضرت والا رح کی ہیئت وصورت قابلِ دید تھی۔ سبحان اللہ ایک حسین و نورانی فرشتہ صفت انسان اور اس پر لباس فاخرہ "نورٌ علیٰ نورٌ"، کا ایک دلکش ودلپذیر منظر تھا ۔ ؎

تابِ نظارہ کوئی لا نہ سکا اس لئے آپ کو نظر نہ ہوئے

وہ دل کہ اس کے وصل سے دارالسرور تھا سوزِ غم فراق سے آتشکدہ ہے آج

سرگرم التہاب دلِ شعلہ زن ہے آج (حضرت والا رح)

پھر حضرت حجۃ الاسلام رح اپنے رفیق محترم قطب عالم حضرت شیخ الحدیث رح کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ "حضرت اب میں حسبِ حکم دیوبند جارہا ہوں۔ دورانِ گفتگو یہ بھی فرمایا کہ" میں نے آج پائجامہ پہنا ہے،، حضرت شیخ رح نے فرمایا۔ اچھا اب تو جاؤ اب واپسی پر بات ہوگی۔ حضرت شیخ سے رخصت ہو کر حضرتِ والا دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ حضرت شیخ نے عصر کے بعد کی مجلس میں حاضرینِ مجلس کے سامنے نہایت والہانہ انداز میں حضرت اقدس ناظم صاحب رح کا ان کے دیوبند تشریف لے جانے کا تذکرہ فرمایا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جاتے وقت میرے پاس تشریف لائے اور یہ فرما رہے تھے کہ ہم نے آج پائجامہ پہنا ہے۔ میں نے کہا کہ اب تو جاؤ وقت کم ہے واپسی پر بات ہوگی جب حضرت والا رح واپس تشریف لائے تو حضرت شیخ نے خوب تفریح لی اور حضرت والا رح اپنی عادت کے مطابق ادب کو ملحوظ لئے ہوئے، حضرت شیخ کی مزاح و بے تکلفی پر مسکراتے رہے اور دوسرے حاضرین بھی شیخ کی خوش طبعی سے خوب محظوظ ہوتے رہے (اَعْلَی اللّٰہُ مَرَاتِبَھُمَا فِیْ اَعْلٰی عِلِّیِّیْنَ)۔

زہد وقناعت

دنیا سے بے رغبتی، زہد وقناعت اور صبر کی دولت سے بھی حق تعالیٰ نے آپ کو حظِ وافر عطا فرمایا تھا۔ رام پور کے مواضعات میں آپ کی صحرائی جائداد بہت تھی جو اعزہ واقرباء کی نذر ہو گئی اور آپ نے اس کی طرف کوئی التفات نہیں کیا اور نہ کبھی کسی سے اس کا شکوی کیا۔ اسی طرح سکنائی جائداد بھی پوری اعزہ ہی کے پاس رہی آپ نے اپنا حصہ کبھی طلب نہیں فرمایا۔ اور ہمیشہ قرابت داروں کے ساتھ احسان وسلوک کا معاملہ فرماتے رہے۔

آپ نے جامعہ مظاہر علوم سہارن پور کی خدمت علوم نبویہ کی اشاعت اور حق تعالیٰ کی خوشنودی وآخرت کو اپنا ایسا نصب العین، مرکز توجہ اور مقصود بنا لیا تھا کہ ماسویٰ سے آپ نے صرف نظر فرمالی تھی۔ جب عہدۂ اہتمام وانتظام کی بناپر آپ کی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئیں اور اوقات مدرسہ کے علاوہ بھی آپ اپنا تمام وقت مدرسہ کی خدمات میں صرف فرمانے لگے تو سرپرستان مدرسہ نے آپکا مشاہرہ بڑھانا چاہا۔ لیکن حضرت والا رحمۃ نے یہ فرماکر یہ پیشکش رد فرمادی کہ موجودہ مشاہرہ کے اعتبار سے ہی میں اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کر پاتا ہوں اس لئے مزید اضافہ کیسے قبول کر دوں۔ جناب تسکین قریشی کو لکھے گئے خطوط میں اس کو خود حضرت والا نے تحریر فرمایا ہے کہ "میں نے تواضعاً نہیں بلکہ واقعات کے پیش نظر عرض کیا کہ مجھ کو موجودہ تنخواہ میں بھی تامل ہے کیوں کہ میں مفروضہ امور کو پوری ذمہ داری کیساتھ انجام نہیں دے رہا ہوں چہ جائیکہ اور زیادہ تنخواہ لوں (صحائف اسعد ص۱۸۳)، زہد واتقا اور ایثار وقناعت کی مثالیں اگر کہیں مل سکتی ہیں تو انھیں قدامت پسند درسگاہوں بالخصوص جامعہ مظاہر علوم میں مل سکتی ہیں جن میں حضرت والا رحمۃ کی ذات گرامی ایک رشک مثال ہے۔ ایک مرتبہ قطر (عربی ملک) سے آپکے ایک عزیز ہندوستان آئے تو حضرت والا رحمۃ سے ملاقات کیلئے سہارنپور بھی حاضر ہوئے۔ آپنے ان سے حسب دستور خیریت معلوم فرمائی، متعلقین اور صاحبزادوں کا حال دریافت کیا۔ انھوں نے حضرت والا رحمۃ کو

تفصیل سنانی شروع کی کہ بڑا بیٹا فلاں سروس پر ہے اس کو اتنے ہزار روپے ملتے ہیں اور اس سے چھوٹے کو اتنے ہزار اور فلاں بیٹے کی اتنی آمدنی ہے، یہ سن کر حضرت بہت پریشان اور بےچین ہو گئے اور زمانہ زور سے فرمایا" اتنا روپیہ کیا کرو گے لاحول ولاقوۃ الا باللہ، کیوں بے فائدہ اور عبث عمر ضائع کی۔ بس جی ان سب بکھیڑوں میں زندگی برباد نہ کرو۔ سب چھوڑ چھاڑ کر مسجد میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرو آخرت کی فکر کرو" حضرت والاؒ کی بےچینی کو دیکھکر پھر انہوں نے حضرت کے سامنے دنیا اور مال و دولت کا تذکرہ نہیں کیا۔

حضرت والاؒ نے اس حقیقت، واقعہ اور جذبۂ صادقہ کا اظہار اسطرح فرمایا ہے ؎

آفتاب شرف جو ہر انساں کا غروب فکر دنیا کے لئے سرگریباں ہونا

اور اگر دنیا کیلئے کسی کی خوشامد بھی کرنی پڑتی ہو تو وہ موت سے کم نہیں ارشاد ہے کہ ؎

جاہ و ثروت کیلئے غیر خدا کے در پر روح فرسا بخدا ناصیہ فرسائی ہے

مولانا عبدالقیوم صاحب بستوی لکھتے ہیں کہ:

"میرے ایک عزیز جو حضرت والاؒ کے تلمیذ و مسترشد ہیں ایک مرتبہ میرے ساتھ خدمت گرامی میں حاضر ہوئے حضرت والاؒ نے ان سے فرمایا " مولوی صاحب آپ کیا کرتے ہیں؟،، انہوں نے عرض کیا تجارت کرتا ہوں۔ اس پر حضرت والاؒ نے ایک سرد آہ بھر کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تو مومن کو ایک ہی تجارت بتائی ہے جو اسکو دردناک عذاب سے نجات دلا دے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ہ"

مولانا محمد اللہ صاحب نے فرمایا کہ،

"جناب حاجی نذیر محمد خاں صاحب رئیس بھیورہ حضرت والاؒ کے مجاز تھے انہوں نے ایک مرتبہ مدرسہ میں اپنا سات ہزار روپیہ بطور امانت رکھوایا پھر جب اسکو واپس لیا تو وہ سب روپیہ حضرت والاؒ کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا " حضرت یہ سب آپ ہی کا ہے جتنا چاہیں لے لیں۔ حضرت والاؒ نے شکریہ اور معذرت کیساتھ وہ روپیہ انکو واپس دیدیا۔ اس واقعہ کو حضرت حاجی صاحبؒ ذکر فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ میں نے بزرگ تو بہت

دیکھے ہیں اور صاحب کشف وکرامات حضرات سے بھی ملاقاتیں کی ہیں۔ لیکن اس ظرف و بے نیازی والا زاہد نہیں دیکھا۔

حضرت والا رح کی آنکھوں کا علاج اول دہلی میں ہوا اس کے بعد رفتہ رفتہ آنکھوں میں موتیابند کا اثر ہونے لگا جس سے حضرت والا رح کی طبیعت پر کافی گھبراہٹ رہتی تھی اس زمانہ میں سہارنپور میں جناب ڈاکٹر مقصود حسین خالصاحب (ماہر امراض چشم) مطب کرتے تھے۔ ان سے بھی مشورہ ہوتا رہتا تھا۔ ایکمرتبہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے حجۃ الاسلام حضرت ناظم صاحب رح کے حکم سے کسی اور ڈاکٹر کے نام خط لکھا جو انگریزی میں تھا۔ اسکے ایک جملہ کا ترجمہ یہ تھا کہ " یہ غریب آدمی ہیں " مگر ڈاکٹر صاحب نے خود اس کا ترجمہ اس طرح سنایا کہ " انکی مالی حالت زیادہ اچھی نہیں ہے " (اس ایک جملہ سے ڈاکٹر صاحب کی بلندیٔ اخلاق وادب پر روشنی پڑتی ہے) اتفاق سے یہ جملہ ڈاکٹر صاحب کے مطب میں موجود ایک شخص نے سن لیا اور وہ شخص غلام محی الدین صاحب کوتوال سہارنپور کا ملازم تھا۔ اس نے یہ بات کوتوال صاحب سے جا کر کہدی (اسوقت تک کوتوال صاحب کا حضرت والا رح سے کوئی تعارف نہ تھا بعد میں تو بہت ہی مخلصانہ تعلقات ہوگئے تھے) کوتوال صاحب نے ملازم کے ہاتھ پچاس روپے (جو اس موجودہ زمانہ کے اعتبار سے پانچسو سے زائد تھے) حضرت والا رح کیخدمت میں بھجوائے، حضرت والا رح نے وہ روپیے اسی ملازم کیذریعہ شکریہ کیساتھ واپس بھیجدیئے اور فرمایا کہ کوتوال صاحب سے سلام کہدینا اور یہ بھی کہدینا کہ میں خدا کے فضل سے رئیس ہوں، صاحب نصاب ہوں اسلئے جناب کی پیشکش قبول کرنے سے معذوری ہے۔ اس کے بعد کوتوال صاحب مدرسہ حضرت والا رح کیخدمت میں حاضر ہوئے۔ اور آپ کی شخصیت سے بے حد متاثر ہوئے۔ آپ کی بلندیٔ اخلاق اور زہد و بے نیازی نے تو ان کو ملاقات سے پہلے ہی متاثر کر دیا تھا۔ کوتوال صاحب نے فرمایا کہ " میں نے مولویوں کے طبقہ میں ایسے پہلے شخص کو دیکھا ہے جس نے روپیہ قبول کرنے سے انکار کیا اور نہایت بے نیازی سے یہ کہدیا کہ میں رئیس ہوں "

جب پاکستان بنا تو کوتوال صاحب موصوف پاکستان چلے گئے اور وہاں " سپرینٹنڈنٹ " کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ پھر جب کچھ دنوں بعد سہارنپور سے پاکستان گئے ہوئے حضرات کا ایک

دو سو معزز افراد پر مشتمل وفد پیران کلیر کے عرس میں شرکت کے بہانے سہارنپور آیا جس میں ظہیر خاں مرحوم، صدر مسلم لیگ خان بہادر شاہ نذر حسن مرحوم، سید احمد صاحب عزیز حضرت تھانوی رح غلام محی الدین سابق کوتوال سہارنپور اور دوسرے بہت سے ممتاز حضرات بھی تھے، شہر سہارنپور کے رہنے والے حضرات نے ان سب کا اسٹیشن پر شاندار استقبال کیا۔ استقبال کرنے والوں میں مسلمانوں کیساتھ بہت سے ہندو حضرات بھی شریک تھے۔ حجۃ الاسلام حضرت ناظم صاحب کے ہمراہ جناب بابو راجہ لال صاحب جن کو حضرت چچا کہتے تھے اور موگراجی پریس والے بھی استقبال کرنے والوں میں شامل تھے۔ یہ وفد قانون کی رو سے شہر کے اندر نہیں آسکتا تھا۔ سخت سردی کا زمانہ تھا پوری رات اس وفد کے ارکان اور استقبال کرنے والوں کی اسٹیشن پر گذری اور استقبال کرنے والے ہر دو گھنٹے کے بعد پلیٹ فارم ٹکٹ خریدتے رہے اور کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ چائے اور مٹھائی سے اسٹیشن کے "ریفریشمنٹ روم" میں انکی تواضع کرتے رہے۔ اس پوری رات میں جناب غلام محی الدین صاحب اور ظہیر احمد خانصاحب وغیرہ جو حضرت والا رح سے والہانہ تعلق رکھتے تھے حضرت والا رح کے پیچھے ہاتھ باندھے کھڑے رہے حضرت والا رح ان کے اصرار کی بنا پر کرسی پر تشریف فرما تھے۔ گاہے گاہے حضرت بھی کھڑے ہو جاتے تھے، یہ مخلصانہ تعلقات اور بے لوث محبت زہد و قناعت کی ادنیٰ برکت تھی۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا کہ

اِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبَّكَ اللّٰهُ وَازْهَدْ فِيمَا عِنْدَ النَّاسِ يُحِبَّكَ النَّاسُ۔ رواہ الترمذی و ابن ماجہ (مشکوٰۃ ص۴۴۲) دنیا سے بے رغبتی اختیار کرلو اللہ تم سے محبت کریگا۔ اور لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اسکی طرف التفات نہ کرو تو لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے

رؤسا سے کنارہ کشی

افسوس ہے کہ دور حاضر میں عموماً اہل علم واہل تدین حضرات رؤسا، اور اہل مال کی طرف متوجہ ہو گئے اِلّا مَا شَاءَ اللّٰهُ (اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائیں) اکثر مشائخ کا حال بھی عجیب ہو گیا ہے کہ وہ اہل مال کی طرف جھکنے لگے۔ بلکہ پیری میں اس وقت تک چمک ہی

نہیں آتی جبتک کہ کچھ سیٹھ لوگ ان کے حلقہ بگوش نہ ہوجائیں کیوں کہ اسی کی بدولت فتوحات کے درکشادہ ہوتے ہیں۔ اور ہم اپنی آنکھوں سے جن چیزوں کا مشاہدہ کر رہے ہیں انکو زبان وقلم پر لانا دشوار ہے کہ مدعیان حق بھی جو تدابیر فریب کاریوں کی حد تک کر جاتے اور خرقہ دخلافت پور سلوک وطریقت کو بدنام کرتے ہیں وہ ناقابل بیاں ہیں یہی وجہ ہے کہ ایسے حضرات غرباء وفقراء اور علماء کو چھوڑ کر امراء کی کوٹھیوں میں قیام فرماتے ہیں بس اتنی بات سے زائد ہم تحریر کرنے سے قاصر ہیں ہمارے حضرت والا کا مزاج اسکے بالکل برعکس تھا وہ اہل مال دنیاداروں سے کنارہ کشی فرماتے اور ان کا احسان مند ہونا بھی پسند نہ فرماتے تھے اسی لئے انہوں نے لنگر بازی اور خانقاہی ٹھاٹ باٹ سے ہمیشہ اجتناب فرمایا ہے۔ ہمارے اس دعوے کے ثبوت کیلئے دو ایک واقعات ابھی اوپر آچکے ہیں یہاں بطور نمونہ ایک دو واقعات اور درج کیئے جاتے ہیں۔ اور جنھوں نے حضرت والا کو قریب سے دیکھا ہے ان کو کسی مثال اور واقعہ کی ضرورت ہی نہیں۔

(د) حضرت والا کو آنکھوں کے علاج کے سلسلہ میں دہلی کا سفر کرنا پڑا آپکے ہمسفر جناب حاجی شیخ مہربان احمد صاحب رئیس سہارنپور (دتی والے) اور حاجی محمد احمد صاحب پہاڑ والے اور دونوں حضرات کے ساتھ ان کے ایک ملازم بھی تھے اور حضرت علیہ الرحمہ کے صاحبزادے مولانا محمد اللہ صاحب بھی تھے۔ دہلی میں پہلا قیام نظام ہوٹل میں ہوا جو مسجد فتحپوری کے سامنے واقع ہے۔ جس کے یومیہ مصارف قیام پانچ روپے تھے جو آجکل کے سو سے زائد ہوتے ہیں اور سترہ روپے فی وقت کھانے کے اخراجات ہوتے تھے۔ یہاں دو روز قیام فرمایا تیسرے روز شاہ کرار حسین صاحب سجادہ نشیں درگاہ صابریہ کی پیشکش پر درگاہ صابریہ دریا گنج دہلی میں قیام طے ہوا۔ کیوں کہ ڈاکٹر علاؤالدین صاحب منہاس (جن کا علاج طے کیا گیا تھا) اسی درگاہ کے متصل مطب کرتے تھے۔ اور طعام کا انتظام مولانا عبدالعزیز صاحب دعا جو مجاز بیعت حضرت شاہ محمد یٰسین صاحب نگینوی کے صاحب زادے محمد یونس صاحب نے کیا تھا۔ صاحب زادہ محترم مولانا محمد اللہ صاحب

فرماتے ہیں کہ حجۃ الاسلام حضرت ناظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ جو دو رئیس صاحبان تھے حضرت نے ہوٹل، علاج وغیرہ کا کوئی بار ان دونوں پر نہیں ڈالا۔ یہی ادائیں تھیں جنھوں نے حضرت والا رح کو ممتاز و ذیشان بنا دیا تھا۔ اور خلق خدا آپ سے والہانہ و بے لوث محبت کرتی تھی۔

(۲) آنکھوں کے علاج ہی کے سلسلہ میں سیتاپور سے پہلے لکھنؤ تشریف لے گئے تھے۔ وہاں کوئی معقول و اطمینان بخش معالج نہ ملنے کی وجہ سے آپ سیتاپور تشریف لے گئے تھے اور وہاں آپریشن ہوا تھا۔ لکھنؤ میں آپ کا قیام امین آباد گوئن روڈ کے اس مکان میں ہوا۔ جس میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور ان کے بھائی جناب ڈاکٹر عبد العلی قیام پذیر تھے۔ یہاں دو دن قیام رہا شیخ محمد مستنصر اللہ صاحب جو حضرت والا رح کے عزیز بھی تھے گوئن روڈ پر حضرت والا رح کے پاس آئے۔ اور اصرار فرمایا کہ آپ ہماری کوٹھی پر تشریف لے چلیں مگر حضرت والا رح نے حسین انداز سے معذرت فرما دی اس کی اصل وجہ یہی تھی کہ رؤسا کے پاس ٹھہرنے کو حضرت والا رح مناسب نہ سمجھتے تھے۔

غرض آپ کا سفر میں بھی اگر قیام رہا تو اپنے ہم جنسوں میں رہا۔ اور سفر و حضر میں امراء، رؤسا اور اہل مال، دنیاداروں کا مرہون منت ہونا آپ نے کبھی پسند نہیں فرمایا۔

مال بھی ضروری اور اعمال بھی

حضرت علامہ مولانا مفتی لطف اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے جناب حکیم شفیع اللہ صاحب رام پوری نے فرمایا کہ میں سہارنپور حضرت مولانا کے پاس تھا کہ ایک شخص سے آپ نے فرمایا کہ "دنیا میں جس قدر مال ضروری ہے۔ آخرت میں اعمال بھی اتنے ہی ضروری ہیں" ظاہر ہے کہ دنیا میں مال کے بغیر کوئی چیز حاصل نہیں کی جا سکتی۔ اسی طرح آخرت میں بھی اعمال ہی سے تمام نعمتوں کا حصول وابستہ ہے۔"

اس موقعہ پر وہ مخاطب شاید کوئی اہل مال دنیادار ہوں گے کیوں کہ حضرت والا رح کی عادت تھی کہ ہر شخص کو اس کے مناسب حال نصیحت

فرماتے اور اس کے انداز فکر مبلغ علم کو سامنے رکھ کر گفتگو فرماتے تھے۔

نہ قرض لو نہ قرض دو

حضرت والا رح کی عادت تھی کہ کسی سے کبھی قرض نہ لیتے اور نہ کسی کو قرض دیتے تھے۔ بلکہ حاجتمند کی حاجت کو پورا فرمانیکی کوشش فرماتے اور بقدر استطاعت خاموشی سے اسکی مدد فرما دیتے تھے آپ اپنے خدام و تلامذہ اور متعلقین کو بھی اسی کی ہدایت و نصیحت فرماتے تھے۔

چنانچہ ایک دن بہت اطمینان کے وقت تنہائی میں حضرت والا رح نے راقم السطور کو یہ نصیحت فرمائی۔ بیٹا! ایک خاص نصیحت کرتا ہوں وہ یہ کہ "نہ کسی سے قرض لو، نہ کسی کو قرض دو۔ پھر فرمایا القرض مقراض المحبۃ۔ (قرض محبت کی قینچی ہوتی ہے)، بندہ نے عرض کیا حضرت یہ تو بہت ہی دشوار ہے۔ اس پر حضرت نے سکوت فرما لیا"

افسوس ہے کہ مجھے قرض لینا بھی پڑتا ہے اور دینا بھی پڑتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس میں بیحد قباحت ہے، اگرچہ حدیث کی رو سے قرض دینے میں صدقہ سے زائد ثواب ملتا ہے۔ مگر اس بدمعاملگی کے دور میں نقد عذاب بھی ہے حق تعالیٰ قرض کی مصیبت سے ہر مؤمن کو محفوظ رکھے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْمَغْرَمِ وَالْمَاْثَمِ حضرت والا رح کا اس سلسلہ میں ایک منظوم ارشاد حسب ذیل ہے ؎

قرض بے حد خراب ہوتا ہے جان و دل کا عذاب ہوتا ہے
تم سے ممکن ہو تو مفت دیدینا نام لیکن نہ قرض کا لینا
قرض کرتا ہے آدمی کو خوار قرض کھوتا ہے آدمی کا وقار
ہاں شریعت نے جب کیا ہو فرض پھر تو لازم ہے کاروبار قرض
غور سے تم سنو مرا کہنا قرض سے دور ہی دور رہنا
سخت آفت ہے قرض کا لینا سخت زحمت ہے قرض کا دینا
قرض کنجی ہے بغض و نفرت کی قرض قینچی ہے حب و الفت کی
قرض کرتا ہے زندگی کو کٹھن قرض کرتا ہے دوست کو دشمن

احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقروض کی نماز جنازہ نہ پڑھاتے تھے بلکہ حضرات صحابۂ کرام سے ارشاد فرمادیتے تھے صَلُّوْا عَلٰی صَاحِبِکُمْ (اپنے ساتھی پر تم لوگ نماز جنازہ پڑھ لو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہید کے قرض کے علاوہ تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قسم کھاکر ارشاد فرمایا کہ مقروض اگر راہِ خدا میں قتل کر دیا جائے۔ پھر وہ زندہ ہو اور پھر راہِ خدا میں قتل کردیا جائے۔ پھر زندہ کیا جائے اور پھر راہِ خدا میں قتل کردیا جائے پھر زندہ ہو اور اس پر قرض ہو تو وہ اس وقت تک جنت میں نہیں جاسکتا جب تک کہ اس کا قرض ادا نہ کردیا جائے (مشکوٰۃ ص۲۵۱)

احادیث میں قرض پر بہت ہی سخت وعیدیں وارد ہیں اس لئے حضرت والاؒ خود بھی قرض کے معاملے سے بچتے اور دوسروں کو بھی اس سے بچنے کی ہدایت فرماتے تھے۔ وفقنا اللہ

ہدایا قبول کرنے میں احتیاط

حضرت والاؒ کے یہاں ہدیوں، تحفوں اور نذرانوں کی زیادہ ریل پیل نہ تھی نہ آپؒ کو ہدایا وتحائف کا انتظار رہتا۔ بلکہ جو ہدیہ آپکی خدمت میں پیش کیا جاتا اس کے قبول فرمانے میں بھی بہت محتاط تھے۔ اگر ہدیہ میں کوئی شرعی قباحت نہ ہوتی، معطی کے اخلاص کا اندازہ ہوجاتا تو قبول فرمالیتے تھے۔ جن احباب ومتعلقین کے اخلاص اور انکے مال کی حلّت کا یقین ہوتا تو اسکا اندازہ فرماتے کہ اس ہدیہ دینے سے ان (ہدیہ دینے والوں) پر بار تو نہ ہوگا۔ آپؒ اس معاملہ میں بھی بے احتیاطی کو پسند نہ فرماتے اور پیران زمانہ کی طرح ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ کا تو آپ کے یہاں کوئی خانہ ہی نہ تھا۔ البتہ خدام ومتعلقین سے عطر وغیرہ کے ہدایا آپؒ بہت خوشی اور رغبت سے قبول فرمالیتے تھے کیونکہ حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو کو واپس نہ فرماتے تھے (بخاری)

چنانچہ راقم السطور نے ایک مرتبہ عطر کی ایک شیشی پیشِ خدمت کی تو

آپ نے یہ حدیث پڑھتے ہوئے شیشی اپنے دستِ مبارک میں لے لی۔ اَلطِّیْبُ وَالنِّسَآءُ وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دنیا کی تین چیزوں کی محبت میرے دل میں ڈالدی گئی ہے (۱) خوشبو (۲) عورتیں (۳) اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک تو نماز میں ہے۔

ایک مرتبہ پانچ روپے ہدیہ پیش کرنے کی اجازت چاہی تو حضرت والا رح نے فرمایا کتنی تنخواہ ہے، میں نے تنخواہ کی مقدار عرض کر دی تو فرمایا اخراجات بتائیے کتنے ہیں (مجھے کیا معلوم تھا کہ آج سارا حساب معلوم کیا جائے گا) اندازاً اخراجات کا حساب بھی عرض کر دیا۔ تو فرمایا پانچ روپے کی اجازت نہیں صرف دو روپے دیدیجئے اور یہ دو روپیہ بھی آپ نے صرف میری دلجوئی کی خاطر قبول فرمائے اس کے بعد ہدیہ پیش کرنے کی کبھی ہمت نہ ہو سکی۔

اسی طرح میرے استاذ و مرشد قطب عالم حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رح کی عادت مبارکہ تھی کہ اگر عطر خدمت عالی میں پیش کرتا تو بلا تامل قبول فرما لیتے لیکن کبھی روپے کا ہدیہ قبول نہیں فرمایا۔ روپوں کا ہدیہ واپس فرما دیتے۔ اور فرماتے "ابے جا میرے پاس کیا کمی ہے تو ہی خرچ کیجیو۔ مولویوں سے ہدیہ نہیں لیتے" حضرت حجۃ الاسلام و حضرت قطب عالم کو بہت قریب سے خلوت و جلوت میں دیکھنے کا موقع میسر آیا حقیقت یہ ہے کہ اخلاص للہیت اور اتباع سنت وغیرہ صفات کمالیہ کیساتھ دنیا سے بے رغبتی اور زہد و قناعت میں سے بھی ان کو حظ وافر اور درجۂ کمال نصیب ہوا تھا۔ کاش ہم لوگوں کو بھی انکے کمالات میں سے کوئی شمہ نصیب ہو جاتا۔

چاند پور کے حضرات کے آموں کا واقعہ عنوان "تقویٰ" میں اور حاجی نذیر محمد خان صاحب و کوتوال صاحب کے واقعات اوپر قریب سطروں میں عرض کر دیئے گئے ہیں کہ ضابطہ کے شبہ یا خودداری کے خلاف ہونے کی وجہ سے آپ نے ان حضرات کے ہدایا کو نہایت استغنا کے ساتھ اور نہایت خوش اسلوبی سے واپس فرما دیا تھا۔

احسان کا بدلہ

حدیث شریف میں ہے مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ (جو انسانوں کا شکر گذار نہیں ہوتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو کوئی عطا دی جائے اور اس کے پاس بدلہ دینے کی گنجائش ہو تو اس کو بدلہ دینا چاہئے ورنہ معطی کی تعریف کرنی چاہیئے کیونکہ جس نے تعریف کر دی اس نے شکریہ ادا کر دیا اور جس نے چھپا لیا اس نے ناشکری کی۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جس پر کوئی احسان کیا جائے اور وہ اس محسن سے جَزَاکَ اللّٰہُ خَیْرًا کہدے تو اس نے خوب تعریف کر دی یعنی محسن کا شکر ادا ہو گیا (مشکوٰۃ ص۲۶)

حضرت والارح کی عادت تھی کہ ہدیہ دینے والے اور احسان کرنے والے کو جَزَاکَ اللّٰہُ خَیْرًا فرماتے بلکہ عموماً یہ شعر فرماتے تھے ؎

حَمَاکَ اللّٰہُ مِنْ شَرِّ النَّوَائِبْ　　جَزَاکَ اللّٰہُ فِی الدَّارَیْنِ خَیْرًا

واللہ تعالیٰ تمکو مصیبتوں کے شر سے محفوظ رکھے۔ اور دونوں جہاں میں اس احسان کی بہترین جزا دے

کوئی خادم پانی پلاتا تو فرماتے ؎

پلایا پانی ہوا دل سرد میرا　　جَزَاکَ اللّٰہُ فِی الدَّارَیْنِ خَیْرًا

اسیطرح آپ اپنے محسنوں کی تعریف فرماتے اور روزانہ بعد عصر وظیفہ ختم خواجگان میں اور دعاؤں کے ساتھ محسنین کے مقاصد دارین اور مغفرت کی دعا فرماتے تھے اور ان سب کے علاوہ احسان کو ہمیشہ یاد رکھتے اور بدلہ دینے کی کوشش فرماتے تھے ــــــ مولانا عبد القیوم صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

"اس ناکارہ کی عمر گیارہ بارہ سال ہو گی میں اس وقت عربی، فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھتا تھا اسوقت عم محترم حضرت مولانا فاروق احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ (متولد ۱۳۰۴ھ متوفی ۱۳۶۲ھ) کی کتابوں کے ذخیرہ میں اتفاق سے مجھے انکی خود نوشت ڈائری ملی اس میں یہ بھی تحریر تھا کہ زمانہ قیام سہارنپور اپنے اساتذہ کرام میں سے جن کے پاس میں اکثر حاضر ہوا کرتا تھا وہ بڑے مشفق و مہربان استاذ حضرت مولانا الحاج محمد اسعد اللہ صاحب مدظلہ العالی تھے مولانا موصوف کے اندر ایک خاص بات یہ ہے کہ وہ غیر مناسب اور ناشائستہ حرکات کو دیکھ کر خاموش نہیں رہتے بلکہ اسپر فوراً تنبیہ فرماتے ہیں اس لئے انکی خدمت میں رہ کر طالبعلم بے راہ نہیں ہو سکتا اور بہت کچھ اصلاح ہو سکتی ہے

الحمد للہ مجھے انکی صحبت سے بہت فائدہ ہوا نیز مولانائے موصوف کی اگر ذراسی خدمت کردیجائے تو اسے کبھی نہیں بھولتے برابر خیال رکھتے ہیں اور اپنے گراں مایہ نفائح سے ہمیشہ نوازتے رہتے ہیں چنانچہ مکان آنے کے بعد میں نے جناب موصوف سے خط وکتابت کا سلسلہ جاری رکھا جس سے مجھے بے انتہا فائدہ پہنچا .... مولانائے موصوف نے ایک اور جگہ لکھا ہے کہ :

"ہمارے حضرت کے ساتھ اگر کوئی شخص ادنیٰ احسان بھی کر دیتا تو اسکے ہمیشہ ممنون وشکر گذار رہتے اور حتی الامکان اس کے احسان کا بدلہ ادا کرنیکی سعی فرماتے تھے۔ تہذیب و شرافت کا جو بلند معیار یہاں دیکھا گیا اس کی مثال کہیں مشکل سے نظر آئے گی حضرت والاؒ کے معالج خاص ایک زمانہ میں ڈاکٹر فرحت علی صاحب تھے، جو حضرت والا رحؒ کی خدمت کو اپنے لئے باعثِ سعادتِ دارین سمجھتے تھے اور جب کبھی ضرورت ہوتی فوراً تشریف لاتے اور اکثر دوائیں بھی اپنے پاس ہی سے دیتے تھے۔ حضرت والا رحؒ کے اصرار کے باوجود نہ تو فیس ہی لیتے اور نہ دواؤں کی قیمت ہی لیتے اس لئے اب ھَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ کے علاوہ کوئی صورت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ چنانچہ حضرت والا رحؒ اکثر و بیشتر ان کی خدمت میں ہدیئے بھیجتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کی خدمت میں ایک پرچہ لکھا جسمیں تحریر یہ تھا کہ "

"اگرچہ جناب والا کی خدمت میں جب کبھی کوئی چیز بھیجتا ہوں تو آنجناب ازراہِ کرم اس کو قبول فرما لیتے ہیں اور کبھی انکار نہیں فرماتے۔ لیکن اب صراحۃً اجازت چاہتا ہوں۔ بسا اوقات کوئی بالکل معمولی چیز ہوتی ہے۔ اور پیش کرنیکو جی چاہتا ہے۔ اگر اجازت ہو پیش کر دیا کروں۔ اجازت سے مجھے انتہائی مسرت ہوگی"

ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا کہ حضرت والا رحؒ جو کچھ بھی عنایت فرمائیں گے۔ وہ میرے لئے گراں مایہ تبرک ہوگا۔ بسر وچشم قبول کر دوں گا۔ اس کے بعد ہدایا وتحائف کا سلسلہ اور بھی کثرت سے جاری ہوگیا۔

ایک مرتبہ آپ کے ایک مخلص اظہار صاحب نے حضرت والا رحؒ کی خدمت میں انار پیش کئے تو حضرت والا رحؒ نے ان کا شکریہ بزبان شعر میں ایسی

طرح ادا فرمایا ؂

اظہارِ خلوص کی برہان ہیں انار — قلبی توجہات کی پہچان ہیں انار
سامانِ تقویت ہیں دل و روح کیلئے — بے جانِ غمزدہ کیلئے جان ہیں انار
آئینہ دارِ الفت ظاہر ہیں بے گمان — پنہاں تعلقات کا اعلان ہیں انار
ظاہر ہے دانہ دانہ سے رنگِ دفا مہر — افسانۂ وداد کا عنوان ہیں انار

وجہِ سکون ہیں اسعدِ بیتاب کیلئے
رنگینیٔ حیات کا سامان ہیں انار

جناب تسکین قریشی نے جب حضرت والا رح کے مکتوبات کو شائع کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت والا رح سے اس کی اجازت چاہی۔ آپ نے اجازت نہ دی لیکن بعد میں وہ مکتوبات "صحائفِ اسعد" کے نام سے شائع ہوئے۔ اس سلسلۂ اجازت کے خطوط میں سے ایک خط میں تحریر فرمایا ہے کہ "میری معروضات کے متعلق ارشاد ہے " علمی و ادبی نوادر کا یہ ذخیرہ دراصل اشاعتِ عام کے قابل ہے۔" غالباً آزاد سہارنپوری کا شعر ہے ؂

قسمت کا دھنی ہوں کہ ملا آپ سا انسان ۔ انصاف یہ ہے ورنہ کجا آپ کجا میں

میں اس قدر دانی کے لئے جس قدر شکریہ ادا کروں کم ہے اس بہترین غرض کو ادا کرنے کے لئے حضرت حافظ سے مدد لیتا ہوں ؂ جَزَاکَ اللّٰہُ عَنْ شَرِّ النَّوائب۔ جزاک اللّٰہ فی الدارین خیراً .... کم و بیش بیس سال ہوتے ہیں کہ میں نے اٹارسی میں مسجد خیر الدارین کی یہ تاریخ دیکھی تھی ؂ زہے مسجد کہ خیر الدین بنا کرد۔ بشارت ساجدانِ نیک پے را ۔ تشفیع از پئے تاریخش رقم زد۔ جزاک اللّٰہ فی الدارین خیرا۔

جناب کی اس اشاعت کی رائے میں محبت کو زیادہ دخل ہے۔ واقعی محبت ایک ایسا بے پناہ جذبہ ہے کہ انسان اسکی روشنی میں صرف خاص خاص کو دیکھتا ہے بلکہ بلا کسی تردد کے جملہ معائب و مثالب کو محاسن و مناقب ہی سمجھتا ہے۔ جناب تحقیقاً نہیں تو تقلیداً ہی یقین فرمائیں کہ میری ہرزہ سرائی ہرگز چھپنے کے قابل نہیں بلکہ چھپنے کے قابل ہے۔ وہ اشاعت کی مستحق نہیں بلکہ اضاعت کی مستحق ہے۔

کہاں میرے خطوط کہاں اشاعت عام ع بہ بیں تفاوت رہ کجاست تا بکجا۔

(مجلہ اسعد اللہ رحمہ اللہ اسعد ص ۲۲)

معاملات کی صفائی

دور حاضر کے صوفیہ و مشائخ میں مجدد الملت حکیم الامت حضرت اقدس مولانا تھانوی رح کے خلفاء و مجازین میں خاص طور پر معاملات کی صفائی ایک امتیازی وصف اور نمایاں شان ہے۔ عموماً تصوف زدہ حضرات صفائی معاملات کو ایک لغو چیز سے زائد وقعت نہیں دیتے بلکہ بعض لوگ تو اس کو اپنی کسر شان و توہین سمجھتے ہیں۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے تو معاملات ہی کو تصوف قرار دیا ہے۔ جب ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے تصوف میں کوئی کتاب نہیں لکھی تو فرمایا کہ کتاب البیوع لکھ تو دی ہے۔

مجدد الملت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ سب سے زائد توجہ معاملات کی صفائی پر مبذول فرماتے تھے ان کے خلفاء میں اسی لئے اس بات کی طرف زیادہ توجہ ہے حجۃ الاسلام حضرت اقدس ناظم صاحب رح بھی سب سے زائد معاملات کی صفائی پر زور دیتے تھے۔ اپنے خدام و متوسلین کو معاملات کی صفائی اور بلندی اخلاق کی بار بار تاکید و وصیت فرماتے تھے۔ اور خود بھی اس پر پوری سختی سے عمل فرماتے تھے۔ تقریباً پانچ برس حضرت کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ حضرت والا رح کی دوسری امتیازی صفات اور بلند عادات کے ساتھ جس چیز کا سب سے زیادہ اہتمام آپ کی زندگی میں پایا وہ معاملات کی صفائی اور حقوق العباد کی فکر و ادائیگی اور اخلاق کی بلندی تھی

ایک مرتبہ آپ نے یہ دیکھا کہ میرا جوتا ٹوٹ گیا ہے۔ حضرت والا رح نے فرمایا بیٹا! جب فلاں صاحب آجائیں (جو حضرت والا رح کے مرید باصفا تھے اور جوتے موزے وغیرہ تیار کرتے تھے) تو مجھے یاد دلا دینا کہ ان سے جوتے بنوانے ہیں۔ وہ صاحب تقریباً روزانہ ہی حاضر خدمت ہوتے تھے۔ جب وہ صاحب آئے تو حضرت والا رح نے بغیر یاد دہانی خود ہی ان سے فرمایا کہ میرے بیٹے کے جوتے ٹوٹ گئے ہیں۔ آپ پیمائش کر لیں اور ایک جوڑی عمدہ جوتے تیار کرا دیں۔ اور مجھ سے ان کے وہی دام بتا دیں جو آپ دوسروں سے لیتے ہیں۔ حکم کے مطابق انہوں نے صفائی سے عرض کر دیا گو وہ

بتاتے ہوئے شرماتے تھے۔ لیکن حضرت والا کی عادت انکو معلوم تھی اور صفائی معاملات کی تاکیدیں وہ حضرت سے بارہا سن چکے تھے اس لیے انہوں نے بھی حضرت والا رح کے حکم پر پس و پیش نہ کی آپ نے تاریخ بھی مقرر کرادی۔ چنانچہ وہ بالکل وعدہ کے مطابق جوتے لے آئے اور حضرت والا رح نے فوراً طے شدہ روپے ان کو عطا فرما دیئے۔ اور وعدہ کے ایفاء و معاملات کی صفائی کی مزید تاکید و نصیحت بھی فرمائی۔

سلوک اور معاملات واخلاق

آپ اکثر افسوس فرمایا کرتے تھے کہ "آج صفائی معاملات و حسن اخلاق دنیا سے مفقود ہوتے چلے جارہے ہیں۔ آپ فرماتے تھے کہ اس دور میں تصوف و سلوک تسبیح و مصلے کا نام ہے آجکے متصوفین نے عموماً معاملات و اخلاق کو نظر انداز کر دیا ہے۔ حالانکہ معاملات کی صفائی و اخلاق کی پاکیزگی ہی تصوف کی بنیادی چیزیں ہیں۔ جس کے معاملات و اخلاق اچھے نہیں وہ صوفی نہیں ہو سکتا۔ ذکر و تسبیح اور مراقبات تو اسی لئے کرائے جاتے ہیں کہ وہ امتثال اوامر (تعمیل احکام) و اجتناب عن النواہی (ممنوع چیزوں سے بچنے) کا وسیلہ و ذریعہ بن جائیں۔

آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ تصوف کو جس قدر آسان سمجھ لیا گیا ہے اتنا آسان نہیں صوفی بننے کیلئے بڑے مجاہدوں کی ضرورت ہے ؎

صوفی نشود صافی تا در نکشد جامے ۔۔۔ بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

(صوفی تو ٹھیک جب ہی ہوتا ہے جب کہ وہ جام محبت کو حلق سے اتار لے اور کسی خام کو پختہ ہونے کے لئے بہت مجاہدوں کی ضرورت ہے) تصوف محبت الٰہی و عشق حقیقی کے ساتھ زندگی کو حکم الٰہی کے مطابق درست و معتدل بنا دینے کا تو نام ہے جو ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے ؎

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق ۔۔۔ ہر ہوسناکے نہ داند جام و سنداں باختن

(ایک ہاتھ میں شریعت کا نازک جام ہو اور ایک میں عشق کا ہتھوڑا۔ ایک دوسرے سے ٹکرا کر دونوں کی حفاظت کا طریقہ کسی بندہ نفس کو معلوم نہیں ہوتا)۔

اور واقعہ بھی یہی ہے کہ آج کے دور میں تدین کی معراج الٹے سیدھے نماز، نوافل اور تسبیحات کو سمجھا جاتا ہے۔ اور تصوف و طریقت کی معراج تسبیح و مراقبات اور خلافت نمبر، قلہ اور چلہ میں سمجھی جاتی ہے۔ نہ کسی کی اصلاح کرنا مقصود اور نہ کسی کو اصلاح

لینا مطلوب، عموماً اس قسم کے لوگ معاملات میں نہایت گندے اور اخلاق میں نہایت ہیچ ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کے پاس عجب و خودپسندی اور استکبار و پندار کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہوتا

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے ؛ حاصلِ خواجہ بجز پندار نیست

(پیر جی خیال فرماتے ہیں کہ انکے پاس کوئی معقول و مفید حال ہے۔ حالانکہ انکے پاس اپنے زعم باطل کے سوا کچھ بھی نہیں) اگر تسبیح و مصلے اور جبہ قلبے سے مرعوب ہوکر کچھ ناواقف و بیوقوف لوگ مصافحہ کرنے لگیں۔ تو ایسے حضرات سمجھتے ہیں کہ ہماری عبادات اور مجاہدات کو شرفِ قبولیت حاصل ہوگیا۔ اور ان متصوفین کو جہاں خلافت ملی تو گویا دربارِ مرشد سے جنت کا ٹکٹ حاصل ہوگیا۔ اب تو جنت ہماری اور ہمارے باپ دادا کی ہے۔ چنانچہ خلافت و اجازت کے بعد وہ سب مجاہدات تقریباً ختم ہی ہوجاتے ہیں۔ جنھوں نے خلیفہ جی کو اس منزل تک پہنچایا تھا۔ بس کچھ ایسی چیزیں جو ظاہرداری کے لئے ضروری ہوتی ہیں باقی رہ جاتی ہیں۔ مثلاً ذکر و فکر میں سے صرف ذکر کی صورت رہ جاتی ہے۔

ناظرینِ کرام معاف فرمائیں میں نے تلخ تجربات و ذاتی مشاہدات کو بہت ہی احتیاط و ادب کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔ اس میں کسی کی ذات پیشِ نظر ہرگز نہیں البتہ اہل تصوف و طریقت کے لئے یہ حقائق عبرت و نصیحت کے لائق ضرور ہیں یہ اس لئے عرض کر دیا گیا کہ ہمارے کچھ احمق واعظین ایسے موقعوں پر ہمیں بیوقوف سمجھ کر وعظ بے جا سے نوازنے اور ہمارے کان چبانے لگتے ہیں۔ اور ایسے نصیحت گروں کو بجا طور پر مرضِ دیوانگی میں مبتلا سمجھتے ہیں ؎

واعظ نہ ڈرا ہم کو قیامت کے بیاں سے ؛ دیکھی ہے ان آنکھوں نے قیامت کی نظر بھی

حضرت والا رحمہ اپنے متوسلین کو ایسی خباثت و دناءت سے دور رکھنے کی پوری کوشش فرماتے تھے۔ اگر اتفاقاً کسی میں اس قسم کا مرض محسوس فرمایا تو اتنا گہرا آپریشن فرماتے تھے کہ پندار کا سارا مواد خارج ہوجاتا تھا۔ آپ اپنے مریدین و متوسلین کو ہمیشہ تاکید فرماتے تھے کہ ؎

اندریں راہ می تراش و می خراش ؛ تا دمِ آخر دمے غافل مباش

یعنی زندگی بھر اپنی اصلاح کی فکر اور اس کے اہتمام میں لگے رہنا چاہئے

ایک سانس بھی اپنے آپ سے غافل نہ رہنا چاہیئے، حضرت والا رح فرماتے تھے ؎

یا تو بھی دائم مجھے آرام و راحت کی تلاش
یا بنا ہوں خرمنِ دل کیلئے خود برق پاش
گو حقیقت میں ہے یہ رنج و مصیبت کی تلاش
گو مرا ہر عضو تن ہوتا ہے وقف ارتعاش
گو مرے قلب و جگر ہوتے ہیں ٹکڑے پاش پاش
آنکھ سے کہتا ہوں دائم ہی خراش دمی تراش
دل سے یہ تاکید ہے غافل مشو، غافل مباش
ابتدائے عاشقی سے ہے یہی رنگ و قماش

معافی اور تلافی

مولانا عبدالقیوم صاحب لکھتے ہیں کہ "حضرت والا رح کی زندگی اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ کی آئینہ دار تھی۔ آپکو حقوق العباد کا بڑا خیال رہتا تھا۔ اگر اپنی طرف سے کسی کی حق تلفی و ایذا کا ادنیٰ شبہ بھی ہو جاتا تھا تو فوراً بے تکلف اس سے معافی طلب کرتے اور حتی الامکان اس کی تلافی کی کوشش فرماتے تھے خواہ وہ شخص آپ کا شاگرد، خادم اور حلقہ بگوش مرید ہی کیوں نہ ہو اور جب تک ایسا ہو نہیں جاتا تھا آپ بیقرار رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک طالب علم کو اس کی کسی ناشائستہ حرکت پر سخت لہجہ میں تنبیہ فرمائی۔ تھوڑی دیر کے بعد اپنے اس طرز فہمائش پر پچھتانے لگے اور پریشان ہو گئے۔ ناکارہ نے عرض کیا کہ حضرت ایسی ناشائستہ حرکت پر آپ کا ڈانٹنا ضروری تھا اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟ فرمایا کہ نہیں وہی بات میں نرم لہجہ میں بھی تو کہہ سکتا تھا۔ تم نے دیکھا نہیں تھا کہ میرا لہجہ کتنا سخت تھا۔ بالآخر کئی گھنٹوں کی تلاش کے بعد وہ طالب علم ملا۔ حضرت والا رح نے اس سے معافی طلب کی اور اس کی دلجوئی کی تب دل کو سکون ہوا۔ اس قسم کے بیسیوں واقعات میرے سامنے پیش آئے۔ حضرت والا رح کسی بھی انسان کو ایذا پہنچانے کو بدترین گناہ سمجھتے تھے۔

اور اس سے بچنے کی اپنے خدام و تلامذہ کو برابر تاکید فرمایا کرتے تھے۔ ایسے موقعوں پر اکثر یہ شعر وردِ زبان ہوتا تھا ؎

مباش در پئے آزار و ہرچہ خواہی کن
کہ در شریعتِ ما ہیچ ازیں گناہے نیست

ایک بھنگی سے معافی

حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی فرماتے ہیں کہ "

حضرت کا معمول تھا کہ بعد عصر مکان تشریف لیجا کر گھر کی ضروریات دریافت فرماتے اور انکا انتظام کرتے، ایک مرتبہ حسبِ معمول دار الطلبہ سے مکان تشریف لے جا رہے تھے۔ احقر اور دو رفیق ساتھ تھے۔ مکان کی طرف جانے والی گلی میں ایک موڑ ہے۔ جب اس جگہ پہنچے تو ایک بھنگی نے پاخانہ کا لوٹکرہ پھینکا جس سے کچھ چھینٹیں ایک ساتھی کے کپڑے پر پڑ گئیں۔ حضرت نے فرمایا "اندھے ہو گئے ہو دیکھ کر ڈالا کرتے ہیں" اس کے بعد آگے بڑھ گئے۔ چند قدم کے بعد ہی فرمایا کہ میں نے اس بھنگی کو سخت بات کہی اس کو تکلیف ہوئی ہوگی۔ اس سے معافی مانگنی چاہیئے۔ بہت تلاش کیا گیا مگر وہ نہ ملا۔ اس کے بعد حضرت کو جو بے چینی ہوئی۔ اس کا نقشہ اب تک آنکھوں کے سامنے ہے۔ عجیب اختلاجی کیفیت تھی حضرت والا مکان نہ جا سکے بہ مشکل اقامت گاہ پر پہنچے۔ بار بار یہی فرماتے رہے۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ سب نے تسلی دی کہ حضرت قصور اس بھنگی کا ہے۔ آپ نے کوئی ایسی سخت بات نہیں فرمائی۔ بہت دیر کے بعد بے چینی کم تو ہوئی۔ لیکن ختم نہیں ہوئی۔ دوسرے دن کئی بار فرمایا۔ مجھے یاد دلانا بعد عصر اس جگہ چلنا ہے۔ چنانچہ بعد نماز عصر وہاں تشریف لے گئے۔ ادھر بھنگی وہاں مل گیا۔ حضرت کے الفاظ مجھے یاد ہیں فرمایا۔

"بھائی میں نے کل تم کو سخت بات کہدی تھی۔ تم کو تکلیف ہوئی ہوگی معاف کر دو"

وہ ندامت سے پسینہ پسینہ ہو گیا۔ اور عاجزی کرنے لگا۔ اور کہا سرکار ہم آپ کے غلام ہیں۔ مجھ سے ہی غلطی ہو گئی تھی۔ مجھے اس طرح لوٹکرہ

پھینکنا نہ چاہیئے تھا۔ مگر حضرت بار بار یہی فرماتے رہے کہ معاف کر دو۔ آخر اس نے کہا سرکار میں نے معاف کر دیا۔ اس کے بعد حضرت نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر اس کو کچھ رقم دی۔ جس کی تعداد معلوم نہیں۔ ؎

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا ۔۔۔ دل دشمناں ہم نکردند تنگ

(میں نے سنا کہ اللہ والے دشمنوں کو بھی نہیں ستاتے)

ترا کے میسر شود ایں مقام ۔۔۔ کہ بادوستانت خلاف است جنگ

(تجھ کو یہ مقام کہاں نصیب ہو سکتا ہے کہ تو دوستوں ہی سے لڑتا ہے)

۱۳۷۳ھ میں جب آپ کی نظامتِ علیا کا پہلا ہی سال تھا۔ اور آپ خوب صحت مند و تندرست تھے۔ میرا کمسنی کا دور تھا۔ شاید ۱۳ / ۱۴ برس کی عمر رہی ہوگی آپ حسبِ عادت نماز فجر سے پہلے اور بعد میں دارالطلبہ قدیم کے تمام کمروں کا چکر لگاتے۔ اور اس بات کی پوری کوشش فرماتے تھے کہ کسی طالب علم کی جماعت یا نماز قضا نہ ہو جائے۔ ایک دن حسبِ معمول فجر کی نماز کے بعد آپ تیزی سے ہم لوگوں کے کمرہ میں تشریف لائے۔ میری جماعت چھوٹ گئی تھی نو عمری کا وقت تھا جس میں نیند کا غلبہ ہوتا ہی ہے۔ پھر رات کو دیر تک تکرار و مطالعہ میں مشغولیت رہتی تھی۔ میں سر پر مفلر باندھتے ہوئے نماز کے ارادہ سے کمرہ سے نکل رہا تھا۔ سامنے سے حضرت والا رحمۃ اللہ کو تشریف لاتے دیکھ کر مارے ہیبت کے گویا روح قبض ہو گئی۔ حضرت والا رحمہ نے فوراً پوچھا "نماز پڑھ لی"، گھبراہٹ میں زبان سے نکل گیا "جی حضرت پڑھ لی"، مگر میری حالت سے شاید حضرت کو شبہ ہو گیا۔ اس لئے کمرہ والوں سے پوچھا کمرہ والوں نے کہدیا "نہیں پڑھی" پھر تو حضرت والا رحمہ کو غصہ آ گیا۔ کیونکہ جرم ڈبل ہو گئے تھے (جماعت کا فوت ہونا اور اس پر جھوٹ بولنا) جھوٹ بولنے پر حضرت والا رحمہ کو بہت ہی غصہ آتا تھا۔ فوراً پلٹ کر میرے ایک ہاتھ مارا۔ اور فرمایا جھوٹ بھی بولتے ہو۔ میں نے ایک دم سر ذرا سا پیچھے کو جھٹکا دیا۔ تو ہاتھ سر پر لگنے کی بجائے مفلر کے اوپر کے حصہ پر لگا۔ اور میں دوڑتا ہوا مسجد میں پہنچ

گیا اور نماز ادا کر لی۔ حضرت والا رح نے اس ایک تھپڑ کی جو سر سے لگا بھی نہ تھا۔ اور میں قصور وار اور سزا کا بجا طور پر مستحق بھی تھا۔ کئی بار معافی مانگی۔ اور اس کو کئی سال تک یاد رکھا۔ جب بھی آپ اس بات کو یاد فرما کر معذرت فرماتے اور معافی کا سوال کرتے تو خادم کمترین پانی پانی ہو جاتا اور عرض کرتا کہ حضرت مربی کو سزا دینے کا حق ہے اور وہ تھپڑ تو میرے لگا بھی نہ تھا۔

حضرتِ اقدس مولانا تھانوی رح نے بھی حضرت والا رح کی اس عادتِ مبارکہ کی برملا تعریف فرمائی تھی کہ ان کو اعترافِ قصور میں عار نہیں ہے یہ خاکساری خدا ترسی و فکرِ آخرت کا نتیجہ تھا، حضرتِ والا رح کا ارشاد ہے ؎

خاکساری ہمارا شیوہ ہے — سب سے ملتے ہیں مہر و الفت سے
دل ہمارا ہے مثل آئینہ — سخت بیزار ہیں کدورت سے

تنبیہ و خفگی کا عجیب انداز

آپ کی عادت تھی کہ غلطی پر ضرور تنبیہ فرماتے تھے۔ لیکن نکیر و تنبیہ کا ایسا عجیب اور نرالا انداز ہوتا تھا۔ جو عموماً ناگوار نہ ہوتا تھا۔ اور اگر مخاطب کی ناگواری کا ادنیٰ شبہ بھی ہو جاتا تو آپ تنبیہ فرمانے کے بعد ناگواری و تکلیف کی معافی مانگ لیتے۔ اور کسی ادنیٰ سے ادنیٰ شخص سے معافی مانگنے میں آپ کو کوئی حجاب نہ تھا۔ جیسا کہ اوپر کی سطروں سے اسکی وضاحت ہو چکی ہے۔

ایک مرتبہ راقم السطور نے نماز فجر میں پوری سورہ یٰسین شریف پڑھ دی۔ ظاہر ہے کہ نماز طویل ہو گئی تھی حضرت والا رح کو تعب ہوا۔ نماز کے بعد حضرت نے اس تعب و مشقت کا اظہار کیا اور عتاب فرمایا۔ عتاب میں صرف یہ جملہ ارشاد فرمایا "بلیٹا! آج تو آپ نے سورہ یٰسین پڑھنے کے قابل کر دیا"، یعنی ہم نماز کے طویل ہو جانے کی وجہ جاں بلب ہو گئے اور گویا اس حالت کو پہنچ گئے جس میں سورہ یٰسین پڑھی جاتی ہے۔ سبحان اللہ اس عتاب میں کس قدر لطف تھا اس جملہ میں لفظی و معنوی کتنی حلاوتیں پنہاں تھیں۔ اور اس نرالے انداز میں

کیسی پر لطف تنبیہ و نصیحت تھی۔ حضرت والا رح کو جن سے قلبی تعلق ہوتا ان پر عتاب بھی زیادہ ہوتا تھا۔ اور پھر تسلی بھی دیتے تھے اور بار بار ارشاد فرماتے تھے ؎

إِذَا ذَهَبَ الْعِتَابُ فَلَيْسَ وُدٌّ وَيَبْقَى الْوُدُّ مَا بَقِيَ الْعِتَابُ

(جب عتاب نہیں رہتا محبت بھی نہیں رہتی اور محبت اسی وقت تک رہتی ہے جبتک عتاب رہتا ہے)

حضرت والا رح کا شعر ہے کہ ؎

تکلیف اس کو دیتے ہیں جس سے ہو ربط خاص
ہم جانتے ہیں قدر تمہارے پیار کی

جن خدام و متعلقین سے ربط خاص ہوتا تھا۔ انھیں لوگوں پر عتاب بھی ہوتا تھا اور جن کی محبت اور تعلق پر آپ کو اعتماد ہوتا۔ ان کے ساتھ اس سے بڑھ کر محبوبانہ برتاؤ فرماتے۔ زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ بھی فرماتے اور ان کی طرف بہت ہی متوجہ رہتے تھے۔ حضرت والا رح جب اپنے کسی خادم کی غلطی پر ناراض ہوتے اظہار خفگی فرماتے اور بعض مرتبہ واقعۃً آپ کو اتنا غصہ بھی آجاتا کہ چہرۂ انور ایسا سرخ ہو جاتا کہ گویا انار کے دانے آپ کے حسین و جمیل رخساروں پر توڑ دیئے گئے ہیں۔ لیکن ایسی حالت غضب میں بھی اگر خادم کی زبان پر معافی کا لفظ آجاتا تو آپ کا غصہ دور ہو جاتا اتنا کہتے ہی "حضرت معاف فرما دیجئے مجھ سے غلطی ہو گئی" آپ کی انتہائی خفگی انتہائی نرمی و شفقت میں تبدیل ہو جاتی۔ عتاب کا سلسلہ فوراً بند ہو جاتا اور فرماتے "جاؤ معاف کیا"

اور فرماتے ہوئے شفقت و مہربانی کی کیفیت بڑی پرجوش و مؤثر ہوتی تھی۔ بسا اوقات ایسے موقع پر آپ پر رقت و گریہ طاری ہو جاتی اور آنکھوں سے آنسو گرنے لگتے تھے۔

مولانا محمد اللہ صاحب مدظلہ لکھتے ہیں کہ:

"فکر آخرت، استغراق اور خوف و خشیت خداوندی کا اس قدر

غلبہ تھا کہ بات بات پر رقت طاری ہو جاتی تھی۔ حضرتِ والا رح کے یہاں جو طالب علم، کوئی عالم یا عام مسلمان خدمت میں حاضر ہوتے آپ ان کو ضرور کوئی نہ کوئی نصیحت فرماتے اس کے بعد ہمیشہ یہ معمول دیکھنے میں آیا ہے کہ حضرت پر رقت طاری ہو جاتی تھی۔ اور حضرت یہ فرماتے کہ شاید آپ کو میری بات ناگوار گذری ہو، معاف فرما دیں اور یہ کہہ کر رونے لگتے۔ بعض اوقات حجروں سے طلبہ کو اور عام لوگوں کو اُن کے مکانات سے بلا کر معافی مانگتے تھے۔

کتابوں سے عشق

حضرت والا رح کتابوں کا بہت ادب کرتے اور علوم و فنون کی کتابوں کی بے حد قدر دانی فرماتے تھے، خصوصاً دینی کتب کا بہت احترام کرتے، اور ان کے جمع کرنے کا بھی کافی اہتمام فرماتے تھے۔ آپ کے پاس کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا جو مختلف زبانوں میں علوم دینیہ و ادبیہ پر مشتمل تھا۔ جن میں سے اکثر کتب آخر عمر میں جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے کتبخانہ میں وقف فرما کر داخل کرا دیں۔ آپ اپنے خدام اور طلبہ کو کتابوں سے وابستگی و قدر دانی کی وصیت فرماتے۔ آپ فرماتے کہ خَیْرُ جَلِیْسٍ فِی الزَّمَانِ کِتَابٌ (دنیا میں کتاب سے بہتر کوئی ساتھی نہیں ہو سکتا)

حضرت والا رح نے فرمایا ؎ رُباعی

علم و ہنر و عقل کا رہبر ہے کتاب دنیا کے لئے ہادیٔ و رہبر ہے کتاب
کرتی ہے دل وجاں کو منوّر اسعدؔ
لاریب جوابِ شۂِ خاور ہے کتاب

ایک اور جگہ زبانِ شعر میں کتاب کی افادیت و محبوبیت کا اظہار اس طرح فرمایا ہے ؎

دلربا و دلکش و دلدار و دلبر ہے کتاب جاں فزو و جاں نواز و روح پرور ہے کتاب
فیض بخش و مہربان و لطف گستر ہے کتاب وجہ تسکینِ دلِ پُر درد و مضطر ہے کتاب

روح کو کندن بنادیتی ہے علم و فضل سے | قدر دانوں کیلئے کبریت احمر ہے کتاب
ہوش والو! تم کو حرزِ جاں بنانا چاہیئے | علم و فہم و عقل و دانائی کا دفتر ہے کتاب
بے غرض بے لوث، خیر اندیش و مخلص خیر خواہ | آجکل کے دوستوں سے خوب و خوشتر ہے کتاب

مست ہو کر جھومتے ہیں طالبانِ معرفت
بادۂ اسرار کا لبریز ساغر ہے کتاب

الحاج... اور منظوم میں ارشاد فرماتے ہیں ؎

رونقِ دینِ پیمبر ہے کتاب

ہے بہت نیک بخت و خوش نصیب | جس کو دنیا میں میسر ہے کتاب
جگمگا جاتی ہے دنیا قلب کی | روشن و پُر منور ہے کتاب
ہادیٔ مخلوق و رہبر ہے کتاب | رونقِ دینِ پیمبر ہے کتاب
ہفت کشور کا یہی ہے فیصلہ | انتخابِ ہفت کشور ہے کتاب
منکشف ہوتا ہے حالِ دو جہاں | جامِ جمشیدی سے بہتر ہے کتاب

ہم کو ہونا چاہیئے اس کا خیال
کوئی بدتر کوئی بہتر ہے کتاب

زینتِ اربابِ خلوت ہے کتاب | رونقِ اصحابِ جلوت ہے کتاب
مخزنِ اسرارِ حکمت ہے کتاب | معدنِ انوارِ ملت ہے کتاب
باعثِ آرام و راحت ہے کتاب | رافعِ آلام و کلفت ہے کتاب
مظہرِ اسرارِ فطرت ہے کتاب | پیکرِ انوارِ قدرت ہے کتاب
ماہتابِ علم و حکمت ہے کتاب | آفتابِ دین و ملت ہے کتاب
مرشدِ راہِ طریقت ہے کتاب | ہادیٔ طورِ شریعت ہے کتاب

کوکبِ تابانِ قسمت ہے کتاب
مہرِ گردونِ لیاقت ہے کتاب

پسندیدہ کتابیں | حضرت والا رحمہ مخربِ اخلاق ناولوں لایعنی افسانوں عشقیہ اشعار اور شہوت پرست شاعروں کے دیوانوں کو

بہت ناپسند فرماتے تھے۔ طلبائے علومِ دینیہ کے لئے غیر متعلقہ کتابوں اور فضول مشغلوں کو بھی ان کے لئے انتہائی مضر سمجھتے تھے۔ آپ ان کو ہمیشہ ترغیب و تاکید فرماتے تھے کہ وہ اپنے اوقاتِ عزیز کو مفید و مقصود کاموں اور علومِ عالیہ کی ترقیوں میں لگائیں۔ اسی سلسلہ کے آپ کے دو شعر ملاحظہ فرمائیے

نیک سیرت، پاک باطن دوستوں کا ساتھ تھا
باغ میں جاکر ہمارا دل ہوا تھا باغ باغ

مولوی صاحب بجا ارشاد فرماتے تھے کل
کم سنوں کے واسطے اچھا نہیں دیوانِ داغ

اوپر عنوانِ "رونق دینِ پیمبر ہے کتاب" کے آخری شعر میں بھی اسی پر تنبیہ فرمائی گئی ہے۔ آپ طلبہ کے لئے شعر گوئی کو بھی ناپسند اور علوم و فنون کی تحصیل میں حارج و خلل انداز سمجھتے تھے چنانچہ فرماتے ہیں ؎

اثر جب طالبانِ علم پر ہوتا ہے شیطان کا — خیالِ شاعری میں وقت کو برباد کرتے ہیں

مطالعہ حضرت والا رح کو ابتدائے عمر ہی سے مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ آپ نے جملہ علوم و فنون کی کتابوں کا مطالعہ فرمایا ہے۔ تمام قدیم و جدید ادیبوں اور شاعروں کی کتابوں اور دیوانوں کا بھی آپ نے مطالعہ فرمایا تھا۔ حق تعالیٰ نے حافظہ بھی بڑا زبردست عطا فرمایا تھا۔ ہزارہا منتخب اشعار آپ کو محفوظ تھے۔ جن کو موقع بموقع پڑھتے رہتے تھے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ آپ کس طرح برجستہ اشعار پڑھتے تھے۔ آپ کتبِ متعلقہ کا مطالعہ بھی بڑی پابندی و اہتمام سے فرماتے تھے۔ کبھی بغیر مطالعہ کے سبق نہیں پڑھاتے۔ ضعف پیری میں بھی آپ کا یہ معمول برقرار رہا۔ طلبہ کرام کو بھی مطالعہ کی سخت تاکید فرماتے۔ آپ نے نظم میں بھی مطالعہ کی اہمیت بیان فرماکر اس کی تاکید و ترغیب فرمائی ہے۔

ہے رحمتِ وسیع کا آنچل مطالعہ

انسان کو بناتا ہے اکمل مطالعہ — ہے چشمِ دل کیواسطے کاجل مطالعہ
دنیا کے ہر ہنر سے ہے افضل مطالعہ — کرتا ہے آدمی کو مکمل مطالعہ
کرتا ہے دور جہل کی دلدل مطالعہ — تعلیم کے بڑھاتا ہے کس بل مطالعہ
دیتا ہے یہ پناہ تہیدستِ علم کو — ہے رحمتِ وسیع کا آنچل مطالعہ
یہ تجربہ ہے خوب سمجھتے ہیں وہ سبق — جو دیکھتے ہیں غور سے اول مطالعہ
ہم کیوں مطالعہ نہ کریں ذوق و شوق سے — کرتے نہیں ہیں احمق و اجہل مطالعہ
ناقص تمام عمر وہ رہتے ہیں علم میں — ہوتا نہیں ہے جن کا مکمل مطالعہ
رگ رگ میں کوٹ کوٹ کے بھرتا ہے ذوقِ علم — کرتا ہے رنج و غم کو مبدل مطالعہ
کھلتے ہیں رازِ علم انہیں کے قلوب پر — جو دیکھتے ہیں دل سے مسلسل مطالعہ
ہے تشنگانِ رشد و ہدایت کے واسطے — اسرارِ عقل و نقل کا بادل مطالعہ
میں تو کروں مطالعہ سو بار شوق سے — کرنے بھی دیں کہیں مجھے کھٹمل مطالعہ
اسعد مطالعہ میں گذار دو تمام عمر — ہے علم و فضل کے لئے مشغل مطالعہ

اسعد مطالعہ کو کبھی تم نہ چھوڑنا
کرتا ہے دل کو رشکِ سجنجل مطالعہ (آئینہ)

دورِ جوانی میں ایک طویل عرصہ تک حضرتِ والا رح کا معمول یہ رہا ہے کہ کتب متعلقہ و معمولاتِ مختلفہ کے ساتھ کسی کتاب کے سو ۱۰۰ صفحات کا مطالعہ روزانہ فرماتے تھے۔ اس التزام و مداومت کی برکت سے آپ نے جملہ علوم و فنون کی بیشتر کتابوں کو دیکھ ڈالا تھا۔ اور علوم میں انہماک و وسعتِ مطالعہ کی بدولت آپ کی نظر علوم و فنون پر اس قدر وسیع تھی ایسی وسعتِ نظر علماء میں تقریباً نایاب ہے۔ آپ نے قدیم و جدید شعراء کے تمام دیوانوں اور فنونِ ادبیہ کی تمام کتابوں کا مطالعہ بھی فرمایا تھا۔ اور مطالعہ صرف برائے مطالعہ نہ تھا۔ بلکہ علوم کے مسائل

تحقیقات، شخصیات کی معلومات، دواوین کے اشعار آپ کو ایسے مستحضر تھے کہ جب کسی علم وفن پر گفتگو کی جاتی، مسائل کی تنقیح کی نوبت آتی معقول ومنقول میں حوالہ کی ضرورت پڑتی، کسی شخصیت کے متعلق معلومات فراہم کی جاتیں یا کسی موضوع کے متعلق اشعار پڑھے جاتے یا سوال کیا جاتا تو اس علم وفن، شخصیات واشعار، مباحث و تحقیقات پر ایسی برجستہ گفتگو فرماتے کہ گویا متعلقہ مبحث کی کتابیں اور اردو اشعار کے دیوان آپ کے سامنے کھلے ہوئے موجود ہیں۔

محنت ومشقت کی عادت

علوم واعمال میں محنت وجد وجہد آپ کی ایسی عادت ثانیہ بن گئی تھی کہ آپ ضعف دیری اور امراض کے باوجود جس قدر محنت فرماتے تھے بڑے بڑے توانا و تومند جوان اس کی ہمت نہیں کرسکتے۔ آپ نے ابتدا ہی سے خود کو محنت و مشقت کا خوگر بنالیا تھا۔ حضرت والا نے اپنی پوری زندگی تعلیم وتعمیل اور اشاعت وتقویت حق پر صرف فرمادی۔ محنت کے سلسلہ میں کچھ وضاحت اسی باب میں عنوان "صحیح محنت" کے تحت کی جاچکی ہے۔

ملامت کی پرواہ نہ کرنی چاہیے

حضرت والا کا خیال تھا کہ اپنے عزیز اوقات حیات کو صحیح کاموں اور مفید محنتوں پر صرف کرتے رہنا اور خود کو صحیح راستہ پر قائم رکھنا چاہیے۔ اتباع سنت، زندگی میں سادگی کیساتھ حق تعالیٰ کی رضا کو پیش نظر رکھا جائے۔ اور غیر کی طرف التفات نہ کرنا چاہیے کہ اللہ کی رضا میں غیر کی رضا کا جذبہ شرک ہے اور اپنے نصب العین پر مضبوطی سے جم جانا چاہیے۔ اور معترضین کے اعتراضات کی پرواہ ہرگز نہ کی جائے۔ بلکہ ان کے اعتراضات کا بس یہ جواب ہے ؎

خلق می گوید کہ خسرو بت پرستی می کند
آرے آرے می کنم با خلق عالم کار نیست

(دنیا کہتی ہے کہ خسرو بت پرستی (عشق بازی) کرتا ہے۔ ہاں ہاں کرتا ہوں دنیا سے مجھے کوئی مطلب نہیں، یعنی مجھے دنیا کی پرواہ نہیں اچھا کہے یا برا مجھے تو اپنا کام کرنا ہے اور بس ؎

تو نہ چھوٹے تجھ سے یارب تیرا چھٹنا ہے غضب
یوں میں راضی ہوں مجھے چاہے زمانہ چھوڑ دے

انگریزیت سے نفرت

حضرت والارحؒ اغیار دکفار اور فساق کی مشابہت سے بہت ہی متنفر تھے۔ آپ ان طبقات سے کسی طرح بھی مشابہت کو گوارا نہ فرماتے تھے خصوصاً اہل علم کیلئے اس مشابہت کو داغ نازیبا اور شانِ علم کے خلاف تصور فرماتے تھے۔ اگر کسی کو اس حرکت میں مبتلا دیکھتے تو بڑی دل سوزی سے اس کو نصیحت فرماتے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ انھیں میں شمار ہوگا) پیش فرما کر سخت تاکید فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ میں ایک لمبا کوٹ پہن کر حاضرِ خدمت ہوا۔ میں نے اس کوٹ میں تغیرات کرکے اس کی انگریزی وضع کو ختم کر دیا تھا۔ اور اسلامی وضع کے مطابق کر لیا تھا۔ میری حاضری کے وقت آپ وضو فرما رہے تھے۔ آپ نے اولِ وہلہ میں بہت ہی تعجب وافسوس کے لہجہ میں ارشاد فرمایا "بیٹا میں آپ کے اوپر انگریزی لباس دیکھ رہا ہوں"۔ میں نے عرض کیا حضرت والارحؒ مطمئن رہیں یہ انگریزی لباس نہیں ہے۔ میں نے اس کو بالکل اسلامی وضع کے مطابق کر لیا ہے۔ حضرت والارحؒ نے ارشاد فرمایا "اس سلسلہ میں آپ کا قول معتبر نہیں ہوگا۔ آپ صاحبِ معاملہ ومدعی ہیں"۔ قریب میں صاحبزادۂ محترم مولانا محمد اللہ صاحب کھڑے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ گواہی دے کر حضرت کو مطمئن کریں تو انھوں نے فرمایا کہ "یہ انگریزی وضع کا تھا۔ لیکن مولانا نے اس کی وضع کو تبدیل کرکے اس کو مسلمان کر لیا ہے۔ اب اس میں کوئی قابلِ اعتراض چیز نہیں رہ گئی ہے"۔ حضرت والارحؒ نے فرمایا مجھے بھی تو تعجب ہو رہا تھا کہ میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں اب اطمینان ہو گیا۔ بیٹا غیروں کی مشابہت بہت ہی خطرناک چیز ہے۔

حضرت والارحؒ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ "ایک مرتبہ ہمارا ایک دعوت میں جانا ہوا۔ اتفاق سے وہاں پر کھانا کھلانے کیلئے میز کرسیوں کا انتظام تھا۔ جو انگریزی طریقہ ہے۔ جانے کے بعد وہاں سے چلے آنا بھی مناسب نہ تھا۔ صاحب خانہ کی دل شکنی۔ اور احباب سے بے مروتی کا شائبہ تھا۔ اور کرسی پر کھانا انگریزی

مشابہت سے خالی نہ تھا جو اہلِ علم کی شایانِ شان نہیں اس لئے میں نے اس موقع پر وضع بدل دی تھی کرسی کے اوپر دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔ اور سنت کی ہیئت کو بقدر وسعت اختیار کر لیا تھا۔ اور الحمد للہ اس کا اثر اہل مجلس پر ہوا اور انگریزی وضع سے ان کو تنفر ہوا۔

" دیوبندی ٹوپی "، (جو گاندھی کی طرف منسوب ٹوپی کے مشابہ ہوتی ہے اس) کو بھی آپ ناپسند فرماتے تھے ۔ اور فرماتے تھے کہ یہ صلحاء کا لباس نہیں اس میں اغیار کی مشابہت کی بو آتی ہے اس سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

حضرتِ والا کا سیاسی نظریہ

انگریزی داں ہونے کے باوجود آپ کی زندگی پر اس کا کوئی اثر نہ تھا ہاں آپ نے انگریزی کو ذریعہ بنا کر انگریزی طبقہ کو بے حد متاثر کیا اور ان کے دل و دماغ پر اسلامی عظمتوں کا رنگ چڑھایا اور اسلامی اقدار کا سکہ ان کے دلوں پر بٹھا دیا ہے ۔ انگریز کو وہ اسلام کا بدترین دشمن خیال فرماتے تھے ۔

برناڈشاہ کا وہ مشہور مقولہ نقل فرماتے کہ " دنیا میں سب سے بہترین چیز اسلام اور بدترین چیز مسلمان ہے کیونکہ اس نے اس نعمتِ عظمیٰ کی قدر دانی نہیں کی " اور نہایت جوش میں فرماتے کہ اس نے مسلمانوں کو بڑی زبردست گالی دی ۔ اور ان کی بہت توہین کی ہے انداز بڑا خوبصورت ہے مگر اس میں اسلام دشمنی اور مسلمانوں سے عداوت کا زہر چھپا ہوا ہے ۔ آپ نے عیسائی پادریوں سے اپنے دورِ شباب میں ڈٹ کر مقابلہ کیا اور عبد الحق پادری اور دوسرے پادریوں سے نبرد آزما ہو کر ان کو شکستِ فاش دی ہے ۔ آپ ان سے مقابلہ کرنے کے لئے ان کے گرجوں میں گھس جاتے ۔ اور ان سے مناظرے کر کے اسلام کی فتح کا جھنڈا لہرا دیتے ۔ انگریزی اقتدار کے دور میں آپ نے پادریوں کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ مناظروں کے ان مناظر کو دیکھنے والے آج بھی بہت سے افراد دنیا میں موجود ہیں۔ آپ فرماتے تھے کہ انگریز اسلام کا بہت چالاک دشمن ہے ۔ اس لئے آپ اس

کے وجود کو ہندوستان میں خصوصاً منحوس سمجھتے تھے اور آزادیٔ وطن کی کوشش کو جہاد خیال فرماتے تھے۔ لیکن کیف ما اتفق دوسری قوموں کے ساتھ مل کر استخلاص وطن کی جدوجہد میں آپ وہ سنگین خطرات محسوس فرماتے تھے جن کا "کانگریسی مسلم لیڈروں" کی برکت سے آج مشاہدہ ہو رہا ہے۔ آپ کا سیاسی نظریہ بعینہٖ وہی تھا جو آپ کے جدّ اکبر حضرت علامہ مفتی محمد سعد اللہ صاحب، اور ان کے بعد آپ کے مربی و مرشد حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا کہ "مسلمانوں کے دینی و ملی تشخص کے بقاء کے ساتھ ایک باقاعدہ مسلم تنظیم اور تمام اسلامی روایات کے تحفظ کی ضمانت کے بعد استخلاص (آزادیٔ وطن) کی تحریک میں مشغول ہونا چاہیئے۔ ورنہ جب دوسروں کی طرف سے غدر و عہد شکنی کا معاملہ) ہوگا۔ (جو نصوص کی روشنی میں یقینی ہے) تو کیف ما اتفق شمول کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمان بکھرے ہوئے تسبیح کے موتیوں کی طرح منتشر ہوں گے۔ اور ان کی اجتماعیت اور سیاسی قوت وجود میں نہ آ سکے گی۔" اس نظریہ کی صداقت اور مبنی بر حقیقت ہونے کا آج ہم اس طرح مشاہدہ کر رہے ہیں۔ جس طرح دوپہر کے وقت سورج کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ دعوے سب طاقِ نسیاں ہو گئے۔ عہد سب ٹوٹ پھوٹ گئے۔ جو دودھ کی نہروں کے خواب دکھائے گئے تھے ان کی تعبیر خون کی نہروں کی صورت میں رونما ہو گئی۔ آج وہ سب کچھ ہو گیا جو ایک بوریہ نشیں قلندر نے خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون میں بیٹھ کر فرما دیا تھا ؏ قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید۔ کہ حقیقت نگاہوں کے سامنے موجود ہے فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہر درد کی دوا اور ہر مرض کی شفا

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اٹل نظریہ اور مستقل فیصلہ وہی تھا

جو ایک متدین و خدا ترس عالم اور حقیقت آگاہ رہبر دانا کا ہونا چاہیئے اور وہ یہ کہ تمام ملی مسائل اور جملہ اجتماعی و انفرادی مشکلات کا حل قرآن و سنت اور دین و شریعت میں موجود ہے۔ لہٰذا کوئی اجتماعی سیاسی مسئلہ ہو یا انفرادی

وشخصی معاملہ اُسی کو قرآن وسنت وشریعت پر پیش کر کے اس کا حل تلاش کرنا چاہیئے
اور کسی حال میں بھی دین وشریعت سے ہٹ کر مسائل کا حل کرنا ایمانی تقاضوں اور
اسلامی عظمتوں کے خلاف اور جہالت ہے۔ ایسا طرز تو انتہائی خطرناک ہے کہ اوّل
کوئی نظریہ قائم کر لیا جائے پھر کتاب وسنت اور شریعت میں اس کا جواز تلاش کیا جائے۔
کیونکہ اس صورت میں اصل اپنے خیال کو بنا دیا جاتا ہے اور شریعت کو تابع آپ نے
ایک منظوم میں بھی ان حقائق مذکورہ کو اسطرح بیان فرمایا ہے ؎

کون کرسکتا ہے دنیا میں حماقت کا علاج | ہو نہیں سکتا کسی سے اس مصیبت کا علاج
عقلمندوں نے ہمیشہ یہ کیا ہے تجربہ | ہر مرض میں نفع دیتا ہے شریعت کا علاج
ہے اگر پیشِ نظر قومی ترقی کا خیال | ہم کو کرنا چاہیئے اپنی جہالت کا علاج
کام کرنا چاہیئے، ہاں کام کرنا چاہیئے | صرف رونے سے نہیں ہوتا ہے نکبت کا علاج
کیجئے ہرگز نہ سنیئے دوسروں کا تذکرہ | سب سے بہتر ہے یہی بہتان و غیبت کا علاج
چھوڑیئے کفار کے سارے طریقے چھوڑیئے | کیجئے قرآن سے امراضِ امت کا علاج
مولوی صاحب یہ شاگردوں سے فرماتے تھے کل | ہم کیا کرتے ہیں قمچی سے شرارت کا علاج

صورت کا نہیں حقیقت کا اعتبار ہے

اہل ظاہر تو ظاہری بناؤ سنگار پر ہی توجہ دیتے ہیں۔ لیکن
اہل باطن ظاہر کا زیادہ اہتمام نہیں فرماتے بلکہ باطن کو اپنی توجہ کا مرکز بناتے ہیں۔
حدیث میں بھی ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا ینظرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ الخ یعنی حق تعالےٰ شانہٗ
تمہاری صورتوں اور ظاہر پر نظر نہیں فرماتے نہ تمہاری دولت ومال کو دیکھتے ہیں
وہ تو تمہاری نیتوں اور اعمال پر نظر فرماتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حضرتِ والا رحم جیسا۔
صاحبِ باطن کس طرح ظاہر داری اور زیبائش ونمائش کی طرف متوجہ ہوسکتا ہے
آپ خدام کو بھی ہمیشہ باطن کو سنوارنے کی ترغیب دیتے تھے اور ظاہر کے اہتمام
کو زائد وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے۔ مولانا عبدالقیوم صاحب لکھتے ہیں کہ:
"بندہ اپنے مدرسہ کی مسجد کی تعمیر میں بہت مصروف ومشغول تھا۔ عریضہ
ارسالِ خدمت کیا تو اُس میں اپنی مصروفیت کا ذکر بھی تھا جواب میں تحریر

فرمایا کہ مسجد کی تعمیر کی دو قسمیں ہیں (۱) تعمیرِ ظاہر (۲) تعمیرِ باطن تعمیرِ ظاہر تو اینٹ گارے سے ہوتی ہے اور تعمیرِ باطن (اخلاص و) عبادت سے ہوتی ہے اور ثانی اوّل سے بہتر ہے " بلکہ تعمیرِ ظاہر بلا تعمیرِ باطن کچھ زیادہ وقیع و سود مند نہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں یہ دعا بھی منقول ہے اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ سَرِیْرَتِیْ خَیْرًا مِنْ عَلَانِیَتِیْ وَاجْعَلْ عَلَانِیَتِیْ صَالِحَۃً۔ یعنی اے اللہ میرے باطن کو میرے ظاہر سے بہتر بنا دیجئے اور میرے ظاہر کو بھی اچھا فرما دیجئے مطلب یہ ہوا کہ باطن مقصود ہے اس کیطرف زیادہ متوجہ ہونا چاہیئے اور ظاہر بھی غیر مقصود نہیں وہ بھی ٹھیک اور شریعت کے مطابق ہونا چاہیئے۔ لیکن باطن ظاہر سے اہم اور زائد قابلِ التفات ہے۔

دلجوئی اور حوصلہ افزائی

حضرت والا رح کی ایک خاص ادا یہ تھی کہ ہر فرد بشر (مسلم و غیر مسلم) کی دلجوئی، حوصلہ افزائی اور تسلی فرماتے تھے۔ خصوصًا احباب و متعلقین اور تلامذہ و خدام کی بہت ہی زیادہ حوصلہ افزائی، قدر دانی اور دلجوئی فرماتے تھے اور اپنے متعلقین کو بھی وقتاً فوقتاً اس کی تاکید فرماتے رہتے تھے اور اس موقعہ پر آپ عمومًا یہ مشہور شعر پڑھتے تھے ؎ دل بدست آور کہ حج اکبر است ✦ از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است۔

(دلجوئی کرو کیونکہ یہ بہت بڑے حج کا ثواب رکھتا ہے۔ ہزاروں کعبوں سے ایک دل بہتر ہے)

بندہ حاضرِ خدمت ہوتا تو بہت ہی اظہارِ مسرت فرماتے اور مصافحہ کے بعد بار بار ارشاد فرماتے کَثَّرَ اللّٰہُ اَمْثَالَکُمْ (اللہ تعالےٰ تم جیسے امت میں بہت سے لوگ پیدا فرمائے) بندہ نے ایکدن عرض کیا کہ حضرت اگر مجھ جیسے بہت سے لوگ ہو گئے تو کیا فائدہ ہو گا۔ آپ تو میرے لئے علم و عمل، ترقی و برکت یا مغفرت اور اصلاح کی دعا فرمایا کریں تو اس میں میرا فائدہ ہے۔ حضرت والا رح نے مسکراتے ہوئے ذرا زور سے ارشاد فرمایا " بیٹا! اس بات کو آپ نہیں جانتے ہم جانتے ہیں "۔ اس پر میں خاموش ہو گیا۔ ایک مرتبہ مولانا زکریا اسعدی مدیر ہنبائک میرٹھ کے سفر سے واپس ہوئے تو حضرت والا رح کی خدمت میں زیارت و ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ حضرت والا رح نے اظہارِ مسرت فرماتے ہوئے فورًا یہ شعر سنایا

؎ آج میرٹھ سے جناب نہ کیا آئے — یا علاج غم فرقت کو مسیحا آئے

حضرت والا رحمہ بعض باذوق خدام کو ان کی دلجوئی و مسرت کے لئے منظوم مکتوب ارسال فرماتے تھے، چنانچہ ایک صاحب کو منظوم خط لکھا جسمیں بہت دعاؤں وغیرہ کے بعد لکھا تھا ؎

لکھ دیا میں نے نظم میں نامہ — کہ ہو مسرور خاطر عاطر
مجھ کو عادت نہیں تعلّی کی — ورنہ لکھتا ضرور میں ظاہر
کس نے دیکھا ہے اس زمانے میں — مجھ سا رنگین و خوش بیاں شاعر

ایک اور منظوم گرامی نامہ کا آخری شعر ہے ؎

یہ خط لکھا ہے اسعد نے جو منظوم — مسرت ہے تمہاری اس سے مقصود

دعوت میں شرکت

حضرت والا رحمہ کی قلبی توجہات اور دعاؤں کی برکات سے حق تعالیٰ شانہٗ نے بندہ کو دورہ حدیث شریف کے تینوں امتحانات (سہ ماہی ششماہی اور سالانہ) میں نمایاں کامیابی عطا فرمائی جامعہ مظاہر علوم کا معمول تھا کہ دورۂ حدیث شریف میں جس کے نمبرات پوری جماعت میں سب سے زائد ہوتے اسکو کتابوں کے علاوہ مبلغ دس۱۰ روپے بطور انعام دیئے جاتے اور جو طالب علم پورے مدرسہ میں اول نمبر آتا اس کو مبلغ پانچ روپے انعام کے دیئے جاتے بفضلہ تعالیٰ بندہ کو دورۂ حدیث کے سالانہ امتحان میں نمایاں کامیابی پر دونوں قسم کے انعامات ملے اس خوشی میں بندہ نے حضرات اساتذۂ کرام اور ملازمین جامعہ مظاہر علوم کی ناشتہ (چائے مٹھائی) کی دعوت کی۔ جسمیں الحمد للہ جملہ اساتذہ نے بندہ کی دلجوئی فرمائی اور سب ہی حضرات نے میری حقیر دعوت قبول کی حضرات شیخین حجۃ الاسلام و قطب عالم رحمہم اللہ بھی حقیر کی دعوت پر تشریف لائے۔ یہ دونوں حضرات کسی طالب علم کی دعوت نہیں کھاتے تھے مگر ان حضرات کی انتہائی شفقت اس کمترین پر رہتی تھی۔ اس لئے حضرت قطب عالم رحمہ اپنے اس وقت میں مدرسۂ قدیم تشریف لے آئے جو ان کے تصنیف و تالیف کا وقت تھا۔ جس کو وہ کبھی کسی قیمت پر قربان نہیں فرماتے تھے اور حضرت حجۃ الاسلام رحمہ نے خلاف عادت راقم السطور کو اپنی عنایات سے

مالا مال کیا۔ اور یا حضرتنا دل فرما کر اس غریب کی دلجوئی اور عزت افزائی فرمائی حق تعالیٰ شانہٗ میرے ان دونوں آقاؤں کو اپنی شایان شان ہمیشہ اچھے خیر عطا فرمائے اور بے انتہا درجات عالیہ سے مالا مال فرمائے اور انکی نسلوں کو حق تعالیٰ شانہٗ ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین

زبانِ خلق کو

راقم السطور کو حضرات اساتذہ کرام کی برکت سے تبلیغی اجتماعات میں شرکت کا شوق بچپن ہی سے رہا ہے۔ اپنی کم سنی میں جب شرح جامی وغیرہ کتابیں پڑھتا تھا شب جمعہ میں جامع مسجد سہارنپور کے ہفتہ واری تبلیغی اجتماع میں شرکت کرتا تھا۔ اور اکثر جمعرات کے اس اجتماع میں بیان بھی کرتا تھا۔ کچھ دنوں بعد بعض اساتذہ کے حکم سے محلہ نجاران کی ایک مسجد میں شب چہارشنبہ میں محلہ کے تبلیغی اجتماع میں ہفتہ وار تقریر کرنیکا نظام طے ہوگیا۔ عشاء کی نماز سے آدھا گھنٹہ پہلے اس محلہ کے کوئی صاحب آتے اور رکشہ سے مجھے لیجاتے۔ نماز بعد تقریر ہوتی اور تقریر کے بعد فوراً واپس ہوکر تکرار و مطالعہ میں لگ جاتا۔ یہ سلسلہ کافی عرصہ تک جاری رہا۔ پھر شہر کے جلسوں میں بھی مقرر کی حیثیت سے دعوت دی جانے لگی۔ اساتذہ کی تقریروں کا پروگرام ہوتا اور اس خادم کو بھی یہ حضرات از راہ کرم اپنے ساتھ میں نتھی فرما لیتے تھے۔ مختصر المعانی کا سال تھا کہ ایک جلسہ میں حضرات اساتذہ کے ساتھ شرکت اور تقریر طے ہوگئی۔ شہر میں اعلان ہوا تو دیگر حضرات کیساتھ راقم کے نام کا بھی اسی انداز میں القاب و آداب اور والا مولانا لگاکر اعلان ہوا۔ عموماً جلسوں کو کامیاب کرنیوالی مخلوق طلبہ کی جماعت ہوتی ہے اس لئے مدارس کے سامنے بڑے اہتمام سے اعلان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا دارالطلبہ کے سامنے اعلانچی نے جم کر یہ بار اعلان کیا تو طلبہ نے مجھے گھیر لیا، خوب مذاق اڑانا اور مٹھائی کا مطالبہ کرنا شروع کردیا ان کے اس رویہ سے میں پریشان ہوگیا اور دوڑ کر حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے کمرہ میں جاکر بیٹھ گیا۔ فرمایا کیسے؟ میں نے عرض کیا حضرت! میں حضرات اساتذہ کے حکم سے جلسوں میں چلا جاتا ہوں اور انھیں کے حکم سے الٹا سیدھا بول لیتا ہوں۔ اب تو یہ لوگ میرا باقاعدہ علماء کے ساتھ اعلان کرنے لگے ہیں جس کی وجہ سے طلبہ مجھے بہت پریشان

کر رہے ہیں۔ اگر اعلان نہ کیا جایا کرے تو یہ پریشانی نہ ہو حضرت والا رح مسکرائے اور فرمایا پریشان نہ ہوں ع زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو ؎

زبانِ خلق کا یوں تو کچھ اعتبار نہیں ۔۔۔ زبانِ خلق ہی نقارۂ خدا بھی ہے

حضرت والا رح نے خوب دلجوئی و ہمت افزائی فرمائی اور بیحد خوشی کا اظہار فرمایا۔ میں ۶۷ء ۱۳۸۶ھ میں دورۂ حدیث شریف سے فارغ ہو کر رمضان المبارک میں حضرت شیخ کی خدمت میں مقیم رہا قصبہ بہٹ کے حضرات نے جامعہ مظاہر علوم میں درخواست کی کہ جمعۃ الوداع میں کسی مقرر کو جامع مسجد بہٹ کیلئے بھیجدیں حضرات اساتذہ نے میرا نام پیش کیا اور حضرت والا رح کا حکم صادر ہو گیا تو بہٹ جانا پڑا اور جمعہ میں جامع مسجد بہٹ میں تقریر ہوئی۔ شام کو واپسی پر حضرت والا رح بھی بہت مسرور ہوئے اور حضرت شیخ نے بھی بہت پیار کیا اور فرمایا " لیے تو بھی کچھ ہے " اور انعام بھی عطا فرمایا۔ اب ان حضرات کی عنایتیں اور شفقتیں یاد آتی ہیں اور دل غمگین و مضطر کے غموں کو تازہ کرتی رہتی ہے ؎

ہجر کے داغوں کی دل میں بزم آرائی نہ پوچھ ۔۔۔ کسطرح رہتا ہے یہ انکا شیدائی نہ پوچھ

اضطرابِ دردِ دل کی کارفرمائی نہ پوچھ ۔۔۔ شدتِ رنج والم افزائے تنہائی نہ پوچھ

تم بہادر ہو یا بے بہادر

حضرت والا رح نے ایکدن ارشاد فرمایا کہ میں نے فلاں کتاب میں دیکھا ہے (اس کتاب کا نام اسوقت راقم کو یاد نہیں ہے) کہ جس کی آواز بھاری اور موٹی ہوتی ہے (اور یہ صفت راقم میں ہے) وہ آدمی بہادر ہوتا ہے حضرت والا رح ایکدن مدرسہ سے فارغ ہو کر اپنے کمرہ میں تشریف لے جارہے تھے راستہ میں ملاقات ہو گئی میں نے سلام عرض کیا آپ نے سلام کا جواب دیتے ہوئے مسکرا کر فرمایا "بیٹا! تم بہادر ہو یا بے بہادر" بندہ نے عرض کیا کہ " انشاء اللہ میں بہادر بھی ہوں اور بے بہادر بھی" اس جواب پر حضرت والا رح بہت مسرور ہوئے .... حضرت والا رح باوصفِ تقدس واتقاء خوش طبع و خوش مزاج بھی تھے آپ اپنے خدام کو خوش رکھتے اور اسی خوش طبعی میں انکو علمی افادات اور پند ونصائح سے نوازتے رہتے تھے۔ آپکا یہ امتیازی وصف نظم و نثر اور گفتگو میں ظاہر ہوتا تھا۔ آپکی مجلس بہت ہی سنجیدہ و پرکیف ہوتی تھی۔ اور آپکی رواں دواں پُرلطافت طبیعت اور برجستہ سخن و نغز گو مزاج سے مجلس مبارک سے طبیعت اکتاتی نہ تھی۔ آپ مخلص احباب سے ملاقات کیوقت عام طور پر فرماتے تھے ؎ بہت دل خوش ہوا حالی سے مل کر ؛ ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں ـــ یہ شعر خود حضرت والا رح کی ذات گرامی پر بہت چسپاں ہوتا تھا اور ہر ملاقاتی کے قلب کی جو کیفیت آپ سے مل کر ہوتی اس شعر میں اسی کی

عبادات

(فرائض اور نوافل کا اہتمام)

نماز کا اہتمام

آغوش مادری میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے نماز اس کے احکام و آداب اور شرائط و مستحبات کی تعلیم حاصل کر کے تعمیل شروع فرمادی تھی۔ آپ نے بہت ہی کم سنی سے نماز کی پابندی شروع فرمادی تھی، پھر جوں جوں سن اور شعور بڑھتا رہا نماز کے اہتمام میں اضافہ اور اس کے ذوق و شوق و انہماک میں ترقی ہوتی رہی اور آپکو نماز کے ساتھ وہ تعلق و وابستگی نصیب ہو گئی جس کو لفظ ”عشق“ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ آپ کو نماز سے راحت و مسرت حاصل ہوتی تھی۔ نماز پڑھ کر آپ کو وہ راحت و مسرت حاصل ہوتی جس کے آثار چہرۂ انور سے نمایاں ہوتے تھے اور اَرِحْنِی یَا بِلَالُ (اے بلال نماز قائم کر کے ہمیں راحت پہنچاؤ) اور قُرَّۃُ عَیْنِی فِی الصَّلٰوۃِ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا اور آپکی ذات عالی میں اس حقیقت کا مشاہدہ ہو جاتا تھا۔ گویا نماز آپکی جان اور زندگی تھی حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ؎

کیوں نہ ہوں ہم نماز کے پابند　　عشق ہے مذہب و شریعت سے

اس شعر میں آپ نے لَا سَہْمَ فِی الْاِسْلَامِ لِمَنْ لَا صَلٰوۃَ لَہٗ (اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں جو نماز نہیں پڑھتا) کے مفہوم کو سمویا ہے۔

نماز ترقیات کی ضامن ہے

بارگاہِ حق میں سراپا عاجزی و نیاز بن جانا ہی نماز کی روح اور حقیقت ہے اور یہ تمام معرفت حق، عشق کامل، کمال خشوع و خضوع اور اخلاص تام کے بغیر میسر نہیں آسکتا، جملہ آداب و شرائط کیساتھ امور مذکورہ سے نماز میں کمال پیدا ہوتا ہے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ کامل نماز ہی ظاہری و باطنی ترقیات کی ضامن ہے اور سالک بھی نماز ہی کے ذریعہ باطنی منازل و روحانی مدارج میں ترقی کر سکتا ہے، حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے زبانِ شعر میں اس حقیقت کو اس طرح بیان فرمایا ہے ؎

اثر عزر تباہ کن ہے ترے سجود نیاز میں　　خلل عظیم ہے رونما شرف قبول نماز میں

ترے حال میں ہوں ترقیاں ترے خلق میں ہوں بلندیاں ٭ تری روح سجدہ کرے اگر بخلوص دل نماز میں

ان اشعار میں بھی ایک حدیث پاک کے مفہوم کو باندھا گیا ہے اور وہ ہے اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ الفاظ کے اعتبار سے محدثین کے نزدیک خواہ یہ حدیث کسی درجہ کی بھی ہو۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ اس کا مفہوم صحیح روایات سے مؤید ہے۔ اور اس حدیث کے مضمون کا خلاصہ یہی ہے کہ مومنوں کو روحانی ترقیات کے بام عروج پر اگر کوئی چیز پہنچا سکتی ہے تو وہ نماز ہے۔

نماز میں آپ کا بلند مقام

آپ کو حق تعالیٰ نے نماز میں کیا درجہ اور کونسا مقام بلند عطا فرمایا تھا یہ تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے یا صاحب مقام کو لیکن جس کا اندازہ خدام و متوسلین اور اہل بصیرت کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس مقام بلند کا نمازی اگر نایاب نہیں تو بہت ہی نادرالوجود اور کمیاب ضرور ہے۔

حضرت والا رحؒ کے بعض اشعار میں بھی اس حقیقت کی جانب اشارات ملتے ہیں مثلاً ؎

یہ کرامتیں ہیں کھلی ہوئی ترے حسن عشق نواز میں ٭ کہ نہاں ہیں کیف کی جنتیں مرے دل کے سوز و گداز میں

اثر حسین و جمیل ہے، کشش عجیب و غریب ہے ٭ مرے عشق حسن فروز میں ترے حسن عشق نواز میں

کوئی وقف رقص و سرور ہے، کوئی محو وجد و وجود ہے ٭ ترے ناز کا بھی ہے تذکرہ، مری داستان نیاز میں

مرے دل میں جلوۂ نور ہے، مری روح محو سرور ہے ٭ کوئی نازنین ہے سامنے، مزے آرہے ہیں نماز میں

یہ نگاہِ حضرت تھانویؒ کا اثر ہے اسعد بے نوا
نظر آرہی ہیں حقیقتیں مجھے اس جہان مجاز میں

نماز کی صحت کا اہتمام

نماز سے عشق اور لگن کا اثر تھا کہ حضرت والا رحؒ کو نماز کی صحت و درستگی کا زبردست اہتمام تھا۔ ہم سے کوتاہ فہموں اور حقیقت ناآشنا لوگوں کو یہ شبہ ہونے لگتا تھا کہ کہیں یہ احتیاط و اہتمام وہم کی حد میں تو داخل نہیں ہو گئے۔ اسی احتیاط و اہتمام کی وجہ سے ہر کس و ناکس کی امامت کو پسند نہ فرماتے تھے۔ جو شخص قرآن مقدس کو تجوید سے پڑھتا ہو اور جملہ قواعد کی پوری پوری رعایت نہ رکھتا ہو۔ حتیٰ کہ وہ وقف بھی بے محل نہ کرتا ہو ایسے شخص کو امام

بناتے تھے۔ اور اس کے پیچھے نماز پڑھ کر اطمینان محسوس فرماتے تھے۔ اسی لئے ہر شخص کی جرأت و مجال کبھی نہ ہوتی تھی کہ حضرتِ والا رح کے سامنے نماز پڑھا سکے۔ حضرتِ والا رح قرأت کی ادنیٰ سے ادنیٰ غلطیوں پر متنبہ فرماتے تھے۔ اوقاف کی غلطیوں پر لوٹ دیتے تھے۔ غیر مجود کے پیچھے نماز پڑھنا گوارا نہ فرماتے تھے۔ حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی نے سنایا (جو حضرت والا رح کے شاگرد بھی ہیں) کہ ایک مرتبہ مجھے تراویح کا امام بنالیا۔ میری عادت جلدی پڑھنے کی ہے۔ حضرت والا رح نے اس کو پسند نہ فرمایا اور میری امامت نہ چل سکی۔ حضرت قاری محمد ابراہیم صاحب رح استاذ تجوید جامعہ مظاہر علوم سہارن پور (جن کا حضرتِ والا رح سے چودہ دن پہلے انتقال ہوا) حضرتِ والا رح کو مسجد کلثومیہ میں تراویح پڑھاتے تھے۔ قرآن پاک بہت ہی کشادہ انداز پڑھتے تھے اور ماشاء اللہ آواز بھی عمدہ تھی۔ حضرتِ والا رح کو ان کا پڑھنا بہت پسند تھا۔ خود حضرتِ والا رح حافظ نہ تھے۔ مگر کثرتِ تلاوت کی وجہ سے آیاتِ قرآنیہ اور متشابہات و مناسباتِ قرآنیہ مستحضر تھیں اس لئے تراویح میں امام کو غلطیاں بتادیا کرتے تھے۔

کسی نماز میں اگر ذرا شبہ ہوجاتا طبیعت بے چین ہوجاتی۔ آپ اس قدر پریشان ہوجاتے کہ آپ کے رخِ انور سے بے چینی و پریشانی مشاہد ہوتی تھی۔ ایسی صورت میں نماز کا اعادہ کرایا جاتا تب اطمینان و مسرت کی کیفیت حاصل ہوتی تھی۔

۱۳۷۶ھ و ۱۳۷۷ھ میں حضرت والا رح نے مسجد کلثومیہ میں امامت کے لئے مجھے مامور فرمایا اور تقریباً دو سال تک بندہ ہی نماز پڑھاتا رہا۔ اس وقت راقم السطور بے ریش تھا۔ ایک دن حضرت والا رح نے فرمایا بیٹا تمہارا قرآن پاک پڑھنا مجھے بہت پسند ہے۔ لیکن شبہ یہ ہوتا ہے کہ تمہارے پیچھے نماز تو مکروہ نہیں ہوتی۔ کیوں کہ تم بے ریش ہو۔ میں نے عرض کیا میں تو حکم کا بندہ ہوں حضرت والا رح نے حکم فرمایا تو نماز پڑھاتا ہوں۔ منع فرمادیں گے تو نہ پڑھاؤں گا۔ حضرت نے فرمایا ”بیٹا تمہارا پڑھنا مجھے بہت پسند ہے۔ تمہارے پیچھے

نماز پڑھ کر قلب کو اطمینان حاصل ہو جاتا ہے، عموماً قرآن پاک پڑھنے والے قواعد تجوید کی رعایت نہیں رکھتے۔ وقف غلط کرتے ہیں اس سے طبیعت کو تکدر ہوتا ہے۔ اس کے بعد مادر علمی جامعہ مظاہر علوم میں جب تک میرا قیام رہا نماز پڑھاتا رہا۔ اور الحمد للہ تعالیٰ حضرت والا رح خوش رہے۔

جماعت کا اہتمام

حضرتِ والا رح اپنی کم سنی ہی سے نماز باجماعت کا اہتمام فرماتے تھے۔ اس اہتمام والتزام کو انہوں نے تادم واپسیں بنایا۔ مشاعروں کی شرکت وصدارت کے دور شباب میں آپ اذان ہوتے ہی مشاعرہ کو چھوڑ چھاڑ کر مسجد میں پہنچ جاتے اور مسلمان شعراء بھی آپ کے ساتھ مسجد میں چلے جاتے۔ اس طرح نماز کی ادائیگی تک مشاعرہ کی مجلس سرد پڑ جاتی تھی۔ حضرتِ والا رح کے اس عمل گرامی سے غیر مسلم حضرات بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے۔ اور وہ دل وجان سے حضرت والا رح کے معتقد وفدائی بن جاتے اور ان کی حضرت والا رح کی صحبت وبرکت سے بہت کچھ اصلاح ہو جاتی۔ سفر، مرض اور بڑھاپے میں بھی جماعت کا بے مثال اہتمام والتزام فرمایا۔ آنکھوں کا آپریشن دہلی ہوا تو جماعت نہ چھوٹی۔ سیتاپور ہسپتال میں آنکھوں سے پٹی بندھی ہوئی ہوتی اور اسی حال میں ہسپتال سے دور مسجد میں نماز باجماعت ادا فرماتے۔ مولانا محمد اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ:

"ہسپتال سے بہت دور مسجد تھی۔ پانچوں وقت جماعت سے نماز ادا کرنے کیلئے حضرت باہمہ معذوری چشم مسجد تشریف لے جاتے اس مسجد میں کچہری کے ملازم اور وکلاء نماز پڑھتے تھے وہ سب لوگ حضرت والا رح سے پوچھتے کہ حضرت آپ کہاں سے آئے ہیں اور کون ہیں تو حضرت جواب دیتے ہیں سہارنپور سے آیا ہوں اور ایک طالب علم ہوں۔ اس جواب کو سن کر سب خاموش ہو جاتے۔ مگر جماعت اور نماز کے ایسے اہتمام کو دیکھ کر جو انہوں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ بالخصوص جب کہ معذوری کی حالت تھی اور ہسپتال سے مسجد کافی دور تھی۔ وہ سب حضرات متاثر ومتعجب تھے۔ لیکن سیتاپور میں قطعاً اجنبیت

تھی۔ کیپٹن عبدالسلام صاحب کے علاوہ کسی سے تعارف نہ تھا جن کی کوشش سے
ہسپتال میں داخلہ ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے طبیعت میں قدرے انتشار تھا کہ اگر
یہاں روپے کی ضرورت پیش آئی تو انتظام کیسے ہوگا۔ کیونکہ روپیہ مولانا علی میاں
صاحب کے پاس لکھنؤ میں امانت تھا۔ اس لئے مجھ کو لکھنؤ بھیجا کہ امانت لے
آؤں۔ لکھنؤ سے واپسی پر دیکھا کہ حضرت والاؒ کے پاس بہت بھیڑ بھاڑ ہے۔
معلوم ہوا کہ یہ سب لوگ حضرت والاؒ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ مجھے
تعجب تھا کہ ایک رات اور آدھے دن میں یہ انقلاب کیسے ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ
حضرت والاؒ اپنے دستور کے مطابق نماز کے لئے مسجد تشریف لے گئے تھے
وہاں پر ایک سیدھے سادے بزرگ مولانا عنایت اللہ صاحب رحؒ نے نماز پڑھائی
اور نماز کے بعد حضرت والاؒ سے تعارف حاصل کرنا چاہا۔ جب دوران گفتگو
ان کو اس کا علم ہوا کہ حضرت والاؒ کا خاندانی ونسبی تعلق فقیہہ دوراں حضرت
علامہ مولانا قاضی مفتی محمد سعداللہ صاحبؒ سے ہے۔ اور اتفاق سے اس خاندان
سے مولانا عنایت اللہ صاحب کا تلمذ کا تعلق تھا۔ اور انھیں جب یہ بھی معلوم
ہوا کہ حضرت والاؒ کا بیعت کا تعلق حضرت تھانوی رحؒ سے ہے۔ تو انہوں نے
حضرت والاؒ سے تو کچھ نہیں کہا۔ لیکن ڈپٹی اکرام الدین صاحب سے جو
سیتاپور میں ڈپٹی کلکٹر تھے اور عربی میں مولانا عنایت اللہ صاحب کے شاگرد
تھے کہا آپ کے یہاں ایسی خوصیات کا شخص آیا ہوا ہے اور وہ پریشان
ہے تو ڈپٹی صاحب فوراً ہسپتال آئے۔ اور ہسپتال کے انچارج ڈاکٹر
ہینش پرشاد سے کہہ کر پرائیوٹ وارڈ کے کمرہ ۵ میں نظم کرا لیا۔ ڈپٹی
صاحب ڈاکٹر صاحب کے کلاس فیلو بھی تھے۔ اور ڈپٹی صاحب نے آٹھ ہزار
روپے کا چندہ بھی ہسپتال کے لئے کرایا تھا۔ پھر تو حضرت والاؒ کی شہرت
ہوتی چلی گئی۔ پھر حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھول پوری بھی اپنے مریدوں
میں سیتاپور تشریف لے آئے تو ان کی وجہ سے شہرت اور بھی بڑھتی چلی
گئی۔ اس کے بعد حضرت تھانوی رحؒ کے مرید باصفا ماسٹر ایوب حسن صاحب

جو قاضی پاڑہ سیتاپور ہسپتال میں رہتے تھے آ گئے غرض تقریباً تمام مسلمانان سیتاپور سے تعارف ہو گیا"

اور نماز باجماعت کے اہتمام والتزام کی برکت سے سب پریشانیاں دور ہو گئیں۔ اور راحت و آرام کے دروازے کھل گئے۔ حضرت والا رح کے متعدد آپریشن ہوئے ہیں۔ سب ہی میں نماز باجماعت کا اہتمام جاری رہا۔ اگر مسجد نہ جا سکے تو ہسپتال ہی میں جماعت ہوئی اور حضرت نے اپنے پلنگ پر نماز باجماعت ادا کی۔

اخیر عمر میں مرض وضعف پیری کے وقت ایک مدت تک معمول رہا کہ خادم آپ کو گود میں اٹھا کر صف اوّل بٹھلا دیتے اور آپ بیٹھے بیٹھے نوافل و ذکر میں مصروف رہتے۔ جب جماعت کھڑی ہوتی تو آپ کو پکڑ کر صف میں کھڑا کر دیا جاتا اور سلام پھیرنے تک قیام، رکوع، سجود اور قعود وغیرہ تمام ارکان نماز اس طرح ادا فرماتے کہ کسی ضعف و کمزوری کا دیکھنے والوں کو احساس تک بھی نہ ہوتا اور سلام پھیرنے کے بعد وہ طاقت نہ معلوم کہاں چلی جاتی اور آپ کو پھر گود میں اٹھا کر لایا جاتا یہ سلسلہ کئی سال تک جاری رہا۔ اس واقعہ کو کرامتوں کے ذیل میں بیان کر دیا گیا ہے۔

پھر جب بہت ہی ضعف ہو گیا تو کمرہ ہی میں چند خدام جماعت کرتے۔ اور حضرت والا رح اپنے پلنگ پر بیٹھے بیٹھے رکوع و سجود سے نماز باجماعت ادا فرماتے۔ الحاصل اپنے ہوش و حواس میں آپ نے کبھی جماعت ترک نہیں فرمائی۔ اور سفر و مرض، کمزوری و معذوری وغیرہ کسی عارضہ کو آپ نے عذر نہیں گردانا۔ حضرت والا رح نے رخصت کو چھوڑ کر ہمیشہ عزیمت کو اپنایا اور ہر عمل پر اپنی استطاعت و طاقت کے بقدر پابندی سے نباہا ہے۔ ان خصوصیات کی شخصیت حضرت والا رح کے علاوہ ہماری ان نگاہوں نے نہیں دیکھی۔

صف اوّل و تکبیر اولیٰ کا التزام

حضرت والا رح سفر و حضر، صحت و مرض ہر حال میں اپنے معمولات

کی مکمل پابندی و اہتمام فرماتے تھے، سفر میں بھی آپ کی جمعیت خاطر میں فرق نہیں آتا تھا۔ اور ہر حال میں نماز باجماعت کا بھی اس طرح مکمل اہتمام جاری رہتا کہ اس میں کبھی تخلف نہ ہوتا تھا۔ پھر نماز باجماعت کے ساتھ ساتھ تکبیر اولیٰ اور صف اوّل کا التزام بھی مستقل تھا۔ آپ ہمیشہ صف اوّل میں خصوصًا امام کے پیچھے کھڑے ہوتے اور جماعت کھڑی ہونے سے پہلے ہی وہاں تشریف فرما ہو کر جماعت کا انتظار فرماتے تھے۔ جماعت و تکبیر اولیٰ کے ایسے اہتمام کے بارے میں دور حاضر میں نہ کوئی مثال ہمارے سامنے ہے نہ ماضی قریب میں بلکہ بلا مبالغہ صحابۂ کرام رضی کے بعد خیر القرون میں بھی ایسی مثالیں کم ہیں۔ اخیر زمانہ میں البتہ حضرت حاجی عابد حسین صاحبؒ بانی دار العلوم دیوبند کے متعلق سنا اور پڑھا ہے کہ انہوں نے مسلسل اٹھائیس ۲۸ برس تک جماعت کا اس قدر اہتمام و التزام فرمایا کہ اس عرصہ میں کبھی ان کی تکبیر اولیٰ بھی جماعت سے فوت نہیں ہوئی۔ لیکن حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندوی مجاز بیعت حضرت حجۃ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ "حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے مکمل اڑتالیس ۴۸ سال نماز باجماعت کا اس طرح اہتمام فرمایا ہے کہ ان کی جماعت سے تکبیر اولیٰ بھی کبھی فوت نہیں ہوئی" اور یوں تو نماز باجماعت کے اہتمام میں ان کی پوری زندگی ہی گذری ہے

؎ کیوں نہ ہوں ہم نماز کے پابند — عشق ہے مذہب و شریعت کا

واقعہ یہی ہے کہ عشق کے بغیر اتنا بڑا مجاہدہ اور اتنی زبردست استقامت ممکن نہیں ہے۔ عشق و محبت ہی کی اتنی عظیم طاقت اور زبردست برکت ہے کہ ایسے عظیم مجاہدوں اور مشقتوں کی تلخیاں، حلاوتوں اور لذتوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں

؎ الفت میں برابر ہے وفا ہو کہ جفا ہو — ہر چیز میں لذت ہے اگر دل میں مزہ ہو

عقل ہے معلیٰ نگر عقل سے کرنہ ساز باز — دل جو کہے وہ کر گزر عشق نہیں بہانہ باز

تاکید و ترغیب آپ جس طرح نماز باجماعت و تکبیر اولیٰ اور صف اوّل کا اہتمام و التزام فرماتے طلبۂ کرام کو بھی تاکید فرماتے تھے کہ وہ اس بات کی کوشش کریں کہ صف اوّل میں کھڑے ہوں اور جماعت و تکبیر اولیٰ کا خاص۔

اہتمام کریں۔ حضرت والاؒ کی ترغیب و توجہ سے بہت سے طلبۂ و خدام میں ان اعمال کی حرص و اہمیت پیدا ہو جاتی۔ اور وہ ایسی مسابقت کرتے کہ ذرا سی تاخیر سے صفِ اوّل میں جگہ نہ مل پاتی۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ اوّل خود تعمیل فرماتے پھر دوسروں کو ترغیب دیتے اور کسی عمل کی تحریص و ترغیب اور پند و نصیحت کرتے ہوئے احادیث و اشعار پڑھتے تھے، صفِ اوّل کی ترغیب میں حضرت ابوہریرہ رضؓ کی مرفوع روایت کا یہ جملہ ارشاد فرماتے خَیْرُ صُفُوْفِ الرِّجَالِ اَوَّلُهَا (مردوں کی سب سے اچھی صف اگلی صف ہوتی ہے) (مشکوٰۃ ص۹۸ بحوالۂ مسلم) کبھی کبھی اسپر تفصیلی گفتگو فرماتے تو دوسری احادیث بھی ذکر فرماتے مثلاً حضرت ابو امامہ رضؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّونَ عَلَی الصَّفِّ الْاَوَّلِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَعَلَی الثَّانِیْ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّونَ عَلَی الصَّفِّ الْاَوَّلِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَعَلَی الثَّانِیْ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّونَ عَلَی الصَّفِّ الْاَوَّلِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَعَلَی الثَّانِیْ قَالَ وَعَلَی الثَّانِیْ۔ اَلْحدیث (مشکوٰۃ ص۹۹ بحوالہٗ احمد)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں اول صف پر۔ صحابہ رضؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اور ثانی پر آپ نے ارشاد فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں صفِ اول پر صحابہ رضؓ نے دوسری بار عرض کیا یا رسول اللہ اور ثانی پر۔ ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں صفِ اول

پر۔ صحابہ رضؓ نے تیسری بار، پوچھا یا رسول اللہ اور صفِ ثانی پر آپ نے فرمایا اور صفِ ثانی پر بھی۔

اور کسی دن زیادہ تاکید فرماتے تو حضرت عائشہ رضؓ کی یہ مرفوع حدیث بھی بیان فرماتے تھے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَزَالُ قَوْمٌ یَتَاَخَّرُوْنَ عَنِ الصَّفِّ الْاَوَّلِ حَتّٰی یُؤَخِّرَھُمُ اللّٰہُ فِی النَّارِ (رواہ ابوداؤد)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہمیشہ لوگ صفِ اوّل سے پیچھے ہٹتے رہیں گے یہاں تک کہ حق تعالیٰ انکو پیچھے ہٹا کر جہنم رسید کر دے گا

حضرت والا رح حدیث پاک بیان فرماتے وقت عموماً بہت والہانہ انداز میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

إِذَا قَالَ الرَّسُوْلُ فَصَدِّقُوْهُ فَإِنَّ الْقَوْلَ مَا قَالَ الرَّسُوْلُ

(جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کچھ ارشاد فرمائیں تو اس کی تصدیق کرو اس لئے کہ بات تو وہی ہے جو آپ ارشاد فرمائیں ۔)

آپنے اسی مفہوم کو اپنے ایک شعر میں اس طرح ادا فرمایا ہے ؎

وہ بات ٹھیک ہے شہ بطحا سے جو سنو وہ قول راست ہے شہ بطحا کہیں جسے

لڈوؤں کا قصہ

حضرت والا رح کی توجہ وعنایت کی برکت سے بفضلہ تعالیٰ ہم لوگوں کو صف اوّل اور جماعت وتکبیر اولیٰ کا شوق ہوگیا تھا ۔ لیکن جب کہ صف اول کے راغبین بہت تھے تو جہاں ذراسی تاخیر یا معمولی غفلت ہوئی اور صف اوّل کا موقع ہاتھ سے جاتا رہا ۔ اس دور میں صف اوّل کا حال یہ تھا کہ ؎

یہ بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی جو بڑھکر ہاتھ میں لے لے تو پیمانہ اسی کا ہے

ایک دن بڑے بڑے دو ٹوکرے لڈوؤں سے بھرے ہوئے عصر کی نماز کے وقت مسجد کلثومیہ دار الطلبہ قدیم میں آگئے ۔ جو بعد نماز عصر طلبہ پر تقسیم ہونے تھے ۔ چنانچہ نماز کے بعد حضرت والا رح نے حکم دیا کہ لڈو تقسیم کر دیئے جائیں ۔ جو لوگ صف اوّل میں ہیں ان کو دو دو دیئے جائیں اور بقیہ تمام حضرات کو ایک ایک دیا جائے ۔ اتفاق سے اس دن راقم الحروف کو صف اول میں جگہ نہ مل سکی تھی اور دوسری صف میں تھا (اس دور میں امامت کا سلسلہ بھی شروع نہ ہوا تھا) تو ایک ہی لڈو ملا ۔ جب حضرت والا رح مسجد سے واپس ہوئے تو حضرت نے دریافت فرمایا ۔ کے لڈو ملے ؟ عرض کیا حضرت آج تو دوہرا خسارہ ہوگیا ۔ لڈو بھی ایک ہی ملا اور ثواب بھی کم ۔ کیوں کہ آج صف اوّل میں جگہ نہ مل سکی ۔ حضرت والا رح مسکرائے اور ارشاد یہ فرمایا ذالک

فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔

حضرت والارحؒ نیکی اور تعلیم و تعمیل میں محنت و مسابقت کرنے والوں سے بہت ہی محبت فرماتے تھے اور ان کے احوال کا تفقد فرماتے اور بسا اوقات خاموشی سے اعانت بھی فرماتے تھے۔

معذوری میں بھی اہتمام

بہت سے لوگ بعض چیزوں کا اہتمام والتزام کرتے ہیں لیکن عذر پیش آجانے پر ہمت ہار جاتے ہیں۔ لیکن وہ ذاتِ عالی ہمت کیسے ہار جاتی جو دوسروں کو ہمیشہ ہمت و استقامت کی ترغیب و تحریص کرتی ہو اور جس کے دل کی آواز۔ اور زبان کا بول یہ ہو کہ ؎

ہمت بلند دار کہ نزد خدا و خلق باشد بقدرِ ہمتِ تو اعتبارِ تو

حضرت والارحؒ کے خادم و مجاز مولانا عبدالقیوم صاحب لکھتے ہیں کہ:

"حضرت والارحؒ کے دانتوں میں پائریا کا مرض ہو گیا تھا جس سے بڑی تکلیف اٹھائی دانتوں سے اکثر خون جاری ہو جاتا تھا۔ اس لئے وضو کرنے میں دانتوں کو صاف کرنے کے لئے منجن استعمال فرماتے۔ ٹھنڈے اور نمکین پانی سے دیر تک کلی کرتے۔ اس لئے وضو کرنے میں بڑا وقت لگ جاتا تھا۔ اور مشکل یہ تھی کہ اگر نماز سے بہت پہلے وضو سے فارغ ہو جاتے تو اس کا قوی اندیشہ تھا کہ پھر خون جاری ہو جائے گا۔ اس لئے وقتِ مقرر ہی پر وضو فرماتے باوجودیکہ تکمیل وضو میں کافی وقت لگ جاتا۔ لیکن ان اعذار کے باوجود ہمیشہ صف اول و تکبیر اولیٰ بلکہ صفِ اول میں بھی سب سے افضل جگہ امام کے بالکل پیچھے نماز ادا فرماتے مدرسہ میں تو خیر کسی قدر سہولت بھی تھی مگر جب کوئی سفر درپیش ہوتا یا جامع مسجد تشریف لے جاتے تو بڑی مشکل پیش آتی لیکن اس کے باوجود سفر و حضر میں کبھی آپ کی جماعت و تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ سفر اور بیماری کی حالت میں بھی ایسے اسباب مہیا فرما دیتے تھے۔ کہ اس حالت میں بھی آپ نماز با جماعت ادا فرماتے رہے (وَفِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ (حرص کرنے والوں کو اس میں حرص کرنی چاہئے)

اسی مرض مذکور کی وجہ سے بعض اوقات آپ کو مسجد میں بیٹھ کر دوبارہ حوض پر وضو کرنا پڑتا تھا اور اس سے زائد معذوریاں بھی پیش آئیں مگر پھر بھی حضرت والا رحؒ کی استقامت میں فرق نہیں آیا۔ مثلاً جب مثانہ کے غدود کا آپریشن ہوا تو اسوقت انتہائی معذوری تھی۔ مولانا محمد اللہ صاحب اس کا تذکرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"خاص بات یہ ہے کہ اس تکلیف کے زمانے میں حضرت کی تمام نمازیں تیمم سے جماعت کیساتھ ادا ہوتی رہیں اور استنجاء وغیرہ کا اہتمام چونکہ ہو نہیں سکتا تھا اور پیشاب کی گندگی بدن اور کپڑوں پر لگی تھی تو حضرت کو اس سے سخت توحش تھا اس پر حضرت مفتی محمود حسن صاحب نے یہ فتویٰ دیا کہ "آپ مطمئن رہیں اس معذوری میں آپکی تمام کیفیات قطعاً پاکی اور طہارت کا حکم رکھتی ہیں نا پاکی کا کوئی شائبہ بھی نہیں اور سب نمازیں بالیقین ادا ہو جاتی ہیں۔

ایسی معذوریوں میں بھی صرف فرائض کا نہیں بلکہ نوافل و دیگر معمولات کا بھی اہتمام جاری رہتا جیسا کہ نوافل کے بیان میں آرہا ہے۔ بعض نو وارد حضرات کو وضو میں پانی زائد استعمال فرمانے کی وجہ سے "اسراف" کا شبہ ہو جاتا اور قلب میں یہ وسوسہ آتا کہ اتنا پانی بہانا فعل مکروہ کا ارتکاب ہے تو حضرت والا رحؒ یہ فرما کر کہ بھائی میں معذور ہوں یا مریض کا مریض ہوں اس لئے پانی زائد استعمال ہوتا ہے اسطرح دوسروں کے دلوں کی صفائی کا بھی اہتمام فرماتے اور ان کو شبہات سے پاک فرماتے رہتے تھے۔

نوافل کا اہتمام

اہل علم اکثر نوافل کیطرف کم متوجہ ہوتے ہیں بعض حضرات تو علمی مصروفیات کیوجہ سے اور بعض حضرات سستی کی وجہ سے تو مطالعہ و تحریر وغیرہ کی بنا پر اور کچھ ان مصروفیتوں کے نہ ہونے کے باوجود عادی نہ ہونے کی وجہ سے نوافل میں مشغول نہیں ہوتے اور افسوس یہ ہے کہ اب ایک طبقہ ایسا بھی پیدا ہو گیا ہے کہ نوافل و ذکر کو ایک داغ نازیبا سمجھتا اور نوافل و ذکر کرنے والوں کو بے وقوف و احمق سمجھتا اور ان پر فقرے کستا ہے۔ جو یقیناً ایک خطرناک روش اور مہلک خیال ہے لیکن حضرت والا رحؒ علمی، انتظامی اور اصلاحی گوناگوں مصروفیات کے باوجود نوافل کو بڑے عجیب انداز سے نباہتے تھے اور معمولات و نوافل میں کبھی تخلف نہیں ہوتا تھا۔ آپ نوافل بکثرت پڑھتے تھے۔ وضو فرمایا اور مختصر سی دو رکعات تحیۃ الوضوء پڑھ کر مطالعہ اور کارہائے متعلقہ میں مصروف ہو گئے، مسجد تشریف لیگئے، دو رکعات تحیۃ المسجد ادا فرمالیں، اگر جماعت میں دیر ہے اور تکان نہیں تو مزید نوافل ادا فرمالیں ورنہ ذکر و تسبیح میں مشغول رہے البتہ تہجد، اوابین اور بعد العشاء، آپ خاص خاص مقدار میں نوافل کا اہتمام فرماتے تھے جو انتہائی معذوری کیوقت تک قائم رہا۔ جب ڈاکٹر مقصود حسین صاحب اور ڈاکٹر اصغر حسین صاحب حج کو جانے لگے اور حضرت والا رحؒ سے

ملاقات کیلئے حاضر ہوئے تو خدام سے حضرت والاؒ کے متعلق چند باتوں کا انکشاف ہوا۔ انہی میں حضرت والاؒ کا گھنٹوں گھنٹوں سینکڑوں کی تعداد میں نفلوں کا پڑھنا معلوم ہوا۔ تو بہت ہی متعجب ہوئے کہ اس ضعف کے عالم میں اتنا زبردست مجاہدہ کرتے ہیں اور جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ نوافل کے یہ معمولات بالکل نوعمری سے مسلسل جاری ہیں تو انکے تعجب و حیرت اور رشک کی کوئی انتہا نہ رہی اور یہ گفتگو حضرت والاؒ کے علم میں نہ آسکی ورنہ خدام پر زبردست ڈانٹ پڑتی کیونکہ حضرت والاؒ اظہار حال و افشائے راز کو ہرگز پسند نہ فرماتے تھے

تہجد کی نفلیں

تہجد گذاری آپ کا دائمی معمول تھا صبح صادق سے تقریباً ایک گھنٹہ پہلے بیدار ہو جاتے ضروریات سے فارغ ہو کر معمول کے مطابق کھڑے ہو کر نوافل ادا فرماتے۔ یہ معمول آپ کا انتہائی معذوری کے زمانے تک رہا۔ خدام کے اصرار پر اخیر میں بیٹھ کر نوافل ادا فرماتے تھے۔ تہجد سے فراغت پر مطالعہ کتب و تلاوت وغیرہ کا معمول تھا جیسا کہ گذشتہ اوراق میں اسکی وضاحت ہو چکی ہے۔ تہجد کے اہتمام میں آپ عشاء کے بعد زیادہ دیر تک بیدار نہ رہتے البتہ دور شباب میں شب بیداری زائد تھی۔

نوافل اوابین

مغرب کے بعد دیر تک نوافل میں مصروف رہتے تھے۔ غالباً بیس رکعات نوافل کا معمول تھا جو معذوری تک قائم رہا پھر ان میں اختصار ہو گیا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مغرب کے بعد بیس رکعات (پابندی سے) ادا کرے گا۔ حق تعالیٰ شانہٗ جنت میں اس کے لئے ایک عظیم الشان محل بنا دیں گے (مشکوٰۃ ص۱۰۴ بحوالہ ترمذی)

نماز عشاء کے بعد نوافل

معذوری سے پہلے آپ کا معمول تھا کہ عشاء کے بعد اپنی قیام گاہ پر دیر تک نوافل میں مصروف رہتے تھے۔ غالباً اس وقت زیادہ تر صلوٰۃ التسبیح پڑھتے تھے آپ صلوٰۃ التسبیح کا بھی مختلف اوقات میں نامعلوم طریقے پر بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔ جیسا کہ آئندہ سطور میں اس کی تفصیل آ رہی ہے۔ ان اوقات کے علاوہ دوسرے اوقات میں بھی بکثرت نوافل ادا فرماتے تھے لیکن ان پر ایسی دائمی مواظبت

دپابندی نہ تھی کہ ترک نہوں تاہم، ہم جیسوں کے معمولات سے زیادہ اہتمام تھا۔

نماز عصر سے پہلے کی نفلیں

حضرت والاؒ اکثر عصر سے پہلے کبھی دو، چار نوافل کا اہتمام فرماتے تھے گاہے اس سے کبھی زائد ہوجاتی تھیں

اس سلسلہ میں کسی کتاب کے حوالہ سے کسی بزرگ کا خواب کبھی اسطرح نقل فرماتے تھے کہ:

"خواب اگرچہ حجت شرعیہ نہیں تاہم اگر اصول شرع اور حکم شریعت کیخلاف نہ ہو تو اسکی ایک گونہ اہمیت ہوسکتی ہے۔ فلاں بزرگ نے حجاج بن یوسف کو اسکے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا کیا گذری؟ اس نے کہا خدا کا شکر ہے نجات ہوگئی ان بزرگ صاحب نے کہا کہ تو تو بہت ظالم تھا آخر نجات کس طرح مل گئی۔ اس نے کہا کہ میرا معمول تھا کہ نماز عصر سے پہلے دو نفلیں ادا کرلیا کرتا تھا وہ اللہ تعالیٰ کو پسند آگئیں اور میری نجات کا سبب بن گئیں (واللہ اعلم)

احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ آپ نماز عصر سے پہلے دو یا چار رکعات نوافل پڑھا کرتے تھے (رواہ الترمذی وابوداؤد) بلکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل پر دعائے رحمت فرمائی ہے رحم اللہ امرءً صلی قبل العصر اربعًا (اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم فرمائے جو نماز عصر سے پہلے چار رکعات نوافل پڑھ لے (مشکوٰۃ ص۱۰۴) بہرحال اس قسم کی نصوص کی بنا پر حضرتؒ نماز عصر سے پہلے کبھی دو، چار نوافل کا اہتمام فرماتے تھے

نماز مغرب سے پہلے نوافل

حضرت والاؒ اتباع سنت و اقتدائے شریعت کے بہت ہی عادی تھے نصوص و احادیث سے جو کچھ ثابت ہے اس پر آپ بقدر وسعت ضرور عمل فرماتے تھے ضعیف سے ضعیف حدیث پر بھی عمل پیرا رہنے کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔ اپنے خدام و تلامذہ کو بھی خاص طور پر یہ وصیت و نصیحت فرماتے تھے کہ "جو کچھ احادیث سے ثابت ہے اس پر عمل ضرور کرنا چاہیے علم کی زندگی کی ضمانت عمل میں ہے جو کچھ پڑھو اس پر عمل کرلو تو علم زندہ رہے گا" چونکہ احادیث سے نماز مغرب سے پہلے دو رکعات نوافل کا ثبوت ہے مثلاً حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ہم لوگ مدینہ میں تھے تو جب مؤذن اذان مغرب دیدیا کرتا تو صحابہ کرامؓ جلدی جلدی ستونوں کی آڑ لے کر دو رکعات نفلیں پڑھ لیتے تھے۔ یہاں تک کہ اس وقت اگر کوئی اجنبی آدمی مسجد میں داخل ہوتا تو یہ سمجھتا کہ شاید نماز مغرب ہوچکی اور لوگ مغرب

کے بعد والی سنن و نوافل میں مصروف ہیں اتنی کثرت سے لوگ یہ نوافل پڑھتے تھے ۔ یہی مضمون کئی روایات میں موجود ہے ۔ حضرت مرثد بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضؓ کے پاس پہنچا اور عرض کیا کہ حیرت کی بات ہے کہ بنی تمیم مغرب سے پہلے دو۲ رکعت پڑھتے ہیں ۔ حضرت عقبہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم لوگ بھی یہ نفلیں پڑھا کرتے تھے ، حضرت مرثدؓ نے کہا کہ اب کیا رکاوٹ پیش آگئی ؟ فرمایا مصروفیت (مشکوٰۃ ص۱۰۴ بحوالہ بخاری)

حضرت والا رح کا معمول تھا کہ پورے رمضان ان احادیث پر عمل فرماتے تھے کیونکہ افطار سے فراغت میں اور لوگوں کو پندرہ بیس منٹ لگ جاتے تھے اور آپ ایک کھجور اور ایک گھونٹ پانی سے افطار فرما کر بہت ہی اطمینان سے دو رکعات نوافل ادا فرما لیتے تھے ۔ پھر پورے سال ظاہر ہے کہ ان نفلوں کا موقع نہ مل پاتا تھا ۔

صلوٰۃ التسبیح کا اہتمام

ہمارے حضرت والا رح صلوٰۃ التسبیح کا بھی بہت ہی اہتمام فرماتے تھے ۔ ایک مرتبہ خلاف عادت اپنے ایک خادم خاص سے ارشاد فرمایا کہ آج میری عمر چون ۵۴ سال کی ہو گئی اور چون ۵۴ سال میں جتنے دن ہوتے ہیں الحمد للہ آج اتنی ہی مرتبہ صلوٰۃ التسبیح بھی ہو گئی ۔ آپ اندازہ لگائیے کہ حضرت والا رح نے کس قدر اس کا اہتمام فرمایا ہو گا کیا اس کی کوئی مثال پیش کی جا سکتی ہے ۔ متقدمین و متاخرین سے اس نماز کا اہتمام تو منقول ہے لیکن اتنی مقدار و تعداد میں کسی نے اس نماز (صلوٰۃ التسبیح) کو ادا کیا ہو ۔ اس کی نظیر کم از کم ہمارے ناقص علم میں نہیں خصوصاً جب کہ حضرت والا رح دین کے دوسرے گوناگوں مشاغل میں بھی شب و روز منہمک رہتے تھے ۔ اور مختلف الانواع اتنی ذمہ داریاں بھی سر پر تھیں کہ جن کا پورا کرنا بھی ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ، یہ صرف حق تعالیٰ شانہ کی خاص توفیق ، اس کی قدرت کا ایک کرشمہ حضرت والا رح کی استقامت و پابندی کی برکت اور ایک کھلی ہوئی کرامت تھی ۔ ممکن ہے کہ حضرت والا رح دو۲ چار۴ مرتبہ روزانہ عرصہ دراز تک پڑھتے رہے ہوں یا بطور وظیفہ تھوڑے عرصہ میں یہ مقدار پوری فرمائی ہو واللہ اعلم ۔ حضرت والا رح نے اپنی عادت کے خلاف اپنے مخصوص خادم سے اس کا اظہار فرما دیا ممکن ہے کہ حضرت کا مقصد ان کو ترغیب و تحریص ہو ۔ بعض حضرات کو اس سے تعجب ہو گا مگر ہمارے نزدیک اس

میں کوئی تعجب و حیرت کی بات نہیں جو حضرت والا رح کی مداومت و پابندی کی عادت سے واقف ہیں وہ ضرور اسکی تصدیق کریں گے۔ اور جو اس راہ سے دور ہیں اور ایسی چیزوں کو ناقابل التفات اور افسانہ سمجھتے ہوں ان سے ہمارا روئے سخن نہیں۔ حضرت والا رح کی زندگی میں حق تعالیٰ نے اس سے بڑھ کر بہت ہی عجیب باتیں ودیعت فرمائی تھیں۔ جو انہیں اوراق میں مختلف مقامات پر مذکور ہیں۔ مثلاً حضرت والا رح نے کلمہ طیبہ کا ذکر پوری زندگی کے سانسوں کی تعداد کے موافق کرنیکی کامیاب کوشش فرمائی۔ یہ حقائق اگر کسی کی عقل نارسا میں نہ آئیں تو ہم اُسکی عقل کا قصور ہی سمجھیں گے یا یہ کہ وہ اہل اللہ کے حالات و کرامات سے ناواقف یا منکر ہو سکتا ہے۔

صلوٰۃ التسبیح کا ثبوت

صلوٰۃ التسبیح کا ثبوت حدیث پاک سے ہے جس کو بہت سے محدثین نے اپنی کتابوں میں لیا ہے اگرچہ اس حدیث کی روایتی حیثیت میں محدثین کا اختلاف رہا ہے کہ وہ صحیح ہے یا حسن یا ضعیف آجکل بہت سے لوگ (جو خود ساختہ محقق ہیں یا ان کو خواہ مخواہ اپنے علم پر بے جا ناز ہے) صلوٰۃ التسبیح کی روایت کے منکر ہیں اور وہ اس کو حدیث ماننے کے لئے تیار نہیں جس کی وجہ سے بعض اچھے خاصے بھلے آدمیوں کو بھی مغالطہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے عرض ہے کہ صلوٰۃ التسبیح کی حدیث کا انکار غلط اور بے جا جرأت ہے۔ یہ دور انکار حدیث کا دور ہے اور اپنے مسلک کے بعض جدت پسند حضرات بھی اس انکار حدیث کی رو میں بہہ رہے ہیں۔ چنانچہ ہم نے کتاب "محرم یہ ماتم" ایک ایسے ہی "آزاد محقق" کی تردید میں لکھی ہے جس نے بخاری و مسلم اور ترمذی کی صحیح احادیث کا بڑی بے باکی سے انکار کر دیا تھا اور جس نے پانچ صحابہ کی توہین اور اہل حق علمائے کرام کی تکفیر کی تھی۔ اسلئے باوجودیکہ یہ تحقیق حدیث کا مقام نہیں مختصر اشارات اس حدیث "صلوٰۃ التسبیح" کے ثبوت اور اسکی حیثیت کی طرف کرتا ہوں اور یہ واضح کرتا ہوں کہ محدثین کے نزدیک اس حدیث کی حیثیت اور مقام کیا ہے۔

(۱) اس "حدیث صلوٰۃ التسبیح" کو بہت سے صحابۂ کرام نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابو رافع، حضرت عبداللہ بن عمر

حضرت فضل بن عباس وغیرہم رضی اللہ عنہم نے

(۲) اور بہت سے محدثین نے مختلف طرق واسانید سے اس حدیث کو اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے مثلاً امام ابوداؤد، امام ابن ماجہ، امام ترمذی، امام بیہقی، امام ابن خزیمہ، امام حاکم، امام ابن حبان امام عبداللہ بن مبارک، امام طبرانی، خطیب تبریزی، امام آجری، امام ابوسعید سمعانی، امام ابوموسیٰ المدینی وغیرہم رحمہم اللہ نے۔ امام ترمذی رح نے حضرت ابورافع رض سے اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا ھٰذا حدیث غریب اہل علم جانتے ہیں کہ امام ترمذی رح لفظ غریب بسا اوقات صحیح کے مقابلہ میں نہیں بولتے بلکہ بعض مرتبہ ھٰذا حدیث صحیح غریب اور ھٰذا حدیث حسن غریب بھی کہتے ہیں تو لفظ غریب اس کے ضعیف یا موضوع اور قابل رد ہونے پر دلیل نہیں نیز حضرت امام ترمذی رح نے خود فرمایا کہ میں نے اپنی اس کتاب (ترمذی شریف) میں وہی احادیث ذکر کی ہیں جو معمول بہا ہیں (مقدمہ لامع الدراری) اس لئے یہ حدیث امام ترمذی رح کے نزدیک یقیناً ثابت اور قابل عمل ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے محدث میرک شاہ سے نقل کیا ہے کہ:

روی ابن المبارک وغیر واحد من اہل العلم صلوٰۃ التسبیح والفضل فیھا (مرقاۃ ص۱۹۲ ج۲)

امام عبداللہ بن مبارک رح اور بہت سے اہل علم نے صلوٰۃ التسبیح اور اس کی فضیلت کو نقل کیا ہے

ملا علی قاری رح نے کچھ آگے فرمایا ہے کہ:

واختلف المتقدمون والمتأخرون فی تصحیح ھٰذا الحدیث وصححہ ابن خزیمۃ والحاکم وحسنہ جماعۃ اھ

متقدمین ومتاخرین کا اس حدیث کو صحیح قرار دینے میں اختلاف رہا ہے اور محدث ابن خزیمہ رح اور امام حاکم رح نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور محدثین کی ایک جماعت نے اس کو حسن قرار دیا ہے اھ

وقال العسقلانی ھٰذا حدیث حسن وقد اساء ابن الجوزی بذکرہ فی الموضوعات وقال الدارقطنی اصح شیء ورد فی فضائل السور فضل قل ھو اللہ احد واصح شیء ورد فی فضائل الصلوات فضل صلوٰۃ التسبیح وقال عبداللہ

اور حافظ ابن حجر عسقلانی رح نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے اور علامہ ابن الجوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں ذکر کر کے جرم کا ارتکاب کیا ہے اور امام دارقطنی رح نے فرمایا کہ سورتوں کی فضیلتوں میں جو حدیثیں منقول ہیں ان

ابن المبارک صلوٰۃ التسبیح مرغب فیہا یستحب ان یعتادھا فی کل حین ولا یتغافل عنہا الخ (مرقاۃ المفاتیح ج۲ ۱۹۲ و ۱۹۳)

میں سب سے زیادہ صحیح وہ احادیث ہیں جو قل ہو اللہ احد کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں ، اور جو احادیث نمازوں کے فضائل کے بارے میں وارد ہوئی ہیں ان میں سب سے زیادہ صحیح وہ ہیں جو صلوٰۃ التسبیح کی فضیلت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں اور حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا کہ صلوٰۃ التسبیح کی ترغیب دی گئی ہے (اور یہ پسندیدہ عمل ہے) اس کا عادی ہونا مستحب ہے اور اس سے غفلت نہیں برتنی چاہیئے۔

سلطان المحدثین ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس مذکورہ تحقیق کو غور سے پڑھیے اور ائمہ حدیث و جلیل القدر محدثین کے اقوال کو اچھی طرح پڑھیئے اور سمجھئے کہ وہ صلوٰۃ التسبیح کی اس حدیث کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں اور ان کی تحقیق کا حاصل کیا ہے اور علامہ ابن الجوزی جن کا تشدد محدثین کے یہاں مشہور ہے اور انہوں نے بہت سی صحیح احادیث پر حتی کہ بخاری شریف کی احادیث پر بھی (جن کی صحت پر محدثین کا اتفاق ہے) قدح کیا ہے۔ انہوں نے اس حدیث کو اپنی عادت شدت کی بناء پر موضوعات میں شامل کیا ہے تو حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ان کیلئے "مجروح" ہونے کا فیصلہ کیا۔ اور ان کو اس سلسلہ میں خطا وار قرار دیا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ محدثین نے حدیث صلوٰۃ التسبیح کو صحیح یا حسن قرار دیا ہے اور جس نے اس کو موضوع کہا اس کی سخت تردید کی گئی ہے۔ اگر بالفرض اس حدیث کو ضعیف بھی مان لیا جائے تو تعدد طرق سے اسکے ضعف کا انجبار ہو کر اسکو حسن کا مرتبہ حاصل ہو جائے گا۔ امام ترمذیؒ کا اس حدیث کو نقل کرنا اسکے ثبوت اور معمول بہا اور قابل عمل ہونیکی کھلی دلیل ہے علاوہ ازیں امت نے اس کی تلقی بالقبول کی ہے یعنی بلا انکار و تردید اس حدیث کو قبول کیا ہے بلکہ اس پر عمل کیا ہے۔ صلحائے امت ہمیشہ سے اسپر عمل کرتے چلے آرہے ہیں یہ بھی اس حدیث کے ثبوت کیلئے دلیل کافی ہے۔ اس لئے اس حدیث کو موضوع اور ناقابل عمل قرار دینا اور اس کو رد کرنا بڑا ظلم اور کھلی ہوئی زیادتی ہے۔ اور دور صحابہ سے آج تک کے تمام محدثین پر جنھوں نے اس کو ثابت مانا اور تمام

صلحائے امت پر جنھوں نے اس پر عمل کیا ہے جہل گمراہی کا داغ نازیبا لگانا ہے (نعوذ باللہ) بلکہ اپنی جہالت و گمراہی کا اعلان کرنا ہے۔ اگر بالفرض اس حدیث کو ضعیف بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی علمائے امت اور محدثین کرام کا فیصلہ ہے کہ حدیث ضعیف کا فضائل اعمال میں اعتبار کیا جاتا ہے، حق تعالیٰ فتنۂ انکار حدیث سے امت کی حفاظت فرمائے اور جدت پسند اسیر جیبوں کے شر سے بھی مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ آمین۔ ہم نے موضوع سے ہٹ کر ضرورۃً یہ سطور لکھدی ہیں ہم اسکی ناظرین یا تمکین سے معذرت چاہتے ہیں فقط نسیم احمد غازی مظاہری

ذکر کی کثرت اور ذکر کی ہدایت

حضرت والا ہر وقت ذکر قلبی و ذکر لطائف میں منہمک و مشغول رہتے اور فارغ اوقات میں ذکر لسانی میں بھی اہتمام کیساتھ مصروف رہتے تھے۔ آپنے اس کا التزام کیا تھا کہ کوئی لمحہ اور کوئی سانس ذکر سے خالی نہ ہونا چاہیئے۔ اور تا دم واپسیں اس کا عملی ثبوت بہم پہنچایا۔ ذکر لسانی بھی صرف ضروری مصروفیات (تعلیم و تدریس، وعظ و نصیحت ضروری کلام اور طعام و منام وغیرہ) کے وقت موقوف ہوتا تھا۔ آپ کے ہاتھ میں ہر وقت تسبیح رہتی تھی اور کوئی وقت ذکر و ادعیہ مسنونہ و اذکار ماثورہ سے خالی نہ رہتا تھا۔ آپکی حیات بابرکات بلا مبالغہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ فی کل احیانہ کی زندہ تفسیر و واضح تصویر اور پیروی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آئینہ دار تھی۔ بعض مرتبہ کان لگا کر سننے کی کوشش کی گئی تو محسوس ہوا کہ زبان مبارک پر کلمہ طیبہ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ یا درود پاک یا استغفار جاری ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ ان اذکار پر خصوصاً کلمہ طیبہ پر زیادہ مداومت فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ نے کلمہ طیبہ کو اتنا پڑھا کہ اگر سو سال سے زائد بھی عمر ہو جاتی تو عمر شریف کے سانسوں کی تعداد سے کلمہ طیبہ کے ذکر کی تعداد کم نہ ہوتی۔

مولانا عبد القیوم صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت والا کے تمام فارغ اوقات ذکر الٰہی (لسانی) سے معمور رہتے تھے۔ آپ ہمہ وقت ذکر میں مشغول رہتے تھے۔ ضعف جسمانی کے باوجود ذکر اللہ آپ کی روحانی و جسمانی غذا بن گئی تھی۔

اور بغیر ذکر الٰہی کے آپ کو ایک لمحہ کیلئے بھی سکون نہیں ملتا تھا حتیٰ کہ جمعہ کے دن غسل سے پیشتر جب بدن ملواتے تو بدن کو سنبھالنے کے لئے دونوں ہاتھوں سے ٹیک لگانا پڑتا اور تسبیح ہاتھ میں رکھنا ممکن نہ ہوتا تھا تو سامنے بیٹھے ہوئے کسی خادم کے ہاتھ میں تسبیح تھما دیتے اور حضرت والاؒ ذرا آواز سے ذکر فرماتے اور خادم تسبیح کے دانے گراتے رہتے (اسمیں خدام کی تربیت و ترغیب کا پہلو بھی ملحوظ تھا) آپ نے ذکر اللہ کی کثرت کا اس قدر اہتمام غالباً اس لئے فرمایا تھا کہ حضرت فرماتے تھے "اگر میری زندگی بالفرض سَو سال سے بھی متجاوز ہو جائے تو میں یہ چاہتا ہوں کہ زندگی کا کوئی سانس ذکر اللہ سے خالی نہ رہے۔ طفلی و جوانی کے اوقات جو اکثر غفلت کی نذر ہو جاتے ہیں (اور اللہ تعالیٰ نے ان اوقات میں بھی حضرت کی غفلت سے حفاظت فرمائی) اس زمانے کے ہر سانس کے بدلہ میں بھی کم از کم ایک مرتبہ کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ الخ ہو جائے"

حضرت والاؒ کی ڈو کا پیالہ

راقم السطور کے پاس حضرت والاؒ کی چھوٹے سائز میں ڈو کا پیاں (نوٹ بکیں) ہیں۔ ہم کو یہی دستیاب ہو سکیں۔ ممکن ہے کہ اس قسم کی اور بھی کا پیاں ہوں۔ ان کا پیوں میں حضرت والاؒ نے لطور یادداشت اس طرح لکھا ہے۔ مثلاً ۲ر جنوری ۵۵ء ۲۲۵ سال۔ ۳ر جنوری ۵۵ء ۲۵۰ سال یعنی تاریخوار کچھ یادداشتیں مختلف اعداد میں لکھی گئی ہیں۔ اندازہ یہ ہے کہ یہ تسبیحات کے اشارات اور رموز ہیں کہ فلاں تاریخ میں کلمہ طیبہ کی سَوا دو سو تسبیحات ہوئیں۔ اور فلاں تاریخ میں پانچسو اور فلاں میں چار سو وغیرہ یہ ہمارا صرف اندازہ ہے۔ اور حضرات کا بھی خیال یہی ہے کہ ذکر کا کچھ حساب اور یادداشتیں ہیں اور صحیح علم اللہ تعالیٰ کو ہے یا لکھنے والے (حضرت والاؒ) کو واللہ اعلم۔ اگر ان تمام اعداد کو جوڑا جائے تو تعداد لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے ؎

خاک سمجھے گا وہ راز اولیاء — مذہب الفت میں جو داخل نہیں
اس کو کیا احساس دردِ عشق ہو — جس کو حاصل عشق درد دل نہیں

ذکر کی تاکید و ترغیب

حجۃ الاسلام حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ سے جن لوگوں کی اصلاح و تربیت متعلق ہوتی ان کو ہمیشہ ذکر

میں مشغول رہنے کی تاکید فرماتے تھے۔ مولانا عبدالقیوم صاحب فرماتے ہیں کہ:

"مجھ جیسا لاابالی اور غفلت شعار بھی حضرت والارحمہ کے سامنے ذکر کی ایک معتدبہ مقدار پوری کر لیتا تھا لیکن حضرت والارحمہ کہیں تشریف لیجاتے تو اکثر "گپ شپ" میں لگ جاتا واپس تشریف لاتے تو ذکر سے غافل اور باتوں میں مصروف پاکر کبھی اشارۃً اور کنایۃً اور کبھی صراحۃً تنبیہ فرماتے تھے۔ بزمانۂ قیام سہارنپور ضعف و ناتوانی کے باوجود ہم لوگوں کے اوقات و حالات کی پوری خبرگیری رکھتے تھے اگر کسی ضرورت سے بھیجتے تو واپس آنے پر محاسبہ کرتے کہ کتنا ذکر کیا۔ میں عرض کرتا کہ سفر کی وجہ سے معینہ مقدار میں بہت کمی ہوئی فرماتے اچھا سفر میں تو میری تسبیح کی مقدار بڑھ جاتی ہے اور تمہاری گھٹ گئی۔ تم لوگوں کو بات کرنے ہی سے فرصت نہیں ملتی حضرت والارحمہ اذکار مسنونہ کا بھی انتہائی اہتمام فرماتے اور بسا اوقات تعلیماً بالجہر ادا فرماتے تھے

حضرت والارحمہ فرماتے ہیں کہ ؎

کیوں نہ ہو دنیا سے غافل کیوں نہ ہو — جو تمہاری یاد سے غافل نہیں
خاک سمجھے گا وہ راز کن فکان — مذہب رنداں میں جو شامل نہیں
گوشہ گوشہ دل کا ہے فردوس کیف — بے بہا نعمت ہے دردِ دل نہیں
گو ہزاروں شغل ہیں دن رات میں — لیکن اسعد آپ سے غافل نہیں
عشق اسعد کی بلندی دیکھیے — آشنائے آرزوئے دل نہیں

زکوٰۃ و صدقات

حضرت والارحمہ کو شروع ہی سے فراخ دستی و فارغ البالی حاصل نہیں رہی اور نہ دنیوی دولت و ثروت کی طرف کبھی آپ نے توجہ فرمائی۔ صحرائی اور سکنائی جائدادیں حضرت والارحمہ کے استغنا و زہد اور بے التفاتی کی نذر ہو گئیں۔ یتیمی نے صبر و قناعت کی وہ دولت بخشی تھی کہ ظاہری دولت و ثروت کی طرف کبھی حضرت والارحمہ کے قلب اطہر کا رجحان نہیں ہوا اسی لئے وہ ہدایا وصول کرنے میں بھی بہت ہی محتاط تھے۔ اہل مال اور دنیا کے دولت مندوں کے قرب کو پسند نہ فرماتے تھے اور نہ اپنے سامنے دنیا کا ذکر گوارا فرماتے تھے۔ انہیں اوراق میں مذکور رہے کہ فکر سے آئے ہوئے حضرت والارحمہ کے

ایک قریبی عزیز نے جب اپنی اور اپنی اولاد کی آمدنی کا حال بیان کیا تو حضرت پریشان ہو گئے اور فرمایا "ارے بھائی اتنے روپے کا کیا کرو گے کیوں زندگی کو ضائع کیا لاحول ولا قوۃ الا باللہ سب کو چھوڑ چھاڑ کر مسجد میں بیٹھو اللہ اللہ کرو،، وہ منظر بڑا قابل دید منظر تھا ؎

اب حسن سے کچھ کام نہ جلوؤں سے سروکار   اب عشق ہی خود عشق کا معیار ہوا ہے

علاوہ ازیں مدرسہ سے تھوڑی سی تنخواہ ملتی تھی اور چونکہ آپ کثیر العیال تھے اس لئے اخراجات بہت تھے۔ پھر مہمانوں کی ضیافت اور اعزہ کی کفالت وغیرہ ذمہ داریاں مزید بر آں تھیں۔ اس کے باوجود آپ اضافۂ تنخواہ کو بھی پسند نہ فرماتے تھے۔ بلکہ جب اہل مدرسہ نے تنخواہ بڑھانے کی پیشکش کی تو آپ نے یہ کہہ کر اضافہ رکوا دیا کہ موجودہ تنخواہ کے اعتبار ہی سے میں اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کر پا رہا ہوں "صحائف اسعد،، میں مکتوب ۱۹ میں ہے کہ:

" اس اثنا میں متعدد بار مجھ سے یہ بھی فرمایا گیا کہ مشاہرہ بڑھایا جائے میں نے تواضعاً نہیں بلکہ واقعات کے پیش نظر عرض کیا کہ مجھ کو موجودہ تنخواہ میں بھی تأمل ہے۔ کیونکہ میں مفروضہ امور کو پوری ذمہ داری کے ساتھ انجام نہیں دے رہا ہوں چہ جائیکہ اور زیادہ تنخواہ " (۲۳۷)

جناب تسکین قریشی (مکتوب الیہ) نے اسپر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

اِس خط کا ایک اور پہلو بھی اپنی نوعیت کے لحاظ سے بہت دلچسپ اور سبق آموز ہے وہ یہ کہ) موجودہ دور میں ہزاروں سرکاری اور غیر سرکاری اسکول اور کالج ہیں لیکن ان میں سے کسی ایسے مدرس یا ٹیچر یا لکچرار یا پروفیسر کو بطور مثال شاید ہی پیش کیا جا سکتا ہے جو قلیل المعاش ہونے کے علاوہ کثیر العیال بھی ہو اور با ایں ہمہ اپنی تنخواہ میں اضافہ کئے جانے کی پیشکش کو ٹھکرا دے محض اس بنا پر کہ فرائض متعلقہ اور کار مفروضہ کے لحاظ سے اس کا موجودہ مشاہرہ کافی ہے اور وہ کسی ترقی یا اضافے کا مستحق نہیں۔ ایثار وا تقا کی یہ مثالیں اگر کہیں ملتی ہیں تو ان ہی قدامت پسند درسگاہوں میں۔ جناب مولانا کی ذات گرامی ان مثالوں میں ایک روشن مثال ہے (صحائف اسعد ص ۱۸۳)

۵ کیا کیا نہ تپایا ہے اسے آتش غم نے — تب جا کے یہ شعلۂ بیدار ہوا ہے
فیضانِ غم عشق سے حاصل ہے وہ نسبت — ہر سانس حدیث لب رخسار ہوا ہے
کچھ دن سے عجب دل کی نزاکت کا ہے عالم — اک حرف تسلی بھی گراں بار ہوا ہے
کیا کہیے جگرؔ کس گل رعنا کی بدولت
ہر شعر مرا شعلۂ رخسار ہوا ہے

حاصل یہ ہے کہ حضرت والارح کی زندگی صبر و رضا اور زہد و قناعت کی آئینہ دار تھی ظاہری خوشحالی و فراخدلی کی طرف نہ آپنے کبھی التفات فرمایا۔ نہ حصول دولت کے اسباب کی طرف توجہ فرمائی۔ لیکن اس کے باوجود آپ ایک مدت تک صاحب نصاب بھی رہے ہیں۔ چنانچہ آپ کے پاس جب غلام محی الدین صاحب کو توال نے بطور ہدیہ مبلغ پچاسں روپے بھیجے تھے تو حضرت والارح نے ان کا یہ ہدیہ شکریہ کیساتھ یہ کہہ کر واپس فرما دیا تھا کہ:

"میں خدا کے فضل سے رئیس ہوں صاحب نصاب ہوں اس لئے جناب کی پیشکش قبول کرنے سے معذوری ہے"

عنوان "زہد و قناعت" کے تحت یہ پورا قصہ درج ہو چکا ہے۔

اخفائے صدقات

لیکن مشاہدہ و تجربہ یہ ہے کہ حضرت والارح زکوٰۃ و صدقات میں اخفا کو پسند فرماتے تھے طلبہ اور ضرورتمندوں کی خاموشی سے اس طرح مدد فرماتے تھے کہ حَتّٰی لَا تَعْلَمَ شِمَالُہٗ مَا اَنْفَقَ یَمِیْنُہٗ (بائیں کو پتہ نہ چلے کہ دائیں نے کیا خرچ کیا) کا منظر آنکھوں میں پھر جاتا تھا۔ آپ جن طلبہ کی خاموشی سے مدد فرماتے ان کو یہ تاکید فرما دیتے کہ اس کا کسی سے اظہار نہ ہو۔ طلبہ کی اعانت کرنے کے کچھ واقعات انھیں اوراق میں ذکر کئے جا چکے ہیں۔

حضرت والارح نہایت خاموشی و رازداری سے ہمیشہ صدقات کا سلسلہ جاری رکھتے تھے

حج و زیارت

"حج و زیارت" کا شوق کچھ نہ کچھ ہر مسلمان کو ہونا ایمان کا تقاضا ہے۔ لیکن حضرت والارح کو نوجوانی ہی سے حج و

وزیارت کا بہت ہی شوق تھا۔ آپ "خودداری وعزتِ نفس" کی وجہ سے اس کا
اظہار نہ فرماتے تھے اس سلسلہ میں کبھی کسی کا ممنونِ احسان ہونا آپ کو گوارا نہ تھا
اور قلیل تنخواہ میں (جس کی ابتدا ۱۳۲۳ھ میں صرف مبلغ ۱۵ روپے سے ہوئی
تھی اور ۱۳۴۷ھ یعنی نظامتِ علیا کا عہدہ ملنے تک آپ کا یہ مشاہرہ ۱۵ سے
بارہ ۱۵۶ تک پہنچا تھا اس میں) اتنی گنجائش کہاں تھی کہ دیگر اخراجات کے
ساتھ کچھ پس انداز ہو کر حرمین شریفین کا سفر ہو سکے۔ اس لئے جب احباب رنگون
نے حضرت والا رح سے قیام رنگون کے سلسلہ میں اصرار کیا اور حضرات اکابر سہارنپور
نے بھی حضرت کو وہاں کے لئے آمادہ کرنے کی پرزور درخواست کی اور اکابر
نے بھی وہاں کی ضرورتوں کو محسوس کیا تو حضرت والا رح نے اس ارادہ سے عارضی
طور پر قیام رنگون کا اختیار کر لیا کہ وہاں "حج وزیارت" کے اسباب کا مہیا ہو جانا
آسان ہے۔ چنانچہ حضرت والا رح نے وہاں کا سفر ۱۳۴۹ھ میں کیا۔ اور جامعہ محمدیہ
راندیریہ کی نظامتِ علیا کا عہدہ قبول فرما لیا لیکن جامعہ مظاہر علوم اور وہاں کے
اکابر واحباب کے والہانہ تعلق اور غایت محبت نے واپسی پر مجبور کر دیا اور آپ
ایک سال پورا کرنے سے پہلے ہی سہارنپور واپس تشریف لے آئے اور "حج
وزیارت" کا ارمان دل میں باقی رہ گیا۔ لیکن اہل برما و رنگون حضرت والا رح کے
ایسے شیدائی بن چکے تھے کہ اب ان کو حضرت والا رح کی مفارقت گوارا نہ تھی
اس لئے دوبارہ اصرار کیا جس کے نتیجہ میں دوبارہ ماہ صفر ۱۳۵۴ھ میں آپ
کو جامعہ محمدیہ راندیریہ کی نظامتِ علیا کا عہدہ قبول فرما کر رنگون جانا پڑا اور
وہیں سے ذوقعدہ ۱۳۵۷ھ میں حج کو روانگی ہوئی اور حج وزیارت سے فراغت
پر رنگون واپس ہوئے لیکن سہارنپور کا جگمگ ماحول آپ کو یاد آتا رہا
سہارنپور کے احباب واکابر کی جدائی سے بے چین رہے۔ وہ نورانی ماحول
بھلا رنگون میں کہاں نصیب ہو سکتا تھا؟ اس لئے آپ وہاں بہت
بے چین رہے جیسا کہ آپ کے مکتوباتِ رنگون سے معلوم ہوتا ہے آپ نے
اسی حالت میں جو رنگون میں اشعار اور غزلیں کہی ہیں ان سب سے

یہ کیفیت مترشح ہوتی ہے۔ ان سب کا یہاں نقل کردینا تو طول لاطائل ہے اور وہ خطوط جو آپ نے اپنے بچوں کے نام ارسال فرمائے تھے، "پند ولفائح" میں درج بھی کر دیئے گئے ہیں۔ نیز بعض دوسرے اشعار اور ایک اہم منظوم کلام "سفر رنگون" کے بیان میں درج کیا جاچکا ہے۔

روزوں کا اہتمام

حضرت والا رحمہ کی حیات بابرکات بڑی مصروف اور گوناگوں ذمہ داریوں اور شدید مجاہدوں کی حامل رہی ہے۔ انھیں وجوہات کی بنا پر آپ نے نفلی روزوں کا اہتمام کم کیا ہے لیکن رمضان المبارک کا اہتمام آپ بڑے ہی اعتدال اور نرالے انداز میں فرماتے تھے حقیقت یہ ہے کہ آپ کے نزدیک زندگی کے لمحات کو وصول دکا آمد بنانے میں رمضان وغیر رمضان برابر تھے بقول شخصے ع

ہر شب شب قدر است اگر قدر بدانی

آپ نے کما حقہ پوری زندگی کے شب و روز کی بہت ہی قدر فرمائی ہے ہر آن معلوم ہوتا تھا کہ سفر آخرت کی تیاری کی تکمیل ہو چکی اور جس وقت بھی پیام آجائے گا کسی الجھن سے دوچار نہ ہونا پڑے گا۔ ہر وقت آپ گویا پا بر کاب تھے۔ اور ہر لمحہ موت کی یاد، آخرت کا دھیان۔ اللہ جل شانہ' کا خوف، لقائے حق کا شوق یہ سب امور آپ کے قلب اطہر میں موجزن رہتے تھے۔ اور زبان مبارک پر ذکر، امور مذکورہ کا ہر لمحہ فکر، اوامر کا امتثال اور نواہی سے مکمل اجتناب، کا ہمہ وقت زبردست اہتمام رہتا تھا ؎

کب مجھ کو سوز قلب و جگر سے اماں ملی
کب میں تمہارے عشق میں آتش بجاں نہ تھا

کب تیرا حسن عشق کا آرام جاں نہ تھا
کب میرا عشق حسن کی روح رواں نہ تھا

ہاں اتنا فرق محسوس ہوتا تھا کہ رمضان المبارک میں خلق سے تقریباً انقطاع کلی اور استغراق و تعلق مع الحق کی کیفیت بڑھ جاتی تھی۔ رسا لکین و مریدین

پر بھی توجہ میں اضافہ محسوس کیا جاتا تھا۔ ذاتِ گرامی ایک عجیب متانت و لطافت اور شوق و انہماک کا مظہر ہوتی تھی۔ ان عجیب کیفیات کو احاطۂ تحریر میں لانا خصوصاً مجھ جیسے بے بصیرت و نابلد اور طریق سے ناواقف کے لئے نہایت دشوار رہے۔

تراویح کا اہتمام

اس سلسلہ میں چند صفحات پہلے لکھا جاچکا ہے کہ آپ کو نماز کی صحت کا زبردست اہتمام تھا۔ تراویح بھی آپ ایسے ہی امام کے پیچھے ادا فرماتے تھے جو قرآن پاک کو تجوید کی رعایت کے ساتھ پڑھتا ہو۔ تراویح کا امام بھی ہر کس و ناکس کو نہ بناتے تھے۔ حضرت مفتی محمود حسن صاحب کی امامتِ تراویح اس لئے پسند نہ فرمائی کہ وہ قرآن پاک جلدی پڑھتے تھے۔ جناب قاری محمد ابراہیم صاحب مرحوم استاذ درجۂ تجوید جامعہ مظاہر علوم (جو بہت عمدہ قرآن پڑھتے تھے۔ اور خوش الحان بھی تھے) آپ کی تراویح کے امام رہتے تھے۔ وہ نہایت طمینان سے سوا پارہ پڑھتے تھے۔ اور حضرت والا رح بڑے ذوق و شوق سے کلام اللہ ان سے سنتے تھے۔ کہیں متشابہ لگتا تو حضرتِ والا رح بتا دیتے تھے حالانکہ حافظ نہ تھے۔ مگر کثرتِ تلاوت کے سبب آیات اور متشابہ والے مقامات محفوظ و مستحضر تھے۔

رمضان میں نوافل

رمضان المبارک میں تعداد کے اعتبار سے کوئی معتد بہ اضافہ نہیں ہوتا تھا۔ ہاں ان نوافل میں جو آپ کے معمولات میں پورے سال رہتی تھیں طول و اطمینان بڑھ جاتا تھا۔ صحت کے زمانہ میں اوابین کی نوافل میں غیر رمضان کی بہ نسبت وقت زائد خرچ ہوتا تھا۔ صرف نمازِ مغرب سے پہلے دو نفلوں کا اضافہ ہمارے علم میں ہے۔ جو صرف رمضان کے ساتھ مخصوص تھیں۔ جن کا تفصیلی بیان سابقہ صفحات میں ہوچکا ہے۔ نیز اندازہ یہ ہے کہ تلاوت قرآن پاک کی مقدار رمضان میں کافی بڑھ جاتی تھی۔

اعتکاف

حضرت والارحؒ کو لو امور متعلقہ و اعذارِ جسمانیہ کی وجہ سے رمضان المبارک میں اعتکاف کا موقع نہ ہوتا تھا البتہ کچھ مریدین حضرت والارحؒ کی خدمت میں رمضان گذارنے کے لئے حاضر ہوجاتے۔ اور وہ اعتکاف کرنا چاہتے تو آپ ان کو اجازت دیدیتے اور وہ لوگ مسجد کلثومیہ دارالطلبہ قدیم میں اعتکاف کرتے۔ جو اپنے کھانے کا انتظام خود کرتے اور حضرت والارحؒ کوئی نہ کوئی کھانے کی چیز روزانہ ان کے پاس بھیجتے رہتے ہاں اگر ایک ہی آدمی ہوتا تو حضرت والارحؒ کے مکان سے اس کا کھانا آجاتا تھا۔ تداعی، ہجوم، ریل پیل اور خاص اہتمام حضرت والارحؒ کے یہاں اعتکاف کے سلسلہ میں نہ ہوتا تھا۔ ہاں قطبِ عالم حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کے یہاں لنگر، ذکر کے حلقے، اعتکاف کا اہتمام وغیرہ سب ہی امور تھے۔ اس سلسلہ میں کچھ اشارات پچھلے اوراق پر بھی آچکے ہیں۔

نمازِ عیدین

عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نمازیں مسجد کلثومیہ دارالطلبہ قدیم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں بھی ہوتی تھیں۔ آپ کو وہاں کا انتظام بھی کرنا ہوتا تھا اور اخیر میں ضعف پیری بھی ایک سبب تھا۔ نیز حضرت والارحؒ کی نمازوں کے سلسلہ میں احتیاط اور صحت کے اہتمام کا تقاضا بھی تھا کہ آپ عیدین کی نمازیں مسجد کلثومیہ دارالطلبہ قدیم ہی میں ادا فرماتے تھے۔

جب تک استاذ القراء حضرت مولانا قاری سید محمد سلیمان صاحبؒ صدر مدرس درجہ تجوید جامعہ مظاہر علوم حیات رہے جمعہ اور عیدین کی امامت وہ فرماتے رہے (حضرت قاری صاحب موصوف صاحبِ فن، خوش گلو اور بسطۃً فی العلم والجسم، صاحبِ تصانیف نہایت خوش اخلاق، متواضع الشان تھے۔ ضیاء التجوید، میزان التجوید، حاشیہ نظامۃ البیان، فوائدِ مرضیہ شرح مقدمہ جزریہ اور جواہر ضیائیہ شرح اردو متن شاطبیہ فن تجوید میں آپ کی معرکۃ الآراء تصانیف ہیں۔ ۲۴ رمضان ۱۳۸۵ھ

م ۱۷ر جنوری ۱۹۶۷ء میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ راقم السطور نے قرأت بروایت حفص وسبعہ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی سے پڑھی تھی)

حضرت والا رحؒ گاہے گاہے دیگر جہری نمازوں میں سے کوئی نماز ان سے پڑھواتے تھے اور واقعہ یہ ہے کہ جو نماز حضرت قاری صاحبؒ پڑھا دیتے اس میں بڑا ہی لطف آتا۔

موت کی یاد

حضرت والا رحؒ کی عادت مستقلہ تھی کہ ہر وقت موت کا دھیان رکھتے اور اس دنیوی زندگی کی ناپائداری کا ہر وقت خیال رکھتے تھے بکثرت اسی کا تذکرہ زبانِ مبارک سے بھی فرماتے۔ اور دوستوں، خادموں اور مریدوں کو ہر وقت دنیا کی ناپائداری دفنا اور خاتمۂ موت کا دھیان رکھنے کی وصیت وتاکید فرماتے رہتے تھے۔ حدیث پاک میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اَکْثِرُوْا ذِکْرَ ھَاذِمِ اللَّذَّاتِ یعنی لذتوں کو توڑ دینے والی (موت) کو خوب یاد کرو ۔۔۔۔۔ حضرت والا رحؒ اسی حدیث کو بزبان شعر اکثر اسطرح فرمایا کرتے تھے ؎

سن لو دوستو! کام کی اک بات　　　اَکْثِرُوْا ذِکْرَ ھَاذِمِ اللَّذَّاتِ

مولانا عبدالقیوم صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:

"حضرتِ والا رحؒ کو ہر وقت اپنی موت کا دھیان رہتا تھا۔ اور حسن خاتمہ کے لئے بہت ہی فکر مند رہتے تھے۔ حسن خاتمہ کے لئے خود بھی خاص اہتمام فرماتے اور اکابر واحباب نیز اپنے خدام وتلامذہ سے بھی اپنے لئے حسن خاتمہ کی دعا کی درخواست فرماتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نامور شخص کے انتقال پر ہفت روزہ اخبار "مبارک" سہارنپور نے ایک اداریہ لکھا۔ حضرت والا رحؒ نے اسکو پڑھا اور فرمایا "دیکھو کتنے بڑے آدمی تھے انتقال کر گئے۔ چند اخباروں میں یہ خبریں آ گئیں کچھ لوگوں نے مرحوم کے محاسن وکمالات پر مضامین لکھدیئے چند دنوں تذکرہ رہے گا اس کے بعد سب بھول جائیں گے۔ اسی طرح ہمارا بھی حال ہوگا۔ اور دیر تک عمر ناپائدار و دنیائے فانی کا ذکر اس انداز سے فرماتے رہے کہ موت کا نقشہ نگاہوں کے سامنے آ گیا اور اس مضمون کے بہت سے اشعار آپ دیر تک سناتے رہے جن میں سے چند اشعار

اس وقت بھی مجھے یاد آرہے ہیں ؎

بس اتنی سی حقیقت ہے فریبِ خوابِ ہستی کی ۔ کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ بن جائے

مٹھیوں میں خاک لیکر دوست آئے وقتِ دفن ۔ زندگی بھر کی محبت کا صلہ دینے لگے

ہے بہار عمر دنیا چند روز ۔ جیسے لو چندری کا میلہ چند روز

زندگی بلبلہ ہے پانی کا ۔ کچھ بھروسہ نہیں جوانی کا

اور پھر ہم لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ:

اسعدؔ خستہ کو پاؤ گے کہاں ۔ کر لو اس کی مہمانی چند روز

غرضیکہ حضرت والارحؒ کی صحبت میں بیٹھکر غافل سے غافل انسان کو بھی موت کی یاد تازہ اور آخرت کی فکر پیدا ہو جاتی تھی۔ اسی طرح آپ برابر اپنے حکیمانہ و عارفانہ کلمات سے مردہ و پژمردہ دلوں کی مسیحائی و آبیاری فرماتے رہتے تھے،،

مولانا محمد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا فانیؔ صاحب نے فرمایا ؎

ہر نفس عمر گذشتہ کی ہے میت فانیؔ ۔ زندگی نام ہے مر مر کے جیئے جانیکا

خود حضرت والارحمۃ اللہ علیہ موت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے تھے اور موت کے تصور ہی سے ان پر عجیب رقت و گریہ کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ فرماتے ؎

تجھ سے سن لو کام کی اک بات ۔ اَکْثِرُوا ذکرھا ذم اللذات

اور فرماتے تھے کہ ؎ موت سے کس کو رستگاری ہے ۔ آج ان کی کل ہماری باری ہے

بس اتنی سی حقیقت ہے فریب خواب ہستی کی ۔ کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

میں نے موت پر ایک مرتبہ حضرت والارحؒ کو ایک شعر سنایا تو بے ساختہ رو پڑے وہ شعر یہ ہے

؎ ہے آج جو سرگذشت اپنی ۔ کل اس کی کہانیاں بنیں گی

حسن خاتمہ کی فکر

حسن خاتمہ کی حضرت والارحؒ کو صحت کی حالت میں بھی فکر تھی۔ اور مرض و ضعف پیری میں تو اس فکر کا بہت ہی اضافہ و غلبہ تھا۔ ہمیشہ مستقل اس مقصد کے لئے دعا فرماتے تھے ختم خواجگان میں روزانہ بلا ناغہ دعائے حسن خاتمہ ان الفاظ میں فرماتے تھے ،، اے اللہ چلتے ہاتھوں پیروں اٹھا اور ہمارا ایمان پر خاتمہ فرما ،، اخیر عمر میں تو ہر آئے جانے

والے سے درخواست کرتے کہ حسن خاتمہ کی دعا کریں اور اس درخواست کے وقت اکثر رقت طاری ہو جاتی اور آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں۔

آخرت کا دھیان

آخرت کا یقین، حساب و کتاب، پر ایمان اور خداوند تعالیٰ کی بارگاہ پیشی کا دھیان بنیادی چیز ہے۔ اسی ایمان بالآخرۃ کی برکت سے آدمی جرائم و مظالم سے بچتا ہے اور اسی عقیدہ کی طاقت سے انسان اچھے اعمال (اللہ کی عبادت و اطاعت اور خلق خدا کی خدمت و شفقت) سے مزین ہوتا ہے۔ عقیدۂ آخرت میں جس درجہ کی مضبوطی ہوگی اور اس کا جتنا استحضار اور دھیان ہوگا انسان اسی درجہ کا متقی، پرہیزگار اور دیندار ہوتا ہے۔ حضرت والا رحؒ کی ہر ایک ادا سے عقیدۂ آخرت کا استحضار محسوس ہوتا تھا۔ اسی لئے وہ ادنیٰ حق تلفی کے شائبہ سے یا معمولی کوتاہی کے شبہ سے بھی بے چین ہو جاتے اور اسکی مکافات کی فکر و کوشش فرماتے تھے۔ اگر یہ شبہ ہو جاتا کہ فلاں شخص کو (وہ خواہ کتنا ہی ادنیٰ سے ادنیٰ انسان ہو) مجھ سے ایذا پہنچی ہے تو اس سے جب تک معافی و تلافی نہ فرما لیتے آپ مطمئن نہ ہوتے تھے۔ آپ نے پوری زندگی میں کبھی دنیا کے لئے کوئی اہتمام نہیں کیا بلکہ اسبابِ دنیا کی شکستگی پر بھی آپ نے کبھی اظہار افسوس اور انکی جانب کبھی کوئی التفات نہیں فرمایا۔ اس "حیاتِ اسعد" کے مختلف گوشوں میں ان مذکورہ امور پر کافی روشنی موجود ہے۔

حضرت والا رحؒ فرماتے کہ "دنیا کا انتظام اتنا کرو جتنا اس میں قیام کرنا ہے اور آخرت کا اتنا انتظام کرو جتنا وہاں رہنا ہے"۔ ظاہر ہے کہ دنیا میں قیام عارضی اور چند روزہ ہے اور مستقل ہمیشہ آخرت ہی میں رہنا ہے۔ اس لئے آپ نے اپنی جائدادوں کی پرواہ نہ کی بڑی بڑی ملازمتوں کو ٹھکرا کر دین کی خدمت، یکسوئی کیساتھ اللہ کی عبادت اور اتباعِ شریعت و سنت پر زندگی کی تمام بہاریں بلکہ حیاتِ بابرکات کے تمام لمحات قربان کر دیئے اور بفضلہ تعالیٰ اُخروی زندگی کو خوشگوار و شاندار بنا کر وہ فائز المرام اور کامیاب اس دنیائے دُنی سے حق تعالیٰ کی آغوشِ رحمت و جنت کی طرف رحلت فرما گئے۔ حضرت والا رحؒ نے فرمایا ؎

ان کی مخمور نگاہوں سے ہے دنیا سرشار — نہیں دنیا میں کسی کو ہوس جامِ شراب
آب کوثر کی ہوس جن کو قیامت میں نہیں — ان کو ہوتی ہے یہاں پر ہوس جامِ شراب

مست آنکھوں سے پیا لوٹ گیا ساغرِ جب ‌ ‌ ‌ ‌ چشمِ میگوں بنی فریاد رسِ جامِ شراب
چھوڑ بھی ذکر بتاں یادِ خدا آئی ہے ‌ ‌ ‌ ‌ تجھ سے دانا کو مناسب نہیں ناداں ہونا
آفتابِ شرف جوہرِ انساں کا غروب ‌ ‌ ‌ ‌ غمِ دنیا کے لئے سر بگریباں ہونا
دنیا کے حوادث سے نہیں کرتا آہ ‌ ‌ ‌ ‌ سختی میں بھی رہتی ہے مرے لب پہ واہ
میں اور کسی کام سے ہمت ہاروں ‌ ‌ ‌ ‌ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

امراض اور معالجے

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی صحت و تندرستی بہت عمدہ تھی بدن گٹھا ہوا تھا نہ زیادہ موٹے تھے نہ دبلے چھریرا اور مضبوط بدن تھا ورزش فرماتے اور اپنی تندرستی کا پورا پورا خیال رکھتے تھے۔ مسلسل علمی انہماک مستقل مجاہدوں، انتھک محنتوں کے باوجود بوڑھاپے تک آپ کی صحت قابلِ رشک رہی ہے ۱۳۷۲ھ میں جب میں نے جامعہ مظاہر علوم میں داخلہ لیا تو حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی تندرستی میری نظر میں سب سے عمدہ تھی۔ سرخ و سفید رنگ تھا۔ رخساروں سے خون جھلکتا تھا نورانی چہرہ میں دونوں رخسار عمدہ کشمیری سیب جیسے معلوم ہوتے تھے آپ کا قلبِ مبارک بڑا قوی تھا۔ آپ کی شجاعت و قوت قلب کے ثبوت کے لئے "فتنۂ ارتداد" کے مقابلہ میں گرانمایہ کارنامے اور باطل فرقوں اور باطل پرستوں سے کامیاب مناظرے کافی دلیل ہیں جناب ڈاکٹر شفیق احمد صاحب سہارنپوری نے (اس وقت جبکہ آپ پر دورۂ قلب پڑا تھا) کہا تھا کہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا قلب بڑا مضبوط ہے انہوں نے یہ بھی کہا کہ "امریکہ کے صدر" "آئزن ہاور" کے علاوہ کسی اور کا دل اتنا مضبوط نہیں ہوا ہے جتنا مضبوط دل حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا ہے" واللہ اعلم۔

آنکھوں کی تکلیف اور علاج

کتب بینی اور مطالعہ کی کثرت کے سبب حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھوں میں کمزوری پیدا ہوگئی اور آنکھوں سے رطوبت بہنے لگی۔ سہارنپور کا سول ہسپتال اس زمانہ میں مدرسہ خلیلیہ شاخ جامعہ مظاہر علوم اور نہرو مارکیٹ کے درمیان تھا وہاں آنکھوں کا معائنہ کرایا گیا اور یہیں آپریشن بھی ہوا لیکن آپریشن کامیاب نہ ہوا۔ زخم مندمل ہوجانے

کے بعد بھی رطوبت بدستور جاری رہی مخلصین نے مشورہ دیا کہ دہلی میں کسی ماہر چشم ڈاکٹر سے رجوع کیا جائے اور علاج کرایا جائے۔ چنانچہ حاجی مہربان احمد صاحب رئیس سہارنپور وحاجی محمد احمد صاحب پہاڑ والے کے ہمراہ دہلی کا سفر ہوا۔ ان دونوں حضرات کے ہمراہ ان کے ایک ایک ملازم و معین بھی تھے۔ ان سب حضرات کے باوجود حضرت والا رح کے ساتھ صاحبزادۂ محترم مولانا محمد اللہ صاحب بھی تھے، دہلی پہنچکر نظام ہوٹل متصل مسجد فتحپوری میں قیام کیا۔ اور دو دن تک حضرت والا رح، حاجی مہربان احمد صاحب اور حاجی محمد احمد صاحب تینوں حضرات ڈاکٹروں سے ملتے اور مشورے کرتے رہے۔ آخر یہ طے ہوا کہ درگاہِ صابریہ دریا گنج دہلی میں ڈاکٹر علاؤالدین صاحب مہاس جو آنکھ، ناک اور گلے کے امراض میں ماہر ہیں۔ ان سے مشورہ کیا جائے اگر طے ہو جائے تو انہیں سے علاج کرایا جائے۔ جب ڈاکٹر صاحب موصوف کے مطب پر پہنچے تو نماز ظہر کا وقت ہو چکا تھا۔ چنانچہ درگاہ صابریہ کی مسجد میں نماز کیلئے چلے گئے اور ان حضرات نے اپنے جوتے حوض کے کنارہ رکھ لئے۔ وضو سے فارغ ہو کر دیکھا کہ پیچھے ایک نورانی صورت بزرگ کھڑے ہیں اور جوتے غائب ہیں۔ قدرے تشویش ہوئی ان بزرگ صاحب نے فرمایا آپ حضرات فکر نہ کریں میں نے آپ کے جوتے بحفاظت مسجد میں رکھدیئے ہیں یہ بزرگ شاہ کرار حیدر صاحب سجادہ نشین درگاہ صابریہ تھے۔ جن کا خاندانی تعلق گنگوہ اور انبہٹہ کے بزرگوں سے تھا۔ شاہ صاحب مسلک کے اعتبار سے گو دیوبندی نہ تھے لیکن نگاہ مردم شناس رکھتے تھے۔ ان کو نماز کے بعد حضرت والا رح کا تفصیلی تعارف حاصل ہوا کہ آپ جامعہ مظاہر علوم کے استاذ اور حضرت حکیم الامت رح کے خلیفہ ہیں۔ دہلی میں آنکھوں کے علاج کے سلسلہ میں آئے ہیں اور نظام ہوٹل میں قیام ہے۔ تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ آپ حضرات یہاں خانقاہ میں قیام فرمائیں چنانچہ نماز وغیرہ کی سہولتوں کی خاطر قیام تو خانقاہ میں ہوا اور طعام کا انتظام مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دعاجو کے صاحبزادے محمد یونس صاحب نے کیا۔ شاہ صاحب موصوف نے ایک بہت بڑا کمرہ حضرت والا رح اور ان کے خدام کے حوالہ فرما دیا تھا۔ یہاں قیام کے دوران شاہ صاحب اور ان کے مریدین حضرت والا رح کے متعلقین کی اقتدار میں نمازیں ادا کرتے رہے اگر کسی نے اختلاف مسلک کے متعلق کہا تو شاہ صاحب نے کہدیا کہ "ارے یہ مولوی

نہیں ہیں مولوی گر ہیں ان کے ہوتے ہوئے کسی اور کے پیچھے نماز پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا" اس درگاہ میں شاہانِ مغلیہ کی اولاد میں سے ایک مرزا صاحب (جو بہت مقدس بزرگ تھے اور غالباً زیادہ خوشحال نہ تھے) تشریف لاتے اور نہایت والہانہ طرب انگیز انداز میں ذکر فرماتے تھے۔ حضرت حافظ فخر الدین صاحب بھی روزانہ تشریف لاتے اور جناب قاری احمد حسن صاحب نگینوی بھی یہیں مقیم تھے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے بڑی توجہ سے علاج کیا اور ان کا علاج کامیاب رہا۔ ڈاکٹر علاء الدین صاحب منہاس آزادیٔ ہند کے بعد پاکستان چلے گئے تھے اور شاہ کرار حیدر صاحب اس کے بعد جب بھی سہارنپور تشریف لاتے مدرسہ بھی تشریف لا کر حضرت والاؒ سے ملتے تھے۔ حکیم اعجاز احمد صاحب قدوسی گنگوہی کے مکان پر (جو فرخ والی مسجد کے سامنے تھا) شاہ صاحب کا قیام رہتا تھا۔ مولانا محمد اللہ صاحب وہیں ان سے ملنے کیلئے جاتے تھے قدوسی صاحب موصوف مسلم لیگ کے سرگرم رکن بھی تھے۔

آنکھوں کا علاج دہلی کے بعد سیتاپور میں

آنکھوں کی تکلیف کا یہ پہلا مرحلہ تھا جس کا علاج دہلی میں ہوا لیکن اس کے بعد رفتہ رفتہ آنکھوں پر موتیا بند کا اثر ہونے لگا جس کی وجہ سے حضرت والاؒ کی نازک طبیعت پر بڑی گھبراہٹ رہتی تھی سہارنپور کے ماہر چشم ڈاکٹر مقصود حسین صاحب سے رجوع کیا گیا۔ نیز دوسرے ڈاکٹروں کا علاج بھی رہا لیکن "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"۔ رفتہ رفتہ موتیا بند اتنا بڑھ گیا کہ اس کا آپریشن کرانا ضروری ہو گیا احباب و مخلصین نے مشورہ دیا کہ لکھنؤ میں آپریشن کرایا جائے۔ لکھنؤ کا سفر طے ہو گیا ایک صاحب نے (جو علم جفر میں ماہر تھے اور سہارنپور ڈاکٹر محمد حنیف و ڈاکٹر محمد نعیم صاحب کے مکان والی گلی میں رہتے تھے) آکر کہا کہ حضرت تشریف لے جا رہے ہیں مگر یہ سفر ناکام رہے گا۔ حضرت والاؒ اس کے کہنے سے کچھ متاثر نہ ہوئے اور لکھنؤ تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچکر مولانا علی میاں ندوی کے مکان پر قیام فرمایا۔ کئی حضرات نے دو روز تک ماہر ڈاکٹروں کو تلاش کیا۔ مگر عجیب اتفاق کہ کوئی ماہر علاج چشم ڈاکٹر نہ مل سکا۔ سب کے سب باہر گئے ہوئے تھے۔ غرض ان "جفری صاحب" کی بات پوری ہوگئی اور سفر لکھنؤ ناکام رہا۔ لکھنؤ سے مایوس ہو کر بعض اعزہ و احباب کے مشورہ

سے سیتاپور کا پروگرام بن گیا آپ کے ایک عزیز شیخ مستنصر اللہ مرحوم نے ایک تعارفی خط کیپٹن عبدالسلام خاں کو لکھدیا۔ کیپٹن صاحب موصوف اسوقت سیتاپور میں پولس کے افسرِ اعلیٰ تھے اور اب اپنے وطن بریلی میں مقیم ہیں۔ کیپٹن صاحب سے ملاقات ہوئی وہ خط پڑھ کر حضرتِ والا رحمہ کو ہسپتال لیگئے ہسپتال میں پرائیویٹ وارڈ میں کوئی کمرہ خالی نہ تھا۔ اور جنرل وارڈ میں اوپر کی منزل سے ایک شخص (جسکا آپریشن ہو چکا تھا) گر کر مرچکا تھا۔ اس لئے جنرل وارڈ کا راستہ بھی بند تھا۔ لیکن کیپٹن صاحب کے اثر ورسوخ سے ہسپتال کی لائن میں ایک خیمہ میں جگہ مل گئی اس خیمے میں ایک صاحب اور بھی پہلے سے تھے۔ مسجد ہسپتال سے کافی دور ہے لیکن حضرت والا رحمہ آنکھوں کی معذوری کے باوجود نماز کیلئے مسجد میں تشریف لے جاتے تھے۔ اس مسجد میں زیادہ تر کچہری کے ملازمین اور وکلاء حضرات نماز ادا کرتے تھے وہ لوگ حضرت والا رحمہ سے پوچھتے کہ آپ کہاں سے آئے ہیں اور کون ہیں؟ تو حضرت جواب دیتے کہ میں سہارنپور سے آیا ہوں اور ایک طالبعلم ہوں۔ اس جواب پر وہ لوگ خاموش ہو جاتے۔ مگر نماز با جماعت کا یہ غیر معمولی اہتمام دیکھکر جو انہوں نے کہیں نہ دیکھا ہوگا وہ لوگ بہت متاثر تھے۔ لیکن وہاں کیپٹن صاحب کے علاوہ سبھی سے اجنبیت تھی۔ جسکی وجہ سے تشویش یہ بھی کہ یہاں اگر روپے کیضرورت ہوئی تو کیا ہوگا۔ کیونکہ حضرتِ والا رحمہ کی رقم مولانا علی میاں صاحب کے پاس لکھنؤ میں امانت تھی۔ اسلئے حضرتِ والا رحمہ نے صاحبزادۂ محترم مولانا محمد اللہ صاحب کو حکم فرمایا کہ لکھنؤ جاکر امانت فوراً واپس لے آئیں (صاحبزادہ موصوف خدمت کیلئے ہمراہ تھے) مولانا محمد اللہ صاحب لکھنؤ سے واپس ہوئے اور ہسپتال پہنچے تو دیکھا کہ پرائیوٹ وارڈ کی لائن میں زبردست بھیڑ ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ سب لوگ حضرت والا رحمہ کی زیارت کیلئے جمع ہیں۔ مولانا محمد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے بڑا تعجب ہوا کہ ایک رات اور آدھے دن میں یہ کیا انقلاب بپا ہو گیا کہ یا تو کوئی جاننے والا نہ تھا یا زیارت کرنیوالوں کی ایسی زبردست بھیڑ سبحان اللہ معلوم ہوا کہ حضرت والا رحمہ معمول کیمطابق مسجد تشریف لے گئے تھے۔ وہاں مولانا عنایت اللہ صاحب نے نماز پڑھائی بعدِ نماز حضرت والا رحمہ سے تعارفی گفتگو ہوئی تو حضرت مولانا مفتی سعد اللہ صاحب سے نسبی وخاندانی تعلق اور حضرت تھانوی سے بیعت واصلاح کا

تعلق معلوم ہوا۔ مولانائے موصوف کو حضرت مفتی صاحب کے خاندان سے تلمذ کی نسبت حاصل تھی۔ مولانا نے اپنے شاگرد ڈپٹی اکرام الدین صاحب ڈپٹی کلکٹر سیتاپور سے فرمایا کہ آپ کے یہاں ایسی خصوصیات کا شخص آیا ہوا ہے اور وہ پریشان ہے بڑے افسوس کی بات ہے ڈپٹی صاحب خود اُسپتال آئے اور ہسپتال کے انچارج ڈاکٹر مہیش پرشاد سے کہہ کر پرائیوٹ وارڈ کمرہ ۵ دلوایا۔ ڈپٹی صاحب انچارج صاحب کے کلاس فیلو بھی تھے اور ڈپٹی صاحب نے ہسپتال کیلئے آٹھ ہزار روپے کا چندہ بھی کرایا تھا۔ پھر شاہ عبدالغنی صاحب بھی اپنے مریدوں میں سیتاپور تشریف لے آئے انکی وجہ سے اور زیادہ تعارف ہوا اور شہرت بڑھتی چلی گئی۔ حضرت شاہ صاحب روزانہ ہسپتال میں حضرت والاؒ کے پاس تشریف لاتے تھے اس سلسلہ کا ایک عجیب واقعہ "کشف وکرامات" کے ذیل میں درج ہے۔ اسکے بعد ماسٹر محمد ایوب صاحب کو علم ہوا وہ بھی آنے جانے لگے۔ موصوف حضرت تھانوی رح کے مرید اور قاضی پاڑہ سیتاپور میں رہتے تھے۔ اس طرح تمام مسلمانانِ سیتاپور سے خوب تعارف ہو گیا۔ اور بحمداللہ ہر قسم کی سہولتیں مہیا ہو گئیں اس سفر میں ایک آنکھ کا آپریشن ہوا جسمیں بفضلہ تعالیٰ کامیابی ہوئی۔

دوسری آنکھ کا آپریشن

دوسری آنکھ کا آپریشن بھی سیتاپور ہوا اس سفر میں آپ کے ساتھ صاحبزادہ محترم مولانا محمداللہ صاحب نہ تھے بلکہ آپ کے خادم مولوی عبدالغنی صاحب گجراتی تھے اس لئے پوری رودادِ سفر کا علم نہیں۔ لیکن اجمالی طور پر اتنا معلوم ہے کہ اب کی مرتبہ اجنبیت اور دقت نہ تھی۔ اس دوسرے سفر میں حجۃ الاسلام حضرت اقدسؒ کے ہمراہ آپکے چچا مولانا حکیم فضل اللہ صاحب رح بھی بغرض علاج چشم آپکے ہمراہ سیتاپور تشریف لے گئے تھے حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے چچا صاحب موصوف کی آنکھ کا بھی آپریشن کرایا تھا۔ صاحبزادہ محترم ان ایام میں رام پور مقیم تھے۔ واپسی میں رات کیوقت حضرت والا رح اپنے چچا صاحب کو لیکر رام پور پہنچے اور صبح کی گاڑی سے حضرت اقدس مع رفقاء، رحضرت مولانا مفتی فضل اللہ و مولوی عبدالغنی صاحب، سہارنپور کیلئے سوار ہو گئے تھے۔ صاحبزادہ محترم دائرہ نے اسٹیشن تک خدمت کیا۔ اسٹیشن پر کپتان معین الدین خالصاحب موجود تھے۔ جن کو

حضرت خواجہ غریب نواز صاحب سے خاص تعلق تھا۔ اور وہ ہر کلام میں اکثر خواجہ صاحب کا تذکرہ فرماتے تھے۔ اور بزرگوں سے بہت ہی متاثر تھے۔ انہوں نے اسٹیشن پر جب ان سب حضرات کو دیکھا تو دوڑے ہوئے آئے۔ اور حجۃ الاسلام حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ سے مصافحہ کر کے دست بوسی کی حالانکہ اس سے قبل وہ حضرت والا رح سے کوئی تعارف نہ رکھتے تھے اس سے ان کی بزرگ شناسی معلوم ہوئی۔

سیتا پور کے ان دونوں سفروں کی تاریخ وغیرہ کا علم نہیں ہے اس لئے واقعات کو بلا قید تواریخ ذکر کر دیا گیا ۔

پیشاب کی تکلیف اور غدود کا آپریشن

حضرت والا رح کی صحت و تندرستی اکثر عمر میں قابلِ رشک رہی ہے لیکن اخیر عمر میں حضرت والا رح گوناگوں امراض کا شکار ہو گئے تھے۔ انھیں امراض میں سے ایک مرض پیشاب کی تکلیف کا تھا جو کافی عرصہ رہا بہت سے معالجوں اور ڈاکٹروں کیطرف رجوع کیا گیا۔ مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ ادھر حضرت والا رح کی صحت اس تکلیف سے بیحد متاثر ہو گئی تھی۔ بعض ڈاکٹروں نے تعجب سے کہا کہ معلوم آپ کسطرح زندہ ہیں۔ ایک مرتبہ اسی تکلیف کی وجہ سے اتنا سخت دورہ پڑا کہ آکسیجن کی ضرورت محسوس کی گئی۔ لیکن آکسیجن کے استعمال سے پہلے ہی افاقہ ہو گیا تھا۔ اس موقع پر ڈاکٹر شفیق احمد خاں صاحب نے کہا کہ حضرت کا دل بہت ہی مضبوط ہے درنہ میں تو مایوس ہو چکا تھا اور یہ روحانی طاقت ہے جو حضرت کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ امریکہ کے صدر "آئزن ہاور" کے علاوہ کسی اور کا دل اتنا مضبوط نہیں ہوا ہے۔ اسی طرح کا ایک شدید دورۂ قلب وفات سے تقریباً گیارہ سال پہلے بھی ہوا تھا۔ صورتِ حال یہ پیش آئی کہ ڈاکٹروں نے ہدایت کر دی تھی کہ حضرت لیٹے رہیں ان کی جگہ سے اٹھایا نہ جائے۔ اسکے باوجود آپ پیشاب کرنے کی مقررہ جگہ تک پہنچے مگر اچانک پیشاب بند ہو گیا وہیں بیٹھے بیٹھے آدھا پون گھنٹہ گذر گیا مگر پیشاب نہوا۔ اندر اندر پیشاب کا تقاضا یہ تھا کہ بیٹھے رہیں۔ اور ڈاکٹروں کی ہدایت کا تقاضہ تھا کہ لیٹ جائیں۔ دونوں باتوں کا جمع کرنا ممکن نہ تھا۔ عجب کشمکش کا عالم تھا کہ اسی حالت میں قلب کا سخت دورہ

پڑا۔ حضرت والا کے خصوصی ڈاکٹر سید فرحت حسین صاحب کو اطلاع دی گئی وہ فوراً تشریف لائے کچھ دوائیں دیں جن سے دورۂ قلب کو تسکین ہوئی۔ لیکن پیشاب کا مسئلہ بدستور رہا اس لئے ڈاکٹر صاحب موصوف نے خود "مشن کمپوئنڈ" میں جاکر ڈاکٹر دتہ سے مشورہ کیا۔ پھر ڈاکٹر دتہ کو بلایا گیا۔ ڈاکٹر دتہ نے پیشاب کی نالی میں پیتل کی سلائی چڑھائی جس سے شدید تکلیف تو ہوئی مگر پیشاب ہوگیا ڈاکٹر نے کہا کہ اگر یہ سلائی نکال لی جائیگی تو پیشاب نہ ہوگا۔ اس لئے سلائی پیشاب کی نالی میں چھوڑ دی گئی جس سے پیشاب تو بند نہ ہوا۔ لیکن اس کا اسطرح نالی میں رہنا مضر بلکہ مہلک بھی ہو سکتا تھا یعنی زخم ہوکر زہریلہ اثر بدن میں پھیل سکتا تھا۔ اس لئے ڈاکٹر دتہ کا مشورہ ہوا کہ آپریشن کرایا جائے کیونکہ غدود بڑھ گئے ہیں جو پیشاب آنے میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ لیکن اس آپریشن میں دو مرحلے ہوتے ہیں (۱) پیٹ میں مثانے کے محاذ میں سوراخ کر کے ایک نلکی کا ایک سرا مثانہ میں جوڑ دیا جائے اور دوسرا سرا بوتل میں لگادیا جاتا ہے۔ اس طرح اصل راستہ کی بجائے اس راستہ سے پیشاب خارج ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ یہ پہلا مرحلہ طے ہوگیا مگر حضرت والا اتنے حساس تھے کہ یہ چیز ان کو مطمئن نہ کرسکی کہ اصل راستہ سے پیشاب نہیں آرہا ہے اگرچہ خارج ہورہا ہے۔ اس لئے متعلقین سے بار بار تقاضا تھا کہ "پیشاب کراؤ" اس پہلے مرحلہ کے بعد ڈاکٹر دتہ کے ہسپتال سے مدرسہ منتقل ہوچکے تھے۔ اسی وقت ڈاکٹر فرحت صاحب نے بتایا کہ اسکے باوجود کہ پیشاب نلکی سے خارج ہورہا ہے لیکن اس میں پیشاب کا کوئی قطرہ پیشاب کی نالی کے سرے تک پہنچ جاتا ہے اور وہ خارج نہیں ہوتا تو اس سے تکلیف زائد ہوتی ہے غرض یہ کیفیت چلتی رہی اور اس کا اثر یہ ہوا کہ اب حضرت پر بے ہوشی کے دورے پڑنے لگے۔ آپریشن کا یہ پہلا مرحلہ اس لئے ہوتا ہے کہ دوسرے مرحلہ کیلئے مریض تیار ہوجائے۔ یہاں معاملہ الٹا ہوا کہ دوسرے مرحلے کے لئے تیار تو کیا ہوتے۔ پہلے ہی مرحلے میں کھانا پینا اور سونا سب کچھ بند ہوگیا اور بیہوش رہنے لگے۔ اس صورت حال سے مسلمانان سہارنپور کو بڑی پریشانی تھی۔ اور تشویش بڑھتی جارہی تھی۔ ڈاکٹر فرحت صاحب دن میں کئی کئی بار تشریف لاتے اور کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آتا کہ کیا کیا جائے۔ مولوی زکریا سعدی۔ بھائی اسلم کپڑے والے

اور دوسرے سبھی لوگ بہت پریشان تھے کہ ایکدن دوپہر کو ڈاکٹر فرحت حسین صاحب تشریف لائے اور (صاحبزادہ محترم مولانا محمد اللہ صاحب) سے گفتگو ہوئی کہ عام طور پر بڑے اپریشن میں جان کا خطرہ ہوتا ہے کیونکہ اس میں خون بہت بہہ جاتا ہے۔ لیکن یہاں تو بڑے آپریشن سے پہلے ہی جان کا خطرہ لاحق ہے۔ اور حضرت کو اسوقت تک سکون نہیں ہوسکتا جب تک اصل راستہ سے پیشاب نہ آجائے۔ لہٰذا آپریشن کے دوسرے بڑے مرحلے ہی کو کیوں نہ اپنا لیا جائے۔ اگر اللہ کا فضل ہوگیا اور اصل راستہ سے پیشاب ہونے لگا تو یقین ہے کہ حضرت کو سکون حاصل ہوجائے گا۔ ورنہ تو اللہ تعالیٰ کو جو منظور ہوگا ہوجائے گا۔ یہ مشورہ ہورہا تھا اور حضرت والا رحمہ بیہوش تھے۔ کھانا پینا اور سونا تو کجا ہر وقت بے چین رہنے کی وجہ سے حد درجہ کمزور ہوچکے تھے کہ دو باتیں پیش آگئیں ما اسعدی صاحب نے بھائی اسلم صاحب سے کہا کہ میری رائے ہے کہ حضرت کے روپے پیسے اور جو بھی کوئی چیز کسی کے پاس ہو وہ مولانا محمد اللہ صاحب کے حوالے کردے۔ بھائی اسلم صاحب کے پاس حضرت کا حساب رہتا تھا۔ بھائی اسلم صاحب نے اپنا کان پکڑ کر کہا یہ تو میں ہرگز نہیں کروں گا (۲) دوسری بات، یہ پیش آئی کہ ڈاکٹر فرحت صاحب یہ طے کرنے بعد کہ دوسرا بڑا آپریشن کرادیا جائے ڈاکٹر دتہ کے یہاں پہنچے۔ اور ان سے سب کچھ طے کر آئے اور آکر فرمایا کہ مغرب کے بعد ڈاکٹر دتہ کے پاس جانا ہے کل کو آپریشن ہوگا۔ اس کی پورے شہر میں شہرت ہوگئی اور دارالطلبہ کے صحن میں عقیدتمندوں کا ہجوم ہوگیا۔ اور حضرت والا رحمہ کو لیجانیکے لئے کار کا انتظام ہوگیا کہ اسلم صاحب کے بڑے بھائی جناب حافظ محمد فاروق صاحب رنگ والے آئے اور فرمایا کہ جو لوگ حضرت کو آپریشن کیلئے لے جانا چاہتے ہیں وہ ظالم ہیں۔ حضرت تو ڈاکٹر دتہ کی کوٹھی تک بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ یہ فیصلہ مولانا محمد اللہ صاحب نے کیا ہے اس لئے وہ ان پر بہت ناراض تھے۔ ادھر ڈاکٹر فرحت صاحب لیجانیکے لئے مُصر تھے۔ اور دوسرے لوگوں کا مشورہ تھا کہ خطرہ تو بہرصورت ہے لہٰذا وہ خطرہ اختیار کیا جائے جسمیں صحت کا امکان بھی ہو۔ غرض اب وہ وقت آیا کہ حضرت کو اسی بیہوشی کے عالم میں کار تک لیجایا جائے۔ لیکن قدرت خداوندی کا عجیب کرشمہ ظاہر

ہوا کہ حضرت کو ہوش آگیا۔ اسوقت جو لوگ جمع تھے انمیں مولانا محمد طٰہٰ مدرس مدرسہ مظاہر
بھی تھے۔ ان کو روپیہ کے متعلق اسلم صاحب کا اسعدی صاحب کو جواب دینا پسند نہیں
تھا۔ حضرت نے ہوش میں آتے ہی فرمایا کہ "میری چابیاں، میری رقم اور جو کچھ جس
کے پاس ہو وہ میرے بیٹے محمد اللہ کو دیدیں" اب تو سب لوگ حیران تھے۔ لہٰذا بھائی
اسلم صاحب نے فوراً ۱۴۵ روپے اور کچھ پیسے دینا چاہے اور کہا کہ میرے پاس رہی ہیں اور
چابیاں بھی دیدیں (مولانا) محمد اللہ (صاحب) نے چابیاں لے لیں اور روپے کے متعلق
کہا کہ آپ اپنے پاس رکھیں اور حسب ضرورت خرچ کرتے رہیں۔ پھر روانگی ہوئی
اور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ ڈاکٹر صاحب کے یہاں بخیر و خوبی پہنچ گئے اور تمام لوگ بھی
پہنچ گئے۔ لیکن حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ اس جملہ مذکورہ کے بعد ہی بے ہوش ہوگئے تھے
اور دوسرے دن تک بے ہوش ہی رہے، دوسرے دن ظہر کے بعد ڈاکٹر فرحت صاحب
مشن کمپاؤنڈ میں ڈاکٹر دتّہ صاحب کی کوٹھی پر آئے۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ اسوقت
بھی بے ہوش تھے کمزوری حد درجہ تھی مگر ڈاکٹر فرحت صاحب کے عزم میں کوئی کمی
نہیں آئی۔ چنانچہ ان کے مشورہ اور ہدایت کے مطابق آپریشن روم میں لیجایا گیا۔ اور
شاید پون گھنٹہ تک آپریشن ہوا۔ ڈاکٹر فرحت صاحب بھی آپریشن روم میں رہے
کچھ روز کے بعد بفضلہ تعالیٰ اصل راستہ سے پیشاب آیا تو حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کو سکون ہونا
شروع ہوا۔ اس تمام زمانہ میں ڈاکٹر فرحت صاحب نے گویا اپنا مطب چھوڑ دیا تھا۔
بار بار مشن کمپاؤنڈ میں اپنے خرچ سے تشریف لاتے تھے اللہ کے فضل اور ان کے خلوص
کی برکت سے صحت حاصل ہوئی حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ بھی روزانہ ہسپتال
تشریف لاتے تھے۔ عقیدتمندوں کا اتنا ہجوم رہتا تھا کہ ڈاکٹر دتّہ کی کوٹھی کے برابر
میں جو میدان تھا۔ اس میں پانچوں وقت نماز باجماعت ہوتی تھی اور دونوں وقت
پچاسوں آدمی ایک لمبے دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ کھانے کا نظم اکثر جناب حاجی
محمد یاسین صاحب مرحوم بڑی دلی کرتے تھے۔ مولوی عبدالغنی صاحب اور مولوی غلام
صاحب گجراتی تو آکر مستقل طور پر وہیں رہے۔ مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی
بھی تشریف لاتے تھے۔

یہاں قابلِ ذکر خاص بات یہ بھی ہے کہ اس تمام زمانے میں حضرت والاؒ کی تمام نمازیں تیمم کے ساتھ باجماعت ادا ہوتی رہیں۔ چونکہ استنجا وغیرہ کا اہتمام نہیں ہو سکتا تھا اس لئے حضرت والا کو اس سے بہت تو حش تھا۔ اس پر حضرت مفتی محمود حسن صاحب نے یہ فتویٰ دیکر آپکو مطمئن کیا کہ "موجودہ وقت میں آپکی تمام کیفیات طہارت و پاکی کے حکم میں ہیں، ناپاکی کا کوئی شائبہ بھی نہیں اور سب نمازیں بالیقین ادا ہوتی ہیں"

معذوری کے باوجود نمازوں کا اہتمام

بعض مرتبہ حضرت والاؒ کو شاید یاد نہ رہتا تھا کہ نماز پڑھ چکے ہیں کیونکہ بار بار بیہوشی کی وجہ سے ذہن منتشر تھا۔ تو خود ہی وہاں سر پر لپیٹ کر نماز شروع فرما دیتے تھے ان کی قرأت بالسر بھی آتی بالجہر ہوتی تھی کہ پاس بیٹھنے والا تمام قرأت تسبیحات، تشہد اور درود شریف وغیرہ پوری طرح سن سکتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ڈاکٹر رحمت صاحب آئے اور حضرت والاؒ نیت باندھے نماز میں مصروف تھے حالانکہ نماز پڑھ چکے تھے یا ممکن ہے کہ معمول کے مطابق نوافل میں مشغول ہوں (اور غالب یہی ہے کہ نوافل پڑھتے ہوں گے) حضرت والاؒ کے نماز کیساتھ اس والہانہ تعلق و عشق اور نماز کے تمام ارکان کی ادائیگی میں اس سکون و اطمینان کو دیکھکر وہ حیران رہ گئے۔ اور بے انتہاء متأثر ہوئے (مولانا محمد اللہ صاحب مدظلہ)

دل کا دورہ اور علاج

صاحبزادہ محترم تحریر فرماتے ہیں کہ "حضرت ناظم صاحبؒ کی صحت بہت اچھی تھی، بدن ورزشی تھا ورزش کرتے تھے لیکن مرورِ ایام سے بہرحال متأثر ہونا قانونِ خداوندی ہے اس سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔ کافی ولو نئی بات ہیکہ آپکے ایک مخلص جو اپنی خصوصیات دلنوازصفات کیوجہ سے حضرت والاؒ کے منظور نظر محبوب تھے بلا اطلاع غائب ہو گئے انکے ایکدم اسطرح چلے جانیکا اتنا اثر ہوا کہ میرے خیال میں مرضِ قلب کا سبب یہی حادثہ بناسہ عاشقی پیداست از زاریٔ دل۔ نیست بیماری چوں بیماریٔ دل۔

حضر کا ارشاد دیکھیرہ کسی کو ظلم کا کسی کو کرم کا شکوہ ہے۔ نگاہِ لطف سے پہلے مرا یہ حال نہ تھا۔
پھر جب حضرت والاؒ آنکھوں کے علاج کے سلسلہ میں دہلی تشریف لیگئے تھے اور دریا گنج میں قیام تھا۔ ان مخلص صاحب سے ملاقات بھی ہو گئی اور انتہائی مسرت بھی ہوئی تاہم جو

تکلیف کی چوٹ پہنچ چکی تھی اس نے ایک مستقل مرض کی شکل اختیار کرلی تھی، حضرت کی طبیعت انتہائی حساس تھی اور متاثر ہونے کی کیفیت مزاج عالی میں بہت تھی۔ کچھ زائد فارغ البالی تھی اور نہ خانگی حالات بہتر و پرسکون تھے اب دوسرے امراض کیساتھ قلبی بیماری کی ابتدا بھی ہوچکی تھی۔ اگرچہ اسکا ظہور کافی دنوں کے بعد ہوا۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ اپنی صحت و قوت سے گوناگوں تکلیفوں کو برداشت کرتے اور پریشانیوں کو انگیز کرتے رہے گویا موجودہ اصطلاح میں زندگی کے بقا کیلئے جس قوت مدافعت کی ضرورت ہوتی ہے وہ بدرجۂ اتم حضرت والا رح میں موجود تھی۔ اور ایک ایسے بزرگ کی پیشین گوئی سے جن سے حضرت والا کو خوش عقیدگی تھی اس قوت مدافعت کو مزید قوت میسر آگئی تھی۔

ایک پیشینگوئی اور اسکا ظہور

واقعہ یہ ہیکہ ایک صاحب کشف و کرامات مجذوب صفت بزرگ جناب حافظ یاد محمد صاحب تھے (جو کنگھیاں بنا کر گذر اوقات کیا کرتے تھے) انہوں نے حضرت والا رح کے متعلق یہ پیشینگوئی کی تھی کہ "مولوی صاحب اخیر میں حلوہ کھائیں گے۔ اور حلوہ کھاتے کھاتے چلے جائیں گے"۔ اگرچہ دینی و علمی گوناگوں خصوصیات کی بنا پر حضرت والا رح کو عوام و خواص میں مقبولیت حاصل تھی مگر وہ رجوع عام جسکو ان بزرگ صاحب نے حلوہ کھانے سے تعبیر کیا تھا ابھی پورے طور پر شروع نہیں ہوا تھا ادھر حضرت والا رح کو اس سے اطمینان تھا کہ جبتک یہ پیشینگوئی پوری نہ ہوگی میں مرونگا نہیں ادھر بہت جلد ان بزرگ صاحب کی پیشینگوئی پوری ہونے لگی اور مختلف بیماریاں بھی حضرت والا رح کو اپنی گرفت میں لینے لگیں۔ اور کمزوری کے ساتھ ساتھ قوت مدافعت بھی مضمحل ہوتی رہی۔

ذمہ داریوں میں ترقی اور مرض و علاج کا تسلسل

مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رح کی وفات کے حادثہ سے آپ جیسے شیدائی و حساس مزاج و نازک طبیعت انسان کو جسقدر متاثر ہونا چاہیئے تھا ظاہر ہے کہ وہ تاثر ہوا اور اس چوٹ نے مرض قلب میں بہت اضافہ کر دیا۔ پھر حضرت تھانوی رح کی وفات حسرت آیات کے بعد روحانی ذمہ داریوں کا بوجھ اور ۱۹۴۷ء کے قیامت خیز ہنگامہ پر مدرسہ کی تعلیمی و تدریسی ذمہ داریوں کا اضافہ اسکے بعد شیخ الاسلام حضرت مولانا حافظ سید عبداللطیف صاحب رح کی وفات پر انتظامی امور کا بار گراں۔ ان سب بڑھتی ہوئی ذمہ داریوں نے امراض کو اور بھی آگے بڑھا دیا مستقل طور پر جناب ڈاکٹر محمد نعیم صاحب کا علاج چلتا رہا دواؤں کیساتھ قوت کے کیپسول مسلسل چلتے رہے لیکن متاثر ہونے کے اندیشہ سے اصل مرض کا اخفاء

کیا گیا مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی ؎

کاتب تقدیر کوئی اور ہے　　　کیا گلہ ہو گردش ایام کا

ہارٹ اٹیک کا شدید حملہ اسی دوران حضرت والاؒ کو احساس ہوا کہ پیٹ میں تکلیف ہے دو دن اسیطرح گذر گئے سالانہ امتحانات ہو رہے تھے اسی حالت میں اوپر امتحان گاہ میں بھی تشریف لیجاتے رہے لیکن اس زمانے میں بلڈ پریشر ہائی رہنے لگا تھا ڈاکٹر محمد نعیم صاحب اسکو چیک کرتے رہتے تھے۔ لیکن انہوں نے "ہائی بلڈ پریشر" کے نتائج سے کبھی آگاہ نہ کیا تھا جب امتحانگاہ ہی میں تکلیف میں شدت محسوس ہوئی تو صاحبزادہ محترم مولانا محمد اللہ صاحب اور جناب حکیم مولوی الطاف حسین صاحب حسب معمول ڈاکٹر محمد نعیم صاحب کے پاس پہنچے۔ ڈاکٹر صاحب گھبرا گئے اور فوراً بہت سے روپے نکال کر صاحبزادہ محترم کو دیئے اور کہا کہ گھنٹہ گھر پر ڈاکٹر درما ہیں میری والدہ صاحبہ کا علاج بھی وہی کرتے ہیں۔ آپ میرا پرچہ لیکر فوراً ان کے پاس جائیے وہ آپکے ہمراہ جاکر حضرت کو دیکھ لیں گے میں خود حضرت والاؒ کی اس حالت وکیفیت کو دیکھ نہ پاؤں گا۔ آپ ان کو لیجائیے اور یہ روپے انکی فیس کیلئے ہیں جتنی فیس لیں ان میں سے دیدیجئے

صاحبزادہ محترم فرماتے ہیں کہ ہم نے وہ تمام روپے تو ڈاکٹر صاحب موصوف کو واپس کر دیئے۔ اور ان کا پرچہ لیکر ڈاکٹر درما صاحب کے ہسپتال پہنچے۔ معلوم ہوا کہ وہ مریضوں کو دیکھنے کے لئے گئے ہوئے ہیں۔ اسلئے کافی انتظار کرنا پڑا اور کئی گھنٹوں کے بعد ہم لوگ درما صاحب کو لیکر حضرت کے پاس پہنچے۔ انہوں نے معائنہ کے بعد بتایا کہ پیٹ کی تکلیف نہیں دردِ دل کا دورہ ہے۔ ہمارے اور حضرت والاؒ کے علم میں یہ حقیقت پہلی بار آئی۔ پھر اکثر وبیشتر درما صاحب کا علاج رہا اور جناب ڈاکٹر محمد نعیم صاحب سے مشورے جاری رہے جناب ڈاکٹر برکت علیصاحب مرحوم بھی اپنے تجربات اور مشوروں سے نوازتے رہے۔ جناب ڈاکٹر الحاج مقصود حسین صاحب بھی توجہ فرماتے تھے گو وہ آنکھوں کے ڈاکٹر تھے پھر ڈاکٹر برکت علیصاحب کے انتقال کے بعد ان کے مطب میں ڈاکٹر فرحت حسین صاحب پریکٹس فرمانے لگے تو وہی اخیر تک ہر مرض کے معالج رہے وہ قلب کا دورہ ہو یا کوئی اور شکایت۔ آپریشن کا مسئلہ ہو یا درد کا بلکہ "فیملی ڈاکٹر" وہی ہو گئے۔ چنانچہ غدود کے آپریشن کے سلسلہ میں انکی توجہات کا ذکر اوپر بھی آچکا ہے۔ پھر جب حالات کی بنا

پر انہوں نے اپنے لئے لندن کا قیام تجویز کر لیا تو انکی جگہ پر ڈاکٹر شفیق احمد صاحب پریکٹس فرمانے لگے اور کافی عرصہ تک ڈاکٹر فرحت صاحب کی جگہ وہی حضرت والا رح کے معالج رہے لیکن عمر بڑھتی رہی زمانہ گذرتا رہا، کمزوریوں اور بیماریوں میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا آخر میں غدود کا آپریشن بھی ہو گیا اور زندگی کے آخری لمحات میں ایک عرصہ تک "صاحب فراش" رہنے کا مرحلہ پیش آگیا۔ حتیٰ کہ اپنے ہاتھ سے کھانا پینا بھی ممکن نہ رہا پہلے تو خدام کے ذریعہ وضو بھی ہو جاتا تھا۔ اب وہ بھی مشکل ہو گیا اور تیمم کیذریعہ نمازیں ہوتی رہیں لیکن اِن حالات میں بھی کمرہ ہی میں، جماعت کا اہتمام اور وعظ و نصیحت، تعلیم و تربیت، تزکیہ و تطہیر اور روحانی و قلبی توجہات و فیوض کا سلسلہ پہلے سے کہیں زائد دراز اور تیز تر ہوتا چلا گیا متوسلین، منتسبین، مسترشدین اور زائرین کا ہجوم یوماً فیوماً بڑھتا رہا اور مریدین و متعلقین ہمہ وقت کسب فیض کیلئے حاضر رہنے لگے۔ اخیر وقت تک حضرت والا رح کا دماغ حاضر، ہوش و حواس قائم اور اوسان درست رہے۔ کبھی کبھی زائد استغراق، نیم مدہوشی کی کیفیت بھی ہوتی تھی۔ لیکن اس استغراق میں کبھی کوئی نماز باجماعت نہیں چھوٹی نہ کسی کی ادنیٰ حق تلفی ہوئی۔ اور نہ کسی قریب تر فرد کو بھی غلط فہمی کی بنا پر اجازت و خلافت دی گئی۔

ایک اہم تحریر اور مایوس کن مرحلہ

مذکورہ بالا حالات ہی میں حضرت والا رح نے یہ مضمون لکھوایا کہ "جس اجازت پر میرے دستخط نہوں وہ تحریر بھی معتبر نہیں" اور اس مضمون پر خود اپنے دست مبارک سے دستخط فرمائے۔

پھر جب سب نمازیں کمرہ ہی میں ہونے لگیں یہاں تک کہ جمعہ و عیدین کی نمازیں بھی نہیں ہوتی تھیں۔ اور لوگ حضرت والا رح کیساتھ نماز پڑھنے کو سعادت و غنیمت سمجھتے تھے۔ حجرہ ہی میں نوافل، ذکر و اوراد و اشغال ہمہ وقت جاری رہتے تھے اس عرصہ میں کئی بار یہ محسوس ہوا کہ بس اب آخری گھڑی ہے۔ اسی دوران ایکبار اتنا سخت دورۂ قلب ہوا کہ آپکے معالج جناب ڈاکٹر شفیق احمد صاحب بھی مایوس ہو گئے، مگر اللہ کے فضل سے ٹھیک ہو گئے اور خطرہ ٹل گیا۔

عام طور پر تیسرا ہارٹ اٹیک کا مریض دو چار دوروں میں لقمۂ اجل بن جاتا ہے۔ مگر حضرت والا رح کو تو اَن گنت دورے پڑے اور کتنی ہی بار مایوس کن حالات ہو گئے

مگر پھر خطرہ ٹلتا رہا۔ غدود کے آپریشن کے سلسلہ میں ڈاکٹر شفیق احمد خالد صاحب کا یہ مقولہ گذر چکا ہے کہ "اتنا مضبوط قلب امریکہ کے صدر آئزن ہاور کا تھا بس اور کوئی اس کی مثال نہیں ہے" اور ہم لوگ تو اسکو قدرت خداوندی کا کرشمہ اور حضرت والا رح کی کرامت ہی سمجھتے ہیں

ان حالات میں حضرت والا رح فرماتے تھے کہ حضرت حافظ یاد محمد صاحب کی پیشین گوئی پوری ہو رہی ہے کہ میں اب حلوہ کھا رہا ہوں" یعنی روحانی لذتیں شباب پر ہیں۔ انعامات ربانی موسلا دھار بارش کیطرح برس رہے ہیں۔ اور فیوض و برکات کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ خلق خدا کے قلوب خود بخود کسب فیض کیلئے متوجہ ہیں جو تشنہ کام طالب آتا ہے فیوض کے آب حیات سے سیراب ہو کر واپس ہوتا ہے۔ فرماتے تھے کہ "جو بھی آتا ہے میرا دل لے کر جاتا ہے"

خبر وحشت اثر

ادھر فیوض و برکات کا سلسلہ تیز تر جاری تھا۔ ادھر عوام و خواص حضرت والا رح کی حیات بابرکات کے ہر دن کو آخری دن اور ہر رات کو آخری رات خیال کرتے تھے ہر لمحہ مایوسی کا پیغام بنا ہوا تھا کہ اسی تردد و کشمکش کے عالم میں کئی بار رحلت کی شہرت ہوگئی۔ ایک مرتبہ تو جناب قاری عبد الباری صاحب مرحوم امام جامع مسجد سہارنپور نے بعد نماز فجر جامع مسجد میں نماز جنازہ کے وقت کی تعیین کیساتھ حضرت والا رح کے انتقال پر ملال کا اعلان فرما دیا لوگوں نے آنا شروع کر دیا اور بتائے ہوئے وقت مقررہ پر کافی لوگ نماز کے لئے جمع ہو گئے اور حضرت والا رح کو آرام سے سوتے ہوئے دیکھ کر حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ واپس ہو گئے۔

آخری وصیت

وصیت و نصیحت تو آپ کا مستقل وظیفہ حیات تھا۔ زندگی کے اخیر دور میں اس کا اہتمام بہت ہی بڑھ گیا تھا آپ تمام واردین و صادرین کو تقویٰ، اتباع شریعت اور پیروی سنت کی ضرور وصیت فرماتے اور بہت ہی عجیب رقت آمیز والہانہ انداز میں عموماً یہ شعر بھی پڑھتے تھے ؎

ہماری یہ نصیحت یاد رکھو — کہ ہر شئے میں شریعت یاد رکھو

بات بات میں رقت، شوق آخرت اور استغراق کی کیفیت کا غلبہ انتہا کو پہنچ چکا تھا حضرت والا رح نے کئی دن پہلے فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور (مجاز بیعت حضرت حجۃ الاسلام رح) سے فرمایا تھا کہ "میری نماز جنازہ آپ پڑھائیں گے" چنانچہ حضرت مفتی صاحب موصوف ہی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ نیز آپ نے اسکی بھی تاکید فرمائی تھی کہ میرے مرنے کی اطلاع لوگوں کو نہ دی جائے اور سنت کیمطابق تجہیز و تکفین اور تدفین میں جلدی کی جائے۔ حتی الوسع حضرت رح کی تمام وصیتوں پر عمل کیا گیا۔

پیر کے دن کا انتظار

حضرت والا رح کی ولادت پیر کے دن ہوئی تھی حضرت والا رح کی خواہش تھی کہ جس طرح حق تعالیٰ شانہٗ نے پیر کے دن کی ولادت کی سعادت سے مالا مال فرمایا میری وفات بھی پیر کے دن ہو تاکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت ولادت ووفات دونوں نصیب ہوجائیں اس لئے ان حالات مذکورہ میں آپ پیر کے دن کا انتظار فرمایا کرتے تھے اور اس کا اظہار بھی فرماتے رہتے تھے بلکہ شوق میں دن گنتے اور معلوم فرماتے رہتے تھے۔ کہ آج کیا دن ہے" مولانا عبد الرحمٰن صاحب نومسلم مرحوم کہتے تھے کہ حضرت کی پکار پیر یا جمعرات کی ہے۔ ان دونوں دنوں میں ہوشیار رہا کرو۔ یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ حضرت والا رح خود فرمایا کرتے تھے کہ "میری پیدائش پیر کی ہے اور موت بھی انشاء اللہ پیر کے دن ہوگی۔ میں چاہتا ہوں کہ میری موت پیر کے دن ہو یا جمعرات کے دن مگر عید کا دن نہ ہو کہ لوگوں کو تکلیف ہوگی (اور انکی خوشی غمی سے بدل جائے گی)۔ اور آپ سالہا سال سے فرماتے تھے کہ انشاء اللہ پیر کے دن میرا انتقال ہوگا وفات سے دو تین دن پہلے عجیب کیفیت کے ساتھ فرمایا کہ "بھائی ہم نے پیر کا بہت انتظار کیا اب جو اللہ کو منظور ہو" گویا حضرت والا رح ہر پیر کے گذرنے پر دوسرے پیر تک زندہ رہنے اور پیر کو انتقال کی تمنا رکھتے تھے۔ بہر حال اتوار کا دن بھی گذر گیا سورج غروب ہوگیا۔ اسلامی قاعدہ کے مطابق پیر کی رات شروع ہوگئی اور عشاء کی نماز بھی ادا کرلی گئی کوئی خاص بات نہ تھی نہ کسی نئی بات کی توقع تھی نہ کسی کو حادثہ کا یقین تھا۔ آہ

وفات حسرت آیات

صاحبزادہ محترم فرماتے ہیں کہ "ہم لوگوں کو یہ خیال نہیں تھا کہ یہ حادثہ فاجعہ آج ہی پیش آجائے گا۔ کیوں کہ آج جیسی کیفیات سینکڑوں بار پیش آچکی تھیں مگر بفضلہ تعالیٰ ہر بار مایوسی دور ہوکر حالات کی شگفتگی ظاہر ہو جاتی تھی۔ مگر صد افسوس آج کی یہ حیرت انگیز وعجیب کیفیت مایوسی پر ختم ہوگئی" اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۵ر رجب ۱۳۹۹ھ م ۱۰ر جون ۱۹۷۹ء شب دوشنبہ بعد نماز عشاء حضرت مولانا محمد اللہ صاحب اپنے کمرہ میں مطالعہ میں مشغول ہوگئے۔ اور کسی خادم نے اسپغول کی بھوسی دودھ میں ملا کر چمچے سے حضرت کو کھلائی بھوسی ملنے کی وجہ سے وہ دودھ چونکہ گاڑھا ہوگیا تھا گلے میں اٹکا اور پھندا لگ گیا۔ سانس کی آمد ورفت بند ہوگئی۔ اور پھندا لگ جانے کی وجہ سے عجیب قسم کی خوفناک آواز گلے سے نکلنے لگی۔ اسی پریشانی میں رات کا ایک بج چکا تھا۔ اور انگریزی حساب سے بھی "پیر" شروع ہو چکا تھا۔ دس جون کے بعد اب گیارہ جون شروع ہو چکی تھی کہ کئی لڑکوں نے صاحبزادہ محترم کو آواز دی۔ آوازیں ایک خاص قسم

کی گھبراہٹ تھی جس سے خطرہ کا اظہار ہو رہا تھا۔ صاحبزادہ محترم مولانا محمد اللہ صاحب اپنے کمرہ سے نیچے اتر آئے، مولانا محمد یونس صاحب بھی آگئے اور خدا جانے طلبہ کو کس طرح اطلاع ہوگئی حالانکہ وہ سب لوگ سو چکے تھے۔ آناً فاناً سب جمع ہوگئے اور کوئی شخص اخیر دور کے معالج خصوصاً ڈاکٹر علاؤالدین صاحب کو بھی بلا لایا۔ انہوں نے ایک انجکشن دیا۔ اس انجکشن سے پہلے ہی گلے سے نکلنے والی آواز بند ہو چکی تھی۔ اب گردن ایک جانب کو ڈھلک گئی تھی۔ اس منظر کو دیکھ کر مولانا محمد اللہ صاحب نے فرمایا تھا کہ "نہ اب تکلیف دینے سے کیا فائدہ کیوں انجکشن لگایا جائے اللہ کا امر پورا ہو چکا ہے" مگر وہ انجکشن لگا اور ڈاکٹر صاحب نے بھی کہدیا کہ اللہ کا حکم پورا ہو چکا۔ دنیا کی مستعار زندگی ختم ہو چکی ہے (اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ o)

حافظ یاد محمد صاحب کی پیشین گوئی بھی پوری ہو گئی کہ حلوہ کھاتے ہوئے وفات ہوئی (رجوع عام بھی تھا جسکو روحانی حلوہ کہا جا سکتا ہے۔ اور مادی حلوہ بھی جس سے پھندا لگا اور جانبر نہ ہو سکے)

وصال کے بعد وصال کے بعد ہی حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب و حضرت مولانا جمیل الرحمان صاحب مجازین حضرت والا رحمہ اللہ بھی تشریف لے آئے۔ نہ معلوم ان حضرات کو کس طرح اطلاع ہوگئی۔ کیونکہ حضرت والا رحمہ اللہ کی وصیت تھی کہ "میرے مرنے کی کسی کو اطلاع نہ کیجائے" اس لئے حضرت مولانا محمد اللہ صاحب و حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب و حضرت مولانا جمیل الرحمان صاحب نے کسی کو بھی اطلاع نہیں کی نہ کہیں تار دیا نہ کسی کو خط لکھا نہ کسی کو زبانی کسی کے ذریعہ اطلاع کرائی۔ مگر یہ خبر کلفت اثر تو پورے شہر پر بجلی بن کر پڑ گئی۔ آن کی آن میں پورے شہر کے باشندوں کو معلوم ہو گیا۔ بلکہ مضافات، دیہات اور مواضعات میں بھی بہت جلد اطلاع ہوگئی۔ اور صبح تک ملک کے اطراف میں لوگوں کو علم ہو گیا۔ بی بی سی لندن نے بھی اس خبر کو نشر کیا اور ہر منٹ تک حالات پر تبصرہ بھی کیا۔ لوگوں کی آمد و رفت کا تانتا بندھ گیا۔ دور و دراز سے آمد کے ٹیلیگرام آنے لگے اور ہر لمحہ ہجوم و ازدحام بڑھتا چلا گیا۔

ادھر حضرت والا رحمہ اللہ کی وفات کے بعد طلبہ و تلامذہ اور متوسلین آپ کی قیام گاہ میں تہجد

کی ادائیگی میں مصروف ہو گئے۔ تہجد سے فراغت کے بعد حلقہ باندھ کر خاموش بیٹھ گئے اور ذکر سری وغیرہ میں مصروف رہے۔ فجر کی اذان ہو گئی تو حسبِ معمول کمرہ ہی میں نماز فجر کی جماعت ہوئی۔ مگر افسوس کہ آج اس جماعت میں حضرت والارحؒ شریک نہ تھے پھر معمول کیموافق ذکر کی مجلس ہوئی اور زیارت کرنیکے لئے آنے والے انسانوں کا ایک طوفان تھا جو امنڈتا چلا آتا تھا اس ہجوم کو قابو میں رکھنا اور ان شوقِ زیارت اور آخری دیدار کے جذبات سے بھرے ہوئے غمزدوں کو کچھ کہنا بہت مشکل تھا۔ اس سے بڑھ کر مستورات کی آمد بھی بے پناہ تھی جو بلاشک قابل اعتراض بات تھی۔ وہ غمزدہ مصیبت کے مارے خدام جن کو رنج والم نے چکنا چور کر دیا تھا کسی کو کیا اور کس طرح کہہ سکتے تھے۔ مولانا محمد یونس صاحب نے اس پر تدریجاً قابو پایا۔

حاصل یہ ہے کہ ایک محشر کا منظر تھا۔ لوگ اشکبار اور پسینہ پسینہ تھے انسانی سمندر میں اشکوں کی طغیانی تھی ؎

دیکھئے تو آپکے جلوؤں نے یہ کیا کر دیا ۔۔۔ ہر نظر والے کو اک حیرت کا پتلا کر دیا

آہ اشکوں کو نہ ان کا ہو سکا دامن نصیب ۔۔۔ دفن ہم نے خاک میں ہر اک ستارا کر دیا

تجہیز و تکفین

حضرت والارحؒ کے حکم کے موافق جلد تیاری شروع کر دی گئی غسل کا نظم ہوا حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب، حضرت مولانا جمیل الرحمٰن صاحب، حضرت مولانا مفتی یحییٰ صاحب اور دوسرے علماء نے حجرہ کے اندر غسل دیا اور تجہیز و تکفین کی اور ان سب علمائے کرام نے وقت مغرب سے کچھ دیر بعد جنازہ اٹھایا اور وہ وقت آگیا کہ دار الطلبہ قدیم مظاہر علوم سہارنپور کے حجرہ ۱۲ میں مدت سے جو نورانی شمع روشن تھی اور پورے ماحول کو جگمگ رکھنے کے ساتھ اطرافِ عالم کو اس کی نورانی شعاعیں جلا بخش رہی تھیں آج وہ شمع خاموش ہو چکی تھی۔ اس کی تابناک شعاعیں سمٹکر دوسرے عالم کی طرف متوجہ ہو چکی تھیں اور سفر آخرت کا مسافر اپنی عارضی قیام گاہ سے کوچ کر رہا تھا۔ آخر کار جنازہ حجرہ سے باہر لایا گیا۔ جس وقت جنازہ دار الطلبہ قدیم کے دروازہ سے باہر نکلا تو باہر سڑک پر ہجوم بیکراں تھا۔ تاحد نظر انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا ایک سمندر نظر آتا تھا۔ یہ ہجوم دار الطلبہ و مطبخ سے لے کر قبرستان حاجی شاہ کمال تک پھیلا ہوا تھا جس میں شہر کے مسلم و غیر مسلم اطراف و جوانب سے اور دور دراز سے آنے والے اور دیوبند و سہارنپور

جلال آباد ۔ اور مضافات کے طلبہ و علماء حضرات تھے۔ کثرتِ ہجوم کی وجہ سے نہایت آہستہ آہستہ جنازہ دارالطلبہ جدید پہنچا اور وہاں مغرب کیجانب برآمدہ میں غالباً کمرہ ۱۷ کے سامنے رکھا گیا اور آخری زیارت و دیدار کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

محبوب کو محبوب کی زیارت کرنے دیجائے

ہجوم و ازدحام کی کثرت کیوجہ سے ادائے نماز میں اور پھر تدفین میں تاخیر ہوتی جاتی تھی اور سلسلۂ زیارت ختم ہونے میں نہ آتا تھا۔ اس لئے بعض حضرات نے چاہا کہ اس سلسلہ کو ختم کر کے نماز ادا کی جائے۔ لیکن مسیح الامت حضرت اقدس مولانا مسیح اللہ خانصاحب خلیفۂ اجل حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رح نے فرمایا کہ ابھی یہ سلسلہ ختم نہ کیا جائے اور محبوب کو محبوب کی زیارت کرنے دی جائے (حضرت والا رح سب ہی کو محبوب رکھتے تھے اور وہ بھی سب کے محبوب تھے۔) محبت اور خلائق میں محبوبیت مقاماتِ تقدس میں ایک بہت اونچا مقام ہے اور ایک خاص عطیۂ خداوندی ہے جو بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔

نماز جنازہ اور تدفین

آخر کار گھنٹوں کے بعد اس سلسلہ کو روک کر نماز جنازہ پڑھی گئی۔ مجمع میں بڑے بڑے اکابر تشریف فرما تھے۔ اور حضرت والا رح کی وصیت تھی کہ میری نماز جنازہ حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب پڑھائیں، اس لئے صاحبزادۂ محترم نے حضرت مفتی صاحب سے کہا کہ آپ تشریف لاکر نماز پڑھائیں۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب موصوف نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اس طرح حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت پوری ہو گئی جنازہ کے چارپائی میں لمبی لمبی بلیاں باندھ لی گئیں اور قبرستان کی طرف جنازہ کی روانگی ہوئی بے تحاشا ہجوم اور سخت گرمی کا موسم تھا اس لئے باشندگان سہارنپور نے راستہ پر ٹھنڈے پانی کی سبیلیں لگادی تھیں، ایک سبیل دارالطلبہ جدید کے سامنے تھی۔ غیر مسلموں نے بھی ٹھنڈے پانی کی ایک سبیل راستہ میں باغ کے سامنے لگائی تھی۔ اور ہندوؤں کی بہت بڑی تعداد جنازہ میں شریک تھی۔ غرض جنازہ قبرستان کی جانب روانہ ہوا۔ لمبی لمبی بلیوں کے باوجود ہزارہا انسانوں کو

ہاتھ لگانے کا موقع نہ مل سکا۔ جو لوگ کمزور تھے یا ازدحام و شدت گرما کو برداشت نہ کرسکے وہ یہیں سے واپس ہو گئے۔ اور ہزاروں انسانوں کے جوتے ٹوپیاں اور رومال اس بھیڑ بھاڑ میں گر گئے۔ کافی دیر میں جنازہ قبرستان حاجی شاہ کمال میں پہنچا۔ قبر تیار تھی۔ قبر میں اتارنے والوں میں ماسٹر نظیر احمد صاحب نظیر مرحوم و حاجی عبدالوہاب صاحب بھی تھے۔ اور پائنتی کی جانب مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب و حضرت مولانا حامد حسن صاحب وغیرہم حضرات کھڑے تھے۔

رات میں ۱۱ بجے یہ حادثہ جانکاہ پیش آیا تھا اور دن کے ۱۱ بجے سے پہلے اللہ کی امانت کو اللہ کے دربار اور آغوش رحمت پروردگار کے حوالہ کرچکے تھے۔ وہ اپنے محبوب حقیقی کی آغوش رحمت میں جاکر سو گئے۔ اور ان کے تلامذہ و متعلقین اپنے مربی اور شفیق باپ کے سایۂ عاطفت سے محروم، غم و اندوہ کے خارزاروں میں تڑپتے رہ گئے ؎

رنگ دیو کی محفلوں میں اب تو دم گھٹنے لگا   تیری رحلت نے عجب ماحول پیدا کردیا

مولانا محمد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ "اس حادثہ کے بعد جو مایوسی ہوئی آج تک اس کی چبھن محسوس ہوتی ہے ؎

سدا رہے نام اللہ کا   اللہ بس باقی ہوس

صبح کو طائران خوش الحان   پڑھتے ہیں کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَان

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلِلّٰہِ مَا اَعْطٰی وَکُلُّ شَیْئٍ عِنْدَہٗ بِمِقْدَارٍ۔

نسیم احمد غازی مظاہری

۲۰ / ۲ / ۱۴۰۶ھ

حُلیۂ مبارکہ

قد مبارک تقریباً ساڑھے پانچ فٹ، جسم مضبوط گٹھیلا۔ بدن درزشی چھریرا، رنگ سرخ و سفید اور چمکدار، سر قدرے بڑا، پیشانی بلند و وسیع اور نورانی جس

میں ہلکا سا سجدہ کا نشان تھا، بینی بلند جس پر نور محسوس ہوتا تھا۔ آنکھیں نورانی، رخسار قدرے بلند بزمانۂ صحت جن کی سفیدی پر سُرخی غالب تھی، ابرو کشادہ، ڈاڑھی مبارک سفید ایک ایک بال انتہائی چمکدار، چہرہ بارعب، گردن قدرے طویل کاندھے مضبوط، بدن کے جوڑ گٹھیلے اور مضبوط، دست و پا کی انگلیاں بڑی اور کشادہ اور بالشت دراز تر، ہتھیلیاں انتہائی نرم و خوبصورت گفتگو میں فصاحت ہر لفظ الگ الگ، زبان ٹکسالی اور رواں دواں، سینہ کشادہ شکم ستواں، قدمین قدرے کشادہ، قدم قدرے دراز پڑتا، لباس میں سادگی و نفاست، طبیعت میں لطافت و نزاکت غالب اور پورا سراپائے شریف پُرکشش و دیدہ زیب اور سے

لوگ کہتے ہیں ذکر اسعد پر　　اک فرشتہ ہے آدمی کیا ہے

کا سچا مصداق تھا۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

باقیات صالحات

حدیث میں ہے کہ انسان جب مرجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے۔ مگر تین قسم کی نیکیوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے (۱) صدقہ جاریہ (۲) ایسا علم جس سے نفع اٹھایا جائے (۳) نیک فرزند جو اس مرنے والے کے لئے دعائے خیر کرتا رہے۔

الحمدللہ حضرت والا رحمہ نے تینوں قسم کے سلسلے دنیا میں چھوڑے ہیں جن سے آپ کے اعمال نامہ میں قیامت تک نیکیوں کا اضافہ ہوتا رہے گا۔

صدقات جاریہ کتنے ہی صدقات جاریات ہیں جن میں آپ نے خاموشی کے ساتھ حصہ لیا اور طلبۂ علوم دینیہ کی حاجتوں کا اس طرح خیال رکھا اور پوشیدہ طور پر ان کی

مدد فرماتے رہے کہ اللہ تعالےٰ اور لینے دینے والوں کے سوا کسی کو معلوم نہ ہو سکا جس کی بعض مثالیں انھیں اوراق میں مندرج ہیں اور بلاشبہ طالبان علوم دینیہ کی نصرت و اعانت صدقۂ جاریہ بلکہ بہترین صدقۂ جاریہ ہے۔ علاوہ ازیں آپ کے فیض و برکت سے کتنی مساجد و مدارس کی تعمیرات ہوئی اور کتنے اداروں اور مسجدوں کی آپ نے اپنے دست مبارک سے بنیادیں رکھیں اور آپکی ترغیب سے کتنی خیر کی تعمیرات ہوئیں ان سب کا بیان کرنا دشوار ہے۔

علمِ نافع علم نافع کے سلسلہ کو جاری و ساری کرنے دنیا سے آنے والے طالبان علوم کو سیراب کرنے اور سالکین کو جام عرفاں پلانے میں نیز عامۃ المسلمین و غیر مسلمین کو دعوت تبلیغ، پند و نصائح کے ذریعہ علومِ نبویہ کا افاضہ کرنے میں تو آپ کی پوری زندگی ہی صرف ہوئی ہے۔ آپ کے علوم کے ہزاروں انسان وارث بنے۔ آپ کے شاگردوں میں بڑے بڑے محدثین، مفسرین، متکلمین، مناظرین، واعظین، مصنفین ادباء، فقہاء بن کر دنیا میں چمکے اور اس عالم ناسوت کو اپنے فیوض سے مالامال فرمایا۔ اور آج بھی ہزاروں کی تعداد میں علماء و مشائخ آپ سے حاصل کئے ہوئے علوم و اعمال و اخلاق کو دنیا میں نہایت فیاضی کے ساتھ تقسیم کر رہے ہیں۔ آپ سے فیض یافتہ تلامذہ کا احصار و شمار نہیں کیا جاسکتا جن حضرات نے آپ سے علم حدیث باقاعدہ حاصل کیا۔ ان کی شمار بھی دو ہزار سے متجاوز ہے۔ پھر آپ کے مریدین و متوسلین کئی ہزار کی تعداد میں ہیں جنہوں نے حضرت والا رح سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کر کے ذکر و فکر اور اصلاح حال کے اصول سیکھے۔ اور ان پر گامزن ہو کر عبادت اور اتباع سنت کے جذبات سے مالامال ہوئے، جو بیس (یعنی کلمۂ توحید لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے حروف کی تعداد کے موافق) وہ خلفاء و مجازین چھوڑے جو عرفان و ایقان کے جام و ساغر سے مختلف علاقوں کے بندگان خدا و شیدایان مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سیراب و سرشار کر رہے ہیں۔

اولادِ صالحہ (بے شمار شاگردان گرامی و مریدین باصفا اور خلفائے راشدین) کے علاوہ آپ نے ایسی اولاد جسمانی بھی اپنے پیچھے چھوڑی جو ماشاء اللہ اصحابِ علم و اربابِ خیر ہیں

(۱) حضرت مولانا احمد اللہ صاحب مظاہری۔ پاکستان میں سندھ کے علاقہ میں مقیم ہیں اور الحمد للہ دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

(۲) حضرت مولانا محمد اللہ صاحب مظاہری جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں اہم استاذ ہیں اور اپنے علوم سے تشنگانِ علوم دینیہ کو سیراب و فیضیاب فرما رہے ہیں، نیز باطنی فیوض (معرفت و سلوک) کی لائن سے بھی اربابِ طلب کو مالامال فرماتے ہیں۔

(۳) امجد اللہ صاحب پر جذب کی سی کیفیت بچپن ہی سے طاری ہے وہ بچارے تقریباً معذور ہیں۔ نماز وغیرہ کی البتہ پابندی فرماتے ہیں۔ اور اپنی قوتِ بازو سے اپنی گذر بسر کرتے ہیں۔

(۴) اجود اللہ صاحب گو باقاعدہ عالم نہیں۔ البتہ ضروریاتِ دین کا علم رکھتے ہیں، قرآن پاک پڑھے ہوئے۔ ایک معتدبہ حصہ کلام پاک کا حفظ بھی کر لیا تھا۔ افسوس ہے کہ بعض عوارض کی بنا پر نہ تکمیل حفظ ہو سکی اور نہ دیگر علوم میں کمال و مہارت حاصل ہو سکی گو حق تعالیٰ نے ذہانت و فراست وغیرہ خاندانی خصوصیات سے ان کو خوب مالا مال کیا تھا۔ موصوف حضرت والا رحمہ کے وصال کے بعد جامعہ مظاہر علوم میں ملازم ہو گئے ہیں۔ اور بہت جذبہ سے جامعہ مظاہر علوم کی خدمات انجام دیتے ہیں دینی اعتبارات سے بھی انکے حالات یوماً فیوماً بہتر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

رَبَّنَا وَفِّقْنَا وَوَفِّقْهُمْ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ وَالْفِعْلِ وَالْعَمَلِ وَالنِّيَّةِ وَالْهُدٰى وَاجْعَلْ أُخْرٰنَا وَأُخْرٰهُمْ خَيْرًا مِّنَ الْأُوْلٰى۔

الحمد للہ امجد اللہ صاحب کے علاوہ حضرت والا رحمہ کے سب بیٹے

صاحب اہل وعیال ہیں۔ ان کے علاوہ ایک صاحبزادہ "محمد اللہ" جو مولانا محمد اللہ صاحب سے بڑے تھے اور دو صاحبزادیاں اپنے بچپن ہی میں انتقال کر گئی تھیں۔ اور ایک صاحبزادہ مولوی ارشد اللہ صاحب حضرت والا رح کی حالتِ مرض ہی میں پاکستان میں ایکسیڈنٹ سے شہید ہو گئے تھے جس کی اطلاع حضرت والا رح کو احتیاطاً نہیں کی گئی تھی۔

روحانی اولاد

حضرت والا رح کی جسمانی اولاد تو چار بیٹے موجود ہیں جن کا تذکرہ ابھی اوپر ہو چکا ہے۔ روحانی اولاد یعنی تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے۔ اگر ان میں سے بڑے بڑے اور خاص خاص علماء و مشائخ کو بھی شمار کیا جائے تو داستان طویل ترین ہو جائے گی۔ اور ان میں سے صرف بعض کا تذکرہ کیا جائے تو ترجیح بلا مرجح لازم آئیگی جو مناسب نہیں۔ اسی طرح مریدین و متوسلین کو بھی فہرست میں ضبط کرنا دشوار ہے۔ اس لئے ذیل میں ہم ایک فہرست "تصنیفات و تالیفات" کی اور دوسری "خلفاء و مجازین" کی پیش کرنے پر اکتفا اور سلسلۂ کلام کو تمام کرتے ہیں۔ نسیم احمد غازی مظاہری

تصنیفات وتالیفات

حضرت والا رح کی زندگی بڑی عجیب و غریب، حیرت انگیز اور کرامات سے لبریز تھی، تمام علومِ عقلیہ و نقلیہ میں کمال تبحر و مہارت تامہ نہایت تندہی و جانفشانی سے حاصل کی، پھر آپ نے انگریزی اور فنونِ شعر و ادب میں زبردست محنت کی اور ان علوم و فنون میں بھی قابل

رشک کامیابی حاصل فرمائی۔ علوم ظاہری سے آراستہ ہوکر علوم باطنی سلوک تصوف۔ اور طریقت و معرفت کی طرف متوجہ ہوئے تو آ قران سے سبقت لیگئے پھر زہد و عبادت، مجاہدات و ریاضات آپ کی پاکیزہ زندگی کے محور بن گئے۔ نوافل و ذکر اور اتباع سنت میں ایسے حیرت انگیز مقامات پر فائز ہوئے۔ کہ ہم ان کو قدرتِ خداوندی کا کرشمہ یا صوفیہ کی اصطلاح میں کرامت ہی کہہ سکتے ہیں۔ ان سب چیزوں کے ساتھ آپ نے "فتنۂ ارتداد" کے مقابلے، مختلف باطل فرقوں اور باطل پرستوں سے پیاپے کامیاب مناظرے کئے۔ علاوہ ازیں تقریرات و مواعظ اور دعوت و تبلیغ کی مصروفیات اور بیعت و ارشاد کے ذریعہ اصلاح خلق کے سلسلے ایسے اہم اور طویل و عریض امور ہیں کہ ان سب کو بحسن و خوبی اس طرح انجام دینا کہ کہیں نقص دکمی نظر نہ آئے۔ بجائے خود تعجب خیز ہیں اور یہ سب چیزیں شخص واحد میں عموماً جمع نہیں ہوسکتیں۔ اور نہ ایسی مصروف زندگی میں کسی اور طرف توجہ کرنا بھی خلافِ عقل و قیاس ہے۔ لیکن اس کے باوجود حضرتِ والارحمہ نے تصنیف و تالیف کے میدان کو بھی سر کیا۔ اور امتِ مسلمہ کو اپنے اس لائن کے فیوض سے بھی مالا مال فرمایا ہے۔ اگر آپ درس و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کی طرف پوری توجہ فرماتے تو یقیناً اس صدی میں آپ کا کوئی مثل و مثیل نہ ہوتا۔ اور آپ کی تصنیفات و تالیفات تمام علوم معقولہ و منقولہ پر مشتمل ہوتیں۔ لیکن جو احقاقِ حق و ابطالِ باطل کے عظیم کارنامے آپ نے انجام دیئے ہیں وہ یقیناً آپ کے ممتاز و عالیشان کارنامے ہیں۔ تاہم تصنیفی اعتبار سے بھی اللہ تعالےٰ نے آپ کا فیض جاری رکھا۔ اور اب حضرت والارحمہ کی اہم موضوعات پر دو درجن سے زائد کتابیں موجود ہیں ان میں چند غیر مطبوعہ ہیں۔

(۱) اسعاد النحو نحو میں فنِ نحو میں ایک بنیادی اور اہم کتاب ہے مدارسِ اسلامیہ کے درسِ نظامی میں مبتدی طلبہ

کے لئے فن نحو میں خشتِ اول کی حیثیت رکھتی ہے ۔ حضرت والا رح نے اپنے ایک عزیز طالب علم کے لئے اس کی سہل ترین و مفید ترین کتاب سبقاً سبقاً لکھی اور پڑھائی ۔ جس میں قواعدِ نحو کا اجراء و تمرین کا عجیب انوکھا انداز ہے ، اس طرز سے اگر نحو میر پڑھی پڑھائی جائے تو طالب علم کو نحو کی پہلی ہی کتاب میں قواعدِ نحو یاد ہو جاتے ہیں اور نہ صرف جملوں کی تراکیب ذہن نشین ہو جاتی ہیں بلکہ ان کو معمولی عربی اور روز مرہ کام آنے والے جملوں کے بولنے کی مشق بھی ہو جاتی ہے ۔ اس طرح نحو کے ساتھ ساتھ طالب علم کی طبیعت میں ادبی رجحانات بھی پیدا ہو جاتے ہیں ۔ یعنی عربی بولنے اور لکھنے کی اچھی خاصی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے ۔ یہ کتاب اسّی ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے ۔ سائز ۲۰×۳۰/۸ ہے ۔ سن تالیف ۱۹۲۶ء ہے

(۲) تکمیل العرفان فی تسہیل حفظ الایمان

مشہورِ عالم رسالہ " حفظ الایمان " حضرت اقدس مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے ۔ جس میں مسئلہ علم غیب و سجدہ تعظیمی وغیرہ مسائل پر بحث کی گئی ہے ۔ کیوں کہ اہلِ بدعت کی خود ساختہ تعمیر ضلالت اس سے مسمار ہو رہی تھی ۔ اس لئے انہوں نے اس رسالہ کی بعض عبارتوں پر بیہودہ اعتراضات کی غبار ڈال کر اس کے حسین چہرہ کو غبار آلود کرنا چاہا ۔ حضرت والا رح نے ان اعتراضات کے مدلل و شافی جوابات دے کر " حفظ الایمان " کے رخ انور کو مزید جلا بخشی اور اس کی عبارات کو خوب واضح فرما کر نصوصِ قرآنیہ و حدیثیہ سے مباحث مندرجہ کی مزید تائید و تقویت فرمائی اور اس کی عبارات کو بھی سہل اور عام فہم بنا دیا ہے ۔

(۳) فتنۂ ارتداد اور مسلمانوں کا فرض

راجپوتانہ کے علاقہ میں " ارتداد " کی ایک

طرناک آندھی چلی اور بہت سے علاقے اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ ان
متاثرہ علاقوں میں جامعہ مظاہر علوم سہارن پور کی طرف سے وفود
روانہ کئے گئے، علماء و مبلغین اور مناظرین نے اس گمراہی کی آگ کو بجھانے
ہا اجتماعی و انفرادی محنتیں کیں۔ حضرت والا رح۔ نے اس سلسلہ میں نمایاں
دمات انجام دیں، سر سے کفن باندھ کر میدان میں اترے اور کفر و ضلالت
لے ناگوں سے نبرد آزما ہو کر کامیاب و سرخرو ہوئے۔ اس سلسلہ میں ایسے
الہرے کیے کہ ان کی روداد سن کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔
زاہم اللہ خیرالجزاء۔

یہ کتاب اسی زمانہ میں اس فتنہ کی روک تھام کے لئے لکھی گئی تھی۔
اس میں مسلمانوں کو ان کے دینی و ملی شریفہ ذمہ داری سے آگاہ
خبردار کیا گیا ہے۔ اور اس فتنہ کا جم کر مقابلہ کرنے اور اس کے
سامنے سینہ سپر ہونے کی ترغیب دی گئی تھی۔ اس کتاب کے صفحات
ہیں اور سائز $\frac{20 \times 22}{8}$ ہے۔ یہ رسالہ شدھی تحریک کے زمانہ
یں بارہا طبع ہوا ہے۔

(۸) الطائف من اللطائف

یہ کتاب تصوف کے موضوع پر ہے اس میں لطائف ستہ کی تحقیق
شریح کی گئی ہے۔ دراصل یہ کتاب مجدد الملت حکیم الامت حضرت
اس مولانا تھانوی رح کے ایک اہم ملفوظ کی بہترین شرح ہے حضرت
انوی رح کا یہ ملفوظ ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۴۹ھ کا بیان فرمودہ ہے۔
تین شوال ۱۳۴۹ھ میں یہ شرح مکمل ہوئی۔ حضرت اقدس مولانا تھانوی رح
نے اس کو حرفاً حرفاً ملاحظہ فرمایا۔ اور پسند فرما کر بوادر النوادر میں اس
شامل فرما دیا تھا۔ ماہنامہ النور بابت شوال ۱۳۴۹ھ میں بھی یہ شرح
ائع ہو چکی ہے۔ کتاب کے مجموعی صفحات (۳۲) ہیں۔ اور سائز $\frac{20 \times 30}{8}$ ہے
سن تالیف ۱۳۴۹ھ

(۵) **رہبرِ حجاج** یہ حضرت والا رح کے مشاہدات و واقعاتِ حج کا روزنامچہ ہے۔ اس میں اپنی آمد و رفت کی سرگذشت وہاں کے بیتے ہوئے واقعات کو بڑی خوبصورتی کیساتھ تحریر فرمایا ہے۔ اس میں حج و زیارت کے بہت سے اہم اور مفید مسائل بھی آ گئے ہیں۔

(۶) **اسعاد الطالبین** بائیس ۲۲ شوال ۱۳۴۹ھ میں حضرت موصوف چالیس دن قیام فرمانے کی نیت سے تھانہ بھون تشریف لے گئے تھے۔ ان چالیس ایام میں آپ نے بڑی محنت و جانفشانی اور لگن کے ساتھ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات مرتب فرمائے۔ جو اسعاد الطالبین کے نام سے شائع ہوئے۔ ماہنامہ قاسم العلوم دیوبند بابتہ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ کے شمارہ سے ان مجلسی ارشادات و فرمودات کی اشاعت شروع ہو کر کئی قسطوں میں مکمل ہوئی۔

(۷) **صحائفِ اسعد** یہ آپ کے علمی و ادبی خطوط و مکاتیب کا ایک مختصر مجموعہ ہے جو جناب تسکین قریشی میرٹھی مرحوم کو لکھے گئے تھے۔ تسکین صاحب خود صحائفِ اسعد کے "مقدمہ" میں لکھتے ہیں کہ:

"اس تمہید کے بعد اب میں اصل خطوط کے متعلق چند نہایت ضروری معروضات پیش کرتا ہوں۔

(۱) سب سے پہلے یہ بات خوب ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ان خطوط کی حیثیت خالصاً "نجی" یا "پرائیویٹ" ہے۔ دراصل جناب مولانا نے مجھے اپنے حسن ظن کی بنا پر "مخاطب صحیح" تصور فرما کر یہ خطوط میری ذرہ افزائی یا بقول خود میری "انبساط خاطر" کے لئے تحریر فرمائے ہیں۔ یعنی مقصدِ نگارش ہرگز ہرگز یہ نہ تھا کہ ان کو طبع کرا کر منظرِ عام پر لایا جائے۔ البتہ دورانِ مکاتبت خود مجھے محسوس ہوا کہ اگر یہ مکاتیب شائع کر دیئے جائیں تو "ارباب شعر و ادب" ان کو ضرور آنکھوں سے لگائیں گے۔ چنانچہ میں نے جناب

مولانا کی خدمت میں حصولِ اجازت کے لئے بار بار درخواست کی مگر میری استدعا ہر مرتبہ رد کر دی گئی ۔ بلکہ میرے پیہم اصرار پر کچھ اظہارِ ناپسندیدگی بھی فرمایا گیا

(۲) بہر کیف ان خطوط کی نجی یا پرائیویٹ حیثیت متعین ہونے کے بعد یہ حقیقت بھی خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ ان کو تحریر کرنے میں "اظہار ہمہ دانی" یا علمی و ادبی "تصنع" یا "تکلف" کو جو بالعموم اشاعتِ عام کے خیال کی تہ میں کارفرما ہوتا ہے مطلقاً دخل نہیں ہے ۔ بلکہ اس کے برعکس یہ خطوط بالکل بے تکلفانہ انداز میں لکھے گئے ہیں گویا حسبِ ارشاد جناب مولانا

ع لکھد یا خط میں انھیں وقت پہ جو یاد آیا۔

(۳) ان مکاتیب کی مجموعی تعداد ۵۷ ہے ۔ ان میں سے ۴-۵ خطوط کو چھوڑ کر جن کے لئے لفافہ استعمال ہوا ہے بقیہ تمام مکاتیب پوسٹ کارڈوں پر تحریر کیئے گئے ہیں ۔ یہ سلسلہ مراسلت ۱۵ اپریل ۱۹۴۷ء سے شروع ہو کر ۹ مارچ ۱۹۴۹ء کو ختم ہوا ۔ ان میں سے تین یا چار خط تو خود جناب مولانا نے اپنے دستِ مبارک سے لکھے ہیں (چونکہ موصوف کو ایک زمانہ سے ضعفِ بصر کی شکایت ہے) بقیہ خطوط مولوی انعام الرحمٰن صاحب کے قلم کے تحریر کردہ ہیں ۔ جو مولانا کے شاگردِ رشید اور نہایت خوشنویس ہیں

(۴) میں نے ان مکاتیب کی ترتیب میں بکثرت "تصرف" سے کام لیا ہے ۔ لیکن میرا یہ تصرف محض "حذف و اختصار" تک محدود ہے میں نے ترمیم و اضافہ کو اخلاقی و ادبی جرم سمجھا ہاں یہ لحاظ ضرور رکھا کہ میرے تصرف سے مضمون بے ربط نہ ہونے پائے ۔ چونکہ ان مکاتیب میں اکثر مضامین کا سلسلہ کئی کئی پوسٹ کارڈوں پر پھیلا ہوا تھا ۔ اس لئے میں نے ایسے تمام خطوط کو اکثر و بیشتر یکجا طور پر نقل کر دیا ہے جیسا کہ مندرجہ تاریخوں سے واضح ہو گا بہر حال اسی وجہ سے ان خطوط کی تعداد ۵۷ سے گھٹ کر ۲۸ رہ گئی ہے ۔

مشہور و قدیم اخبار "سیاست جدید کانپور" نے "صحائف اسعد" پر تبصرہ ان الفاظ میں کیا ہے کہ ؛

"وصحائف اسعد یہ مشہور دینی ادارہ مظاہر علوم سہارن پور کے ناظم مولانا اسعد اللہ صاحب کے خطوط ہیں۔ اور ان کے مطالعہ سے اس غلط فہمی کی پوری تردید ہوتی ہے کہ دینی مدارس میں درس وتدریس میں مشغول علمائے کرام کو ادب اردو سے کوئی ربط نہیں۔ ان خطوط میں جو ادبی نکات اور علمی لطائف درج ہیں وہ ادب کے طلبہ کے لئے خاص طور پر لائق مطالعہ ہیں"

(ریاست جلد ۲۴ ر جنوری ۱۹۶۲ء ۶۰)

(۸) کلام اسعد حضرت والا رح فنون ادب واصناف شعر وسخن میں مکمل مہارت ومسلم شخصیت کے حامل تھے۔ آپ کا کلام بلاغت نظام اور مرصع غزلیں مختلف ادبی ماہناموں میں "رنگ تغزل"، "حسن تغزل"، "کیف تغزل"، "تبرکات"، وغیرہ عمدہ عنادین سے شائع ہوتی رہیں۔ ماہنامہ المحمود رنگون برما "ماہنامہ الادیب کان پور" ماہنامہ جاوید دہلی وغیرہ معیاری جریدے آپ کی غزلوں کو شائع کرتے رہے ہیں۔ حضرت والا رح چونکہ اتنے قادر الکلام تھے کہ ان کے نزدیک نظم ونثر دونوں یکساں تھیں۔ پھر دور شباب کے بعد نظم وتغزل سے طبعی رغبت بھی نہ رہی تھی۔ غالباً اس لئے اپنے کلام کو باقاعدہ محفوظ ومجتمع رکھنے کی کوشش نہیں کی حضرت والا رح خود ارشاد فرماتے تھے کہ:

"ہم نے اپنی غزلوں کے تحفظ کے لئے کوئی اہتمام نہیں کیا۔ اکثر غزلیں شیدائی کی جیبوں میں رکھ لیں اور گم ہوگئیں۔ اور بہت سا کلام دوستوں کی نذر ہوگیا۔ جب رنگون میں قیام ہوا تو بچا کھچا کلام وہاں کے دوستوں نے کچھ جمع کیا اور ایک "بیاض اسعد" اس طرح مرتب ہوگئی۔

اس بیاض میں غزلوں کے علاوہ نصیحتوں پر مشتمل قطعات رباعیات بچوں کی تعلیم وتربیت سے متعلق نظمیں، بچوں اور دوستوں کے نام نصائح وہدایات سے لبریز خطوط، دوستوں کی شادیوں پر کہی ہوئی مبارکبادیاں اور تہنیتیں تھیں۔ وفات سے تقریباً

دس سال پہلے غدود بڑھ جانیکی وجہ سے حضرت والارح کو پیشاب کی تکلیف ہوئی۔ اور غدود کے آپریشن کے لئے "مشن کیونڈ سہارن پور" میں ڈاکٹر دتہ کے ہسپتال جانا پڑا۔ حضرت والارح کے سب خدام و متعلقین اس زمانے میں وہیں رہے۔ اور مدرسہ کا وہ حجرہ جو حضرت والارح کی قیام گاہ تھا۔ بند رہا۔ ہسپتال سے واپسی پر جب وہ الماری کھولی گئی جس میں وہ بیاض تھی . . . . . تو معلوم ہوا کہ اس بیاض کو دیمک نے اس طرح کھا لیا ہے کہ اس کا ایک لفظ پڑھنا بھی ممکن نہ رہا۔ آخر متکلم کو اپنے کلام سے محبت فطری چیز ہے اس لئے حضرت والارح کو اس پر اسقدر افسوس ہوا کہ یہ فرمایا :

"ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہم مر گئے"

اس زمانہ میں کسی نے بتایا کہ مولانا عبدالقیوم صاحب شاکر الاسعدی بستوی کے پاس اس پوری بیاض کی نقل موجود ہے۔ یہ معلوم ہونے پر ان کو خط لکھا گیا تو انہوں نے پوری تندہی و ذمہ داری کے ساتھ پوری کاپی کی نقل کرا کر سہارن پور بھیج دی۔ اور اپنی سعادت مندی کا ثبوت بہم پہنچا دیا۔

اس وقت جناب مولانا محمد زکریا اسعدی مدیر بیباک سہارنپور کو یہ خیال ہوا کہ حضرت والارح کی غزلیں بیباک میں شائع ہوں۔ اور کم از کم ہر ہفتہ کے ایڈیشن میں ایک غزل چھپ جایا کرے۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اسعدی صاحب نے یہ سلسلہ بند فرما دیا۔ اور جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ :

"آج حضرت والارح تقدس کے جس اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔ اس سے یہ کلام جوڑ نہیں کھاتا اس لئے مناسب نہ سمجھ کر میں نے اسکی اشاعت کا سلسلہ بند کر دیا ہے"

اس پر یہ خیال پیدا ہوا کہ کلام کا انتخاب کیا جائے۔ حضرت والارح تو

اس قدر کمزور تھے۔ کہ وہ خود انتخاب نہیں فرما سکتے تھے۔ اور نہ ہی اس طرف توجہ فرمانیکی توقع تھی۔ اس لئے یہ خدمت صاحبزادۂ محترم مولانا محمد اللہ صاحب و جناب ماسٹر نظیر احمد صاحب نظیر سہارنپوری کو سپرد کی گئی اور یہ طے ہوا کہ دو ماہ تک مسلسل یہ کام ہوگا۔ پورے پورے دوپہر یہ کام کیا گیا۔ لیکن افسوس کہ اسعدی صاحب خود ہی بیمار ہو گئے اس لئے پھر منتخب غزلوں میں سے کوئی غزل بیباک میں شائع نہ ہو سکی۔ البتہ منتخب کلام کے مختصر مختصر دو حصے "کلام اسعدؔ" کے نام سے مولانا اسلام الحق صاحب اسعدی مہتمم دارالعلوم شاہ بہلول سہارنپور نے شائع کیے۔ اور وہ مجموعۂ کلام جو مولانا عبدالقیوم صاحب نے اپنی کاپی سے نقل کرکے بھیجا تھا بغرض اشاعت مولانا اسلام الحق صاحب ہی کے پاس موجود ہے دیکھیے یہ خواب کب شرمندۂ تعبیر ہوتا ہے (مولانا محمد اللہ صاحب مدظلہ)

کلام اسعد کے یہ دونوں حصے ۵۳ صفحات پر مشتمل ہیں سائز $\frac{20\times 30}{16}$ ہے۔

(۹) مصباح الطحاوی

یہ حضرت والا رح کی ان درسی تقریروں کا مجموعہ ہے جو آپ نے درس طحاوی میں ارشاد فرمائیں اور آپ کے باکمال شاگردوں نے حضرت کے درس میں جنکو ضبط و قلم بند فرمایا تھا۔ مولانا محمد یعقوب صاحب سہارنپوری و مولانا اسلام الحق صاحب اسعدی سہارنپوری کے زیر اہتمام و ترتیب یہ درسی افادات عالیہ "مصباح الطحاوی المعروف بہ تقریر طحاوی" کے نام سے قسطوار شائع ہو رہے ہیں "مصباح الطحاوی" کے شروع میں اولاً حضرت والا رح کے مختصر حالات اور ثانیاً ایک مفید مقدمہ ہے جو باون ۵۲ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اس مقدمہ میں طحاوی و امام طحاوی اور فن حدیث سے متعلق بہت سی کارآمد مباحث اور اہم معلومات ہیں۔ یہ کتاب $\frac{20\times 30}{8}$ سائز پر شائع ہو رہی ہے پہلی قسط کتاب الحج تک ہے اور (۱۲۸) صفحات پر مشتمل ہے۔

(۱۰) اسعاد الاسعد

حضرت والا رح ۱۳۵۱ھ میں اپنے شیخ و مرشد حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رح کی خدمت میں رہے۔ وہاں کے زمانۂ قیام میں حضرت اقدس تھانوی رح کے ملفوظات جمع فرما کر انکو ترتیب دیا

جو اسعاد الاسعد کے نام سے شائع ہوا

(۱۱) **المکالمۃ بینی وبین بعض المعقولیین** کتاب کی وجہ تالیف، انداز تالیف اور موضوع تالیف کے متعلق خود حضرت والا تحریر فرماتے ہیں کہ:

"بندہ اسعد اللہ مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور دعا نگار ہے کہ میں گیارہ ذی الحجہ ۱۳۴۷ھ کو حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب دامت مناقبہ وبرکاتہ کی خدمت میں زیارت کے لئے حاضر ہوا تھا۔ مجلس مبارک میں "مسئلہ توسیع قدرت" کا ذکر آگیا میں نے استفادۃً کچھ دریافت کیا۔ جناب موصوف نے جواب عنایت فرمایا میں نے جواب کو ضبط کرنے کا ارادہ کیا مگر حسن اتفاق سے ماہ ذی القعدہ ۱۳۴۷ھ کے رسالہ النور میں اس مسئلہ پر چند سطور جناب موصوف سپرد قلم فرما چکے تھے اس لئے میں نے ان سطور کی شرح جناب موصوف کی اعانت سے کر دی۔ اور سوال و جواب کو اسی میں منضم کر دیا۔ شرح کہیں عربی میں ہے کہیں اردو میں، عربی میں یا تو متن کے عربی ہونے کی وجہ سے ہے یا دقت مضمون کی وجہ سے۔ انتہیٰ بلفظہٖ۔

یہ مکالمہ "ماہنامہ النور تھانہ بھون" بابت جمادی الاولیٰ ۱۳۴۸ھ میں طبع ہوا۔ جو سات صفحات پر مشتمل ہے۔ حضرت اقدس مولانا تھانوی نے جب اس شرح کو ملاحظہ کیا تو فرمایا کہ:

"ماشاء اللہ نہایت متین شرح لکھی ہے"

شرح کا یہ نام حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے ہی تجویز فرمایا تھا یہ مضمون امداد الفتاویٰ میں بھی شائع ہو چکا ہے (از علمائے مظاہر علوم ج ۱)

(۱۲) **الحاوی علیٰ مشکلات الطحاوی** یہ کتاب دراصل اساطین جامعہ مظاہر علوم کی مشترکہ مساعی کا نتیجہ اور ان کی علمی کاوشوں کا بیش بہا نتیجہ ہے۔ یعنی یہ شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا حافظ سید عبد اللطیف صاحب محدث و ناظم جامعہ

شیخ المشائخ حضرت اقدس مولانا عبدالرحمٰن صاحب۔ صدر الاساتذہ جامعہ قطب العالم حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث جامعہ۔ حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب ناظم جامعہ۔ اور فقیہ الاسلام حضرت اقدس مولانا سعید احمد صاحب مفتی اعظم جامعہ مظاہر علوم سہارن پور کی مشترکہ تالیف ہے۔ یہ کتاب (۹۸) اہم اشکالات وسوالات اور انکے عالمانہ ومحققانہ مفصل جوابات پر مشتمل ہے۔

اس کتاب کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ جامعہ مظاہر علوم میں جب حدیث کی مشہور کتاب "طحاوی شریف" کا سبق صدر العلماء حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ کو دیا گیا تو اکابر مدرسہ کا باہم مشورہ ہوا کہ چونکہ اس کتاب کی اب تک کوئی شرح نہیں ہے اس لئے اس کی مشکل عبارات اور وارد ہونے والے شبہات واعتراضات کا حل آپس کے بحث وتمحیص اور غور وفکر سے کیا جائے۔ چنانچہ صدر العلماء حضرت مولانا کامل پوری رح کو جو اشکالات وشبہات پیش آتے وہ تحریر فرما کر حضرت شیخ الحدیث صاحب رح کے پاس بھیجدیتے وہ جوابات تحریر فرما کر بقیہ مذکورہ علماء کی خدمت میں روانہ کردیتے اور باقی حضرات بھی اپنی اپنی تحقیقات تحریر فرماتے اور کسی کو کسی کے جواب میں کوئی شبہ یا کوئی جدید اشکال پیش آتا اس کو بھی لکھ دیتے۔ اس طور پر یہ اپنی نوعیت کا ایک منفرد علمی وتحقیقی مجموعہ تیار ہوگیا جس سے نہ صرف طحاوی شریف کے مشکل ومغلق مقامات کے سمجھنے میں آسانی ہوگئی بلکہ بہت سی حدیثی وفقہی مباحث واضح ہوگئیں

مولانا سمیع الحق صاحب صدر مؤتمر المصنفین دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پاکستان اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

پیش نظر مجموعہ برصغیر پاک وہند کے ایسے برگزیدہ اعیان علم وفضل کے مشترکہ غور وفکر اور نقد وجرح کا نتیجہ ہے۔ جن کی ساری زندگی علم حدیث کی اشاعت وفروغ اور تدریس وتصنیف میں گذری۔ تدریس طحاوی کے دوران اشکالات

طحاوی پر نقد و جرح اور سوالات اٹھانے والے بزرگ، محدث کبیر، عارف باللہ شیخ الحدیث مولانا عبد الرحمٰن کامل پوری صدر المدرسین مظاہر علوم سہارن پور اپنے تبحر علمی، زہد و تقویٰ، فقاہت اور مہارت حدیث کے لحاظ سے فقیہ محدث بھی ہیں، اور محدث فقیہ بھی۔ اور بجا طور پر فقیہ النفس اکابر میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ برکۃ العصر، محدث جلیل، ریحانۃ الہند مولانا محمد زکریا مدظلہم شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارن پور حال نزیل مدینہ طیبہ کے اور کمالات و فیوضات کے علاوہ صرف حدیثی خدمات، اوجز المسالک شرح موطا امام مالکؒ، لامع الدراری شرح بخاری۔ الکوکب الدری شرح ترمذی۔ حجۃ الوداع، الابواب والتراجم شرح شمائل ترمذی اور حواشی بذل المجہود سے عرب و عجم دونوں مستفید ہو رہے ہیں۔

الحاوی میں اپنے وقت کے دو مسلّم شیوخ حدیث کا قران السعدین ہو رہا ہے۔ یہی حالت اس کتاب میں دوسرے حصہ لینے والے۔ دیگر اکابر مولانا عبد اللطیف صاحبؒ، مولانا قاری مفتی سعید احمد صاحبؒ، مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ کے علمی و دینی خدمات کی ہے۔ آسمان علم کے ماہ و پرین کا ایسا اجتماع چشم فلک نے کم ہی دیکھا ہوگا۔ (مقدمۂ کتاب ص۳۔)

صدر العلماء حضرت مولانا کامل پوری کے صاحبزادے مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب مہتمم جامعہ اسلامیہ راولپنڈی نے اس کتاب کو ترتیب دے کر ۱۳۹۶ھ میں پہلی بار مؤتمر المصنفین اکوڑہ خٹک پشاور (پاکستان) سے شائع کرایا ہے اسکے صفحات (۲۲۴) ہیں اور سائز ۲۲×۱۸ ہے (علمائے مظاہر علوم ج ۱)

(۱۳) **الحواشی علی الطحاوی** حضرت والا رحمہ نے جامعہ مظاہر علوم میں طحاوی شریف کا درس ۱۹ سال تک دیا ہے۔ تاریخ مظاہر علوم میں کسی سے اتنی مدت طحاوی شریف کا پڑھانا معلوم نہیں ہوتا گویا یہ آپ کا خاص سبق تھا۔ آپ نے طحاوی شریف پر ایک مختصر مگر جامع حاشیہ لکھا جو طحاوی کی دونوں جلدوں پر پھیلا ہوا ہے۔ اسمیں اختلافات ائمہ، مذہب احناف پر دلائل نقلیہ خاص خاص نکات، ضبط اسمائے رجال، اغلاط طحاوی کی نشاندہی اور دیگر علمی رموز و

حقائق مندرج ہیں۔

راقم السطور نے مذکورہ بالا دونوں کا دشوں کو قلم بند کر لیا تھا جو بحمد اللہ محفوظ ہیں ان حواشی کے طبع ہونے کی ابھی نوبت نہیں آئی

(۱۴) **ایک فیصلہ** حضرت حکیم الامت کے ایک ملفوظ کی شرح ہے جو بوادر النوادر میں طبع ہو چکی ہے۔

(۱۵) **المسالمۃ فی شرح المکالمۃ** امکانِ کذب کے متعلق چار صفحات پر مشتمل بحث ہے۔

(۱۶) **صرف پر کچھ کار آمد اسباق** غیر مطبوع ۱۳۴۴ھ جو بوادر النوادر میں طبع ہو چکی ہے۔

(۱۷) **ہفت اختر** حضرت تھانوی کے چھ مواعظ اور کچھ ملفوظات آپکے بچپن کے لکھے ہوئے ہیں۔

(۱۸) **شرح التقصیر فی التفسیر** غیر مطبوع

(۱۹) **عروض و قافیہ** حضرت مفتی سعد اللہ صاحب کے رسالہ کی قلمی شرح۔ غیر مطبوع

(۲۰) **شرح حماسہ** نامکمل و غیر مطبوع

(۲۱) **التحفۃ الحقیرۃ فی نسبۃ السبع الشعیرۃ** اس میں علم ہیئت کے ایک مشہور مسئلہ نسبۃ ارتفاع اعظم الجبال الی قطر الارض کا بہت عمدہ پیرایہ میں حل ہے۔ صفحات (۲۸) سن تالیف ۱۳۵۶ھ ہے

(۲۲) **شرح چغمینی** جو طبع ہو چکی ہے۔

کتب مذکورہ کے علاوہ مباحث مشہورہ

(۲۳) **آمین بالجہر** (۲۴) **قرأت خلف الامام** (۲۵) **رفع یدین** (۲۶) **شیعی تقیہ**

وغیرہ پر مستقل معرکۃ الآرا تحقیقی رسائل حضرت کے قلمی مسودات میں موجود ہیں کاش صاحب زادہ محترم مولانا محمد اللہ صاحب توجہ فرما کر ان تحقیقات علمیہ سے امت کو مستفید ہونے کا موقع مرحمت فرمائیں۔ فقط

نسیم احمد غازی مظاہری

فہرست حضرات خلفاء و مجازین کرام حضرت حجۃ الاسلام نور اللہ مرقدہ

نمبر شمار	اسم گرامی معہ مختصر پتہ	تاریخ اجازت	کیفیت
۱	حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب مدرسہ عربیہ ہتھورا ضلع باندہ	۲۵ ربیع الثانی ۱۳۷۶ھ م ۳۱ اکتوبر ۱۹۵۶ء چہارشنبہ ۱۰ بجے دن	
۲	حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور (پاکستان)	اجازت صحبت ۹ ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ م ۹ مارچ ۱۹۶۶ء شنبہ پونے گیارہ بجے دن اجازت بیعت ۱۲ رجب ۱۳۹۶ھ م ۱۰ ستمبر ۱۹۷۶ء شنبہ سوا گیارہ بجے دن	
۳	حضرت مولانا قاری مفتی مظفر حسین صاحب ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور	۵ محرم ۱۳۹۶ھ بروز پنجشنبہ قبل از اذانِ عصر	
۴	حضرت مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور	"	
۵	حضرت مولانا حکیم محمد ایوب صاحب محلہ مفتی سہارنپور	۸ صفر المظفر ۱۳۹۶ھ	
۶	حضرت مولانا جمیل الرحمن صاحب ناظم شاخ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور	۴ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ م ۴ فروری ۱۹۷۹ء بعد نماز جمعہ	رحلت فرما گئے
۷	حضرت مولانا رئیس الدین صاحب موضع تھیے پور ڈاکخانہ راجوپور سادات ضلع بجنور مدرس مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ ضلع سہارنپور	۶ رجب ۱۲۹۸ھ م ۱۵ اپریل ۱۹۷۸ء شنبہ پونے پانچ بجے دن	

فہرست حضرات خلفاء و مجازین کرام حضرت حجۃ الاسلام نور اللہ مرقدہ

نمبر شمار	اسم گرامی معہ مختصر پتہ	تاریخ اجازت	کیفیت
۸	حضرت مولانا عبد القیوم صاحب مدرسہ اصلاح المسلمین جھوا امیر جمداشاہی ضلع بستی	۸ رجب ۱۳۹۱ھ م ۵ جولائی ۱۹۷۱ء	
۹	حضرت مولانا حافظ عبد الوہاب خانصاحب موضع دالوکوئیاں ڈاک خانہ بھنبی ضلع بستی	اجازت صحبت ۱۵ شوال ۱۳۸۲ھ م ۲۸ فروری ۱۹۶۳ء شب یکشنبہ ساڑھے دس بجے؛ اجازت بیعت ۱۹ محرم ۱۳۹۶ھ م ۱۲ جنوری ۱۹۷۶ء یکشنبہ صبح ۹ بجکر ۴ منٹ پر	
۱۰	حضرت مولانا احمد مرتضی صاحب اورگیرو ضلع ہزاری باغ (بہار)	۱۲ رجب ۱۳۹۴ھ م ۱۲ اگست ۱۹۷۴ء بعد نماز جمعہ	
۱۱	حضرت مولانا محمد یوسف صاحب مدرسہ اشرف العلوم فاضل کرنیا ضلع چاٹگام (بنگال)	۱۰ ربیع ۲ ۱۳۶۶ھ م ۴ مارچ ۱۹۴۷ء یکشنبہ	
۱۲	حضرت مولانا شبیر احمد خانصاحب ٹانڈہ ضلع فیض آباد	۲۹ رجب ۱۳۶۳ھ شب جمعہ ۱۰½ بجے	
۱۳	حضرت مولانا حافظ قاری اطیع اللہ صاحب جھنکائی ضلع چمپارن (بہار)	۱۸ شعبان ۱۳۹۴ھ م ۶ ستمبر ۱۹۷۴ء قبل الجمعہ	
۱۴	حضرت مولانا ضیاء اللہ خانصاحب مقام تری کیرہ ضلع چیک بنگلور	۷ ربیع ا ۱۳۹۵ھ م ۲۰ اپریل ۱۹۷۵ء	

فہرست اسمائے حضرات خلفاء و مجازین کرام حضرت حجۃ الاسلام رحمہ اللہ نور اللہ مرقدہ

نمبر شمار	اسم گرامی معہ مختصر پتہ	تاریخ اجازت	کیفیت
۱۵	حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب نلہیڑہ ضلع سہارن پور	۱۱ محرم سنہ ۱۳۹۶ھ م ۱۴ جنوری سنہ ۱۹۷۶ء چہارشنبہ	
۱۶	حضرت مولانا محمد نعیم الدین صاحب پاپاچک ڈاکخانہ دیپھر ضلع ہزاری باغ (بہار)	۲۷ رمضان سنہ ۱۳۹۸ھ م یکم دسمبر سنہ ۱۹۷۸ء جمعہ ۲ ½ دن	اجازت صحبت
۱۷	حضرت الحاج حافظ عبد الجلیل صاحب موضع جھبیرن ڈاکخانہ کلسٹھ ضلع سہارنپور	۲۶ ذوقعدہ سنہ ۱۳۹۱ھ م ۱۴ جنوری سنہ ۱۹۷۲ء جمعہ ۱۱ بجکر ۵ منٹ پر	//
۱۸	حضرت حافظ محمد یعقوب صاحب سابق بریلی ثم بارہ بنکی	۲۹ ذی الحجہ سنہ ۱۳۹۵ھ م ۲ جنوری سنہ ۱۹۷۶ء جمعہ قبل از زوال	اجازت لغیر العلماء
۱۹	حضرت حافظ ظفر احمد صاحب آڑہتی سہارن پور	۲۸ ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ م ۱۵ دسمبر سنہ ۱۹۷۶ء دوشنبہ بعد مغرب	اجازت لغیر العلماء
۲۰	حضرت الحاج پروفیسر علی احمد خانصاحب ماندسے والے ۵۹-۳۴ اسٹریٹ برما	۱۳ شعبان سنہ ۱۳۹۱ھ م ۴ اکتوبر سنہ ۱۹۷۱ء	
۲۱	حضرت الحاج نظیر احمد خانصاحب رئیس موضع شیخپورہ ضلع سہارنپور	۱۴ محرم سنہ ۱۳۸۲ھ م ۱۸ جون سنہ ۱۹۶۲ء دوشنبہ	اجازت لغیر العلماء ۲۴ اپریل سنہ ۱۹۷۲ء شنبہ کو رحلت فرمایا

فہرست حضرات خلفاء و مجازین کرام حضرت حجۃ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ

نمبر شمار	اسم گرامی معہ مختصر پتہ	تاریخ اجازت	کیفیت
۲۲	حضرت الحاج عاشق الٰہی صاحب ماجری رام پور منھیاران ڈاکخانہ اسلام نگر ضلع سہارن پور		اجازت لغیر العلماء
۲۳	حضرت الحاج الحافظ محمد عمر صاحب کیلاش پور ضلع سہارن پور	۸؍ ذوقعدہ ۱۳۹۱ھ م ۲۷؍ ستمبر ۱۹۷۱ء دوشنبہ	اجازت لغیر العلماء
۲۴	حضرت الحاج القاری اشفاق حسین صاحب پینشنر اکاؤنٹینٹ پوسٹ آفس محلہ قانون گویان نہٹور ضلع بجنور	۲۲؍ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ م ۷؍ مئی ۱۹۷۲ء	اجازت لغیر العلماء ۱۹؍ مئی ۱۹۸۵ء آخر شعبان ۱۴۰۵ھ یکشنبہ صبح ۵ بجے وفات ہوگئی۔

حضرت والا رح فرمایا کرتے تھے کہ خلافت واجازت وراثت نہیں ہے کہ اولاد کو ضرور دیجائے جو مستحقین واہل صلاح ہوتے ہیں۔ انھیں کو اجازت دیجاتی ہے نیز جنکو اجازت نہیں دیجاتی انکے بارے میں یہ نہ سوچنا چاہیئے کہ وہ نا اہل ہیں ممکن ہے کہ بعض غیر مجازین، مجازین سے بھی بہتر ہوں۔ اجازت کا مدار شیخ کی صوابدید و اطمینان پر ہے، حضرت والا رح نے اجازت میں بھی احتیاط و تقویٰ کے پہلو کو ملحوظ رکھا اور اپنے صاحبزادوں میں سے کسی کو خلافت و اجازت نہیں دی البتہ حضرت والا رح کے وصال کے بعد حضرت والا رح کے اجل خلفاء حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب مدظلہ نے صاحبزادۂ محترم حضرت مولانا محمد اللہ صاحب مدظلہ کو خلافت و اجازت مرحمت فرمائی۔ لہذا حضرت والا رح کے سلسلہ میں داخل ہو کر اپنی اصلاح حال کرنے والے طالبین و سالکین، خلفاء و مجازین مذکورین اور شاہزادۂ محترم کی طرف اپنے میلان قلب و عقیدت کے موافق رجوع فرما سکتے ہیں۔

نسیم احمد غازی مظاہری

نگارشات تاثرات!

کسی جامع الصفات ہستی کی حیات کا ہر پہلو بیان کر دینا یا انکی ذات کے ہر وصف پر خامہ فرسائی کرنا کسی ایک صاحبِ علم و صاحبِ قلم کے بس کی بات نہیں خصوصاً جب کہ اس نے خود کو گمنامی کے پردوں میں چھپانے کی پوری کوشش بھی کی ہو اور اپنی ہستی کو ذاتِ حق میں ایسا فنا کر دیا ہو کہ ذکر محبوب حقیقی اور قال اللہ و قال الرسول کے سوا کسی کا تذکرہ خصوصاً اپنی ذات کا ذکر تک بھی انکی زبان پر نہ آتا ہو۔ اسکے متعلق اگر کوئی کچھ بیان کرنا بھی چاہے تو کیا کرے؟ اور کچھ لکھنا چاہے تو کیا لکھے؟ لیکن مشک پوشیدہ کی خوشبو کی لپٹیں جن کے مشام و دماغ کو معطر کر چکی ہوں اور جگمگاتے ہوئے آفتاب عالمتاب کی کرنوں سے جن کو فیض حاصل ہو چکا ہو۔ ان کا اظہار خیال، مشک و آفتاب کے بیانِ حسن و بو کیلئے کافی سمجھا جاتا ہے اس حقیقت کو صاحبِ تذکرہ نے اپنے شعر میں اسطرح ظاہر فرمایا ہے

؎ مجھکو خاموشی نے رسوائے زمانہ کر دیا ... میری ہی ضبط سے اظہارِ الفت ہو گیا

حضرت علیہ الرحمہ کی وفات حسرت آیات کے موقع پر ہند و پاک کے بہت سے اہل علم و اربابِ قلم نے آپؒ کے بارے میں بہت کچھ کہا اور لکھا ہے۔ جسکے بیانات اور وہ تمام جرائد و اخبارات جن میں وہ پیغامات شائع ہوئے تھے نہ تو ہمارے پاس موجود ہیں اور نہ اُن کی چنداں ضرورت ہے اسلئے چند حضرات کے تاثرات و پیغامات اور منتخب ارشادات و بیانات ہم یہاں بطور نمونہ مختصراً پیش کر رہے ہیں جن سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ گرامی کے مختلف گوشوں پر روشنی پڑتی ہے اور ہر بیان و تحریر سے آپ کے کسی نہ کسی وصف کا کوئی نہ کوئی پہلو اجاگر ہوتا ہے

نسیم احمد غازی مظاہری

ذکرِ اسعد اسلامیان

از مؤلف

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْد

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

استاذِ محترم اسعد الملّت حضرت اقدس مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً کی ذاتِ والاصفات سے علم وعمل اور فن وادب کی دنیا کے لوگ خصوصًا اسلامیانِ ہند خوب واقف ہیں۔ آپ کی ذاتِ گرامی جن گوناگوں فضائل وفضائل اور صفات وخصوصیات کی حامل تھی ان تمام کا اس مختصر مضمون میں بیان کر دینا ممکن نہیں وہ اگر ظاہری علوم عقلیہ ونقلیہ میں زبردست مہارت وتحقیقی مقام رکھتے تھے تو باطنی علوم، معرفتِ الٰہیہ، تصوف وتورع، زہد واتقاء، خشیت وانابت الی اللہ میں بھی آپ کی بلند پایہ شخصیت بے مثل ومثیل تھی وہ میدانِ فصاحت وبلاغت کے امام، تقریر وخطابت کے پیشوا، رفنون شعر وسخن کے رہبر، اردو، فارسی، عربی اور انگلش کے ایسے ادیب تھے کہ انکی زبان فیض ترجمان سے نکلے ہوئے کلمات اساتذۂ فن وادبائے زمن کے نزدیک حجّتِ ثابتہ اور "مستند ہے میرا فرمایا ہوا" کا سچا مصداق ہوتے تھے۔ انہوں نے اپنے عہدِ شباب وزمانۂ قوت کا سنہرا وقت اور زندگانی کی حسین بہاروں کا پُرکیف وبہترین دور عیسائیت، آریت، قادیانیت رضاخانیت، فلتۂ مشرقیت اور شدھی وسنگھٹن جیسی گمراہ کن سازشوں اور باطل تحریکوں سے کامیاب جہاد میں صرف فرمایا۔ وہ باطل پرستوں پر شیر ببر کی طرح حملہ آور ہوتے اور ان کے بنائے ہوئے گھروندوں کو اپنا ٹھوکر دے مسمار کرتے رہتے۔ آپ کے مضبوط استدلالات اور ٹھوس دلائل کے تیز وتند جھونکے ضلالت وگمراہی کی سیاہ گھٹاؤں کو افق حق سے دور پھینکتے رہے انکی جادو بیانی کے بیاپے صف شکن حملے کفر وباطل کے روڑوں کو راہِ حق سے گرد وغبار بناکر اڑاتے اور حق کے حسین وپرنور چہرے کو صاف وشفاف کرکے فدائیانِ اسلام وشیدائیانِ

حق کے سامنے پیش کرتے رہے۔ انہوں نے اپنی جوانی کی ہر امنگ کو دین اسلام پر قربان کیا اس حسین و نازک فرشتہ صفت انسان نے فاقہ پر فاقہ کر کے بیابان و کوہ کے دشوار گذار سفر کیے اور ارتداد کے منحوس سیلاب کو روکا وہ نازک طبع و نازک مزاج جوان، سیل باطل کے مقابلہ میں ایک مضبوط چٹان ثابت ہوا۔ انہوں نے اپنے عنفوانِ شباب سے دورِ حیات کے آخری لمحہ تک نصف صدی سے زائد مدت قال اللہ و قال الرسول کے شیریں دریا بہائے اور تشنگانِ علوم نبویہ ان کے آب حیاتِ فیض سے سیراب ہوتے رہے ان کے کیف آور وجد آفریں مواعظ حسنہ اور علمی و نورانی بیاناتِ سنیہ سے خلق خدا مستفید و مستفیض ہوتی رہی۔ ان کے منور دامنِ عرفاں سے وابستہ متصوفین و اہلِ سلوک معرفت و حقیقت کے چمکدار موتی، بیش بہا جواہرات اور پائدار کمالات کی روحانی دولتوں سے اپنے اپنے دامن مراد کو بھرتے رہے۔ حق کے دیوانے اس مستانے ساقی کے حسین و نورانی ہاتھوں سے محبت و عرفان کے دلکش و پر حلاوت جام و پیمانے پیتے رہے۔ اس شمع علم و عرفان کے پر کیف انوار پر ہزارہا پروانے گرتے اور سر دھنتے رہے۔ آج ہم اس ذاتِ والا صفات کے جان بخش نظاروں سے گو محروم ہیں لیکن ان کے ظاہری و باطنی علوم و فیوض کے نورانی و روحانی حیات بخش چشمے بحمد اللہ تعالیٰ اطراف عالم میں تشنگانِ علوم و عرفان کو آج بھی سیر و سیراب کر رہے ہیں بلکہ وہ اہل نظر و اصحاب بصیرت حضرات جن کو حضرتِ والا کے قرب و صحبت کی دولت نصیب ہوتی جانتے ہیں کہ وہ ضعفِ پیرانہ سالی و گوناگوں امراض و عوارضِ قلبیات کے باوجود بھی اصلاح خلق و افادہ خاص و عام میں قلبی شغف کے ساتھ بے نظیر دلچسپی و انہماک نام رکھتے تھے۔ ہر وارد و صادر وہ یگانہ ہو یا بیگانہ، عالم ہو یا غیر عالم مسلم ہو یا غیر مسلم ان کی بارگاہِ عالی سے ضرور کوئی نصیحت و عبرت، پند و موعظت اور اچھا سبق لے کر واپس ہوتا۔ ہر ملاقاتی آپکے اخلاقِ کریمانہ و کلامِ مشفقانہ سے متأثر ہو کر زبان حال سے یہ کہتا ہوا رخصت ہوتا ہے

بہت دل خوش ہوا حالیؔ سے مل کر ؏ ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

آپ کی مدلل گفتگو، فیصلہ کن کلام فصیح جب علماء و طلباء اور سالکین کے اشکالات

حل ہوتے اور الجھی ہوئی گتھیاں چٹکیوں میں حل ہو کر ان پر حقائق منکشف ہوجاتے تو باندازِ والہانہ حضرت والا پر گرویدہ ہوجاتے اور کہتے ؎

بجز اک اللہ کہ چشمم باز کردی ٭ مرا با جانِ جاں ہمراز کردی

آپ یگانہ و بیگانہ کسی کی خیر خواہی سے دریغ نہ فرماتے امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں کبھی تساہل نہ فرماتے وہ اپنے خاص انداز میں معروف کا حکم بھی دیتے اور منکر سے منع بھی فرماتے۔ اور ایسے مواقع پر مخاطب پر شفقت فرماتے اس کے ساتھ احترام و اکرام کا برتاؤ فرماتے اور ادنیٰ تحقیر و ہتک عزت کو روا نہ رکھتے آپ کی عادتِ مستمرہ تھی کہ وہ کسی کے قلب پر معمولی سے معمولی ٹھیس اور ادنیٰ کلفت کو بھی پسند نہ فرماتے تھے بلکہ وہ دوسروں کی ادنیٰ تکلیف سے رنجیدہ ہوجاتے۔ غمزدہ کے غم میں برابر شریک ہوتے ہر ایک کے رنج و غم اور تکلیف کا احساس فرماتے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے ؎

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر ٭ سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

اگر ان کو اپنی ذات سے کسی کو تکلیف پہنچنے کا ادنیٰ شبہ بھی ہوجاتا تو اس سے فوراً بلا تکلف معافی مانگ لیتے بلکہ کئی کئی بار مختلف اوقات میں معافی چاہتے اور دوسرے طریقوں سے اس کا تدارک فرماکر جب تک مطمئن نہ ہوجاتے آپ غمزدہ نظر آتے تھے اس سلسلہ میں ان کے نزدیک ادنیٰ و اعلیٰ، خورد و کلاں میں کوئی فرق و امتیاز نہ تھا بلکہ وہ سب کو اپنے آپ سے بڑا ہی سمجھتے وہ اپنے تلامذہ و خدام سے ہمیشہ آپ و جناب سے ان کا پورا پورا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے گفتگو فرماتے۔ اعترافِ غلطی و اقرارِ قصور کو اپنی توہین و کسرِ شان خیال نہ فرماتے بلکہ اس دارِ فانی سے صاف شفاف گذر جانے کو سب سے اعلیٰ کامیابی و مقصدِ عظیم سمجھتے وہ اپنے خدام و تلامذہ، متعلقین و وابستگان کو بھی اسی کی تاکید و تلقین فرماتے رہتے تھے۔ عدیم الفرصتی کے وقت کم از کم یہ جملہ فرما دیتے "بیٹا پاکیزہ زندگی" اس مذکورہ صفت (معافی و تلافی) پر آپ کے مربی و مرشد مجدد الملت، حکیم الامت حضرت اقدس مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ نے بھی آپ کی عالی الاخلاقی تعریف و توصیف فرمائی تھی

صوفین واہلِ سلوک حضرات کی تربیت و اصلاح کا ایک عجیب غریب انداز اور انوکھا طرز تھا۔ وہ طالب کو اپنی محبت میں ایسا گرویدہ و محو فرما لیتے کہ وہ خود بخود آپ کی اتباع کا شوقین ہو جاتا۔ اور اطاعت و اتباع سنت سے خاص دلچسپی و شغف اس کو حاصل ہو جاتا۔

جن تلامذہ و خدام کی محبت پر آپ کو مکمل اعتماد و وثوق ... ہوتا ان کے ساتھ آپ کا ایک علیحدہ محبوبانہ برتاؤ ہوتا تھا ان مذکورہ اوصاف میں ہر وصف انکی عادتِ ثابتہ و طبیعتِ ثانیہ بن چکا تھا ان کی ہر ہر صفت و خصوصیت کی وسعتوں کا تقاضا ہے کہ اسکے لئے ایک جداگانہ دفتر کی ترتیب اور ایک بسیط و ضخیم کتاب تصنیف ہو جسمیں ہر گوشۂ سیرت کو الگ ابواب و عنوانات کے تحت بیان کیا جائے لیکن اہلِ قلم حضرات کو اس مقام پر ایک بڑی دشواری و پریشانی یہ درپیش ہے کہ حضرتِ مرحوم کے اکثر حالات خدام و مقربین سے بھی صیغہ راز و پردۂ خفاء میں مخفی و مستور ہیں۔ آپ اپنے احوال کا کبھی تذکرہ نہ فرماتے ہمیشہ اخفاء کی کوشش فرماتے تھے اگر معلومات کے طور پر کوئی خادم اس قسم کی کوئی بات دریافت کرنے کی ہمت کرتا تو ارشاد فرماتے ”بھئی ہم کیا اور ہمارے حالات کیا“ آپکے آباء و اجداد ملک کے نامور علماء فقہاء اور اہل اللہ ہوئے ہیں مگر خود ستائی کے اندیشہ سے کبھی کسی کے سامنے آپ ان کا بھی ذکر نہ فرماتے بلکہ دوام ذکر و فکر زیادہ گفتگو سے مانع تھا۔ اپنے خدام و متوسلین کو بھی ہمیشہ اسی کی وصیت فرماتے اکثر فرمایا کرتے تھے ؎ لب ببند و چشم بند و گوش بند ” گر نہ بینی سر حق بر ما بخند

آپ بذات خود اس کا زبردست اہتمام و التزام فرماتے۔ دیگر مصروفیات بھی آپ کو ذکر و فکر سے نہ روکتیں کبھی خدام و متوسلین سے عجیب والہانہ انداز میں فرماتے ” دل بیار دست بکار۔ دل بیار دست بکار“ بایں ہمہ جو کچھ معلوم ہے اس کیلئے بھی ایک طویل وقت و دفتر کلاں کی ضرورت ہے ؎

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار ” گلچین بہار تو ز تنگیٔ داماں گلہ دارد

تجسس احوال و اقوال ترتیب احوال کی مہم جاری ہے انشاء اللہ العزیز دیر سویر حضرت والا رحمۃ اللہ کے خدام و متوسلین تلامذہ و متعلقین کی خدمت میں حضرت کی مفصل سوانح حیات پیش کیجائیگی (از ذکر اسعد مولفہ راقم الحروف) نسیم احمد غازی مظاہری یکشنبہ ۱۱ ر شوال ۱۴۰۹ھ

(۲) حضرت اقدس مولانا الشاہ

محمد اسعد اللہ صاحب قدس سرہ

حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندوی

حضرت اقدس مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات تاریخ اسلامی کا زبردست حادثہ ہے اور ایک عالمگیر سانحہ ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ بیک وقت جلیل القدر محقق عالم اور کامیاب مدرس اور مناظر ہونے کے ساتھ شیخ کامل بھی تھے اور بلند پایہ شاعر بھی لیکن حضرت کی زندگی درس و تدریس اور اصلاح امت اور مذاہب باطلہ کی تردید میں صرف ہوئی شعر و شاعری کو مشغلہ نہیں بنایا۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ اللہ پاک نے مجھے یہ ملکہ عطا فرمایا ہے کہ میں چاہوں تو شعر میں کلام کروں اور لوگوں کے کلام کا جواب شعر ہی میں دوں لیکن میں اسکو پسند نہیں کرتا۔ اسکے بعد یہ شعر پڑھا

ولولا الشعر بالعلماء یزری ∴ لکنت الیوم اشعر من لبید

(اگر شعر و شاعری علماء کیلئے نازیبا نہ ہوتی — تو میں مشہور شاعر عرب لبید سے بھی بڑا شاعر ہوتا)

حضرت کی زندگی کا نمایاں جوہر اور امتیازی وصف ان کا تقدس و تقویٰ، زہد و قناعت، صفائی معاملات، سادگی و سخاوت، دیانت و امانت اور انابت الی اللہ ہے۔ اس سلسلہ میں تقریباً پانچ سال تک آنکھوں سے جو دیکھا اس کے چند نمونے اس وقت ہدیۂ ناظرین ہیں۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ طالب علمی کے زمانے میں جس ذات میرا قیام تھا نہ کہوں تھا اسوقت وہاں قانون تھا کہ سردی کے زمانے میں گرم پانی سے وضو کرنے والے کو دو پیسے ایک ہفتہ میں داخل کرنے پڑتے تھے میرے پاس پیسے نہ آتے تھے اسوجہ سے ٹھنڈے پانی سے وضو کرتا تھا۔ نوافل اور اوراد کی پابندی کے ساتھ تقریباً اڑتالیس سال تک تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی سفر اور حضر ہر حالہ میں جماعت و تکبیر اولیٰ کا اہتمام رہتا تھا۔ حضرت کا معمول تھا

کہ بعد عصر مکان تشریف لے جاکر گھر کی ضروریات دریافت کرتے اور اس کا انتظام فرماتے ایک مرتبہ حسب معمول دارالطلبہ سے مکان تشریف لے جا رہے تھے۔ احقر اور دو رفیق ساتھ تھے مکان کیطرف جانے والی گلی میں ایک موڑ ہے جب اس جگہ پہنچے تو ایک بھنگی نے پاخانہ کا ٹوکرہ پھینکا جس سے کچھ چھینٹیں ایک ساتھی کے کپڑے میں پڑ گئیں حضرت نے فرمایا اندھے ہو گئے ہو دیکھ کر ڈالا کرتے ہیں اس کے بعد آگے بڑھ گئے چند قدم کے بعد ہی فرمایا کہ میں نے اس بھنگی کو سخت بات کہی اس کو تکلیف ہوئی ہوگی۔ اس سے معافی مانگنی چاہیئے۔ بہت تلاش کیا گیا مگر وہ نہ ملا اس کے بعد حضرت کو جو بے چینی ہوئی اس کا نقشہ ابتک آنکھوں کے سامنے ہے۔ عجیب اختلاجی کیفیت تھی۔ حضرت والا مکان نہ جا سکے بمشکل اقامت گاہ پر پہنچے بار بار یہی فرماتے رہے مجھ سے غلطی ہوگئی سب نے تسلی دی کہ حضرت قصور اس بھنگی کا ہے آپنے کوئی سخت بات نہیں فرمائی ہے بہت دیر کے بعد بے چینی کم تو ہوئی لیکن ختم نہیں ہوئی دوسرے دن کئی بار فرمایا مجھے یاد دلانا بعد عصر اس جگہ چلنا ہے۔ چنانچہ بعد نماز عصر وہاں تشریف لے گئے وہ بھنگی وہاں مل گیا حضرت کے الفاظ مجھے یاد ہیں۔ فرمایا ،،بھائی میں نے کل تم کو سخت بات کہدی تھی تم کو تکلیف ہوئی ہوگی۔ معاف کر دو،، وہ ندامت سے پسینہ پسینہ ہوگیا اور عاجزی کرنے لگا اور کہا سرکار ہم آپ کے غلام ہیں مجھ سے غلطی ہوگئی تھی مجھے اسطرح ٹوکرہ پھینکنا نہ چاہیئے تھا مگر حضرت بار بار یہی فرماتے ہے کہ معاف کر دو آخر اس نے کہا سرکار میں نے معاف کردیا اس کے بعد حضرت نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالکر اسکو کچھ رقم دی جسکی تعداد معلوم نہیں۔ کسی طالب علم کو اسکی کوتاہی پر تنبیہ کی اور ناراضگی کا اظہار کیا اسکے بعد جیسے ہی وہ آکر معافی مانگتا حضرت کی آنکھوں میں آنسو آجاتے اور فرماتے معاف کر دیا آئندہ ایسا نہ کرنا۔ احقر کے زمانہ قیام میں مظاہر علوم میں حضرت کا معمول ناشتہ کا نہ تھا۔ اسوقت چائے بھی نہ پیتے تھے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں کبھی کبھی آدھی پیالی پی لیا کرتے تھے کھانا طلبہ کے ساتھ کھاتے گھر سے کھانا بہت سادہ آتا اسمیں

بھی کبھی نصف اور کبھی اس سے بھی کم تناول فرماکر طلبہ کیلئے چھوڑ دیتے جس دن مہمان ہوتے ان کیلئے کباب کا اضافہ ہو جاتا لباس معمولی لیکن صاف زیب تن فرماتے۔ احقر کے زمانے میں دھوبی کے یہاں کپڑے نہ جاتے تھے۔ حاجت مند جب بھی آیا۔ اسکی ضرورت پوری کی باقاعدہ فرمالیا۔ اکثر مختلف مقامات پر منی آڈر کے ذریعہ رقم بھیجتے ہدیہ میں کوئی چیز آتی تو مہمانوں کے لئے رکھ لیتے اور احباب کے پاس بھیجدیتے اگر وقت پر صاحبزادگان میں سے کوئی وہاں ہوتا تو اس میں سے ان کو بھی کچھ مل جاتا تھا۔ بعد نماز عشاء روزانہ صلوٰۃ التسبیح اور نوافل دیر تک پڑھتے اس کے بعد بیدار ہوکر فجر تک نوافل، ذکر اور مطالعہ کتب میں مصروف رہتے۔ یہ جو کچھ لکھا گیا واقعات و مشاہدات، کے حقیقی تاثرات ہیں۔

جس شخص نے کھلے دل کے ساتھ حضرت والا کی کتاب حیات کو دیکھنے کا موقع پایا ہے وہ خواہ شاگرد اور مرید نہ ہوا کے تاثرات بھی یہی سامنے آتے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ ایسی مبارک ہستی جو اپنے تعلق باللہ اور باطنی کیفیات کو عمر بھر ایک راز کی طرح چھپائی رہی اس کے تفصیلی حالات کا احاطہ دشوار ہے۔

آہ یہ دولت نایاب اب کہاں ؟ اب ایسی مجلس جہاں بیٹھ کر دل بیدار ہوتا اور مدتوں کا غبار کا فور ہو جاتا تھا۔ اللہ پاک حضرت قدس سرہٗ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور امت کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

صدیق احمد

تعارف مختصر

(۳)

خلاصۂ تحریر سامی حضرت اقدس مولینا مظفر حسین صاحب دامت برکاتہم
ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

میں صاحب قلم دانشار پرداز ہوں نہ شاعر و نظم نگار تاہم ہمہ کچھ لکھنے کیلئے ایک گونہ اجتماع خاطر کی ضرورت ہے میرے حساس و متاثر دل و دماغ کیلئے یہ ایک نایاب شئی ہے علاوہ ازیں ہجوم کار و کثرتِ مشاغل اتنی مہلت نہیں دیتے کہ صفحہ قرطاس پر اپنے کسی تاثر و احساس کا اظہار کر سکوں۔ میں یہ سوچتا ہوں کہ ایسی بلند ستودہ صفات و جامع کمالات شخصیت پر کیا لکھوں اور کیسے لکھوں؟ لیکن میں اگر حضرت کا تعارف کرانا چاہوں تو یہ کہوں گا کہ وہ بیک وقت صرف، نحو، اشتقاق، لغت، بلاغت، فصاحت، معانی، بیان، بدیع، فقہ، اصول فقہ، تفسیر، اصول تفسیر حدیث، اصول حدیث، اسمائے رجال، فن شاعری، عروض، منطق، فلسفہ، اقلیدس، حساب، وغیرہ جملہ علوم و فنون کے ماہر، نکتہ داں اور اردو، فارسی و عربی کے مسلم ادیب اریب و استاذ۔ انگریزی سے واقف ہر طبقۂ خیال میں مقبول ایسی دلوں میں اتر جانے والی نادرۂ روزگار شخصیت رکھتے تھے کہ ہر متعلق فرد کو یہ گمان ہوتا تھا کہ ان کو میرے ساتھ سب سے زائد تعلق و محبت ہے۔ تربیت کا ایسا انداز تھا کہ ہزاروں گمراہوں کو صراطِ مستقیم پر گامزن کر دیا۔ اور ان لوگوں کو کوئی دشواری و تلخی محسوس نہ ہوئی۔ تدریس کی جامعیت مناظرہ کی مہارت اور خانقاہ تھانویؒ کے فیوض کی اشاعت ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ اور پھر خوبی یہ کہ تلامذہ، متعلقین اور منتسبین اگر عقیدت مند ہوں تو تعجب نہیں لیکن وہاں تو تصوف کے دوسرے مکاتب خیال کے افراد بھی دل و جان سے آپ پر گرویدہ تھے اس سے بڑھکر شیعہ حضرات بلکہ غیر مسلم اشخاص بھی باوجودیکہ آپ نے ہمیشہ اپنی تحریر و تقریر سے باطل کی تردید فرمائی ہے، آپ سے والہانہ محبت و عقیدت رکھتے اور سبھی آستانۂ اسعدی پر مؤدب و مہذب ہو کر حاضری دیتے

کو اپنے میے باعث فخر سمجھتے تھے اور کیا لکھوں قصہ طویل وطاقت قلم قاصر ہے۔ میرے بکھرے ہوئے تأثرات کا ایک اجمالی خاکہ ہو سکتا ہے اس میں کوئی مصو[ر] حقائق کی رنگ آمیزی کرکے اسکو دلکش و موثر بنا سکتا ہے ؎

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را ۔۔ گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

مظفر حسین المظاہری
ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

(۴)

حضرت مولانا اسعد اللہ رحمہ اللہ

مولانا منظور نعمانی مدظلہ العالی

الفرقان کے اکثر ناظرین کو مختلف ذرائع سے معلوم ہو چکا ہوگا کہ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے جلیل القدر خلیفہ ارشاد اور مدرسہ عالیہ مظا[ہر علوم] سہارنپور کے ناظم دست برادہ حضرت مولانا محمد اسعد اللہ جو طویل مدت سے صاحب فراش تھے ۱۰/۱۱ جون کی درمیانی شب میں واصل بحق ہو گئے۔

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین

ادھر تقریباً ۳۰/۴۰ سال سے مولانا کی شہرت اور علمی و دینی حلقوں میں ان کا تعارف انہی دو حیثیتوں سے تھا۔ ایسے لوگ بہت کم ہوں گے جو حضرت [مولانا] کے ابتدائی دور کے احوال اور بعد میں رونما ہونے والے اس بظاہر معمولی انقلا[ب] حال سے واقف ہوں جو اس عاجز کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ایک صفت رحمت [کا] ظہور تھا جسکو قرآن پاک میں "اللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ" کے الفا[ظ] میں بیان فرمایا گیا ہے (جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس بندہ کو چاہتا ہے ا[پنے] فضل خاص کیلئے منتخب فرما لیتا اور اپنا لیتا ہے)

راقم سطور نے حضرت مولانا مرحوم کو سب سے پہلے اب سے ۵۵/۵۶ سال قبل اس د[ور] دیکھا تھا جب یہ عاجز دار العلوم دیوبند کا طالب علم تھا وہ اس زمانہ میں بھی "مظاہر علوم" کے استاذ تھے انکی عمر اس وقت ۳۰ کے قریب ہی ہوگی۔ عربی ا[دب]

استاذ اور ایک کامیاب مناظر کی حیثیت سے انکی اس زمانہ میں خاص شہرت
تھی۔ سی کے ساتھ مظاہر علوم کے اکابر واساتذہ کے مجمع میں سب سے مختلف اپنی
خاص وضع قطع اور مزاج کی شوخی کے لحاظ سے انکی شخصیت عجیب وغریب اور بڑی
بے جوڑ نظر آتی تھی۔

اس وقت ان کو دیکھ کر ہم جیسے طالب علموں کے دلوں میں بھی طرح طرح کے سوالات
اور اعتراضات پیدا ہوتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم
سہارنپور کے اساتذہ میں کوئی شیروانی تک نہیں پہنتا تھا۔ بس اپنے بزرگوں
والا لمبا کرتا اور مخلی پاجامہ سب کا لباس تھا بعض حضرات کبھی کبھی چھ کلیا
لیکن بھی پہنتے تھے یا سردی کے موسم میں روئی دار یا گرم کپڑے کی عبا لیکن
حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب کا لباس اور وضع قطع سب سے مختلف تھی ٹانگوں میں
چوڑی گدا می پاجامہ اسپرنیشن ایبل قمیص، اسکے اوپر کمر سے کچھ ہی نیچا کوٹ، جو
اس دور میں صرف "سٹرونگ" ہی پہنتے تھے۔ سر کسی قدر اتار چڑھاؤ والے
بالوں پر ترکی ٹوپی، مزاج میں بھی غضب کی شوخی اس سب کے ساتھ شاعری کا
ذوق و مشغلہ بھی تھا۔ مشاعروں میں بھی شرکت فرماتے تھے۔

تھے اس زمانہ میں مولانا اسعد اللہ صاحب مظاہر علوم کے استاذ جیسا کہ عرض
کیا، ہم جیسے کم نگاہوں کے دلوں میں سوال اٹھتا تھا کہ اس وضع قطع اور
ایسے آزاد آدمی کو مظاہر علوم کا استاذ کیسے بنا دیا گیا ہے؟ اور حضرت مولینا
خلیل احمد سہارنپوری ؒ جو اس زمانہ میں مظاہر علوم کے ناظم و سربراہ تھے
اساتذہ کا انتخاب اور عزل ونصب گویا ان ہی کے صواب دید پر تھا اور ہمارے
بزرگ وضع قطع اور لباس جیسے معاملات میں متساہل نہیں تھے بلکہ متشدد
مشہور تھے، ان کے بارے میں بھی دل میں سوال اٹھتا تھا کہ مولانا اسعد اللہ
صاحب کی اس روش کو وہ کیوں اور کیسے گوارا فرما رہے ہیں؟

لیکن چند ہی برس بعد مولانا مرحوم کی زندگی میں جو حیرت انگیز انقلاب آیا اسے
دیکھ کر خود اپنے دل نے کہا کہ غالباً حضرت مولانا سہارنپوری پر اللہ تعالیٰ نے
منکشف فرما دیا تھا کہ عنقریب ان میں اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت وتوفیق سے

غیر معمولی انقلاب آئے گا اور یہ " ولایت خاص " کے مقام پر فائز کیے جائیں گے اور مدارس کی دنیا کیلئے مثال اور نمونہ بنیں گے واللہ اعلم ۔
مولانا مرحوم ان ہی حالات میں اور اسی طریقہ پر چل رہے تھے جن کا اوپر ذکر آیا کہ اچانک ان کے دل میں انابت الی اللہ اور اپنی اصلاح کا شدید داعیہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا ہوا اسکے لئے وہ رہنمائی کے طالب بن کر حکیم الامت حضرت تھانوی کی طرف رجوع ہوئے اور اپنے کو کالمیت فی ید الغسال حضرت مرشد کے حوالہ کر دیا پھر اللہ تعالیٰ نے خاص فضل فرمایا اور چند ہی روز میں ایسا قلب ماہیت ہوا کہ کم از کم راقم سطور نے تغیر حال اور اصلاح کی ایسی کوئی مثال نہیں دیکھی بلا شبہ حضرت مولانا مرحوم کی ذات حکیم الامت کی اصلاح و تربیت کا عجیب و غریب نمونہ تھی اور اللہ یجتبی الیہ من یشاء کا مظہر۔ راقم سطور اپنے بشری اندازہ کے مطابق کہہ سکتا ہے کہ قریبا ۴۰/۵۰ سال کی گزشتہ مدت میں غالبا ان سے کوئی صغیرہ گناہ بھی سرزد نہ ہوا ہوگا ۔ واللہ اعلم باحوال عبادہ ۔
طویل مدت سے وہ علیل اور صاحب فراش تھے ۔ بار بار قلبی دورے پڑ چکے تھے جسم میں ہڈی چمڑے کے سوا گویا کچھ نہیں رہا تھا اسی حال میں کئی برس یہ معمول رہا کہ ہر نماز کے لئے جماعت کے وقت سے پہلے ان کے خاص خادم اپنے دونوں ہاتھوں پر اٹھا کے مولانا کو ان کے حجرے سے مسجد لے جاتے اور صف اول میں بیٹھا دیتے مولانا وقت کی گنجائش کے مطابق پہلے بیٹھے بیٹھے نوافل پڑھتے پھر جب جماعت کیلئے اقامت ہوتی تو وہی خادم مولانا کو اٹھا کر سیدھا کھڑا کر دیتے اور پھر مولانا پوری نماز قیام کے ساتھ ادا فرماتے سنتیں اور نوافل پھر بیٹھ کر ہی ادا فرماتے ۔ فراغت کے بعد پھر وہی خادم ان کو اسی طرح اپنے ہاتھوں پہ اٹھا کے حجرے میں لے آتے ۔ پھر کئی برس اس حال میں گزرے کہ مولانا اپنے حجرے میں بستر ہی پر جماعت کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے ۔ قریبی واقفین نے بتلایا کہ گزشتہ قریبا ۲۵/۳۰ سال میں غالبا کبھی ایسا نہیں ہوا کہ مولانا کے ہوش و حواس صحیح ہوں اور نماز جماعت کے ساتھ ادا نہ ہو یا تکبیر اولیٰ فوت ہوئی ہو ۔ افسوس ہے کہ ہماری یہ دنیا ان نمونوں سے خالی ہوتی جارہی ہے ۔ فیا اسفاہ واحزناہ ، (ماہنامہ الفرقان لکھنؤ بابتہ ماہ جولائی ۱۹۷۹ء

تنبیہ:۔ مولانا نعمانی صاحب کے مضمون بالا میں مبالغہ اور افراط و تفریط سے کام لیا گیا ہے۔ حضرت مرحوم کی وضع قطع کبھی شریعت کے خلاف نہیں رہی البتہ شروع دور میں متصوفین و صلحاء کا لباس نہ پہنتے تھے لباس میں جدت تھی مگر حدِ جواز میں تھی ایک ذہین و ذکی مناظر و شاعر کے مزاج میں شوخی ہونا بھی لابدی امر ہے۔ منجمد المزاج آدمی ان میدانوں میں عموماً کامران و کامیاب نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہ کہنا کہ ۳۰ / ۴۰ سال سے کوئی صغیرہ بھی سرزد نہیں ہوا ہوگا سمجھ میں آنے والی بات ہے اور عادةً ناممکن ہے۔ نیز نماز باجماعت بقید تکبیر اولیٰ کی پابندی مکمل اڑتالیس سال رہی جیسا کہ معتبر حضرات سے معلوم ہوا اور آپ کے خلیفہ ارشد مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب نے بھی لکھا ہے۔ آپ کے اس عمل کی مثال دور تک نایاب ہے۔ واللہ اعلم۔ نسیم احمد غازی مظاہری۔

(۵)

تأثرات

مولانا
ابوالحسن علی ندوی

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

مجھے مدرسہ مظاہر علوم میں تعلیم حاصل کرنے اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مدرسہ سے براہ راست علمی استفادہ کرنے یا اس دور میں جب وہ فرق باطلہ سے مناظرہ فرمایا کرتے تھے اور اپنی ذہانت، حاضر جوابی اور علمی تبحر کا سکہ سامعین و حاضرین کے دلوں پر بٹھا دیا کرتے تھے۔ ان سے تعارف اور اس کام میں شرکت و رفاقت کا شرف حاصل نہیں ہوا۔

میں نے پہلی مرتبہ ۱۹۳۸ء کے اختتام پر ان کی زیارت کی رفیق محترم مولانا منظور صاحب نعمانی کی معیت میں رائے پور جاتے ہوئے ایک وقت ان کا مہمان بھی رہا لیکن جب نظام الدین کے مرکز سے تعلق اور حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب قدس سرہٗ سے شرف نیاز حاصل ہوا تو بکثرت اور تھوڑے تھوڑے وقفوں کے ساتھ سہارنپور حاضری ہوئی اور حضرت مولانا کی خدمت میں خصوصی طور پر حاضری دیتا اور وہ خصوصی شفقت فرماتے ان مجلسوں میں مولانا کے وثوق

فی العلم اور تبحر کا اندازہ ہوا اسی کے ساتھ ان کے ادبی و شعری ذوق کا بھی علم ہوا اتفاق سے جب مولانا نے سیتاپور میں موتیا بند کے آپریشن اور آنکھ کھلوانے کا فیصلہ کیا (جس میں تھوڑی سی تحریک و تائید میری بھی شامل تھی) تو سہارنپور سے لکھنؤ تک مجھے ہمرکابی کا شرف بھی حاصل ہوا اور میں نے اس سفر میں مولانا کی کثرت نوافل اور متوجہ الی اللہ ہونے کا مشاہدہ کیا۔ سیتاپور کے قیام میں بھی ایک دو بار حاضری کی سعادت حاصل ہوئی میں نے مولانا کے بارے میں حضرت مولانا الیاس صاحب سے بعض ایسے بلند کلمات سنے جو کبار مشائخ و خواص امت کے بارے میں کہے جا سکتے ہیں اس سے مولانا کی عقیدت میں اور اضافہ ہوا چونکہ خواہر زادۂ عزیز گرامی مولوی محمد ثانی حسنی مرحوم مصنف سوانح مولانا محمد یوسف و حیات خلیل اس وقت مدرسہ مظاہر علوم کے طالب علم تھے اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے خاندان سے انکی نسبت کی وجہ سے مولانا مرحوم ان کا خاص خیال رکھتے تھے اور میری بھی رعایت فرماتے تھے اس لئے مجھے اور بھی قرب و اختصاص حاصل ہوا صلحائے امت و علمائے حق کے تذکرے ایمان و یقین میں اضافہ عمل و اتباع سنت کے شوق میں ترقی اور علوئے ہمت کے لئے آمادہ کرتے ہیں اسلئے امید ہے کہ یہ تذکرہ بھی مزید شوق انگیز و ہمت آفریں ثابت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مرتب کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور قارئین کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید بنائے۔

ابوالحسن علی ندوی

۱۴ر ۱ر ۹۲ء

(ڈاکٹر اسعد مجیبی)

مصلح دوراں

(۶) حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحبؒ
ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

قیب لیلی فاروقی

امام النحو حضرت مولانا صدیق احمد صاحب مرحوم سابق استاذ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ایک مرتبہ حضرت ناظم صاحب مرحوم کے اس حجرے کے سامنے سے گذر رہے تھے جو مدرسہ میں تھا اور جس میں انہوں نے جان جاں آفریں کے سپرد کی۔ حضرت ناظم صاحب نے موجود طلبا سے مخاطب ہوکر فرمایا۔ حضرت علامہ کو ذرا روک لو۔ ایک طالب علم علامہ صاحب کو روکنے کیلئے آگے بڑھا اور پیچھے سے خود ناظم صاحب بھی حجرے کے دروازہ تک آگئے۔ علامہ صاحب عالم جذب میں کھوئے کھوئے چلے جا رہے تھے۔ طالب علم نے اطلاع دی کہ آپ کو حضرت ناظم صاحب یاد فرما رہے ہیں۔ علامہ صاحب اسی عالم میں چلے اور طالب علم کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے فرمایا بڑے آئے حضرت ناظم صاحب ترکی ٹوپی، کالر والی قمیص پہنے سائیکل پر بیٹھا ناول پڑھتا (حضرت علامہ نے ادبی کتب کو ناول سے تعبیر فرمایا نسیم الغازی) گھومتا پھرتا تھا اب مصلی تسبیح ہاتھ میں لئے پھر رہا ہے۔ حضرت ناظم نے حضرت علامہ کے یہ جملے خود اپنے کانوں سے سن لئے تھے انکی آنکھوں سے آنسو رواں ہو چکے تھے اور جیسے ہی علامہ صاحب ان کے قریب پہنچے انہوں نے فرمایا حضرت آپ نے بالکل صحیح فرمایا یہ ناکارہ اب کل دیکھا ہے۔ علامہ مرحوم نے ماضی کی زندگی کا کوئی صفحہ کھولا۔ ناظم صاحب مرحوم نے اسکی تصدیق باچشم پرنم کی جس سے ہم لوگوں کو بھی علم ہوا کہ یہ بھی کوئی مولانا اسعد اللہ رہتے۔ دیسے میں نے اپنی آنکھوں سے جن مولانا اسعد اللہ کو دیکھا تھا، وہ سادگی کے مرقع نرم گفتار بات بات پر رو دینے والے عاشق رسول علم کے کوہِ گراں، سراپا عمل اور خوف آخرت سے لرزاں اور اکابر سلف کی زندہ یادگار تھے جد امجد جامع العلوم حضرت مولانا محمد عبدالرحیم صاحب فاروقی نور اللہ مرقدہ مدرسہ مظاہر علوم کے فاضل اور محدث جلیل حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کے

بہت ہی چہیتے شاگرد تھے اور ان ہی کے حکم پر جدامجد نے فراغت کے بعد کچھ دن مظاہر علوم میں معین مدرس کے طور پر تدریسی خدمات بھی انجام دیں۔
حضرت ناظم صاحب کو حضرت جدامجد مرحوم سے بے حد تعلق تھا۔ فرماتے تھے کہ زمانہ طالب علمی میں وہ مجھ پر بہت شفقت فرماتے تھے میں ان کے ساتھ شملہ اور دوسرے مقامات پر جلسوں میں شرکت کیلئے گیا ہوں اس نسبت کے لحاظ کا یہ عالم کہ راقم ناکارہ پر عنایات بیکراں اور شفقت کی خصوصی نگاہ تھی میں دارالعلوم دیوبند میں پڑھتا تھا اور حضرت ناظم صاحب مرحوم سے ملاقات کیلئے ہفتہ میں ایکمرتبہ یا کم ازکم پندرہ ۱۵ روز میں ایکمرتبہ سہارنپور حاضری دیتا تھا ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ میعادی بخار میں مبتلا ہوکر کافی مدت نہ جاسکا اس کے متصلاً ششماہی امتحان کی تیاری میں مصروف ہوگیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لگ بھگ دو ماہ گذر گئے شرفِ نیاز نہ حاصل کرسکا۔ باربار دریافت فرماتے رہے بالآخر مجھے ایک شعر لکھوا کر بھیجا ؎

ہمیں تم یاد آتے ہو تمہیں ہم یاد کرتے ہیں :. تمہاری یاد سے بیٹا دل اپنا شاد کرتے ہیں

ششماہی امتحان شروع ہونے میں صرف تین دن باقی تھے کہ خط ملا جسمیں حضرت ناظم صاحب نے یہ شعر لکھوایا تھا۔ اللہ اللہ اس ناکارہ پر شفقت کا یہ عالم اس احساس نے جیسے مجھے اڑکر پہنچنے کے لئے مجبور کردیا اسی دن رات کی گاڑی سے روانہ ہوکر حاضری دی دیکھتے ہی فرمایا آگئے تم بیٹا ؎

ہم تم کو کیا بتائیں کہ میٹھا ہے کس قدر :. وہ لفظ دلفریب کہ بیٹا کہیں جسے

آؤ بیٹا بیٹھو! اس کے بعد کافی دیر تک بلکہ خلافِ معمول کافی رات تک گفتگو فرماتے رہے اور علم وعرفان کے موتی لٹاتے رہے۔ پھر فرمایا بیٹا میرا دل چاہا تم آگئے مگر چونکہ امتحان کا زمانہ بالکل قریب ہے۔ اسلئے تم علی الصباح ہی چلے جانا اور باصرار تمام آمد ورفت کا کرایہ دے کر رخصت فرمایا۔
عشق رسول کا یہ عالم کہ ادھر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی آتا ادھر آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے طحاوی شریف کے درس میں طلبہ کو جس چیز پر سب سے زیادہ ٹوکتے اور جس چیز پر سب سے زیادہ ناگواری اور بے چینی کا اظہار

فرماتے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کی عدم صحت ہی تھی - وہ جانتے تھے کہ مخارج کی رعایت اور پوری صحت کے ساتھ حضور علیہ السلام کا نام نامی ادا کیا جائے فرماتے تھے کہ آپ کا نام اسطرح زبان سے ادا کرو کہ منھ میں مٹھاس پیدا ہو جائے اکابر علماء جن کا ۲۵ - ۲۵ سال اور اس سے بھی زیادہ کا تعلیمی تجربہ ہوتا جب مظاہر علوم آتے تو حضرت ناظم صاحب کے درس میں حاضری دے کر علم و معرفت کے اس بحر ذخار سے کسب فیض کرتے مگر اچھے اچھے یہ ہمت نہ کر پاتے کہ ان کے یہاں عبارت پڑھیں انکی شرائط کے ساتھ عبارت پڑھنا بڑے دل گردہ کا کام تھا - استری اور تکلف سے محروم دو کرتے اور دو لنگیاں لباس کیلئے چند تھے روٹی کے، کسی بھی قسم کا سالن، یا ترکاری خوراک اور رہائش کیلئے مدرسہ مظاہر علوم کی قدیم عمارت دارالطلبہ کا ایک معمولی کمرہ جسمیں عام اساتذہ کے کمروں کیطرح پنکھا بھی نہیں لگا تھا اور سب میٹر اسلئے لگا تھا کہ ماہ بماہ بجلی کا صرفہ مدرسہ کو ادا کر دیا جائے - یہ تھا اس عارف کامل، مرد مومن، شیخ طریقت، مصلح دوراں، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب ناظم اعلیٰ مظاہر علوم کا سامانِ دنیا -

کوئی بھی باہوش آدمی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ اگر ان کا ایک اشارہ ہو جاتا تو ان کے جان نثار مریدین ان کے تربیت یافتہ شاگرد اور ان سے عشق کی حد تک عقیدت رکھنے والے ہزاروں افراد ان کیلئے بہتر سے بہتر لباس عمدہ سے عمدہ غذائیں اور عالیشان رہائش گاہ فراہم کر دیتے لیکن کا نظریہ و خیال ہی دوسرا تھا بارہا انہوں نے فرمایا زندگی ایک کارواں ہے اور ہم سب مسافر ہیں کوئی بھی مسافر چاہے وہ کتنا ہی متمول اور عیش پسند ہو پلیٹ فارم پر گاڑی کے انتظار میں وقت گذارنے کیلئے مسہریاں، صوفے اور قالین لے کر نہیں جاتا - وہ جانتا ہے کہ پلیٹ فارم پر مستقل قیام نہیں کرنا ہے - وہ منزل نہیں ہے بلکہ منزل تک پہنچنے کیلئے وہاں پر تھوڑا وقت گذارنا ہے پھر وہاں کے تکلیف و آرام کا کیا خیال کرنا تپائیوں پر بیٹھ کر

اور یونہی کر وقت گذار لیا جائے گا۔ اسی طرح ہمارا معاملہ ہے کہ ہم منزل کیطرف رواں دواں ہیں ہماری منزل آخرت ہے اور یہ دنیا عالم مسافرت ہے اور اسکی حیثیت پلیٹ فارم کی سی ہے پھر یہاں کے عیش و آرام کا خیال کرنا سراسر بے عقلی ہے۔
ایک امتیازی خصوصیت تو ایسی تھی جسکی مثال آج کے ماحول میں شاذ و نادر ہی مل سکے گی وہ تھی غیبت اور عیب جوئی سے نفرت۔ آپ اس شعر کیجئے ہرگز نہ سنئے دوسروں کا تذکرہ بد۔ سب سے بہتر ہے یہی بہتان و غیبت کا علاج کے وہ مکمل عملی تصویر تھے کسی کا ذکر آیا اور ادنی درجہ کی غیبت کا بھی شائبہ محسوس ہوا تو اتنی خوبصورتی کے ساتھ بات کا رُخ پھیرتے کہ بات کرنیوالے کو احساس بھی نہ ہو پاتا اور وہ غیبت سے دامن بچا کر دوسروں کو بھی گناہِ کبیرہ کی آلودگی سے محفوظ فرما دیتے۔
عجز و انکساری کا یہ عالم کہ پیرانہ خو بو کا کوسوں پتہ نہیں علم کا سمندر پیئے بیٹھے ہیں مگر سانس ڈکار ہی نہیں لیتے۔ عمل کا یہ عالم مشاہدین کے بیان کے مطابق کم از کم گذشتہ تیس برس میں تو یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ جماعت تو در کنار تکبیر اولیٰ بھی فوت نہیں ہوئی تھی۔ مگر با ایں ہمہ خوف آخرت سے ہر وقت ترساں دلرزاں اور ہر آنے جانے والے سے دعا جو کہ ایمان پر خاتمہ ہو۔
شیخ وقت حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سابق شیخ الحدیث مظاہر علوم کی عصر کے بعد والی مجلس میں بالکل طالب علمانہ انداز میں صاحب فراش ہونے تک بہ پابندی حاضری دیتے رہے۔ متعدد بار آنکھوں کے سامنے یہ منظر بھی آیا کہ کوئی صاحب بڑی عقیدت و محبت کے ساتھ حضرت ناظم صاحب سے ارادت کا تعلق قائم کرنے کیلئے آئے اور حضرت ناظم صاحب نے انکو نہایت ہی مشفقانہ انداز میں سمجھایا کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب موجود ہیں ان کے ہوتے ہوئے میری کیا حقیقت ہے۔ آپ ان سے تعلق قائم کریں اگر آنے والے کو اس جواب پر کچھ آزردگی ہوئی تو ناصح مشفق نے اسکیلئے مزید انکساری کو شامل

کرتے ہوئے فرمایا میں آپ کا بڑا بھائی ہوں مجھے آپ سے ہمدردی ہے میں آپ کی بھلائی کا خواہاں ہوں۔ میں خود حضرت کی مجلس میں اپنی اصلاح کے لئے روزانہ حاضری دیتا ہوں اسی لئے آپ کو بھی یہ مشورہ دے رہا ہوں غرض یہ کہ سمجھا بجھا کر اور بہلا پھسلا کر ان کو حضرت شیخ الحدیث صاحب کی خدمت میں بھیجدیا اپنے شاگردوں اور چھوٹوں کا نام اسطرح لیتے کہ عام طور پر لوگ اپنے سے کافی بلند و بالا شخصیتوں کا نام بھی اسطرح نہیں لیتے ہیں۔ حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب نائب ناظم مدرسہ مظاہر علوم جو حضرت ناظم صاحب مرحوم کے بہت خصوصی شاگرد و معتمد تھے پس غیبت بھی مستقلاً حضرت مفتی صاحب ہی کے نام سے یاد فرماتے حضرت مولانا محمد یونس صاحب اور حضرت مولانا وقار علی صاحب کو اسی طرح دیگر شاگردوں اور عقیدت مندوں کو بھی حضرت مولانا سے کم خطاب سے کبھی نہیں یاد فرمایا۔ راقم ناکارہ نے بارہا یہ خواہش ظاہر کی کہ پیر دبانے کا شرف حاصل ہو جائے مگر ہمیشہ یہ کہہ کر روک دیا کہ آپ مخدوم زادہ ہیں میری غیرت اسکو گوارہ نہیں کرتی دارالعلوم دیوبند میں ختم بخاری شریف کے بعد آخری ملاقات کیلئے جب حاضری دی تب بھی اس خواہش کا اظہار کیا اور اس مرتبہ یہ طے کر لیا تھا کہ یہ شرف حاصل کرکے ہی چھوڑونگا حضرت مرحوم نے حسب معمول وہی جواب دے کر ٹال دیا تو یوں ہی بھرا ہوا تھا احساس محرومی سے آنسو چھلک پڑے۔ ملول و افسردہ خاطر دیکھ کر فوراً پیر پھیلا دیئے اور فرمایا لیجئے لیجئے آپ اپنی خوشی پوری کر لیجئے برسوں کی تمنا کی تکمیل کا وقت آیا ابھی چند لمحے بھی نہ گذرے ہوں گے کہ سنبھل کر بیٹھ گئے اور یہ فرماتے ہوئے پیر سمیٹ لئے کہ آپ کی خوشی پوری ہو گئی اب مجھے شرمندہ نہ کیجئے اللہ رے عظمت! علالت کا سلسلہ کافی دنوں سے چل رہا تھا اور کئی برس سے صاحب فراش تھے اس حقیر کو آخری دیدار کا شرف شوال ۱۳۹۸ھ میں حاصل ہوا جب برادر عزیز مولوی عبدالولی فاروقی کا دارالعلوم دیوبند میں داخلہ کرانے کی غرض سے دیوبند گیا تھا اور پھر وہیں سے معہ برادر عزیز خدمت اقدس میں حاضری دی معالجین کی سخت ترین

ملاقات کے باوجود حسب معمول کافی دیر تک گفتگو فرماتے رہے۔ حضرت حضرت امجد علیہ الرحمہ کا بھی تذکرہ فرمایا اور برادر عزیز سلمہٗ کو ملتے رہنے کی ہدایت فرمائی وہ تو چاہتے تھے کہ یہ سلسلہ چلتا ہی رہے مگر تمام واردوں کے اصرار پر میں اجازت لے کر رخصت ہوگیا یہ کیا معلوم تھا کہ یہ ملاقات آخری ہی ہے لیکن اب تو دل باصد حسرت وافسوس یہی کہتا ہے

اُسے ڈھونڈو اب چراغ زیبا لے کر

(ماہنامہ البدر رمضان ۱۳۹۹ھ مطابق اگست ۱۹۷۹ء

(۷) آہ حضرت ناظم صاحب

جان ہی دیدی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بیقراری کو قرار آہی گیا

اس دنیا میں جو آیا ہے وہ ایک نہ ایک روز یہاں سے رخت سفر ضرور باندھے گا یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ خدا پر ایمان و یقین رکھنے والے ہوں یا دہریت کے تاریک ترین کوچوں میں بھٹکنے والے سبھی اس حقیقت کے معترف نظر آتے ہیں۔ مگر اسکے باوجود کچھ موتیں ایسی ہوتی ہیں جنکے واقع ہوجانے پر حیرت واستعجاب تو نہیں ہوتا مگر ایسا لگتا ہے جیسے کان اس خبر کو سننے کیلئے تیار نہ تھے دل ودماغ اس خبر کے تحمل کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور جی چاہتا ہے کاش مرنے والا کچھ اور ٹھہرتا اور ہمیں اپنی زندگی میں یہ جانکاہ خبر سننے میں نہ آتی کچھ اسی قسم کا جانکاہ حادثہ ۱۰ اور ۱۱ جون کی درمیانی شب کو اسوقت پیش آیا جب گہوارۂ علم وعرفاں مدرسہ مظاہر علوم کے ناظم اعلیٰ حضرت اقدس مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب نور اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کا ارتحال پیش آیا۔ قحط الرجال کے اس دور میں یقیناً یہ ایک ایسا حادثہ ہے جس پر جتنا بھی رو یا جائے کم ہے

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت ناظم صاحب نور اللہ مرقدہٗ ان گوناگوں اوصاف کے مالک تھے جن کی نظیر فرد واحد میں ملنی مشکل ہے وہ اپنی ذات سے ایک انجمن تھے۔
وہ بیک وقت علوم و معارف کے گہوارہ، دریائے علم و معانی کے شناور، میدانِ خطابت و مناظرہ کے شہسوار اور مجلس شعر و ادب کے صدر نشین تھے وہ ایک طرف محدث جلیل حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنیؒ کے علوم کے امین تھے تو دوسری طرف حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے خمخانۂ معرفت کے ساقی مینا بدوش تھے ان کے در سے اگرچہ بے شمار لوگوں نے میراثِ خلیل حاصل کی تو لاشبہ ہزاروں نے ان کے جامِ معرفت سے اپنی تشنگی بجھائی اور کچھ بیدار بخت دستِ نصب حضرات حضرت کے قدموں سے لگ کر حضرت کی حکیمانہ اصلاح و تربیت کا مثالی نمونہ بنے۔ اگر دنیا کا آسمان اپنے چمکتے ہوئے ستاروں دمکتے ہوئے چاند اور دنیا کو روشنی فراہم کرنے والے آفتاب کی وجہ سے قابل قدر ہو سکتا ہے تو بلاشبہ حضرت ناظم صاحب کے وابستگان میں ایسی شخصیتیں بھی پائی جاتی ہیں جو آج کی اس تاریک ترین مادی دنیا میں ستاروں کی طرح چمکنے والی چاند کی طرح دمکنے والی، اور آفتاب کی طرح منورشانی کرنے والی ہیں۔ حضرت ناظم صاحب عظیم المرتبت محدث، عالی مقام عابد مرتاض، قابل اعتماد مرشد کامل نظامت پر ایک باوقار، باسلیقہ، ماہر، مدبر اور منتظم تھے آپ اُن لوگوں میں سے تھے جن کو دیکھ کر خدا یاد آتا تھا جنکی مجلس میں زبان پر خدا جاری اور دل میں خوفِ آخرت طاری ہو جاتا تھا حضرت ناظم صاحب اردو، فارسی، عربی اور انگریزی زبان پر یکساں قدرت رکھتے تھے بالخصوص اول الذکر تین زبانوں کے ماہر تھے۔ وقت کے بڑے بڑے شعراء آپ کو اپنا کلام سنا کر خوش ہوتے اور آپ کی اصلاح کو دل وجان سے پسند کرتے تھے تسبیح اور سکت آخری میں اپنا مثال آپ تھے۔ وہ اخلاق و کردار کے روشن منار تھے ان کے شب و روز علم دین کی خدمت کیلئے وقف تھے دنیا کے دن کی

آلائش سے پاک تھے۔ صفائی معاملات میں بڑے چاق و چوبند اور حقوق العباد کی ادائیگی میں نہایت چست تھے۔ جماعت کے دلدادہ اور جماعتی زندگی سے خوگر تھے۔ نیز الحبُّ فی اللہ والبغض فی اللہ کی زندہ تصویر تھے۔ غرض ان کی زندگی ایک کھلی ہوئی کتاب تھی جسکی ہر سطر نہایت صاف جس کا ہر حرف نہایت روشن اور ہر عنوان نہایت جلی تھا۔ جسے پڑھنے والا بغیر کسی دقت و دشواری از اول تا آخر پڑھ سکتا تھا بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کی وفات دنیائے علوم و معارف کا ایک عظیم ترین حادثہ ہے جسکی تلافی بظاہر ممکن نہیں ادارہ نظام مولانا محمد اللہ صاحب مدظلہ العالی، اساتذۂ مظاہر اور وابستگان حضرت ناظم صاحبؒ کے غم میں برابر کا شریک ہے اللہ پاک حضرت ناظم صاحبؒ کی قبر کو پر نور فرمائے اور حضرت کو اعلیٰ علیین میں جگہ عنایت فرمائے اور سوگواروں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

(ماہنامہ نظام جدید کانپور بابت جولائی ۱۹۷۹ء شعبان ۱۳۹۹ھ)

(۸) نظیر بے بدل و باکمال ہستی

مولانا طفیل صدیقی

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کئی سال سے صاحب فراش تھے۔ مگر آپ کا دل و دماغ بیدار تھا اور اپنے اوراد و وظائف و نماز کے پورے طور پر پابند تھے اور جب کوئی ملنے کیلئے پہنچتا تو ایسا معلوم ہوتا کہ تازہ دم ہوجاتے اور برجستہ کوئی نہ کوئی شعر یا جملہ ان کی زبان پر آجاتا مصافحہ کرتے ہوئے دیر تک ہاتھ تھامے رکھتے اور تین چار منٹ تک دعائیں پڑھتے رہتے اور ملنے والے کے حق میں دعائیں کرتے جس سے ملنے والا باغ باغ ہوجاتا۔ خندہ جبیں تھے۔ زبان سلیس و شگفتہ تھی ادب اور شعر و شاعری سے بڑی مناسبت تھی۔ صاحب نسبت و صاحب حال بزرگ تھے اپنے اندر بڑی جاذبیت رکھتے تھے۔ سال میں دو تین مرتبہ خاکسار کی

بھی چند منٹوں کیلئے حاضری ہو جاتی اور دعائیں لے لیتا تھا۔ ادھر چند ماہ سے بہت کمزور ہو گئے تھے اور عموماً غفلت سی طاری رہتی تھی۔ ۱۰ را جون ۱۹۷۹ء کی درمیانی شب میں دفعۃً چل بسے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کئی دن سے دوشنبہ کے دن کا انتظار تھا اور جب ہوش آتا پوچھتے کیا دن ہے؟ عمر کوئی ۸۴، ۸۵ سال کی تھی۔ مولانا مرحوم جوانی میں مناظرہ اور تقریر میں بہت مشہور تھے لیکن جب سے حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے زندگی بدل گئی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت جلد خلافت سے نواز دیا اور رشد و ہدایت کے کام پر لگا دیا تھا۔ بہت سارے علمائے، اہل علم اور دوسرے حضرات آپ سے بیعت ہوئے اور بہت سے خلافت سے بھی نوازے گئے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مظاہر علوم سے فراغت حاصل کی تھی اور پھر یہیں مدرس عربی مقرر ہو گئے تھے فقہ اور ادب کی اونچی کتابوں کا درس دیا کرتے تھے حدیث کا ذوق بھی بڑا عمدہ تھا۔ دورہ کے بعض سبق بھی پڑھاتے رہے حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب ناظم مدرسہ کا جب وصال ہو گیا تو وہاں کے ارباب بست وکشاد نے اس منصب پر آپ کو فائز کیا اور کوئی شبہ نہیں کہ آپ نے اس فریضہ کو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا اللہ تعالیٰ آپ کی خدمت قبول فرمائے آپ کے اٹھ جانے سے ایک خلا سا پیدا ہو گیا ہے جسکو پُر کرنے کی زمانہ قریب میں کوئی امید نہیں اساتذہ و طلبہ اور ملازمین سب کے سب آپ کے مداح اور شکر گزار تھے اور اب بھی سبھوں کی زبان پر آپ کیلئے کلمات داد و تحسین ہیں دارالعلوم دیوبند کے بعد ہندوستان کا بڑا مدرسہ مظاہر علوم ہی ہے اس کے تمام انتظام کو حسن و خوبی سے انجام دینا بڑی خوبیوں کو چاہتا ہے جس کے حضرت مرحوم جامع تھے ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کے درجات بلند سے بلند تر فرمائیں اور مظاہر العلوم کو آپ کا نعم البدل عطا کریں اسی کیساتھ یہ بھی دعا ہے کہ مولانا کے پسماندگان متعلقین اور وابستہ لوگوں کو صبر جمیل کی دولت سے نوازیں۔

(ماہنامہ الرشید پاکستان بابت شوال ۱۳۹۹ھ م ستمبر ۱۹۷۹ء)

(۹)

مولانا اسعد اللہ صاحبؒ

محمد عیسیٰ اسعدی ایڈیشنل ڈائریکٹر سہارنپور

وہی چراغ بجھا جسکی لو قیامت تھی

دینی علوم کا گنجینہ، آسمانِ صدق کا مہر مبیں، خلوص اور اخلاق کا ایک ایسا مجسم جسکی مثال ہزار کوششوں کے باوجود نہ مل سکے انسانی قدروں کی حامل ایک ایسی شخصیت جو اپنے ملنے والوں کے دلوں پر کبھی نہ مٹنے والے نقوش چھوڑ دے گفتگو کا وہ شیریں اور مسحور کن لہجہ جسے بلاشبہ سحر کردینے والے انداز سے تعبیر کیا جاسکتا ہے علوم دینیہ پر جسقدر عبور اسی درجہ شعر و سخن کے رموز پر پوری قدرت رکھنے والی عظیم المرتبت خانقاہی زندگی بسر کرنیوالی شخصیت اور ہندوستان کی ایک عظیم درسگاہ جامعہ مظاہر العلوم سہارنپور کے ناظم اعلیٰ حضرت مولینا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۰ر ۱۱ر جون کی درمیانی شب میں اس دارِ فانی کے عارضی لمحات کو خیرباد کہہ کر حیات ابدی کیلئے رحلت فرما گئے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی عمر ۸۵ سال تھی اور وہ تقریباً دس سال سے مسلسل قلب کے عارضہ میں مبتلا تھے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شفقت کاملہ وخلوص کی عظمت اور اخلاق ومروت کا یہ عالم تھا کہ مظاہر علوم کے وہ طلبہ جو فقہ اور علم حدیث میں کمال حاصل کرنے کے خواہاں ہیں ہمہ وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے گرد حلقہ بنائے رکھتے تھے نہ صرف طلباء بلکہ اساتذہ بھی اکثر مسائل کی باریکیوں اور ان کے منطقی پہلوؤں کو سمجھنے کیلئے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری دیتے رہتے اور مولانا بھی اپنی ہزار معذوریوں کے باوجود بڑے ذوق وشوق سے طلباء اور اساتذہ کے علمی ذوق کو اپنے ہی لئے حصول علم کا ذریعہ سمجھکر گفتگو شروع فرمادیتے وہ فرمایا کرتے تھے کہ پڑھانے سے علم میں اضافہ ہوتا ہے جن حضرات نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے فیض حاصل کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت علم فقہ کا

اور علم حدیث پر گفتگو فرماتے تو ان کے ذہن سے حیات طیبہ کا ایک ایک نقش اور نقشہ کا ایک ایک کارنامہ ابھر ابھر کر آتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ اور جب شعر و سخن پر گفتگو چل پڑتی تو علامہ اقبال جیسے مفکر اسلام اور فلاسفہ کے اشعار کے مطالب سمجھانے کیلئے ان کا ذہن اسلامی تاریخ کے اوراق پلٹنا شروع کر دیتا تھا جب کبھی فارسی کی بات آتی سعدی عرفی، اور حافظ کے دیوان کھل جاتے اور جب اسلاف کا ذکر آجاتا تو حضرات ائمہ اربعہؒ سے لیکر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تک کے نقوش حیات ابھار دیئے جاتے اور پھر جب جدید تعلیم یافتہ طلبار خدمت اقدس میں حاضری دیتے تو ان سے انہیں کے مزاج اور انکی نفسیات مدنظر رکھتے ہوئے گفتگو فرماتے گویا حضرت کی ذات ایک ذات نہیں تھی بلکہ ان کی ذات ایک ادارہ تھی تعلیم کی قدروں کا یہ حال تھا کہ جب کبھی جدید تعلیم یافتہ لوگ انکی مجلس میں شرکت کی غرض سے آتے تو ایسے لوگوں سے مل کر بے حد خوشی و مسرت محسوس کرتے تھے خصوصاً ان طلبار سے بہت خوش ہوتے تھے سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ترقی کی راہوں پر گامزن ہوں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دوسری تعلیمات اور انکی اہمیت کو بڑی حقیقت پسندانہ نظروں سے دیکھتے تھے مسلمانوں کی معاشی بدحالی اور تعلیمی پسماندگی حضرت مولانا کو بہت فکرمند رکھتی تھی اسی لئے جب کوئی اسٹوڈنٹ خدمت اقدس میں پہلی بار حاضر ہوتا تو سلام و کلام کے بعد سب سے پہلا سوال یہی ہوتا کہ آپ کون سے کلاس میں پڑھتے ہیں اور جب یہ معلوم ہوتا کہ وہ بی۔ اے ایس سی یا ایل ایل بی کا طالب علم ہے تو بہت خوش ہوتے کبھی کبھی ایسے طلبا سے انگریزی میں گفتگو شروع فرما دیتے تھے۔

جیسا کہ میں نے اوپر عرض کیا ہے کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ذات صرف اپنی ذات نہیں تھی بلکہ انکی حیثیت ایک ادارہ کی تھی ایک ایسا ادارہ جہاں تعلیم و تربیت ہوتی تھی جس سے انسانی کردار بنتا ہے۔ اس کے اخلاق تعمیر ہوتی ہے۔ اور اسکے دینی اور دنیاوی احساسات و جذبات صحیح سمت تیار کرتے ہیں۔ اس معاملہ میں یہ عرض کر دینا ضروری ہے اور شاید

یہ کم ہی لوگوں کے علم میں ہے کہ میرے والد ماجد محمد زکریا اسعدی جو مارچ ۱۹۳۵ء سے جنوری ۱۹۷۰ء تک بیباک کیذریعہ ملی اور قومی فرائض انجام دیتے رہے اور انہوں نے صحافت کے میدان میں جو بلند مقام حاصل کیا وہ صرف حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت، تربیت، تدریس، انکی مجلس کے فیوض و برکات اور انکی شفقت کاملہ کا نتیجہ تھا۔ والد ماجد مدظلہٗ کا زور قلم اور اسکی حق گوئی و بے باکی بھی کسی مدرسہ یا دارالعلوم سے فراغت کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ وہ صرف اسی ادارہ کی بخششیں تھیں جسکو میں نے حضرت کی ذات سے تعبیر کیا ہے۔ دینی مسائل پر نکتہ فہمی کی بات ہوتی یا شعر و سخن کے رموز سمجھنے کا سوال فارسی زبان کے محاسن کا معاملہ ہوتا یا فلسفہ و منطق کے اصول جاننے کا مسئلہ غرضیکہ ہر میدان میں والد ماجد مدظلہٗ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے ہی سے رہبری حاصل فرماتے تھے۔

اب یہ دو طرفہ کم نصیبی ہی کی تو بات ہے کہ والد ماجد زائد از زائد پانچ سال سے فالج کے مرض میں مبتلا، صاحب فراش ہیں، نہ لکھ سکتے ہیں نہ بول سکتے ہیں دوسری جانب حضرت مولانا کی وفات نے ایک ایسا خلا پیدا کر دیا ہے جس کے پر ہونے کی صدیوں میں بھی امید نہیں کی جا سکتی۔

(مختصراً)

محمد عیسیٰ اسعدی۔ مدیر بیباک سہارنپور

سعدیٔ وقت

(۱۰)

مولانا عبد الحفیظ رحمانی

شیخ سعدی کی گلستاں پڑھنے کے بعد سعدی کی جو تصویر ذہن نے بنائی تھی اس کا مصداق اس دور میں تلاش کرتا رہا کہ اگر ہو بہو سعدی نہ مل سکیں تو قریب قریب ان سے ملتی جلتی شخصیت مل جائے مگر تا دیر اس کا سراغ نہ مل سکا۔

۱۹۵۹ء میں مشہور دینی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ وہاں کے اساتذہ اور طلبہ سے ملاقاتیں کیں اور تبادلۂ خیال کر کے ان کی عظمت کا قائل ہونا پڑا لیکن سعدی نظر نہیں آئے۔ دیوبند میں بھی مجھے مایوسی ہوئی تھی اور یوں محسوس ہو رہا تھا کہ "گلستاں" کی مدد سے ذہن و فکر نے جو شیخ سعدی کی تصویر بنائی ہے وہ غلط ہے لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب طلبا کی نشاندہی کے مطابق میں نے ایک "زاہد خشک سخت گیر محتسب" سے ملاقات کی یہ تھے حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ۔

نورانی چہرہ والے یہ بزرگ حدیث کی کسی کتاب کے مطالعہ میں منہمک تھے میں سلام کر کے سامنے بیٹھ گیا میرے ساتھ دارالعلوم دیوبند کے ایک طالب علم مولوی جمیل احمد بستوی بھی تھے۔ مولانا کتاب بند کر کے ہم سے مخاطب ہوئے اور دو چار منٹ کے بعد موصوف نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے پہلو میں برابر بٹھالیا دیر تک میں مولانا سے حدیث کے موضوع پر گفتگو کرتا رہا۔

اس اثناء میں مولانا مجھے زاہد خشک نظر آئے نہ محتسب بلکہ مولانا کی بات بات میں ایک "شفیق استاذ"، ایک "وسیع النظر مصلح"، ایک "روشن ضمیر ادیب"، ایک "بلند خیال شاعر" کی شخصیت جھلک رہی تھی اسی ملاقات میں مولانا کی مقناطیسی شخصیت کا میں ایسا شکار ہوا کہ مدت العمر راہ و رسم ہی نہیں استفادہ کا سلسلہ جاری رہا۔

میں مولانا سے جس قدر قریب ہوتا گیا سعدی شیرازی کی تصویر سے ان کے خد و خال

اور نقش ونگار بنتے گئے۔ تا اینکہ گلستاں کی مدد سے تیار کی ہوئی تصویر میں مولانا کی تصویر نظر آنے لگی اس طرح کہ سعدی کی تصویر کو سامنے رکھ کر مولانا کے خدوخال پر نظر ڈالنے والا یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ تصویر کسی اور کی ہے سعدی کی تصویر کے نمایاں خدوخال آپ بھی ملاحظہ فرمائیں مصلح کی آنکھ، شاعر کا دل ادیب کی زبان، مناظر کی حاضر جوابی، عالم کا وقار، مومن کی روشن ضمیری، صوفی کامل یہ سعدی کی تصویر کے نوک و پلک اور ایسے نقش و نگار ہیں یہی اجزائے ترکیبی حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی عظیم شخصیت کے بھی تھے۔۔ مولانا ایک عظیم مصلح کی آنکھ سے اپنے گردوپیش پر نظر ڈالتے تھے اور شاعر کے دل سے محسوس کرتے تھے اصلاح ونصیحت میں انہوں نے ناملائم الفاظ کے بجائے ادب کی زبان اختیار کی اور اہم معاملات، عالمانہ وقار اور مومنانہ روشن ضمیری سے حل کر دیئے

یہ زاہد شب زندہ دار جسکی تکبیر اولی مدت العمر فوت نہیں ہوئی در و دیوار جسکی آہ سحر گاہی کے شاہد ہیں۔ اسلام کی سربلندی کے کارنامے مناظرہ کے میدان میں سنا رہے ہیں جسکی شمع اصلاح سے سینکڑوں افراد کے نہاں خانۂ دل میں قندیلیں روشن ہوگئیں جسکی حاضر جوابی نے بڑے بڑے اسلام دشمنوں کو سرنگوں کر دیا، وہ ،،سعدی،، نہیں ،،اسعد،، ہے اور اس کی ضیائے سعادت سے کسب نور کرنے والے اسعدی ہیں۔

ضرورت ہے کہ مولانا کی تبلیغی و ادبی کتابیں کتابت و طباعت کے جدید معیار کے ساتھ شائع کیجائیں اور ہر کتاب کے شروع میں ایک ایسا دقیع مقدمہ بھی شامل کر دیا جائے جو کتاب کے محاسن کو نمایاں کرتا ہو۔ یہ کام مولانا مرحوم کے خلف رشید حضرت مولانا محمد اللہ صاحب استاذ جامعہ مظاہر علوم کے ہاتھوں بہتر طریقہ پر انجام پذیر ہو سکتا ہے۔ و باللہ التوفیق

(مختصر از ذکر اسعد مجیبی)

محمد الحفیظ رحمانی

استاذ مولانا آزاد انٹر کالج قادر آباد بستی

۸ / اگست ۸۳ء

گوہر شب چراغ

مولانا نفیس احمد صاحب

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ دار العلوم دیوبند و مظاہر علوم سہارنپور ایسی مردم ساز درسگاہیں ہیں جنکی نظیر مشکل سے پیش کیجاسکتی ہے ان دونوں اداروں نے وہ نابغۂ روزگار شخصیات پیدا کی ہیں جنکے علم وفضل کا سکہ آج بھی رواں دواں ہے لیکن ان کارگاہوں کے ڈھلے ہوئے کل پرزوں کی نمائش نہیں کی گئی نہ ہی ان کے ارباب کار نے نمود و نمائش کو پسند کیا غالبا اسکی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ حقائق خود منکشف ہوجاتے ہیں انگلی رکھکر بتانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ آفتاب عالمتاب اپنی ضیا پاشیوں کو خود منوالیتا ہے وہ کسی کے تعارف کا محتاج نہیں ہے دیوبند و سہارنپور کے آفتابانِ علوم کا بھی یہی حال ہے انکی طرف متوجہ کرنیکی ضرورت کبھی محسوس نہیں ہوئی کہ انہوں نے خود اپنی فیض رسانیوں سے تشنگانِ علوم کو اپنی طرف کھینچ لیا اور ایک عالم انکی ضوافشانیوں سے آج بھی منور ہے۔

عصر جدید کی مہذب دنیا میں پروپیگنڈہ ہی سرمایہ ہے یعنی شخصیات پروپیگنڈہ کے بغیر تسلیم نہیں کیجاتیں۔ ایک شخصیت کو قد آور تسلیم کرانے کیلئے مشینری حرکت میں آجاتی ہے۔ اور گماشتے اسکی قصیدہ خوانی میں مصروف ہوجاتے ہیں تب کہیں وہ شخصیت آسمان شہرت پر تارہ بن کر نمودار ہوتی ہے۔

اسکے برعکس دیوبند اور سہارنپور آج بھی پروپیگنڈہ سے نا آشنا ہیں پھر بھی علماء ہیں کہ آسمان شہرت پر آفتاب بن کر طلوع ہوتے ہیں اور اپنی کرامتوں کا قائل بنا لیتے ہیں۔

حضرت علامہ مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم مظاہر علوم سہارنپور کی ذات گرامی سے کون ناواقف ہے مولانا اپنے وقت میں علم وعمل کے آفتاب تھے ایک عالم ان سے فیضیاب ہو رہا تھا آج بھی ان کے جلائے ہوئے چراغ تہذیب جدید کے ظلمت کدوں میں روشن ہیں۔ کاش! کوئی صاحب کمر ہمت باندھکر! کھڑے ہوں اور حضرت

خاطر صاحب کے ملفوظات، پند دانہ، تحریر اور کلام مرتب فرما کر شائع کر دیئے۔ تو بلاشبہ دینی حلقوں میں انکی پذیرائی ہوتی اور اہل علم مستفیض ہوتے۔
فضیل احمد سکریٹری جمعیۃ علماء ہند نئی دھلی
(مختصراً حوالہ بالا)

(۱۲) **اسعد العلماء** مولانا محمد یوسف بستوی

راس الاتقیاء، نبراس الادباء، شیخ المشائخ استاذ الاساتذہ، اسعد الملت حضرت الحاج مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب طاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ کا اسم گرامی دارین میں آفتاب و ماہتاب سے زیادہ روشن و تابندہ ہے یہ دریایاب دگوہر شب چراغ شریعت وطریقت میں مجمع البحرین، تصنیف وتالیف وفیض عام میں آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ ایسی نادرۂ روزگار ہستی جسکی مثال ایک ہشت پہلو ہیرے کی سی ہے کہ بیک وقت علم حدیث میں بیہقی وقت طریقت وتربیت باطن میں شبلی زماں، درس وتدریس میں فیض مدرار، مکتب ولی اللّٰہی کا سچا وارث، نسبت رشیدی واشرفی کا امین، شعر وادب کی دنیا میں نابغۂ وقت وسلطان الشعراء رہا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کی ذات گرامی میں وہ سارے اوصاف جو ہمارے اسلاف کے سرمایہ حیات تھے جمع فرما دیئے تھے اسی کے ساتھ ساتھ دنیائے اسلام کے ایک مرکزی ادارہ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کا انتظام وانصرام و درس حدیث کا نیشان بھی بخاری وساری تھا۔ تقویٰ ودیانتداری کا یہ عالم کہ برسہا برس تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔ انکساری وتواضع کا یہ حال کہ ایک مرتبہ مجھے کسی بات پر تنبیہ فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ اگر آپکو اس سے تکلیف ہوئی ہو تو میں سہارنپور کی جامع مسجد کے ممبر پر چل کر آپ سے برملا معافی مانگ لوں۔ زندہ دلی کا یہ عالم کہ ایک بار کسی اسٹیشن پر کسی صاحب نے دریافت کیا۔ ”اسم گرامی“ فرمایا ؎ بندہ نواز آپ مجھے جانتے نہیں ؛ اسعد ہے میرا نام وطن رامپور ہے

آپ حکیم الامت مولانا تھانوی کے خلیفہ ارشد اور راس المحدثین شارح ابو داؤد حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے ارشد تلامذہ تھے۔ ایک طرف آپ درس حدیث میں علم و حکمت کے دریا بہاتے تو دوسری طرف میدان مناظرہ میں اہل باطل کے مقابلہ پر سینہ سپر نظر آتے۔ آپ کا سینہ علوم و عرفان کا خزانہ، ذوق و شوق چشتی کا گنجینہ تھا آپ عشق الٰہی کے سمندر میں اور بحر معرفت میں ڈوبے ہوتے تھے وہ فرماتے ہیں کہ ؎

آؤ بیٹھیں مرکز انوار کی باتیں کریں ⁂ نور برسائیں رخ دلدار کی باتیں کریں
خاک سمجھیں گے وہ ظاہر بیں رموز معرفت ،، جو ہمیشہ شاہد بازار کی باتیں کریں
دوستوں کو یہ وصیت ہے چراغاں کی جگہ ،، میری تربت پر جمال یار کی باتیں کریں

آپ کی شاعرانہ بلندیوں کا اندازہ اہل ذوق کو آپ کے کلام سے ہوگا۔ اس بحر بیکراں کا ایک کنارہ رومی، سعدی اور حافظ شیرازی کے سوز دردں سے ملتا ہے تو دوسرا کنارہ ہزاروں نایاب موتیوں سے ہمکنار ہے بڑے بڑے علماء و اہل اللہ آپ کے تلامذہ و مریدین و متعلقین ہیں اللہ تعالیٰ اپنے اس بندۂ سید کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام نصیب فرمائے آمین۔

محمد یوسف بستوی

(حوالہ بالا مع تغییر و اختصار)

(۳)

ایک نادرِ روزگار شخصیت

بتوفیق ایزدی ماہ شوال ۱۳۹۲ھ میں مدرسۃ الاصلاح سرائمیر اعظم گڑھ سے تکمیل تعلیم کے بعد اپنے ایک عزیز کی تحریک پر تبلیغی جماعت میں چلے کیلئے ایک سال کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ خواہش دیرینہ تھی مگر عزم وارادہ بمبئی کبھی تبلیغی دورے کی سفری صعوبت برداشت کرتا رہا اپنے مشفق اساتذہ کی نیک دعائیں کام کرتی رہیں عزم وارادہ میں پختگی اور ہمت و حوصلہ میں بلندی بتدریج بڑھتی رہی۔ مرکز تبلیغ بستی نظام الدین کے اکابر، مشائخ اور دیگر حوصلہ مند مجاہدین

کو دیکھ کر اور ان کی تربیت میں رہ کر تبلیغی جماعت کی بے لوث دینی خدمات دل و دماغ میں گھر کر گئیں کہ اس پرفتن دور میں عوام و خواص اور شہر و دیہات غرضیکہ ہر طبقے اور ہر ماحول میں دین اسلام کی اشاعت اور تبلیغ کیلئے عملی نمونہ پیش کرنے والی واحد جماعت ہے آج ہندوستان کے مشائخ و صوفیہ کی دینی جد و جہد، محنت و کوشش کی بدولت دنیا کے بیشتر ممالک میں تبلیغی جماعتیں گشت کر رہی ہیں۔ ممالک عربیہ میں ہندوستانی علماء کا وقار اسی محنت کے ذریعہ بڑھا اور دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ میں نے بخیر و خوشی سات چلے جو اکابر تبلیغ نے فضلائے مدارس عربیہ کیلئے کورس متعین کیا ہے پورے کیے آخری دو ماہ کے لئے مرشدی و مولائی حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی خدمت میں بھیجدیا گیا۔ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں حضرت کے خانقاہی مہمان خانہ میں قیام رہا۔ اس دوران مدرسہ کے کتبخانہ سے کچھ استفادہ کا موقع ملا۔ بہت سی نایاب کتابیں مطالعہ کیلئے دستیاب ہوئیں کبھی کبھی دار قدیم کی مسجد میں نماز پڑھنے کا اتفاق ہو جاتا حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدظلہ العالی کی خدمت میں حاضری دیتا مولانا موصوف کی پرمغز مشفقانہ انداز گفتگو میں حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بار بار تذکرہ آتا تو دل کے اندر یہ داعیہ پیدا ہوا کہ کبھی کبھی حضرت والاؒ کی خدمت میں بھی حاضری دینا چاہیئے۔ چنانچہ جب کبھی موقع ملتا تو کوشش کر کے حاضر خدمت ہوتا۔ فیوض و برکات کا تذکرہ میں کن الفاظ میں کروں حضرت کی مجلس میں بیٹھنے کے بعد اٹھنے کو جی نہیں چاہتا تھا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شیریں کلامی، طلباء کے ساتھ مربیانہ طرز گفتگو عجیب و غریب تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے نکلے ہوئے ہر لفظ میں ایک ایسی کشش ہوتی جو زبان سے ادا نہیں کی جا سکتی باتوں باتوں میں عربی، فارسی، اردو کے اشعار پڑھتے جاتے ایسا معلوم ہوتا کہ گویا دیوان کھلا ہوا ہے۔ آپ کے اندر شریعت و طریقت کا حسن امتزاج، ملفوظات اور معمولات زندگی میں بالکل نمایاں رہا۔ آپ نہایت ہی منکسر المزاج، مہمان نواز طبعی طور سے ایسے واقع ہوئے تھے جسکی مثال نہیں دی جا سکتی حضرت والا کی مختصر صحبت میں راقم الحروف نے

ایک ایسی چیز دیکھی جو حضرت کی کرامت ہی کہی جاسکتی ہے جنکی آج متجسس نگاہیں متلاشی ہوتی ہیں مشائخ وصوفیہ کے اندر دیکھنے کیلئے مریدین عقیدت مندی متمنی ومنتظر نظر آتے ہیں۔ میں نے اپنی نظروں سے دیکھا۔ عرصہ سے حضرت پیرانہ سالی اور عبادت مجاہدے اور شب بیداری کیوجہ سے کافی کمزور ہوگئے تھے۔ نماز کی ادائیگی میں قیام پر قدرت نہ تھی۔ آپ کے خادم خاص مولانا قاری احمد گورا صاحب (جو اس وقت جامع مسجد سہارنپور میں امام ہیں) آپ کو حجرہ سے گود میں لیجاتے اور مسجد میں پہنچا دیتے سنن ونوافل آپ بیٹھ کر ہی ادا کرتے مگر فرض کی ادائیگی باجماعت قیام کے ساتھ کرتے پہلی رکعت میں آپ پاس کے مقتدی کے سہارے کھڑے ہوجاتے تو پھر چار رکعت بآسانی پوری فرماتے بعد نمازِ فرض بیٹھ کر ہی سنن ادا کرتے یہ حضرت کی کرامتوں میں سے ایک نمایاں کرامت ہے۔ جو میں نے اپنی نظروں سے دیکھی ہے۔ آپ کے مضمحل ونحیف جسم میں کہاں سے طاقت آجاتی اور آپ بسہولت نمازِ پنجگانہ کھڑے ہوکر ہی ادا کرتے۔ یہ واقعہ ۱۳۹۲ھ کا ہے۔ باری تعالیٰ حضرت والا کی بال بال مغفرت فرمائیں۔ اور آپ کو جنت الفردوس کے اعلیٰ درجات سے نوازیں اور آپ کے صدقہ اور طفیل میں ہمیں بھی عبادت میں شغف قلبی، لگاؤ اور خضوع وخشوع نصیب فرمائیں۔

حضرت والا کے واصل بحق ہونے سے جو خلا ہوا ہے۔ وہ پورا نہیں ہوسکتا۔ باری تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمارے لئے ایسا مشفق ومربی نصیب فرمائیں۔ آپ کے متعلقین وپسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔

نیاز الدین اصلاحی غفرلہٗ۔ دیوبند

(۱۳)

میرے محسن میرے مربیؒ

حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ

(مولانا نصر بنارسی)

اپنے محسن و مربی مدرسہ عالیہ مظاہر علوم کے ناظم اعلیٰ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے خلیفہ ارشاد حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ کی خبر وفات جب سے سنی ہے حضرت کے احسانات اور عنایتیں جو اس ناچیز کے اوپر تھیں ایک ایک کرکے یاد آرہی ہیں شوال ۱۳۹۱ھ کی بات ہے کہ میں مظاہر علوم میں داخلہ کیلئے حاضر ہوا۔ چونکہ اس سے قبل میں حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ کے مدرسہ فیضیۃ العلوم الہ آباد میں ایک زمانہ تک زیر تعلیم رہا تھا اسوجہ سے والد محترم کی فرمائش پر حضرت کے خدام میں سے مولانا بھائی صاحب اور مولانا فاروق صاحب نے حضرت ناظم صاحب کے نام خطوط بھی لکھ کر دیدیئے تھے تاکہ داخلہ وغیرہ میں آسانی ہوسکے میں جس دن سہارنپور پہنچا جمعہ کا دن تھا مدرسہ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت ناظم صاحب جمعہ کی نماز جامع مسجد میں ادا فرماتے ہیں۔ نماز جمعہ کیلئے جا چکے ہیں بعد نماز جمعہ ملاقات ہو سکے گی میں نے دارالطلبہ قدیم کے ایک حجرہ میں سامان رکھا نماز جمعہ کیلئے مدرسہ کی مسجد میں چلا گیا۔ بعد نماز معلوم ہوا کہ حضرت نماز کے بعد جامع مسجد میں وعظ بھی فرماتے ہیں اسلئے ذرا تاخیر سے تشریف لائیں گے دو تین بجے کے درمیان تشریف لائے۔ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ کے بعد یہ دوسرے تھانوی بزرگ تھے جنکی زیارت ہونے والی تھی۔ حضرت الہ آبادی وصال فرما چکے تھے۔ تاہم ان کا رعب و دبدبہ ابھی کل کی بات تھی بچشم خود ان آنکھوں نے دیکھا تھا۔ چنانچہ حضرت ناظم صاحب سے ملاقات کا تصور ہی پورے جسم میں لرزہ پیدا کئے ہوئے تھا۔ ڈرتے ڈرتے حاضری ہوئی سلام کے بعد مصافحہ کیا۔ اور ادب سے ایک طرف بیٹھ گیا فرمایا کہ کہاں سے آئے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت میرا نام احمد نصر ہے —

میرے والد کا نام ڈاکٹر محمد ظفر ہے میں بنارس کا رہنے والا ہوں۔ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کے مدرسہ میں پڑھتا تھا۔ اب مظاہر علوم میں داخلہ کیلئے حاضر ہوا ہوں۔ مولانا جامی صاحب اور مولانا فاروق صاحب نے آپکے نام خطوط تحریر فرماکر دیئے ہیں وہ پیش خدمت ہیں۔ یہ کہہ کر میں نے وہ دونوں خطوط پیش کر دیئے۔ حضرت میرے اس مفصل جواب سے بہت مسرور ہوئے۔ فرمایا سنایئے ان حضرات نے کیا لکھا ہے؟ چنانچہ میں نے ان خطوط کو سنایا سنکر فرمایا کہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادی کو میں اپنا مرشد مانتا ہوں۔ دل میں اس بات کی حسرت ہی رہ گئی۔ کہ ملاقات کا شرف حاصل ہو مگر خدا کو منظور نہ تھا نہ ہو سکی مولانا جامی صاحب اور مولانا فاروق صاحب میرے شاگرد ہیں میں انکی قدر کرتا ہوں پھر فرمایا کہ گھبرایئے نہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ سب کام داخلہ وغیرہ کا بآسانی ہوجائے گا۔ اور جب تک داخلہ وغیرہ نہ ہوسکے آپ کھانا وغیرہ میرے ساتھ کھایئے گا۔ حضرت کی خصوصی توجہ سے سارا کام بآسانی ہوتا چلا گیا۔ داخلہ بھی ہو گیا قیام گاہ بھی تجویز ہو گئی طعام کا نظم بھی ہو گیا اب تعلیم شروع ہو چکی تھی۔ اسوجہ سے صرف بعد نماز عصر روزانہ حاضری دیتا ایک مرتبہ نانوتہ ضلع سہارنپور میں تبلیغی اجتماع تھا میں اس سے قبل کبھی تبلیغی اجتماع میں شریک نہیں ہوا تھا۔ اور نہ کوئی اچھی رائے میں اس جماعت کے متعلق رکھتا تھا۔ خیال ہوا کہ قریب سے جاکر دیکھوں تو سہی کہ یہ لوگ کیا کرتے اور کیا کہتے ہیں؟ حضرت صاحب سے وہاں جانے کی اجازت چاہی۔ فرمایا شوق سے جاؤ اور ازراہ کرم آمد و رفت کیلئے سفر خرچ بھی عنایت فرمایا حضرت تبلیغی جماعت کے بہت حامی تھے حتی کہ بیعت کے وقت مریدین سے تبلیغی جماعت میں نکلنے کا عہد بھی لیتے تھے جمعرات کا دن تھا۔ میں طلبہ کی ایک جماعت کے ساتھ نانوتہ گیا۔ پورے اجتماع میں شریک رہا حضرت مولانا انعام الحسن صاحب مدظلہ امیر جماعت سے قلب بے حد متاثر ہوا ان کے بیان میں بلا کی جاذبیت تھی جسقدر بھی شکوک و شبہات اس کام کی طرف سے تھے سب ختم ہو گئے اور دل اس کام کی اہمیت کا قائل ہو گیا۔

یہ حضرت ناظم صاحب کے طفیل میں اور انکی توجہ کی برکت سے ہوا۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ میں آپ کو اولاد کی طرح مانتا ہوں کوئی ضرورت پیش آئے تو بے تکلف کہدیں وقتاً فوقتاً خفیہ طور پر حضرت مالی اعانت بھی فرماتے رہتے تھے۔ حضرت مرحوم ومغفور کے یہ احسانات زندگی بھر یاد آتے رہیں گے۔ حضرت کے خادم خاص نبی احمد گورا اتفاق سے پندرہ بیس دن کے لئے اپنے گھر جانے لگے چونکہ دارالطلبہ قدیم کی مسجد میں امامت وہی کرتے تھے اسلئے سوال پیدا ہوا کہ کون اب امامت کرے گا حضرت ناظم صاحب ازراہِ ذرہ نوازی مجھے منتخب فرمایا اور میں حضرت کے حکم کی تعمیل میں کئی ماہ تک امامت کرتا رہا۔ حضرت کے ان خادم کے آجانے کے بعد بھی یہ سلسلہ چلتا رہا حضرت مرحوم نماز با جماعت بہت پابندی کے ساتھ ادا فرماتے تھے ۲۹ رسال تک آپنے نماز اس طرح ادا فرمائی کہ جماعت کیا بلکہ تکبیر اولیٰ بھی فوت نہیں ہوئی۔ معمولات کے بھی بہت پابند تھے اکثر وبیشتر مغرب وعشاء کے فرض کے بعد جب قرأت وغیرہ کی خامیوں پر متنبہ فرماتے تو مسجد میں سناٹا چھا جاتا تھا اور میں نہایت شوق اور طلب سے حضرت کی باتیں سنتا۔ ناگواری کا اثر تو کجا دل مسرت سے لبریز ہو جاتا کہ اصلاح فرمائی جا رہی ہے۔ چنانچہ بفضلہ تعالیٰ حضرت کے بار بار توجہ دلانے سے نماز اور امامت کے سلسلہ کی بہت سی غلطیوں کی اصلاح ہو گئی۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ بیٹا میں خیر خواہی کی بنا پر تم کو ٹوکتا ہوں تم بُرا مت ماننا اور اگر ناگوار خاطر ہو تو معاف کر دینا حضرت کے اس جملہ پر جو اثر پڑنا چاہیئے تھا وہ پڑتا اور گویا میں زمین میں گڑ جاتا ایک مرتبہ فرمایا کہ کسی سے قرض مت لینا کہ یہ فساد کی جڑ ہے۔ تقویٰ کی زندگی اختیار کرنا کہ یہ زادِ آخرت ہے نہ کسی کی برائی کرنا نہ سننا۔ ایک مرتبہ چند طلباء نے جو مجھ پر حضرت کی اس نظر کیوجہ سے حسد کرتے تھے۔ میری ناتجربہ کاری سے فائدہ اٹھا کر زبردستی ایک معاملہ میں پھنسا دیا میں کم عمر ناتجربہ کار ان شاطر طلبہ کے عزائم سے بے خبر ان کے چکے میں آگیا جب ہوش آیا تو اسوقت تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ ارباب مدرسہ نے اس معاملہ میں فیصلہ مرے خلاف کر دیا اگرچہ بعد میں وہ معاملہ رفع دفع ہو گیا

اگرچونکہ میں اس معاملہ میں خدا شاہد ہے کہ بالکل بے قصور اور مظلوم تھا اب فیصلہ میرے خلاف ہوگیا تھا۔ اسوجہ سے میں دل برداشتہ ہوگیا تھا۔ چند روز کے بعد حضرت ناظم صاحب نے طلب فرمایا۔ اور تنہائی میں فرمایا کہ بیٹا معاملہ تمہاری طرف سے بالکل صاف ہے میں تو اسکی تفصیل سے بھی ناواقف ہوں اور اسکی ضرورت بھی نہیں ہے تم میری طرف سے بالکل مطمئن رہنا۔ حضرت کے اس فرمانے کے بعد دل کا بوجھ ہلکا ہوگیا۔ اور بصیرت کا دل سے قائل ہوگیا۔ کہاں تک ان احسانات کا ذکر کروں جو حضرت نے میرے اوپر فرمائے حق تعالیٰ احسانات کا صلہ حضرت کو اپنے شایانِ شان عطا فرمائے۔

(۱۵)

فخرِ زمین، فخرِ زماں اف چل بسا

سید حسین شیخپورہ

آہ وہ کس قدر بھیانک رات تھی، تاریکی نے ہرطرف اپنا تسلط قائم کرلیا تھا سورج کئی گھنٹے قبل مغرب میں روپوش ہوچکا تھا شاید اسلئے کہ وہ ان عظیم حادثہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ چاند بھی تیزگامی سے اپنی منزل کیطرف رواں دواں تھا شاید وہ اس حادثہ جانکاہ کے نظارہ کی سکت اپنے اندر نہیں پارہا تھا آب آتش لباس جام میں منجمد ہوگیا تھا۔ علم وعمل کے رسیا ہچکیاں لے لے کر رو رہے تھے۔ شاید اس لئے کہ گنجینۂ علوم و معانی اور خزینۂ ہمہ دانی آج ان کو چھوڑ کر رخصت ہو رہا تھا شعراء کی زبانوں پر انبساط کے نغموں کی بجائے رنج والم کے نوحے جاری تھے کہ ان کا تاجدار آج ان کو خدا حافظ کہہ رہا تھا میخانۂ تصوف وسلوک کی پیشانی عرق آلود تھی کہ آج ساقی مستانہ انکو خیرباد کہنے والا تھا شراب احسان ومعرفت کے بادہ خوار چاک گریباں تھے کہ آج جانِ میکدہ انکو الوداع کہہ کر میکدہ سے کوچ کررہا تھا۔ آسمان اشک شبنم بہا رہا تھا کہ اس کا آفتاب عالمتاب آج غروب ہو رہا تھا۔ زمین غمگین وساکت

وصامت تھی کہ آج اسکی رونقیں لٹ رہی تھیں۔ بہارانِ چمن سوگوار تھیں کہ ان پر بادِ خزاں پہنچ چکی تھی کسی شوریدہ سر نے زمین غمگین سے سوال کیا کہ مادرِ گیتی تو کیوں سوگوار ہے؟ تیرا کیا گم ہوگیا ہے؟

وہ اشکبار ہوئی اور آہ بھر کر کپکپاتی ہوئی زبان میں گویا ہوئی تم اس خستہ جان وزخمی جگر کا حال کیا پوچھتے ہو؟ ماں کیوں سوگوار نہ ہو جبکہ اسکی آغوش کی رونق رخصت ہو گئی۔ اُف میرا وہ متاعِ عزیز لٹ گیا جس پر مجھکو فخر تھا۔ میری نگاہیں اس نابغۂ نازفرزند کو تلاش کر رہی ہیں جس نے یہ کہہ کر ؎

رشک کرتا ہے فلک ایسی زمین پر اسعد
جس پہ دو چار گھڑی ذکرِ خدا ہوتا ہے

میری عظمت کو چار چاند لگائے تھے مجھکو بلندیوں پر رفعت بخشی تھی۔ اپنے عمل وکردار سے میرا سر بلند کیا تھا اپنے اس قول کا عملی ثبوت پیش کیا تھا۔ آج میرا جی چاہتا ہے کہ زمین کے اس خطۂ پاک سے خطاب کرکے جہاں وہ جانِ جہاں آرام فرما ہیں۔ یہ کہوں ؎

رشک کرتے ہیں ملک ایسے مکاں پر اسعد
جسمیں لیٹا ہوا تم جیسا مکیں سوتا ہے

—— • • ❁ • • ——

آفتابِ جہاں تاب

استاذ الاساتذہ، شیخ المشائخ، ملک العلماء، تاج الفقہاء، سراج الادباء
حکیم الاسلام، امام الانام، حضرت العلام مولانا وسیدنا الشاہ محمد اسعد اللہ۔
علیہ رحمۃ اللہ الی یوم یلقاہ وجعل الجنۃ الفردوس مثواہ۔
(تولد ۱۳۱۴ھ دوشنبہ توفی ۱۳۹۹ھ دوشنبہ)

وہ ذاتِ گرامی جو علم وحکمت کا روشن چراغ تھی، وہ روشن چراغ جسکی چمکدار لو سے روشن ہونے والے چراغوں نے عالم رنگ وبو کی ہزاروں محفلوں کو ضیا بخشی، ہدایت ومعرفت کی وہ شمع تاباں جو اطراف عالم میں ہزاروں شمعیں روشن کرکے آنکھوں اوجھل ہوگئی۔ شروفتن کی شب تاریک کی گھٹا ٹوپ اور ہولناک اندھیریوں میں آج اس شمع تاباں کی سخت ضرورت تھی آہ قضا وقدر کی آندھیوں نے اسکو بجھا دیا۔ اُف اس شمع کے یہ پروانے کہاں جائیں؟ وہ زہد واتقاء، حکمت وعرفان اور تقدس وتقویٰ کا آفتاب عالمتاب غروب ہوگیا جسکی حسین کرنوں نے نصف صدی سے زائد عالم کو جگمگایا تھا۔ اس کے انوار کی چادر گلستانِ مظاہر پر پھیلی ہوئی تھی اور مظاہر علوم اسکی ضیا پاشیوں سے ایسا پُر انوار اور نور کا مینار بنا ہوا تھا جسکے جلوؤں سے چہار دانگ عالم کو روشنی مل رہی تھی آہ وہ آفتاب عالمتاب غروب ہوگیا۔ وہ اخلاق مجسم جسکی ذات والاصفات میں خلق عظیم کے جلوے نمایاں تھے وہ مروت کا پیکر جسکے اپنوں اور بیگانوں کو اپنا دل دادہ وگرویدہ بنالیا تھا وہ سراپا مہر وشفقت جس نے ہر خاص وعام کے دل میں اپنی لازوال محبت کی امانت رکھدی تھی، وہ استاذ جسکی ذات پر ہر شاگرد متفخر ونازاں تھا۔ وہ مربی جسکی تربیت نے ذروں کو آفتاب بنادیا وہ ہادی ورہنما جسکی رہنمائی ودستگیری سے ہزاروں بھٹکتے ہوئے منزل مقصود تک پہنچ گئے وہ گوناگوں کمالات کا حامل

جسکی آغوشِ تربیت نے بہت سوں کو باکمال بنادیا، وہ شیرِ خدا جسکی دھمکیوں سے دشمنانِ خدا بلوں میں جا گھسے وہ مناظرِ اعظم جسکی مدلّل تقریروں اور مفصّل تحریروں سے اہلِ باطل ہکّے بکّے رہگئے اور میدان چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوئے۔ وہ جامع الصفات ہستی جسکی صفات کا احاطہ دشوار ہے ہمیں داغِ مفارقت دیگئی۔ یتیموں کے سر سے سایۂ رحمت اٹھ گیا۔ اب بیقراروں کو قرار کیسے نصیب ہو؟ ہم یتیموں کے سر پر کون شفقت کا ہاتھ رکھے؟

حسبنا اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر انا للہ وانا الیہ راجعون رضنا باللہ ربّا وبالاسلام دینًا ومحمد، صلی اللہ علیہ وسلّم نبیًا ورسولًا اللہ العالمین ان کی قبر کو پُر نور فرما ان کو اعلیٰ علیین میں بلند درجات سے نواز، ان کو اپنی شایانِ شان جزائے خیر مرحمت فرما۔ ان کے اخلاف، اولاد و احفاد اور تلامذہ و متعلقین کو اپنی رضا کی توفیق نصیب فرما کر ان سب کے درجات کو دارین میں بلند فرما۔ آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی سید الکائنات وفخر الموجودات وعلیٰ آلہ وصحبہ والمومنین والمومنات۔ وسلّم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا یارب الارض والسموات۔

نسیم احمد غازی مظاہری

مختصر تذکرہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ

ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ یوپی

بندہ نواز آپ مجھے جانتے نہیں

اسعد ہے میرا نام وطن رام پور ہے

جامع معقولات و منقولات حضرت مولانا الحاج الشاہ محمد اسعد اللہ صاحبؒ ناظم اعلیٰ مظاہر علوم سہارنپور و خلیفۂ بیعت و اجازت حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ مبارک کے کچھ نقوش۔

یہ سطریں جو اوپر کے عنوان کے تحت لکھی جارہی ہیں۔ ان کو سوانح نہیں کہا جاسکتا ہے کیونکہ سوانح میں تو جزئیات تک سے تفصیلی بحث کی جاتی ہے اور بلا کم و کاست تمام واقعات و سانحات کے متعلق کچھ علم نہیں ہے۔ اس سلسلے میں حضرت موصوف نے ہماری کچھ حوصلہ افزائی نہیں فرمائی۔ فنائیت اور استغراق کا اس قدر غلبہ ہے جب کبھی اس سلسلے کی کوئی بات ہمت کرکے کہی گئی تو فرمایا کہ "بھائی ہمارے کیا حالات" دوسری طرف حضرت کے متوسلین کا ہم سے اصرار ہے کہ کچھ تو لکھا جائے۔ بہرحال اللہ کا نام لیکر یہ سطریں سپرد قلم ہیں۔

پیدائش کی تاریخ اور مہینہ معلوم نہیں۔ البتہ پیدائش کا دن یقیناً دوشنبہ ہے تاریخی نام دو ہیں (۱) مرغوب اللہ (۲) چراغ علی۔ ان ناموں سے ۱۳۱۴ھ نکلتا ہے مقام پیدائش رامپور ہے۔ حضرت موصوف کے چچا اور خسر جناب مفتی حکیم محمد فضل اللہ صاحبؒ کی روایت ہے کہ تاریخی اور غیر تاریخی دونوں نام حضرت موصوف کے دادا جناب مولانا مفتی بشارت اللہ صاحبؒ نے رکھے تھے اپنی والدہ ماجدہ مرحومہ سے قرآن شریف پڑھا رامپور کا ماحول علمی تھا۔ اور رامپور کے علمی حلقوں میں ہمارا خاندان ممتاز اور نمایاں تھا۔ چنانچہ فارسی زبان بہت ابتدائی بچپن میں خود بخود ہی آگئی۔ اور فارسی زبان میں گفتگو پر قدرت ہوگئی کچھ دنوں رام پور کے کسی سرکاری انگریزی اسکول میں تعلیم پائی والد محترم مرحوم کا نام مولوی رشید اللہ ہے۔ آبائی وطن مراد آباد محلہ کسرول

عقب مسجد مولسری۔ حضرت موصوف کے جدامجد حضرت علامۃ الحاج مولانا مفتی قاضی محمد مسعود اللہ صاحب نے لکھنؤ میں علم کی تحصیل و تکمیل کے بعد قاضی و مفتی حکومت کی حیثیت سے لکھنؤ میں قیام فرمالیا تھا۔ لیکن سلطنت اودھ کے سقوط کے بعد حضرت موصوف کو نواب یوسف علی خاں والی رامپور نے (جو حضرت موصوف کے شاگرد بھی تھے) رام پور میں عہدۂ قضا و افتار پر بحیثیت حاکم مرافعہ بلالیا تھا پھر رامپور کی وطنی حیثیت حاصل ہوگئی۔ حضرت ناظم صاحبؒ کے چچا مولانا مفتی حکیم محمد فضل اللہ صاحبؒ کا حضرت تھانویؒ سے تعلق تھا۔ اور اسی تعلق کی بناپر انھوں نے تھانہ بھون کو وطن ثانی بنالیا تھا۔ وہ بھتیجے کو ہمراہ رام پور سے ۱۳۲۹ھ میں تھانہ بھون لے آئے۔ اور حضرت ناظم صاحب اپنے چچا کے اس احسان کو ناقابلِ فراموش بتاتے ہیں اور حضرت ناظم صاحب نے خود اس وقت اپنی آمد کی تاریخ کہی،
مادۂ تاریخ "فخر رام پور"۔ یہ مصرع تاریخ۔ آیا تھا رامپور سے جب "فخر رامپور" وہاں
حضرت مولانا عبداللہ صاحب گنگوہیؒ سے عربی کی ابتدائی کتب سے لیکر متوسطات تک پڑھا۔ حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے تھے کہ مجھے جو کچھ آیا وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے اور پھر اساتذہ کی جوتیوں کا صدقہ ہے لیکن اپنے شوق و محنت سے میں نے غیر متعلق علوم میں کثرت مطالعہ سے بحمداللہ مہارت حاصل کی۔ چنانچہ اپنی طبیعت کی ناموزونی کے باوجود فنِ عروض کی مدد سے (اور فنِ عروض بھی میں نے خود پڑھا تھا) میں نے اپنے آپ کو موزون الطبع بنایا، قدمار میں اسکی مثال صرف محقق طوسی ہیں یعنی بہت حد تک میں self made ہوں۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ اور مولانا شبیر علی صاحب تھانویؒ سے بھی پڑھا اسی زمانہ میں مشکوٰۃ شریف اور ترجمہ قرآن شریف کے کچھ اسباق حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے بھی پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔

شوال ۱۳۳۲ھ میں جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا ۱۳۳۴ھ میں دورۂ حدیث شریف پڑھا۔ آپ کے اساتذۂ حدیث میں حضرت مولانا تھانویؒ کے علاوہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ حضرت مولانا ثابت علی صاحبؒ اور حضرت مولانا سید عبداللطیف صاحبؒ ہیں۔ مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کے بعض علماء سے بھی ۱۳۴۶ھ ۱۹ میں (جبکہ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے گئے تھے)

حدیث کی اجازت حاصل کی۔

۱۳۳۵ھ میں فنون پڑھے۔ اور تعلیم سے فراغت ہوئی۔ بعد فراغت مظاہر علوم سہارنپور میں قائم انجمن "ہدایت الرشید" کے ناظم مقرر ہوئے (یہ انجمن مظاہر علوم کے زیر انتظام بہت زمانۂ قدیم سے قائم ہے۔ اس میں طلبہ کو تقریر و مناظرہ کی مشق کرائی جاتی ہے۔ شارحی اور سنگٹھن کے دور میں بھی اس کی عظیم ترین دینی خدمات ایک رفیع درجہ رکھتی ہیں) کچھ دنوں کے بعد چند اسباق بھی مدرسہ کی طرف سے سپرد کئے گئے۔ ۱۳۳۷ھ میں معین مدرس مقرر کئے گئے۔ پھر شوال ۱۳۳۸ھ میں باقاعدہ مدرس کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ بحمد اللہ تعالیٰ درس نظامی کے ہر شعبہ کی ہر کتاب کو پڑھایا ۱۳۳۰، ۱۳۲۹ھ اور ۱۳۳۸، ۱۳۳۷، ۱۳۳۶ھ کو چھوڑ کر کر ان سالوں میں دو مرتبہ یگون بحیثیت ناظم مدرسہ اندیر یہ قیام رہا ہمیشہ مظاہر علوم سے تعلق رہا۔ کافی زمانہ تک مدرسہ کے ناظم و مہتمم مالیات بھی رہے۔ سن کی تعیین مدرسہ کی روداد سے ہوسکتی ہے۔ یکم صفر ۱۳۶۵ھ سے مظاہر علوم کے نائب ناظم اور یکم محرم ۱۳۷۰ھ کو ناظم اعلیٰ کے عہدہ پر تقرر ہوا۔ دوران حدیث پرائیوٹ طور پر انگریزی پڑھی۔ زمانہ طالب علمی ہی میں حضرت حکیم الامت سے بیعت و ارادت کا تعلق قائم ہوا۔ پھر زمانہ طالب علمی کے بعد مولانا محمد عمران صاحب مدنی کے ہمراہ بیعت کی تجدید ہوئی۔ خلافت ملنے کا سال حضرت ناظم صاحب کے ذہن میں نہیں رہا۔ شاید رسالہ "النور" تھانہ بھون کے کسی پرچہ سے معلوم ہوسکے۔

تصانیف:- (۱) شرح تحریر (۲) صرف پر کچھ کارآمد و مفید اسباق (۳) ایک مکمل دیوان اشعار اردو (۴) عربی میں التحفۃ الحقیرۃ فی نسبۃ سبع الشعیرہ (مطبوعہ ریاضی) (۵) القطائف من اللطائف جو بوادر النوادر میں مطبوع ہے (۶) ایک نیم صد ملفوظ حضرت حکیم الامت (۷) رسالہ فی شرح المکالمہ (۸) مسئلہ توسیع قدرت یعنی امکان کذب پر حضرت حکیم الامت کے کلام کی شرح۔ یہ بھی بوادر النوادر میں مطبوع ہے) (۹) تکمیل العرفان شرح حفظ الایمان (۱۰) التقییر فی التفسیر شرح (۱۱) حاشیہ بر طحاوی (۱۲) تقریر طحاوی (۱۳) اشکالات طحاوی کے جوابات۔

حج بیت اللہ شریف کا صرف ایک مرتبہ ۱۳۳۷، ۳۶ھ میں

اتفاق ہوا۔ ہند و پاک کے اکثر مقامات اور رنگون و حجاز پاک سفر ہوا، شادی غالباً ۱۹۱۸ء میں مولانا مفتی قاضی لطف اللہ صاحبؒ برادر مفتی بشارت اللہ صاحبؒ کی پوتی، اور مولانا مفتی حکیم فضل اللہ صاحبؒ کی صاحبزادی سے ہوئی۔ پانچ لڑکے حیات ہیں ایک زمانہ میں ذوق شعر و سخن کے علاوہ مناظروں کا بھی زندگی میں خصوصی باب رہا۔ اور عیسائیوں اور آریہ سماجیوں کے بڑے بڑے مناظرین سے مختلف موضوعات و مسائل پر بحمد اللہ کامیاب مناظرے ہوئے۔

تعزیتی مراسلات و پیغامات

ہندو پاک کے اکثر اخبارات و رسائل میں حضرت والاؒ کی وفات حسرت آیات کی خبر شائع ہوئی اور بہت سے اہل قلم نے ان میں اپنے اپنے جذبات و احساسات اور تاثرات کو ظاہر فرمایا۔ نیز متعدد جرائد و اخبارات میں آپ کی حیات طیبہ کے بعض گوشوں پر مضامین لکھے گئے۔ ہندوستان کے کونے کونے سے نیز دیگر ممالک (پاکستان، سعودیہ، برما، ممالک افریقہ و لندن وغیرہ) سے خطوط و مراسلات اور تعزیتی پیغامات کا تانتا بندھ گیا۔ اسوقت ہمارے پاس نہ سب اخبارات و رسائل ہیں نہ خطوط و مراسلات۔ نہ ہی ان کے جمع کرنے اور محفوظ رکھنے کا کوئی خاص اہتمام کیا گیا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ اہم ترین (سوانح کا) کام میرے ہی حوالے کر دیا جائے گا اس سلسلہ میں جن حضرات کو مضامین کا ریکارڈ محفوظ رکھنے کی توجہ دلائی گئی تھی انھوں نے اسکی پرواہ نہ کی اور معلومات کا بہت سا ذخیرہ ضائع ہو گیا۔ افسوس! اور جو مراسلات ڈاک کے نظام کی خرابی کی نذر ہو گئے ہوں گے ان کا تو ذکر ہی کیا؛

علاوہ ازیں جو موجود ہیں ان کو نقل کر دینا بھی طول لاطائل ہے۔ اسلئے انتخاب و اختصار کے ساتھ چند مراسلات و پیغامات ہی کے اندراج پر اکتفا کیا جائے گا۔ باقی مراسلات بھیجنے والوں کے اسمائے گرامی کی فہرست دیدی جائے گی۔ اس سے بھی وہ حضرات جن کے مراسلات انگریزی آسامی، بنگلہ وغیرہ زبانوں میں ہیں یا ان کے مراسلات ضائع ہو گئے ہیں مستثنیٰ رہیں گے۔ اور ان کی خدمت میں ہم معذرت خواہ ہیں نیز جملہ ہمدردان اہل تعلق اور اہل نگارش حضرات کے ہم شکر گذار اور ان کے لئے دعا گو ہیں۔

من مدير الرسالة "الرائد"، لکھنؤ،
احد کبار علمائے الهند

الشيخ اسعد الله في ذمة الله

توفي ليلة ۱۲ يونيو ۱۹۷۹ الشيخ اسعد الله مدير جامعة مظاهر علوم بسهارنفور و أحد كبار علماء الهند في الفقه والحديث والادب وقد بلغ في العمر أكثر من ثمانين سنة، وكان الشيخ أسعد من أسرة المفتي سعد الله ومن مسترشدي الشيخ أشرف علي التهانوي أحد كبار مشائخ الهند، وقد قضى حياته كلها في التدريس والتربية وادارة مدرسة مظاهر علوم، وتلامذته ومريدوه منتشرون في شبه القارة الهندية و بلدان أسيوية وافريقية كثيرة -

رسالة مؤلف الكتاب

من العبد المحزون نسيم احمد الغازي المظاهري الى حضرة الشيخ محمد بن الله متعنا الله تعالى بطول حياته وافاض على المسلمين من بركاته السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

فاني احمد الله الذي لا اله الا هو اليك، اما بعد فقد سمعت نعي مولائي وسيدي رحمه الله فسقطت جبال الحزن على رأسي و اظلم العالم على فانا لله وانا اليه راجعون ـــه

صبت على مصائب لو انها ٭ صبت على الايام صرن لياليا

ولكن رضينا بالله ربا و بالاسلام دينا و بمحمد صلى الله عليه وسلم نبيا ورسولا فاعظم الله لنا ولكم الاجر والهمنا واياكم الصبر واتباع الامر واعاذنا من كل شئ ضر ورزقنا واياكم اتباعه في الخير

والحسنات ويغفر الله لنا ولكم وله جميع السيئات ويرفع درجاته
في اعلى الجنات وجزاه الله عنا وعن تلاميذه وعن مسترشديه
وعن جميع المسلمين والمسلمات بما انتفعوا بعلومه وفيوضه احسن
الجزاء بما هو اهله رب الكائنات - فاصبروا واحتسبوا فان الله
مع الصابرين وانما يوفى الصابرون اجرهم بغير حساب وما لنا
ان لا نصبر لله وقد هدانا سبلنا وان انفسنا واهلونا واموالنا
وكل شئ لنا من مواهب الله تعالى وسبحانه المهنية وعواريه
المستودعة وكذا شيخنا الاجل ومولانا الاجل متعنا به رحمه
الله سبحانه وتعالى الى الاجل ثم قبضه اليه تعالى شانه اذا
جاء الاجل فان اجل الله اذا جاء لا يؤخر فاذا جاء اجله ترحل
ولدار الآخرة خير له من الاولى انشاء الله تعالى فيا اخي المحترم
الصبر لازم علينا اذا ابتلينا بفراقه وفراق الاحبة اشد مصيبة
على المحبين ولكن ساحة الصبر اوسع - وان حرمنا الى ايام معدودة
من زيارته ومكالمته لكن لا نحرم من فيوضه وبركاته وعلومه
متعنا الله منها طول عمرنا - ومن قبل متعنا به في غبطة وسرور واكتسبنا
منه الفيوض والعلوم وقبضه تعالى شانه منا باجر جزيل وثواب كثير
مكتوم وهو بحمد الله سبحانه وتقدس راض عنا وداع لنا بخير
وسلامة وعلوم رحمه الله ورضي عنه وادخله الله في بحبوحة
جنانه من فضله واحسانه فالصلوة والرحمة والهداية لنا ان
صبرنا واحتسبنا فان الله سبحانه وتعالى وعدنا اياها في كتابه العزيز
فقال وبشر الصابرين الذين اذا اصابتهم مصيبة قالوا انا لله و
انا اليه راجعون ه اولٰئك عليهم صلوات من ربهم ورحمة و
اولٰئك هم المهتدون ه فلنصبر لا يحبط جزعنا اجرنا ولا يسخط
ربنا فنندم في حضرة ربنا - ان الجزع وترك الصبر لا يرد شيئا
من قدر الله سبحانه ولا يدفع ما هو نازل بامر الله ولا ينفي
حزنا فما شاء الله كان وما لم يشأ لم يكن - ولما توفي رسول الله

صَلی اللہ علیہ تبارک وتعالیٰ وسلم سمعوا (ای الصحابۃ) صوتا من ناحیۃ البیت السلام علیکم اھل البیت ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ان فی اللہ عزاء من کل مصیبۃ وخلفا من کل ھالک ودرکا من کل فائت فباللہ فاتقوا وایاہ فارجوا فانما المصاب من حرم الثواب ھذا واوصیکم ونفسی اولاً بتقوی اللہ واحذرکم من الجزع و الفزع ومن کل معصیۃ اللہ۔ وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضاہ والسلام

العبد الحزین
نسیم احمد الغازی المظاھری
سرائے پختہ ۔ مراد آباد ،،
۱۷ رجب المرجب سنہ ۱۳۹۹ھ
م ۱۲ ر یونیو سنہ ۱۹۷۹ عیسوی
یوم الاربعاء

ترجمہ

مؤلف کتاب کا خط

بندۂ غمگین نسیم احمد غازی مظاہری کیجانب سے حضرت مولانا محمد اللہ صاحب دامت برکاتہم کو بنامت ہیں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

میں آپکے سامنے اس اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اس کے بعد عرض ہے کہ میں نے اپنے آقا و مولا رحمہ اللہ کے انتقال پُرملال کی خبرسنی۔ تو میرے سر پر رنج والم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، عالم تاریک ہوگیا۔ انا للہ الخ (ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کے پاس ہم کو جانا ہے) سہ مجھ پر ایسی مصیبتیں آپڑیں کہ اگر وہ دنوں پر ڈال دی جائیں تو وہ شب تاریک بن جائیں۔

لیکن ہم اللہ کے رب ہونے اور اسلام کے دین اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبر ہونے پر راضی ہیں حق تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے ہم کو اور آپ کو صبر و فرمانبرداری کی توفیق دے، ہم سب کو ہر برائی اور معصیت سے محفوظ رکھے اور ہم کو اور آپ کو حضرت مرحوم کی بھلائی اور خیر میں پیروی کی توفیق بخشے ۔

ہمارے، آپ کے اور ان کے تمام گناہوں کو معاف فرمائے حضرتؒ کو بلند جنت کے اعلیٰ مقام سے نوازے اور حق تعالیٰ ان کو ہماری طرف سے اور تمام شاگردوں، مریدوں اور ان سب مسلمان مردوں، عورتوں کیطرف سے اپنی شایانِ شان بہترین صلہ عطا فرمائے جنہوں نے آپکے فیوض وعلوم سے فائدہ اٹھایا ہے۔ پس صبر کیجئے اور اجر کی توقع رکھیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی خاص مدد ورحمت، صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہیں۔ اور صابروں کو اجر وثواب ان گنت اور بے شمار عطا فرمائے جائے گا۔ یہ بھی غور فرمائیے کہ اگر ہم صبر کیوں نہ کریں۔ وہ ہمارا منعم ومحسن ہے اور صبر کا ہم کو حکم ہے۔ اللہ نے ہم کو نیک راہوں کی ہدایت دی ہے اور ہمارے جان ومال، اہل وعیال اور ہماری ہر چیز حق تعالیٰ ہی کی عمدہ عطائیں ہیں اور اسکی امانتیں ہیں جو اس نے چند روز کیلئے ہمارے پاس رکھدی ہیں۔ اسی طرح ہمارے حضرت والا، ہمارے آقا ومولاؒ بھی تھے کہ انکی ذات گرامی سے حق جل مجدہٗ نے امت مسلمہ کو ایک مدت تک فیض ونفع بخشا پھر ان کو اپنی بارگاہ میں بلا لیا جب وقت پورا ہوگیا کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ وقت پورا ہوجاتا ہے تو وہ ٹلتا نہیں چنانچہ حضرتؒ کا بھی وقت مقرر پورا ہوچکا تھا تو آپ رحلت فرماگئے اور انشاء اللہ تعالیٰ عالم آخرت حضرت کیلئے اس عالم دنیا سے بہتر ہے۔ اے میرے برادر محترم! صبر ہم پر لازم ہے یقیناً ہم حضرت کی جدائی کے غم میں مبتلا ہیں۔ اور چہیتوں کی جدائی چاہنے والوں پر سخت ترین مصیبت ہوتی ہے لیکن میدان صبر بہت وسیع ہے۔ اگرچہ ہم لوگ کچھ دنوں کیلئے حضرت والا کی زیارت وہم کلامی کے شرف سے محروم ہوگئے ہیں لیکن ہم آپ کے فیوض، برکات اور علوم سے محروم نہیں ہیں۔ حق تعالیٰ ان سے ہم کو تمام عمر متمتع فرماتے اور اللہ تعالیٰ نے انکی حیات میں بھی ہم کو نہایت رشک وسرور کی حالت میں ان سے متمتع فرمایا اور ہم نے ان سے علوم وفیوض حاصل کیے اب حق تعالیٰ نے ان کو ہم سے لے لیا اور بڑے اجر وثواب عنایت فرمائے جواب ہمارے سامنے نہیں ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ حضرت والا ہم سے راضی تھے اور ہمارے خیر وسلامتی اور علوم کی دعا فرماتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرماتے، ان سے راضی رہے اور اپنے فضل وکرم سے ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرماتے پھر اگر ہم

صبر کریں گے اور اسکو باعث اجر خیال کریں گے تو ہم سے برکت و رحمت اور ہدایت کا وعدہ ہے یعنی حق تعالیٰ نے قرآن عزیز میں یہ وعدہ فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ صبر کرنے والوں کو خوشخبری دیدیجئے جو ایسے ہیں کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ انا للہ الخ پڑھتے ہیں یعنی ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم کو اللہ ہی کے پاس واپس جانا ہے۔ یہ صابر لوگ ہیں کہ ان پر برکتیں ہیں اُن کے رب کیطرف سے اور رحمت ہے اور وہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں اسلئے ہم کو صبر ہی کرنا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری بے صبری و بے قراری ہمارا اجر ضائع کردے اور ہمارے رب کو ناراض کردے کہ پھر ہم کو شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے اپنے رب کی جناب میں بے شک بے صبری و بیقراری اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کو رد نہیں کرسکتی اور جو اللہ کے حکم سے آنیوالا ہے اس کو لوٹا نہیں سکتی نیز ہمارے رنج و غم کو بھی دور نہیں کرسکتی۔ ہم کو یہ سوچنا چاہیئے کہ جو اللہ نے چاہا ہوا جو نہیں چاہا نہیں ہوا۔

حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو گھر کے ایک کونے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ آواز سنی السّلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ) بیشک اللہ کی کتاب میں ہر مصیبت سے تسلی (کی ترکیب انا للہ الخ) موجود ہے۔ اور ہر ہلاک ہونے والے کا بدل ہے اور ہر فوت ہونے والی چیز کا تدارک ہے۔ تو اللہ کیلئے تم بے صبری سے بچو اور اسی سے اجر و ثواب کی امید رکھو کیونکہ اصل مصیبت زدہ وہ ہے جو ثواب سے محروم کردیا گیا۔ اس خط کو بغور پڑھئے اور میں آپ کو اور پہلے اپنے نفس کو تقویٰ و پرہیزگاری کی وصیت کرتا ہوں اور بے صبری و بے قراری سے بچنے کی تاکید کرتا ہوں اور ہر نافرمانی سے بچنے کی بھی تاکید کرتا ہوں حق تعالیٰ ہم کو اور آپکو اپنی رضا و خوشنودی کی توفیق ارزاں فرمائے۔ فقط والسّلام

بندۂ غمگین :۔ نسیم احمد غازی مظاہری بجنوری
مقیم محلہ سرائے بخشتہ مرادآباد
۷ ار رجب المرجب ۱۳۹۹ھ م ۱۳ ر جون ۱۹۷۹ء

چہار شنبہ

انجمن ابنائے قدیم مدرسہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور

انجمن ابنائے قدیم مدرسہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور کا ایک ہنگامی تعزیتی جلسہ بتاریخ ۱۲ر جون ۱۹۷۹ء بوقت بعد نماز عشاء برمکان رشید احمد صدیقی محلہ مفتی منعقد ہوا۔ جسکی صدارت کے فرائض جناب حافظ عبدالغفار صاحب نے انجام دیئے

جلسہ کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اسکے بعد حکیم الامت حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب ناظم اعلیٰ مظاہر علوم کی اچانک وفات پر رنج وغم کا اظہار کیا گیا۔ اور مقررین حضرات نے آپ کی حیات طیبہ پر روشنی ڈالی۔

ظہیر الاسلام اسعدی نے فرمایا کہ مولانا کی وفات مظاہر علوم اور مسلمانان ہند کیلئے ایک ایسا عظیم سانحہ ہے جسکی کمی مدرسے اور مسلمانان ہند کو مدتوں محسوس ہوگی۔ حاجی محمد احمد فدا صدیقی سابق پرنسپل کمشنر نے اپنی تقریر میں کہا کہ مولانا کی وفات سے دنیائے اسلام کو ایک عظیم نقصان پہنچا ہے، آپ ایک بے مثال شاعر ایک جید عالم نیک سیرت اور جامع الصفات ذات کے حامل انسان تھے اور آپ سابقہ ۵۰ سالوں سے مظاہر علوم کی خدمت انجام دے رہے تھے

آپ کی شیریں گفتار سے ان کے عقیدتمندوں کو زندگی کی توانائی کا احساس ہوتا تھا۔ آپ نے عمدہ اخلاق سے خاص وعام کے دلوں پر حکومت کرتے تھے۔ آپکا سانحہ انتقال ملت اسلامیہ کیلئے ایک ایسا خلا ہے جو ایک مدت دراز میں پر ہوگا۔ یعقوب مظاہری صاحب نے فرمایا کہ حضرت کے دور نظامت میں مدرسے نے نمایاں ترقی کی ہے۔

عظمت صدیقی ایڈیٹر اصلاح وطن نے کہا کہ دنیائے علم وادب ایک ایسی شمع سے محروم ہوگئی ہے کہ جسکا اجالا فضاؤں میں پھیلا ہوا تھا۔ حافظ محمد ہاشم نے فرمایا کہ حضرت ایک خوش اخلاق ملنسار، مخلص اور خیر اندیش انسان تھے حاجی ایاز الدین صاحب نے فرمایا کہ موصوف ایک جید عالم تھے جسکا مرتبہ موجودہ دور میں ایک اعلیٰ حیثیت کا حامل تھا رشید احمد صدیقی نے فرمایا کہ آپ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی منھ بولتی تصویر تھے۔ آپ شرافت کا پیکر اور اخلاق کا مجسم نمونہ تھے۔ آپ کو حضرت تھانویؒ کا بدل کہا جاتا تھا۔ آپ میں نام ونمود کی خواہش اور ظاہری بناوٹ وتصنع نام کو نہ تھے

حضرت تھانویؒ آپ کے پیر تھے۔ اس لئے آپ میں وہ سب صفات موجود تھیں جو ایک بزرگ ایک عالم ایک صوفی اور ایک رہنما میں ہوتی ہیں۔ آپ کو کئی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ اور آپ بہترین مناظر تھے۔

آخر میں صدر جلسہ حافظ عبدالغفار صاحب نے مندرجہ ذیل ریزولیشن پیش کیا جو اتفاق رائے سے منظور ہوا اور طے پایا کہ اسکی ایک کاپی مولانا مرحوم کے پسماندگان کو ایک مدرسہ کے ذمہ داران کو اور اخبارات کو بھیجدی جائیں۔ دُعا کے بعد جلسہ کا اختتام ہوا۔

ریزولیشن

آج کا یہ جلسہ حکیم الامت حضرت مولانا الحاج الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب ناظم اعلیٰ مدرسہ عربیہ مظاہر علوم کی اچانک وفات پر اپنے دلی رنج وغم کا اظہار کرتا ہے اور خداوند قدوس سے دُعا کرتا ہے کہ وہ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ اور ان کے پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اسی کے ساتھ ساتھ مدرسہ کے موجودہ ناظم اعلیٰ اور حضرت کے خلیفہ حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب سے یہ امید کرتا ہے کہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مرحوم کے نقشِ قدم پر چل کر مدرسہ مظاہر علوم کو تعمیر و ترقی کی منزل پر پہنچا کر ایک نمایاں مثال قائم کریں گے۔

عظمت صدیقی ایڈیٹر اصلاحِ وطن
سکریٹری انجمن ابنائے قدیم مدرسہ عربیہ مظاہر علوم
محلہ بفردشان سہارنپور

وقف جامع مسجد کلاں سہارنپور

۳؍ جولائی ۷۹ء

مکرمی مولوی محمد اللہ صاحب سلام مسنون!

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے سلسلہ میں مجلس انتظامیہ وقف جامع مسجد کلاں سہارنپور نے اپنے اجلاس مورخہ یکم جولائی ۷۹ء میں بعد ایصال ثواب مندرجہ ذیل تجویز منظور کی ہے جو ارسال خدمت ہے

مجلس انتظامیہ وقف جامع مسجد کلاں سہارنپور کا یہ اجلاس حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی وفات حسرت آیات پر اپنے دلی رنج والم کا اظہار کرتا ہے۔ مولانا مرحوم کا حلقۂ ارادت بہت وسیع تھا، مولانا مرحوم نہ صرف ایک جید عالم اور بہترین منتظم تھے بلکہ بلند پایہ شاعر بھی تھے شاعری میں بھی ان کے شاگردوں کی تعداد بہت ہے۔ مولانا اسعد اللہ صاحب نے آخری دم تک جو دینی وعلمی خدمات انجام دی ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کردہ ان کیلئے آخرت کا سرمایہ ثابت ہوں۔ نیز یہ اجلاس مولانا مرحوم کے پسماندگان سے اظہار ہمدردی کرتا ہے اور دست بدعا ہے کہ خدا وند قدوس مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان وارادت مندوں کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین ثم آمین۔

مرسلہ
احقر ا۔ آمیر قریشی خادم وقف
وقف جامع مسجد کلاں سہارنپور

حضرت مولانا ابرار الحق صاحب مدظلہ کا مکتوب گرامی

عزیز مکرم زادکم اللہ تعالیٰ علماً وفضلاً
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بمبئی میں سفر کے وقت پھر رات کو واپسی ہر دوئی پر حادثہ فاجعہ کی اطلاع ملی بہت ہی افسوس ہوا آپ سب کو جسقدر بھی صدمہ ہو کم ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔

(۲) یہاں مدرسہ میں سبھی طلبہ اور اساتذہ نے ایصال ثواب اور دعاء مغفرت کی سعادت حاصل کی اس ناکارہ کو بھی توفیق دعاء مغفرت وایصال ثواب ملتی رہی

(۳) حضرت موصوف کے شاگردوں میں یہ ناکارہ رہا ہے اسکے باوجود حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جو عنایات وشفقات اس ناکارہ کے حال پر تھیں وہ یاد آرہی ہیں۔

ہم سب لوگ ان کی دعا کی برکات اور ان کی شفقات سے محروم ہوگئے اسپر جسقدر بھی قلق ہو کم ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کی ہدایات پر عمل کی توفیق مرحمت فرمائیں
(۴) محض تحصیلاً للثواب چند کلمات معروض ہیں ۔
(۱) اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلِلّٰہِ مَا اَعْطٰی وکل عندہ باجل مسمّیٰ فلتصبر ولتحتسب ۔
(۲) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں ایک بدوی بزرگ نے جو کلمات تعزیت پیش کئے تھے ان کے عرض کرنے کا بھی داعیہ ہو رہا ہے ۔

اصبر نکن بک صابرین فانما — صبر الرعیۃ بعد صبر الرأس
وخیر من العباس اجرک بعدہ — واللہ خیر منک للعباس

(۵) ۔ اس نوع کے حادثہ کے سلسلہ میں اکابر کرام کے کچھ ارشادات کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے جسکی چند کاپیاں مرسل ہیں ۔
گھر کے سب افراد کی خدمت میں مضمون واحد معروض ہے ۔

والسلام
ناکارہ خادم ابرار الحق ۔
۲۰ رجب المرجب ۹۹ھ

حضرت مولینا مفتی جمیل احمد صاحب مدظلہ تھانوی کا مکتوب سامی

عزیز مکرم — السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دیوبند سے کسی کا خط مدرسہ میں ایک صاحب کے پاس آیا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا دار فانی سے تشریف لیجا چکے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون اللہ تعالیٰ بڑے بڑے درجے جنت الفردوس عطا فرمائیں آپ لوگوں کو صبر و اجر عطا فرمائیں ۔ مولوی فضل الرحمٰن کلبانوی کے خط سے سب حالات معلوم ہوتے رہتے تھے مگر اب مہینوں سے ان کا کوئی خط نہیں آیا نہ میرے خط کا جواب آیا نہ معلوم وہ کہاں ہیں ان کے خط آتے تو حضرت کے آخری ایام کے حالات بھی معلوم ہوتے ۔

پہلے خطوط سے ہی تکالیف شدیدہ طویلہ کا حال معلوم ہوتا رہا جو رفع درجات کا ظاہری سبب ہیں امید ہے کہ سبب درجات رفیعہ ہوں گے۔ مولوی احمد اللہ بہت عرصہ ہوا ملے تھے پھر معلوم ہوا کہ میلسی ضلع ملتان سے کہیں اور منتقل ہو گئے جسکا پتہ نہیں چلا اور ارشد اللہ صاحب کو بہت برسوں سے نہیں دیکھا معلوم نہیں کہاں اور کس شغل میں ہیں اللہ تعالیٰ نیک کاموں کی توفیق عطا فرمائیں اور صلاح و فلاح سے نوازیں خط کسی کو نہیں دیا تھا کہ حافظ فضل الرحمٰن کا خط بھی پہنچ گیا اسمیں سانحہ فاجعہ مذکور تھا۔

جمیل احمد تھانوی جامعہ اشرفیہ
۲۲ رجب ۹۹ھ

المکرم میرٹھ

برادر مکرم و عزیز محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت مرحوم مولانا اسعد اللہ صاحب قدس سرہٗ العزیز کی خبر وفات حسرت آیات معلوم ہو کر دلی رنج و افسوس ہوا۔ اور مرحوم و مغفور کی علمی تعلیمی ادبی و اصلاحی ساٹھ سالہ عظیم خدمات کی تصویر نگاہوں کے سامنے پھر گئی؛ اور انکی ذہانت و فطانت اور تبحر علمی کے بہت سے واقعات لوح حافظہ پر ابھر آئے

میرے ان سے تعلقات کی ابتدا غالباً ۲۳ یا ۲۴ سے ہوئی،
میں اس زمانہ میں طالب علم تھا۔ اور حضرت مولانا فارغ التحصیل ہو کر میدان مناظرہ کے شہسواروں میں شامل ہو چکے تھے، والد مرحوم نے ایک عظیم الشان مناظرہ کے سلسلہ میں حضرت مولانا کو میرٹھ مدعو فرمایا، مولانا اس زمانہ میں ترکی ٹوپی اور کوٹ استعمال کرتے تھے، ایسی شان سے آئے اور اپنے حریف مشہور آریہ مناظر بھکشو کو شکست فاش دے کر اسلام کو سر بلند کیا۔

پھر مولانا کا انداز زندگی بدلا۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کی رفاقت میں مظاہر علوم کی عزت و شہرت کو چار چاند لگائے اور اُسے واقعی ایک جامعہ کی حیثیت دیدی۔ منازل سلوک و معرفت بھی طے ہوتے رہے اور رشد سخن

بھی جاری رہی اور ان دونوں میدانوں میں بھی سابقیت و اولیت کا مقام حاصل کیا اب اگرچہ کئی سال سے مستقلاً صاحب فراش تھے۔ مگر ذات بابرکات اب بھی مستفیدین و مسترشدین کیلئے بڑی نعمت تھی، مگر مرضی مولی پر کسے مجال دم زدن ہے۔

حضرت مولانا کا وصال، مظاہر علوم سہارنپور کے علماء و طلبہ ہی کے لئے نہیں علماء ہند کیلئے بہت بڑا نقصان ہے۔ اہل میرٹھ نے اس حادثہ کو سختی کے ساتھ محسوس کیا۔ خاکسار نے جمعہ کے دن مسجد جامع میں، حضرت مرحوم کے اوصاف و مناقب بیان کئے۔ اور بعد نماز جمعہ دعاء مغفرت کی گئی۔ اور آپکے مرتبہ مغفور کی گراں پایہ علمی و دینی خدمات کے مطابق اپنے جوار رحمت میں درجات پایہ کرامت فرمائے، آپکو اور مظاہر علوم کے اساتذہ و طلبہ کو اس حادثہ میں توفیق صبر عطا فرمائے۔ حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب سلام مسنون قبول فرمائیں اور مضمون واحد تصور فرمائیں۔ والسلام

زین العابدین قاضی منزل میرٹھ

۱۷-۶-۷۹ء

پندرہ روزہ نداے سنت لکھنؤ ۲۵ جون ۱۹۷۹ء

لکھنؤ میں ۱۲ جون کو یہ خبر سنی گئی جو بڑی حسرت اثر اور اندوہناک تھی وہ یہ کہ حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحب علیہ الرحمۃ کا ۱۰ اور ۱۱ جون کی درمیانی شب دوشنبہ کو حرکت قلب بند ہو جانے سے بعمر ۸۵ سال وصال ہوگیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ حضرت مرحوم کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آپ اسلام کیلئے جیئے اور مرے، چنانچہ فراغت علوم کے بعد ہی سے اپنی قابل رشک مادر علمی یعنی دیوبند کے بعد ایشیا کا عظیم دینی مرکز جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے انتظام و اہتمام اور تعلیم و تدریس سے منسلک رہے، نیز طالبان رشد و صلاح کی باطنی تربیت بھی فرماتے رہے، حضرت مرحوم رامپور کے علمی خانوادہ کے چشم و چراغ اور مشہور مفتی اعظم حضرت مولانا سعد اللہ رح کے پوتے تھے، اسلامی علوم و

فنون کی تکمیل کیلئے سہارنپور تشریف لائے اور مظاہر علوم کے چوٹی کے اکابر علم وفضل اور سرچشمۂ فن وکمال سے سیرابی حاصل کی۔ خصوصًا امام المحدثین حجۃ السلف سرخیلِ متکلمین حضرت مولانا خلیل احمد انبہٹوی عطر اللہ مضجعہ ونہا قبرہٗ کے تلامذہ میں خصوصی مقام حاصل کیا۔ آپ تمام علوم وفنون میں یکساں ماہر تھے۔ اور اردو، عربی، فارسی کے ادیب اور شاعر تھے، یہاں تک کہ انگریزی زبانِ ادب میں بھی کامل دستگاہ تھی۔ تدریسی صلاحیت فطری طور پر آپ کو منجانب اللہ ودیعت تھی۔ اپنی ہی مادر علمی میں درسِ نظامی کی تمام کتابوں کو اس طور پر پڑھاتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ اسی فن کیلئے پیدا کئے گئے ہیں۔ خصوصًا بخاری، ابوداؤد اور طحاوی کے اسباق میں علم وتحقیق اور راویوں پر نقد وجرح اس انداز میں فرماتے کہ طلبہ کا ذہن مطمئن ہو جاتا۔ سچ ہے، ملک وبیرونِ ملک کے بے شمار علماء نے آپ کی تحقیقات نادرہ اور علوم ومعارف سے استفادہ کیا ہے، وہ گواہی دیں گے کہ آپ صاحب بصیرت ادیب وفقیہ اور باکمال محدث ومفسر تھے۔

آپکا روحانی سلسلہ حکیم الامت مجدد تھانوی ؒ سے تھا اور اپنے مرشد کے عاشق زار تھے۔ آپنے اپنے اشعار میں حضرت تھانویؒ کو جس سوز جگر اور حرارتِ قلب کے جذبات میں ڈوب کر یاد فرمایا ہے، ان اشعار میں اردو تغزل کی رعنائیاں بکھری ہوئی ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ آپ انسان، کائنات اور خداوند عالم کے تصورات میں ڈوب کر معرفت الٰہی کے بحر بیکراں سے آبدار موتی کی جستجو میں رہتے یہی وجہ ہے کہ آپکے شعر وسخن کا رنگ تغزل آمیز ہے لیکن حسین مناظر میں تدبیر کرتے اور خیال آفرینی کے ذریعہ مالک کائنات کے کمال حسن وجمال کا شکریہ ادا کرتے جو ایک مومن کامل کی شان ہے،

آپ فی البدیہہ شعر وسخن کے جوہر بکھیرتے اور جب بھی موڈ آجاتا تو مرتجلاً بکثرت اشعار (اردو، عربی) کہا کرتے جسکی گواہی وہ بے شمار خدام دیں گے، جن کو حضرت کی صحبت بابرکت کا روحانی لطف حاصل رہا ہے۔ راقم آثم محمد عبد العلیم فاروقی کو بھی یہ سعادت حاصل ہے کہ وہ ۳۰ سال تک حضرت مرحوم کے پاس استفادہ کی غرض سے حاضر ہوتا رہا ہے جبکہ وہ وہاں زیر تعلیم تھا

اس زمانے میں کئی کتابیں اوائل پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے، اور اکثر و بیشتر درسی مشکلات کے حل کے لیے حضرت ہی سے مراجعت کی توفیق ہوئی، چنانچہ ایک مرتبہ مقامات حریری کے ایک شعر کے سمجھنے کیلئے حاضر ہوا وہ شعر حسب ذیل ہے

لقد اصبحت موقوذا باوجاع واوجالی۔

اس شعر کو سن کر حضرت نے برجستہ حسب ذیل اشعار سنائے

اخی عبد العلیم اجهد بتکمیل واکمال ، وانفق فی سبیل اللہ یا اخی باموال
بنی انت مختاری فخذ ما شئت من مالی ، فان الصدق ینجینا بلا ریب واشکال

اسی طرح حضرت نے اپنے مرشد حکیم الامت تھانوی رحؒ کی یاد میں جو اشعار کہے ہیں بطور نمونہ مندرجہ ذیل ان میں سے چند ملاحظہ فرمائیے

جا بیٹھے ہیں اسے حکیم الامت تھانہ بھون ، آپ سے کچھ اسعد بیمار کی باتیں کریں
آؤ بیٹھیں مرکز انوار کی باتیں کریں ، نور برسائیں رخ دلدار کی باتیں کریں
دوستوں کو یہ وصیت ہے چراغاں کی جگہ ، میری تربت پر جمال یار کی باتیں کریں
شور ہے جن کی مسیحائی کا سارے دہر میں ، آؤ ان سے اسعد بیمار کی باتیں کریں

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اہم فنی علمی کمال یہ بھی تھا کہ اسلامی دلائل وحقائق کو غالب کرنے کیلئے فرق باطلہ سے مناظرہ بھی کرتے اور پرچم فتح لہرا دیتے تھے۔ چنانچہ عیسائی پادریوں اور آریہ سماجیوں سے مناظرہ کر کے اپنا لوہا منوایا اللهم اغفر۔

ہفت روزہ صدق جدید لکھنؤ ۲۹ رجون ۱۹۷۹ء

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم اعلیٰ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور جو سالہا سال سے مستقل علیل اور بالکل صاحب فراش چلے آرہے تھے بالآخر ۱۰ / ۱۱ جون کی درمیانی شب میں راہی جنت ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون ط موت کا فوری سبب حرکت قلب کا یکایک بند ہو جانا بتایا گیا ہے، وفات کے وقت عمر ۸۰ سال تھی، تقریباً نصف صدی تک انہوں نے اس مشہور ہندوستانی دارالعلوم کی نظامت اور تدریس کے فرائض بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیئے۔

اپنی ساری زندگی اس دارالعلوم کے لئے وقف کردی تھی، علالت کا طویل زمانہ اسی مدرسے کے ایک حجرہ میں گذارا اور اسی حجرہ میں بالآخر وفات پائی، تقریباً ۸۰ سال ہوتے، خاکسار مدیر صدق جدید کو انکی آخری زیارت کا اتفاق ہوا تھا اسوقت وہ مجموعہ امراض نظر آتے تھے اور تقریباً سارے اعضاء جواب دے چکے تھے، صرف دماغ کام کررہا تھا خاکسار سے انہوں نے عم مرحوم مولانا دریابادیؒ کی تعزیت فرمائی، اور ان کی خدمات کی تحسین کی اور احقر کے عرض کرنے پر اسکے حق میں بھی دعائے خیر فرمائی تھی۔

تدریسی مشاغل اور مدرسے کے انتظامی امور کے ساتھ وہ مذاہب غیر خصوصاً مسیحیوں اور آریہ سماجیوں سے مناظرہ کرنے میں ایک زمانہ میں بڑی شہرت رکھتے تھے، بڑے بڑے مناظروں میں انھوں نے اسلام کا نام سربلند کیا تھا حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مرید تھے، مسائل حاضرہ سے بھی پوری واقفیت رکھتے اور دینی حمیت و غیرت کیلئے ممتاز تھے، اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کا اجر جزیل مرحمت فرمائے، آمین

ہفت روزہ آزاد سہارنپور ۱۴ جون ۱۹۷۹ء

یہ خبر نہایت رنج والم کے ساتھ شائع کی جارہی ہے، کہ حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب ناظم مدرسہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور نے ایک نہایت طویل علالت کے بعد ۱۰، ۱۱ جون ۱۹۷۹ء کی درمیانی شب میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا انا للہ وانا الیہ راجعون آپکے انتقال کی خبر شہر اور اطراف شہر بالخصوص دیوبند اور تھانہ بھون وغیرہ پہنچی اور پہنچائی گئی، لوگ جوق در جوق بلا لحاظ مذہب وملت مسلم اور غیر مسلم حضرات دارالعلوم میں جمع ہونے شروع ہوگئے چونکہ ناظم صاحب موصوف اپنی علمی قابلیت اور اوصاف حمیدہ اور خوش خلقی کے سبب عام مقبولیت رکھتے تھے۔

آپ کی فرض کفایہ نماز جنازہ تقریباً ۱۱ بجے ادا کی گئی جس میں ہزاروں کی تعداد میں عقیدت مند اور مخلص حضرات نے فرض کفایہ کو ادا کیا، دیکھیے غیر مسلم حضرات

کے شامل ہونے کی وجہ سے تقریبًا چالیس ہزار اشخاص کی شرکت تھی آپ کو حاجی شاہ کمالؒ والے قبرستان میں دفن کیا گیا، جنازہ کی چارپائی بلّیاں باندھنے کے علاوہ رسّی بھی باندھ دی گئی تھی، تاکہ عام آدمی کندھا دینے کے ثواب سے محروم نہ رہ جائے لیکن پھر بھی ہزاروں اشخاص اس ثواب سے محروم رہے۔

چونکہ سخت گرمی اور شدت پیاس کو محسوس کرتے ہوئے عام آدمیوں کے لئے ہمارے وطنی بھائیوں سے ہندو کمار سبھا کی طرف سے پھلواری آشرم پر ایک سبیل لگادی تھی جہاں پر شامیانہ بھی لگا ہوا تھا اور ٹھنڈے پانی کا بندوبست بھی تھا، اور تھکے ہوئے ضعیف اور کمزور لوگوں کے لئے عارضی سہولت کا بھی انتظام کیا گیا تھا، جاتے ہوئے جب جنازہ اس طرف سے لے جایا گیا۔ تو ہندو کمار سبھا کی طرف سے عقیدت کے پھول چڑھائے گئے۔

ناظم صاحبؒ مرحوم مغفور غالبًا ۱۹۰۲ء میں فارغ التحصیل ہوئے تھے، آپ اپنے ایک علمی قابلیت کے لحاظ سے یکتائے زمانہ تھے۔

مناظر، ادیب اور شاعری میں آپ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے آپکے شاگرد اپنے آپ کو لفظ اسعدی کے لکھنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

ابتدائی دور میں جب مناظروں میں مقابلہ کے لئے تشریف لے جاتے! تو آپ کی ساتھ ایک ہجوم رہتا تھا۔

ابن سیّد مامنا نظام احمد کا تعزیتی مراسلہ

محترم و مکرم جناب مولانا محمد اللہ صاحب زید لطفہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید کہ آپ بخیریت ہوں گے۔ یہ ناکارہ بخیریت ہے۔ حضرت الاستاذ حضرت ناظم صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ کی خبر رحلت نے دل و دماغ کو غیر معمولی طور پر متأثر کیا ہے۔ یقینًا آنجناب کیلئے یہ حادثہ فاجعہ نہایت المناک ہے۔ اللہ پاک آپ کو صبر جمیل کی دولت مرحمت فرمائیں۔ آمین۔

حضرت کی غیر معمولی شفقتیں جو مجھ ناکارہ پر تھیں ان کے اظہار کیلئے قلم

میں طاقت نہیں تھا یہ ہے کہ میں بھی اور میری طرح ہزاروں دوسرے حضرات ایک شفیق استاذ، شفیق مربی، اور شفیق باپ کے سایہ سے محروم ہو گئے۔ اللہ پاک ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔ آپ اپنے آپ کو اس غم میں تنہا تصور نہ کریں ہم سبھی خدام بارگاہ کو برابر کا شریک خیال فرمائیں۔ اللہ پاک حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو مراتب علیا سے سرفراز فرمائیں۔

میں برابر دعا اور ایصال ثواب کر رہا ہوں۔ خبر ملتے ہی مدرسہ میں قرآن خوانی بھی کرائی تھی۔ اور تین قرآن کریم کے ختم کا ثواب حضرتؒ کی روح کو طلباء و اساتذہ کی موجودگی میں پہونچایا گیا ہے۔ نیز ایک تعزیتی جلسہ بھی ہوا جس میں حضرتؒ کی وفات کو ملت اسلامیہ کا غیر معمولی حادثہ قرار دیا گیا ہے۔

گذارش تو آپ ہی سے کیجاتی مگر چونکہ آپ کا ذہن اسوقت یکسو نہ ہوگا اسلئے اگر کوئی صاحب آپ کی رہنمائی میں حضرتؒ کے حالات زندگی کو قلم بند کر دیتے تو بہت اچھا ہوتا۔ نظام کے صفحات حاضر ہیں۔ امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے

والسلام

طالب دعا احقر عبد القیوم مظاہری

مکتوب از دار العلوم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ

۲۸ رجب سنہ ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۴ جون سنہ ۱۹۷۹ء

مکرم و محترم جناب الحاج مولانا مظفر حسین صاحب زاد مجدہٗ

سلام مسنون!

دلی رنج و ملال کے ساتھ حضرت ناظم صاحبؒ کے انتقال کی خبر سننے میں آئی اور مدرسہ صولتیہ کے ماحول میں سب ہی اس سے بے حد رنجیدہ ہوئے اللہ تعالیٰ مظاہر علوم کو اکابر و صلحائے امت کی سرپرستی سے محروم نہ فرمائے آپ سب کو صبر جمیل اور مرحوم کو آخرت کے اعلیٰ مدارج سے متمتع فرمائے آمین تمام اہل مدرسہ کو میری اور اہل صولتیہ کی جانب سے سلام مسنون کے بعد دلی تعزیت فرمائیں انشاء اللہ اس

جمعرات کو تلاوت سورۂ یٰسین اور ختم قرآن پاک کا انتظام کیا جائے گا۔ حضرت شیخ مدظلہ، کل صبح کو نماز فجر کے بعد سید ھے جدہ (وہاں) سے لندن کیلئے روانہ ہوں گے پرسوں ان کی مجلس میں بھی حضرت ناظم صاحبؒ کے اور آپ سب کے تذکرے ہوتے رہے اہل تعلق و محبت کی یادوں کے تذکرے کسقدر دلنواز ہوتے ہیں۔ اور حضرت شیخ نے اپنے دیرینہ رفیق اور ساتھی کی جدائی کو جسطرح محسوس کیا وہ بھی اپنی جگہ ناقابل تحریر ہے اللہ تعالیٰ بقیۃ الباقیہ کو بھی آپ سب حضرات کو صحت وعافیت کے ساتھ دائم وقائم رکھے آمین۔

والسلام مع الکرام
محمد مسعود شمیم (ناظم مدرسہ)

برادر مکرم و معظم زیدت معالیکم　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

کل بذریعہ خط اس حادثہ فاجعہ کی خبر دل پر بجلی بن کر گری کہ مرشدی و مولائی حضرت ناظم صاحبؒ نور اللہ مرقدہٗ اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ افسوس کہ علم و عرفان کا مہر درخشاں ایک عرصہ تک عالم کو منور فرماکر روپوش ہو گیا افسوس صد افسوس کہ دنیا نگاہوں میں تاریک ہو گئی۔ حضرت والا کا حادثہ اگرچہ پوری ملت اسلامیہ کیلئے ایک عظیم حادثہ ہے لیکن جناب والا کو جو صدمہ پہنچا ہوگا اس کا کچھ اندازہ اپنے دل کی حالت سے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے آپ کو اور ہم سب متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب کو حضرت والا کے طریقہ پر قائم رکھے حضرت والا کا فیض، انکی حقیقی اور معنوی اولاد کے ذریعہ تا قیامت جاری رکھے اس ناکارہ نے اپنے اس مربی اور محسن کیلئے کل ہی سے دعا اور ایصال ثواب کا خاص اہتمام کر رکھا ہے اعزہ واحباب اور مدرسہ کے طلبا ایصال ثواب میں مصروف ہیں۔ صاحبزادگان اہلیہ محترمہ، مخدومہ آپا صاحبہ اور دیگر متعلقین کے ساتھ یہ ناکارہ بھی شریک غم ہے یہ ناکارہ جناب والا کی توجہات قلبی اور دعاؤں کا محتاج ہے۔ آپکے الطاف و عنایات اور توجہات ہمیشہ یاد تازہ ہے۔ حضرت والا نور اللہ مرقدہٗ تو اللہ تعالیٰ کے جوار رحمت کیطرف منتقل ہو گئے لیکن ہم پسماندگان کی دنیاوی و اخروی کامیابی کے لئے اپنی

پوری زندگی کو نمونہ بنا کر تشریف لے گئے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اس راستہ پر مرتے دم تک قائم رکھے آمین - خداوند قدوس کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ پسماندگان میں آپ جیسی شخصیت موجود ہے جسکو حضرت والا کا سچا اور حقیقی جانشین کہنا بجا و درست ہے اس سے بہت ڈھارس بندھی ہے اللہ تعالیٰ جناب والا کے درجات کو اور بھی بلند فرمائیں

مولانا احمد اللہ خاں حمیدی کا مکتوب

محترم المقام مشفقم بزرگوار جناب ناظم صاحب زاد لطفہ و مدظلہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

۱ یہ خبر معلوم ہو کر بے حد رنج و افسوس ہوا کہ ۵ار رجب المرجب سنہ ۹۹ھ کو حضرت استاذنا مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ط چند روز قبل یونہی کتابوں کی الماری سے "کلام اسعد" نکلا اور گھر میں چھوٹے بڑے سب ہی شوق سے پڑھتے رہے یہ کیا خبر تھی کہ مناسبت اور تعلق ایسا کر رہا ہے کہ انتقال پر ملال کی خبر معلوم ہونے سے پہلے بار بار تذکرہ اور یاد تازہ ہو رہی ہے یہ حضرت استاذی ناظم صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی محبت تھی اور ہمیشہ مجھے حضرت والا کے یہ الفاظ یاد رہتے ہیں کہ احمد اللہ تو ہمارا احمد اللہ ہے آج رات خواب میں دیکھا کہ میں اس جانکاہ خبر کو سنکر مادر علم و فن جامعہ مظاہر علوم سہارنپور پہنچا ہوں مزار پر حاضری ہوئی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کمرہ علماء کے اوّل دروازہ پر ہے اور قبر کی پائنتی کچھ دیوار کے اندر کو ہے۔ اور دروازہ کے بجائے اینٹوں کی جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ - اور قبر کچھ چھوٹی ہے۔

بہرحال حضرت ناظم صاحبؒ کی وفات حسرت آیات مظاہر علوم کیلئے بالخصوص اور تمام علمی و عملی اداروں کیلئے بالعموم ناقابل تلافی نقصان ہے۔ اس عظیم حادثہ کا آپکو اور ہم سب کو زبردست صدمہ ہے۔ تعزیت کس کی کریں؟ اللہ رب العزت ہم سب ہی کو صبر جمیل کی توفیق نصیب کریں۔ حق تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو جوار رحمت و جنت

علیا ہیں سے اعلیٰ مقامات سے سرفراز فرمائیں۔ ایصال ثواب کیا گیا اور کرایا گیا۔

محمد ٹری

مہتمم مدرسہ مظاہر علوم حیدر آباد (پاک)

۲۶ رجب المرجب ۹۹ھ

باسمہ تعالیٰ

مدرسہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

۱۷ رجب المرجب ۹۹ھ

۳۰ جون ۷۹ء

مخدومی حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم

ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

سلام مسنون نیاز مقرون

مورخہ ۱۳ جون ۷۹ء کے "الجمعیۃ"، کے ذریعہ یادگار اسلاف شیخ طریقت، ماہر علوم عقلیہ ونقلیہ، ادیب حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب (نور اللہ مرقدہ وبرد مضجعہ) کے سانحہ ارتحال کی روح فرسا خبر ملی۔ یہ خبر پڑھکر دل و دماغ پر ایک بجلی سی گری۔ پورے مدرسہ امدادیہ میں غم ورنج کی لہر دوڑ گئی۔ فوراً متعدد بار ختم قرآن اور ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا۔

حضرت موصوف کا انتقال پر ملال تمام علمی، دینی ادبی حلقوں کیلئے ناقابل تلافی نقصان ہے۔ آپ کی وفات پر ہزاروں بلکہ لاکھوں دل بے قرار اور آنکھیں اشکبار ہیں۔ مرحوم کی وفات پر علماء ومشائخ کے ایک عہد کا خاتمہ ہو گیا۔ ان کے کمالات اور کارنامے نگاہ کے سامنے گردش کر رہے ہیں اور دل میں رہ رہ کے کسک پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

اب ایسی جامع کمالات، خوش اخلاق، خوش خصال شخصیت کیلئے نگاہیں ترستی رہیں گی۔ حضرت مولانا تھانوی کی نظر کیمیا اثر و فیض صحبت نے مرحوم کو علم وعرفان کے جو جام پلائے تھے انھوں نے انکی شخصیت میں چار چاند لگا دیئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں علوم دینیہ کا شناور بنانے کے ساتھ شعر وادب تاریخ وتحقیق کے میدان میں بھی اونچا مقام عطا فرمایا تھا۔ آپکا بلند ادبی ذوق، شعر ونثر میں استاذانہ مہارت

چوٹی کے ادیبوں، شاعروں کیلئے باعث صد رشک تھا۔

ایشیا کی مشہور دینی درسگاہ مظاہر علوم سہارنپور کی آپنے اخلاص، لگن، محنت خاموشی اور بے ریائی کے ساتھ جو خدمات انجام دی ہیں وہ آب زر سے لکھنے کے لائق ہیں۔ جسمانی معذوریوں کے باوجود آپکا وجود مظاہر علوم کیلئے بہت بڑا سہارا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس خلا کو پر کرے۔

مدرسہ امدادیہ اور یہاں کے اساتذہ سے حضرت موصوف اور ان کے خاندان کو مشفقانہ لگاؤ تھا۔ حضرت کے پر دادا حضرت مولانا سعد اللہ مفتی اعظم ریاست رامپور اور مدرسہ امدادیہ کے بانی نجم الہند مولانا ڈپٹی امداد العلی اکبرآبادی کے درمیان گہرے مراسم تھے۔ مرحوم کے دادا حضرت مولانا لطف اللہ صاحب رام پوری مدرسہ امدادیہ میں معائنہ اور امتحان کی غرض سے برابر تشریف لاتے رہتے تھے۔ ان کے معائنے اب تک موجود ہیں۔ اس خاندانی تعلق کی بنا پر مرحوم کو اس ادارہ سے کافی تعلق تھا۔

آپ پر اس سانحہ سے جو گذر رہی ہوگی ہمیں اس کا اندازہ ہے لیکن اسوقت ہم بھی محتاج تعزیت ہیں آپ جیسے باکمال کی خدمت میں تعزیت کے کیا کلمات لکھے جائیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو جنت الفردوس کے بلند تر مقام سے نوازے اور پس ماندگان، مریدین، معتقدین، متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے

شریک غم

محمد باقر حسین غفرلہٗ

خادم مدرسہ امدادیہ مراد آباد

مفتی عبد القدوس صاحب رومی

مفتی شہر

سنہ ۱۳۹۹ھ ۱۸ رجب — پنجشنبہ ۱۴ جون سنہ ۱۹۷۹ء

دار الافتاء جامع مسجد آگرہ کا خط

عزیز گرامی اخی العزیز برادرم مولوی محمد اللہ سلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اخبار پابندی سے پڑھنے کی نہ تو عادت ہی ہے نہ ہی اسکی نوبت آتی ہے، کل شام کو ایک کرم فرمانے تین چار دن کے اخبارات بھیجدیئے اچانک کل ۱۳؍جون کے اخبار میں استاذ شفیق و محترم کے سانحہ ارتحال کی خبر پڑھکر سخت صدمہ ہوا انا للہ وانا الیہ راجعون ط ـــــ حضرت محترم یوں تو مدت ہی سے کالمیت فی ید الغسال ہو رہے تھے اور کسی وقت بھی ان کے بارے میں یہ خبر غیر متوقع نہ تھی لیکن کسی باپ بیٹے کا جو تعلق ہوتا ہے وہ بہرحال کسی وقت بھی اس صدمہ میں کمی نہ محسوس کر سکے گا، ایسی صورت میں آپ کو جتنا بھی صدمہ ہو وہ کم ہے لیکن میرے عزیز بھائی آپ تو ماشاء اللہ عالم و حافظ بھی ہیں حضرت مولانا علیہ الرحمہ کے تربیت دادہ بھی ہیں، موت و زندگی اور دنیا و آخرت کی حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں جب یہاں بڑی سے بڑی دینی شخصیت ہمیشہ نہ رہ سکی حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم جیسی ہستی بھی دوام نہ پاسکی جن کا وجود سراپا جود و خیر مجسم ہی تھا اللہ تعالیٰ نے کیسی صفائی سے فرمایا وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل

دو سال قبل جب ۲؍جون کو میرے والد صاحب علیہ الرحمہ کی وفات ہوئی تو حضرت مولانا ابرار الحق صاحب مدظلہ نے تعزیتی خط میں یہ مشہور شعر بھی نقل فرمایا تھا واقعہ یہ ہے کہ مجھے اس سے بیحد تسلی ہوئی تھی خدا کرے آپ کو بھی ہو جائے ؎

وخیر من العباس اجرک بعدہٗ ۔ واللہ خیر منک للعباس

دوسرے عزیزوں کو بھی یہی مضمون دکھادیں ۔ والسلام

عبد القدوس رومی ـ ۱۸؍رجب ۹۹ھ

جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ ضلع سہارنپور

مخدومنا المکرم جناب مولانا محمد اللہ صاحب زیدمت مجدکم ۔ سلام مسنون

۱۱؍جون ۷۹ء کو جب مشہور مناظر اسلام ایشیاء کی عظیم دینی درسگاہ جامعہ مظاہر علوم کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب کے انتقال پرملال کی خبر کانوں نے سنی تو پورے جامعہ میں رنج و غم کے بادل چھا گئے ۔ خبر پاتے ہی تمام طلباء ، اساتذہ

قرآن خوانی کی اور حضرتؒ کے لئے ایصال ثواب کیا۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرتؒ کے حادثۂ رحلت سے نہ صرف ایشیاء کی عظیم دینی درسگاہ مظاہر علوم ہی اپنے ایک جلیل القدر فرزند متبحر استاذ بہترین منتظم عظیم سرپرست، سے محروم ہو گئی ہے بلکہ یہ ملت اسلامیہ ہند کا ایک ایسا بڑا نقصان ہے جس کی تلافی بظاہر حالات مشکل معلوم ہوتی ہے بلاشبہ موت برحق ہے۔ ہر ایک کو آنی ہے مگر بعض شخصیتوں کی وفات انکی افادیت اور خصوصیت کی وجہ سے دلوں پر گہرا اثر چھوڑتی ہے۔ حضرتؒ کی شخصیت بھی انہیں میں سے ایک تھی۔

طلباء و اساتذہ نے بعد ایصال ثواب ایک تعزیتی قرار داد بھی منظور کی جس کا متن حسب ذیل ہے۔ ـــــــ

"جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ کے اساتذہ۔ کارکنان و طلباء کا یہ اجتماع ایشیاء کی عظیم دینی درسگاہ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحبؒ کی وفات حسرت آیات پر اپنے قلبی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ حضرتؒ اپنے علم و فضل زہد و تقویٰ کے لحاظ سے طبقۂ علماء کی ایک بے مثال شخصیت تھے۔ حضرت تھانویؒ سے روحانی تعلق، اور مظاہر علوم کے ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے مرحوم ایک عظیم انفرادی عظمت و شان رکھتے تھے، حضرتؒ کی وفات سے مدارس اسلامیہ خصوصاً مظاہر علوم میں جو خلا پیدا ہوا ہے بظاہر اسباب اس کا پُر ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے۔

جامعہ کے اساتذہ کارکنان و طلباء کا یہ اجتماع بارگاہ حق میں دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت العلامہ کو اعلیٰ علیین میں مقام بلند عطا فرمائے اور ہم سب کو انکے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے آمین

یہ اجتماع ان تمام حضرات سے جنکا حضرتؒ سے نسبی تعلق ہو یا علمی تعلق ہو خصوصاً (۱) حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب قائمقام ناظم مظاہر علوم سہارنپور اور ان کے توسط سے جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے اساتذہ کارکنان اور طلباء نیز (۲) حضرتؒ کے صاحبزادگان حضرت مولانا محمد اللہ صاحب مدرس اعلیٰ مظاہر علوم سہارنپور۔ مولوی امجد اللہ۔ محمد اجواد اللہ سے دلی ہمدردی اور اپنے دلی رنج و الم کا اظہار کرتا ہے اور دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے غم آگیں قلوب کو صبر و استقامت سے نوازے اور حضرتؒ کا صحیح جانشین بنائے آمین یارب العلمین

ادارہ جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ پسماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے

والسلام

محمد اختر مہتمم جامعہ ہٰذا

۲۱ رجون ۱۹۷۹ء

مولانا فخرالدین صاحب لاہوری کا مکتوب

محترمی! مولانا محمد اللہ صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

استاذنا المکرم حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی وفات حسرت آیات کی خبر سنکر سخت صدمہ ہوا۔ حق تعالیٰ سبحانہٗ مرحوم کی مغفرت فرماکر اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے اور درجات علیا نصیب فرمائے اور متعلقین اور ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ حضرت مولانا سلف کا نمونہ تھے اور مدرسہ مظاہر علوم کے گزرے دوران میں آپ کی ذات بابرکات کا جو فیضان تھا وہ آپکے جانے سے بند ہو گیا جسکی تلافی ناممکن ہے کیونکہ جو خلا پیدا ہوجاتا ہے وہ پر نہیں ہوا کرتا۔ اور مافوق سے مابعد کمتر ہی ہوا کرتا ہے اِلّا ماشاء اللہ۔

اس سانحہ ارتحال سے جو غم آپ کو ہوا ہے اسمیں ہم بھی آپکے ساتھ برابر کے شریک ہیں، پورا ایک قرآن مجید جو تلاوت کر رہا ہوں اور عنقریب ختم ہونے والا ہے، انشاء اللہ مرحوم کی روح کو ایصال ثواب کرونگا۔ والسلام

یکے از تلامذہ حضرت مولانا نوراللہ مرقدہٗ

احقر محمد فخرالدین فیض آبادی ثم لاہوری

۲ر جولائی ۱۹۷۹ء

مطابق ۱۰ر شعبان المعظم ۱۳۹۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۴ ارشعبان المعظم ۹۹ھ

جناب سعید احمد صاحب رائپوری ثم پاکستانی

مکتوب سامی

حضرت مولانا محمد اللہ صاحب زید مجدہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

مخدومنا ومکرمنا استاذی المکرم حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے انتقال کی اطلاع سے نہایت ہی صدمہ پہونچا۔ خصوصاً حضرت اقدس مولانا عبد العزیز دامت برکاتہم نہایت ہی غمگین ہیں بہت ہی زیادہ رنجیدہ و مغموم ہیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کیلئے دعاء مغفرت اور ایصال ثواب کرتے ہیں مدرسہ میں کلام پاک ختم کراتے ہیں اللہ تعالیٰ مرحوم کو اجر دیں اپنے اسلاف کے ساتھ جنت میں اعلیٰ مقام عطا کریں آمین اللہ تعالیٰ آپ و برادران و متعلقین و جملہ عقیدت مندوں کو صبر جمیل عطا کریں حضرت اقدس احقر اور سب متعلقین اس غم میں آپکے ساتھ برابر کے شریک ہیں آپکا وجود علماء و صوفیا کیلئے ایک نعمت عظیم تھا آپ یادگار سلف تھے آج یہ نعمت ہم ناقدروں سے لے لی گئی ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو صبر عطا کریں سب متعلقین سے بعد سلام مسنون مضمون واحد عرض ہے۔ والسلام

آپکا بھائی احقر سعید احمد رائپوری

سرگودھا بلاک ۲۲ مکان ۱۷ پاکستان

حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی امروہوی کا مکتوب گرامی

امروہہ ۱۷ ارجون ۷۹ء

محترم المقام۔ سلام مسنون

افسوس کہ آپکے والد ماجد حضرت مولانا اسعد اللہ ناظم مظاہر علوم دنیائے فانی سے رخصت ہوگئے

اس خبر سے قلب و روح کو بہت صدمہ پہنچا۔ ڈیڑھ دو سال سے زیادہ مدت ہوئی کہ مرحوم سے آخری ملاقات ہوئی تھی۔ بڑی محبت اور شفقت آمیز انداز سے ملتے تھے۔ ان کی مجلس میں علمی تحقیقات اور علمی نکات سننے میں آتے تھے اب ایسے محقق اور جامع اوصاف حمیدہ بزرگ جو اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ سے منفرد و ممتاز تھے۔ دیکھئے کو کہاں ملیں گے۔ مرحوم سے بہت کم ملاقات ہوئی اور جتنی مرتبہ ملاقات ہوئی دل کو سرور و کیف حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس نصیب فرمائے اور آپ کو اور جملہ متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین

حضرت مفتی سعد اللہ مراد آبادی ثم رام پوری نے پچھلی صدی کے آخر میں غالباً ۱۲۹۵ھ میں وصال فرمایا اور ان کے پر پوتے نے موجودہ صدی کے آخر میں تقریباً ایک سو چار سال کے بعد وصال فرمایا۔

فی الحال آپ حضرت مولانا مرحوم کی مختصر سوانح حیات اخبار الجمعیۃ وغیرہ کو بھیج دیں اور بعد کو فرصت سے تفصیل سے ان کی سوانح عمری کتابی صورت میں شائع کرائیں۔ یہ کام آپ خود اور دیگر اساتذہ مظاہر علوم کی مدد سے انجام دے سکتے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم بھی اس سلسلہ میں املاءً کچھ تحریر کروادیں گے۔

والسلام

نسیم احمد فریدی عفرلہ

دفتر طبی سوسائٹی طلباء جامعہ طبیہ دار العلوم دیوبند (یوپی)

زیر سرپرستی

صدر الجامعہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ

۱۴ $\frac{6}{79}$

مکرم و محترم جناب مولانا محمد اللہ صاحب استاذ مظاہر علوم سہارنپور

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

علم و معرفت کا بحر بیکراں جو ایک عرصہ سے تشنگان علوم و معرفت کو سیراب کر رہا تھا وہ سمندر ۱۵ ر رجب المرجب کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے تھم گیا۔

آنجناب کے والد مرحوم رئیس المتکلمین وخاتم الفقہا والمحدثین حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب کی وفات سے علمی حلقوں کو ناقابل تلافی نقصان پہونچا ہے، اور خاص کر جامعہ مظاہر علوم کو۔ ہم طلباء جامعہ طبیہ دیوبند آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار خاص میں جگہ عطا فرمائے۔ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق اور ہمیں حضرت قدس سرہٗ کا نعم البدل عطا فرمائے

والسلام

احقر محمد حبیب قاسمی ناظم انجمن طلبا سوسائٹی
طلباء جامعہ طبیہ دار العلوم دیوبند۔ یوپی

شری ہری سنگھ جین ڈگری کالج سہارنپور

(ہندی تحریر کا ترجمہ)

جامعہ مظاہر علوم کے صدر مدرس کی وفات پر جین ڈگری کالج کے طلبہ کو جو صدمہ پہنچا ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ مرحوم نے تعلیمی و مذہبی میدان میں جو ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں وہ ظاہر ہیں۔ ان کی وفات سے اس علاقہ کو جو نقصان پہنچا ہے وہ ناقابل بیان ہے ہم اب ان کیلئے صرف یہی دعا کرسکتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ ان کی روح کو سکون دے براہِ کرم اپنے اساتذہ و طلبہ کو ہمارا تعزیتی پیغام پہنچادیں۔ ہم ان کے غم میں برابر کے شریک ہیں فقط ۱۳ر جون ۷۹ء

جناب انیس احمد صاحب ترکیسر (سورت) کا خط

بخدمت شریف حضرت المعظم والمکرم مفتی صاحب دام فیوضکم

بعد سلام مسنون۔ معروض اینکہ حضرت ناظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کی اطلاع کسی طالب علم کے خط سے یہاں مدرسہ میں معلوم ہوئی۔ مدرسہ میں ایصال ثواب اور دعا ہوئی تمام مسلمانوں کیلئے خصوصاً ہم لوگوں کیلئے انتہائی رنج اور افسوس کی بات ہے کہ ہم سے بزرگوں کا سایہ اٹھتا چلا جارہا ہے حضرت مرحوم جیسے صاحب ورع وتقویٰ عالم ربانی

حضرت کی وفات کی خبر بذریعہ روزنامہ "عزائم" لکھنؤ ملتے ہی دارالعلوم فاروقیہ کے اساتذہ وطلبہ نے قرآن خوانی کرکے ایصال ثواب کیا۔ اور اپنے دلی جذبات بذریعہ ٹیلیگرام آپ تک پہونچا دیتے۔

حضرت والد ماجد مدظلہ پر بھی اس حادثہ کا کافی اثر ہے اور وہ بھی آپ کی خدمت میں تعزیت مسنون پیش کرتے ہیں۔ آخر میں آں مخدوم سے یہ گزارش ہے کہ اپنی شفقتوں اور عنایتوں سے اس حقیر تہی دامن کو محروم نہ کریں اور حضرت رحمۃ اللہ کے اس دور افتادہ خادم کیلئے دعائے خیر فرماتے رہیں۔ والسلام

خادم عبد العلی غفرلہٗ ۲۲ رجب المرجب سنہ ۹۹ھ

کنز العلوم ٹانڈہ ضلع فیض آباد

عزیز محترم مولانا محمد اللہ صاحب سلمہ اللہ دعافاہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بہت عرصہ کے بعد حادثہ عظیمہ سانحہ ارتحال حضرت سیدی ومولائی مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اطلاع ملی انا للہ الخ مدرسہ کے تمام اصاغر واکابر کو سخت دھچکا لگا مدرسہ کے اراکین اور عام متعلقین میں شدید رنج وغم کی لہر دوڑ گئی۔ فوراً جلسہ تعزیتی منعقد کیا گیا۔ جسمیں اس عظیم حادثہ کو ملت اسلامیہ کیلئے عموماً اور مظاہر علوم کیلئے خصوصاً بہت بڑا نقصان قرار دیا گیا۔ سب حضرات نے قرآن خوانی کرکے ایصال ثواب کیا اور مرحوم کیلئے مغفرت اور رفع درجات کی دعا کی۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم متعلقین دینی وروحانی اعتبار سے اب بالکل یتیم ہوگئے۔ حضرت مرحوم کی ہستی تھی جو دنیا میں علمی وعملی رہنمائی میں ظاہری سہارا تھی۔ پروردگار عالم سے دعا ہے کہ آپ سب حضرات کو صبر وبرداشت کی توفیق بخشیں اور حضرت علیہ الرحمۃ کے نقش قدم پر چلائیں۔

حضرت آپا صاحبہ کا اس پیرانہ سالی اور ضعف کے عالم میں بہت خیال رکھیں۔ کیونکہ ابوین کی خدمت نسبت اور حقوق سمٹ کر اب صرف والدہ محترمہ میں آگئے ہیں۔ میری طرف سے سلام مسنون اور درخواست دعا کے ساتھ صبر وشکر کی بھی درخواست فرمادیں۔

اگر ممکن ہو تو حسب موقع آخری حالات وصال سے مشرف فرمائیں
مدرسہ کے اراکین واساتذہ وطلبہ سبھی لوگ سلام مسنون کے ساتھ آپ حضرات کے لئے صبر وتحمل۔ اور حضرت مرحوم کیلئے مغفرت اور بلندی درجات کی دعا کرتے ہیں۔
عزیزان امجد اللہ و احمد اللہ سلمہم کو مضمون واحد ہے والسلام

مدرسہ کنز العلوم ٹانڈہ ضلع فیض آباد

مولانا محمد مرتضیٰ صاحب ندوۃ العلماء لکھنؤ کا مکتوب

مخدوم زادہ مخدوم زید مجدکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجھے افسوس اور ندامت ہے کہ میں بڑی تاخیر سے یہ عریضہ لکھ رہا ہوں اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائیں۔ میں بستی گیا ہوا تھا ۱۳ر جون کی شام مغرب سے پہلے ایک ہفتہ بعد لکھنؤ پہونچا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی حادثہ کی اطلاع ملی سخت صدمہ پہونچا۔ خیر و برکت اٹھ جانے سے جو خلاء محسوس ہوا اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا، اللہ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائیں اور آپ وہم سب خدام کو صبر وسکون عطا فرمائیں۔ یہ حادثہ سننے کے بعد مسجد میں مغرب کی نماز پڑھنے گیا تو معلوم ہوا کہ مولانا محمد میاں جکے پیٹ میں درد کی تکلیف صبح سے ہے کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ہے اسپتال لے جائے جارہے ہیں۔ یہ خبر سنکر اسپتال جانے کی تیاری کی ارادہ ہوا عشاء کی نماز پڑھکر جائیں۔ عشاء کی نماز کے فوراً بعد اطلاع آگئی کہ وہ ہمیشہ کیلئے رخصت ہوگئے دل و دماغ اس اطلاع سے ماؤف ہوگئے۔ حضرت مولانا بھی بمبئی میں تھے۔ اسلئے یہ حادثہ اور بھی بڑا المناک ہوگیا۔ صبح جنازہ رائے بریلی لیجایا گیا ہم سب اسی صدمہ میں لگے رہے اور مجھے توفیق نہ ہوئی کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سانحہ وفات پر ایک عریضہ آپ کو لکھ پاتا۔
الحمد للہ میں اور میرے بچے حضرت کیلئے اور آپ حضرات کیلئے برابر دعا کر رہے ہیں

یہاں روزانہ ختم میں دعائے مغفرت کی جارہی ہے۔ سعید سلمہٗ کا خط ریاض سے آیا ہے انھوں نے لکھا ہے کہ حضرت کیلئے برابر ایصال ثواب کر رہا ہوں!
افسوس ہے کہ حضرت کی وفات سے ایک دور ختم ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو ہر طرح خیر و عافیت سے رکھیں اور مدرسہ کو ہر فتنہ سے محفوظ رکھیں۔
والدہ ماجدہ مدظلہا کی خدمت میں نیازمندانہ سلام عرض کریں۔ بچوں کو سلام دعا

والسلام
خادم مرتضیٰ ۷رشعبان ۹۹ھ

مکتوب حبیب

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

۱۷رشعبان ۹۹ھ

محترم المقام جناب مولانا محمد اللہ صاحب زاد لطفہٗ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اخبار و سہارنپور کے خطوط سے مخدومنا استاذی المحترم کی خبر جانکاہ معلوم کر کے قلبی صدمہ ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حق تعالیٰ نے حضرت مولانا کو کمالات ظاہری و باطنی سے اسطرح نوازا تھا کہ بدل مشکل ہے یوں دنیا اہل کمال سے خالی نہیں رہے گی لیکن حضرت کی جامعیت و خصوصیت اپنی مثال خود تھی رشد و ہدایت میں ایسا لطیف پیرایہ اختیار فرماتے کہ بے شمار بھٹکے ہوئے انسانوں بالخصوص انگریزی دانوں کو راہ پر لگا دیا۔ جو کوئی آپکے پاس بیٹھتا فکر آخرت لیکر اٹھتا۔ قلوب کو دنیا سے سرد کر دینا آپ کی امتیازی شان تھی فراغت کے بعد ایک دفعہ خادم کو حاضری کی سعادت نصیب ہوئی تو مجلس میں اثناء گفتگو میں مکان کا ذکر آیا فورًا فرمایا کہ زندگی گذارنے کیلئے سر چھپانے کو ایک جھوپڑی کافی ہے۔ کچھ ایسے انداز سے فرمایا کہ حضرت رحمہ اللہ کا یہ ارشاد میرا عقیدہ بن گیا۔ علوم ظاہری و باطنی کے علاوہ زہد و تقویٰ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلیٰ مرتبہ سے نوازا تھا اللہم سب خدام کو آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے اور جملہ متعلقین و پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے اور حضرت استاذی المحترم کو جنت الفردوس عطا فرمائے

نیز ہملیشہ مراتب بلند فرماتا ہے ۔ آمین
والسلام
حبیب احمد عفرلہٗ کرٹھہ ۔ آلہ آباد

مولانا محمود یوسف پاسا رنگون برما کا مکتوب گرامی

برادر محترم ومکرم مولانا محمد اللہ صاحب زادت معالیکم
السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید ہے کہ مزاج شریف بخیر ہوگا احقر بفضلہ تعالیٰ مع الخیر ہے پرسوں دوپہر کو عزیز مولوی حافظ ابراہیم برمی سلّمہٗ کے تار سے بذری استاذی محسنی حضرت اقدس قدس سرہٗ کی وفات اندوہناک کی خبر ملی اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات کو بلند فرمائے اور مقام اعلیٰ سے نوازے حضرت والا قدس سرہٗ صرف آپکے جسمانی وروحانی باپ ہی نہیں تھے، بلکہ سینکڑوں ہزاروں روحانی اولاد کے باپ تھے ۔ برما میں سینکڑوں تلامذہ کی جماعت کو صدمہ ہوا ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو بے شمار کمالات سے نوازا تھا ۔ میری عرصہ سے دلی تمنا تھی اور بار بار اللہ میں دعا کیا کرتا تھا کہ زندگی میں کم ازکم ایک بار ملاقات وزیارت ہوجائے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے سیہ کار کی دعوت کو شرف قبولیت سے نوازا اور ڈیڑھ مرتبہ حاضری کی سعادت نصیب ہوئی احقر کو اس پر فخر ہے کہ دوسری مرتبہ قدم مبارک دابنے کی نعمت عظمیٰ سے مشرف ہوا ۔ اور بار بار بیٹا بیٹا کے محبت بھرے الفاظ سے یاد فرمایا ۔ حضرت والا کی کس کس شفقت کا ذکر کروں ۔

۵ سال کا عرصہ کم نہیں ہے اس مدت میں میرے ساتھ حضرت کا جو معاملہ وبرتاؤ رہا اسکی تفصیل کیلئے ایک رسالہ تیار ہو سکتا ہے ۔ متعدد کتابیں خصوصًا مشکوٰۃ شریف نسائی شریف ابن ماجہ درمختار مثنوی شریف وغیرہ پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی ۔ حدیث کی تمام کتابوں کی اپنے دست مبارک سے الگ اجازت فرمائی ۔ طالب علمی کے زمانہ میں متعدد جلسوں میں حضرت کے ایک خادم کی حیثیت سے سفر میں

ساتھ رہا۔ شملہ میں مرزائیوں سے جو مناظرہ ہوا اسمیں اور دھلی میں ایک انجمن کے سالانہ جلسوں میں مسلسل کئی سال قادیانیوں سے مناظرے ہوتے تھے ہمیشہ مجھے ساتھ لیجایا کرتے تھے۔ عمر میں پہلی بار جمعہ کی نماز حضرت ہی کے ارشاد پر چاند پور میں پڑھایا خطبہ کو برجستہ املا کرایا اور ریسا ہی معاملہ وعظ کا ہوا میری ہر طرح کی تربیت میں زیادہ حصہ حضرت موصوف قدس سرہٗ اور حضرت مولانا زکریا صاحب قدس سرہٗ کا رہا ہے یوں تو میری خوش نصیبی ہے کہ تمام اساتذہ کرام کی شفقت مجھ پر رہی ــــ آپ جب چھوٹے تھے اور ٹائیفڈ کے مرض میں مبتلا ہوئے یہ خادم حضرت قدس سرہٗ کا دست بازو بنا رہا جب انشاءاللہ ملاقات ہوگی زبانی سناؤں گا پھر میں بھی اسی مرض میں مبتلا ہوا تو ہر دو نوں مذکور حضرات رحمہا اللہ نے میری تیمار داری فرمائی کہ شفیق باپ اس سے زیادہ نہیں کر سکتے ۔مولانا صبر فرمائیں بلکہ آپ تمام متعلقین کو صبر کی تلقین کریں میں نے غالبًا اسی روز ایک عریضہ ڈاک خانہ کے حوالہ کیا جب کہ حضرت اپنے محبوب حقیقی سے یا تو جا ملے یا تیاری میں تھے اب آپ کے ملاحظہ سے گذرا ہوگا یہ عریضہ تھا بہت عجلت میں لکھ رہا ہوں اس ہفتہ دارالعلوم تانبوے میں درس بخاری کا جلسہ ہے اسکی تمام ذمہ داری میرے حوالہ میں ہے عزیز گرامی قدر مولوی حافظ گورا صاحب سلمہٗ سے میرا السلام علیکم کہدیں ان کو مستقل عریضہ تعزیت لکھونگا صاحبزادہ سے بھی میرا سلام غرضیکہ تمام متعلقین گھر کے بڑے چھوٹے سب کو بعد سلام پیغام تعزیت پہونچادیں حضرت قدس سرہٗ کے علمی وعملی کمالات کے بارے میں کچھ لکھنا میری طاقت میں نہیں اب مظاہر علوم بالکل یتیم ہوگیا۔

محتاج دعا احقر محمود داؤد یوسف

عزیز گرامی قدر مولانا مفتی مظفر حسین صاحب سلمکم اللہ دعا فاکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید ہے کہ آپ جملہ متعلقین بعافیت ہوں گے، میں بھی بفضلہ تعالیٰ بخریت ہوں آج ۱۲ ارجون ۷۹ء کے الجمعیۃ میں یہ خبر پڑھکر ہمہ بیحد رنج ہوا کہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون!

ایک بہت بڑے علم و عرفان کے چراغ کی روشنی سے ہم محروم ہو گئے ۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں ۔ میرے بڑے شفیق استاذ تھے جب بھی جانا بڑی محبت و شفقت سے پیش آتے، دعائیں کرتے اور میری دنیوی دینی ترقی سے نہ صرف خود خوش ہوتے بلکہ جو لوگ اس وقت ان کے پاس بیٹھے یا کھڑے ہوتے تھے ان کو پورا تعارف کراتے اب اس درجہ کے عالم جو اُٹھ جاتے ہیں تو ان کا بدل نظر نہیں آتا ان کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہوں،

مہربانی فرما کر ان کے متعلقین میں سے جو وہاں موجود ہوں ان کو میری طرف سے تعزیت کے کلمات پہنچا دیں ۔ والاجر علی اللہ میرے لئے دعا فرماتے رہا کریں

قاضی مظہر الدین احمد بلگرامی

سید امتیاز حسین صاحب رام پوری کا مکتوب گرامی

محترمی ۔ مولوی محمد اللہ صاحب زید کرمکم سلام مسنون!

۱۵ر جون کے اخبار الجمعیت سے حضرت محترم طاب ثراہ کی رحلت کی روح فرسا خبر معلوم ہوئی ، ار جون کے دعوت اخبار سے کچھ تفصیل کا پتہ چلا ۔ ذہنی اور جذباتی طور پر میں اس حادثہ کو انگیز کرنے کے لئے تیار نہیں تھا ۔ بہر حال مرضی مولیٰ ۔ میں تو شرف قدم بوسی کے حصول کو سوچ رہا تھا مگر افسوس مقدر نہ تھا مگر پھر سوچ رہا تھا آپ کو تعزیتی الفاظ سوائے اسکے اور کیا لکھوں کہ آپ سایہ پدری سے محروم ہو گئے ،، آپ کے دل پر جو گذر رہی ہو گی وہ دوسرا نہیں سمجھ سکتا ۔ آپ حساس واقع ہوئے ہیں دل و دماغ بہت متاثر ہوں گے اور ہونا بھی چاہیئے مگر یہ دنیا دار فانی ہے اور سنت اللہ غیر متبادل کش مکش حیات کی ساری ذمہ داریاں آپ پر آگئی ہیں ۔ ایک قوی ۔ وسیع ۔ قابل لحاظ ذریعہ اور عالم اسباب کا مضبوط سہارا جاتا رہا ۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو صبر جمیل کی توفیق بخشے ۔ اگر چہ ایسے روح فرسا حادثہ پر تلقین صبر بھی مشکل مسئلہ ہے ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی ہمت اور صلاحیت بخشے ۔ میں ایک دور افتادہ مجبور اور معذور انسان آپ حضرات کا نیاز مند ہوں ۔ جو ارتباط رہا ہے اسکو یاد کرتا ہوں ۔ آپ کی کرم النفسی سے یقین ہے

کہ یاد آوری اور کرم فرمائی کا سلسلہ جاری رکھیں گے ۔ رامپور آئیں گے تو شرف
ملاقات سے سرفراز فرمائیں گے ایک عریضہ جوابی بخدمت اقدس مولانا ضیاء اللہ خان صاحب مد
ظلہ مدظلہ بھی ارسال کر رہا ہوں ۔ مولوی الطاف احمد صاحب قاری گورا صاحب ۔
مختار اسعد سلمہ اللہ تعالیٰ اور دیگر پرساں حال کو ہدیہ سلام مسنون ۔ یادگاریں
ہیں حضرت قدس سرہ کی شفقتیں اور تلطف آمیز خطوط ۔ دل روتا ہے اور دماغ متاثر
ہے اللہ تعالیٰ آپ کو مع متعلقین اپنے حفظ وحمایت میں رکھے ۔ دعائیں وسلام ۔ ناچیز ابتیاز

مولانا منظور احمد صاحب مظاہری کا مکتوب

بگرامی خدمت جناب بھائی مولانا محمد اللہ صاحب مدظلہما

بعد سلام مسنون یہ کہ آنے والوں کے ذریعہ حضرت الاستاذ کی وفات حسرت آیات
کی خبر معلوم ہو کر صدمات سے حواس مختل ہو گئے کئی سال سے علالت وضعف کا
سلسلہ چل رہا تھا اسلئے امید تھی کہ ابھی حضرت کی زیارت نصیب ہو گی مگر مقدرات
الٰہیہ پورے ہو کر رہتے ہیں ہم خدام کے سر سے روحانی باپ اور نہایت شفیق مربی واستاذ
کا سایہ اٹھ گیا اور آپکے لئے تو دوہرا صدمہ ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے تسلیات
سے نوازے ۔ اسوقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو جو ایک اعرابی نے تعزیت کی تھی
اسکی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں ہم سب محتاج تعزیت ہیں اللہ تعالیٰ اپنے
فضل وکرم سے صبر جمیل واجر جزیل عطا فرمائے ۔ اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مغفرت
کلی فرمائے اور جنت الفردوس میں درجات عالیہ سے نوازے ۔ یہاں کے اخبار میں
بہت ہی اہتمام سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کی خبر اور مختصر حالات شائع کئے گئے ۔
حضرت حضرت شاہ صاحب کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ لم ترالعیون مثلہ لیکن میں یہی
بات حضرت کے بارے میں کہہ سکتا ہوں سب بھائیوں کو سلام عرض ہے ۔

فقط سوگوار

منظور احمد مظاہری

مدرسہ جامع العلوم کانپور

۱۸ر رجب سنہ ۹۲ھ

دیگر مکتوبات کی فہرست

۱ ـ جناب مولانا ثناء اللہ صاحب دارالعلوم العربیہ اسلامیہ اجمیری گیٹ جودھپور راجستھان
۲ ـ " مسعود احمد صاحب ۱۳ بی الوشک رتنا گار بمبئی ۹۲
۳ ـ " رسالدار عبدالصمد صاحب دربار پور ضلع بلند شہر (یوپی)
۴ ـ " زاہد عمر صاحب لاکھنو ضلع علی گڑھ
۵ ـ " انصار احمد صاحب صدیقی انچارج گورنمنٹ یونانی ڈسپنسری ڈاکخانہ ناگپور دایا رتیا ضلع حصار (ہریانہ)
۶ ـ " مولانا سید شاہ صبغۃ اللہ صاحب بختیاری استاذ حدیث مدرسہ باقیات صالحات ویلور شمالی ناڈو (جنوبی ہند)
۷ ـ " مولانا عبدالحفی صاحب کراچی ۱۴
۸ ـ " قاری یعقوب صاحب ۱۰۲ ـ ۱۲۹ ایس ٹی رنگون برما
۹ ـ " یوسف کاوی صاحب ڈابھیل ضلع بلساڑ
۱۰ ـ " مولانا جمیل احمد صاحب مدرس مدرسہ رحمانیہ ہاپوڑ
۱۱ ـ " مولانا ضیاء صاحب ڈاکخانہ ڈی گا ماگوا
۱۲ ـ " مہتمم صاحب مدرسہ بدرالاسلام شاہ گنج ضلع جونپور
۱۳ ـ " عبدالعزیز مظاہری خطیب جامع مسجد صراف بازار رائچور ۵۸۴۱۰۱ (کرناٹک)
۱۴ ـ " مولانا محمد اسلم صاحب قاسمی مہتمم مدرسہ اسلامیہ عربیہ بجامع الہدیٰ مرادآباد
۱۵ ـ " مولانا شمیم احمد صاحب مدرسہ رحمت العلوم ردنرہ ہزاری باغ ـ
۱۶ ـ " مولانا مشتاق عالم قاسمی پورنوی مدرسہ حسین بخش دہلی ۶
۱۷ ـ " قاری آصف صاحب رام پور (یوپی)
۱۸ ـ " مولانا محمد ہارون صاحب انجمن مدرسہ اسلام ۸۰ ڈی فیرس لین کلکتہ ۱۲
۱۹ ـ " محمد رستم علی صاحب تالبازی مدرسہ پورنیہ (بہار)
۲۰ ـ " محمد مسعود اللہ صاحب مدرسہ ڈھاکہ ضلع مشرقی چمپارن

۲۱ ــ جناب حاجی احمد جی، موسیٰ جی نواپور ضلع دھولیہ مہاراشٹر
۲۲ ــ ,, مولانا محمد عثمان غنی صاحب بردوانی مدرسہ دارالعلوم نیڈوہ بنگلی (بنگال)
۲۳ ــ ,, مولانا وصی اختر صاحب الاسعدی مدرسہ اسلامیہ آداپور (چمپارن) بہار
۲۴ ــ ,, مولانا معظم علی صاحب مظاہری سابق امام مسجد مدرسہ قدیم مظاہر علوم سہارنپور (از ہتورا باندہ)
۲۵ ــ ,, سعید احمد صاحب سرگودھا بلاک ۲۲ مکان ۱۷
۲۶ ــ ,, یعقوب احمد دلوی دارالعلوم ماٹلی والا شہر بھروچ گجرات
۲۷ ــ ,, مولانا ابوالبرکات صاحب استاذ جامع العلوم ٹپکا پور کانپور
۲۸ ــ ,, مولانا عبدالقیوم صاحب دارالعلوم جامع مسجد میرٹھ
۲۹ ــ ,, مولانا محمد نعیم الاسلام استاذ مظاہر الاسلام سمہا ڈاکخانہ سمریا ضلع ہزاری باغ
۳۰ ــ ,, مولانا عبدالرزاق صاحب احمد آباد
۳۱ ــ ,, حکیم حاجی شوکت علی صاحب خیر نگر مرکز والی مسجد شہر میرٹھ ۲
۳۲ ــ ,, مولانا زاہد خاں صاحب زاہد کدہ مدینہ آباد علی گڈھ
۳۳ ــ ,, عزیز الٰہی صاحب آخون منزل حسن پور ضلع مرادآباد
۳۴ ــ ,, جناب مولانا محمد مشتاق احمد صاحب قاسمی سمریاواں بازار ضلع بستی
۳۵ ــ ,, مولانا عبدالغفار صاحب استاذ دارالعلوم چھاپی گجرات
۳۶ ــ ,, مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کچھولوی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ,,
۳۷ ــ ,, مولانا احمد مرتضیٰ صاحب اسعدی مدرسہ تعلیم القرآن رانی گنج (گیا)
۳۸ ــ ,, مولانا محمد احمد صاحب دولت خاں مسجد محلہ مغلپورہ ۔ خورجہ ۔ بلند شہر
۳۹ ــ ,, مولانا محمد حیات صاحب جامعہ حیات العلوم مرادآباد
۴۰ ــ ,, مولانا محمد عتیق صاحب موضع فتح گڈھ منگا شاہ اسٹریٹ مکان ۲۷۶ بھوپال
۴۱ ــ ,, مولانا محمد نفیس صاحب مدرسہ جامع العلوم مجیدی پریس ٹپکا پور کانپور
۴۲ ــ ,, مولانا عبدالغنی صاحب احمد آباد
۴۳ ــ ,, مولانا محمد سجاد صاحب جونپوری مدرسہ بیت العلوم سرائمیر اعظم گڈھ
۴۴ ــ ,, مولانا محمد محی الدین صاحب مخزن العلوم دارانگر

۴۵ - جناب مہتمم صاحب مدرسہ احمد العلوم خانپور (سہارنپور)
۴۶ - " عبدالرؤف صاحب محلہ نعمت اللہ شاہ کی زیارت مسجد نہٹور ضلع بجنور
۴۷ - " مولانا محمد قربان صاحب اسعدی ساروی بدرالعلوم گڈھی دولت وایا کاندھلہ
۴۸ - " مولانا سکندر علی صاحب مظاہری مدرسہ زینت العلوم بنکی ڈاکخانہ کوڑیا گونڈہ
۴۹ - " مہتمم صاحب مدرسہ نافع العلوم کوزانہ ڈاکخانہ گلاؤٹھی ضلع میرٹھ ۔
۵۰ - " محمد علی صاحب سلطانپوری محلہ بانس منڈی $\frac{49}{119}$ شہر کانپور
۵۱ - " مولانا محمد یوسف صاحب بستوی جامعہ عربیہ خیر العلوم شہر بستی
۵۲ - " مولانا سید محمد عبداللہ صاحب سنڈیلہ
۵۳ - " مولانا عابد صاحب اسعدی بھائی ٹولہ پہانی ہردوئی
۵۴ - " مولانا محمد شفیع صاحب مدرسہ اسلامیہ بنادوقیحیاں دھام پور ضلع بجنور
۵۵ - " مولانا زبیر احمد صاحب میواتی مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی ۶
۵۶ - " نفیس احمد صاحب کالی باڑی بریلی
۵۷ - " مولانا قمرالزماں صاحب مدرسہ بیت المعارف الہ آباد
۵۸ - " مولانا حکیم انعام اللہ صاحب الوینہ ہاؤس علیگڈھ
۵۹ - " حکیم کلیم اللہ صاحب الونہ ہاؤس علی گڈھ
۶۰ - " مولانا عبدالرحیم صاحب بھتے پوری مدرسہ حسینیہ قاسم العلوم پہاڑی دروازہ
دھام پور ضلع بجنور
۶۱ - " مولانا کفایت اللہ صاحب پالن پور گجرات
۶۲ - " مولانا عبدالاحد صاحب استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند ضلع سہارنپور
۶۳ - " مولانا ضیاء الدین صاحب مظاہری بھاؤنگر گجرات
۶۴ - " ڈی۔ اے اسمٰعیل ناظم جامعہ اسلامیہ بھٹکل
۶۵ - " محمد اسلام صاحب بازار گذری امروہہ ضلع مرادآباد
۶۶ - " مولانا حبیب صاحب الحق افکار ادریسہ مریا داں بازار ضلع بستی
۶۷ - " مولانا محمد حیدر صاحب انچی ذمی العلوم ڈیلوریہ پوسٹ کھندوہ گرام
ضلع بیربھوم مغربی بنگال

۶۸- جناب مولانا یعقوب صاحب ڈاکو

۶۹- جناب ، باب الدین جامعہ عربیہ ہتھورا ضلع باندہ

۷۰- ،، ، احمد لولات صاحب گجراتی (پتہ نہیں لکھا)

۷۱- ،، محمد دین صاحب ،،

۷۲- ،، محمد افضال صاحب بہار ،،

۷۳- ،، عبدالوہاب صاحب ،،

۷۴- ،، بشیر احمد صاحب چمپارنی ،،

۷۵- ،، عبداللہ صاحب آسامی ،،

۷۶- ،، مولانا نعیم الدین صاحب لطیفی مظاہری بستی ،،

۷۷- ،، محمد صابر صاحب سشتہ ،،

۷۸- ،، محفوظ الرحمٰن صاحب ،،

۷۹- ،، ،، مولانا کبیر المظاہری ،،

۸۰- ،، ،، محمد عبیداللہ الاسعدی ،،

۸۱- ،، غلام نبی صاحب ،،

۸۲- ،، عظمت اللہ صاحب ،،

۸۳- ،، حافظ محمد اطہر صاحب امانت پورہ مرادآباد

۸۴- ،، اشفاق حسن شہاپور

۸۵- ،، مولانا نسیم اللہ مظاہری مدرسہ حفظ القرآن پرتاپ گڈھ

۸۶- ،، مولانا منصور احمد مظاہری و مولانا عبدالکریم مظاہری مدرسہ اسلامیہ عربیہ بنکی گاؤں ضلع بستی

۸۷- ،، مولانا اظہار الحق صاحب مدرسہ شرف العلوم کنہواں وایا پریہار سیتامڑھی بہار

۸۸- ،، محمد ولی صاحب رنگون برما ٹیلیگرام

۸۹- ،، صدر مدرس مدرسہ عالیہ حفظ العلوم چاندنی چوک دہلی ٹیلیگرام

۹۰- ،، یوسف صاحب اسعدی رنگون برما ،،

۹۱- ،، عبدالرزاق صاحب کٹھیار (بہار) ،,

۹۲ ـ جناب مولانا قاری صدیق احمد صاحب (اطلاع تشریف آوری) بیلگام
۹۳ ـ " مولانا محمود ماسا صاحب رنگون برما "
۹۴ ـ " ضیاء اللہ صاحب واسکوڈی گاما گوا "
۹۵ ـ " دارالعلوم فاروقیہ کاکوری لکھنؤ "

خلاصۂ مضامین مکتوبات

ان جملہ مراسلات میں اختصار کے پیش نظر جنکی فہرست نقل کیگئی ہے حضرت والاؒ کی وفات حسرت آیات پر اظہار رنج وغم، تسلی وتعزیت، ایصال ثواب کا اہتمام، حضرت کی شفقتوں اور مہربانیوں کا تذکرہ ہے، ہر مراسلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والاؒ کو ہر ایک کیساتھ بہت خصوصی تعلق تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو حق تعالیٰ نے یہ اخلاقی کمال عطا فرمایا تھا کہ ہر متعلق یہ سمجھتا تھا کہ حضرت والا کو میرے ساتھ سب سے زائد محبت وتعلق ہے۔ اور حقیقت یہ ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے قلب مبارک میں ہر امتی سے والہانہ محبت تھی بلکہ اغیار سے بھی وہ تواضع، مدارات اور ایسے بلند اخلاق سے پیش آتے تھے۔ کہ ہر ملاقاتی آپ کی ذات گرامی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا تھا۔ اور وہ زبان حال سے یہ کہتا ہوا رخصت ہوتا تھا۔

بہت دل خوش ہوا حالی سے مل کر :: ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں۔

آپ کے استاذ محترم آپ سے پہلے ناظم اعلیٰ و محدث مظاہر علوم سہارنپور شیخ الاسلام حضرت مولانا حافظ سید عبداللطیف صاحب نوراللہ مرقدہٗ میں بھی یہ صفت بہت نمایاں تھی اور حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جامعہ مظاہر علوم کے مسند نظامت کو یہ امتیازی خصوصیت مستقلاً عطا فرمائی ہے کہ روز اول سے آج تک بحمداللہ اسپر اصحاب علم وفضل، فقیہ دوراں، اورع واتقی اور بلند اخلاق ہستیاں جلوہ فرما رہی ہیں۔

نسیم احمد غازی مظاہری

تعزیتی منظومات

(اشکہائے محبت وگلہائے عقیدت)

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات سے متاثر ہو کر بہت سے شعراء کرام نے زبانِ شعر میں تعزیت اور اظہار محبت وعقیدت کیا ہے نیز اپنی منظومات میں حضرت والا کے اوصاف وکمالات بیان فرماتے ہیں بعض حضرات شعراء کرام کا کلام بہت سے اخبارات ورسائل میں بھی چھپ چکا ہے۔ بلا اہتمام ہمیں جو کلام دستیاب ہو سکا انہیں سے منتخب منظومات کو اس عنوان کے تحت ہم درج کر رہے ہیں۔ مندرجہ منظومات میں بھی اختصار و انتخاب اور جزوی ترمیمات سے کام لیا گیا ہے چونکہ جملہ اشعار میں اظہار محبت وعقیدت تعزیت اور بیان اوصاف ملحوظ ہے اسلئے اگر بعض اشعار فنی معیار پر پورے نہ اترتے ہوں تو حضرات ناقدین درگذر وصرف نظر فرمائیں جن حضرات کا کلام اس مقام پر مندرج نہیں ہے یا تو وہ ہم تک نہیں پہنچ سکا یا انگریزی وغیرہ ایسی زبانوں میں تھا جن سے ہم ناواقف ہیں یا پھر فنی معیار سے بہت زائد گرا ہوا تھا۔ اسلئے ہم ان سب حضرات سے معذرت خواہ اور زحمت فرمائی واظہار محبت کے تہ دل سے شکر گذار ہیں۔ اور جزوی ترمیم کی جرأتِ بے جا کی بھی معافی چاہتے ہیں۔ اگر بعد میں کسی صاحب کا معیاری کلام موصول ہوگا تو ان شاء اللہ اسکو دوسری اشاعت میں شامل کر لیا جائے گا۔

فقط

شبیر احمد غازی مظاہری

الرثاء

من فضيلة الشيخ اطهر حسين مد ظله المدرس بجامعة مظاهر علوم بسهارنفور

صبر ترحل دالزمان جفاني — وبريبه قد عضني وبراني
وشوى كبود ابالجوى وجوانحا — وصلى بنار الهجر كل جنان
واذاب اجساما وزلزل مهجها — ودم القلوب اراق من اجفان
واناخ خطب موجع ومحير — لذوي الحجى ومهيج الاحزان
وعظيم كرب قد بدى الخليقة — وتململ متوقد النيران
وبكاها وعويلها متسلسلا — وزفيرها ونياحة الاكوان
لرحيل اسعد ماجد متورع — ظل الاله سلالة الاعيان
ثقة صدوق مسند ومحدث — حامي الحديث مفسر القرآن
متكلم ومناظر ومحقق — ياتي بتحقيق كعقد جمان
واهاله من عالم ومجدد — لمعالم الاسلام والايمان
ريحانة الآداب والاخلاق في — كل العلوم له جلالة شان
بحر الفصاحة ماله من ساحل — حبر البلاغة ماله من ثاني
في النظم والانشاء ارفع رتبة — واجل ابداعا من الاقران
وكلامه عذب رشيق معجب — يحوي بديع محاسن ومعاني
وامام فلسفة ومبدع منطق — ولديه وسطاليس كالصبيان
فرد تفرد في الزمان دراية — ورواية ومعارف اليونان
فاق الزمان تفقها وتدبرا — بالبحث والتحقيق والامعان
فطن تطنيه طليعة عينه — فمغيب انظار له كعيان
بحاثة علامة متصوف — بدر له المعارف كامل الايمان
قصبات سبق حاز في ارشاده — لصدى دين هائم حيران

في الدين والشرع المنيف مقلمة ... بين الخصوم مسلّم البرهان
سباق غايات الهداية والتقى ... قطاع كل حبائل الشيطان
محاء بدعات ومصلح امة ... ومزيح كل الشرك والطغيان
بالعروة الوثقى تمسك دائما ... وبسنة المختار من عدنان
قطب الولاية لاميرام جنابه ... غوث الاقاسم منبع العرفان
بركاته محسوسة وفيوضه ... عمّت وجلت عن صريح بيان
ويصرف همته يورث زائرا ... نيوبُ مشتاقا الى الرحمان
ويخلف الدنيا ويحسبها سدى ... ليفوز كل الفوز بالرضوان
ولهُ بذات الحق جل جلاله ... صلة اخص ونسبة وتدانى
قد نالها في ظل اشرف امة ... اشرف علي كالسحب في الفيضان
في نشر دين الله عاش مجاهدا ... بتكيد الاسرار والحدثان
ومذكرا ومصنفا ومدرسا ... يهدى الى الخيرات والاحسان
سهل العريكة لين في طبعه ... صعب انقياد لكل ذي عدوان
ثبت الجنان رحيب صدر باسلٌ ... مثل الهزبر مروع الشجعان
ومع الاقارب والاجانب والعدى ... متعاشر كتعاشر الاخوان
شمس المعالي حاز كل فضيلة ... بدر الهدى قد زان كل مغاني
امضى الحياة موافقا لشريعة ... وطريقة ولمقتضى الايمان
مثل الصحابة خلقه وفناءه ... في حب احمد يا له من شان
فارحمه يارب الورى كرمًا له ... واعف الخطايا عنه بالغفران
واحفظه عن فتن القبور وشرها ... وارفع له الدرجات بالاحسان
واجعل مقال الصدق مصرع تاريخه ... الشيخ اسعد في لطيف جنان

١٣٩٩ هـ

گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

الاماں از برقِ نازیہائے چرخِ چنبریں
الحفیظ از فتنہ سازیہائے ایں آفت یکیں

جائے عبرت باشد ایں آشوب گاہِ پُرفتن
چشم بکشا و دمے نیرنگِ دنیا را بہ بیں

فخرِ اربابِ سلف، سرمایۂ نازِ خلف
افتخارِ اولیں و اعتبارِ آخریں

حق پرست و حق پذیر و حق پژوہ و حق شنو
حق شناس و حق پسند و حق نواز و حق گزیں

شاغلِ ذکر و نماز و عاملِ حج و زکوٰۃ
پیروِ شرعِ حبیبِ خاصِ ربّ العالمین

خوش مذاق و خوش بیان و خوش خصال و خوش جمال
خوش خط و خوش گوئے و خوش گفتار و خوش رو و حسیں

وارثِ بے وارثان و چارۂ بے چارگان
میہماں پرور، مسافر دوست و غمخوارِ حزیں

از درگہش از اعالی چوں ادانی بہرہ یاب
اغنیا راز خرمنش ہم چو گدایاں خوشہ چیں

ناگہاں زد کوسِ رحلت سوئے دارِ آخرت
ذوقِ دیں میداشت از دنیا برافشاند آستیں

چشمِ حق بینش نیفگندے نظر جز سوئے حق
حق چوں او را مشتغل با خویشتن دید ایں چنیں

خواند در پیشِ خودش تا موردِ رحمت کند
حق پرستی روحِ او را بُرد تا عرشِ بریں

تیرہ تر شد از فراقش روزِ روشن ہمچو شب
شد سیہ پوش از وِداعش ہر کہین و ہر مہیں

مہر و مہ بے نور گشت و جان و دلہا بے سرور
آسماں شد پُر غبار و خاک بر سر زد زمیں

وائے قسمت ناز بردارم ز دنیا رفت و من
زندہ ام اندر صفِ ماتم زِ سرتا پا غمیں

بدترم از مُردگاں اما نمی میرم ازاں
رہ نمی یابد اجل سوئے من اندر کمیں

ہر نفس در سینہ از پژمردگیہائے دلم
می کشد تصویرِ حسرت چوں نگاہِ واپسیں

دست زن در دامنِ رحمت باخلاص و نیاز
تا دہد جائے بزرگش حق بہ فردوسِ بریں

نقش کن از خامۂ حسرت سرِ لوحِ مزار
خوابگاہِ حامیِ اسلام و شاہِ عمار نیں

(ماخوذ)

تھے جنت کے راہی گئے سوئے جنت

از قلم ـــــ نسیم احمد غازی مظاہری

تھے اسعد جہاں کے لئے ایک نعمت   سر اہل ایماں پہ تھے ظلِ رحمت
بہارِ شریعت، نگارِ طریقت   نگہبان ونگرانِ قصرِ حقیقت
وہ مہرِ ولایت، وہ نجمِ ہدایت   سراپا تھے حلم و وقار و محبت
مروت میں یکتا، شجاعت میں پختہ   فصاحت میں شستہ، امامِ بلاغت
وہ پاکیزہ صورت تھے، پاکیزہ سیرت   فرشتہ صفت تھے وہ انسان صورت
رہے عاشقِ حق، محمد کے شیدا   تھا طرزِ حیات، اتباعِ شریعت
تھی ذات انکی جو پیکرِ ورع و تقویٰ   جبینِ حسیں پہ تھے انوارِ سنت
وہ رخصت کو نعمت سمجھتے تھے لیکن   سدا کرتے تھے اہتمامِ عزیمت
علومِ نبوت، شریعت، طریقت   عبادت، ریاضت، قناعت کی عادت
نظامِ حیات ان کا غازی بتاؤں   بس احیائے اسلام واحیائے سنت
نہ دنیا سے اُن کو سروکار کچھ تھا   شب و روز کا مشغلہ دین کی خدمت
وہ شیرِ خدا، مردِ میدانِ حق تھے   ہوئی اُن سے تائیدِ حق وصداقت
وہ جانِ بہارانِ باغِ سعادت   سراپا سعادت، گلستاں کی زینت
رہے تاجدارِ بہارِ مظاہر   بصد احترام و بصد جاہ وحشمت
منور تھے انوارِ اشرف علی سے   طریقت میں اُن کے خلیفہ بیعت
خلیلِ محدث کے وہ جانشیں تھے   علومِ نبوت میں یکتا تھے حضرت
منور کیا ہے جہاں کو انہی سے   جو تھا نہ جنوں سے ملا نورِ حکمت
علوم و فنون ان کو از بر تھے سارے   تھے مرغوب لیکن علومِ نبوت
ہمہ وقت تدبیر واصلاحِ امت   ہمہ وقت درد و غم و فکرِ ملت
ندامت ہوئی اور بہے اشکِ توبہ   جو حضرت نے کی عاصیوں کو نصیحت
مقابل جو اُن کے ہوا اہلِ باطل   اٹھانی پڑی برملا اس کو ذلت

کیا گمرہوں کو ہمیشہ نگوں سر
رہی ان کے اعدا کی قسمت ہزیمت

مشقت اٹھا کر گئے سوئے راحت
تھے جنّت کے راہی گئے سوئے جنّت

ملیں مغفرت اور عنایت کے تحفے
عطا کر انھیں اے خدا طلِ رحمت

بنے ان کا فردوسِ اعلیٰ ٹھکانہ
طفیلِ شہِ تاجدارِ نبوت

بنے ہر خلف اُن کا سچا نمونہ
ملے ان کو یارب مقامِ امامت

ہو غازی بھی مقبول بندوں میں شامل
الٰہی عنایت، الٰہی عنایت

اشکہائے عقیدت

جنابِ شوق مالوی

سعیِ ضبطِ غم ہوئی ناکام اے دل کیا ہوا
اشک آنکھوں میں سرِ محفل نہ روکا جا سکا

سوزِ فرقت جاں گُسل ہے صبر ممکن ہی نہیں
مستقل برسے گا دل پر ابرِ غم چھایا ہوا

داغِ فرقت وہ بھی کس کا جس کی صحبت کے طفیل
دنیا و عقبیٰ کی منزل کا پتہ ہم کو ملا

ہر قدم پر راہ میں تھیں ساتھ جس کی شفقتیں
شفقتیں وہ جن سے کم ہو منزلوں کا فاصلہ

رہ نمائیِ دین و دنیا کی مگر اس شان سے
جانبِ منزل پلٹ آئے قدم بہکا ہوا

یہ نظر رکھنا نگاہیں تک نہ بہکیں راہ میں
اللہ اللہ یوں دکھانا رہ نمائی کی ادا

میں جو لے آیا کبھی دل میں تمنا کی چبھن
بے کہے سمجھے مرا غم بھی مداوا بھی کیا

کہنے سے پہلے سمجھ لینا ہمیشہ دل کی بات
آخر اس کو کیا کہوں روشن ضمیری کے سوا

ذوقِ عرفانِ الٰہی میرے دل کو بخش کر
پھر کھُلے دل سے سلسل لطف فرمایا گیا

ناگہاں شمعِ ہدایت آنکھ سے اوجھل ہوئی
جگمگاتے راستوں پر اب اندھیرا چھا گیا

غم کے ان تازہ اندھیروں میں گھٹا جاتا ہے دَم
اے مرے ذوقِ تجسس پھر وہی جلوہ دکھا

در بدر کیوں جائیے میرا عقیدہ تو یہ ہے
موت کی آندھی سے بجھتی ہی نہیں شمعِ وفا

وہ تو دنیائے تصوف کا تھا اِک آفتاب
تا ابد جس سے ملے حسنِ عقیدت کو ضیا

اُبھرے ہیں سورج تو لاکھوں آسمانِ علم پر
اُس کی ضو پاشی کا تھا انداز ہر اک سے جدا

کیوں سمجھتے محفلِ رنداں کو اب اُجڑی ہوئی
ہے وہی ساقی وہی دریا دلی کا سلسلہ

میکدہ تو جوں کا توں ہے صرف اتنا فرق ہے — آج پردہ میں ہے ساقی اور کل بے پردہ تھا
چھپ گیا نظروں سے لیکن وصف وضع داری ہے وہی — ہے خیال اتنا ہی اب بھی خاطرِ احباب کا
یں یہ کیوں سمجھوں اجل نے رخنہ ڈالا ہے کوئی — دائمی اپنا تعلق، دائمی اُن کی عطا
مل گئی ہیں پھر بھی ان آنکھوں کو تشنگی امانیاں — کل جن آنکھوں کا مقدر آپ کا جلوہ رہا
عصر ہی سے آپ کو رہتا تھا جس کا انتظار — اب وہ جلوہ گاہ سے محرومِ نظارہ چلا
ڈھونڈنے آتا ہوں اب شہرِ خموشاں تک اسے — جسکا نظارہ حیات و موت کا تھا آسرا
رو رہا تھا تربتِ مرشد پہ میں بیٹھا ہوا — شوق اپنے دل میں غم کا بیکراں طوفاں لئے

غیب سے آئی ندا یہ مصرعۂ تاریخ سن
اسعد اللہ کیلئے آتا ہے مژدہ خلد کا
۱۳۹۹ھ

نظم غیر منقوط

اللہ والا آدمی سادہ

حضرت صادق بستوی

وصالِ اسعد اللہ سے الم ہے سارے عالم کو — ہوئے وہ راہی ملکِ عدم معلوم ہے ہم کو
رہا کوہِ گراں علم و عمل کا، علم کا داعی — رہا ہے وہ علومِ احمدِ مرسل کا سودائی
رہا معمور ساری عمر اسعد سعد کامی سے — رہا وہ اسطرح موسوم اس اسمِ گرامی سے
رہا ہر لمحہ اس کا واسطہ علمی ادارہ سے — سلوک عمدہ رہا ہر دور اس کا علم والوں سے
رہا وہ عمر ساری درسِ للہی کا دلدادہ — رہا وہ اک ولی، اللہ والا، آدمی سادہ
رہا وہ گوہرِ علم و عمل اعصارِ عالم کا — رہا اورع، امامِ علم وہ اعصارِ عالم کا

دعا ہے "ص" کی اللہ سے، مسرور وہ رکھے
سدا ہر آسا ہوا اؤں سے انہے معمور وہ رکھے

جمالِ اسعد

حضرت شاکر الاسعدی

کون سا خلق ترا تھا جو کریمانہ نہ تھا — کون سا قول ترا تھا جو حکیمانہ نہ تھا
کون سا طرز ترا تھا جو شریفانہ نہ تھا — کون سا انداز ترا جو حبیبانہ نہ تھا

کب نہیں میری خطاؤں پر ہوئی چشمِ کرم
اب یہ دل موردِ الطافِ کریمانہ نہ تھا

ہے تری نرگسِ رعنا کا تصور کافی
پیاس کا ذوق تھا منت کشِ پیمانہ نہ تھا

ساقیا بزم تری تھی مئے گلگوں سے بھری
ہاں مگر مجھ میں کبھی جذبۂ رندانہ نہ تھا

اپنی محرومیِ قسمت پہ تھا گریاں شبِ ہجر
آپ نے دی تھی تسلی مجھے گھبرانا نہ تھا

بے سبب اے دلِ ناداں نہ ہو وحشت کا شکار
تو بخدا مجھ سے خفا جلوۂ مولانا نہ تھا

جو نہیں ہوتا تھا تیرے رخِ روشن پہ نثار
ایسا کوئی روحِ شمس جذبۂ پروانہ نہ تھا

جب سے صہبائے محبت سے یہ سرشار ہوا
جامِ جمشید سے کچھ کم مرا پیمانہ نہ تھا

تیری یادوں کے چراغوں سے منور تھا یہ دل
مرا معمورۂ دل کوئی صنم خانہ نہ تھا

تو نے دیکھا ہی نہیں حضرتِ اسعد کا جمال
ورنہ ناصح ترا آشنا کوئی دیوانہ نہ تھا

شاہکارِ بے بہا جاتا رہا

جناب رشید بستوی

اسعد اللہ کیا گئے اک پارسا جاتا رہا
مطلعِ نورِ سحر، اک رہنما جاتا رہا

مخزنِ علم و ادب، مردِ خدا جاتا رہا
علم و فن کا شاہکارِ بے بہا جاتا رہا

تھا مظاہر کا چمن سرسبز جس کی ذات سے
وہ مظاہر کا مقدس آسرا جاتا رہا

مشغلہ جس کا رہا تعلیمِ قرآن و حدیث
وہ محدث، وہ ولیِ باصفا جاتا رہا

اک فقیہِ وقت رخصت ہو گیا دنیا سے آہ
آہ اک مردِ مجاہد، بے ریا جاتا رہا

ہادیِ اکرم کے مہمانوں کا نگراں، دادگر
آہ وہ اک مخزنِ جود و سخا جاتا رہا

فلسفی، شاعر، صحافی اور اک ماہر ادیب
قوم و ملت کا سرورِ دل کش جاتا رہا

جس کے دم سے تھی دوبالا زینتِ بزمِ چمن
رونقِ بزمِ چمن وہ دل ربا جاتا رہا

ہر طرف غم کی گھٹا چھائی ہوئی ہے اے رشید
کائناتِ علم و فن کا پیشوا جاتا رہا

بیادِ حضرت اسعدؒ

از مولانا عبدالحلیم مظاہری قاسمی

بے رونقِ شمع، شبستان ہنر دیکھ — ہمدم مرے بے کیف صبا، بادِ سحر دیکھ
خاموش فضا، رکتی ہوا، بدلا قمر دیکھ — مدہوش فضا، اجڑا چمن روتا سحر دیکھ
اجڑا ہوا دنیائے محبت کا نگر دیکھ

جو شعلۂ انوارِ مظاہر تھا ابھی تک — جو سعد سرورِ ابرارِ مظاہر تھا ابھی تک
جو واقفِ اسرارِ مظاہر تھا ابھی تک — جو پیکرِ ایثارِ مظاہر تھا ابھی تک
اللہ کے گھر میں وہ اللہ کا گھر دیکھ

الفاظ و معانی کے خم و پیچ کا ماہر — پاکیزہ خیالات و کرامات کا شاعر
تھا وہ تجدد واقفِ نیرنگِ مظاہر — تاریخ و ادب، اور تفاسیر کا ماہر
ان ہوش ربا سارے مناظر کو نظر دیکھ

اے نکہت گلہائے عقیدت ترے قرباں — اے راہبرِ راہِ طریقت ترے قرباں
اے جن کی معروف ہے حقیقت ترے قرباں — اے پیکرِ اخلاص و حمیت ترے قرباں
اللہ کے لئے میری طرف وقتِ سحر دیکھ

تصویر تری حسن کا آئینہ بنا ہے — گفتار تری جیسے کہ ساغر میں ڈھلے ہے
کردار کے مانند نہیں اور کوئی شے — اخلاص ترا، میرا ترانہ ہے مری لے
کس جا پہ مجھے لائی مری راہگزر دیکھ

اے میری تمنا کے افق اور اجالے — دل ہے کہ نہیں آج سنبھلتا ہے سنبھالے
اے نیرِ تاباں ہوں مبارک ترے ہالے — دنیا سے نرالے ہیں ترے انداز نرالے
چل آ اے حلیم اپنی عقیدت کے گہر دیکھ

یادِ اسعد

جناب ماجد الاسلمی

رہنما تھے قوم و ملت، آگہی کے تھے پیام
علم و دانش کے سمندر اور ادب کے تھے امام

دارِ فانی سے گئے کب کے سوئے خلد بریں
یاد کرتا ہے مگر اب تک مظاہر کا نظام

ناز تھا جس پر جہاں کو وہ مفسر وہ فقیہ
پیکرِ روحانیت تھے نیک خو تھے نیک نام

اہلِ عالم یاد فرمائیں گے اسعد آپ کو
خلق کی ہوگی زباں اور آپ کا ذکرِ دوام

عندلیبانِ مظاہر یوں رہیں گے نغمہ زن
حشر تک باقی رہے گا آپ کا یہ نیک نام

اہلِ عالم نے نوادی ہے عقیدت کی جبیں
خلد والے صدقے جائیں دیکھ کر اعلیٰ مقام

تشنگانِ شوق کو بخشا متاعِ بے خودی
ساقیانِ میکدہ کو بھی دیا بھر بھر کے جام

جسکی ذاتِ پاک پر نازاں ہے خورشید سحر
آسمانِ علم و فن کے مہرِ تاباں ماہِ تام

زیرِ رحمت آج بھی آباد ہے جن کا مزار
بھیجو ماجد تم بھی اُن کی روحِ اقدس پر سلام

حادثۂ عظیم

جناب واصف نظامی طاہر پوری

اے مظاہر آہ تیرا باغباں
جا چکا اب سوئے گلزارِ جناں

ابرِ غم چھایا ہوا ہے ہر طرف
سونا سونا سا ہے سارا گلستاں

عالمانِ دیں بہت مغموم ہیں
طالبانِ علمِ دیں ہیں نوحہ خواں

یادگارِ شاہِ اشرف، تھانوی
اور خلیل احمد کی وہ روحِ رواں

عالم و فاضل، مناظر اور ادیب
شاعرِ بے مثل اک جادو بیاں

یہ حقیقت کا ہے روشن آئینہ
موت اک عالم کی ہے مرگِ جہاں

رحم کر یارب ہمارے حال پر
امتِ مرسل بہت ہے خستہ جاں

اپنی رحمت کا الٰہ العالمین
مرقدِ حضرت پہ کر دے سائباں

فضل سے مرحوم کو کر دے عطا
جنت الفردوس میں اعلیٰ مکاں

جون انیس سو اناسی کا یہ سال
ساتھ واصف لایا ہے حزن و ملال

قطعات

:- از محمد اسلام انجم سہارنپوری

اک درخشندہ ستارہ آسمانِ علم کا
محفلِ علم و عمل میں چھا گئیں تاریکیاں
آپ کی ذاتِ گرامی تھی جہاں کے واسطے
مدتوں رو دیں گے اہلِ دل یقیناً آپ کو

ہوگیا ہے آج دنیا کی نگاہوں سے غروب
پھٹ گئے اہلِ جہاں کے سرد آہوں کے قلوب
مصدرِ فیض و ہدایت مشعلِ علم و عمل
حق عطا فرمائے ہمکو آپ کا نعم البدل

قطعات

از جناب حسرت لبنوی

سوارا شہب دوراں، وحید عصر تھے اسعد
سبق آموز ملت کیلئے تھی زندگی ان کی
"ادب بہر ادب" کے قول سے نسبت نہ رکھتے تھے
برائے زندگانی تھی شگفتہ شاعری ان کی

شعار سنت و توحید کا دل میں اجالا تھا
دعا یہ ہے کہ ان کی قبر کو پُر نور کر یارب
ایاغ کوثر و تسنیم کی مستی عطا کردے
بہارِ گلشنِ فردوس سے مسرور کر یارب

قطعات

جناب پروفیسر اختر علی

درحقیقت ایک دھوکہ ہے غروب آفتاب
اک جہاں سے چھپ کے روشن کرتا ہے دیگر جہاں
ایسے ہی دنیا سے جاتا ہے ہر اک روشن ضمیر
کل تو زینت تھا مکاں کی آج حسن لامکاں

جسم خاکی آپ کا گو آج ہم پاتے نہیں
روحِ اقدس پھر بھی ہم پاتے ہیں ہر دم ساتھ ساتھ
زندگی میں ہر قدم پر رہنمائی کے لئے
خضر منزل کی طرح ہے آپ کا غم ساتھ ساتھ

اک مناظر، اک مفکر، اک محدث، اک ادیب
شکل میں انسان کی اک علم کا دریا تھے آپ
علم کتنے ہی مگر سب پر سکتی دسترس
چاہیئے چشمِ بصیرت دیکھنے کو، کیا تھے آپ

علم کی دنیا تھی جس کے دم قدم سے فیضیاب
اور عمل کی شاہراہوں پر تھا مثلِ ماہتاب
جسکی ضو سے روشنی تھی دور تک آفاق میں
چھُپ گیا ہے اب نظر سے علم کا وہ آفتاب

عالمِ عالیٰ مقام

جناب طفیل اسود ی سہارنپوری

پوچھا جو میں نے حضرتِ اسعد کہاں گئے — آواز آئی جانبِ دارِ جناں گئے
وہ مستجابِ درگہِ ربِ جہاں گئے — لیکن وہ اس جہاں سے بہت کامراں گئے
سایے میں ہوں گے عرش کے یوم حساب میں
اے کاش ہم بھی ساتھ ہوں حق کی جناب میں
عارف تھے اور عالمِ عالی مقام تھے — فخرِ محدثین، ادب کے امام تھے
اہلِ کرم تھے چشمۂ فیضانِ عام تھے — پیدائشی ولیِ خدائے انام تھے
صحت و مرض میں، سفر و حضر میں ہر جگہ
ہر حال میں امام کی کرتے تھے اقتدا
لاہور اک زمانے میں مخدوم و مہرباں — دینے گئے تھے مولوی، فاضل کا امتحاں
دے کر کے امتحاں ہوئے ممدوح کامراں — خوش ہو رہے تھے اہلِ تعلق بقلب و جاں
وہ امتحاں میں ممتاز و اولیں رہے
پھر کچھ زمانہ آپ وہیں پر مکیں رہے

حکام قابلیتِ حضرت کو دیکھ کر خوشنود و شاد ہوئے ان سے اس قدر
کہنے لگے یہیں پہ رہیں آپ بے ضرر خدمت سے آپ کی نہیں ہوگا نہ کچھ مفر
خدام بھی ملیں گے یہاں جو کہ بیدار بھی
تنخواہ خوب، ساتھ میں کوٹھی بھی کار بھی

حضرت نے عذر کر دیا با عجز و انکسار کہ میں مدرسہ کا ہوں پابند، ذمہ دار
لائق نہیں ہوں کو ٹھیوں، کاروں کے زینہار مہماں نوازیوں کی جزا بخشے کردگار
لائق نہیں ہوں عہدوں کا نہ ان کا ہے شعور
یہ عرض کر دیا ہے کہ اظہار تھا ضرور

خادم حکیم امتِ تھانہ بھون کا ہوں اک فرد ان کی لطف فزا انجمن کا ہوں
بیکار پھول ہوں مگر اچھے چمن کا ہوں استاذ میں بھی مدرسۂ علم و فن کا ہوں
اب طالبانِ علم کے رہ کر ہجوم میں
گزرے گی ساری عمر مظاہر علوم میں

حامل تھے خوبیوں کے مناظر تھے دہر کے اونچا مقام رکھتے تھے شاعر تھے دہر کے
گوشہ نشیں اوّل و آخر تھے دہر کے شب زندہ دار یادِ اکابر تھے دہر کے
تنہا ہمارے عارف و عابد چلے گئے
خوش خلق و خوش مزاج مجاہد چلے گئے

میّت کے ساتھ بندے خدا کے تھے بے شمار ہاتھوں کا چار پائی سے لگنا تو در کنار
پاؤں سڑک پہ رکھنا نہ جاتا تھا زینہار مجبوری سے ہجوم پہنچ پانہ تا مزار
صورت وہاں پہنچنے کی تدبیر میں نہ تھی
مٹی بھی بد نصیب کی تقدیر میں نہ تھی

شاہِ محمد اللہ، جو حضرت کے ہیں پسر ماہرِ علوم ہیں اور ملت کے راہبر
قاریِ گورا آج ہیں منصب بلند پر یہ التفاتِ حضرتِ والا کا ہے اثر
جو ہیں مجازِ خاص شہ صدیق مہ جبیں
ہیں حاملِ تصوف و احسانِ شرع و دیں

ذی جاہ و ذی شرف ہیں جو حاجی ایاز دیں — وضع میں خوب تر ہیں اور قد آور حسیں
ہمدرد، جاں نثار و وفا دار بالیقیں — اسلئے ہیں اقربا میں بہت ہی قریں ترین

حضرت کے جو عزیز ہیں اور رشتہ دار ہیں
خوش خلق و خوش نصیب ہیں اور ذمہ دار ہیں

دنیا سے حیف حضرت اسعدؒ چلے گئے — اللہ رے وہ صاحب مسند چلے گئے
وہ یعنی جہاں میں وارثِ احمدؐ چلے گئے — دل میں چھپائے عشق محمدؐ چلے گئے

کس سے کرے طفیل حزیں اپنے غم کی بات
سنتا نہیں ہے کوئی بھی رنج و الم کی بات

نالۂ دل

جناب نظیر سہارنپوری

مرحبا صد مرحبا نازِ وطن فخرِ جہاں — آفریں صد آفریں اے روحِ فردوس آشیاں
مرحبا صد مرحبا اے علم کے ماہِ مبیں — آفریں صد آفریں اے دیں کے مہرِ ضوفشاں
مرحبا صد مرحبا اے عالمِ احکام حق — آفریں صد آفریں اے واعظِ سحر البیاں
مرحبا صد مرحبا اے پرتوِ اجلالِ حق — آفریں صد آفریں عکسِ جمالِ لامکاں
مرحبا صد مرحبا اے ناظمِ عالی لقب — آفریں صد آفریں گلزارِ دیں کے پاسباں
مرحبا صد مرحبا فہم و فراست کے منار — آفریں صد آفریں اے حلم کے کوہِ گراں
مرحبا صد مرحبا اے خسروِ شعر و ادب — آفریں صد آفریں اے ناقدِ نطق و زباں
مرحبا صد مرحبا اے آسودۂ خوابِ عدم — آفریں صد آفریں اے رونقِ فقہ و زماں

اے نظیرؔ دل شکستہ صبر سے اب کام لے
اب نہ جاری ہوں تری آنکھوں سے یہ اشکِ رواں

مہکا کے چل دیئے

جناب وجیہہ الدین صاحب وجیہہ

مثلِ صبا وہ آئے اور آکے چل دیئے
گلشن بہارِ علم سے مہکا کے چل دیئے

دنیائے فن میں آپ کا ثانی نہ تھا کوئی
کتنے نکاتِ علم وہ سمجھا کے چل دیئے

شاہد ہیں بام و در بھی مظاہر علوم کے
بامِ عروج پہ جسے پہنچا کے چل دیئے

وہ شاعرِ بے مثال بکمالِ سخنوری
وہ راہ شاعروں کو دکھا کے چل دیئے

توقیر کس طرح سے بزرگوں کی ہم کریں
اپنے عمل سے ہم کو یہ سمجھا کے چل دیئے

شفقت کا ہاتھ چھوٹوں پہ رکھا تمام عمر
یہ اسوۂ رسول بھی دکھلا کے چل دیئے

باقی رہا جو کام تھا عبدُ اللطیفؒ کا
انجام دے کے اسکو اور سلجھا کے چل دیئے

دولت ملی ہوئی تھی جلال و جمال کی
دونوں کی شان وقت پہ دکھلا کے چل دیئے

نسبت بھی تھانویؒ سے تو ہوتے نہ کیوں بلند
رفعت پہ اپنے آپ کو پہنچا کے چل دیئے

یوں تشنگانِ علم کو سیراب کر دیا
بارش دلوں پہ علم کی برسا کے چل دیئے

نورِ دلِ خلیلؒ تھے ہم عصر زکریاؒ
عکسِ جمال دونوں کا دکھلا کے چل دیئے

آئے بڑے بڑے جو سخنور جناب میں
اپنی بساط دیکھ کے وہ شرما کے چل دیئے

اسعدؔ تھا ان کا نام وطن رام پور تھا
ہم کو وجیہہؔ آپ یہ بتلا کے چل دیئے

غمِ اسعد

جناب شریف گورکھپوری

گلزارِ علم و فن میں اب آتی صبا نہیں
بزمِ سخن کی آج وہ رنگیں فضا نہیں

کل بزم میں تھی جس کے ترانوں کی دھوم دھام
افسوس اب وہ نغمۂ معجز نما نہیں

طے ہوگی راہِ منزلِ مقصود کس طرح
گم ہو گئی ہے راہ کوئی رہنما نہیں

اب کارواں سے اٹھتا ہے آہوں کا اک دھواں
شورِ جرس نہیں، کہیں بانگِ درا نہیں

ہو جس کا تذکرہ میری محفل میں بار بار
وہ آپ کے سوا کوئی دوسرا نہیں

ہوگا کسی فلک پہ وہ خورشید جلوہ گر کہتے ہیں آفتاب کبھی ڈوبتا نہیں
اسعد کے غم سے آج مرا دل ہے بیقرار مجھ کو شریف اور تو کچھ بھی ہوا نہیں

خدا کا نام لیتے تھے

ڈاکٹر ہنومان پرشاد
سریواستوا جگر بستوی

خدا کے بندے تھے اسعد خدا کا نام لیتے تھے
فرائض دین کی تعلیم کے انجام دیتے تھے
عبادت میں گزاری زندگی اس پیرِ مرشد نے
خدا کا نام لینے کا کھلا پیغام دیتے تھے
حقیقت ہے کہ انسانوں کی بہبودی میں تھے کوشاں
بھلائی کا سبق دنیا کو وہ ہر گام دیتے تھے
مدبر تھے، مفکر تھے، سخنور تھے حقیقت میں
زمانے کو جگانے کا زباں سے کام لیتے تھے
جگر شعروں میں اُن کے مدحِ پیغمبر نمایاں ہے
خدا کا نام ہر لحظہ وہ صبح و شام لیتے تھے

مقامِ اسعد

جناب مجیب بستوی

خدا ہے شاہد مری نظر میں بلند تر ہے مقامِ اسعد
سعید ساعت یہ عمر کی ہے کہ لب پہ جاری ہے نامِ اسعد
علومِ دیں کا امام اسعد جہاں سے اب اٹھ گیا ہے
ملی ہے مجھ کو زبانِ اسعد ملا ہے مجھکو کلامِ اسعد
مری نگاہوں میں نورِ دیں ہے، ہیں دل میں ایمان کی ضیائیں
کچھ اس طرح سے عطا ہوا ہے خدا سے مجھکو پیامِ اسعد

شعور آپ کی یہ زندگی ہے حیات ساری یہ آگہی ہے
مئے محبت کا میکدہ ہے میں پی کے آیا ہوں جام اسعد
میں پہلے بھی ان کا معتقد تھا اور آج بھی ان کا معتقد ہوں
مجھے خوشی ہے کہ میری محفل میں آج بھی ہے نظام اسعد
فیوض اسعد کا اللہ اللہ اثر مری کائنات میں ہے
خلوص سے کام آرہا ہے۔ ہے کام میں میرے کام اسعد
میں دونوں کو اپنی زندگی کا حصول اب تک سمجھ رہا ہوں
مجھے عنایت ہے صبح اسعد مجھے عنایت ہے شام اسعد
خدا سے امید مغفرت ہے غفور وہ ہے رحیم وہ ہے
عجیب احسان ہے خدا کا کہ میں بھی ہوں اک غلام اسعد

تصوّر

جناب مولانا منور صاحب بستوی

کھل گیا میرے گلستاں میں کنول اسعد کا — ہے مرا رنگ غزل رنگ غزل اسعد کا
آج بھی ان کی محبت کا سبق پڑھتا ہوں — تذکرہ کرتا رہوں گا یوں ہی کل اسعد کا
حوصلہ مجھ کو کب بھٹکنے کا ملا ہے ہمدم — اے مرے ذوق سفر راستہ چل اسعد کا
اے مرے کار فراست میں ہوں تجھ پر قرباں — تجھ میں ہمت جو ہے اسعد کی تو بل اسعد کا
کیوں نہ منزل ترے آ کے قدم چومے گی
رہبر راہ منور ہے عمل اسعد کا

اُف رہنمائے کارواں

جناب گمنام بستوی

باغِ نبی کے باغباں وہ اسعد اللہ محترم
ہر غنچہ و گل کی زباں وہ اسعد اللہ محترم

گلہائے رنگا رنگ باغِ اسعدی میں بو فشاں
گلدستۂ ہر گلستاں وہ اسعد اللہ محترم

تفسیر و فقہ، نحو و صرف فتاوی منطق و فلسفہ
فکر و ادب کے بوستاں وہ اسعد اللہ محترم

زہد و ورع کے خوشہ چیں تقویٰ طہارت کے امیں
حلم و حیا کے پاسباں وہ اسعد اللہ محترم

رشد و ہدیٰ کے کہکشاں وہ مہر و ماہِ ارتقاں
منہاجِ دیں کے آسماں وہ اسعد اللہ محترم

فخرِ مظاہر کے وہ فخر شب زندہ دار و راہبر
فخرِ اماثل تھے بے گماں وہ اسعد اللہ محترم

وہ نائبِ ختم الرسل وہ رہبرِ خیر السبل
تھے رہنمائے کارواں وہ اسعد اللہ محترم

اے گمنامِ غمزدہ سن، لکھ آبِ زر سے نام تو
خلدِ بریں کے میہماں وہ اسعد اللہ محترم

کاملِ استاذِ علوم

۱۳۹۹ھ

مولوی عبد السمیع انصاری کرتپوری

ناظمِ اعلیٰ مظاہر کے تھے جو بحرِ علوم
واقفِ اسرارِ علمی، قاطعِ جہل و رسوم

حاملِ دین و شریعت یادگارِ تھانوی
زندگی تھی جن کی تفسیرِ شریعت بالعموم

تھے مناظر ادیب مقرر، شاعرِ نغز بیاں
جن کے اک اک لفظ کو سنتا تھا انسانی ہجوم

چشمۂ علم نبی کوشش سے انکی بن گیا
بحرِ علم و فن عظیم الشان اک دار العلوم

حضرتِ اسعد کی برکت سے تھا خنداں گلستاں
اور خزاں نا آشنا، بیگانۂ بادِ سموم

آہ رخصت ہوگیا وہ واعظِ شیریں بیاں
پیکرِ علم و عمل اور بدرِ تابانِ نجوم

فکر کی تاریخِ رحلت کی تو انصاری کہا
ہاتفِ غیبی نے لکھدو، کاملِ استاذِ علوم
۱۳۹۹ھ

نوشتۂ رحلت

۱۳۹۹ھ

بر وفات صدیقِ وقت، بحر العلوم معلم الاخلاق محسن العالم سلطان القلوب

۱۳۹۹ھ ۱۹۷۹ء

تقدس مآب علامہ زماں، ہادی دین

۱۳۹۹ھ

الحاج مولانا محمد اسعد اللہ، اجل آفاق ناظم صاحب نور اللہ مرقدہ

۱۹۷۹ء

از نظیر شکستہ دل

۱۹۷۹ء

آگیا کیا انقلابِ ناگہاں چرخِ کہن
آہ، آہ یہ سانحہ ہے روح فرسا دل شکن

ہو گئے تاریک ایوانِ مظاہر دفعتاً
اٹھ گئی صد حیف وہ ضو بار شمعِ انجمن

گلشنِ ہستی ہوا ہے نذرِ طوفانِ اجل
ناظمِ اعلیٰ کی رحلت وائے خسرانِ زمن

ایسا عالم باعمل جس کا بدل امرِ محال
ایسا ہادیِ طریقت قطب الاقطابِ زمن تھا

بجھ گئی ہاں بجھ گئی وہ شمعِ بزمِ انبساط
دل ہجومِ یاس و حرماں ہے نہ کیوں ہو نوحہ زن

منتشر بزمِ تخیل مضطرب قلبِ حزیں
زندگی کا ہر نفس صبر آزما ہمت شکن

لالہ زاروں کی خموشی آبشاروں کا سکوت
نالۂ شب بن گیا ہے خندۂ صبحِ چمن

کلیاں پژمردہ ہیں، شبنم مضطرب نرگس اداس
چاک داماں، گل فسردہ یاسمین و نسترن

خاک پر ذرے پریشاں چرخ پر ماہ و نجوم
آہ بحرِ اشکِ خونِ دل ہوا ہے موج زن

کیا ہوئیں آخر بیاضِ صبح کی رعنائیاں
شامِ ظلمت، خانۂ ویراں پہ ہے اب خندہ زن

ضبطِ غم دشوار ہے آساں نہیں صبر و شکیب
دیکھئے کب تک رہے دریائے حرماں موج زن

شام ہی سے روشنی، ہائے شبِ غم ہے طویل
یورشِ ظلمت سے ہے تاریک میری انجمن

بس کہ اب اک شورِ المحبوب، المحبوب ہے
ہجر کے ماروں کی آنکھیں ہوگئیں گنگ و جمن

اللہ تا حدِ نظر گردِ جنازہ ازدحام
دیکھ کر شرمائے سیلِ نیل و سیلِ مرد و زن

دے رہا ہے یوں زمانہ روز و شب درسِ فنا ۔۔۔ خوش نوایانِ چمن کی ہے زباں پر کلُّ مَنْ
اب تو راہِ زندگی میں راہبر ہیں تا حیات ۔۔۔ ناصحِ مشفق کے فرمودات ہی بس پُر علن
مغفرت فرمائے آنحضرت کی بحرِ مصطفٰے ۔۔۔ قبر میں کھل جائے بابِ خلد رب ذو المنن
صدقِ دل سے اب دعائے مغفرت ہو روز و شب ۔۔۔ جیسے بھی ہو حکمِ حضرت پر رہیں ہم گامزن
آپ کو اس مدفنِ خاکی میں آسائش ملے ۔۔۔ ہو بروزِ حشر رحمت آپ پر سایہ فگن
آہ و نالہ حزن و حرماں، دیکھ کر مرے نظر ۔۔۔ ربّنا صبراً جمیلاً بر زبانِ مرد و زن

(بہ صنعتِ تشریح)

عظمتِ اسعد کہ ہاتف خود کہے سالِ وفات
قصر میں فردوس کے ہیں چار سو جلوہ فگن،

۱۳۹۹ ھ

رسالہ

ذکرِ اسعد

از ——— نسیم احمد غازی مظاہری

حضرت اقدس ناظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات کی خبر سنکر شہزادۂ محترم حضرت مولانا محمد اللہ صاحب مدظلہ کی خدمت میں ایک عربی تعزیتی عریضہ ارسال کر دیا گیا تھا جو عنوان "مراسلات و پیغامات" کے تحت مع ترجمہ درج ہے چند روز کے بعد سہارنپور حاضری ہوئی۔ تو حضرت مولانا سید وقار علی صاحب استاذ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور نے پوچھا کہ "آپ نے حضرت ناظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات پر بھی کچھ لکھا ہے؟ میں نے عرض کیا صرف ایک تعزیتی عریضہ ارسال کر دیا تھا اور کچھ نہیں لکھا"، مولانا نے فرمایا "آپ دوسرے حضرات کے متعلق تو قصائد و منظومات لکھتے رہتے ہیں اور اپنے محسن و مربی کو بھلا دیا"، میں نے کہا ایسا تو نہیں ہے ہاں کچھ اعذار ہیں جو کچھ سوچنے اور لکھنے سے مانع ہیں (۱) یہ سال کا آخر ہے اس وقت تعلیم کی ہماہمی اور کتابیں ختم کرانے کی فکر دامنگیر ہے (۲) پھر آغاز رجب سے شعبان کے آخر تک مدرسوں کے امتحانات اور جلسے رخصت کی

سانس لینے نہیں دیتے ان ایام بیکبارات کو جاگنے اور دن کو بھاگنے کا برابر سلسلہ رہتا
ہے (۳) حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا اثر قلب و دماغ پر اتنا زبردست
اور نا قابل بیان ہے کہ خیالات پراگندہ ہیں دل و دماغ ٹھکانے نہیں رہا ان سب کے
علاوہ سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت نور اللہ مرقدہ کی ذات جامع الصفات پر کیا
اور کیسے لکھوں کیا کیا اوصاف بیان کروں اور کیا کیا نہ کروں؟ اب ان امور مذکورہ کو اعذار
سمجھکر میری مجبوری کا خیال فرمالیجئے یا کوتاہی سمجھ لیجئے ۔ لیکن جب آپ کی اتنی پرزور
فرمائش ہے تو ان شاء اللہ اسکو پورا کرنے کی کوشش کرونگا اور تعمیل حکم میں لکھنے
کی پوری سعی کروں گا مگر رمضان المبارک کے بعد کیونکہ رمضان تک تو سر کھجلانے
کی بھی فرصت نہیں اور رمضان المبارک میں روزہ و نماز کے سوا کوئی کام نہیں ہوتا۔
اسی سفر میں مولانا اسلام الحق صاحب اسعدی ناظم دار العلوم شاہ بہلول سہارنپور
سے بھی ملاقات ہوئی۔ انہوں نے فرمایا کہ میں اپنے ماہنامہ "تحقیقات علمیہ" کا ایک
خاص نمبر حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق "نقوش اسعد" کے نام سے شائع کرنے
کا ارادہ رکھتا ہوں اسلئے حضرت پر کوئی منثور مضمون درکار ہے "یک نہ شد دو شد"
رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ میں نے مراد آباد گذارا اور اکثر اب تو مراد آباد ہی قیام رہتا ہے
۱۹ رمضان ۹۹ھ کی صبح کو مسجد سنگ پختہ کے بالائی حجرہ میں خواب دیکھا حضرت اقدس
ناظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ہوئی حضرت نے مجھکو رجسٹر کے سائز میں
دو بڑے بڑے تین عدد کاغذ عطا فرمائے ۔ آنکھ کھلی تو طبیعت میں نشاط تھا۔
سوچا کہ حضرت پر ایک منثور مضمون لکھکر مولانا اسلام الحق صاحب کی فرمائش کا بوجھ
اتار دوں چنانچہ مضمون کی چند سطریں لکھ ڈالیں تو بے ارادہ اشعار کا ورود شروع
ہوگیا۔ منثور مضمون چھوڑ کر اشعار لکھنے لگا اور تقریباً سوا سو اشعار لکھدیئے۔ اب
خواب کا خیال آیا تو دیکھا کہ اشعار اتنے ہی بڑے تین کاغذوں پر لکھے گئے ۔ جو
خواب میں دیئے گئے تھے حضرت مولانا عبد الجبار صاحب شیخ الحدیث مدرسہ شاہی
مراد آباد، دار العلوم جامع الاسعدی مراد آباد کی مسجد میں معتکف تھے۔ ظہر کے وقت
انکی خدمت میں حاضر ہوا۔ خواب بیان کرکے وہ تینوں کاغذ ان کی گود میں رکھدیئے
پڑھکر فرمایا یہی خواب کی تعبیر ہے اور یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت ہے ۔

پھر ماہِ شوال میں اس منثور مضمون کی بھی تکمیل ہوگئی۔ منثور مضمون کا عنوان ــ

"ذکر اسعد اسلامیان" اور اشعار کا عنوان "آہ پاسبانِ گلستان"

مقرر کرکے دونوں کو یکجا "ذکرِ اسعد" کے نام سے شائع کرکے سہارنپور بھی سب حضرات کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ اور دیگر مقامات پر بھی حضرت کے متعلقین کے پاس بھیجدیا گیا۔

اس طرح دونوں مذکورہ فرمائشیں بھی پوری ہوگئیں۔ "ذکر اسعد" کا مضمون نقوشِ اسعد وغیرہ متعدد رسائل میں طبع ہوکر شائع ہوچکا ہے۔ اس زیرِ نظر کتاب میں بھی عنوان "نگارشاتِ تأثرات" کے ذیل میں اس کو درج کر دیا گیا ہے اور "ذکر اسعد" کا حصہ اشعار بھی کچھ اضافات کے ساتھ بعنوان آہ پاسبانِ گلستان یہاں ملاحظہ فرمائیے اضافہ کے بعد اب ان اشعار کی تعداد ۱۴۴ ہوگئی ہے فقط

نسیم احمد غازی مظاہری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آہ پاسبانِ گلستان

کیوں بہاروں پر ہیں ظاہر آج آثارِ خزاں
ہر گل و غنچہ کے رُخ پر ہیں عیاں غم کے نشاں

محفلِ صحنِ چمن میں کیوں اُداسی چھا گئی
ہوگئیں مستور خوشیوں کی حسیں رعنائیاں

بے قراری کیوں فضاؤں پر ہے یہ بکھری ہوئی؟
کیوں الم کا مینہ برساتا ہے ابرِ آسماں؟

کیوں صفِ ماتم بچھی ہے یہ سہارنپور میں؟
نیم جاں کیوں ہو رہے ہیں غم سے سب پیر و جواں

غم کے بادل چھا گئے ہیں گلستاں پر ہر طرف
سُونی سُونی ہیں فضائیں از زمیں تا آسماں

ہر شجر، ہر برگ و گل ہے آج مرجھایا ہوا
گلستاں کی ہر روش ہے غمزدہ ماتم کناں

بزمِ علم و رشد پر اندوہ کی بارش ہوئی
چھا گئی ہیں مسندِ فن پر گھنی تاریکیاں

مبتلائے رنج و غم ہیں طالبانِ علم و فن
اشک کے دریا میں طوفان آگیا ہے الاماں

بے قرار و مضطرب ہیں آہ اربابِ سلوک
بزمِ علم و معرفت میں ہر بشر ہے نوحہ خواں

کاروانِ علم و عرفاں کا ہے غمگیں ہر نفر
ہو گیا ہے ان سے گم افسوس میرِ کارواں

ہو گئی ہیں اُف مظاہر کی بہاریں صیدِ غم
راہیِ جنت ہوا ہے آج ان کا پاسباں

نامِ نامی تھا "محمد اسعد اللہ" مشتہر
حق نے ان کو تھا بنایا اسعدِ ہر دو جہاں

وہ رہے مخدومِ اہلِ حق، جہاں میں عمر بھر
اور وفات اُن کی ہوئی تو اہلِ حق کے درمیاں

دولتِ علم و عمل ان کو ملی تھی بے حساب
اہلِ علم و اہلِ عرفاں کے تھے میرِ کارواں

علمِ دیں کی سلطنت کے تاجدارِ باوقار
علم و عرفاں کے گلستاں کے تھے یکتا پاسباں

ہو گئے وہ راحتِ باغِ جناں سے ہمکنار
اہلِ گلشن کو ملا دردِ فراقِ باغباں

ہجر سے اُن کے ہوئی دوبھر ہماری زندگی
حضرتِ اسعد تھے گویا جانِ جسم و جانِ جاں

اُف جدائی کے یہ صدمے کس طرح انگیز ہوں
صبر کا ہم کو ہے لیکن حکم ربِّ مستعاں

ظلمتوں میں تھا چراغِ نور حضرت کا وجود
جس کے بجھنے سے ہر سو چھا گئیں تاریکیاں

مسندِ نظمِ مظاہر مفتخر تھا آپ پر
آپ تھے اس کے لئے ظلِّ خدائے مستعاں

نازشِ بزمِ مظاہر اور "فخرِ رام پور"
اسعدِ ملت، امام و رہبرِ خورد و کلاں

پیکرِ اخلاص و تقویٰ، مصدرِ صدق و صفا
پاک صورت، پاک سیرت، منزلِ حق کا نشاں

مشعلِ راہِ ہدایت آپ کی ہر بات تھی
آپ کی ہر ہر ادا تھی رہنمائے انس و جاں

ان کی روشن زندگی تھی یادگار، اسلاف کی
ان میں آتی تھیں نظر اسلاف کی سب خوبیاں

بزمِ اہلِ علم میں ممتاز وہ رہتے تھے یوں
چاند جیسے آ گیا ہو کہکشاں کے درمیاں

اسعدِ ملت کو حق نے اپنی قدرت سے کیا
پیشوائے اہلِ عرفاں، رہبرِ اہلِ زماں

آئینہ دارِ سلف تھی ذاتِ اقدس آپ کی
تھیں ہر اک استاذ کی ان میں عیاں تابانیاں

مظہرِ علامہ اشرف علی تھانویؒ
مسند آرائے تصوف، رہبرِ پیر و جواں

حکمت، و اسرار کا دریائے ناپیدا کنار
قلبِ اطہر آپ کا تھا علم و عرفاں کا جہاں

جس پہ بزمِ علم نازاں تھی وہ تلمیذِ خلیل
شاہِ عبد اللہ و مولانا ظفر کا جانِ جاں

محفلِ ثابت علیؒ کے تھے وہ اک زندہ ثبوت
علم و فن پر رونما اُن سے ہوئیں رعنائیاں

بزمِ یحییٰؒ کے نظارے محفلِ اسعد میں تھے
اہلِ دانش پر نہیں ہے یہ کوئی رازِ نہاں

حضرتِ کامل پوریؒ کے نورِ دیدہ آپ تھے
کہتے ہیں ثانی نہیں تھا کوئی انکا نکتہ داں

عبدِ رحمٰن تقی، کامل پوری بحر العلوم
تھے مظاہر میں بہ استحقاق صدرِ عالماں

ناز تھا ان کو شہِ اسعد کی یکتا ذات پر　　وہ تھے بحرِ بیکراں اور یہ بھی بحرِ بیکراں
علم کے ہر بحرِ کامل سے ہوئے سیراب پھر　　تشنگانِ علم کا سیراب فرمایا جہاں
بحرِ عرفاں سے ہوئے سیراب جب تھا نہ یوں　　بن گئے وہ ہند میں یکتا امامِ عارفاں
جانشینِ حافظ عبد اللطیف پیشوا　　ناظمِ اعلیٰ مظاہر کے تھے جو روحِ رواں
اپنے استاذ و مربی کے بنے وہ جانشیں　　خونِ دل سے سینچ کر شاداب رکھا گلستاں
حضرت شیخ الحدیث باصفا کے دوست تھے　　دوستی نازاں تھی ان دو، دوستوں کے درمیاں
مفتی اعظم سعید احمد تھے تلمیذ و رفیق　　آج بھی اہلِ سعادت کی رفاقت ہے عیاں
ہیں فقیہِ دورِ حاضر، مفتی محمود بھی　　آپ کے شاگرد فخرِ ہند و صدرِ مفتیاں
ہیں مجازِ خاص و تلمیذ سعید نامور　　حضرتِ صدیق احمد باندوی والا شاں
حضرت اسعد بجا نازاں تھے انکی ذات پر　　آپ فرماتے مرا صدیق ہے جنت نشاں
حق نے فرمایا اگر اسعد سے تو لایا ہے کیا؟　　عرض کر دونگا " یہ صدیق " آپ کے رب جہاں
میری بخشش کا سہارا حضرتِ صدیق ہیں　　نورِ چشم و لختِ دل ہے بالیقیں وہ جانِ جاں
ہے منور ذاتِ صدیق اسعدی انوار سے　　دور تک پھیلی ہیں انکی اسلئے تابانیاں
گلشنِ صدیق یارب رات دن پھولے پھلے　　اور خزاں نا آشنا اسکی رہیں شادابیاں
جانشینِ خاص ان کے ہیں مظفر، باکمال　　مفتی اعظم، محدث، رہبر اسلامیاں
آئینہ دارِ جنابِ اسعدِ مرحوم ہیں　　شہ مظفر تاجدارِ انتظامِ گلستاں
حق تعالیٰ نے عطا کی ان کو ہر اچھی صفت　　ہیں عیاں تر ان کے اندر اسعدی تابانیاں
مرشدِ کامل کے ہیں اوصاف انکی ذات میں　　علم و حلم بے پناہ، اور ورع و تقویٰ بیکراں
زہد و اخلاص و قناعت اور عشقِ مصطفےٰ　　انکساری اور تواضع خاص ہیں ان کے نشاں
ناظمِ اعلیٰ گلستانِ مظاہر کے ہیں وہ　　اسعدی مے ان سے پیتا ہے جہانِ تشنگاں
میکدہ باقی رہے اور ساقی مستانہ بھی　　جام گردش میں رہے جبتک رہے باقی جہاں
ہیں جنابِ یونس شیخ الحدیث باصفا　　آپ ہی کے شاگردِ ذیشاں اور مجازِ عالیشاں
جانِ جاناں حضرتِ مظہر کے وہ مظہر ہیں آج　　صورت و سیرت کی ان میں خوبیاں ہیں بیکراں
داعیٔ حق یوسفِ یکتا کے تھے استاذ آپ　　کون یوسف ؟ راہِ حق میں جسکی دیں قربانیاں
یادگاران کی امانی اور صحابہ کی حیات　　دعوت و تبلیغِ دیں کو جسکی دیں تابانیاں

اب امیر دعوت و تبلیغ انعام الحسن   آپ کے شاگرد عالیشاں ہیں مشہور جہاں

خادم خاص آپ کے ہیں مرکز تبلیغ میں   شہ عبید اللہ بلیاوی امام عارفاں

آپ کے شاگرد ہی اہل عرب کے ہیں امیر   وہ سعید کی ذیشاں، امیر کارواں

آپ کے تلمیذ یکتا تھے امام علم و فن   حضرت شیخ ابرار احمد امیر کارواں

حضرت اکبر علیؒ پیشوائے ہند و پاک   فخر اہل علم و فن و طوطیٔ اسلامیاں

اسعدی آغوش میں پھولے پھلے اکبرؔ امیر   نور برسا کر جہاں میں چل دیئے سوئے جناں

عبد ستار، عبد جبار اور بشیر اعظمیؒ   اُن کے شاگردوں میں ہے انکی عجب ممتاز شان

ان میں ہر اک مسند تحدیث پر ہے جلوہ گر   اپنی اپنی بزم کا ہر ایک ہے روح رواں

حضرت ابرار حق بھی آپ کے شاگرد ہیں   جو علوم دین و عرفاں کے ہیں بحر بیکراں

گو ہزاروں آپ کے شاگرد ہیں اہل کمال   اس کلام مختصر میں ہے محال ان کا بیاں

شاہ بشیر اللہ، بربی مفتی محمود بھی   آفتاب و ماہتاب ملت رنگو نیاں

حق نے چمکایا تھا حضرت کو مثال آفتاب   ساری دنیا میں ہے روشن نور اسعد بیگماں

فیض اسعد کے سمندر بہہ رہے ہیں آج بھی   ان سے سیرابی کرے حاصل جہان تشنگاں

وہ رخ تابان اسعد اب نظر آتا نہیں   دید جسکی تابش قلب و نظر تھی اے گماں

آہ کتنا جانگسل ہے اُن کا یہ داغ فراق   یہ بہاریں بھول جائیں کیسے اپنا باغباں

ڈھونڈھتا ہے پیر میخانہ کو ہر اک تشنہ لب   جام و ساغر منتظر ہیں میکدہ کے درمیاں

لہلہاتا گلشن شاداب بھی ہے سوگوار   ہے بہاران گلستاں کو تلاش باغباں

کیسے مٹ سکتا ہے نقش یاد اسعد قلب سے   یہ امانت ہیں نے رکھی ہے درون دل نہاں

مجمع اوصاف گوناگوں تھی ان کی ذات پاک   ذات اسعد میں نظر آتا تھا اک پورا جہاں

بے شمار اوصاف کا حامل وہ جسم مختصر   گویا کوزہ میں سمٹ آیا تھا بحر بیکراں

عالم و عامل تھے وہ اور صاحب فقہ و ادب   عابد و زاہد تھے وہ اور واعظ سحر البیاں

صرف و نحو و ہیئت و علم حساب و ہندسہ   یہ تھے چند قطرات علم و فن بحر بیکراں

وہ ذکاوت اور ذہانت میں تھے بے مثل و عدیل   تھے مناظر اور فصیح و شاعر جادو بیاں

پھر لطافت اور نفاست میں نہ تھی انکی نظیر   تھی انھیں مرغوب تر پاکیزگی جسم و جاں

مشغلہ تھا رات دن پاکیزہ اعمال و علوم   دور تھیں اس پاک باطن سے سبھی ناپاکیاں

فلسفہ و منطق ان کے دامنِ فن کے غبار
بارہا اُن کی، دلیلوں سے بکھیریں دھجیاں

کون سا وہ علم و فن ہے جس کے وہ ماہر نہ تھے
ان پہ نازاں تھا یقیناً علم و عرفاں کا جہاں

تھے انھیں محبوب سب سے علمِ تفسیر و حدیث
روز و شب فقہ و ادب بھی رہتے تھے وردِ زباں

رونقِ بزمِ ادب تھے، زینتِ درسِ حدیث
پھر دلائل سے مزین آپ کا شستہ بیاں

عقدۂ مشکل کوئی ان کے یہاں مشکل نہ تھا
چٹکیوں میں آپ سلجھاتے تھے علمی گتھیاں

معرکۂ حق و باطل جب کوئی آیا نظر
سینۂ باطل پہ چڑھ جاتا وہ حق کا پہلواں

دینِ برحق کی حمایت میں تھے وہ شیرِ ببر
زمرۂ باطل پہ گرتے بن کے قہرِ آسماں

جب کیا باطل نے آکر ہند میں شور و شغب
برسرِ میداں آتے اسعدِ شعلہ بیاں

جراتِ اسعد جہاں میں آج بھی مشہور ہے
اہلِ باطل کیلئے تھی موت ان کی دھمکیاں

آریوں کی فتنہ سامانی مٹائی آپ نے
شدھی و سنگھٹن کا بڑھکر پھونک ڈالا خانماں

غلمدیت نے اٹھایا جب کہ سر آکر یہاں
آگئے میداں میں لیکر وہ شمشیر و سناں

کردیا جھوٹی نبوت کا سراپا ختم ہا!
کردیا مرزا کو رسوا کانپ اٹھا قادیاں

نام سنکر حضرتِ اسعد کا پوپ و پادری
دم بخود رہتے نہ کر پاتے تھے تثلیثی بیاں

مشرقی کی خاکساری کو ملایا خاک میں
کردیا مکر و فریب اس کا جہاں بھر میں عیاں

حملہ آور جب ہوئے وہ فرقۂ پرویز پر
ہوگئیں دنیا میں اسکی سر بسر بدنامیاں

نام تھا خوبصورت فرقۂ قرآنیہ
ہوگیا شیطانیہ جب کھل گئیں شیطانیاں

"حفظ الایماں" پر جو ڈالا نعمان نے دامِ فریب
کھولدیں خلقت میں اسکی آپنے مکاریاں

شاہراہِ حق دکھائی آپنے مخلوق کو
اور ہمیشہ کفر و باطل کی بکھیریں دھجیاں

آپنے جہل و ضلالت سے کیا ہر دم جہاد
حق کی خاطر دیں ہمیشہ آپنے قربانیاں

زندگانی دینِ حق پر آپنے قربان کی
ردِ باطل پر لگادی طاقت و تاب و تواں

حق سے جو بچھڑے تھے انکو آشنائے حق کیا
دور کردیں راہِ منزل کی سبھی دشواریاں

جس نے پایا دامنِ اسعد مطیعِ حق ھوا
زندگانی سے ہوئیں دور اسکی نافرمانیاں

رات دن تبلیغِ دینِ پاک میں تھا انہماک
شغل تھا تعلیمِ علمِ سرورِ کون و مکاں

مدتوں برسائیں جس نے حکمتوں کی بارشیں
سو گیا زیرِ زمیں وہ علم و فن کا آسماں

مدتوں وعظ و نصیحت کا رہا فیضانِ عام
مسجدِ جامع کا منبر آج ہے ماتم کناں

ان کی خدماتِ جلیلہ کا صلہ حق دے انھیں — پیروی ان کی کریں یارب سبھی پسماندگاں
ان کے لطف و مہر و شفقت ہم بھلا سکتے نہیں — سایۂ رحمت تھی ذاتِ پاکِ اسعد بے گماں
ایسی ہستی اس جہاں میں اب کہاں موجود ہے — جو بلا تفریق ہو ہر اک بشر پر مہرباں
ہیں بہت انسان دنیا میں مگر اسعد نہیں — ایسے انساں کیجئے پیدا خدایا دو جہاں
میکدہ کے نظم میں برپا جو کردے انقلاب — ایسا ساقی مدتوں کے بعد آتا ہے یہاں
نرگسِ خستہ ہزاروں سال رہ کر غمزدہ — دیدہ ور کی دیکھتی ہے گلستاں میں درمیاں
ان کے ہر اک وصف کو آخر بیاں کیسے کروں — حضرتِ اسعد کو دی تھیں حق نے بیحد خوبیاں
آپ کے بارے میں یہ کہتے رہے اہلِ نظر — ذاتِ اسعد ہے یقیناً قدرتِ حق کا نشاں
ڈھونڈتی ہیں اب نگاہیں ایسا نورانی بشر — خالی آتا ہے نظر افسوس اب سارا جہاں
اس جہانِ رنگ و بو میں رائگاں ہے جستجو — ایسی ہستی جامع الاوصاف اب ہوگی کہاں
اے دلِ مضطر کو میرے اب تسلی کون دے — کون دلسوزی سے غم کی اب سنیگا داستاں
پے بہ پے آلام کی یورش ہے، بچنے کیلئے — کس کے دامن میں چھپے جا کر نسیمِ خستہ جاں
کس سے لطف آمیز لہجہ میں سنوں "بیٹا نسیم" — کس سے جا کر اب کہونگا آہ اسرارِ نہاں
کون ہے غمخوار میرا، کون ہے اب غمگسار — اب بیاں کس سے کروں گا دردِ غم کی داستاں
دستِ شفقت کون رکھے گا مرے سر پر نسیم — زندگی بھر یاد آئیں گی کرم فرمائیاں
تھے شہ اسعد شفیق و پیکرِ رحم و کرم — ڈھونڈتی ہیں یہ نگاہیں آپ جیسا مہرباں
داغِ فرقت ہم کو دے کر آہ وہ رخصت ہوگئے — چھوڑ کر ہم کو ہوئے وہ راہیِ ملکِ جناں
ہوگئی تاریک دنیا اسعدی خدام پر — شدتِ غم سے ہوا جاتا ہے ہر اک نیم جاں
گلستانِ رنگ و بو پر غم کے بادل چھا گئے — بارشِ رنج و الم سے ہیں بہاریں نیم جاں
خندہ زن تھیں سب بہاریں آگئی بادِ سموم — رونما گلشن میں ہر سو ہوگیا دورِ خزاں
چھا گئی پژمردگی ہر چیز پر اے دوستو! — موتِ عالم، موتِ عالم کا ہے یہ منظر عیاں
ظلِ حق ہے بندگانِ حق کا پاکیزہ وجود — رحمتوں کا سائباں ہے سایۂ صاحبدلاں
نعمتِ عظمیٰ ہے اہلِ دل کا دنیا میں وجود — اس جہاں سے انکی رحلت ہے قیامت کا نشاں
رحلتِ اسعد ہے بیشک حادثہ فاجعہ — ہر طرف رنج و الم کی چھا گئیں تاریکیاں
ہم یتیموں کو خدایا دیجئے صبر و سکوں — غم کے ماروں کو عطا فرمایئے تاب و تواں

اجر سے محروم ہم کو کر نہ دے یہ اضطراب — دولتِ صبر و رضا دیدیجئے اے مستعاں
آپ کا نعم البدل، کر دیجئے ہم کو عطا — آپ کو قدرت ہے بیشک خالقِ کون و مکاں
آپ کے ہر حکم پر قربان، جان و دل سے ہوں — دیجئے توفیق ہم کو اے معین و مستعاں
کیجئے قدرت سے اپنی اُن کا سچا جانشیں — اُن کے ہر لختِ جگر کو دے کے وہ سب خوبیاں
ساری دنیا میں خدا یا عام ہوں ان کے فیوض — جانشیں ان کے رہیں جبتک رہے باقی جہاں
وہ سعادت دیجئے اب شاہِ اسعد کے طفیل — دو جہاں میں جس سے ہم ہو جائیں یارب کامراں
روضۂ جنت بنے قبر مبارک آپ کی — روز و شب سایہ فگن ہو رحمتوں کا سائباں
آپ ہمیشہ حضرتِ مرحوم سے راضی رہیں — روح، حضرت کی رہے دائم خدایا شادماں
یاالٰہی ان کے رتبوں کو بلند فرمایئے — اُن کو دیجئے جنتِ فردوس میں اعلیٰ مکاں

غازیِ مغموم بھی ہو اسعدِ ہر دو سرا
کیجئے لطف و کرم اے کردگارِ مستعاں

نسیم احمد غازی آغا مظاہری ۱۹ رمضان ھ ۱۳۹۹

دیگر چند بند

نتیجۂ فکر آغا مظاہری

تاجدارِ علم و فن جب چل دیا سوئے جناں — ہو گئے ماتم کناں اسپرِ زمین و آسماں
ہجر کے صدموں سے رد دی تھی بہارِ گلستاں — باغِ علم و آگہی میں تھے بپا شور و فغاں
شمعِ علم و معرفت جب گل ہوئی تو الاماں
چھا گئیں رنج و الم کی ہر طرف تاریکیاں

کارواں کا راہ میں افسوس رہبر کھو گیا — آہ مقتدر رہبرِ دل کا راستے میں سو گیا
جام گردش میں نہیں ہے، خالی ساغر ہو گیا — تشنگانِ مے کا ہاتھ جینا دوبھر ہو گیا
مے پرستو! اضطراب اپنا مقدر ہو گیا
ساقیِ مستانہ میخانہ کا جب سے سو گیا

راہیِ ملکِ عدم وہ ہو گیا شیرِ خدا — دور تک چھایا ہوا تھا جس کا رعب و دبدبہ
حملہ آور جو ہوا باطل پرستوں پر سدا — آہ وہ شیرِ وغا میداں سے رخصت ہوا

حضرتِ اسعد ہمارے رہنمائے باصفا..
جن کی ہیبت سے ہمیشہ کانپتا باطل رہا

دلربا اپنا روانہ سوئے جنت ہو گیا — حور و غلماں کیلئے سامانِ فرحت ہو گیا
دردِ فرقت میں تڑپنا اپنی قسمت ہو گیا — لیکے دل کا چین دل آرام رخصت ہو گیا

رہنما؛ کیوں آج محوِ خوابِ راحت ہو گیا
کارواں تیرا گرفتارِ مصیبت ہو گیا

غازیِ عاجز کی یا رب سن لے یہ قلبی دعا — دے شہِ اسعد کو اپنی شان کے لائق جزا
ان کا ہر تلمیذ ہو باطل شکن مردِ خدا — ہوں ترے مقبول بندے سب عزیز و اقربا

ان کا ہر لختِ جگر ہو مقتدائے باصفا
تجھ کو کچھ مشکل نہیں اے مالکِ ارض و سما

قطعاتِ تاریخِ وفات

(مولانا انعام الرحمٰن صاحب تھانوی)

(۱)
شاہِ اسعد باہمہ شوقِ صلوٰۃ و روح تاب — خوب تر بودہ بدرگاہِ الٰہی باریاب
سالِ فوت بہرِ بشس انعام ایں کردہ رقم — در ارم شد حاجی شہ مولینا اسعد کامیاب
۱۳۹۹ھ

(۲)
حضرت مولانا حاجی اسعدِ نیکو سرشت — جانبِ دارالبقا شد چوں ازیں دنیا بگشت
گفتہ است انعام ایں سالِ وفاتِ بہرِ بشش — حاجی مولانائے ما شد اسعد اللہ در بہشت
۱۳۹۹ھ

(۳)
جنابِ حضرتِ اسعد بلند و پاک مقام — کہ بُد ذکی و لطیف المزاج مولانا
بگفت ہجری سنِ رحلتش ہمیں انعام — بخلد اسعد ممتاز حاجی مولانا
۱۳۹۹ھ

(۴)
شاہ اسعد گرامی شدہ زیں جہاں — سخت غمگیں ارباب ربانند و جلد
ہجری سنہ فوت انعام کردہ بیاں — حاج، ممتاز مولانا اسعد مخلد
۱۳۹۹ھ

---

(۵)
حضرت مولانا اسعد زینتِ ایوانِ علم — شد بہ طبع و ذہن و فکر او نمایاں شانِ علم
گفتہ است انعام ایں سال وفاتِ ہجریش — در جناں شد حاج شہ مولانا اسعد کانِ علم
۱۳۹۹ھ

---

(۶)
مولانا حاج اسعد ہر آنکہ بود مشہور — ازیں جہانِ فانی گردید حیف مستور
ہجری سنہ وفاتش انعام ایں رقم زد — مولانا اسعد اللہ شد در جناں پُر نور
۱۳۹۹ھ

---

(۷)
ازیں جہاں رفتہ مولانا حاج اسعد — تکبیر اولیں را ہر آنکہ ملتزم بُد
ہجری سنہ وفاتش انعام ایں رقم زد — مولانا اسعد اللہ پر نور در جناں شد
۱۳۹۹ھ

---

(۸)
زیں جہاں حضرت عالی اسعد — چوں شد از امر خداوند صمد
یازدہ جون بدر عیسوی سنہ — نُہ د ہفتاد د یک الف و نہ صد
۱۹۷۹ء

---

(۹)
شد ز دنیا حاج شہ اسعد بہ شب — چوں بامر حضرتِ ربِ صمد
بُد، دوشنبہ پانزدہ ماہِ رجب — سال ہجری کانہ بود، الف و سہ صد
۱۳۹۹ھ

---

(۱۰)
زیں جہاں شد حاج شہ مولانا اسعد یک دم — ملتزم تکبیر اولیٰ آنکہ بُد با جہد کل
سال فوت ہجریش انعام ایں کردہ رقم — حاج شہ مولانا اسعد بجنت جائے گل
۱۳۹۹ھ

یوسف قطعات تاریخی ۱۹۷۹ء

تاریخی قطعات و رباعیات

از جناب نظر سہارنپوری

(۱)
یارب اندر چمن خلد گزارش بادا — قصر فردوس بریں قرارش بادا
دم بدم، لحظہ بلحظہ، سحر و شام مدام — کوکبِ لطف و کرم فرازش بادا
۱۳۹۹ھ

ملا لہائے شامِ غم ، صبحِ فراق

(۲)

رہبی فردوسِ عبلی، رونقِ قصرِ جناں — جانشینِ شاہِ اشرف، اسعد، آگاہِ الٰہ
مصرعِ تاریخِ رحلت، گفتۂ قلبِ نظیر — اللہ، اللہ، حیف ہائے رہبرِ راہِ الٰہ

۱۳۹۹ھ

(۳)

وصف حواس کا بیاں، وہ ملک اطوار کہاں — ذرۂ خاک کہاں، مہرِ ضیا بار کہاں
موج اوصاف سے بالا ہے وہ بحرِ ذخار — نالۂ قلب، نظیرِ جگر افگار کہاں

۱۹۷۹ء

(۴)

ہے نفوسِ قدسیہ میں آپ کا اعلیٰ مقام — زمرۂ اہلِ ورع پر ہے جلالت میں شرف
اللہ، اللہ، بخت حضرت، رات ہاتف نے کہا — پائیں اسعد اللہ، دربارِ رسالت میں شرف

۱۳۹۹ھ — ۱۹۷۹ء

(۵)

گر قبول افتد زہے عز و شرف — گرچہ مختصر ہے یہ نذرِ حقیر
جوشِ غم سے کھل گئے بے اختیار — بابہائے نالۂ قلبِ نظیر

۱۳۹۹ھ

(۶)

دینِ مصطفیٰ میں گرمِ عمل رہ کے تا حیات — وہ مہرِ جہاں تاب بھی روپوش ہو گیا
عالم میں فیض اس کا سدا ترخشندہ ہو جو — گو خاکِ قبر سے وہ ہم آغوش ہو گیا

جس باغ میں ہم آتے ہی ہوتے تھے باغ باغ
وہ باغ بولتا ہوا خاموش ہو گیا

۱۳۹۹ھ

(۷)

شاہِ اشرف کے جانشیں اسعد — ہادیِ دیں بالیقیں اسعد
ذاتِ والا ہے بے مثال نظیر — لائقِ قدر و آفریں اسعد

۱۳۹۹ھ

(۸)

تھے زمانہ میں عجب یکتائے زمانہ اسعد — سدا ہر معرکہ میں رہتے تھے یگانہ اسعد
ہوش تک کر کے بلند نامِ مظاہر کو نظیر — حیف اب بن گئے تیرِ اجل کا نشانہ اسعد

۱۳۹۹ھ

(۹)
شاہِ اشرف کے دلی عزت مآب اسعد — عارفِ وقت مسلّم تھے جناب اسعد
مدتوں بعد ہی کھلتا ہے نصیبِ نرگس — صدیوں بعد بھی مشکل ہے جوابِ اسعد
۱۳۹۹ھ

قطعہ تاریخ وفات

از مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی

إذ يسعد الله الذي ناق الأماثل محتدا — سيما الحياة بمستقل شد الرحال إلى العلى
لم يبق ينبوع العلوم جليها وخفيها — قد قلت في تاريخه "وجب الرحمٰن بادہ ما"
۱۳ ۱۰۳۲ ۹۳۴
۱۹۷۹ء

قطعاتِ تاریخ وفات

از شوق ماثوی

(۱)
یارہی کی تھیں ابھی تو زندگی کی سرحدیں — ساقیٔ کوثر کے ہاتھوں سے ابھی پیتے تھے جام
موتیوں کا اک محل کھلا کے رضوان نے کہا — اسعد اللہ! کیجئے اس قصرِ جنت میں قیام
۱۳۹۹ھ

(۲)
ختم ہوتا ہی نہیں تھا آنسوؤں کا سلسلہ — اور غم یہ تھا کہ پیر میکدہ رخصت ہوئے
ہم سپردِ خاک کرتے تھے کہ ہاتف نے کہا — اسعد اللہ تو شریکِ محفلِ جنت ہوئے
۱۳۹۹ھ

(۳)
شوق اپنے دل میں غم کا بیکراں طوفاں لئے — رو رہا تھا تربتِ مرشد پہ میں بیٹھا ہوا
غیب سے آئی ندا یہ مصرعِ تاریخ سن — اسعد اللہ کیلئے آتا ہے مژدہ خلد کا
۱۳۹۹ھ

قطعہ تاریخ وفات

از عبد السمیع کرنیوری

آج رخصت ہوگیا اک واعظِ شیریں بیاں — پیکرِ علم و عمل اور بدرِ تابانِ نجوم
فکر کی تاریخِ رحلت کی تو ہاتف نے کہا — لکھ دو رخصت ہوگیا ہے "کاملِ استاذِ علوم"
۱۳۹۹ھ

خاتمہ یا چند معروضات

(۱) زیر نظر کتاب "حیات اسعد" کی تکمیل و ترتیب شکستگی اسباب، نہایت عدیم الفرصتی اور سراسر یا بوسی کے ماحول میں ہوئی ہے جیسا کہ مقدمۂ کتاب سے ظاہر ہے۔ اس لئے اس میں یقیناً خامیاں ہونگی اور حذف و اضافہ اور کمی و زیادتی کی گنجائش بھی۔

(۲) "حیات اسعد" کی موجودہ حیثیت سوانح کی نہیں بلکہ یہ حاصل شدہ معلومات کا ایک کشکول ہے اسلئے اسمیں ترتیب و تہذیب کی تشنگی بھی ضرور محسوس ہوگی۔

(۳) جن حالات میں زیر نظر کتاب وجود میں آئی ہے۔ ان کے پیش نظر یہ ایک حیرت انگیز اعجوبہ، صاحب سوانح کی کرامت و برکت اور قدرت خداوندی کا ایک کرشمہ ہے ورنہ ؎ کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل، "نسیم صبح تیری مہربانی"

(۴) ناظرین کرام سے التجا ہے کہ کتاب "حیات اسعد" کو بنظر نقد ملاحظہ فرمائیں اور اسکی کوتاہیوں اور اغلاط سے باخبر فرمائیں۔ نیز مزید صحیح معلومات اور ایسے مفید متعلقہ مضامین سے مطلع فرمائیں جنکو "حیات اسعد" میں شامل کرنا مناسب ہو۔ ہم نقد و تبصرہ اور مزید معلومات کو شکریہ کے ساتھ قبول کریں گے۔ اور دوسری اشاعت میں انشاء اللہ تعالیٰ مکمل تہذیب و ترتیب اور اضافات کے ساتھ "حیات اسعد" کو شائقین کی خدمت میں پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

(۵) حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمۃ کے متوسلین اور خلفاء و مجازین سے درخواست ہے کہ یہ کام درحقیقت آپ حضرات ہی کے کرنے کا تھا۔ مجھ جیسا رند مشرب اور ادنیٰ غلام آستانۂ اسعدی اس کا اہل نہ تھا لیکن چونکہ مجھکو مامور کیا گیا تھا اس لئے اس جرأت رندانہ کا ارتکاب کیا گیا ہے اسی لئے خالص طریقت کے مضامین عالیہ سے قصداً صرف نظر اور پہلو تہی کی گئی ہے کہ یہ چیزیں راقم ناقص کی بساط سے بلند تھیں تاہم صاحب سوانح کے فیوض سے مالا مال ہستیوں کی توجہات سے ہنوز محروم ہی رہی اگر اس بے اعتنائی کو ترک فرما کر عنایت و اعانت اور توجہ فرمائیں گے

تو انشاء اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کی تکمیل و اشاعتِ مزید کی توقع ہے۔
کاش میری اس گذارش کو رائیگاں نہ کیا جائے۔ ورنہ ؎
جو ہم سے ہو سکا وہ کر دیا ہم نے۔
(۶) ناظرین کرام، سے عموماً اور مجازین وخلفائے عظام سے خصوصاً التجا ہے کہ
بندۂ کمترین کو اپنی دعوات صالحہ سے محروم نہ رکھیں گے ؎

یا ناظراً فیہ سل باللہ مرحمۃً ۔۔۔ علی المصنّف واستغفر لصاحبہ
واطلب لنفسک من خیر ترید بہا ۔۔۔ من بعد ذلک غفراناً لکاتبہ
لو ان لی یوم التلاق مکانۃً ۔۔۔ عند الرؤف لقلت یا مولانا
انا المسیئ وانت مولیٰ محسن
ھا قد اسأت واطلب الاحسانا

فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلماً
والحقنی بالصالحین ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب
علینا انک انت التواب الرحیم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا
ومولانا محمد والہ وصحبہ وعلماء امتہ بعدد کل ذرۃ الف
الف مرۃ۔

العبد

نسیم احمد غازی مظاہری

مقیم سرائے پختہ مراد آباد۔ یوپی

۱۱ رمضان سنہ ۱۴۰۶ھ
شب ۳ بجے

سندِ عالی

"حیاتِ اسعد" کی ترتیب و کتابت کے بعد حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض خاص خاص حالات کا علم ہو رہا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ان کو آئندہ اشاعت میں شامل کر دیا جائے گا حضرت حجۃ الاسلام کی مذکورہ اسنادِ حدیث کے علاوہ اور بھی بعض سندوں کا علم ہوا مثلاً مدینہ منورہ میں آپ نے حضرت شیخ کتانی سے باقاعدہ سندِ حدیث حاصل کی اسنادِ سندیہ میں آپ کی قریب ترین اور عالی سندِ حدیث یہاں درج کی جاتی ہے ——— حضرت حجۃ الاسلام رح نے حدیث حاصل کی حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رح سے اور انہوں نے حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی سے اور انہوں نے بلاواسطہ سراج الہند امیر المومنین فی الحدیث حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی سے اس طرح حضرت حجۃ الاسلام اور سراج الہند حضرت محدث دہلوی کے درمیان صرف دو ہی واسطے ہیں فقط

نسیم احمد غازی مظاہری

تقریظ سامی

فقیہ ملت، شیخ طریقت، استاذ محترم، مولانا مکرم

مفتی اعظم حضرت علامہ قاری شاہ مظفر حسین صاحب دامت برکاتہم

جانشین حجۃ الاسلام و ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد حجۃ الاسلام حضرت اقدس مرشدنا و مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ خلیفۂ اجل مجدد الملت، حکیم الامت حضرت اقدس مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ و ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کو حق تعالیٰ شانہٗ نے جامع الصفات و مجمع الکمالات بنایا تھا وہ منقول و معقول علوم و فنون میں حذاقت کاملہ و مہارت تامہ رکھتے تھے ان کو علوم قدیمہ وجدیدہ پر پوری دسترس حاصل تھی ان کو بیان و ادب، شعر و سخن، اور عروض و قوافی میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ وہ نظم و نثر میں یکساں گفتگو فرماتے اور زبان و قلم اور تصنیف و تالیف میں نہایت پاکیزہ ذوق رکھتے تھے جسطرح وہ تمام انواع علوم ظاہری میں کمال جامعیت کے حامل تھے اسی طرح علوم باطنی، تصوف و سلوک اور طریقت و معرفت میں بھی مقام خاص و امتیازی شان کے مالک تھے، غرضیکہ وہ علوم و معارف اور اوصاف و خوارق کے ایک کرنا پیدا کنار دیگانۂ روزگار تھے، بلاشبہ وہ ادیب اکمل، عالم باعمل، عارف باللہ، مصلح اعظم اور آیۃ من آیات اللہ تھے ؎

ولیس علی اللہ بمستنکر = ان یجمع العالم فی واحد

حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی حیات بابرکات کا ہر گوشہ پُر انوار و پُر بہار تھا۔ وہ ہمہ وقت ذکر و فکر اور وظائف عبودیت میں محو، بحر نسبت

میں غرق اور علوم وعرفان میں مستغرق رہتے تھے وہ اپنے کمالات وحالات کا اخفار پسند فرماتے اور زبان یا قلم سے ان کا اظہار ان کو ناگوار تھا ان کی زندگی کے خاص امتیازات میں سے تمام ارباب فرق باطلہ ومذاہب زائغہ سے نبرد آزمارہ کر ان سے کامیاب مباحثے، مناظرے، احقاقِ حق و تردیدِ باطل، ردارتداد، زبان وقلم سے دینِ برحق کی تائید وتقویت اور بلا امتیازِ مذہب وملت تمام انسانوں کی ہمدردی وخیرخواہی اور انکی اصلاح وتربیت کی فکر وکوشش جیسی صفات ہیں

حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمۃ کی حیاتِ مبارکہ کا ہر پہلو حیرت انگیز، سبق آموز، عبرت انگیز اور مردانِ راہ حق کے لئے بہترین رہنما ومشعل راہ ہے۔اسی بنا پر حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات (۱۵رجب ۱۳۹۹ھ) کے بعد ہی خدام ومتعلقین اور متوسلین ومعتقدین کے قلب میں حضرت والاؒ کی مبارک زندگی کے حالات قلمبند ہوکر کتابی شکل میں عوام وخواص کے سامنے آجانے کا شدید تقاضا پیدا ہوا۔

اس سلسلہ میں سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اس عظیم کام کی ذمہ داری کون اپنے کاندھوں پر اٹھائے اور اس اہم خدمت سے کس طرح عہدہ برآ ہوا جائے جبکہ اس فانی فی اللہ باقی باللہ ہستی کی حیات پُر کمالات کے اکثر گوشے پردۂ خفار میں مستور ہیں۔ نہ یادداشتیں محفوظ رکھی گئیں نہ تفصیلی رودادوں کو یکجا رکھنے کا اہتمام کیا گیا اور نہ ہی کسی کے سوال کرنے پر حضرت والاؒ نے معلومات فراہم کیں۔ اسلئے ایک عرصہ تک آرزوؤں اور تمناؤں کی حد تک تقاضے ہی تقاضے چلتے رہے۔ اور ان کی عملی شکل دینے کا فیصلہ کرکے کسی نے کوئی اقدام نہیں کیا۔ اور اگر کیا تو چند قدم سے آگے نہ بڑھ سکے۔ کافی عرصہ گذرجانے کے بعد چند اہم حضرات کے ایمار ومشورے سے صاحبزادۂ محترم حضرت مولانا محمد اللہ صاحب استاذ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور نے حضرت حجۃ الاسلام کے خاص تلمیذ رشید جامعہ مظاہر علوم کے قابل فخر ومایۂ ناز فاضل جناب مولانا نسیم احمد صاحب غازی مظاہری کو بصورتِ درخواست مامور فرمایا

اور موصوف نے بخوشی اس درخواست کو قبول فرماکر اس ذمہ داری کے بارِ عظیم کو اٹھالیا اور ایک سال کی قلیل مدت میں اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر اس عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو گئے شکستگیٔ اسباب کے عالم میں، عدم معاونت اور حالات کی ناموافقت کے ماحول میں اتنا بڑا کام انجام دینا اللہ جل شانہٗ کی خاص غیبی مدد کا کرشمہ، فاضل مؤلف مولانا نسیم احمد صاحب غازی مظاہری کی عزم و حوصلہ کے ساتھ مساعی جمیلہ اور انتھک کوششوں کا نتیجہ اور موصوف صاحبِ سوانح (حضرت حجۃ الاسلام) سے ان کی قلبی وابستگی و والہانہ تعلق و عقیدت کا ثمرہ ہے۔ فجزاہُ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

مؤلف حیاتِ اسعد

جناب مولانا نسیم احمد صاحب غازی مظاہری، جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے ممتاز فضلاء اور مشہور علماء میں سے ہیں موصوف کی فراغت ۱۳۷۷ھ میں ہوئی۔ اور امتحانات میں امتیازی نمبرات حاصل کرکے انعامات حاصل کیے (جیسا کہ روداد مدرسہ مظاہر علوم بابت ۱۳۷۷ھ میں مذکور ہے) فراغت کے بعد سے موصوف درس و تدریس، دعوت و تبلیغ اور تصنیف و تالیف میں مسلسل منہمک و مشغول ہیں ان کی تصنیفات کی تعداد تفسیر و حدیث وغیرہ مختلف موضوعات پر تقریباً ساٹھ ہے۔ جن میں ایک درجن منظوم رسائل جو کئی ہزار عمدہ اشعار پر مشتمل ہیں شائع ہو چکے ہیں۔ درسی تفسیر پ۲۹ و پ۳۰، مرآۃ الانوار شرح اردو مشکوٰۃ الآثار وغیرہ مختلف اہم کتب بھی شائع ہو چکی ہیں۔ غرض وہ تصنیف و تالیف، منظوم و منثور میں بھی عمدہ سلیقہ و بہترین ذوق رکھتے ہیں۔ وہ تقریراً و تحریراً احقاقِ حق و ابطالِ باطل کے عادی ہیں اور اس سلسلہ میں کسی کی وجاہت و دولت وغیرہ کی وجہ سے رو رعایت کے قائل نہیں۔ درسِ قرآن (ترجمہ و تفسیر) ان کا مستقل و محبوب معمول ہے۔ بیان و خطابت اور تقریر میں بھی مہارت و شہرت رکھتے ہیں۔ غرض حق تعالیٰ نے عزیز موصوف کو علمی و عملی گوناگوں اوصاف و انعامات سے نوازا ہے۔ خداوند تعالیٰ مزید دن دونی رات چوگنی ترقیات سے مالا مال فرماتے آمین

حیات اسعد | عزیز موصوف کی تازہ تالیف "حیات اسعد" پیش نظر ہے جس میں حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی مقدس زندگی کے مختلف پہلوؤں پر قلم فرسائی کی گئی اور ان کے بہت سے کارناموں کا تعارف کرایا گیا ہے خود مؤلف گرامی قدر کی تحریر کے مطابق احوال کا احاطہ واستیعاب تو ممکن نہ تھا تاہم کافی عنوانات کی عمدہ تشریح کردی گئی۔ اور توقعات سے بہت زائد حالات کو جمع کردیا گیا ہے مزید تکمیل انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں ہو جائے گی۔ ایک خاص چیز "حیات اسعد" میں یہ ہے کہ حقائق سے تجاوز نہیں کیا گیا یعنی حالات و واقعات کے بیان کرنے میں افراط و تفریط سے کام نہیں لیا گیا۔ اور تقابل و مبالغہ آرائی اور بلا وجہ کسی پر نقد و طعن سے گریز و پرہیز کیا گیا ہے۔ اور ضرورۃً بھی ایسے نازک مواقع پر تائید حق و اظہار حقیقت کرتے ہوئے وہ نہایت سلیقہ و دانشمندی سے گذر گئے ہیں حاصل یہ ہے کہ غازی صاحب سلمہٗ نے اس اخلاقی فریضہ اور اہم ذمہ داری کو پوری ذمہ داری و احتیاط کے ساتھ انجام دیا ہے جو حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے تمام خدام و متوسلین پر عائد ہو رہی تھی اللہ تعالیٰ ہم سب خدام کیطرف سے آنموصوف کو جزائے خیر مرحمت فرمائے آمین اس سلسلہ میں اس سے زائد لکھنا مناسب نہیں۔ کتاب آپکے سامنے ہے "مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید" ہر شخص اپنی نظر سے دیکھ کر فیصلہ کرسکتا ہے۔ نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی۔ ہمارے نزدیک عزیز موصوف کی کوشش کامیاب ہے اور وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے متعلقین و منتسبین بلکہ تمام قدرداں مسلمانوں کیطرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ کیونکہ "حیات اسعد" جسطرح حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمۃ کے تلامذہ و مریدین و معتقدین کیلئے سرمۂ چشم و مرہم دل ہے اسیطرح دوسرے حضرات کیلئے بھی مفید و نافع ہے ــــ

دُعا :- اخیر میں دعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ عزیز موصوف مولانا نسیم احمد صاحب غازی مظاہری کی جملہ مساعی جمیلہ کو قبول و بارآور فرمائے امت مسلمہ کو ان کے فیوض سے تادیر متمتع فرمائے اور انکو ظاہری و باطنی ہر نوع کی برکات و ترقیات سے مالا مال فرمائے آمین

(رفیق الامت حضرت مولانا الشاہ) **مظفر حسین المظاہری** ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور (یوپی) ۵ صفر ۱۴۰۷ھ م ۱۵ اکتوبر ۱۹۸۶ء

تبرکات

-! بسم اللہ الرحمٰن الرحیم !-

حامدًا ومصلیًا امابعد حضرت اقدس مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحبؒ کی ذات گرامی اس دور میں ملت ہندیہ کے لئے خصوصًا اور عالم اسلام کے لئے عمومًا ایک روشن چراغ اور نورانی مشعل تھی۔ آپ کی ذات گرامی سے یگانے اور بیگانے سب ہی روشنی حاصل کرتے اور فیض اٹھاتے تھے۔

مسلم حکمرانوں کے دور زوال میں حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت اقدس مولانا مفتی محمد سعد اللہ صاحبؒ کو پیدا فرماکر ان کے ذریعہ ملت کی آبیاری کا بڑا کام لیا حضرت مفتی صاحب کا اصل وطن مراد آباد تھا لیکن انہوں نے لکھنؤ ۲۹ برس گذارنے کے بعد اپنا مستقل وطن ریاست رام پور کو قرار دے لیا تھا۔

حضرت مفتی صاحب کی تیسری پشت میں حق تعالیٰ نے حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب کو پیدا فرمایا اور ان سے دین وملت کی بڑی بڑی خدمات لیں۔ مدارس دینیہ کی خدمات تو وہ زندگی کے آخری سانس تک کرتے رہے۔

خصوصًا جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کی تعمیر و ترقی پر اپنی تقریبًا پوری حیات مبارکہ قربان فرمادی۔ اس خدمت کے ساتھ ساتھ انھوں نے تصوف وسلوک، دعوت وخدمت کے وہ عظیم المرتبت کام بھی انجام دیئے۔ جو دورِ حاضر میں کمیاب ہیں۔

عین جوانی کے دور میں جب ملکانوں اور راجپوتوں کو مرتد کرنے کا پنڈت شردھانند اور آریہ سماج نے زبردست طوفان اٹھایا تو جامعہ مظاہر علوم نے حضرت مولانا کو اپنا نمائندہ بناکر اس بھیانک طوفان کا مقابلہ کرنے کے لئے بھیجا اس سخت ترین اور بھیانک طوفان کے مقابلہ میں حضرت نے اپنی جان اور قابلیت بیدریغ جھونک دی اور اس فتنۂ ارتداد کو روکنے میں شاندار طریقہ پر کامیاب ہوئے۔

یہ ارتداد کا طوفان ایسا سخت تھا کہ بڑے بڑے حضرات مایوسی کا شکار ہوگئے تھے۔ لیکن حضرت مولانا اس میں پوری جرأت وشجاعت کے ساتھ سینہ سپر رہے ہر طرح کی تکالیف اور شدائد کو نہایت خوشگواری سے جھیلا۔ غرض آپ نے دورِ شباب میں وہ عظیم کارنامے انجام دیئے جن سے بڑے بڑے اکابر گھبرا اٹھے تھے۔ اسوقت کی ضروریات میں مدرسہ کیجانب سے جو امداد ملتی تھی آپ نے اس کو لینے سے بھی انکار فرما دیا تھا اور بلا معاوضہ پورے اخلاص وللہیت کے ساتھ سخت قربانیاں دیں۔
وقت کے امر کی تعمیل میں اسی قربانی کے سبب حق تعالیٰ نے آپ کو قبولیت سے نوازا اور اسی کی برکت سے وہ تادم واپسیں ملت کی غمگساری میں سرگرم عمل رہے۔
حضرت والاؒ تبلیغی کام کی سرپرستی الفاظ سے نہیں بلکہ عملی طور پر بھی فرماتے رہے۔ جمعرات کو جامع مسجد سہارنپور کے ہفتہ واری تبلیغی اجتماع میں بڑے اہتمام سے شرکت فرماتے اور اکثر تقریر فرماتے تھے۔ راستہ میں جتنے مسلمانوں اور ہندو دوکانداروں سے سامنا ہوتا ان سے ایسے ملتے جیسے کوئی اپنے بڑے تعلق والے سے ملتا ہے وہ بھی دوکانوں سے اٹھ اٹھ کر آگے بڑھ کر عجیب محبت وعقیدت سے حضرت سے ملتے تھے۔ بہت سے غیر مسلموں کو دعوت کے جذبہ سے انگریزی پڑھاتے تھے۔
رنگون کے تبلیغی کام میں مظاہری علمائے کرام بھی حصہ نہ لیتے تھے جب حضرت مولانا کو اسکی اطلاع ہوئی تو حضرتؒ نے عجیب وغریب طویل اور تفصیلی خط وہاں کے علماء کرام کے نام تحریر فرمایا جس کے نتیجہ میں وہاں کے علماء وطلباء تبلیغی کام کیطرف متوجہ ہوگئے۔ اس سے حضرت والا کا تبلیغی کام سے زبردست تعلق معلوم ہوا یہ سب چیزیں حیات اسعد میں تفصیل سے مذکور ہیں
شیخ التبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے فرمایا تھا کہ میرے اس تبلیغی کا پورا پورا اہل وہی ہوگا جو مدرسہ کی تعلیم، سلوکؒ وتصوف، امت دعوت واجابت میں تبلیغ ودعوت میں درجۂ کمال پر ہو۔ حق تعالیٰ نے

حضرت والاؒ کے شاگرد و مجاز حضرت مولانا صدیق احمد صاحب کو ان سب صفات سے خوب نوازا ہے اس انحطاط و زوال اور قحط الرجال کے دور میں ایسا صاحب مقام، مجاہد، مبلغ، عالم، مدرس اور سلوک و تزکیہ کی دولت سے مالامال انسان حضرت علیہ الرحمہ کے ذریعہ اور انکی برکت سے عالم اسلام اور ملت ہندو پاک کو نصیب ہوا۔ فجزاہ اللہ فی الدارین خیرًا۔

حضرت اقدس مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے باکمال صاحب مقام اور صاحب خدمات جلیلہ کی سوانح امت کے لئے مشعل راہ ثابت ہوگی بعد والے اس سے سبق سیکھیں گے اور رہنمائی حاصل کریں گے اسی وجہ سے حضرت کی سوانح کا سخت تقاضا تھا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے حضرت علیہ الرحمۃ کے شاگرد خاص اور جامعہ مظاہر علوم کے لائق فاضل حضرت مولانا نسیم احمد صاحب غازی مظاہری کو کہ انھوں نے اس اہم کام کو بہت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام کو پہونچا کر حضرت مولانا کے متعلقین و متوسلین پر خصوصًا اور ملت اسلامیہ پر عمومًا بڑا احسان فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کی دارین میں بہترین جزائے خیر عطا فرمائے اور ہر نوع کی ترقیات سے مالامال فرمائے آمین۔

خادم

افتخار فریدی مرادآباد

ماخذ "حیات اسعد"

(۱) آپ بیتی — قطب العالم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ

(۲) تاریخ مظاہر جلد اول — " "

(۳) تاریخ مظاہر جلد ثانی — مولانا محمد شاہد صاحب سہارنپوری

(۴) علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور انکی علمی و تصنیفی خدمات — جلد ۲ — " "

(۵) کلام اسعد بیاض حضرت والا	حضرت اقدس مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحبؒ
(۶) سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی	مولانا محمد ثانی صاحب ندویؒ
(۷) امواجِ تغزل	جناب سید محمد ظفر صاحب اشکؔ سنبھلیؒ
(۸) مقدمہ فتاویٰ سعدیہ ج ۱	حضرت اقدس علامہ مولانا مفتی لطف اللہ صاحب رامپوریؒ
(۹) تذکرۂ کاملانِ رام پور	جناب حافظ احمد علی صاحب شوقؔ رام پوریؒ
(۱۰) تلخیص اشرف السوانح	مولانا نور احمد صاحب فاضل دارالعلوم دیوبند
(۱۱) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ اور انکے خلفاء کرام	مؤلفین خلفاء و ناشر مولانا محمد یوسف صاحب متالا
(۱۲) اسلامی خلیہ مذاکرہ سال ہشتم ۱۹۸۰ء	کلکتہ
(۱۳) بیاض خاص	حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحبؒ
(۱۴) مراسلات	(مختلف علماء و متعلقین و متوسلین حضرات)
(۱۵) تحریرات	صاحبزادۂ محترم مولانا محمد اللہ صاحب و مولانا رئیس الدین صاحب
(۱۶) ؍؍	مولانا عبد القیوم صاحب بستوی
(۱۷) مختلف رسائل اور ماہنامے	(نظام کانپور۔ دارالعلوم دیوبند۔ الرشید پاکستان وغیرہ)

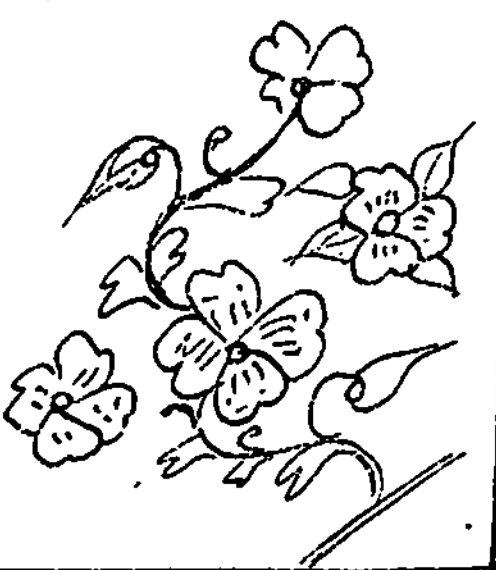
نوٹ

ان کتب مذکورہ سے اکثر مضامین بحوالہ ماخوذ ہیں ان کے علاوہ اگر کسی اور کتاب سے اتفاقاً کوئی مضمون لیا گیا ہے تو اس کا بھی مفصل حوالہ درج کر دیا گیا ہے۔

فقط

نسیم احمد غازی مظاہری بجنوری

سرائے پختہ مراد آباد



فہرست مضامین حیاتِ اسعد

مصنف حیات اسعدؒ کی چند

منثور تصنیفات ــــــ اور ــــــ منظوم تصنیفات

منظوم تصنیفات	منثور تصنیفات
(۱) حکمت لقمان	(۱) درسی تفسیر پ ۲۹ و پ ۳۰
(۲) حکمت ایمانیان	(۲) مرآۃ الانوار شرح اردو مشکوٰۃ الآثار
(۳) بہار و خزاں	(۳) محرم پر ماتم
(۴) پیام بیداری	(۴) تحفہ عید رمضان
(۵) شان مسلمانی	(۵) تحفہ خواتین
(۶) عقیدت کے تحفے	(۶) تعلیم کی اہمیت
(۷) محبت کے نغمے	(۷) حقیقت دنیا
(۸) عید کے نغمے	(۸) قرآنی چھ باتیں
(۹) نورانی گلدستے	(۹) حضرت رحمٰن کے خاص بندے
(۱۰) گلہائے رنگارنگ	(۱۰) ہدیۂ مومنات
(۱۱) ذکر طیب	(۱۱) تبلیغی چہل حدیث
(۱۲) ذکر شیخ	(۱۲) ایمانی چہل حدیث
(۱۳) ذکر اسعد	(۱۳) تحفہ شب برات
وغیرہ	وغیرہ

اور ان کے علاوہ دینی کتب ملنے کا پتہ

مکتبہ رشیدیہ سرائے چمنہ مرادآباد یوپی